



یہ صفحہ خلیفہ اسلام علی بن ابی طالب کے متعلق ہے۔ اس نام سے مشابہت رکھنے والے دیگر صفحات کے لیے ← علی (ضد ابہام) ملاحظہ فرمائیں۔

علی بن ابی طالب



ابو الحسن علی بن ابی طالب ہاشمی قرشی (15 ستمبر 601ء – 29 جنوری 661ء)^{[1][2]} خلافت راشدہ کے چوتھے خلیفہ تھے جنھوں نے 656ء سے 661ء تک حکومت کی۔ ابو الحسن عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے بعد اسلام کے خلیفہ بنے، لیکن انھیں شیعہ اثنا عشریہ و زیدیہ مسلمانوں کے ہاں خلیفہ بلا فصل، پہلا امام معصوم اور وصی رسول اللہ سمجھا جاتا ہے۔ وہ پیغمبر اسلام محمد کے چچا زاد اور داماد تھے۔ ام المومنین خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے بعد دوسرے شخص تھے جو اسلام لائے۔ اور ان سے قبل ایک خاتون کے علاوہ کوئی مردو زن مسلمان نہیں ہوا۔ یوں سابقین اسلام میں شامل اور عشرہ مبشرہ، بیعت رضوان، اصحاب بدر و احد، میں سے بھی تھے بلکہ تمام جنگوں میں ان کا کردار سب سے نمایاں تھا اور فاتح خیبر تھے، ان کی ساری ابتدائی زندگی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ساتھ گزری۔ وہ تنہا صحابی ہیں جنھوں نے کسی جنگ میں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تنہا نہیں چھوڑا ان کی فضیلت میں صحاح ستہ میں درجنوں احادیث ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انھیں دنیا اور آخرت میں اپنا بھائی قرار دیا اور دیگر صحابہ کے ساتھ ان کو بھی جنت اور شہادت کی موت کی خوش خبری دی۔

مسلمان انھیں ابو الحسن، ابو تراب، حیدرو حیدرہ، اسد اللہ/ شیر خدا، المرتضیٰ، امیر المومنین، باب مدینہ العلم اور عام طور پر عرب میں: سیّدنا علی اور عرب و عجم میں امام علی، ہند و پاک میں مولا علی کے نام سے بھی یاد کرتے ہیں۔

عمر کے بعد شوریٰ کے ارکان

اختیار خلیفہ ثالث

عثمان بن عفان
علی بن ابی طالب
عبد الرحمن بن عوف
زبیر بن عوام
سعد بن ابی وقاص
طلحہ بن عبید اللہ

ابو طالب^[3] اور فاطمہ بنت اسد^[4] کے ہاں پیدا ہوئے۔ روایات کے مطابق علی، مقدس ترین اسلامی شہر مکہ میں کعبہ کے اندر جائے حرمت میں پیدا ہوئے تھے۔^{[4][5][6]} علی رضی اللہ عنہ بچوں میں پہلے اسلام قبول کرنے والے تھے،^{[7][8]} اور کچھ مصنفین کے مطابق پہلے مسلم تھے۔^[9] ابتدائی دور میں علی نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کی^[10] اور ابتدائی مسلمانوں کے خلاف کی گئی تقریباً تمام جنگوں میں حصہ لیا۔ مدینہ ہجرت کرنے کے بعد انھوں نے پیغمبر اسلام کی بیٹی فاطمہ زہرا سے شادی کی۔^[4] خلیفہ عثمان بن عفان کے قتل کے بعد سنہ 656ء میں صحابہ نے انھیں خلیفہ منتخب کیا تھا۔^{[11][12]} علی رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں دو بغاوتیں اور خوارج کی خانہ جنگیاں دیکھیں اور نہایت بہترین اقدامات کیے۔ سنہ 661ء میں جب وہ جامع مسجد کوفہ میں نماز پڑھا رہے تھے عبد الرحمن بن ملجم نامی ایک خارجی نے ان کے سر پر تلوار سے حملہ کر دیا اور وہ دو دنوں بعد شہید ہو گئے۔^{[13][14][15]}

علی شیعوں اور سنیوں، دونوں کے ہاں سیاسی طور پر اور روحانی طور پر اہم ہیں۔^[16] فرقوں کے نزدیک علی کے متعلق متعدد سوانح عمریاں، ایک دوسرے سے کچھ مختلف ہیں، لیکن وہ اس بات پر تمام متفق ہیں کہ وہ پارسا مسلم اور قرآن و سنت پر سختی سے کاربند تھے۔^[1] سنی علی کو پوتھا اور آخری خلیفہ راشد سمجھتے ہیں جبکہ شیعہ قرآنی آیات اور متعدد فرامین نبوی جن میں اہم ترین واقعہ غدیر خم ہے، کو دلیل بنا کر انھیں محمد کے بعد پہلا امام مانتے ہیں۔ شیعوں کا یہ بھی ماننا ہے کہ علی اور دیگر شیعہ ائمہ (اہل بیت سے تمام) بھی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حقیقی جانشین ہیں۔ اسی اختلاف پر امت مسلمہ کو شیعہ اور سنی فرقوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔^{[4][16][17][18]} علی کو مختلف غیر مسلم تنظیموں کی جانب سے بھی پریرانی حاصل ہے جیسے کہ اقوام متحدہ اور انسانی حقوق کے لیے عالمی تنظیم نے ان کے طرز حکمرانی اور سماجی انصاف کی تعریف کی ہے۔^{[19][20][21][22]}

نام و نسب و خاندان

علی نام، ابو الحسن اور ابوتراب کنیت، حیدر (شیر) لقب، [23] والد کا نام ابو طالب اور والدہ کا نام فاطمہ تھا، پورا سلسلہ نسب یہ ہے، علی بن ابی طالب بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبدمناف بن قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوی بن بن غالب بن فہر بن مالک بن نضر بن کنانہ بن خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس بن مضر بن نزار بن معد بن عدنان چونکہ ابوطالب کی شادی اپنے چچا کی لڑکی سے ہوئی تھی اس لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ نجیب الطرفین ہاشمی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حقیقی چچازاد بھائی تھے۔ خاندان ہاشم کو عرب اور قبیلہ قریش میں جو وقعت و عظمت حاصل تھی وہ محتاج اظہار نہیں، خانہ کعبہ کی خدمت اور اس کا اہتمام بنو ہاشم کا مخصوص طفرانے امتیاز تھا اور اس شرف کے باعث ان کو تمام عرب میں مذہبی سیادت حاصل تھی۔ حضرت علی مرتضیٰ کے والد ابو طالب مکہ کے ذی اثر بزرگ تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انھی کی آغوش شفقت میں پرورش پائی تھی اور بعثت کے بعد انھی کے زیر حمایت مکہ کے کفرستان میں دعوت حق کا اعلان کیا تھا، ابو طالب ہر موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کرتے رہے اور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو کفار کے ہنچہ ظلم ستم سے محفوظ رکھا، مشرکین قریش نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پشت پناہی اور حمایت کے باعث ابو طالب اور ان کے خاندان کو طرح طرح کی تکلیفیں پہنچائیں، ایک گھاٹی میں ان کو محصور کر دیا، کاروبار اور لین دین بند کر دیا، شادی بیاہ کے تعلقات منقطع کر لئے، کھانا پینا تک بند کر دیا، غرض ہر طرح پریشان کیا، مگر اس نیک طینت بزرگ نے آخری لمحہ حیات تک اپنے عزیز بھتیجے کے سر سے دست شفقت نہ اٹھایا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دلی آرزو تھی کہ ابو طالب کا دل نور ایمان سے منور ہو جائے اور انھوں نے اپنی ذات سے دنیا میں مہبط وحی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جو خدمت و حمایت کی ہے اس کے معاوضہ میں ان کو نعیم فردوس کی ابدی اور لائتناہی دولت حاصل ہو، اس لیے ابو طالب کی وفات کے وقت نہایت اصرار کے ساتھ کلمہ توحید کی دعوت دی، ابوطالب نے کہا عزیز بھتیجے! اگر مجھے قریش کی طعنہ زنی کا خوف نہ ہوتا تو نہایت خوشی سے تمھاری دعوت قبول کر لیتا، [24] سیرت ابن ہشام میں حضرت عباس سے یہ بھی روایت ہے کہ نزع کی حالت میں کلمہ توحید ان کی زبان پر تھا، مگر یہ روایت کمزور ہے، ہر حال ابو طالب نے گو علانیہ اسلام قبول نہیں کیا، تاہم انھوں نے حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی جس طرح پرورش و پرداخت کی اور کفار کے مقابلہ میں جس شہادت اور استقلال کے ساتھ آپ کی نصرت و حمایت کا فرض انجام دیا، اس کے لحاظ سے اسلام کی تاریخ میں ان کا نام ہمیشہ شکر گزاری اور احسان مندی کے ساتھ لیا جائے گا۔ حضرت علیؑ کی والدہ حضرت فاطمہؑ بنت اسد نے بھی حضرت آمنہؑ کے اس یتیم معصوم کی ماں کی طرح شفقت و محبت سے پرورش کی، مستند روایات کے مطابق وہ مسلمان ہوئیں اور ہجرت کر کے مدینہ گئیں، ان کا انتقال ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کفن میں اپنی قمیص مبارک پہنائی اور قبر میں لیٹ کر اس کو متبرک کیا، لوگوں نے اس عنایت کی وجہ دریافت کی تو فرمایا کہ ابو طالب کے بعد سب سے زیادہ اسی نیک سیرت خاتون کا ممنون احسان ہوں۔ [25] حضرت علی بن ابی طالب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے دس برس پہلے پیدا ہوئے تھے، ابو طالب نہایت کثر العیال اور معاش کی تنگی سے نہایت پریشان تھے، قحط و خشک سالی نے اس مصیبت میں اور بھی اضافہ کر دیا، اس لیے رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے محبوب چچا کی عسرت سے متاثر ہو کر حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ ہم کو اس مصیبت و پریشان حالی میں چچا کا ہاتھ بٹانا چاہیے؛ چنانچہ حضرت عباسؑ نے حسب ارشاد جعفر طیار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کفالت اپنے ذمہ لی اور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ انتخاب نے علیؑ کو پسند کیا؛ چنانچہ وہ اس وقت سے برابر حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے۔ [26] [27] [28] [29] [30] [31] [32] [33] [34] [35] [36] [37] [38] [39] [40] [41] [42]

اسلام

حضرت علیؑ کا سن ابھی صرف دس سال کا تھا کہ ان کے شفیق مہربانی کو دربار خداوندی سے نبوت کا خلعت عطا ہوا، چونکہ حضرت علیؑ آپ کے ساتھ رہتے تھے اس لیے ان کو اسلام کے مذہبی مناظر سب سے پہلے نظر آئے؛ چنانچہ ایک روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور ام المومنین حضرت خدیجہ الکبریٰ کو مصروف عبادت دیکھا، اس موثر نظارہ نے اثر کیا، طفلانہ استعجاب کے ساتھ پوچھا، آپ دونوں کیا کر رہے تھے؟ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت کے منصب گرامی کی خبر دی اور کفر و شرک کی مذمت کر کے توحید کی دعوت دی، حضرت علیؑ کے کان ایسی باتوں سے آشنا نہ تھے، متحیر ہو کر عرض کیا، اپنے والد ابوطالب سے دریافت کروں اس کے متعلق؟ چونکہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو ابھی اعلان عام منظور نہ تھا، اس لیے فرمایا کہ اگر تمھیں تامل ہے تو خود غور کرو؛ لیکن کسی سے اس کا تذکرہ نہ کرنا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پرورش سے فطرت سنور چکی تھی، توفیق الہی شامل ہوئی، اس لیے زیادہ غور و فکر کی ضرورت پیش نہ آئی اور دوسرے ہی دن بارگاہ نبوت میں حاضر ہو کر مشرف باسلام ہو گئے۔ اس بارے میں اختلاف ہے کہ حضرت خدیجہ الکبریٰ کے بعد سب سے پہلے کون ایمان لایا، بعض روایات سے حضرت ابوبکرؓ کی، بعض سے حضرت علیؑ کی اولیت ظاہر ہوتی ہے اور بعضوں کے خیال میں حضرت زید بن حارثہؓ کا ایمان سب پر مقدم ہے؛ لیکن محققین نے ان مختلف احادیث میں اس طرح تطبیق دی ہے کہ ام المومنین حضرت خدیجہ الکبریٰؓ عورتوں میں، حضرت ابوبکر صدیقؓ مردوں میں، حضرت زید بن حارثہؓ غلاموں اور حضرت علیؓ بچوں میں سب سے پہلے ایمان لائے۔ [43] [44] [45] [46]

مکہ کی زندگی

اسلام قبول کرنے کے بعد حضرت علیؑ کی زندگی کے تیرہ سال مکہ معظمہ میں بسر ہوئے، چونکہ وہ رات دن سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہتے تھے، اس لیے مشورہ کی مجلسوں میں تعلیم و ارشاد کے مجموعوں میں، کفار و مشرکین کے مباحثوں میں اور معبود حقیقی کی پرستش و عبادت کے موقعوں پر، غرض ہر قسم کی صحبتوں میں شریک رہے۔ حضرت عمر بن خطابؓ کے اسلام قبول کرنے سے پہلے سر زمین مکہ میں مسلمانوں کے لیے علانیہ خدا کا نام لینا اور اس کی عبادت و پرستش کرنا تقریباً ناممکن تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم چھپ چھپ کر اپنے معبود حقیقی

کی پرستش فرماتے، حضرت علیؓ بھی ان عبادتوں میں شریک ہوتے، ایک دفعہ وادی نخلہ میں حسب معمول مصروفِ عبادت تھے کہ اتفاق سے اس طرف ابو طالب کا گزر ہوا، اپنے معصوم بھتیجے اور نیک نیت بیٹے کو مصروفِ عبادت دیکھ کر پوچھا کیا کرتے ہو؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کلمہ حق کی دعوت دی تو کہنے لگے کہ اس میں کوئی ہرج نہیں؛ لیکن مجھ سے نہیں ہو سکتا۔ [47][48][49]

انتظام دعوت

منصب نبوت عطا ہونے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تین برس تک علانیہ دعوت اسلام کی صدا بلند نہیں فرمائی؛ بلکہ پوشیدہ طریقہ پر خاص خاص لوگوں کو اس کی ترغیب دیتے رہے، پچھتھے سال کے اعلان عام اور سب سے پہلے اپنے قریبی رشتہ داروں میں اس کی تبلیغ کا حکم ہوا، چنانچہ یہ آیت نازل ہوئی: **وَإِذْ يُوحِي رَبُّكَ إِلَى النَّبِيِّ أَنِ ابْنِ صَفْحَةَ مِن قَبْلِهِ ذَلِكُمْ يُوقِنُ أَنَّ هَذَا الْيَوْمَ لَهُ الْفَتْحُ** (عزب الہی سے) "اے نبی! صفا پر چڑھ کر اپنے خاندان کے سامنے دعوت اسلام کی صدا بلند کی؛ لیکن مدت کا زنگ ایک دن کے صیقٹل سے نہیں دور ہو سکتا تھا، ابولہب نے کہا: جتنی تک، اسی لیے تو نے ہم لوگوں کو جمع کیا تھا؟ اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ پھر اپنے خاندان میں تبلیغ اسلام کی کوشش فرمائی اور حضرت علیؓ کو انتظام دعوت کی خدمت پر مامور کیا۔ حضرت علیؓ کی عمر اس وقت مشکل سے پودہ پندرہ برس کی تھی؛ لیکن انھوں نے اس کمسنی کے باوجود نہایت اچھا انتظام کیا، دسترخوان پر بکرے کے پائے اور دودھ تھا، دعوت میں کل خاندان شریک تھا جن کی تعداد چالیس تھی، حضرت حمزہؓ عباسؓ ابولہب اور ابوطالب بھی شرکاء میں تھے، لوگ کھانے سے فارغ ہو چکے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُنھ کو فرمایا: "یا بنی عبدالمطلب: خدا کی قسم میں تمہارے سامنے دنیا و آخرت کی بہترین نعمت پیش کرتا ہوں، پلو تم میں سے کون اس شرط پر میرا ساتھ دیتا ہے کہ وہ میرا معاون و مددگار ہوگا؟ اس کے جواب میں سب چپ رہے، صرف شیر خدا علی مرتضیٰ کی آواز بلند ہوئی کہ گو میں عمر میں سب سے چھوٹا ہوں اور مجھے آشوب چشم کا عارضہ ہے اور میری ٹانگیں پتلی ہیں، تاہم میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یاور اور دست و بازو ہوں گا۔" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اچھا تم بیٹھ جاؤ اور پھر لوگوں سے خطاب فرمایا؛ لیکن کسی نے جواب نہ دیا، حضرت علیؓ پھر آئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دفعہ بھی ان کو بٹھا دیا، یہاں تک کہ جب تیسری دفعہ بھی اس بارگراں کا اٹھنا کسی نے قبول نہیں کیا تو اس مرتبہ بھی حضرت علیؓ نے جاں بازی کے لہجہ میں انہی الفاظ کا اعادہ کیا تو ارشاد ہوا کہ بیٹھ جاؤ تو میرا بھائی اور میرا وارث ہے۔ [50][51][52][53][54]

ہجرت

بعثت کے بعد تقریباً تیرہ برس تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ کی گھاٹیوں میں اسلام کی صدا بلند کرتے رہے؛ لیکن مشرکین قریش نے اس کا جواب محض بغض و عناد سے دیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرائیوں پر طرح طرح کے مظالم ڈھائے، رحمت اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے جاں نثاروں کو اسیر پنجہ ستم دیکھ کر آہستہ آہستہ ان سب کو مدینہ چلے جانے کا حکم دیا؛ چنانچہ چند نفوس قدسیہ کے علاوہ مکہ مسلمانوں سے خالی ہو گیا، اس ہجرت سے مشرکین کو اندیشہ ہوا کہ اب مسلمان ہمارے قبضہ اقتدار سے باہر ہو گئے ہیں اس لیے ہمت ممکن ہے کہ وہ اپنی قوت مضبوط کر کے ہم سے انتقام لیں، اس خطرہ نے ان کو خود رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی جان کا دشمن بنا دیا؛ چنانچہ ایک روز مشورہ کر کے وہ رات کے وقت کاشانہ نبوت کی طرف چلے کہ مکہ چھوڑنے سے پہلے ذات اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو دنیا سے رخصت کر دیں؛ لیکن مشیت الہی تو یہ تھی کہ ایک دفعہ تمام عالم حقانیت کے نور سے پر نور اور توحید کی روشنی سے شرک کی ظلمت کا فور ہو جائے، اس مقصد کی تکمیل سے پہلے آفتاب رسالت کس طرح غروب ہو سکتا ہے، اس لیے وحی الہی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مشرکین کے ارادوں کی اطلاع دیدی اور ہجرت مدینہ کا حکم ہوا، سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خیال سے کہ مشرکین کو شبہ نہ ہو، حضرت علیؓ کو اپنے فرشِ اطہر پر استراحت کا حکم دیا اور خود حضرت ابوبکر صدیقؓ کو ساتھ لے کر مدینہ منورہ روانہ ہو گئے۔ [40][55] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب **مہاجرین** میں باہم بھائی چارہ کرایا تو حضرت علیؓ کو اپنا بھائی بنایا۔ [56][57][58][59][60][61][62]

تعمیر مسجد

مدینہ کا اسلام مکہ کی طرح بے بس و مجبور نہ تھا؛ بلکہ آزادی و حریت کی سر زمین میں تھا جہاں ہر شخص علانیہ خدائے واحد کی پرستش کر سکتا اور احکام شرعیہ نہایت اطمینان کے ساتھ ادا کر سکتا تھا، مسلمانوں کی تعداد بھی روز بروز بڑھتی جاتی تھی، یہاں تک کہ ہجرت کے چھٹے یا ساتویں مہینہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک مسجد تعمیر کرنے کا خیال پیدا ہوا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی بنیاد رکھی اور اپنے رفقا کے ساتھ خود اس کی تعمیر میں حصہ لیا، تمام صحابہ جوش کے ساتھ شریک کار تھے، حضرت علی رضی اللہ عنہ لہنت اور گارہ لالا کر دیتے تھے اور یہ رجز پڑھتے تھے: **لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ، مُحَمَّدٌ عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ، اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ** [63] "جو مسجد تعمیر کرتا ہے کھڑے ہو کر اور بیٹھ کر اس مشقت کو برداشت کرتا ہے اور جو گرد و غبار کے باعث اس کام سے جی چراتا ہے وہ برابر نہیں ہو سکتے۔" [64]

غزوہ بدر

سلسلہ غزوات میں سب سے پہلا معرکہ غزوہ بدر ہے، اس غزوہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے تین سو تیرہ جان نثاروں کے ساتھ مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے، آگے آگے دو سپاہ رنگ کے علم تھے، ان میں سے ایک حیدرکار کے ہاتھ میں تھا، جب رزمگاہ بدر کے قریب پہنچے تو سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کو چند منتخب جان بازوں کے ساتھ غنیم کی نقل و حرکت کا پتہ چلانے کے لیے بھیجا، انھوں نے نہایت خوبی کے ساتھ یہ خدمت انجام دی اور مجاہدین نے مشرکین سے پہلے پہنچ کر اہم مقاموں پر قبضہ کر لیا، سترہویں رمضان جمعہ کے دن جنگ کی ابتدا ہوئی، قاعدہ کے موافق پہلے تنہا مقابلہ ہوا، سب سے پہلے قریش کی صف سے تین نامی بہادر نکل کر مسلمانوں سے مبارز طلب ہوئے، تین انصاروں نے ان کی دعوت کو لبیک کہا اور آگے بڑھے، قریش کے بہادروں نے ان کا نام نسب پوچھا، جب یہ معلوم ہوا کہ دو یثرب کے نوجوان ہیں تو ان کے ساتھ لڑنے سے انکار کر دیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پکار کر کہا کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے مقابلہ میں ہمارے ہمسرے کے آدمی بھیجو، اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خاندان کے تین عزیزوں کے نام لیے، حمزہؓ علیؓ اور عبیدہؓ تینوں اپنے حریفوں کے لیے میدان میں آئے، حضرت علیؓ نے اپنے حریف ولید کو ایک ہی وار میں تہ تیغ کر دیا، اس کے بعد جھپٹ کر عبیدہؓ کی مدد کی اور ان کے حریف شیبہ کو بھی قتل کیا، مشرکین نے طیش میں آکر عام حملہ کر دیا، یہ دیکھ کر مجاہدین بھی نعرۂ تکبیر کے ساتھ کفار کے نرغہ میں گھس گئے اور عام جنگ شروع ہو گئی، شیر خدا نے صفیں الٹ دیں اور ذو الفقار حیدری نے بجلی کی طرح چمک چمک کر اعدائے اسلام کے خرمن ہستی کو جلادیا، مشرکین کے پاؤں اکھڑ گئے اور مسلمان مظفر و منصور نے شمار مال غنیمت اور تقریباً ستر قیدیوں کے ساتھ مدینہ واپس آئے، مال غنیمت میں سے آپ کو ایک زہ ایک اونٹ اور ایک تلوار ملی، [651][29]

حضرت فاطمہ سے نکاح

اسی سال یعنی 2ھ میں حضرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دامادی کا شرف بخشا یعنی اپنی محبوب ترین صاحبزادی سیدۃ النساء حضرت فاطمہ زہراؓ سے نکاح کر دیا۔ حضرت فاطمہ زہراؓ سے عقد کی درخواست سب سے پہلے حضرت ابوبکر صدیقؓ اور ان کے بعد حضرت عمرؓ نے کی تھی۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ جواب نہیں دیا، اس کے بعد حضرت علیؓ نے خواہش کی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا، تمہارے پاس مہر ادا کرنے کے لیے کچھ ہے؟ بولے ایک گھوڑے اور ایک ذرہ کے سوا کچھ نہیں ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ گھوڑا تو لڑائی کے لیے ہے البتہ ذرہ کو فروخت کر دو، حضرت علی بن ابی طالبؓ نے اس کو حضرت عثمان بن عفانؓ کے ہاتھ چار سو اسی درہم میں بیچا اور قیمت لاکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلالؓ کو حکم دیا کہ بازار سے عطر اور خوشبو خرید لائیں اور خود نکاح پڑھایا اور دونوں میاں بیوی پر وضو کا پانی چھڑک کر خیر و برکت کی دعا دی۔ [66][67][68][69][70]

رخصتی

نکاح کے تقریباً دس، گیارہ ماہ بعد باقاعدہ رخصتی ہوئی، اس وقت تک حضرت علی بن ابی طالبؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہتے تھے، اس لیے جب رخصتی کا وقت آیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ ایک مکان کرایہ پر لے لو؛ چنانچہ حارث بن النعمان کا مکان ملا اور حضرت علیؓ ملکہ جنت کو رخصت کرا کے اس میں لے آئے۔ [71][72]

جہیز

حضرت سیدہ زہرا سلام اللہ علیہا کو اپنے گھر سے کوئی جہیز نہیں ملا تھا۔ حضرت علی نے انھیں جو دیا اس کی کل کائنات یہ تھی، ایک پلنگ، ایک بستر، ایک چادر، دو چکیاں اور ایک مشکیزہ، عجیب اتفاق ہے کہ یہی چیزیں حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کی زندگی تک ان کی رفیق رہیں اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ اس میں کوئی اضافہ نہ کر سکے۔ [73][74]

دعوت ولیمہ

حضرت علیؓ کی زندگی نہایت فقیرانہ و زاہدانہ تھی خود رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ رہتے تھے، ذاتی ملکیت میں صرف ایک اونٹ تھا جس کے ذریعہ سے اذخر (ایک قسم کی گھاس) کی تجارت کر کے دعوت ولیمہ کے لیے کچھ رقم جمع کرنے کا ارادہ تھا؛ لیکن حضرت حمزہؓ نے حالت نشہ میں (اس وقت شراب حرام نہیں ہوئی تھی، بخاری میں مفصل واقعہ مذکور ہے) اس اونٹ کو ذبح کر کے کباب بیچ بنادیا، اس لیے اب اقلیم زہد کے تاجدار کے پاس اس رقم کے سوا جو ذرہ کی قیمت میں سے مہر ادا کرنے کے بعد بچ رہی تھی اور کچھ نہ تھی؛ چنانچہ اسی سے دعوت ولیمہ کا سامان کیا جس میں گھجور، جو کی روٹی، پنیر اور ایک خاص قسم کا شوربہ تھا؛ لیکن یہ اس زمانہ کے لحاظ سے پر تکلف ولیمہ تھا، حضرت اسماءؓ کا بیان ہے کہ اس زمانہ میں اس سے بہتر ولیمہ نہیں ہوا۔ [27][75]

غزوہ احد

3ھ میں احد کا معرکہ پیش آیا، شوال ہفتہ کے دن لڑائی شروع ہوئی اور پہلے مسلمانوں نے قلت تعداد کے باوجود غنیم کو بھگا دیا؛ لیکن عقب کے محافظ تیر اندازوں کا اپنی جگہ سے ہٹنا تھا کہ مشرکین پیچھے سے یکایک لوٹ پڑے اس ناگہانی حملے سے مسلمانوں کے اوسان جاتے رہے، اسی حالت میں سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو چشم زخم پہنچا، دندان مبارک شہید ہوئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک خندق میں گر پڑے، [76] مشرکین ادھر بڑھے؛ لیکن حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جانے سے روکا اور اسی میں لڑتے لڑتے شہید ہوئے، اس کے بعد حیدر کرار نے بڑھ کر علم سنبھالا اور بے جگری کے ساتھ داد شجاعت دی، مشرکین کے علمبردار، ابو سعید بن ابی طلحہ نے مقابلہ کے لیے لٹکارا، شیر خدانے بڑھ کر ایسا ہاتھ مارا کہ فرش خاک پر تڑپنے لگا اور بدقواسی کے عالم میں برسنے ہو گیا، حضرت علیؑ کو اس کی بدقواسی اور بے بسی پر رحم آگیا اور زندہ چھوڑ کر واپس آئے۔ مشرکین کا زور کم ہوا تو حضرت علیؑ چند صحابہؓ کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پہاڑ پر لے گئے، حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ تعالیٰ علیہا نے زخم دھویا اور حضرت علیؑ نے دھال میں پانی بھر بھر کر گرایا، اس سے خون بند نہ ہوا تو حضرت فاطمہؓ نے چٹائی جلا کر اس کی راکھ سے زخم کا منہ بند کیا۔ [77] [78]

بنو نضیر

غزوہ احد کے بعد سنہ 4ھ میں بنو نضیر کو ان کی بد عمدی کے باعث جلا وطن کیا گیا، حضرت علیؑ اس میں بھی پیش پیش تھے اور علم انہی کے ہاتھ میں تھا۔

غزوہ خندق

سنہ 5ھ میں غزوہ خندق پیش آیا اس میں کفار کبھی کبھی خندق میں گھس گھس کر حملہ کرتے تھے، ایک دفعہ سواروں نے حملہ کیا، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے چند جان بازوں کے ساتھ بڑھ کر روکا، سواروں کے سردار عمرو بن عبدود نے کسی کو تنہا مقابلہ کی دعوت دی، حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے کو پیش کیا، اس نے کہا میں تم کو قتل کرنا نہیں چاہتا، شیر خدانے کہا؛ لیکن میں تم کو قتل کرنا چاہتا ہوں، وہ برہم ہو کر گھوڑے سے کود پڑا اور مقابلہ میں آیا، تھوڑی دیر تک شجاعانہ مقابلہ کے بعد ذو الفقار حیدری نے اس کو واصل جہنم کیا، اس کا مقتول ہونا تھا کہ باقی سوار بھاگ کھڑے ہوئے، [79] کفار بہت دن تک خندق کا محاصرہ کیے رہے؛ لیکن بالآخر مسلمانوں کی اس پامردی اور استقلال کے آگے ان کے پاؤں اکھڑ گئے اور یہ معرکہ بھی مجاہدین کرام کے ہاتھ رہا۔ [80] [81]

بنو قریظہ

بنو قریظہ نے مسلمانوں سے معاہدہ کے باوجود ان کے مقابلہ میں قریش کا ساتھ دیا اور تمام قبائل عرب کو مسلمانوں کے خلاف بھڑکا دیا تھا، اس لیے غزوہ خندق سے فراغت کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی طرف توجہ کی، اس مہم میں بھی علم حضرت علیؑ کے ہاتھ میں تھا اور انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد کے مطابق قلعہ پر قبضہ کر کے اس کے صحن میں عصر کی نماز ادا کی۔ [82]

بنو سعد کی سرکوبی

6ھ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا کہ بنو سعد کے یہود خیبر کی اعانت کے لیے مجتمع ہو رہے ہیں، اس لیے حضرت علی بن ابی طالبؑ کو ایک سو کی جمعیت کے ساتھ ان کی سرکوبی پر مامور کیا، انھوں نے ماہ شعبان میں حملہ کر کے بنو سعد کو منتشر کر دیا اور پانچ سو اونٹ اور دو ہزار بکیاں مال غنیمت میں لائے۔

صلح حدیبیہ

اسی سال یعنی 6ھ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تقریباً پودہ ہزار صحابہ کرامؓ کے ساتھ زیارت کعبہ کا ارادہ فرمایا، مقام حدیبیہ میں معلوم ہوا کہ مشرکین مکہ مزاحمت کریں گے، حضرت عثمان بن عفانؓ گفتگو کے لیے سفیر بنا کر بھیجے گئے، مشرکین نے ان کو روک لیا، یہاں یہ خبر مشہور ہو گئی کہ وہ شہید کر دیے گئے، اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمانؓ کے انتقام کے لیے مسلمانوں سے بیعت لی، حضرت علی بن ابی طالبؓ بھی اس بیعت میں شریک تھے، بعد کو جب یہ معلوم ہوا کہ شہادت کی خبر غلط تھی تو مسلمانوں کا جوش کسی قدر کم ہوا اور طرفین نے مصالحت پر رضا مندی ظاہر کی، حضرت علیؑ کو صلح نامہ لکھنے کا حکم ہوا، انھوں نے حسب دستور: هذا اما قاضی علیہ محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی عبارت

سے عہد نامہ کی ابتدا کی، مشرکین نے 'رسول اللہ' کے لفظ پر اعتراض کیا اگر ہم کو رسول اللہ ہونا تسلیم ہوتا تو پھر جھگڑا ہی کیا تھا؟ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لفظ کو منادینے کا حکم دیا، لیکن حضرت علیؓ کی غیرت نے گوارا نہ کیا اور عرض کیا، خدا کی قسم! میں اس کو نہیں مناسکتا، اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود دست مبارک سے اس کو منادیا اس کے بعد معاہدہ صلح لکھا گیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم زیارت کا ارادہ ملتوی کر کے مدینہ واپس تشریف لائے۔ [84][83]

فتح خیبر

7ھ میں خیبر پر فوج کشی ہوئی، یہاں یہودیوں کے بڑے بڑے مضبوط قلعے تھے جن کا مفتوح ہونا آسان نہ تھا، پہلے حضرت ابوبکرؓ اور ان کے بعد حضرت عمرؓ اس کی تسخیر پر مامور ہوئے؛ لیکن کامیابی نہ ہوئی، حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کل ایک ایسے بہادر کو علم دوں گا جو خدا اور رسول کا محبوب ہے اور خیبر کی فتح اسی کے ہاتھ سے مقدر ہے، صبح ہوئی تو ہر شخص متنی تھا کہ کاش اس فخر و شرف کا تاج اس کے سر پر ہوتا؛ لیکن یہ دولت گرانمایہ حیدر کرارہ کے لیے مقدر ہو چکی تھی، صبح کو بڑے بڑے جاں نثار اپنے نام سننے کے منتظر تھے کہ دفعتاً آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے علی بن ابی طالبؓ کا نام لیا، یہ آواز غیر متوقع تھی، کیونکہ حضرت علیؓ آشوب چشم میں مبتلا تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بلا کر ان کی آنکھوں میں اپنا لعاب لگایا جس سے یہ شکست فوراً جاتی رہی۔ [85]

مرحرب کی شکست

اس کے بعد علم مرحمت فرمایا، حضرت علی بن ابی طالبؓ نے پوچھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا میں لڑکر ان کو مسلمان بنالوں؟ فرمایا نہیں؛ بلکہ پہلے اسلام پیش کرو اور ان کو اسلام کے فرائض سے آگاہ کرو کیونکہ تمہاری کوششوں سے ایک شخص بھی مسلمان ہو گیا تو وہ تمہارے لیے بڑی سے بڑی نعمت سے بہتر ہے۔ [56] لیکن یہودیوں کی قسمت میں اسلام کی عزت کی بجائے شکست، ذلت اور رسوائی لکھی تھی، اس لیے انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس حکم سے کوئی فائدہ نہ اٹھایا اور ان کا معزز سردار مرحرب بڑے جوش و خروش سے یہ رجز پڑھتا ہوا نکلا۔ قد علمت خیبر انی مرحرب شاکي السلاح بطل مهرب خيبر مجھ کو جانتا ہے کہ میں مرحرب ہوں سطح پوش ہوں، بہادر ہوں، تجربہ کار ہوں اذاحروب اقبلت تھلب جب کہ لڑائی کی آگ بھڑکتی ہے فاتح خیبر اس متکبرانہ رجز کا جواب دیتے ہوئے بڑھا: اناالذی سمتنی امی حیدرہ کلیث غابات کریمہ النظہ میں وہ ہوں جس کا نام میری ماں نے حیدر رکھا ہے جھاڑی کے شیر کی طرح مہیب اور ڈرانا او فیم بالصاع کیل السدرہ میں دشمنوں کو نہایت سرعت سے قتل کر دیتا ہوں اور جھپٹ کر ایک ہی وار میں اس کا کام تمام کر دیا، [86] اس کے بعد حیدر کرارہ نے بڑھ کر حملہ کیا اور حیرت انگیز شجاعت کے ساتھ اس کو مسخر کر لیا۔

مہم مکہ

رمضان 8ھ میں مکہ پر فوج کشی کی تیاریاں شروع ہوئیں، ابھی مجاہدین روانہ نہ ہوئے تھے، معلوم ہوا کہ ایک عورت غنیم کو یہاں کے تمام حالات سے مطلع کرنے کے لیے روانہ ہو گئی ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ زہرہ اور مقدادہ کو اس کی گرفتاری پر مامور کیا، یہ تینوں تیز گھوڑوں پر سوار ہو کر اس کے تعاقب میں روانہ ہو گئے۔ اور خاخ کے باغ میں گرفتار کر کے خط مانگا، پہلے اس عورت نے لا علمی ظاہر کی؛ لیکن جب ان لوگوں نے جامہ تلاشی کا ارادہ کیا تو اس نے خط حوالہ کر دیا اور یہ لوگ خط لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، جب یہ خط پڑھا گیا تو معلوم ہوا کہ مشہور صحابی حضرت حاطب بن ابی بلتعہ نے مشرکین مکہ کے نام بھیجا تھا اور اس میں بعض مخفی حالات کی اطلاع تھی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حاتم بن ابی بلتعہ سے پوچھا یہ کیا معاملہ ہے؟ انھوں نے عرض کیا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرد جرم قرار دینے سے قبل اصل حالات سن لیں، واقعہ یہ ہے کہ مجھ کو قریش سے کوئی نسبی تعلق نہیں ہے، صرف اس کا حلیف ہوں اور مکہ میں دوسرے مہاجرین کی قرابتیں ہیں جو فتح مکہ کے وقت ان کے اہل و عیال کی حفاظت کرتے، میں نے اس خیال سے کہ اگر کوئی نازک وقت آئے تو میرے بچے بے یارو مددگار نہ رہ جائیں یہ خط لکھا تھا، حاشا وکلا اس سے مخبری یا اسلام کے ساتھ دشمنی مقصود نہ تھی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عذر کو قبول کیا اور لوگوں سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ انھوں نے سچ بیان کیا ہے؛ لیکن حضرت عمرؓ کی آتش غضب بھڑک چکی تھی انھوں نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اجازت دیجئے کہ اس منافق کی گردن اڑادوں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ بدی ہیں، کیا تم کو معلوم نہیں کہ بدلوں کے تمام گناہ معاف ہیں۔" [87] غرض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم 10 رمضان 8ھ کو مدینہ روانہ ہوئے اور ایک مرتبہ پھر اس محبوب سر زمین پر دس ہزار قدسیوں کے ساتھ فاتحانہ جاہ و جلال کے ساتھ داخل ہوئے، جہاں سے آٹھ سال پہلے بڑی بے کسی کے ساتھ مسلمان نکالے گئے تھے، ایک علم حضرت سعد بن عبادہؓ کے ہاتھ میں تھا اور وہ جوش کی حالت میں یہ رجز پڑھتے جاتے تھے۔ الیوم یوم الملیحہ الیوم لتسحق الکعبہ "آج شدید جنگ کا دن ہے آج حرم میں خونریزی جائز ہے۔" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا تو فرمایا، نہیں ایسا نہ کہو آج تو کعبہ کی عظمت کا دن ہے اور حضرت علیؓ کو حکم ہوا کہ سعد بن عبادہؓ سے علم لے کر فوج کے ساتھ شہر میں داخل ہوں؛ چنانچہ وہ کداء کی جانب سے مکہ میں داخل ہوئے [87] اور مکہ بلا کسی خونریزی کے تسخیر ہو گیا اور وقت گلیا کہ خلیل بت شکن کی یادگار (خانہ کعبہ) کو بتوں کی آلائشوں سے پاک کیا جائے جس کے گرد تین سو ساٹھ بت نصب تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلے اس فریضہ کو ادا کیا اور خانہ کعبہ کے گرد جس قدر بت تھے، سب کو لکڑی سے ٹھکراتے جاتے تھے اور یہ آیت تلاوت فرماتے جاتے تھے "وَقُلْ جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَّقَ الْبَاطِلُ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا" [88] پھر خانہ کعبہ کے اندر سے حضرت ابراہیم علیہ السلام و اسماعیل علیہ السلام کی موتیوں کو الگ کروایا اور تطہیر کعبہ کے بعد اندر داخل ہوئے، [56] لیکن چونکہ اس وحدت کدہ کا گوشہ گوشہ بتوں کی موتیوں سے اٹا ہوا تھا اس لیے اس اہتمام کے باوجود تانبے کا سب سے بڑا بت باقی رہ گیا، یہ لوہے کی سلاخ میں پیوست کیا ہوا زمین پر نصب تھا اس لیے بہت بلندی پر تھا، پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کے کندھوں پر چڑھ کر اس کے گرانے کی کوشش کی؛ لیکن وہ جسم اطہر کا بار نہ سنبھال سکے، اس لیے حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو شانہ اقدس پر چڑھا کر اس کے گرانے کا حکم دیا اور انھوں نے سلاخ سے اکھاڑ کر حسب ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پاش پاش کر ڈالا اور خانہ کعبہ کی کامل تطہیر ہو گئی۔ (حاکم نے مستدرک میں اس واقعہ کو بہ تفصیل نقل کیا

ہے؛ لیکن فتح مکہ کی بجائے شبِ ہجرت کی طرف منسوب کیا ہے؛ لیکن اس کے علاوہ دوسرے محدثین اور اربابِ سیر نے فتح مکہ میں لکھا ہے اور یہی صحیح اور قریبِ عقل ہے، ہجرت کی ایسی نازک رات میں جبکہ جانِ خطرہ میں تھی ایسے بڑے اور خطرناک کام کا انجام دینا بعید از قیاس ہے، دوسرے مکہ کی زندگی میں بت شکنی کا کوئی واقعہ نہیں ہے [89][90] و تقول مصادرہم أن جمیع المسلمین والمسلمات قد بالیوہ فی ہذا الیوم علی السمع والطاعة۔ [91]

ایک غلطی کی تلافی

فتح مکہ کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو بنو حذیمہ میں تبلیغِ اسلام کے لیے روانہ فرمایا، انھوں نے توحید کی دعوت دی، بنو حذیمہ نے اسے قبول کیا؛ لیکن اپنی بدویت اور جہالت کے باعث اس کو ادا نہ کر سکے اور اسلامنا یعنی ہم نے اسلام قبول کیا کی بجائے صبا صبا یعنی ہم بے دین ہو گئے کہنے لگے، حضرت خالد بن ولیدؓ نے ان کا منشا سمجھ کر سب کو قید کر لیا اور بہتوں کو قتل کر ڈالا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سنا تو نہایت متاثر ہوئے اور حضرت علیؓ کو اس غلطی کی تلافی کے لیے روانہ فرمایا، انھوں نے پہنچ کر تمام قیدیوں کو آزاد کرادیا اور مقتولین کے معاوضہ خوں بہادیا۔ [92]

غزوہ حنین

فتح مکہ کے بعد اسی سال غزوہ حنین کا عظیم الشان معرکہ پیش آیا اور اس میں پہلے مسلمانوں کی فتح ہوئی؛ لیکن جب وہ مالِ غنیمت لوٹنے میں مصروف ہوئے تو شکست خوردہ غنیم نے غافل پاکر پھر اچانک حملہ کر دیا، مجاہدین اس ناگہانی مصیبت سے ایسے پریشان ہوئے کہ بارہ ہزار نفوس میں سے صرف چند ثابت قدم رہ سکے، ان میں ایک حضرت علیؓ بھی تھے، آپ نہ صرف پامردی اور استقلال کے ساتھ قائم رہے؛ بلکہ اپنی غیر معمولی شجاعت سے لڑائی کو سنبھال لیا اور غنیم کے امیرِ عسکر پر حملہ کر کے اس کا کام تمام کر دیا اور دوسری طرف جو مجاہدین ثابت قدم رہ گئے تھے وہ اس بے جگری کے ساتھ لڑے کہ مسلمانوں کی ابتری اور پریشانی کے باوجود دشمن کو شکست ہوئی۔ [93]

اہل بیت کی حفاظت

9ھ میں جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تبوک کا قصد فرمایا تو حضرت علیؓ کو اہل بیت کی حفاظت کے لیے مدینہ میں رہنے کا حکم دیا، شیر خدا کو شرکتِ جہاد سے محرومی کا غم تو تھا، منافقین کی طعنہ زنی نے اور بھی رنجیدہ کر دیا، سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو اس حال کا علم ہوا تو ان کا غم دور کرنے کے لیے فرمایا، علیؓ! کیا تم اسے پسند کرو گے کہ میرے نزدیک تمھارا وہ رتبہ ہو جو ہارون کا موسیٰ علیہ السلام کے نزدیک تھا۔ [94]

تبلیغِ فرمانِ رسول

غزوہ تبوک سے واپسی کے بعد اسی سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کو امیرِ حج بنا کر روانہ فرمایا، اسی اثناء میں سورۃ برأت نازل ہوئی، لوگوں نے کہا کہ اگر یہ سورۃ ابوبکرؓ کے ساتھ حج کے موقع پر لوگوں کو سنانے کے لیے بھیجی جاتی تو اچھا ہوتا، سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری طرف سے صرف میرے خاندان کا آدمی اس کی تبلیغ کر سکتا ہے؛ چنانچہ حضرت علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ کو بلا کر علم دیا کہ وہ مکہ جا کر اس سورۃ کو سنائیں اور عام اعلان کر دیں کہ کوئی کافر جنت میں داخل نہ ہوگا اور اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہ کرے اور نہ کوئی شخص برہمنہ خانہ کعبہ کا طواف کرے اور جس کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کوئی عہد ہے وہ مدتِ مدینہ تک باقی رہے گا۔ [95]

مہمِ یمن اور اشاعتِ اسلام

تبلیغِ اسلام کے سلسلہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو مہمیں روانہ فرمائیں ان میں یمن کی مہم پر حضرت خالد بن ولیدؓ مامور ہوئے، لیکن چھ مہینہ کی مسلسل جدوجہد کے باوجود اشاعتِ اسلام میں کامیاب نہ ہو سکے، اس لیے رمضان 10ھ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی بن ابی طالبؓ کو بلا کر یمن جانے کا حکم دیا، انھوں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں ایک ایسی قوم میں بھیجا جاتا ہوں جس میں مجھ سے زیادہ معمر اور تجربہ کار لوگ موجود ہیں، ان لوگوں کے جھگڑوں کا فیصلہ کرنا میرے لیے نہایت دشوار ہوگا، ”حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی“ اے خدا اس کی زبان کو راست گو بنا اور اس کے دل کو ہدایت کے نور سے منور کر دے“ اس کے بعد خود اپنے دستِ اقدس سے ان کے فرقِ مبارک پر عمامہ باندھا اور سیاہ علم دے کر یمن کی طرف روانہ فرمایا۔ [96] حضرت علیؓ کے یمن پہنچتے ہی یہاں کا رنگ بالکل بدل گیا، جو لوگ خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی چھ مہینہ کی سعی و کوشش سے بھی اسلام کی حقیقت کو نہیں سمجھتے تھے وہ حضرت علی مرتضیٰؓ کی صرف چند روزہ تعلیم و تلقین سے اسلام کے شیدائی ہو گئے اور قبیلہ ہمدان مسلمان ہو گیا۔ [97]

حجۃ الوداع میں شرکت

اسی سال یعنی سنہ 10ھ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آخری حج کیا۔ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی یمن سے آکر اس یادگار حج میں شریک ہوئے۔^[98]

صدمہ جانکاہ

حج سے واپسی کے بعد ابتدائے ماہ ربیع الاول 11ھ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بیمار ہوئے، حضرت علیؑ نے نہایت تندی اور جانفشانی کے ساتھ تیمار داری اور خدمت گزاری کا فرض انجام دیا، ایک روز باہر آئے، لوگوں نے پوچھا، اب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا مزاج کیسا ہے؟ حضرت علیؑ نے اطمینان ظاہر کیا، حضرت عباسؑ نے ان کا ہاتھ پکڑ کر کہا، خدا کی قسم! میں موت کے وقت خاندان عبد المطلب کے پھرے پہنچاتا ہوں، آؤ چلو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کریں کہ ہمارے لیے خلافت کی وصیت کرجائیں، حضرت علیؑ نے کہا، میں عرض نہیں کروں گا، اگر خدا کی قسم! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انکار کر دیا تو پھر آئندہ کوئی امید باقی نہیں رہے گی،^[99] دس روز کی مختصر علالت کے بعد 12 / ربیع الاول دوشنبہ کے دن دوپہر کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جان نثاروں کو اپنی مفارقت کا داغ دیا، حضرت علیؑ چونکہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب ترین عزیز اور خاندان کے رکن رکین تھے، اس لیے غسل اور تجبیز و تکفین کے تمام مراسم انہی کے ہاتھ سے انجام پائے۔^[100] انصار و مہاجرین دروازے کے باہر کھڑے تھے، ایک رولبت میں ہے کہ ایک انصاری کو بھی اس میں شرکت کا شرف حاصل ہوا۔^[101]

خلفائے راشدین کے ماتحت زندگی

مزید دیکھیے: حضرت محمد کی جانشینی، سقیفہ بنی ساعدہ، حضرت فاطمہ کے گھر پر حملہ، فک، محمد کی وراثت کی حدیث، اور قتل عثمان بن عفان

محمد کی جانشینی



سقیفہ

حضرت محمد 632 میں فوت ہوئے جب حضرت علی کی عمر اواخر تیس کے قریب تھی۔^[102] جب وہ اور دیگر قریبی رشتہ دار تدفین کی تیاری کر رہے تھے،^{[103][104]} تو انصار (مدنی باشندے، یعنی 'مدوکار') کا ایک گروہ سقیفہ میں مسلمانوں کے مستقبل پر بات چیت کرنے یا اپنے شہر، مدینہ، پر دوبارہ تسلط حاصل کرنے کے لیے جمع ہوا۔ حضرت ابو بکر اور عمر انصار کے اس اجتماع میں مہاجرین (مکہ کے مسلمان، یعنی 'مہاجر') کی چند نمائندوں میں شامل تھے۔^[105] حضرت علی کا معاملہ ان کی عدم موجودگی میں سقیفہ میں پیش کیا گیا، لیکن ناکام رہا۔^{[106][107]} اور آخر کار موجودہ لوگوں نے حضرت ابو بکر کو قیادت کے لیے منتخب کیا، جس کے بعد ایک تند بحث ہوئی جو کہا جاتا ہے کہ تشدد کی صورت اختیار کر گئی۔^[108] سقیفہ میں قبائلی رقابتوں نے حضرت ابو بکر کے حق میں اہم کردار ادا کیا،^{[109][103]} اور اگر حضرت علی کو امیدوار کی حیثیت سے ایک وسیع مجلس (شورا) میں شامل کیا جاتا تو نتیجہ مختلف ہو سکتا تھا۔^{[110][111]} خاص طور پر، قریش کی روایات میں وراثتی جانشینی نے حضرت علی کے حق میں زبردست فوائد فراہم کیے،^{[112][113][114]} حالانکہ ان کی کم عمری ان کے حق میں کمزور تھی۔^{[115][102]} اس کے برعکس، حضرت ابو بکر کی جانشینی (خلافت) کو اکثر اس بنیاد پر جائز قرار دیا جاتا ہے کہ انھوں نے حضرت محمد کے آخری دنوں میں کچھ نمازیں پڑھائیں،^{[103][116]} لیکن ایسی اطلاعات کی صداقت اور سیاسی اہمیت پر سوال اٹھائے گئے ہیں۔^{[103][117][118]}

"ایک واحد لفظ میں محمد (دائیں) اور علی (بائیں) کا امبیگرام، جس میں 180 درجے کے الٹ جانے پر دونوں الفاظ دکھائی دیتے ہیں۔"

حضرت فاطمہ کے گھر پر حملہ

جبکہ حضرت ابو بکر کی تقرری کو مدینہ میں کم مزاحمت کا سامنا تھا،^[116] بنو ہاشم اور رسول کے کچھ ساتھی جلد ہی حضرت علی کے گھر کے سامنے احتجاج کرنے جمع ہو گئے۔^{[119][120]} ان میں زبیر اور رسول کے چچا عباس بھی شامل تھے۔^[120] ان احتجاج کرنے والوں نے حضرت علی کو رسول کا حقیقی جانشین سمجھا،^{[121][122]} جو غالباً غدر خم کے حوالے سے تھا۔^[123] دیگر روایات کے مطابق،^[124] طبری کی اطلاع ہے کہ پھر حضرت عمر نے امام علی کے رہائش گاہ پر ایک مسلح ہجوم کی قیادت کی اور دھمکی دی کہ اگر علی اور ان کے حامی ابو بکر کی بیعت نہیں کریں گے تو وہ گھر کو آگ لگا دیں گے۔^{[125][126][127]} یہ منظر جلد ہی پرتشدد ہو گیا،^{[124][128]} لیکن حضرت علی کی بیوی، حضرت فاطمہ، کی فریاد کے بعد ہجوم ہچکچے ہٹ گیا۔^[125] بعد میں، حضرت ابو بکر نے بنو ہاشم پر ایک کامیاب بانیکاٹ عائد کیا،^[129] جس کے نتیجے میں وہ امام علی کی حملت چھوڑنے پر مجبور ہو گئے۔^{[129][130]} زیادہ تر،

امام علی نے خود حضرت ابوبکر کی بیعت اس وقت تک نہیں کی جب تک حضرت فاطمہ اپنے والد حضرت محمد کی وفات کے چھ ماہ کے اندر فوت نہ ہو گئیں۔^[131] شیعہ مصادر میں، جو ان فاطمہ کی موت (اور اسقاط) کو حضرت ابوبکر کے حکم پر امام علی کو زیر کرنے کے لیے ان کے گھر پر حملے سے منسوب کیا گیا ہے۔^{[122][121][132]} سنی یہ اطلاعات قطعی طور پر مسترد کرتے ہیں،^[133] لیکن ان کے ابتدائی مصادر میں یہ ثبوت موجود ہے کہ ایک ہجوم نے طاقت کے ساتھ حضرت فاطمہ کے گھر میں داخل ہو کر علی کو گرفتار کیا۔^{[134][135][136]} ایک واقعہ جس پر حضرت ابوبکر نے اپنی آخری ایام میں افسوس کا اظہار کیا۔^{[137][138]} بنو ہاشم کو کمزور کرنے کے لیے ایک سیاسی اقدام کے طور پر،^{[139][140][141][142]} حضرت ابوبکر نے پہلے حضرت فاطمہ سے فدک کے قیمتی زمینیں ضبط کر لیں، جسے وہ اپنے والد کی وراثت (یا تحفہ) سمجھتی تھیں۔^{[143][144]} فدک کی ضبطی کو اکثر سنی مصادر میں نبی کی وراثت کے بارے میں ایک حدیث کے ساتھ جائز قرار دیا جاتا ہے، جس کی صداقت پر جزوی طور پر سوال اٹھایا گیا ہے کیونکہ یہ قرآنی احکامات سے متصادم ہے۔^{[143][145]}

حضرت ابوبکر کی خلافت (632-634)

عوامی حملت کی عدم موجودگی میں، حضرت علی نے بالآخر مسلم اتحاد کے لیے حضرت ابوبکر کی وقتی حکمرانی کو قبول کر لیا۔^{[146][147][148]} خاص طور پر، حضرت علی نے خلافت کے حصول کے لیے زبردستی کے کسی بھی اقدام کو مسترد کر دیا۔^{[149][115]} تاہم، حضرت علی نے اپنے فضائل اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ قریبی تعلق کی بنیاد پر خود کو قیادت کے لیے سب سے زیادہ موزوں امیدوار سمجھا۔^{[150][151][152]} شواہد بتاتے ہیں کہ حضرت علی نے خود کو محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مقرر کردہ جانشین بھی تصور کیا۔^{[153][154][155]} محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی کے برعکس،^{[156][157]} حضرت علی نے حضرت ابوبکر اور ان کے جانشینوں حضرت عمر اور عثمان کی خلافتوں کے دوران عوامی زندگی سے کنارہ کشی اختیار کی۔^{[158][156][159]} حضرت علی نے نہ تو جنگِ اتراد میں حصہ لیا اور نہ ابتدائی مسلم فتوحات میں،^[159] اگرچہ وہ حضرت ابوبکر اور عمر کو حکومت اور مذہبی امور میں مشورہ دیتے رہے۔^{[158][159]} تاہم، ان کے ساتھ حضرت علی کے اختلافات بھی معروف ہیں^{[160][161][162]} مگر انھیں اکثر سنی ذرائع میں نظر انداز کیا گیا ہے۔^{[163][164]} یہ تناؤ 644ء کی شوریٰ میں اس وقت عروج پر پہنچا جب حضرت علی نے پہلے دو خلفاء کی مثالوں کی پابندی کرنے سے انکار کر دیا۔^{[157][156]} اس کے برعکس، شیعہ ذرائع میں حضرت علی کا حضرت ابوبکر سے بیعت لینا ایک (جبری) سیاسی مصلحت (تقیہ) کا عمل تصور کیا جاتا ہے۔^[165] شیعہ ذرائع میں حضرت علی کے خلفاء کے ساتھ تنازعات پیش کیے گئے ہیں۔^[163]

حضرت عمر کی خلافت (634-644)

634ء میں اپنی وفات سے قبل حضرت ابوبکر نے حضرت عمر کو اپنا جانشین مقرر کیا۔^[166] حضرت علی کو اس تقرری کے بارے میں مشورہ نہیں کیا گیا تھا، جس کی ابتدا میں کچھ سینئر صحابہ نے مخالفت کی۔^[167] حضرت علی نے خود اس وقت خلافت کے کسی دعوے پر زور نہیں دیا اور حضرت عمر کی خلافت کے دوران عوامی امور سے الگ تھلگ رہے،^[168] اگرچہ حضرت عمر نے بعض معاملات میں حضرت علی سے مشورہ کیا۔^{[158][169]} مثال کے طور پر، اسلامی تقویم کے آغاز کے لیے مدینہ ہجرت (ہجرت) کو اپنانے کا خیال حضرت علی سے منسوب ہے۔^[170] اس کے باوجود حضرت علی کے سیاسی مشورے کو شاید نظر انداز کیا گیا۔^[115] مثال کے طور پر، حضرت عمر نے اضافی ریاستی آمدنی کو اسلامی حیثیت کے مطابق تقسیم کرنے کے لیے ایک ریاستی رجسٹر (دیوان) بنایا،^[171] جبکہ حضرت علی کا موقف تھا کہ یہ آمدنی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت ابوبکر کے طریقے کے مطابق تمام مسلمانوں میں برابر تقسیم کی جانی چاہیے۔^{[172][115]} حضرت علی دمشق کے قریب ایک اسٹجک اجلاس میں بھی شامل نہیں تھے۔^[115] حضرت علی نے حضرت عمر کی فوجی مہمات میں حصہ نہیں لیا،^{[173][174]} اگرچہ ان کے بارے میں انھوں نے کھل کر مخالفت بھی نہیں کی۔^[174] غالباً حضرت عمر نے بنو ہاشم میں نبوت اور خلافت کے اجتماع کی مخالفت کی^{[175][176]} اور اسی لیے انھوں نے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بستر مرگ پر اپنی وصیت لکھنے سے روکا،^{[177][178][179]} شاید اس خوف سے کہ وہ حضرت علی کو اپنا جانشین مقرر نہ کر دیں۔^[180] بہر حال، شاید اپنی شراکتی طرز حکومت میں حضرت علی کے تعاون کی ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے، حضرت عمر نے اپنی خلافت کے دوران حضرت علی اور بنو ہاشم کی جانب کچھ محدود پیش قدمیاں کیں۔^[181] مثال کے طور پر، حضرت عمر نے مدینہ میں محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جاگیریں علی کو واپس کر دیں، مگر فدک اور خیبر اپنے پاس رکھے۔^[182] بعض سنی روایات کے مطابق، حضرت عمر نے حضرت علی کی بیٹی ام کلثوم سے نکاح پر بھی اصرار کیا، جس پر حضرت علی نے بادلِ خواستہ اس وقت رضامندی ظاہر کی جب حضرت عمر نے اپنے مطالبے کے لیے عوامی حملت حاصل کی۔^[183] لیکن شیعہ اس بات کو مسترد کرتے ہیں کیونکہ ام کلثوم اس وقت بچی تھیں۔

حضرت عثمان کا انتخاب (644)

644 میں اپنی موت سے پہلے،^[184] حضرت عمر نے ایک چھوٹی کمیٹی کو اپنے درمیان لگے خلیفہ کا انتخاب کرنے کا کام سونپا۔^[185] اس کمیٹی میں حضرت علی اور حضرت عثمان سب سے مضبوط امیدوار تھے،^{[186][187]} اور اس کے تمام اراکین محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ابتدائی ساتھی تھے جو قریش قبیلے سے تعلق رکھتے تھے۔^[185] کمیٹی کا ایک اور رکن، عبد الرحمن بن عوف، کو فیصلہ کن ووٹ دیا گیا، چاہے یہ کمیٹی کی طرف سے ہو یا حضرت عمر کی طرف سے۔^{[188][189][190]} بحث و مباحثہ کے بعد، ابن عوف نے اپنے سالے حضرت عثمان کو اگلا خلیفہ مقرر کیا،^{[191][192]} جب کہ حضرت عثمان نے پہلے دو خلفاء کی روایات پر عمل کرنے کا وعدہ کیا۔^[191] اس کے برعکس، حضرت علی نے اس شرط کو مسترد کر دیا،^{[191][190]} یا ایک غیر واضح جواب دیا۔^[193] انصار کمیٹی میں نمائندگی نہیں رکھتے تھے،^{[194][189]} جو ظاہر ہے کہ حضرت عثمان کے حق میں جانبدار تھی۔^{[195][196][190]} یہ دونوں عوامل حضرت علی کے خلاف کام کرتے رہے،^{[189][197][198]} جو اس عمل سے صرف خارج نہیں ہو سکتے تھے۔^[199]

حضرت عثمان کی خلافت (644-656)

حضرت عثمان پر اقربا پروری، [200] بدعنوانی، [201][202] اور ناانصافی [203] کے الزامات لگائے گئے۔ حضرت علی نے بھی حضرت عثمان کے طرز عمل پر تنقید کی، [115][174][204] بشمول اپنے رشتہ داروں کے لیے اس کے اسراف بھرے تحائف۔ [205][206] حضرت علی نے کھل کر بولنے والے ساتھیوں، جیسے ابوذر اور عمار کی بھی حفاظت کی، [207][208] اور مجموعی طور پر حضرت عثمان پر ایک ضبط کرنے والے اثر کے طور پر عمل کیا۔ [207] حضرت علی کے کچھ حامی اپوزیشن تحریک کا حصہ تھے، [209][210] جن کی کوششوں میں محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دونوں سینئر ساتھی، طلحہ اور زبیر اور ان کی بیوی عائشہ بھی شامل تھیں۔ [211][212][209] حضرت علی کے حامیوں میں مالک الاشتر اور دیگر مذہبی طور پر علم والے قراء (یعنی قرآن پڑھنے والے) بھی شامل تھے۔ [213][206] یہ حامی چاہتے تھے کہ حضرت علی لگے خلیفہ بنیں، لیکن اس بات کا کوئی ثبوت نہیں کہ اس نے ان کے ساتھ تعاون کیا۔ [214] حضرت علی نے باغیوں کی قیادت کی درخواستیں بھی مسترد کر دیں، [115][215] حالانکہ وہ ممکنہ طور پر ان کی شکایات کے ساتھ ہمدردی رکھتے تھے۔ [216][215] اس لیے، انھیں اپوزیشن کا ایک قدرتی مرکز سمجھا گیا، [217] کم از کم اخلاقی طور پر۔ [115]

حضرت عثمان کا قتل (656)

656 میں جب صوبائی ناراضیاں بڑھتی گئیں تو صوبائی مخالفین مدینہ میں داخل ہو گئے۔ [159] مصری مخالفین نے علی سے مشورہ طلب کیا، جنھوں نے انھیں عثمان کے ساتھ مذاکرات کرنے کا مشورہ دیا۔ [218][219] علی نے عراقی مخالفین سے بھی تشدد سے باز رہنے کو کہا، جسے انھوں نے قبول کر لیا۔ [220] انھوں نے عثمان اور مخالفین [159][221][222] کے درمیان معاشی اور سیاسی شکایات کے حل کے لیے بار بار ثالثی کی۔ [223][159] خاص طور پر، علی نے پہلے محاصرے کے خاتمے کے لیے ایک معاہدہ کیا اور اس کی ضمانت دی۔ [224][159] انھوں نے عثمان کو عوامی طور پر توبہ کرنے پر بھی آمادہ کیا، [225] لیکن خلیفہ نے جلد ہی اپنا بیان واپس لے لیا، ممکنہ طور پر اپنے سیکریٹری مروان بن حکم کے دباؤ میں۔ [226] مصری باغیوں نے عثمان کی رہائش گاہ کا دوسرا محاصرہ اس وقت کیا جب انھوں نے ایک سرکاری خط پکڑا جس میں ان کی سزا کا حکم دیا گیا تھا۔ انھوں نے خلیفہ سے استعفا کا مطالبہ کیا لیکن عثمان نے انکار کر دیا اور خط کے بارے میں اپنی بے گناہی برقرار رکھی، [227] جس کا الزام اکثر ابتدائی ذرائع میں مروان پر لگایا جاتا ہے۔ [228][229] علی نے بھی عثمان کا ساتھ دیا، [227] لیکن بظاہر عثمان نے انھیں خط کے بارے میں الزام دیا۔ [230] شاید یہی وہ وقت تھا جب علی نے عثمان کے لیے مزید مداخلت کرنے سے انکار کر دیا، [227][217] جنھیں جلد ہی مصری باغیوں نے قتل کر دیا۔ [228][231][232] علی کا اس جان لیوا حملے میں کوئی کردار نہیں تھا، [115][233] اور ان کے بیٹے حسن اس وقت زخمی ہوئے جب وہ علی کی درخواست پر عثمان کی محصور رہائش گاہ کی حفاظت کر رہے تھے۔ [158][234][209] انھوں نے محاصرے کے دوران باغیوں کو عثمان کے گھر پانی فراہم کرنے پر بھی آمادہ کیا۔ [227][207]

خلافت

حضرت عثمان بن عفانؓ کی شہادت کے بعد تین دن تک مسند خلافت خالی رہی، اس عرصہ میں لوگوں نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے اس منصب کے قبول کرنے کے لیے سخت اصرار کیا، انھوں نے پہلے اس بار گراں کے اٹھانے سے انکار کر دیا، لیکن آخر میں مجاہدین وانصار کے اصرار سے مجبور ہو کر اٹھان پڑا، [235] اور اس واقعہ کے تیسرے دن 21 ذی الحجہ دوشنبہ کے دن مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دست اقدس پر بیعت ہوئی۔ مسند نشین خلافت ہونے کے بعد سب سے پہلے کام حضرت عثمانؓ کے قاتلوں کا پتہ چلانا اور ان کو سزا دینا تھا، لیکن دقت یہ تھی کہ شہادت کے وقت صرف ان کی بیوی نانہ بنت الفرافضہ موجود تھیں جو اس کے سوا کچھ نہ بتا سکیں کہ محمد بن ابی بکرؓ دو آدمیوں کے ساتھ جن کو وہ پہلے سے پہنچاتی نہیں تھیں، اندر آئے، حضرت علیؓ نے محمد بن ابی بکرؓ کو پکڑا تو انھوں نے قسم کھا کر اپنی برات ظاہر کی کہ وہ قتل کے ارادے سے ضرور داخل ہوئے تھے، لیکن حضرت عثمانؓ کے حملہ سے مجبب ہو کر پیچھے ہٹ آئے، البتہ ان دونوں نابکاروں نے بڑھ کر حملہ کیا جن کو وہ بھی نہیں جانتے کہ کون تھے؟ حضرت نانہؓ نے بھی اس بیان کی تصدیق کی کہ محمد بن ابی بکرؓ شریک نہ تھے، غرض تحقیق و تفتیش کے باوجود قاتلوں کا پتہ نہ تھا، تاریخ کی کتابوں میں قاتلوں کے مختلف نام مذکور ہیں، لیکن شہادت کی قانونی حیثیت سے وہ مجرم ثابت نہیں ہوتے اس لیے مجرموں کا کوئی پتہ نہ چلا اور حضرت علیؓ اس وقت کوئی کارروائی نہ کر سکے۔ جیسا کہ اوپر مذکور ہوا حضرت علیؓ کے نزدیک اس انقلاب کا اصلی سبب عمال کی بے اعتدالیات تھیں اور بڑی حد تک یہ صحیح بھی ہے اس لیے آپ نے تمام عثمانی عمال کو معزول کر کے عثمان بن حنیف کو بصرہ کا عامل مقرر کیا، عمارہ بن حسان کو کوفہ کی حکومت سپرد کی، حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کو یمن کی ولایت پر مامور کیا اور سہل کو حکومت شام کا فرمان دے کر روانہ کیا، سہل تنبوک کے قریب پہنچے تو امیر معاویہؓ کے سوار مزاحم ہوئے اور ان کو مدینہ جانے پر مجبور کیا، اس وقت حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو معلوم ہوا کہ ان کی خلافت جھگڑوں سے پاک نہیں ہے۔ حضرت علی بن ابی طالبؓ نے امیر معاویہؓ کو لکھا کہ مجاہدین و انصار نے اتفاق عام کے ساتھ میرے ہاتھ پر بیعت کی ہے اس لیے یا تو میری اطاعت کرو یا جنگ کے لیے تیار ہو جاؤ، امیر معاویہؓ نے اپنے خاص قاصد کی معرفت جواب بھیجا اور خط میں صرف بسم اللہ الرحمن الرحیم کے بعد مکتوب الیہ کا اور اپنا نام لکھا، قاصد نہایت طرار اور زبان آور تھا اس نے کھڑے ہو کر کہا صاحبو! میں نے شام میں پچاس ہزار شیوخ کو اس حال میں پھوڑا ہے کہ عثمانؓ کی خون آلود قمیص پر ان کی ڈاڑھیاں آنسوؤں سے تر ہیں اور انھوں نے عہد کر لیا ہے کہ جب تک اس خون ناحق کا قصاص نہیں لیں گے، اس وقت تک ان کی تلواریں لیے نیام رہیں، قاصد یہ کہہ چکا تو حضرت علیؓ کی جماعت میں سے خالد بن زفر عبسی نے اس کے جواب میں کہا، "تمہارا برا ہو! کیا تم مجاہدین و انصار کو شامیوں سے ڈراتے ہو؟ خدا کی قسم نہ تو قمیص عثمانؓ قمیص یوسف علیہ السلام ہے اور نہ معاویہؓ کو یعقوب علیہ السلام کی طرح غم ہے، اگر شام میں اس قدر اس کو اہمیت دی گئی ہے تو تم کو معلوم ہونا چاہیے کہ اہل عراق اس کی کچھ پروا نہیں کرتے۔ حضرت عائشہؓ کی قصاص پر آمالگی امیر معاویہؓ کے مناقشات کا ابھی آغاز ہوا ہی تھا کہ دوسرا قضیہ نامرضیہ پیدا ہو گیا یعنی حضرت عائشہؓ کے مدینہ واپس ہو رہی تھیں، راستہ میں ان کے ایک عزیز بٹے ان سے حالات دریافت کیے تو معلوم ہوا کہ عثمانؓ شہید کر دیے گئے اور علیؓ خلیفہ منتخب ہوئے، لیکن بہوز فتنہ کی گرم بازاری ہے، یہ خبر سن کر پھر مکہ واپس ہو گئیں، لوگوں نے واپسی کا سبب دریافت کیا تو فرمایا کہ عثمانؓ مظلوم شہید کر دیے گئے اور فتنہ دیتا ہوا نظر نہیں آتا، اس لیے تم لوگ خلیفہ مظلوم کا خون رائیگاں نہ جانے دو اور قاتلوں سے قصاص لے کر اسلام کی عزت بچاؤ۔ [236] حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد مدینہ میں فتنہ و فساد کے آثار دیکھ کر حضرت طلحہؓ اور زبیرؓ بھی حضرت علیؓ سے اجازت لے کر مکہ چلے گئے تھے، حضرت عائشہؓ نے ان سے بھی وہاں کے حالات دریافت کیے، انھوں نے بھی شور و غوغا کی داستان سنائی، ان کے بیان سے حضرت عائشہؓ کے ارادوں میں اور تقویت ہوئی اور

انہوں نے خلیفہ مظلوم کے قصاص کی دعوت شروع کر دی۔ حقیقت یہ ہے کہ واقعات کی ترتیب اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے بعض سیاسی تسامح نے عام طور پر ملک میں بد نظمی پیدا کر دی تھی، حضرت عثمانؓ کے قاتلوں کا پتہ نہ چلنا ان کے اعداء کو اپنا معاون و انصار بنانا اور مسند خلافت پر متمکن ہونے کے ساتھ تمام عمال کو برطرف کر دینا لوگوں کو بدظن کر دینے کے لیے کافی تھا۔ انہی بدگمانیوں نے ام المومنین حضرت عائشہؓ کو بھی حضرت عثمان بن عفانؓ کے قصاص پر آمادہ کر دیا۔ پتہ چنانچہ قصاص کی تیاریاں شروع ہو گئیں، عبد اللہ بن عامر حضرمی والی مکہ مروان بن حکم، سعید بن العاص اور دوسرے بنی امیہ نے جو مدینہ سے مغرور ہو کر مکہ میں پناہ گزین تھے، نہایت جوش کے ساتھ اس تحریک کو پھیلایا اور ایک معتد بہ جمعیت فراہم کر کے روانہ ہوئے کہ پہلے بیت المال قبضہ کر کے مالی مشکلات میں سہولت پیدا کریں، پھر بصرہ، کوفہ اور عراق کی دوسری لوآبادیوں میں اس تحریک کی اشاعت کر کے لوگوں کو اپنا ہم آہنگ بنائیں۔ [237][238][239][240][241][242][243][244][245][246][247]

سفر عراق

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو مکہ کی تیاریوں کا حال معلوم ہوا تو آپ نے بھی اس خیال سے عراق کا قصد کیا وہاں مخالفین سے پہلے پہنچ کر بیت المال کی حفاظت کا انتظام کریں اور اہل عراق کو وفاداری کا سبق دیں، انصار کرام کو اس ارادہ کی خبر ہوئی تو وہ بارگاہ خلافت میں حاضر ہوئے اور حضرت عقبہ بن عامرؓ نے جو بڑے پایہ کے صحابی اور غزوہ بدر میں سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ رہ چکے تھے، انصار کی جانب سے گزارش کی کہ دار الخلافہ چھوڑ کر جانا کسی طرح مناسب نہیں ہے، عمر فاروقؓ کے عہد میں بڑی بڑی جنگیں پیش آئیں، لیکن انہوں نے کبھی مدینہ سے باہر قدم نہیں نکالا، اگر اُس وقت خالدہ ابوعبیدہؓ سعد بن ابی وقاصؓ ابو موسیٰ اشعریؓ نے شام و ایران کو تہ ولا کر دیا تھا تو اس وقت بھی ایسے جانباڑوں کی کمی نہیں، حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے فرمایا، یہ صحیح ہے، لیکن عراق پر مخالفین کے تسلط سے نہایت دشواری پیش آئے گی وہ اس وقت مسلمانوں کی بہت بڑی لوآبادی ہے وہاں کے بیت المال بھی مال وزر سے پر ہیں، اس لیے میرا وہاں موجود رہنا نہایت ضروری ہے اور مدینہ میں عام منادی کرادی کہ لوگ سفر عراق کے لیے تیار ہو جائیں، چند محتاط صحابہ کے سوا تقریباً اہل مدینہ ہمراہ ہوئے، ذی قار پہنچ کر معلوم ہوا کہ حضرت طلحہ بن عبید اللہؓ اور زبیر بن عوامؓ سبقت کر کے بصرہ پہنچ گئے ہیں اور بنو سعد کے علاوہ تقریباً تمام بصرہ والوں نے ان کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ [248][249]

حضرت امام حسنؓ کا سفر کوفہ

یہ سن کر حضرت علیؓ نے ذی قار میں قیام کیا اور حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کو حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ کوفہ روانہ کیا کہ لوگوں کو مرکز خلافت کی اعانت پر آمادہ کریں، حضرت امام حسنؓ جس وقت کوفہ پہنچے، حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ والی کوفہ مسجد میں ایک عظیم الشان مجمع کے سامنے تقریر کر رہے تھے کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے جس فتنہ کا خوف دلایا تھا وہ اب سر پر ہے، اس لیے ہتھیار بے کار کر دو اور بالکل عزت نشین ہو جاؤ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ فتنہ و فساد کے وقت سونے والا بیٹھنے والے سے اور بیٹھنے والا چلنے والے سے بہتر ہے، اس اثنا میں امام حسنؓ مسجد میں داخل ہوئے اور ابو موسیٰ اشعریؓ سے کہا تم بھی ہماری مسجد سے نکلو اور جہاں جی چاہے چلے جاؤ۔ اس کے بعد منبر پر کھڑے ہو کر لوگوں کو امیر المومنین کی مساعرت پر آمادہ کیا، حجر بن عدی کندی نے جو کوفہ کے نہایت معزز اور ذی اثر بزرگ تھے حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کی تائید کی اور کہا صاحبو! امیر المومنین نے خود اپنے صاحبزادہ کو بھیج کر تمہیں دعوت دی ہے اس دعوت کو قبول کرو اور علم حیدری کے نیچے مجتمع ہو کر فتنہ و فساد کی آگ کو سرد کر دو میں خود سب سے پہلے چلنے کو تیار ہوں۔ غرض حضرت امام حسنؓ اور حجر بن عدی کی تقریروں نے لوگوں کو حضرت علیؓ کی اعانت پر آمادہ کر دیا اور ہر طرف سے امیر المومنین کی اطاعت اور فرماں برداری کی صداہیں بلند ہوئیں اور دوسرے ہی دن صبح کے وقت تقریباً ساڑھے نو ہزار جانباڑوں کی ایک جماعت مسلح ہو کر حضرت امام حسنؓ کے ساتھ روانہ ہوئی اور مقام ذی قار میں امیر المومنین کی فوج سے مل گئی، جناب امیرؓ نے اپنی فوج کو سب سے ترتیب دے کر بصرہ کا رخ کیا، اس وقت بصرہ کا یہ حال تھا کہ وہ تین گروہوں میں منقسم تھا، ایک خاموش اور غیر جانبدار تھا، دوسرا حضرت علیؓ کا طرف دار تھا اور تیسرا حضرت عائشہؓ اور حضرت طلحہؓ وغیرہ کا حامی، خانہ جنگی کی یہ تیاریاں دیکھ کر پہلی جماعت نے مصالحت کی بڑی کوشش کی، بلکہ ہر فریق کے نیک لوگ اس کی تائید میں تھے، حضرت علیؓ اور حضرت عائشہؓ دونوں چاہتے تھے کہ جنگ کی نوبت نہ آنے پائے اور کسی طرح باہمی اختلافات دور ہو جائیں، صلح کی گفتگو ترقی پر تھی اور فریقین جنگ کے تمام احتمالات دلوں سے دور کر چکے تھے اور رات کے سنائے میں ہر فریق آرام کی نیند سو رہا تھا، دونوں فریقوں میں کچھ ایسے عناصر شامل تھے جن کے نزدیک یہ مصالحت ان کے حق میں سم قاتل تھی، حضرت علی بن ابی طالبؓ کی فوج میں سبائی انجمن کے ارکان اور حضرت عثمان بن عفانؓ کے قاتلوں کا گروہ شامل تھا اور حضرت عائشہ صدیقہؓ کی طرف کچھ اموی تھے، حضرت عثمانؓ کے قاتل اور سبائی سمجھے کہ اگر یہ مصالحت کامیاب ہو گئی تو ان کی خیر نہیں، اس لیے انہوں نے رات کی تاریکی میں حضرت عائشہؓ کی فوج پر شیون مارا، گھبراہٹ میں فریقین نے یہ سمجھ کر کہ دوسرے فریق نے دھوکا دیا، ایک دوسرے پر حملہ شروع کر دیا، حضرت عائشہ صدیقہؓ اونٹ پر آہنی ہودہ رکھوا کر سوار ہوئی کہ وہ اپنی فوج کو اس حملہ سے روک سکے، حضرت علیؓ نے بھی اپنے سپاہیوں کو روکا مگر جو فتنہ پھیل چکا تھا وہ کب رک سکتا تھا، ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کی وجہ سے ان کی فوج میں غیر معمولی جوش و خروش تھا، قلب فوج میں ان کا ہودج تھا، محمد بن طلحہؓ سواروں کے افسر تھے عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پیادہ فوج کی سربراہی پر مامور تھے اور پوری فوج کی قیادت حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ و زبیر بن عوام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھوں میں تھی۔ [247][250]

جنگ جمل

دوران جنگ میں حضرت علیؑ گھوڑا بڑھا کر میدان میں آئے اور حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کو بلا کر کہا "ابو عبد اللہ! تمہیں وہ دن یاد ہے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تم سے پوچھا تھا کہ کیا تم علیؑ کو دوست رکھتے ہو؟ تو تم نے عرض کیا تھا ہاں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، یاد کرو، اس وقت تم سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ ایک دن تم اس سے ناواقف نہ ہو گے" حضرت زبیرؓ نے جواب دیا، ہاں اب مجھے بھی یاد آیا۔^[251] یہ پیشین گوئی یاد کر کے حضرت زبیرؓ جنگ سے کنارہ کش ہو گئے اور اپنے بیٹے عبد اللہؓ سے فرمایا، جان پدر! علیؑ نے ایسی بات یاد دلائی کہ تمام جنگ کا تمام جوش فرو ہو گیا، بے شک ہم حق پر نہیں ہیں، اب میں اس جنگ میں شرکت نہ کروں گا تم بھی میرا ساتھ دو، لیکن حضرت عبد اللہؓ نے انکار کیا تو وہ تنہا بصرہ کی طرف چل کھڑے ہوئے کہ وہاں سے سامان لے کر کسی طرف نکل جائیں، حضرت طلحہؓ نے حضرت زبیرؓ کو جاتے دیکھا تو ان کا ارادہ بھی متزلزل ہو گیا، مروان بن حکم کو معلوم ہوا تو انھوں نے حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کو ایک ایسا تاک کر تیر مارا کہ جو گھٹنے میں پیوست ہو گیا، یہ تیر زہر میں بچھا ہوا تھا، زہر کے اثر سے ان کا کام تمام ہو گیا، اب میدان جنگ میں صرف ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ اور ان کے جان نثار فرزند رہ گئے، جنگ کی ابتدا ہو چکی تھی، دیر تک گھمسان کی جنگ ہوتی رہی، ام المومنینؓ زہر پوش ہودج میں بیٹھی تھیں، نامرتبہ شناس سبائی آپ کے ساتھ گستاخیاں کر رہے تھے اور آپ کو گرفتار کرنا چاہتے تھے، حضرت عائشہؓ کے وفادار بیٹوں میں بنو ضبہ اس اونٹ کی حفاظت میں اپنی لاشوں پہ لاشیں گرا رہے تھے، بکر بن وائل، ازوار بنو ضبہ اونٹ کو اپنے حلقہ میں لے کر اس جوش شہادت اور وارفتگی کے ساتھ لڑے کہ خود حیدر کرارہ کو حیرت تھی، عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ اونٹ کی نکیل پکڑے تھے وہ زخمی ہو کر گرے تو فوراً دوسرے نے بڑھ کر پکڑ لی، مارا گیا تو تیسرے نے اس کی جگہ لے لی، اس طرح یکے بعد دیگرے ستر آدمیوں نے اپنے آپ کو قربان کر دیا،^[252] بصرہ کا شہسوار عمرو بن محرز اس جوش سے لڑ رہا تھا کہ حضرت علیؑ کی فوج کا جو شخص اس کے سامنے پہنچ جاتا تھا، مارا جاتا تھا اور ابن محرز کی زبان پر یہ رجز جاری تھا۔ یا امان یا خیر ام نعمم والام تغذ وولم حاوترحم اے ہماری بہترین اور ماں بچوں کو کھلاتی ہے اور ان پر رحم کرتی ہے الاترین کم جوادلک تختی مامتہ والمعصم کیا تو نہیں دیکھتی کہ کتنے گھوڑے زخمی کیے جاتے ہیں اور ان کی کھوپڑی اور کلانی کاٹی جاتی ہے آخر کار حضرت علیؑ کی فوج کے مشہو شہسوار حارث بن زبیر ازدی نے بڑھ کر اس کا مقابلہ کیا اور تھوڑی دیر تک تیغ و سنان کے رول و بدل کے بعد دونوں ایک دوسرے کے وار سے کٹ کر ڈھیر ہو گئے۔ اونٹ کے سامنے بنو ضبہ حیرت انگیز شجاعت کے ساتھ سید سکندری بنے دشمنوں کو روکے کھڑے تھے اور جب تک ایک شخص بھی زندہ رہا اس نے پشت نہیں پھیری اور یہ رجز ان کی زبان پر تھا: الموت اعلیٰ عنذنا من العسل نحن بنو ضبہ اصحاب الجمل موت ہمارے نزدیک شد سے زیادہ شیریں ہے ہم ضبہ کی اولاد اونٹ کے محافظ ہیں نحن بنو الموت الذالموت نزل نبعی ابن عفان باطراف الاسل ہم موت کے بیٹے ہیں، جب موت اترے ہم عثمان بن عفان کی موت کی خبر نیروں سے پھیلا رہے ہیں ردوا علینا شینا ثم یجبل ہمارے سردار کو ہم کو واپس کر دو تو پھر کچھ نہیں حضرت علیؑ نے دیکھا کہ جب تک اونٹ بٹھایا نہ جائے گا مسلمانوں کی خونریزی رک نہیں سکتی، اس لیے آپ کے اشارے سے ایک شخص نے چٹھے سے جاکر اونٹ کے پاؤں پر تلوار ماری، اونٹ بلبل کر بیٹھ گیا، اونٹ بیٹھتے ہی حضرت عائشہؓ کی فوج کی ہمت چھوٹ گئی اور حضرت علیؑ کے حق میں جنگ کا فیصلہ ہو گیا، آپ نے حضرت عائشہؓ کے بھائی محمد بن ابی بکرؓ کو جو حضرت علیؑ کے ساتھ تھے، حکم دیا کہ اپنی ہمیشہ محترمہ کی خبر گیری کریں اور عام منادی کرا دی کہ بھاگنے والوں کا تعاقب نہ کیا جائے، زخمیوں پر گھوڑے نہ دوڑائے جائیں مال غنیمت نہ لوٹا جائے، جو ہتھیار ڈال دیں وہ مامون ہیں، پھر خود ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کے پاس حاضر ہو کر مزاج پر سی کی اور بصرہ میں چند دن تک آرام و آسائش سے ٹھہرانے کے بعد محمد بن ابی بکرؓ کے ہمراہ عزت و احترام کے ساتھ مدینہ منجیج دیا، بصرہ کی چالیس شریف و معزز خواتین کو پہنچانے کے لیے ساتھ کیا اور رخصت کرنے کے لیے خود چند میل تک ساتھ گئے اور ایک منزل تک اپنے صاحبزادوں کو مشاقت کے لیے بھیجا۔ حضرت عائشہؓ نے رخصت ہوتے وقت لوگوں سے فرمایا کہ میرے بچو! ہماری باہمی کشمکش محض غلط فہمی کا نتیجہ تھی، ورنہ مجھ میں علیؑ میں پہلے کوئی جھگڑا نہ تھا، حضرت علیؑ نے بھی مناسب الفاظ میں تصدیق کی اور فرمایا کہ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حرم محترمہ اور ہماری ماں ہیں، ان کی تعظیم و توقیر ضروری ہے، غرض پہلی رجب سنہ 36ھ سنچر کے روز حضرت عائشہؓ مدینہ کی طرف روانہ ہوئیں۔ بصرہ میں چند روز قیام کے بعد حضرت علیؑ نے کوفہ کا عزم کیا اور 12/رجب سنہ 36ھ دوشنبہ کے روز داخل شہر ہوئے، اہل کوفہ نے قصر امارت میں مہمان نوازی کا سامان کیا، لیکن زہد وقناعت کے شہنشاہ نے اس میں فروکش ہونے سے انکار کیا اور فرمایا کہ حضرت عمر بن الخطابؓ نے ہمیشہ ان عالی شان محلات کو حقارت کی نظر سے دیکھا مجھے بھی اس کی حاجت نہیں، میدان میرے لیے بس ہے پہچانچہ میدان میں قیام فرمایا اور مسجد اعظم میں داخل ہو کر دو رکعت نماز ادا کی اور جمعہ کے روز خطبہ میں لوگوں کو اتفاقاً پرہیز گاری اور وفا شعار کی ہدایت کی۔ جنگ جمل کے بعد حضرت علیؑ نے مدینہ منجیج کو کوفہ میں مستقل اقامت اختیار کی اور دار الحکومت حجاز سے عراق منتقل ہو گیا۔ لوگوں نے اس تبدیلی کے مختلف وجوہ بیان کیے ہیں مگر ہمارے نزدیک صحیح یہ ہے کہ حضرت عثمانؓ کی شہادت سے حرم نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی جو توہین ہوئی اس نے علی مرتضیٰ کو مجبور کیا کہ وہ آئندہ سلطنت کے سیاسی مرکز کو علمی اور مذہبی مرکز سے علاحدہ کر دیں، ایک وجہ یہ بھی تھی کہ کوفہ میں حضرت علیؑ کے طرفداری اور حامیوں کی اس وقت سب سے بڑی تعداد تھی، گو حضرت علیؑ مدینہ کو سیاسی شرفن سے بچانے کے لیے عراق کو دار الحکومت بنایا تھا، لیکن اس کا کوئی مفید نتیجہ مرتب نہیں ہوا اس سے مدینہ کی سیاسی اہمیت ختم ہو گئی اور خود حضرت علیؑ مرکز اسلام سے دور ہو گئے جو سیاسی حیثیت سے آئندہ ان کے لیے مضر ثابت ہوا۔ بہر حال حضرت علیؑ نے کوفہ میں قیام فرما کر ملک کا ازسرنو نظم و نسق قائم کیا، حضرت عبد اللہ بن عباس کو بصرہ کی ولایت سپرد کی، مدائن پر یزید بن قیس، اصفہان پر محمد بن سلیم، کسکر پقدامہ بن عجلان ازدی، بھجستان پر ربیع بن کاس اور تمام خراسان پر خلید بن کاس کو مامور کر کے بھیجا، خلید خراسان پہنچے تو ان کو خبر ملی کہ خاندان کسریٰ کی ایک لڑکی نے نیشاپور پہنچ کر بغاوت کرا دی ہے پہچانچہ انھوں نے نیشاپور پر فوج کشی کر کے بغاوت فرو کی اور اس کو بارگاہ خلافت میں بھیج دیا، جناب امیر نے اس کے ساتھ نہایت لطف و کرم کا برتاؤ کیا اور اس سے فرمایا کہ اگر وہ پسند کرے تو اپنے فرزند امام حسن سے نکاح کر دیں، اس نے کہا کہ وہ ایسے شخص سے شادی کرنا نہیں چاہتی جو ابھی خود مختار نہ ہو، اگر خدہ جناب امیر اپنے عقد نکاح سے مشرف فرمائیں تو بطیب خاطر حاضر ہوں، حضرت علیؑ نے انکار کیا اور اسے آزاد کر دیا کہ جہاں چاہے رہے اور جس سے چاہے بیاہ کرے۔ جزیرہ موصل اور شام کے متصلہ علاقوں پر اشتر نخعی کو مامور کیا، اشتر نے بڑھ کر شام کے بعض علاقوں پر قبضہ کر لیا، لیکن امیر معاویہؓ کے عامل ضحاک بن قیس نے حران اور رقہ کے درمیان مقابلہ کر کے اشتر کو پھر موصل جانے پر مجبور کیا، اشتر نے موصل میں قیام کر کے شامی فوج سے مستقل چھیز چھا کر دی اور اس سیلاب کو آگے بڑھنے سے روکے رکھا۔^{[253][254][77][255][256]}

صلح کی دعوت

اگرچہ حضرت علی بن ابی طالبؓ کو یہ معلوم تھا کہ امیر معاویہؓ آپ کی خلافت تسلیم نہیں کریں گے تاہم اتمامِ حجت کے لیے ایک دفعہ پھر صلح کی دعوت دی اور جریر بن عبد اللہ کو قاصد بنا کر بھیجا، جریر ایسے وقت امیر معاویہؓ کے پاس پہنچے کہ ان کے دربار میں روسائے شام کا مجمع تھا، امیر معاویہؓ نے خط لے کر پہلے خود پڑھا، پھر بیاگ بلند حاضرین کو سنایا، بعد حمد و نعت کے خط کا مضمون یہ تھا: "تم اور تمہارے زیر اثر جس قدر مسلمان ہیں، سب پر میری بیعت لازم ہے کیونکہ مہاجرین و انصار نے اتفاق عام سے مجھے منصب خلافت کے لیے منتخب کیا ہے، حضرت ابوبکر، عمر اور عثمانؓ کو بھی انہی لوگوں نے منتخب کیا تھا، اس لیے جو شخص اس بیعت کے بعد سرکشی اور اعراض کرے گا وہ جبر و اطاعت پر مجبور کیا جائے گا، پس تم مہاجرین و انصار کی اتباع کرو یہی سب سے بہتر طریقہ ہے، ورنہ جنگ کے لیے تیار ہو جاؤ، تم نے عثمان بن عفانؓ کی شہادت کو اپنی مقصد برآری کا وسیلہ بنایا ہے، اگر تم کو حضرت عثمان بن عفانؓ کے قاتلوں سے انتقام لینے کا حقیقی جوش ہے تو پہلے میری اطاعت قبول کرو، اس کے بعد باضابطہ اس مقدمہ کو پیش کرو، میں کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق اس کا فیصلہ کروں گا، ورنہ تم نے جو طریقہ اختیار کیا ہے وہ محض دھوکا اور فریب ہے۔" امیر معاویہؓ بائیں برس سے شام کے والی تھے، اس طویل حکومت نے ان کے دل میں استقلال و خود مختاری کی تمنا پیدا کر دی تھی، جس کے حصول کے لیے اس سے بہتر موقع میسر نہیں آسکتا تھا، نیز حضرت عثمانؓ کی شہادت، حضرت علیؓ کی خلافت اور اموی عمال کی برطرفی سے بنو امیہ اور بنو ہاشم کی درمیانہ چشمک پھر تازہ ہو گئی تھی، حضرت علیؓ کے معزول کردہ تمام اموی عمال امیر معاویہؓ کے گرد و پیش جمع ہو گئے تھے، بہت سے قبائل عرب جو اگرچہ اموی نہ تھے، لیکن امیر معاویہؓ کی شاہانہ داود و دہش نے ان کو بھی ان کا طرفدار بنادیا تھا، بعض صحابہ بھی اپنے مقاصد کے لیے ان کے دست و بازو بن گئے تھے، حضرت عمرو بن العاصؓ نے مصر کی حکومت کا عہدہ لے کر اعانت و ساعدت کا وعدہ کر لیا تھا، حضرت مغیرہ بن شعبہؓ جو عرب کے نامور مدبروں میں تھے اور پہلے حضرت علی بن ابی طالبؓ کے طرفدار تھے آپ سے دل برداشتہ ہو کر امیر معاویہؓ کے ساتھ ہو گئے تھے، عبید اللہ بن عمرؓ جنھوں نے اپنے والد کے خون کے جوش انتقام میں ایک پارسی نو مسلم ہرمزان کو بلے وچہ قتل کر دیا تھا اور حضرت عثمانؓ نے ان سے قصاص نہیں لیا تھا حضرت علیؓ کی مسند نشینی کے بعد مقدمہ قائم ہونے کے خوف سے جھاگ کر امیر معاویہؓ کے دامن میں پناہ گزین ہو گئے تھے، امیر معاویہؓ نے ایک اور مامور مدبر زیاد بن امیہ کو جو حضرت علیؓ کے حامیوں میں تھا، اپنے ساتھ ملا لیا تھا، اکابر شام کی پہلے ہی سے ان کو تائید و حمایت حاصل تھی، ان کی مدد سے انھوں نے حضرت عثمان بن عفانؓ کی شہادت کے واقعہ کو جس سے تمام مسلمان سخت متاثر تھے، سارے شام میں پھیلایا، ہر ہر گاؤں، قصبہ اور شہر میں اس کی اشاعت کے لیے خطیب مقرر کیے، دمشق کی جامع مسجد میں حضرت عثمانؓ کے خون آلود پیراہن اور حضرت نائلہؓ کی کٹی ہوئی انگلیوں کی نمائش کی جاتی تھی۔ [257] ان تدبیروں سے لوگوں کو حضرت عثمانؓ کے خون کے انتقام کا جوش پیدا کرنے کے بعد اپنے حاشیہ نشینوں کے مشورہ سے حضرت علیؓ کے خط کا جواب لکھا اور حسب معمول قاتلین عثمانؓ کو توالہ کر دینے پر اصرار کیا، ابو مسلم نے جو خط کا جواب لے کر گئے تھے، دربار خلافت میں خط پیش کرنے کے بعد رنج کے طور پر گزارش کی کہ اگر عثمان بن عفانؓ کے قاتلوں کو ہمارے توالہ کر دیا جائے تو ہم اور تمام اہل شام خوشی کے ساتھ آپ کے ہاتھ پر بیعت کرنے کو تیار ہیں، فضل و کمال کے لحاظ سے آپ ہی خلافت کے حقیقی مستحق ہیں، جناب امیر معاویہؓ نے دوسرے روز صبح کے وقت جواب دینے کا وعدہ فرمایا، ابو مسلم جب دوسرے روز حاضر ہوئے تو وہاں تقریباً دس ہزار مسلح آدمیوں کا مجمع تھا، ابو مسلم کو دیکھ کر سب نے ایک ساتھ بیاگ بلند کہا، ہم سب عثمانؓ کے قاتل ہیں، ابو مسلم نے مستعجب ہو کر باگاہ خلافت میں عرض کیا کہ معلوم ہوتا ہے کہ سب نے باہم سازش کر لی ہے، حضرت علیؓ نے فرمایا تم اس سے سمجھ سکتے ہو کہ عثمانؓ کے قاتلوں پر میرا کہاں تک اختیار ہے؟ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے پھر امیر معاویہؓ کو لکھا کہ وہ نا حق ضد سے باز آجائیں اور حضرت عثمان بن عفانؓ کے قتل میں ان کی کوئی شرکت نہ تھی، عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو علاحدہ لکھا کہ دنیا طلبی چھوڑ کر حق کی حمایت کرو؛ لیکن زمین مسلمانوں کے خون کی پیاسی تھی، گو جنگ جمل میں دس ہزار مسلمانوں کا خون پی چکی تھی؛ لیکن ابھی اس کی پیاس نہ بجھی تھی، اس لیے مصالحت اور خانہ جنگی کے سدباب کی تمام تر کوششیں ناکام رہیں اور حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مجبور ہو کر قبضہ شمشیر پر ہاتھ رکھنا پڑا، تمام عمال و حکام کو دور دراز حصص ملک سے جنگ میں شریک ہونے کے لیے بلایا اور تقریباً اسی ہزار کی جمعیت کے ساتھ حدود شام کا رخ کیا۔ [258][247][259][260]

معرکہ صفین

جب یہ فوج گراں فرات کو عبور کر کے سرحد شام میں داخل ہوئی تو امیر معاویہؓ کی طرف سے ابو الدعور سلمیٰ نے مقدمہ الجیش کو آگے بڑھنے سے روکا، علوی فوج کے افسر زیاد بن النضر اور شریح بن ہانی نے تمام دن نہایت جاں بازی کے ساتھ مقابلہ کیا، اسی اثنا میں اشتر نخعی ملک لے کر پہنچ گئے، ابو الدعور نے دیکھا کہ اب مقابلہ دشوار ہے اس لیے رات کی تاریکی میں فوج کو ہٹالیا اور امیر معاویہؓ کو فوج مخالف کی آمد کی اطلاع دی، انھوں نے صفین کے میدان کو مدافعت کے لیے منتخب کیا اور پیش قدمی کر کے مناسب موقعوں پر مورچے جما دیے، گھاٹ کو اپنے قبضہ میں لے کر سلمیٰ کو ایک بڑی جمعیت کے ساتھ متعین کر دیا کہ علوی فوج کو دریا سے پانی نہ لینے دیں۔ [261]

پانی کے لیے کشمکش

ابو الدعور نے اس حکم کی تعمیل کی، چنانچہ حضرت علیؓ کی فوج صفین پہنچی تو اس کو پانی کی وجہ سے سخت دقت پیش آئی، حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حکم دیا کہ شامی فوج کا مقابلہ کر کے بروز گھاٹ پر قبضہ کر لیا جائے، چنانچہ پہلے چند آدمی اتمامِ حجت کے لیے آشتی کے ساتھ دریا کی طرف بڑھے؛ لیکن جیسے ہی قریب پہنچے ہر طرف سے تیروں کی بارش شروع ہو گئی، حضرت علی بن ابی طالبؓ کی فوج پیش دستی کی منتظر تھی، سب نے ایک ساتھ مل کر حملہ کر دیا، ابو الدعور نے درہنک شبات و استقلال کے ساتھ مقابلہ کیا عمرو بن العاصؓ نے بھی اپنی ملک سے تقویت دی؛ لیکن پیاسوں کو پانی سے روکنا آسان نہ تھا، آخر کار شامی دستوں کے پاؤں اکھڑ گئے اور گھاٹ پر تشنہ کاموں کا قبضہ ہو گیا، اب جو دقت امیر المومنین کی فوجوں کو ہوئی تھی وہی امیر معاویہؓ کو پیش آئی؛ لیکن جناب علی المرتضیٰ کی حمیت انسانی نے کسی کو تشنہ کام رکھنا گوارا نہ کیا اور شامی فوج کو دریا سے پانی لینے کی اجازت دیدی، [262]

چنانچہ دونوں فوجیں ایک ساتھ دریا سے سیراب ہونے لگیں اور باہم اس قدر اختلاط پیدا ہو گیا کہ دونوں کیمپوں کے سپاہیوں میں دوستانہ آدو رفت شروع ہو گئی یہاں تک کہ بعضوں کو خیال ہوا کہ اب صلح ہو جائے گی۔ میدان جنگ میں مصالحت کی آخری کوشش حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے جنگ شروع کرنے سے قبل ایک دفعہ پھر اتمام حجت کے لیے بشیر بن عمرو بن حصن انصاری، سعید بن قیس ہمدانی اور شہبث بن ربعی کو امیر معاویہؓ کے پاس بھیج کر مصالحت کی آخری کوشش کی؛ لیکن کامیابی نہ ہوئی دونوں طرف علما، فضلا اور حفاظ قرآن کی ایک جماعت موجود تھی جو دل سے اس خونریزی کو ناپسند کرتی تھی، اس نے مسلسل تین ماہ تک جنگ کو روکے رکھا اور اس درمیان میں برابر مصالحت کی کوشش کرتی رہی، اس اثنا میں دونوں طرف سے تقریباً پچاس دفعہ حملہ کا ارادہ کیا گیا؛ لیکن ان بزرگوں نے ہمیشہ درمیان میں پڑ کر پیچ بچاؤ کرا دیا، غرض ربیع الاول، ربیع الثانی اور جمادی الاول تین مہینے صرف صلح کے انتظار میں گزر گئے؛ لیکن اس کی کوئی صورت نہ نکل سکی اور جمادی الآخر کے شروع میں جنگ پھڑ گئی۔ [263][264]

آغاز جنگ

لڑائی کا یہ طریقہ تھا کہ دونوں طرف سے دن میں دو دفعہ یعنی صبح و شام تھوڑی تھوڑی فوج میدان جنگ میں اترتی تھی اور کشت و خون کے بعد اپنے فردو گاہ پر واپس جاتی تھی، فوج کی کمان حضرت علی بن ابی طالبؓ کبھی خود کرتے تھے اور کبھی باری باری سے اشتر نخعی، حجر بن عدی، شہبث ربعی، خالد بن المعمر، زیاد بن النضر، زیاد بن حصہ التیمی، سعید بن قیس، محمد بن حنفیہ، معقل بن قیس اور قیس بن سعد اس فرض کو انجام دیتے تھے، یہ سلسلہ جمادی الآخر کی آخر تاریخوں تک جاری رہا؛ لیکن جیسے ہی رجب کا بلال طلوع ہوا، اشتر حرم کی عظمت کے خیال سے دفعہٴ دونوں طرف سے جنگ رک گئی، اس التواء سے خیر خواہان امت کو پھر ایک مرتبہ مصالحت کی کوشش کا موقع مل گیا؛ چنانچہ حضرت ابوالدرداءؓ اور حضرت ابوامامہؓ باہلیؓ نے امیر معاویہ کے پاس جا کر ان سے حسب ذیل گفتگو کی: حضرت ابوالدرداءؓ: تم علیؓ سے لڑتے ہو کیا وہ امامت کے تم سے زیادہ مستحق نہیں ہیں؟ امیر معاویہ: میں عثمانؓ کے خون ناحق کے لیے لڑتا ہوں حضرت ابوالدرداءؓ: کیا عثمانؓ کو علیؓ نے قتل کیا ہے؟ امیر معاویہ: قتل تو نہیں کیا ہے، قاتلوں کو پناہ دی ہے، اگر وہ ان کو میرے سپرد کر دیں تو سب سے پہلے بیعت کرنے کو تیار ہوں۔ اس گفتگو کے بعد حضرت ابوالدرداءؓ اور حضرت ابوامامہؓ حضرت علیؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور امیر معاویہؓ کی شرائط سے مطلع کیا، اسے سن کر تقریباً بیس ہزار سپاہیوں نے علوی فوج سے نکل کر کہا کہ "ہم سب عثمانؓ کے قاتل ہیں"، حضرت ابوالدرداءؓ اور حضرت ابوامامہؓ نے یہ رنگ دیکھا تو لشکر گاہ چھوڑ کر ساحلی علاقہ کی طرف چلے گئے اور اس جنگ میں کوئی حصہ نہیں لیا۔ غرض پہلی رجب سے اخیر محرم سنہ 37ھ تک طرفین سے سکوت رہا اور کوئی قابل ذکر معرکہ پیش نہ آیا، آغاز سفر سے پھر ازسرنو جنگ شروع ہو گئی اور اس قدر خونریزی لڑائیاں پیش آئیں کہ ہزاروں عورتیں بیوہ اور ہزاروں بچے یتیم ہو گئے، پھر بھی اس خانہ جنگی کا فیصلہ نہ ہوا، علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ نے اس طوالت سے تنگ آکر اپنی فوج کے سامنے نہایت پر جوش تقریر کی اور اس کو فیصلہ کن جنگ کے لیے ابھارا، تمام فوج نے نہایت جوش و خروش کے ساتھ اس تقریر کو لبیک کہا اور اپنے حریف پر اس زور سے حملہ کیا کہ شامی فوج کی صفیں درہم برہم ہو گئیں اور بڑے بڑے بہادروں کے پاؤں اکھڑ گئے، حیدرکار خود فوج کے آگے تھے اور اس جانبازی سے لڑ رہے تھے کہ حریف کی صفیں چیرتے ہوئے حضرت امیر معاویہؓ کے مقصورہ تک پہنچ گئے، آپ کی زبان پر یہ رجز جاری تھا: اضرہم ولااری معاویہ الجاحظ العین العظیم الحادیہ قرب پہنچ کر پکار کر کہا "معاویہ! خلق خدا کا خون گراتے ہو، آؤ تم باہم اپنے جھگڑوں کا فیصلہ کر لیں۔" اس مبارزت پر عمرو بن العاصؓ اور امیر معاویہؓ میں حسب ذیل مکالمہ ہوا: عمرو بن العاصؓ بات انصاف کی ہے۔ امیر معاویہؓ: خوب کیا انصاف ہے؟ تم جانتے ہو کہ جو اس شخص کے مقابلہ میں جاتا ہے پھر زندہ نہیں بچتا۔ عمرو بن العاصؓ: جو کچھ ہو، تاہم مقابلے کے لیے نکلنا چاہیے۔ امیر معاویہؓ: تم چاہتے ہو کہ مجھے قتل کرا کے میرے منصب پر قبضہ کرو۔ امیر معاویہؓ کے اعراض پر عمرو بن العاصؓ: خود شیر خدا کے مقابلے کے لیے نکلے، دیر تک دونوں میں تیغ سنان کا ردو بدل ہوتا رہا، ایک دفعہ حضرت علیؓ نے ایسا وار کیا کہ اس سے سلامت بچنا ناممکن تھا، عمرو بن العاصؓ اس بدحواسی کے ساتھ گھوڑے سے گرے کہ بالکل برہمنہ ہو گئے، فاتح خیبر نے اپنے حریف کو برہمنہ دیکھ کر منہ پھیر لیا اور زندہ چھوڑ کر واپس چلے آئے۔ اس جنگ کے بعد تھوڑی تھوڑی فوج سے مقابلہ ہونے کی بجائے پوری فوج کے ساتھ جنگ ہونے لگی، چند دنوں تک یہ سلسلہ جاری رہا، یہاں تک کہ جمعہ کے روز عظیم الشان جنگ پیش آئی جو شدت و خونریزی کے لحاظ سے تاریخ اسلام میں اپنی نظیر آپ ہے، صبح سے شام اور شام سے دوسری صبح تک اس زور کارن پڑا کہ نعروں کی گرج، گھوڑوں کی ناپوں اور تلواروں کی جھٹکاروں سے کرہ ارض تھرا رہا تھا اسی مناسبت سے اس کو لیلۃ المریر کہتے ہیں۔ دوسری صبح کو مجروحین و مقتولین کے اٹھانے کے لیے جنگ ملتوی ہوئی، حضرت علیؓ نے اپنے طرفداروں کو مخاطب کر کے نہایت جوش سے تقریر کی اور فرمایا "جانباڑو! ہماری کوششیں اس حد تک پہنچ چکی ہیں کہ انشاء اللہ کل اس کا آخری فیصلہ ہو جائیگا، پس آج کچھ آرام لینے کے بعد اپنے حریف کو آخری شکست دینے کے لیے تیار ہو جاؤ اور اس وقت تک میدان سے منہ نہ موڑو جب تک اس کا قطعی فیصلہ نہ ہو جائے۔ امیر معاویہؓ اور عمرو بن العاصؓ نے اس وقت تک نہایت جانبازی، شجاعت اور پامردی کے ساتھ اپنی فوجوں کو سرگرم کا رزارکھا تھا؛ لیکن لیلۃ المریر کی جنگ سے انھیں بھی یقین ہو گیا تھا کہ اب لشکر حیدری کا مقابلہ کرنا ناممکن ہے، قبیلوں کے سردار بھی ہمت ہار گئے، اشعث ابن قیس نے علانیہ دربار میں کھڑے ہو کر کہا اگر مسلمانوں کی باہمی لڑائی ایسی ہی قائم رہی تو تمام عرب ویران ہو جائے گا، رومی شام میں ہمارے اہل و عیال پر قبضہ کر لیں گے، اس طرح ایران و بھقان اہل کوفہ کی عورتوں اور بچوں پر متصرف ہو جائیں گے، تمام درباریوں کی نظریں امیر معاویہؓ کے چہرہ پر گر گئیں اور سب نے بالاتفاق اس خیال کی تائید کی۔ یہ رنگ دیکھ کر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے جناب مرتضیٰ کو لکھا کہ "اگر ہم کو اور خود آپ کو معلوم ہوتا کہ یہ جنگ اس قدر طول کھینچے گی تو غالباً ہم دونوں اس کو چھیڑنا پسند نہ کرتے، بہر حال اب ہم کو اس تباہ کن جنگ کا خاتمہ کر دینا چاہیے ہم لوگ بنی عبد مناف ہیں اور آپس میں ایک دوسرے پر کوئی فوقیت نہیں، اس لیے مصالحت ایسی ہو کہ طرفین کی عزت و آبرو برقرار رہے؛ لیکن اب حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے مصالحت سے انکار کیا اور دوسرے روز علی الصباح زہ بکتر سے آراستہ ہو کر اپنی فوج ظفر موح کے ساتھ میدان میں صف آراء ہوئے؛ لیکن حریف نے جنگ ختم کر دینے کا تمہیہ کر لیا تھا، عمرو بن العاصؓ نے کہا اب میں ایک ایسی چال چلوں گا کہ یا تو جنگ کا خاتمہ ہی ہو جائے گا یا یہ علیؓ کی فوج میں پھوٹ پڑ جائے گی؛ چنانچہ دوسری صبح شامی فوج ایک عجیب منظر کے ساتھ میدان جنگ میں آئی، آگے آگے دمشق کا مصحف اعظم پانچ نیزوں پر بندھا ہوا تھا اور اس کو پانچ آدمی بلند کیے ہوئے تھے، اس کے علاوہ جس جس کے پاس قرآن پاک تھا اس نے اس کو نیزے پر باندھ لیا تھا، حضرت علیؓ کی طرف سے اشتر نخعی نے ایک جمعیت عظیم کے ساتھ حملہ کیا تو قلب سے فضل بن اویہم، مہینہ سے شریح الجذامی اور میرہ سے زرقاء بن معمر بڑھے اور چلا کر کہا گروہ عرب! خداؤ میوں اور ایرانوں کے ہاتھ سے تمہاری عورتوں اور بچوں کو بچائے تم فنا ہو گئے، دیکھو یہ کتاب اللہ ہمارے اور تمہارے درمیان میں ہے، اسی طرح ابوالدعور سلمیٰ اپنے سر پر کلام مجید رکھے ہوئے لشکر حیدری کے قریب آئے اور بھاگ بلند کہا "اے اہل عراق یہ کتاب اللہ ہمارے اور تمہارے درمیان میں حکم ہے، اشتر نخعی نے اپنے ساتھیوں کو سمجھایا کہ حریف کی چال ہے اور جوش دلا کر نہایت زور شور سے حملہ کر دیا؛ لیکن شامیوں کی چال کامیاب ہو گئی۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے لوگوں کو لاکھ سمجھایا کہ مصاحف کا بلند کرنا محض عیاری ہے ہم کو اس دامن تزویر سے بچنا چاہیے، کردوس بن بانی، سفیان بن ثور اور خالد بن العمر نے بھی امیر المومنین کی تائید کی اور کہا کہ پہلے ہم نے ان کو قرآن کی طرف دعوت دی تو انھوں نے کچھ پروا نہ کی، لیکن جب ناکامی و نامردی کا خوف ہوا تو اس مکاری کے ساتھ ہمیں دھوکا دینا چاہتے ہیں؛ لیکن شامیوں کا جادو چل

چکا تھا، اس لیے باوجود سعی و کوشش ایک جماعت نے نہایت سختی کے ساتھ اصرار کیا کہ قرآن کی دعوت کو رد نہ کرنا چاہیے اور دھمکی دی کہ اگر قرآن کے درمیان میں آنے کے بعد بھی جنگ بند نہ ہوگی تو وہ نہ صرف فوج سے کنارہ کش ہو جائے گی؛ بلکہ خود جناب امیرؑ کا مقابلہ کرے گی، معر بن فذ کی، نیدین حصین، سنبی اور ابن الکواء اس جماعت کے سرگروہ تھے، اسی طرح اشعث بن قیس نے عرض کیا امیر المومنین! میں جس طرح کل آپ کا جان نثار تھا اسی طرح آج بھی ہوں؛ لیکن میری بھی یہی رائے ہے کہ قرآن مجید کو حکم مان لینا چاہیے، غرض یہ چال ایسی کامیاب ہوئی کہ جناب علی مرتضیٰ کو مجبوراً اپنی فوج کو بازگشت کا حکم دینا پڑا، اشعث بن قیس نے اتوائے جنگ پر مجبور کیا تھا نہایت تلخ گفتگو ہوئی اور قریب تھا کہ باہم کشت و خون کی صدمہ ہوا اور فروگاہ پر واپس جانے کے بعد ان میں اور مسعر بن مکی اور ابن الکواء وغیرہ میں جنھوں نے اتوائے جنگ پر مجبور کیا تھا نہایت تلخ گفتگو ہوئی اور قریب تھا کہ باہم کشت و خون کی نوبت پہنچ جائے؛ لیکن جناب امیر معاویہؓ نے درمیان میں پرکر معاملہ کو رفت و گزشت کر دیا۔ اتوائے جنگ کے بعد دونوں فریق میں خط کتابت شروع ہوئی اور طرفین کے علما، فضلا کا اجتماع ہوا اور بحث و مباحثہ کے بعد قرار پایا کہ خلافت کا مسئلہ دو حکم کے سپرد کر دیا جائے اور وہ جو کچھ فیصلہ کریں اس کو قطعی تصور کیا جائے، شامیوں نے اپنی طرف سے عمرو بن العاصؓ کا نام پیش کیا، اہل عراق کی طرف سے اشعث بن قیس نے ابو موسیٰ اشعریؓ کا نام لیا، حضرت علیؓ نے اس سے اختلاف کیا اور حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کی بجائے حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کو تجویز کیا، لوگوں نے کہا عبد اللہ بن عباس اور آپ تو ایک ہی ہیں، حکم کو غیر جانبدار ہونا چاہیے، اس لیے جناب امیر معاویہؓ نے دوسرا نام اشعث بن قیس کا لیا، اشعث بن قیس نے برا فروختہ ہو کر کہا ”جنگ کی آگ اشعث ہی نے بھڑکائی ہے اور ان کی رائے تھی کہ جب تک آخری نتیجہ نہ ظاہر ہو ہر فریق دوسرے سے لڑتا رہے، اس وقت تک ہم اس کی رائے پر عمل کرتے رہے، ظاہر ہے جس کی رائے یہ ہے اس کا فیصلہ بھی یہی ہوگا، حضرت علیؓ نے جب دیکھا کہ لوگ ابو موسیٰ اشعریؓ کے علاوہ اور کسی پر رضا مند نہیں تو تحمل و بردباری کے ساتھ فرمایا جس کو چاہو حکم بناؤ مجھے بحث نہیں۔ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ جنگ سے کنارہ کش ہو کر ملک شام کے ایک گاؤں میں گوشہ نشین ہو گئے تھے، لوگوں نے قاصد بھیج کر ان کو بلایا اور دونوں فریق کے ارباب حل و عقد ایک عدد نامہ ترتیب دینے کے لیے مجتمع ہوئے، کاتب نے بسم اللہ الرحمن الرحیم کے بعد لکھا ہذا ما قضی علیہ امیر المومنین، امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا اگر امیر المومنین تسلیم کر لیتا تو پھر جھگڑا ہی کیا تھا، عمرو بن العاصؓ نے مشورہ دیا کہ صرف نام پر اکتفا کیا جائے، لیکن احنف ابن قیس اور حضرت علیؓ کے دوسرے جاں نثاروں کو اس لقب کا مجھونا نہایت شاق تھا، فدائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا خدا کی قسم یہ سنت کبریٰ ہے، صلح حدیبیہ (ذوقعدہ 6ھ) میں رسول اللہ کے فقرے پر ایسا ہی اعتراض ہوا تھا اس لیے جس طرح حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو اپنے دست مبارک سے منایا تھا، اسی طرح میں بھی اپنے ہاتھ سے مناتا ہوں، غرض معاہدہ لکھا گیا اور دونوں طرف کے سربراہان آدمیوں نے دستخط کر کے اس کو موثق کیا، معاہدہ کا خلاصہ یہ ہے۔ ”علیؓ معاویہؓ اور ان دونوں کے طرقدار باہمی رضا مندی کے ساتھ عہد کرتے ہیں کہ عبد اللہ بن قیس (ابو موسیٰ اشعریؓ) اور عمرو بن العاصؓ قرآن پاک اور سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق جو فیصلہ کریں گے اس کے تسلیم کرنے میں ان کو پس و پیش نہ ہوگا، اس لیے دونوں حکم کے لیے نہایت ضروری ہے کہ وہ قرآن اور سنت نبوی کو نصب العین بنائیں اور کسی حالت میں اس سے انحراف نہ کریں، حکم کی جان اور ان کا مال محفوظ رہے گا اور ان کے حق فیصلہ کی تمام امت تائید کرے گی، ہاں اگر فیصلہ کتاب اللہ اور سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ہوگا تو تسلیم نہیں کیا جائے گا اور فریقین کو اختیار ہوگا کہ پھر از سر نو جنگ کو اپنا حکم بنائیں۔ [177] [265]

خارجی فرقہ کی بنیاد

معاہدہ تیرہویں صفر 37ھ چار شنبہ کے روز ترتیب پایا، اشعث بن قیس تمام قبائل کو اس معاہدہ سے مطلع کرنے پر مامور ہوئے، وہ سب کو سناتے ہوئے جب غزہ کے فروگاہ پر پہنچے تو دو آدمیوں نے کھڑے ہو کر کہا کہ خدا کے سوا اور کسی کو فیصلہ کا حق نہیں اور غضب ناک ہو کہ شامی فوج پر حملہ کر دیا اور لڑکر مارے گئے، اسی طرح قبیلہ مراد اور بنو راست اور بنو تمیم نے بھی اس کو ناپسند کیا، بنو تمیم کے ایک شخص غزوہ بن اویہ نے اشعث سے سوال کیا کہ کیا تم لوگ اللہ کے دین میں آدمیوں کا فیصلہ قبول کرتے ہو؟ اگر ایسا ہے تو بتاؤ کہ ہمارے مقتول کہا جائیں؟ اور غضب ناک ہو کر تلوار کا ایسا وار کیا کہ اگر خالی نہ جاتا تو اشعثؓ کا کام ہی تمام ہو جاتا، بہت سے آدمیوں نے خود حضرت علیؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر اس معاہدہ کی نسبت اپنی بے زاری ظاہر کی، معز بن خنیس نے عرض کیا، امیر المومنین اس معاہدہ سے رجوع کر لیجئے، واللہ میں ڈرتا ہوں کہ شاید آپ کا انجام برا نہ ہو، غرض ایک معتدبہ جماعت نے اس کو ناپسند کیا اور انجام کار اسی ناپسندیدگی نے ایک مستقل فرقہ کی بنیاد قائم کر دی جس کا ذکر آگے آئے گا۔

حکیم کا نتیجہ

حضرت علیؓ اور امیر معاویہؓ نے دومۃ الجندل کو جو عراق اور شام کے وسط میں تھا بالاتفاق حکمین کے لیے اجلاس کا مقام منتخب کیا اور ہر ایک نے اپنے اپنے حکم کے ساتھ چار چار سو آدمیوں کی جمعیت ساتھ کر دیا حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کے ساتھ جو فوج گئی تھی اس کے افسر شریح بن ہانی اور مذہبی نگران حضرت عبد اللہ بن عباسؓ تھے، حضرت عبد اللہ بن عمر، حضرت سعد بن ابی وقاصؓ اور حضرت مغیرہ بن شعبہؓ وغیرہ بھی جو اپنے ورع و تقویٰ کے باعث اس خانہ جنگی سے الگ رہے تھے، حکیم کی خبر سن کر اس کا آخری فیصلہ معلوم کرنے کے لیے دومۃ الجندل میں آئے، حضرت مغیرہ بن شعبہؓ نے جو نہایت نکتہ رس اور معاملہ فہم بزرگ تھے پہنچنے کے ساتھ ابو موسیٰ اشعریؓ اور عمرو بن العاصؓ سے علاحدہ علاحدہ گفتگو کر کے ان کی رائے کا اندازہ کیا تو انھیں یقین ہو گیا کہ ان دونوں میں اتحاد رائے ممکن نہیں ہے؛ چنانچہ انھوں نے اسی وقت علانیہ پیش گوئی کی کہ اس حکیم کا نتیجہ خوش آئند نہ ہوگا، بہر حال دونوں حکم حسب قرارداد گوشہ خلوت میں مجتمع ہوئے، عمرو بن العاصؓ نے حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کو اپنا ہم خیال بنانے کے لیے ان کی غیر معمولی تعظیم و توقیر شروع کی تعریف و توصیف کے پل باندھ دیے، اصل مسئلہ کے متعلق جو گفتگو ہوئی اس کا خلاصہ یہ ہے: ابو موسیٰؓ: عمروؓ بن عاصؓ تم ایک ایسی رائے کے متعلق کیا خیال رکھتے ہو جس سے خدا کی خوشنودی اور قوم کی بہبودی دونوں میسر آئے؟ عمرو بن العاصؓ: وہ کیا ہے؟ ابو موسیٰؓ: عبد اللہ بن عمرؓ نے ان خانہ جنگیوں میں کسی طرح حصہ نہیں لیا ہے، ان کو منصب خلافت پر کیوں نہ ممکن کیا جائے۔ عمرو بن العاصؓ، معاویہؓ میں کیا خرابی ہے؟ ابو موسیٰؓ: امیر معاویہؓ نہ تو اس منصب جلیل کے لیے موزوں ہیں اور نہ ان کو کسی طرح کا استحقاق ہے، ہاں اگر تم مجھ سے اتفاق کرو تو فاروق اعظمؓ کا عہد لوٹ آئے اور عبد اللہ اپنے باپ کی یاد پھر تازہ کر دیں۔ عمرو بن العاصؓ، میرے لڑکے عبد اللہ پر آپ کی نظر انتخاب کیوں نہیں پڑتی فضل و منقبت میں تو وہ بھی کچھ کم نہیں۔ ابو موسیٰؓ: بے شک تمھارا لڑکا صاحب فضل و منقبت ہے؛ لیکن ان خانہ جنگیوں میں شریک کر کے تم نے ان کے دامن کو بھی ایک حد تک داغدار کر دیا ہے، برخلاف اس کے طیب ابن طیب عبد اللہ بن عمرؓ کا لباس تقویٰ ہر قسم کے دھبوں سے محفوظ ہے، بس آؤ انہی کو مسند خلافت پر بٹھا دیں۔ عمرو بن العاصؓ: ابو موسیٰؓ! اس منصب کی صلاحیت صرف اس میں ہو سکتی ہے جس

کے دو دائرہ ہوں، ایک سے کھائے اور دوسرے سے کھلائے۔ ابو موسیٰ، عمرو! تمہارا برا ہو، کشت و خون کے بعد مسلمانوں نے ہمارا دامن پکڑا ہے اب ہم ان کو پھر فتنہ و فساد میں مبتلا نہیں کریں گے۔ عمرو بن العاصؓ پھر آپ کی کیا رائے ہے؟ ابو موسیٰؓ ہمارا خیال ہے کہ علیؓ اور معاویہؓ دونوں کو معزول کر دیں اور مسلمانوں کی مجلس شوریٰ کو پھر سے اختیار دیں جس کو چاہے منتخب کرے۔ عمرو بن العاصؓ مجھے بھی اس سے اتفاق ہے۔ مذکورہ بالا قرار داد کے بعد جب دونوں ایک دوسرے سے جدا ہوئے تو عبد اللہ بن عباسؓ نے ابو موسیٰؓ کے پاس جا کر کہا: "خدا کی قسم! مجھے یقین ہے کہ عمرو نے آپ کو دھوکا دیا ہوگا، اگر کسی رائے پر اتفاق ہوا ہو تو آپ ہرگز اعلان میں سبقت نہ کیجئے گا، وہ نہایت غدار ہے، کیا عجب ہے کہ آپ کے بیان کی مخالفت کر بیٹھے، ابو موسیٰؓ نے کہا کہ ہم لوگ ایسی رائے پر متد ہوئے ہیں کہ اس میں اختلاف کی گنجائش ہی نہیں، غرض دوسرے روز مسجد میں مسلمانوں کا مجمع ہوا، حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ نے عمرو بن العاصؓ سے فرمایا کہ وہ منبر پر چڑھ کر فیصلہ سنائیں، انھوں نے عرض کیا میں آپ پر سبقت نہیں کر سکتا، آپ فضل و منقبت میں، سن و سال میں، غرض ہر حیثیت سے ہم سے افضل اور ہمارے بزرگ ہیں۔ حضرت ابو موسیٰؓ پر عمرو بن العاصؓ کا جادو چل گیا، چنانچہ آپ بغیر پس و پیش کے کھڑے ہو گئے اور حمد و ثنا کے بعد کہا: "صاحبو! ہم نے علیؓ اور معاویہؓ دونوں کو معزول کیا اور پھر نئے سرے سے مجلس شوریٰ کو انتخاب کا حق دیا، وہ جس کو چاہے اپنا امیر بنائے، ابو موسیٰ اپنا فیصلہ سنا کر منبر پر سے اترے عمرو بن العاصؓ نے کھڑے ہو کر کہا: "صاحبو! علیؓ کو جیسا کہ ابو موسیٰؓ نے معزول کیا میں بھی معزول کرتا ہوں؛ لیکن معاویہؓ کو اس منصب پر قائم رکھتا ہوں، کیونکہ وہ امیر المؤمنین عثمانؓ کے ولی اور خلافت کے سب سے زیادہ مستحق ہیں۔ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ بہت نیک دل اور سادہ دل بزرگ تھے، اس خلاف بیانی سے ششدر رہ گئے، چلا کر کہنے لگے یہ کیا غداری ہے، یہ کیا بے ایمانی ہے، سچ یہ ہے کہ تمہاری حالت بالکل اس کتے کی طرح ہے جس پر لادو جب بھی ہانپتا ہے اور چھوڑو تو بھی ہانپتا ہے، انا مشک کمثل الکلب ان محمل علیہ یلھث او تنکرہ یلھث، عمرو بن العاصؓ نے کہا اور آپ پر چار پائے بروکتا بے چند کی مثل صادق آتی ہے، مشک کمثل الحمار محمل اسفارا، عمرو بن العاصؓ کے بیان سے مجمع میں سخت برہمی پیدا ہو گئی، شریح بن ہانی نے عمرو بن العاصؓ کو کوڑے سے مارنا شروع کیا، اس طرف سے ان کے ایک لڑکے نے شریح پر حملہ کر دیا؛ لیکن بات بڑھنے نہیں پائی اور لوگوں نے سچ بچاؤ کر کے رفت و گذشت کر دیا، حضرت ابو موسیٰؓ کو اس قدر ندامت ہوئی کہ اس وقت مکہ روانہ ہو گئے اور تمام عمر گوشہ نشین رہے۔

خارج کی سرکشی

پہلے گزر چکا ہے کہ تحکیم کو حضرت علیؓ کے اعوان و انصار میں سے معتبرہ جماعت نے ناپسند کیا تھا، چنانچہ جب آپ صفین سے کوفہ تشریف لائے تو اس نے اپنی ناپسندیدگی کا ثبوت اس طرح دیا کہ تقریباً بارہ ہزار آدمیوں نے لشکر حیدری سے کنارہ کش ہو کر حرادر میں اقامت اختیار کی، حضرت علیؓ نے حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کو سمجھانے کے لیے بھیجا، انھیں ناکامی ہوئی تو خود تشریف لے گئے اور مناظرہ و مباحثہ کے بعد راضی کر کے سب کو کوفہ لے آئے یہاں یہ افواہ پھیل گئی کہ جناب امیرؓ نے ان کی خاطر داری کے لیے تحکیم کو کفر تسلیم کر کے اس سے توبہ کی ہے، حضرت علیؓ کے کان میں اس کی بھٹک پہنچی تو آپ نے خطبہ دے کر اس کی تکذیب کی اور فرمایا کہ پہلے انھی لوگوں نے جنگ ملتوی کرنے پر مجبور کیا، پھر تحکیم پر ناپسندیدگی ظاہر کی اور اب چاہتے ہیں کہ عہد شکنی کر کے قبل از فیصلہ پھر جنگ شروع کر دوں، خدا کی قسم! یہ نہیں ہو سکتا، حاضرین میں اُس جماعت کے لوگ بھی موجود تھے وہ سب ایک ساتھ چلا آئے، "لا حکم الا للہ" یعنی فیصلہ کا حق صرف اللہ کو ہے اور ایک شخص نے سامنے آکر نہایت بلند آہنگی سے کہا: وَلَقَدْ اَوْحٰی اِلَیْکَ وَآلِی الدِّیْنِ مِنْ قَبْلِکَ ۝ لَنْ اَشْرَکْتَ بِخَطِیْئِکَ عَمَلْکَ وَلَنْکُوْنَنَّ مِنْ اَنْصَرِیْنِ [266] "اے محمد تم اور تمہارے قبل انبیاء پر یہ وحی بھیجی گئی کہ اگر تم نے خدا کی ذات میں دوسرے کو شریک بنایا تو تمہارے سب اعمال بے کار ہو جائیں گے اور تم خسارہ اٹھانے والوں میں ہوں گے۔" حضرت علیؓ نے برجستہ جواب دیا: فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَلَا یَسْتَبِیْھُ الدِّیْنُ لَا یُؤْتُوْنَ تَوْصِیْرَکَ، خدا کا وعدہ حق ہے اور جو لوگ یقین نہیں رکھتے وہ تیرا استغفار نہ کریں۔ غرض رفتہ رفتہ اس جماعت نے ایک مستقل فرقہ کی صورت اختیار کر لی، دومۃ الجندل کی تحکیم کا افسوس ناک نتیجہ ملک میں شائع ہوا تو اس فرقہ نے جناب مرتضیٰ کی بیعت توڑ کر عبد اللہ بن وہب المراسی کے ہاتھ پر بیعت کی اور کوفہ، بصرہ، انبار اور مدائن وغیرہ میں جس قدر اس فرقہ کے لوگ موجود تھے وہ سب نہروان میں جمع ہوئے اور عام طور پر قتل و غارت گری کا بازار گرم کر دیا۔ خارجیوں کا عقیدہ تھا کہ معاملات دین میں سرے سے حکم مقرر کرنا کفر ہے، پھر ان دونوں حکم نے جس طریقہ پر اس کا فیصلہ کیا اس کے لحاظ سے خود وہ دونوں اور ان کے انتخاب کرنے والے کافر ہیں اور اس عقیدہ سے جس کو اتفاق نہ ہو اس کا خون مباح ہے، چنانچہ انھوں نے عبد اللہ بن خباب اور ان کی اہلیہ کو نہایت بے دردی سے قتل کر دیا، اسی طرح ام سنان اور صید اوہ کو مشق ستم بنایا اور جو انھیں ملا اس کو یا تو اپنا ہم خیال بنا کر چھوڑا یا تلوار کے گھاٹ اتار دیا، حضرت علیؓ کو ان جگر خراش واقعات کی اطلاع ہوئی تو عاثر بن مرہ کو دریافت حال کے لیے بھیجا، خارجیوں نے ان کا بھی کام تمام کر دیا۔ جناب مرتضیٰؓ اس وقت نئے سرے سے شام پر فوج کشی کی تیاری فرما رہے تھے؛ لیکن جب خارجیوں کی سرکشی اور قتل و غارت اس حد تک پہنچ گئی تو اس ارادہ کو ملتوی کر کے ان خارجیوں کی تنبیہ کے لیے نہروان کا قصد کرنا پڑا۔ [267][268]

معرکہ نہروان

نہروان پہنچ کر حضرت ابو ایوب انصاریؓ اور قیس بن سعد بن عبادہؓ کو خارجیوں کے پاس بھیجا کہ وہ بحث و مباحثہ کر کے ان کو ان کی غلطی پر متنبہ کریں، جب ان دونوں کو ناکامی ہوئی تو خارجیوں کے ایک سردار ابن الکوا کو بلا کر خود ہر طرح سمجھایا لیکن ان کے قلوب تاریک ہو چکے تھے، اس لیے ارشاد و ہدایت کے تمام مساعی ناکام رہے اور جناب امیرؓ نے مجبور ہو کر فوج کو تیاری کا حکم دیا، میمنہ پر حجر بن عدیؓ، میسرہ پر شریح بن رعیؓ، پیادہ پر حضرت ابو قتادہ انصاریؓ اور سواروں پر حضرت ابو ایوب انصاریؓ کو متعین کر کے باقاعدہ صف آرانی کی۔ خارجیوں میں ایک جماعت ایسی تھی جس کو حیدر کرارہ سے جنگ آزمائی ہونے میں پس و پیش تھا، ایک بڑا گروہ کوفہ چلا گیا اور ایک ہزار آدمیوں نے توبہ کر کے علم حیدری کے نیچے پناہ لی اور عبد اللہ بن وہب المراسی کے ساتھ صرف چار ہزار خارجی باقی رہ گئے لیکن یہ سب منتخب اور جانباز تھے اس لیے انھوں نے میمنہ اور میسرہ پر اس زور کا حملہ کر دیا کہ اگر جاں نثاران علیؓ میں غیر معمولی شہادت و استقلال نہ ہوتا تو ان کا روکنا سخت مشکل تھا، خارجیوں کی حالت یہ تھی کہ ان کے اعضاء کٹ کٹ کر جسم سے علاحدہ ہو جاتے تھے؛ لیکن ان کی حملہ آوری میں فرق نہیں آتا تھا، شریح بن ابی ادنیٰ کا ایک پاؤں کٹ گیا تو تنہا ایک ہی پاؤں پر کھڑا ہو کر لڑتا رہا، اسی طرح خارجی ایک ایک کر کے کٹ کر مر گئے، جنگ ختم ہونے کے بعد حضرت علی المرتضیٰؓ نے خارجی مقتولین میں اس شخص کو تلاش کرنا شروع کیا جس کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیشین گوئی فرمائی تھی، چنانچہ تمام علامات کے ساتھ ایک لاش برآمد ہوئی تو فرمایا اللہ اکبر! خدا کی قسم! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کس قدر صحیح ارشاد فرمایا تھا۔ "جنگ نہروان سے فارغ ہونے کے بعد حضرت علیؓ نے شام کی طرف کوچ کرنے کا حکم دیا؛ لیکن اشعث بن قیس نے

کہا "امیر المومنین! ہمارے ترکش خالی ہو گئے ہیں، تلواروں کی دھاریں مڑ گئی ہیں، نیزوں کے پھل خراب ہو گئے ہیں، اس لیے ہم کو دشمن پر فوج کشی کرنے سے پہلے اسباب و سامان درست کر لینا چاہیے، جناب امیرؑ نے اشعث کی رائے کے مطابق نخیلہ میں پڑاؤ کر کے لوگوں کو تیاری کا حکم دیا؛ لیکن لوگ تیار ہونے کی بجائے آہستہ آہستہ دس دس بیس بیس کوفہ کھسکنے لگے، یہاں تک کہ آخر میں کل ایک ہزار کی جمعیت ساتھ رہ گئی۔ حضرت علیؑ نے یہ رنگ دیکھا تو سردست شام پر فوج کشی کا ارادہ ترک کر دیا اور کوفہ واپس جا کر اقامت اختیار کی۔ [269][270]

مصر کے لیے کش مکش

پہلے گزر چکا ہے کہ جناب حضرت علی مرتضیٰؑ نے مسند خلافت پر متمکن ہونے کے ساتھ عہد عثمانی کے تمام عمال کو معزول کر کے نئے عمال مقرر کیے تھے؛ چنانچہ مصر کی ولایت حضرت قیس بن سعد انصاریؑ کے سپرد ہوئی تھی، انھوں نے حکمت عملی سے تقریباً تمام اہل مصر کو جناب امیرؑ کی خلافت پر راضی کر کے ان سے آپ کی بیعت لے لی صرف قصبہ خربتہ کے لوگوں کو تامل ہوا اور انھوں نے کہا جب تک معاملات یکسو نہ ہو جائیں اس وقت تک ان سے بیعت کے لیے اصرار نہ کیا جائے البتہ والی مصر کی اطاعت و فرماں برداری میں کوتاہی نہ کریں گے اور نہ ملک کے امن و سکون کو صدمہ پہنچائیں گے، قیس بن سعد نہایت بخشنے کار اور صاحب تدبیر تھے، انھوں نے اس بھڑکے چھتے کو پھیرنا خلاف مصلحت سمجھا اور انھیں امن و سکون کی زندگی بسر کرنے کی اجازت دے دی، اس رواداری کا نتیجہ یہ ہوا کہ اہل خربتہ مطیع و فرماں بردار ہو گئے اور خراج وغیرہ ادا کرنے میں انھوں نے کبھی کوئی جھگڑا نہیں کیا۔ جنگ صفین کی تیاریاں شروع ہوئیں تو امیر معاویہؑ کو خوف ہوا کہ اگر وہ دوسری طرف سے قیس بن سعد اہل مصر کو لے کر شام پر چڑھ آئے تو بڑی دقت کا سامنا ہوگا، اس لیے انھوں نے قیس بن سعد کو خط لکھا کہ اپنا طرفدار بنانا چاہا قیس بن سعدؑ نے دنیا سازی کے طور پر نہایت گول جواب دے کر ٹال دیا، امیر معاویہؑ فوراً اس کو تاڑ گئے اور ان کو لکھا کہ تم مجھے دھوکا دینا چاہتے ہو، مجھ جیسا شخص کبھی تمھارے دام فریب کا شکار نہیں ہو سکتا افسوس تم اس کو فریب دیتے ہو جس کا ادنیٰ سا اشارہ مصر کو پامال کر سکتا ہے قیس بن سعدؑ نے اس تحریر کا جواب نہایت سخت دیا اور لکھا کہ تمھاری دہمکی سے نہیں ڈرتا، خدا نے چاہا تو خود تمھاری اپنی جان کے لالے پڑ جائیں گے۔ حضرت قیس بن سعد نہایت بلند پایہ اور ذی اثر بزرگ تھے، رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اکثر غزوات میں انصار کے علم بردار رہے تھے، امیر معاویہؑ نے جب دیکھا کہ ان کے مقابلہ میں کچھ پیش نہ جائے گی تو انھوں نے ان کے مصر سے ہٹانے کی تدبیر کی ان کے متعلق مشہور کر دیا کہ قیس بن سعدؑ میرے طرفدار ہیں، رفتہ رفتہ یہ افواہ دربار خلافت پہنچی، محمد بن ابی بکرؓ وغیرہ نے اس کو اور بھی بڑھا چڑھا کر بیان کیا اور اہل خربتہ کے بیعت نہ کرنے کا واقعہ ثبوت میں پیش کیا۔ جناب امیرؑ نے اس افواہ سے متاثر ہو کر قیس بن سعدؑ کو خربتہ والوں سے بیعت کے لیے لڑنے کا حکم دیا، انھوں نے جواب دیا کہ خربتہ تقریباً دس ہزار نفوس کی آبادی ہے اس میں بسر بن ارقطہ، مسلمہ بن مخلد اور معاویہ بن خدیج جیسے جنگ آزما بہادر موجود ہیں، ان سے لڑائی خریدنا مصلحت نہیں ہے جب دربار خلافت سے مکر اصرار ہوا تو انھوں نے استعفا دے دیا، قیس کی جگہ محمد بن ابی بکرؓ والی مصر مقرر ہوئے، یہ کس ناسمجھ کا تھی، ان کے طرز عمل نے مصر میں شورش و بے چینی کی آگ بھڑکا دی اور انھوں نے خربتہ والوں سے چھیڑ کر کے ان کو آمادہ پر خاش کر دیا، حضرت علیؑ کو ان حالات کی اطلاع ہوئی تو انھوں نے معرکہ صفین کے بعد اشتر نخعی کو مصر روانہ کیا کہ وہ محمد بن ابی بکر کو سبکدوش کر کے ملک کے حالات درست کریں؛ لیکن امیر معاویہؑ نے راستے میں زہر دلا کر اشتر نخعی کا کام تمام کرادیا اور عمرو بن العاصؑ کے ماتحت ایک زبردست مہم مصر روانہ کی، محمد بن ابی بکرؓ کے لیے اس فوج کا مقابلہ نہایت دشوار تھا، تاہم دو ہزار کی جمعیت فراہم کرا کے وہ اس جانبازی سے لڑے کہ عمرو بن العاصؑ کو معاویہ بن خدیج رئیس خربتہ کی مدد طلب کرنی پڑی؛ لیکن اس دوران میں حضرت امیر معاویہؑ نے ایک بڑی جمعیت کے ساتھ آکر پیچھے سے گھیر لیا اور محمد بن ابی بکرؓ کے ساتھی یا تو مارے گئے یا جان بچا کر بھاگ کھڑے ہوئے، محمد بن ابی بکرؓ نے بھی ایک ویران کھنڈ میں پناہ لی؛ لیکن عمرو بن العاصؑ کے جاسوسوں نے ڈھونڈ نکالا اور معاویہ بن خدیج نے نہایت بے رحمی کے ساتھ قتل کر کے لاش کو ایک مردہ گدھے کے پیٹ میں ڈال دیا، اس افسوسناک طریقہ پر 38ھ میں مصر کی قسمت کا فیصلہ ہو گیا اور حضرت علیؑ اپنی مجبوروں کے باعث محمد بن ابی بکر کی کوئی مدد نہ کر سکے۔ اسی سال یعنی سنہ 38ھ میں امیر معاویہؑ نے اہل بصرہ کو جناب مرتضیٰ کی اطاعت سے برگشتہ کر کے اپنی حکومت کا طرفدار بنانے کے لیے عبد اللہ بن حضرمی کو بصرہ بھیجا، عبد اللہ کو اس مہم میں بڑی کامیابی ہوئی، قبیلہ بنو تمیم اور تقریباً تمام اہل بصرہ نے اس دعوت کو لبیک کہا اور حضرت علیؑ کے عامل زیاد کو بصرہ چھوڑ کر حران میں پناہ گزین ہونا پڑا، بارگاہ خلافت کو اس کی اطلاع ہوئی تو حضرت علیؑ نے عین بن ضبیعہ کو ابن حضرمی کی ریشہ دوانیوں کے اسناد پر مامور کیا؛ لیکن قبل اس کے کہ انھیں کامیابی ہو، امیر معاویہؑ کے ہوا خواہوں نے ناگہانی طور پر قتل کر دیا، عین بن ضبیعہ کے بعد جناب امیر نے جاریہ بن قدامہ کو ابن حضرمی کی سرکوبی پر مامور کیا، انھوں نے نہایت حکمت عملی کے ساتھ بصرہ پہنچ کر ابن حضرمی اور اس کے ساتھیوں کو گھیر لیا اور ان کی پناہ گاہ کو نذر آتش کر کے خاک سیاہ کر دیا اور اہل بصرہ نے دوبارہ اطاعت قبول کر لی، امیر المومنین کے ترجم نے عفو عام کا اعلان کیا۔

بغاوتوں کا استیصال

جنگ نہروان میں گو خارجیوں کا زور ٹوٹ چکا تھا تاہم ان کی چھوٹی چھوٹی لڑیاں ملک میں موجود تھیں اور اپنی ریشہ دوانیوں سے روز ایک نہ ایک فتنہ برپا کرتی رہتی تھیں؛ چنانچہ ایک خارجی خریث بن راشد کا صرف یہ کام تھا کہ وہ مجوسیوں، مرتدوں اور نو مسلموں کو اپنے دام تزویر میں پھنسا کر ملک میں ہر طرف لوٹ مار کرتا پھرتا تھا اور ہر جگہ ذمیوں کو بھڑکا کر بغاوت کرا دیتا تھا، حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے زیاد بن حنظلہ اور ایک رولیت کے مطابق معتقل بن قیس کو جب رامہرمز سے روانہ ہوئے تو ان لوگوں نے دور تک مشایعت کی، ایرانی مردوں اور عورتوں نے خدا حافظ کہا اور ان کی جدائی پر بے اختیار آنکھوں سے آنسو نکل آئے۔

امیر معاویہؓ کا جارحانہ طریق عمل

جنگ صفین کے التواء اور مسئلہ تکمیل نے ایک طرف تو حضرت علیؓ کی جماعت میں تفریق و اختلاف ڈال کر خارجیوں کو پیدا کر دیا اور دوسری طرف اس سے بھی بڑھ کر یہ ہوا کہ آپ کے مخصوص ہمدوموں اور جانشینوں کے عزم و ارادے بھی پست ہو گئے، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ پھر وہ جنگ سے پہلو تھمی کرنے لگے، جناب امیرؓ نے بابا شام پر چڑھائی کا قصد کیا، پرچوں خطبوں سے اپنے ساتھیوں کو حملت حق کی دعوت دی اور طعن آمیز جملوں سے ان کی رگ غیرت کو جوش میں لانے کی کوشش کی؛ لیکن شیعان علیؓ کے دل ایسے پشمرده ہو گئے تھے اور ان کی ہمتیں ایسی پست ہو چکی تھیں کہ پھر وہ کسی طرح آمادہ نہ ہوئے، اس سلسلے کے جو خطبے حضرت علیؓ کی طرف منسوب اور منج البلاغہ میں موجود ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علیؓ کو اپنے حامیوں اور طرفداروں کی اس سرد مہری کا کتنا صدمہ تھا، امیر معاویہؓ اس حقیقت حال سے ناواقف نہ تھے، انھوں نے شیعان علیؓ کی پست ہمتی سے فائدہ اٹھا کر مدافعت کی بجائے اب جارحانہ قدم اٹھایا اور 39ھ میں فوج کے چھوٹے چھوٹے دستے حجاز، عراق اور جزیرہ میں پھیلا دیے کہ وہ بے امنی پھیلا کر جناب مرتضیٰؓ کو پریشانوں میں اضافہ کریں؛ چنانچہ نعمان بن بشر نے دو ہزار کی جمعیت سے عین التمر پر، سفیان بن عوف نے چھ ہزار کی فوج سے انبار اور مدائن وغیرہ پر، عبد اللہ بن مسعودہ فراری نے ایک ہزار سات سو آدمیوں سے تیماء پر ضحاک بن قیس نے وافضہ کے نشیبی حصہ پر اور امیر معاویہؓ نے دجلہ کے ساحلی علاقوں پر حملہ کر کے بیت المال لوٹ لیا اور شیعان علیؓ کو تہ تیغ کر کے لوگوں کو اپنی حکومت کے سامنے گردن اطاعت خم کرنے پر مجبور کر دیا۔

کرمان و فارس کی بغاوتوں کو فرو کرنا

حیدر کرار کی ہمت مردانہ نے گو بہت جلد امیر معاویہؓ کے حملہ آور دستوں کو ممالک مقبوضہ سے نکال دیا، تاہم اس سے ایک عام بے امنی اور بے رعبی پیدا ہو گئی، کرمان و فارس کے عجمیوں نے بغاوت کر کے خراج دینے سے انکار کر دیا، اکثر صوبوں نے اپنے یہاں کے علوی نکال دیے اور ذمیوں نے خود سری اختیار کر لی، حضرت علیؓ نے اس عام بغاوت کے فرو کرنے کے متعلق مشورہ طلب کیا، لوگوں نے عرض کیا، زیاد بن ابیہ سے زیادہ اس کام کے لیے کوئی شخص موزوں نہیں ہو سکتا، اس لیے زیاد اس مہم پر مامور ہوئے، انھوں نے بہت جلد کرمان، فارس اور تمام ایران میں بغاوت کی آگ فرو کر کے امن و سکون پیدا کر دیا، بغاوت فرو ہونے کے بعد حضرت علیؓ نے ایرانی باغیوں کے ساتھ اس لطف و مدارت کا سلوک کیا کہ ایران کا بچہ بچہ منت پذیری کے جذبات سے لبریز ہو گیا، ایرانیوں کا خیال تھا کہ امیر المومنین علی بن ابی طالبؓ کے طریق جہانبا نی نے نوشیروانی طرز حکومت کی یاد بھلا دی۔

فتوحات

گذشتہ حالات سے یہ معلوم ہو گیا ہوگا کہ علی بن ابی طالبؓ کو اندرونی شورشوں اور خانگی جھگڑوں کے دبانے سے اتنی فرصت نہ مل سکی کہ وہ اسلام کے فتوحات کے دائرہ کو بڑھا سکتے، تاہم آپ بیرونی امور سے غافل نہ رہے؛ چنانچہ سیستان اور کابل کی سمت میں بعض عرب خود مختار ہو گئے تھے، ان کو قابو میں کر کے آگے قدم بڑھایا، [271] اور 38ھ میں بعض مسلمانوں کو بحری راستہ سے ہندوستان پر حملہ کرنے کی اجازت دی، اس وقت کوکن بمبئی کا علاقہ سندھ میں شامل تھا، مسلمان رضا کار سپاہیوں نے سب سے پہلے اسی عہد میں کوکن پر حملہ کیا۔ [272]

حجاز اور عرب کے قبضہ کے لیے کشمکش

حضرت امیر معاویہؓ نے 40ھ میں پھر ازسرنو چھیڑ چھاڑ شروع کی اور بسر بن ارطاة کو تین ہزار کی جمعیت کے ساتھ حجاز روانہ کیا، اس نے بغیر کسی مزاحمت و جنگ کے مکہ اور مدینہ پر قبضہ کر کے یہاں کے باشندوں سے زبردستی امیر معاویہؓ کے لیے بیعت لی، پھر وہاں سے یمن کی طرف بڑھا، حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے پہلے سے پوشیدہ طور پر یمن کے عامل عبید اللہ بن عباس کو بسر بن ابی ارطاة کے حملہ کے اطلاع کردی اور یہ بھی لکھ دیا کہ جو لوگ معاویہؓ کی حکومت تسلیم کرنے میں لیت و لعل کرتے ہیں وہ ان کو نہایت بے دردی سے تہ تیغ کر دیتا ہے، عبید اللہ بن عباس نے اپنے کو اس مقابلہ سے عاجز دیکھ کر عبد اللہ بن عبد المذان کو اپنا قائم مقام بنایا اور خود دربار خلافت سے مدد طلب کرنے کے لیے کوفہ کی راہ لی، بسر بن ابی ارطاة نے یمن پہنچ کر نہایت بے دردی کے ساتھ عبید اللہ بن عباس کے دو صغیر السن بچوں اور شیعان علیؓ کی ایک بڑی جماعت کو قتل کر دیا۔ دوسری طرف شامی سواروں نے سرحد عراق پر تڑکتاز شروع کردی اور یہاں کی محافظ سپاہ کو شکست دے کر انبار پر قبضہ کر لیا، حضرت علیؓ کو بسر بن ابی ارطاة کے مظالم کا حال معلوم ہوا تو آپ نے جاریہ بن قدامہ اور وہب بن مسعود کو چار ہزار کی جمعیت کے ساتھ اس کی سرکوبی کے لیے یمن و حجاز کی مہم پر مامور کیا اور کوفہ کی جامع مسجد میں پرچوں خطبے دے کر لوگوں کو حدود عراق سے شامی فوج نکال دینے پر ابھارا اور یہ تقریریں ایسی موثر تھیں کہ اہل کوفہ کے مردہ قلوب میں بھی فوری طور پر روح پیدا ہو گئی اور ہر گوشہ سے صدائے لبیک بلند ہوئی؛ لیکن جب کوچ کا وقت آیا تو صرف تین سو آدمی رہ گئے، جناب مرتضیٰؓ کو اہل کوفہ کی اس بے حسی پر نہایت صدمہ ہوا، حجر بن عدی اور سعید بن قیس ہمدانی نے عرض کیا، امیر المومنین بغیر تشدد کے لوگ راہ پر نہ آئیں گے، عام منادی کرادیں کہ بلا استثناء ہر شخص کو میدان جنگ کی طرف چلنا پڑے گا جو اس میں تساہل یا اعراض سے کام لے گا اس کو سخت سزا دی جائے گی، اب صورت حال ایسی تھی کہ اس مشورہ پر عمل کرنے کے سوا چارہ نہ تھا اس لیے حضرت علیؓ نے اس کا اعلان عام کر دیا اور معقل کو راستیق بھیجا کہ وہاں سے جس قدر بھی سپاہی مل سکیں جمع کر کے اسے لے آئیں؛ لیکن یہ تیاریاں ابھی حد تکمیل کو نہیں پہنچی تھیں کہ ابن ملجم کی زہر آلود تلوار نے جان بحق پلا دیا، انا للہ وانا الیہ راجعون

شہادت

اس جائگہ از اور اندوہناک سانحہ کی تفصیل یہ ہے کہ واقعہ نہروان کے بعد چند خارجیوں نے حج کے موقع پر مجتمع ہو کر مسائل حاضرہ پر گفتگو شروع کی اور بحث و مباحثہ کے بعد بالاتفاق یہ رائے قرار پائی کہ جب تک تین آدمی علیؑ امیر معاویہؓ اور عمرو بن العاصؓ صفحہ ہستی پر موجود ہیں دنیائے اسلام کو خانہ جنگیوں سے نجات نصیب نہیں ہو سکتی پچنانچہ تین آدمی ان تینوں کے قتل کرنے کے لیے تیار ہو گئے، عبدالرحمن بن ملجمؓ نے کہا کہ میں علیؑ کے قتل کا ذمہ لیتا ہوں، اسی طرح نزال نے معاویہؓ اور عبد اللہ نے عمرو بن العاصؓ کے قتل کا بیڑا اٹھایا اور تینوں اپنی اپنی مہم پر روانہ ہو گئے، کوفہ پہنچ کر ابن ملجمؓ کے ارادہ کو قسام نامی ایک خوب صورت خارجی عورت نے اور زیادہ مستحکم کر دیا، اس مہم میں کامیاب ہونے کے بعد اس سے شادی کا وعدہ کیا اور جناب مرتضیٰ کے خون کا مہر قرار دیا۔ 19 رمضان 40ھ (660ء) میں تینوں نے ایک ہی روز صبح کے وقت تینوں بزرگوں پر حملہ کیا، امیر معاویہؓ اور عمرو بن العاصؓ اتفاقاً طور پر بچ گئے امیر معاویہؓ پر وار اوچھا پڑا، عمرو بن العاصؓ اس دن امامت کے لیے نہیں آئے تھے، ایک اور شخص ان کا قائم مقام ہوا تھا وہ عمرو بن العاصؓ کے دھوکا میں مارا گیا، جناب مرتضیٰ کا ہیمنہ حیات لبریز ہو چکا تھا، آپ مسجد میں تشریف لائے اور ابن ملجمؓ کو جو مسجد میں آکر سو رہا تھا، چکا، جب آپ نے نماز شروع کی اور سرسودہ میں اور دل رازونیا زالمی میں مصروف تھا کہ اسی حالت میں شقی ابن ملجمؓ نے تلوار کا نہایت کاری واکریا، سر پر زخم آیا اور ابن ملجمؓ کو لوگوں نے گرفتار کر لیا۔^[273] حضرت علیؑ اتنے سخت زخمی ہوئے تھے کہ زندگی کی کوئی امید نہ تھی اس لیے حضرت امام حسنؑ اور امام حسینؑ کو بلا کر نہایت مفید نصائح کیے اور محمد بن حنفیہ کے ساتھ لطف و مدارت کی تائید کی، جذب بن عبد اللہ نے عرض کیا امیر المومنین آپ کے بعد ہم لوگ امام حسن کے ہاتھ پر بیعت کریں، فرمایا اس کے متعلق میں کچھ نہیں کہنا چاہتا تم لوگ خود اس کو طے کرو، اس کے بعد مختلف وصیتیں کیں، قاتل کے متعلق فرمایا کہ معمولی طور پر قصاص لینا۔^[274] تلوار زہر میں بھیجی ہوئی تھی اس لیے نہایت تیزی کے ساتھ اس کا اثر تمام جسم میں سرایت کر گیا اور اسی روز یعنی 20/رمضان سنہ 40ھ جمعہ کی رات کو یہ فضل وکال اور رشوہ ہدایت کا آفتاب ہمیشہ کے لیے غروب ہو گیا، حضرت امام حسنؑ نے خود اپنے ہاتھ سے تجبیز و تکفین کی، نماز جنازہ میں چار تکبیروں کی بجائے پانچ تکبیریں کیں۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ و حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے تجبیز و تکفین کی اور پشت کوفہ پر نجف کی سر زمین میں دفن کیے گئے۔^{[275][276]}

خلافت مرتضوی پر ایک نظر

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی خلافت کا پورا زمانہ خانہ جنگی اور شورش کی نڈ ہوا اور اس پنج سالہ مدت میں آپ کو ایک لمحہ بھی سکون و اطمینان کا نصیب نہ ہوا، اس لیے آپ کے زمانہ میں فتوحات کا دروازہ تقریباً بند ہو گیا، ملکی انتظام کی طرف بھی توجہ کرنے کی فرصت ان کو نہ مل سکی؛ لیکن ان گونا گوں مشکلات کے باوجود جناب مرتضیٰؑ کی زندگی عظیم الشان کارناموں سے مملو ہے؛ لیکن ان کارناموں پر نظر پڑنے سے پہلے یہ امر قابل غور ہے کہ خلافت مرتضوی میں اس قدر افتراق اختلاف اور شرور فساد کے اسباب کیا تھے؟ حضرت علیؑ نے کس محل، استقلال اور سلامت روی کے ساتھ ان کا مقابلہ کیا۔ حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد جناب مرتضیٰؑ نے جس وقت مسند خلافت پر قدم رکھا ہے اس وقت نہ صرف دار الخلافہ بلکہ تمام دنیائے اسلام پر آشوب تھی، حضرت عثمانؓ کی شہادت کوئی معمولی واقعہ نہ تھا، اس نے مسلمانوں کے جذبہ غیظ و غضب کو مشتعل کر دیا، یہاں تک کہ جو لوگ آپ کے طرز حکومت کو ناپسند کرتے تھے انھوں نے بھی مفسدین کی اس جسارت کو نفرت کی نگاہ سے دیکھا؛ چنانچہ حضرت زبیرؓ طلحہؓ اور خود ام المومنین حضرت عائشہؓ نے حضرت عثمانؓ کی حکومت سے شکی ہونے کے باوجود قصاص کا علم بلند کیا۔ دوسری طرف شام میں بنو امیہ امیر معاویہؓ کے زیر سیادت خلافت راشدہ کو اپنی سلطنت میں تبدیل کرنے کے خواب دیکھ رہے تھے، ان کے لیے اس سے بہتر موقع کیا ہو سکتا تھا پچنانچہ امیر معاویہؓ نے بغیر کسی تامل کے ہر ممکن ذریعہ سے تمام شام میں خلیفہ ثالث کے انتقام کا جوش پیدا کر کے حضرت علیؑ کے خلاف ایک عظیم الشان قوت پیدا کر لی اور حسب ذیل وجہ کو آڑ بنا کر میدان میں اترے۔ 1- حضرت علیؑ نے مفسدین کے مقابلہ میں حضرت عثمانؓ کو مدد نہیں دی۔ 2- اپنی خلافت میں قاتلین عثمانؓ سے قصاص نہیں لیا۔ 3- محاصرہ کرنے والوں کو قوت بازو بنایا اور ان کو بڑے بڑے وعدے دیے۔ یہ وجہ تمام جنگوں کی بنا قرار پائے، اس لیے غور کرنا چاہیے کہ اس میں کہاں تک صداقت ہے اور جناب مرتضیٰؑ کس حد تک اس میں معذور تھے، پہلا سبب یعنی مفسدین کے مقابلہ میں مدد نہ دینے کا الزام صرف حضرت علیؑ ہی پر نہیں؛ بلکہ حضرت طلحہؓ زبیرؓ سعد بن ابی وقاصؓ اور تمام اہل مدینہ پر عائد ہوتا ہے، حقیقت یہ ہے کہ حضرت عثمانؓ کو یہ منظور ہی نہ تھا کہ ان کے عہد میں خانہ جنگی کی ابتدا ہوئی پچنانچہ انصار کرام بنو امیہ اور دوسرے وابستگان خلافت نے جب اپنے کو جاں نثاری کے لیے پیش کیا تو حضرت عثمانؓ نے نہایت سختی کے ساتھ کشت و خون سے منع کر دیا۔ جناب مرتضیٰؑ نے اس باب میں جو کچھ کیا، ان کے لیے اس سے زیادہ ممکن نہ تھا پچنانچہ پہلی مرتبہ آپ ہی نے مفسدین کو راضی کر کے واپس کیا تھا؛ لیکن جب دوسری مرتبہ وہ پھر لوٹے تو مروان کی غداری نے ان کی آتش غیظ و غضب کو اس قدر بھڑکا دیا تھا کہ کسی قسم کی سفارش کار گر نہیں ہو سکتی تھی، ام المومنین ام حبیبہؓ نے محاصرہ کی حالت میں عثمانؓ کے پاس کھانے پینے کا کچھ سامان پہنچانا چاہا، تو مفسدین نے ان کا بھی پاس و لحاظ نہ کیا اور گستاخانہ مزاحمت کی اسی طرح حضرت علیؑ نے سفارش کی کہ آب و دانہ کی بندش نہ کی جائے تو ان شوریہ سروں نے نہایت سختی سے انکار کیا، حضرت علیؑ کو اس کا اس قدر صدمہ ہوا کہ عمامہ پھینک کر اسی وقت واپس چلے آئے،^[277] اور تمام معاملات سے قطع تعلق کر کے عزلت نشین ہو گئے، پھر یہ بھی ملحوظ رکھنا چاہیے کہ اگر حضرت عثمانؓ محصور تھے تو دوسرے بڑے بڑے صحابہؓ بھی آزاد نہ تھے اور مفسدین نے ان لوگوں کی نقل و حرکت پر نہایت سخت نگرانی قائم کر دی تھی پچنانچہ ایک دفعہ حضرت امام حسن نے اپنے پدر گرامی سے عرض کیا کہ اگر آپ میری گزارش پر عمل کر کے محاصرہ کے وقت مدینہ منورہ چھوڑ دیتے تو مطالبہ قصاص کا جھگڑا آپ کے سر نہ پڑتا، اس وقت جناب امیر نے یہی جواب دیا تھا کہ تمہیں کیا معلوم کہ میں اس وقت آزاد تھا یا مقید۔ البتہ قاتلوں کو سزا دینے کا الزام ایک حد تک لائق بحث ہے، اصل یہ ہے کہ اگر قاتل سے مراد وہ اشخاص ہیں جنہوں نے براہ راست قتل میں حصہ لیا تو بے شک انھیں کیفر کردار تک پہنچانا حضرت علیؑ کا فرض تھا؛ لیکن جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے، پوری تفتیش و تحقیقات کے باوجود ان کا سراغ نہ ملا، اگر قاتل کا لفظ تمام محاصرہ کرنے والوں پر مشتمل ہے جیسا کہ حضرت امیر معاویہؓ وغیرہ کے مطالبہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ ایک شخص کے قصاص میں ہزاروں آدمیوں کا خون نہیں بہایا جاسکتا تھا اور نہ شریعت اس کی اجازت دیتی تھی، اس بڑی جماعت میں بعض صحابہ کرام اور بہت سے صلحائے روزگار بھی شامل تھے جن کا مطمح نظر صرف طلب اصلاح تھا، ان لوگوں کو قتل کر دینا یا امیر معاویہؓ کے خنجر انتقام کے نیچے دے دینا صریحاً ظلم تھا۔ امر سوم یعنی محاصرہ کرنے والوں کو قوت بازو بنانے اور ان کو بڑے بڑے وعدے دینے کا الزام ایک حد تک صحیح ہے؛ لیکن حضرت علی بن ابی طالبؑ اس میں مجبور تھے، اس وقت دنیائے اسلام میں تین فرقے پیدا ہو گئے تھے، شیعہ عثمانؓ یعنی عثمانی فرقہ جو علانیہ جناب امیرؑ کا مخالف اور اپنی ایک مستقل سلطنت قائم کرنے کا خواب دیکھ رہا

تھا، دوسرا گروہ اکابر صحابہؓ کا تھا جو اگرچہ حضرت علیؓ کو برحق سمجھتا تھا، لیکن اپنے ورع و تقویٰ کے باعث خانہ جنگی میں حصہ لینا پسند نہیں کرتا تھا، چنانچہ جب حضرت علیؓ نے مدینہ منورہ سے کوفہ کا قصد کیا اور صحابہ کرام سے چلنے کے لیے کہا تو بہت سے محتاط صحابہ نے معذرت کی، حضرت سعد وقاصؓ نے کہا "مجھے ایسی تلوار دیجئے جو کافر میں امتیاز رکھے، میں صرف اسی صورت میں جانبازی کے لیے حاضر ہوں" حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے کہا، خدا کے لیے مجھے ایک ناپسندیدہ فعل کے لیے مجبور نہ کیجئے، حضرت محمد بن مسلمہؓ نے کہا کہ قبل اس کے کہ میری تلوار کسی مسلم کا خون گرائے اس زور سے اسے جبل احد پر پینک ماروں گا وہ نکل نکڑے ہو جائے گی، حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا امیر المومنین! مجھے معاف کیجئے میں نے عہد کیا کہ کسی کلمہ گو کے خون سے اپنی تلوار رنگین نہ کروں گا، غرض یہ گروہ عملی اعانت سے قطعی کنارہ کش تھا، تیسرا گروہ شیعیان علیؓ کا تھا جس میں ایک بڑی جماعت ان لوگوں کی تھی جو یا تو خود محاصرہ میں شریک تھے یا وہ ان کے زیر اثر تھے، اس لیے جناب امیر خواہ مخواہ بے رخی کر کے اس بڑی جماعت کو قصداً لینا دشمن نہیں بنا سکتے تھے، تاہم آپ نے ان لوگوں کو مقرب خاص بنایا جو درحقیقت اس کے اہل تھے، حضرت عمار بن یاسرؓ ایک بلند پایہ صحابی اور مقبول بارگاہ نبوت تھے، محمد بن ابی بکرؓ خلیفہ اول کے بیٹے اور آغوش حیرہ کے تربیت یافتہ تھے، اسی طرح اشتر نخعی ایک صالح نیک سیرت اور جان نثار تابعی تھے۔ غرض اسباب و علل جو بھی رہے ہوں اور ان کی حقیقت کچھ بھی ہو؛ لیکن یہ واقعہ کہ جناب مرتضیٰ کی مسند نشینی کے ساتھ ہی یکایک دنیا نے اسلام میں افتراق و اختلاف کی آگ بھڑک اٹھی اور شیرازہ ملی اس طرح بکھر گیا کہ جناب مرتضیٰ کی سعی اور جدوجہد کے باوجود پھر اوراق پریشاں کی شیرازہ بندی نہ ہو سکی اور روز بروز مشکلات میں اضافہ ہوتا گیا اور اسلام کے سررشتہ نظام میں فرقہ آرائی اور جماعت بندی کی ایسی گرہ پڑ گئی جو قیامت تک کسی کے ناخن تدبیر سے حل نہیں ہو سکتی۔ اس میں شک نہیں ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے جب عنان خلافت ہاتھ میں لی تھی تو اس وقت دنیا نے اسلام نہایت پر آشوب تھی؛ لیکن دونوں حالتوں میں بین فرقہ ہے، صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے سامنے گو مصائب کا طوفان امڈ رہا تھا؛ لیکن یہ کفر و ارتداد اور اسلام کا مقابلہ تھا، اس لیے سارے مسلمان اس کے مقابلہ میں متحد تھے، کل صحابہ ان کے معین و مددگار تھے، پھر خود حریف طاقتوں میں ہوا و ہوس اور باطل پرستی کی وجہ سے کوئی استقلال نہ تھا اس لیے ان کو زیر کر لینا نسبتاً آسان تھا، اس کے برخلاف جناب امیر کے مقابلہ میں جو لوگ تھے وہ نہ صرف مسلمان تھے؛ بلکہ ان میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوب حرم حضرت عائشہ صدیقہؓ آپ کے چھو بھی زاد اور ہم زلف و قاری رسول حضرت زبیر بن العوامؓ مبشر باجیہ صحابی اور غزوہ احد کے سپاہی جن کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت میں سارا بدن چھلنی ہو گیا تھا اور اس صلہ میں انھیں بارگاہ نبوت سے خیر کا لقب ملا تھا، جیسے اکابر امت تھے ان کے علاوہ امیر معاویہ والی بشارت جیسے مدبر تھے جنھیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے قربت داری کا بھی شرف حاصل تھا اور عمرو بن العاص فاتح مصر جیسے سیاست دان تھے جن کی اسلام میں بڑی خدمات تھیں اور ان میں سے ہر ایک اپنے کو برحق سمجھتا تھا، ساتھ ہی ان کو ایسے جاں نثار و فاشعار ملے تھے جن کی مثالیں شیعیان علیؓ میں کم تھیں اس لیے ان کے مقابلہ میں حضرت علیؓ کا عہد برآہونا بہت دشوار تھا۔ حضرت علیؓ کی سیاسی ناکامی کا ایک بڑا سبب یہ بھی تھا کہ وہ جس زہد و اتقاء دین داری امانت، عدل و انصاف کے ساتھ حکومت کرنا چاہتے تھے اور لوگوں کو جس راستہ پر لے جانا چاہتے تھے زمانہ کے تغیر اور حالات کے انقلاب سے لوگوں کے قلوب میں اس کی صلاحیت باقی نہیں رہ گئی تھی، ایک طرف امیر معاویہؓ اپنے طرفداروں کے لیے بیت المال کا خزانہ لٹا رہے تھے، دوسری طرف حضرت علیؓ ایک ایک خر مرہ کا حساب لیتے تھے، یہی سبب تھا کہ حضرت علیؓ کے طرفدار اور ان کے بعض اعزہ تک دل برداشتہ ہو کر ان سے جدا ہو گئے تھے؛ لیکن بہر حال حق حق ہے اور باطل باطل، باطل کے مقابلہ میں حق کی شکست سے اس کی عظمت میں فرق نہیں آتا، اگر حضرت علیؓ ایسا نہ کرتے اور سیاسی حیثیت سے وہ کامیاب بھی ہو جاتے تو زہد تقویٰ اور دیانت و امانت کی حیثیت میں وہ ناکام ہی ٹھہرتے، ان کی سیاسی ناکامی کا دوسرا سبب یہ بھی تھا کہ ان کے طرفداروں اور حامیوں میں پورا اتحاد خیال اور کامل خلوص نہ تھا، اس جماعت میں ایک بڑا طبقہ عبد اللہ بن سبا کے پیروں کا تھا جس کا عقیدہ تھا کہ جناب مرتضیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصی ہیں پھر اس خیال نے یہاں تک ترقی کی کہ سبائی فرقہ کے لوگ حضرت علیؓ کو انسان سے بالاتر ہستی؛ بلکہ بعض خدائے کونے لگے، حضرت علیؓ نے ان لوگوں کو عبرت انگیز سزائیں دیں؛ لیکن جو وباء پھیل چکی تھی اس کا دور کرنا آسان نہ تھا، اس فرقہ نے مذہب کے علاوہ سیاسی حیثیت سے بھی مسلمانوں کو برا نقصان پہنچایا، واقعہ جمل میں ممکن تھا کہ صلح ہو جاتی؛ لیکن اسی جماعت نے پیش دستی کر کے جنگ شروع کر دی۔ دوسری جماعت قراء اور حفاظ قرآن کی تھی جو ہر معاملہ میں قرآن پاک کی لفظی پابندی چاہتی تھی، معنی اور مضمون سے اس کو چنداں سروکار نہ تھا، چنانچہ واقعہ حکیم کے بعد یہی جماعت خارجی فرقہ کی صورت میں ظاہر ہوئی۔ حضرت علیؓ کے حاشیہ نشینوں میں کچھ لوگ ایسے بھی تھے جو درحقیقت جاں نثار و فاشعار تھے؛ لیکن معرکہ صفین میں کامل جدوجہد کے بعد درمقصود تک پہنچ کر غنیم کی چال سے محروم واپس آنا نہایت ہمت شکن واقعہ تھا، اس نے تمام جاں نثاروں کے وصلے اور ارادے پست کر دیے تھے، غرض ان تمام مشکلات اور مجبوریوں کے باوجود جناب مرتضیٰؓ نے غیر معمولی ہمت و استقلال اور عدیم النظیر عزم و شہادت کے ساتھ آخری لمحہ حیات تک ان مشکلات و مصائب کا مقابلہ کر کے دنیا کے سامنے بے نظیر تحمل و سلامت روی کا نمونہ پیش کیا اور اپنی ناکامی کے اسباب کا مشاہدہ کرنے کے باوجود دیانت داری اور شریعت سے سرمو تجاوز کرنا پسند نہ فرمایا، اگر آپ تھوڑی سی دنیا داری سے کام لیتے تو کامیاب ہو جاتے؛ لیکن دین ضائع ہو جاتا جس کا بچانا ایک خلیفہ راشد اور جانشین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے پہلا معرکہ اصلی فرض تھا۔

ملکی نظم و نسق

حضرت علی کرم اللہ وجہہ انتظام مملکت میں حضرت عمرؓ کے نقش قدم پر چلنا چاہتے تھے اور اس زمانہ کے انتظامات میں کسی قسم کا تغیر کرنا پسند نہیں فرماتے تھے، ایک دفعہ نجران کے یہودیوں نے (جن کو فاروق اعظمؓ نے حجاز سے جلا وطن کر کے نجران میں آباد کرایا تھا) نہایت لجاجت کے ساتھ درخواست کی کہ ان کو پھر اپنے قدیم وطن میں واپس آنے کی اجازت دی جائے، حضرت علیؓ نے صاف انکار کر دیا اور فرمایا کہ عمر بن خطابؓ سے زیادہ کون صحیح الرائے ہو سکتا ہے۔ [278]

عمال کی نگرانی

ملکی نظم و نسق کے سلسلہ میں سب سے اہم کام عمال کی نگرانی ہے، حضرت علی بن ابی طالبؓ نے اس کا خاص اہتمام مدنظر رکھا، وہ جب کسی عامل کو مقرر کرتے تھے تو اس کو نہایت مفید اور گراں بہا نصائح کرتے تھے۔ [279] وقتاً فوقتاً عمال و حکام کے طرز عمل کی تحقیقات کرتے تھے، چنانچہ ایک مرتبہ جب کعب بن مالکؓ کو اس خدمت پر مامور کیا تو یہ ہدایت فرمائی: آخرت فی طائفۃ من اصحابک حتی تر باض السواد کورة فتسلم عن عمالک وتنظر فی سیر تم تم اپنے ساتھیوں کا ایک گروہ لے کر روانہ ہو جاؤ اور عراق کے ہر ضلع میں پھر و، عمال کی تحقیقات کرو اور ان کی روش پر غائر نظر ڈالو۔ " عمال کے اسراف اور مالیات میں ان کی بد عنوانیوں کی سختی سے باز پرس فرماتے تھے، ایک دفعہ اردشیر کے عامل مصقلہ نے بیت المال سے قرض لے

کر پانچ سو لونڈی اور غلام خرید کر آزاد کیے، کچھ دنوں کے بعد حضرت علیؑ نے سختی کے ساتھ اس رقم کا مطالبہ کیا، مصقلہ نے کہا خدا کی قسم عثمانؓ کے نزدیک اتنی رقم کا چھوڑ دینا کوئی بات نہ تھی؛ لیکن یہ تو ایک ایک جہ کا تقاضا کرتے ہیں اور ناداری کے باعث مجبور ہو کر امیر معاویہؓ کی پناہ میں چلے گئے، جناب امیر کو معلوم ہوا تو فرمایا: برحہ اللہ فعل فعل السید و فرار العبد و خان خیانتہ الفاجرا ما واللہ لو انہ اقام فجزاز ماز دنا علی حبس فان وجدنا لہ شینا اخذناہ وات لم نقتہ علی مال ترکناہ خدا اس کا برا کرے اس نے کام تو سید کا کیا؛ لیکن غلام کی طرح بھاگا اور فاجر کی طرح خیانت کی خدا کی قسم اگر وہ مقیم ہوتا تو قید سے زیادہ اس کو سزا دیتا اور اگر اس کے پاس کچھ ہوتا تو لیتا ورنہ معاف کر دیتا۔ ”اس باز پرس سے آپ کے مخصوص اعزہ واقارب بھی مستثنیٰ نہ تھے، ایک مرتبہ آپ کے پیچھے بھائی حضرت عبد اللہ بن عباسؓ عامل بصرہ نے بیت المال سے ایک بیش قرار رقم لی، حضرت علیؑ نے چشم نمائی فرمائی تو جواب دیا کہ میں نے ابھی اپنا پورا حق نہیں لیا ہے؛ لیکن اس عذر کے باوجود وہ خائف ہو کر بصرہ سے مکہ چلے گئے۔^[280]

صیغہ محاصل

حضرت علی بن ابی طالبؑ نے محاصل کے صیغہ میں خاص اصلاحات جاری کیں، آپ سے پہلے جنگل سے کسی قسم کا مالی فائدہ نہیں لیا جاتا تھا، آپ کے عہد میں جنگلات کو بھی محاصل ملکی کے ضمن میں داخل کیا گیا، پچنانچہ برص کے جنگل پر چار ہزار درہم مالگداری تشخیص کی گئی۔^[281] عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں گھوڑے زکوٰۃ سے مستثنیٰ تھے؛ لیکن عہد فاروقی میں جب عام طور سے اس کی تجارت ہونے لگی تو اس پر بھی زکوٰۃ مقرر کر دی، حضرت علی بن ابی طالبؑ کے نزدیک تمدنی اور جنگی فوائد کے لحاظ سے گھوڑوں کی افزائش نسل میں سہولت بہم پہنچانا ضروری تھا اس لیے آپ نے اپنے زمانہ میں زکوٰۃ موقوف کر دی،^[282] گو آپ محاصل ملکی وصول کرنے میں نہایت سخت تھے؛ لیکن اسی کے ساتھ رعایا کی فلاح و بہبود کا بھی خاص خیال رکھا تھا، پچنانچہ معذور اور نادار آدمیوں کے ساتھ کسی قسم کی زیادتی نہیں کی جاتی تھی۔^[283]

رعایا کی ساتھ شفقت

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا وجود رعایا کے لیے سایہ رحمت تھا، بیت المال کے دروازے غریب اور مساکین کے لیے کھلے ہوئے تھے اور اس میں جو رقم جمع ہوتی تھی نہایت فیاضی کے ساتھ مستحقین میں تقسیم کر دی جاتی تھی، ذمیوں کے ساتھ بھی نہایت شفقت آمیز برتاؤ تھا، ایران میں محضی سازشوں کے باعث بارہا بغاوتیں ہوئیں؛ لیکن حضرت علیؑ نے ہمیشہ نہایت ترحم سے کام لیا، یہاں تک کہ ایرانی اس لطف و شفقت سے متاثر ہو کر کہتے تھے، خدا کی قسم! اس عربی نے لوشیرواں کی یاد تازہ کر دی۔^[284]

فوجی انتظامات

حضرت علیؑ خود ایک بڑے تجربہ کار جنگ آزما تھے اور جنگی امور میں آپ کو پوری بصیرت حاصل تھی، اس لیے اس سلسلہ میں آپ نے بہت سے انتظامات کیے، پچنانچہ شام کی سرحد پر نہایت کثرت کے ساتھ فوجی چوکیاں قائم کیں، 40ھ میں جب امیر معاویہؓ نے عراق پر عام یورش کی تو پہلے انہی سرحدی فوجوں نے ان کو آگے بڑھنے سے روکا، اسی طرح ایران میں مسلسل شورش اور بغاوت کے باعث بیت المال، عورتوں اور بچوں کی حفاظت کے لیے نہایت مستحکم قلعے بنوائے، اصطخر کا قلعہ حصن زیاد اسی سلسلہ میں بنا تھا،^[285] جنگی تعمیر کے سلسلہ میں دریائے فرات کا پل بھی جو معرکہ صفین میں فوجی ضروریات کے خیال سے تعمیر کیا تھا لائق ذکر ہے۔

مذہبی خدمات

امام وقت کا سب سے اہم فرض مذہب کی اشاعت، تبلیغ اور خود مسلمانوں کی مذہبی تعلیم و تلقین ہے، حضرت علیؑ عہد نبوت ہی سے ان خدمات میں ممتاز تھے پچنانچہ یمن میں اسلام کی روشنی انہی کی کوشش سے پھیلی تھی، سورہ براءۃ نازل ہوئی تو اس کی تبلیغ و اشاعت کی خدمت بھی انہی کے سپرد ہوئی۔ مسند خلافت پر قدم رکھنے کے بعد سے آخر وقت تک گویا خانہ جنگیوں نے فرصت نہ دی تاہم اس فرض سے بالکل غافل نہ تھے، ایران اور آرمینیا میں بعض نو مسلم عیسائی مرتد ہو گئے تھے حضرت علیؑ نے نہایت سختی کے ساتھ ان کی سرکوبی کی اور ان میں سے اکثر تائب ہو کر پھر دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے۔ خارجیوں کی سرکوبی اور ان سبائیوں کو جو شدت غلو میں جناب علی مرتضیٰؑ کو خدا کہنے لگے تھے، سزا دینے میں بھی دراصل مذہب کی ایک بڑی خدمت تھی۔ حضرت علیؑ نے مسلمانوں کی اخلاقی نگرانی کا بھی نہایت سختی کے ساتھ خیال رکھا، مجرموں کو عبرت انگیز سزائیں دیں، جرم کی نوعیت کے لحاظ سے نئی سزائیں تجویز کیں جو ان سے پہلے اسلام میں رائج نہ تھیں، مثلاً زندہ جلانا، مکان مسمار کر دینا، چوری کے علاوہ دوسرے جرم میں بھی ہاتھ کاٹنا وغیرہ؛ لیکن اس سے قیاس نہیں کرنا چاہئے کہ حضرت علیؑ حدود کے اجر اء میں کسی اصول کے پابند نہ تھے، زندہ جلادینے کی سزا صرف چند زندیقوں کو دی تھی؛ مگر جب حضرت ابن عباسؓ نے آپ کو بتایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سزا کی ممانعت فرمائی ہے تو آپ نے اس فعل پر ندامت ظاہر کی، (سنن ترمذی حدود مرتد) شراب نوشی کی سزا میں کوڑوں کی تعداد متعین نہ تھی، حضرت علیؑ نے اس کے لیے اسی کوڑے تجویز کیے۔^[286] درے مارنے والوں کو بدلت تھی کہ چہرہ اور شرمگاہ کے علاوہ تمام جسم پر کوڑا مار سکتے ہیں، عورتوں کے لیے حکم تھا کہ ان کو بٹھا کر سزادیں اور کپڑے سے تمام جسم کو اس طرح چھپادیں کہ کوئی عضو بے ستر نہ ہونے پائے، اسی طرح رجم کی صورت میں ناف تک زمین میں گاڑ دینا چاہیے۔^[287] اقرار جرم کی حالت میں صرف ایک دفعہ کا اقرار کافی نہ سمجھتے تھے؛ پچنانچہ ایک مرتبہ ایک شخص نے حاضر ہو کر عرض کیا امیر المومنین! میں نے چوری کی ہے، حضرت علیؑ نے غضب آلود نگاہ ڈال کر اس کو واپس کر دیا؛ لیکن جب اس نے پھر مکر حاضر ہو کر اقرار جرم کیا تو فرمایا اب تم نے اپنا جرم آپ ثابت کر دیا اور اس وقت اس کے ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا۔^[288] تنہا جرم کا ارادہ اور اس کے لیے اقدام بغیر جرم کیے ہوئے مجرم بنانے کے لیے

کافی نہیں ہے، چنانچہ ایک شخص نے ایک مکان میں نقب لگائی اور چوری کرنے سے قبل پکڑ لیا گیا، حضرت علیؑ کے سامنے پیش کیا گیا تو آپ نے اس پر کسی قسم کی حد جاری نہیں کی۔ [289] جو عورتیں ناجائز حمل سے حاملہ ہوتی تھیں، ان پر حد جاری کرنے کے لیے وضع حمل کا انتظار کیا جاتا تھا تاکہ بچہ کی جان کو نقصان نہ پہنچے، جس کا کوئی گناہ نہیں ہے۔ عام قیدیوں کو بیت المال سے کھانا دیا جاتا تھا؛ لیکن جو لوگ محض اپنے فسق و فجور کے باعث نظر بند کیے جاتے تھے، وہ اگر مالدار ہوتے تھے تو خود ان کے مال سے ان کے کھانے پینے کا انتظام کیا جاتا تھا، ورنہ بیت المال سے مقرر کر دیا جاتا تھا۔ [290][291][292]۔ [293][294]۔ [295][296]

تعزیری سزا

حضرت علی بن ابی طالبؑ نے جو بعض غیر معمولی سزائیں تجویز کیں وہ دراصل تعزیری سزائیں تھیں، حضرت عمرؓ بن خطاب نے بھی اس قسم کی سزائیں جاری کی تھیں، چنانچہ ان کے عہد میں ایک شخص نے رمضان میں شراب پی تو اسی کوڑوں کی بجائے سو کوڑے لگوائے، کیونکہ اس نے بادہ نوشی کے ساتھ رمضان کی بھی بے حرمتی کی تھی۔

فضل و کمال

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو بچپن ہی سے درسگاہ نبوت میں تعلیم و تربیت حاصل کرنے کا موقع ملا جس کا سلسلہ ہمیشہ قائم رہا، مسند میں خود ان سے روایت ہے کہ میں روزانہ صبح کو معمولاً آپ کی خدمت میں حاضر ہوا کرتا تھا، [297] اور تقرب کا درجہ میرے سوا کسی اور کو خاص نہ تھا، [298] ایک روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ رات دن میں دوبار اس قسم کا موقع ملتا تھا، [299] اکثر سفر میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت کا شرف حاصل ہوتا تھا اور اس سلسلہ میں سفر سے متعلق شرعی احکام سے واقف ہونے کا موقع ملتا تھا، ایک مرتبہ شریح بن ہانی نے حضرت عائشہؓ سے "مسح علی الخفین" کے متعلق سوال کیا تو انھوں نے اس کے لیے حضرت علیؑ کا نام بتایا اور اس کی وجہ یہ بیان کی کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفر کیا کرتے تھے، [300] شاہ ولی اللہ صاحب نے ازالۃ الخلقاء میں بارگاہ رسالت میں جناب امیر کے اس تقرب و تربیت کو ان کے فضائل کی اصلی بنیاد قرار دیا ہے، چنانچہ امام احمد بن حنبلؒ کی ایک روایت نقل کر کے جس کا مفہوم یہ ہے کہ حضرت علیؑ کے جس قدر فضائل مذکور ہیں، کسی صحابی کے نہیں ہیں، اس کی تشریح یہ کی ہے: "عبد ضعیف گویہ سبب اس معنی اجتماع دو جہت است، در مرتضیٰ یکے رسوخ اور سوابق اسلامیہ، دوم قرب قرابت و باحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وآل جناب علیہ الصلوٰۃ والسلام اوصل ناس بارعام واعرف ناس بحق قرابت بودن بازپہو عنایت الہی مساعدت نمود، حضرت مرتضیٰ را در کنار تربیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم انداخت مرتبہ قرابت دربالا شد و کرامت دیگر درکار اور کندہ بانہو حضرت فاطمہ زہراؓ عقد اور دادند مزید فضیلت بادیار شد"۔ [301] آپ کے تقرب و اختصاص کی بنا پر خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو قرآن مجید کی تعلیم دیتے تھے، [302] بعض موقعوں پر قرآن مجید کی آیتوں کی تفسیر بھی فرماتے تھے، [298] چند مخصوص حدیثیں بھی قلمبند کر لی تھیں، [303] غرض حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ابتدائی سے علم و فضل کے گہوارہ میں تربیت پائی تھی اس لیے صحابہ کرام میں آپ غیر معمولی تحریر اور فضل و کمال کے مالک اور "انامہ بنہ العلم و علی باجہا" (میں علم کا گھر اور علی اس کا دروازہ ہیں) کے طفرائے خاص سے ممتاز ہوئے۔ (جامع ترمذی مناقب علی مرتضیٰ) میں ہے "انا دارا حکمہ و علی باجہا" لیکن امام ترمذی نے اس کو منکر کہا ہے، حاکم نے [304] اس روایت کے متعلق متعدد راویوں کو جمع کیا ہے اور اس کو صحیح ثابت کرنے کی کوشش کی ہے؛ لیکن امام ذہبی نے ان کے صحیح کہنے کو تسلیم نہیں کیا ہے) نوشت و خواند کی تعلیم آپ نے بچپن ہی میں حاصل کی تھی، چنانچہ ظہور اسلام کے وقت جبکہ آپ کی عمر بہت کم تھی آپ لکھنا پڑھنا جانتے تھے، [305] اسی لیے ابتدائی سے بعض دوسرے صحابہ کی طرح آپ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے جو مکتوبات و فرامین لکھے جاتے تھے ان میں بعض آپ کے دست مبارک کے لکھے ہوئے تھے، چنانچہ حدیبیہ کا صلح نامہ آپ ہی نے لکھا تھا۔ [306] [307]۔ [308][309][310]

تفسیر اور علوم القرآن

اسلام کے علوم و معارف کا اصل سرچشمہ قرآن پاک ہے، حضرت علی مرتضیٰؑ اس سرچشمہ سے پوری طرح سیراب اور ان صحابہ میں تھے جنھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ہی میں نہ صرف پورا قرآن زبانی یاد کر لیا تھا؛ بلکہ اس کی ایک ایک آیت کے معنی اور شان نزول سے واقف تھے، ابن سعد میں ہے کہ ایک موقع پر خود آپ نے اس کا اظہار فرمایا کہ میں ہر آیت کے متعلق بتا سکتا ہوں کہ یہ کہاں اور کیوں اور کس کے حق میں نازل ہوئی، [311] چنانچہ حضرت علیؑ کا شمار مفسرین کے اعلیٰ طبقہ میں ہے اور صحابہ میں حضرت ابن عباسؓ کے سوا اس کمال میں آپ کا کوئی شریک نہیں ہے، چنانچہ ان تمام تفسیروں میں فن کا مدار روایتوں پر ہے، مثلاً ابن جریر طبری، ابن ابی حاتم، ابن کثیر وغیرہ میں بکثرت آپ کی روایت سے آیات کی تفسیریں منقول ہیں، ابن سعد میں ہے کہ آپ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے چھ مہینے تک جو گوشہ نشینی اختیار کی اس میں آپ نے قرآن مجید کی تمام سورتوں کو نزول کی ترتیب سے مرتب کیا تھا، ابن ندیم نے کتاب الفہرست میں سورتوں کی اس ترتیب کو نقل کیا ہے۔ قرآن پاک سے اجتہاد اور مسائل کے استنباط میں آپ کو یدِ طولیٰ حاصل تھا چنانچہ تحکیم کے مسئلہ میں خوارج نے اعتراض کیا کہ فیصلہ کا حق خدا کے سوا اور کسی کو حاصل نہیں ان الحکم الام اللہ، تو آپ نے قرآن کے تمام حفاظ اور اس کے عاملوں کو جمع کر کے فرمایا کہ میاں بیوی میں جب اختلاف رائے ہو تو اللہ تعالیٰ حکم بنانے کی اجازت دے وان خفتم شقاق بیعضا فابعضوا حکما من اہلہ و حکما من اہلہا، [312] اور امت محمدیہ میں جب اختلاف رائے ہو جائے تو حکم بنانا ناجائز ہو؟ کیا تمام امت محمدیہ کی حیثیت ایک مرد اور ایک عورت سے بھی خدا کی نگاہ میں کم ہے۔ [313] علم ناسخ و منسوخ میں آپ کو کمال حاصل تھا اور اس کو آپ بڑی اہمیت دیتے تھے اور جن لوگوں کو اس میں درک نہ ہوتا، ان کو درس و عطا سے روک دیتے تھے، چنانچہ کوفہ میں جامع مسجد میں جو شخص وعظ و تذکرہ کرنا چاہتا تھا، اس سے پہلے آپ دریافت فرماتے تھے کہ تم کو ناسخ و منسوخ کا بھی علم ہے، اگر وہ نفی میں جواب دیتا تو اس کو زجر و توبیخ فرماتے تھے اور درس و وعظ کی اجازت نہ دیتے۔ آیات کی تفسیر و تاویل کے متعلق آپ سے اس کثرت سے روایتیں ہیں کہ اگر ان کا استقصا کیا جائے تو ایک ضخیم کتاب تیار ہو جائے اسی لیے میاں ان کو نقل کرنے کی کوشش نہیں کی گئی۔ بعض لوگوں کا خیال تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی

» کو ان ظاہری علوم کے علاوہ کچھ خاص باتیں اور بھی بتائی ہیں، ان کے شاگردوں نے ان سے پوچھا کہ کیا قرآن کے سوا کچھ اور بھی آپ کے پاس ہے؟ فرمایا قسم ہے اس کی جو دانہ کو چھا کر درخت اگاتا ہے اور جو جان کو (جسم کے اندر) پیدا کرتا ہے، قرآن کے سوا میرے پاس کچھ اور نہیں؛ لیکن قرآن کے سمجھنے کی قوت (فہم) یہ دولت خدا جس کو چاہے دے، [314] ان کے علاوہ چند حدیثیں میرے پاس ہیں، اسی موقع میں حضرت علیؓ نے جو قسم کھائی ہے اس میں بھی ایک خاص نکتہ ہے یعنی قرآن کی آیتوں کی مثال تخم اور جسم کی ہے اور اس کے معنی و مقصود کی مثال درخت کی ہے جو اس تخم سے پیدا ہوتا ہے اور جان کی ہے جو جسم میں پوشیدہ رہتی ہے، یعنی جس طرح ایک جھوٹے سے تخم نے اتنا بڑا عظیم الشان درخت پیدا ہو جاتا ہے جو درحقیقت اس کے اندر مخفی تھا اور روح سے جو جسم میں پھٹی رہتی ہے، تمام اعمال انسانی کا ظہور ہوتا ہے، اسی طرح قرآن پاک کے الفاظ سے جو بمنزلہ جسم کے ہیں، معنی و مطالب نکلتے ہیں۔ [84][83]

علم حدیث

جناب مرتضیٰؓ بچپن سے لے کر وفات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم تک تیس سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت و رفاقت میں بسر کیے، اس لیے حضرت ابوبکرؓ کو چھوڑ کر اسلام کے احکام و فرائض اور ارشادات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے سب سے بڑے عالم آپ ہی تھے، پھر تمام اکابر صحابہؓ میں وفات نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے بعد سب سے زیادہ آپ نے عمر پائی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تقریباً تیس برس تک ارشادات و افادات کی مسند پر جلوہ گر رہے، خلفائے ثلاثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے عہد میں بھی یہ خدمت آپ ہی کے سپرد رہی، ان کے بعد خود آپ کے زمانہ خلافت میں بھی یہ فیض بدستور جاری رہا اس لیے تمام خلفاء میں احادیث کی روایت کا زمانہ آپ کو سب سے زیادہ ملا، اسی لیے خلفائے سابقین کے مقابلہ میں آپ کی روایتوں کی تعداد سب سے زیادہ ہے؛ لیکن احادیث کی روایت میں آپ بھی اپنے پیشتر خلفاء اور اکابر صحابہ کی طرح محتاط اور متشدد تھے، اس لیے دوسرے کثیر الروایہ صحابہ کے مقابلہ میں آپ کی روایتیں بہت کم ہیں، چنانچہ آپ سے کل 586 حدیثیں مروی ہیں جن میں سے بیس حدیثیں پر بخاری و مسلم دونوں کا اتفاق ہے اور 9 حدیثیں صرف بخاری میں ہیں مسلم میں نہیں ہیں اور دس حدیثیں مسلم میں ہیں بخاری میں نہیں ہیں، غرض صحیحین میں آپ کی کل 39 حدیثیں ہیں۔ آپ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ اپنے رفقا اور بمعصروں میں حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت مقداد بن الاسودؓ اپنی حرم محترم حضرت فاطمہ زہراءؓ سے روایتیں کی ہیں، آپ کی عترت مطہرہ اور اولاد امجاد میں حضرت حسنؓ، حضرت حسینؓ، محمد بن حنفیہ، عمر، فاطمہ (بیٹے اور صاحبزادیاں) محمد بن عمر بن علی، علی بن حسین بن علی (پوتے) عبد اللہ بن جعفر بن ابی طالب (بھتیجے) جعدہ بن ہبیرہ مخزومی (بھانجے) عام اصحاب میں حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ، براء بن عازبؓ، ابومرہؓ، ابو سعید خدریؓ، بشیر بن حکیم غفاریؓ، زید بن ارقمؓ، سفینہ مولیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، صہیب رومیؓ، ابن عباسؓ، ابن عمرؓ، ابن زبیرؓ، عمرو بن حریثؓ، نزال بن سبرہؓ، بلالؓ، جابر بن سمرہؓ، جابر بن عبد اللہؓ، ابو جحیفہؓ، ابوامامہؓ، ابولیلیٰ انصاریؓ، ابو موسیٰ اشعریؓ، مسعود بن حکم زرقیؓ، ابو الطفیلؓ، عامر بن واثلہؓ، عبید اللہ بن ابی رافع (کاتب) اور ام موسیٰ (جاریہ)۔ تابعین میں زر بن حبیش، زید بن وہب، ابوالاسود و علی، حارث بن سیدہ التیمی، حارث بن عبد اللہ الاعور، حمرہ مولیٰ بن زیدہ ابوسان حنفی بن منذر القاشی، حمیہ بن عبد اللہ الکندی، ربیع بن حراش، شرح بن بانی، شرح بن النعمان صاندی، ابو وائل شقیق بن سلمہ، شیت بن ربیع، سوید بن غفلہ، عاصم بن ضمرہ، عامر بن شراحیل شعبی، عبد اللہ بن سلمہ مرادی، عبد اللہ بن شداد بن باد، عبد اللہ بن شقیق، عبد اللہ بن معقل بن مقرن، عبد خیر بن یزید المرانی، عبد الرحمن بن ابی لیلیٰ، عبیدہ سلیمانی، علقمہ بن قیس النخعی، عمیر بن سعید النخعی، قیس بن عباد البصری، مالک بن اوس بن حثان، مروان بن حکم اموی، مطرف بن عبد اللہ ابن شہیر، نافع بن جبیر بن مطعم، بانی بن بانی، یزید بن شریک التیمی، ابوبرہہ بن ابی الموسیٰ الاشعری، ابو حبیہ وادی، ابو الخلیل الحضرمی، ابو صالح الحضرمی، ابو الصالح الحنفی، ابو عبد الرحمن السلمی، ابو عبیدہ مولیٰ ابن ازہر، ابوالبیاض الاسدی وغیرہ (یہ فرست تمہذ بہ التہذیب سے منقول ہے) نے آپ سے فیض پایا ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نے حضرت علی مرتضیٰؓ کی تمام حدیثوں پر ایک اجمالی نظر ڈالی ہے اس میں وہ لکھتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حلیہ اقدس، آپ کی نماز و مناجات و دعاؤں و افعال کے متعلق سب سے زیادہ روایتیں حضرت علیؓ ہی سے ہیں جس کی وجہ یہ ہے کہ وہ ہر وقت رفاقت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں رہتے تھے اور ان کو عبادتوں سے خاص شغف تھا۔ [315] احادیث کو قلمبند کرنے کا شرف جن چند صحابہ کو حاصل ہے ان میں حضرت علیؓ بھی داخل ہیں، فہم قرآن کے سلسلہ میں جو روایت اوپر گزری ہے اس میں چند حدیثوں کا ذکر ہے، یہ وہی ہیں جن کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سن کر آپ نے ایک لمبے کاغذ پر لکھ لیا تھا، یہ تحریر لپٹی ہوئی آپ کی تلوار کی نیام میں لنگی رہتی تھی، اس کا نام آپ نے صحیفہ رکھا تھا، اس صحیفہ کا ذکر حدیث کی کتابوں میں آتا ہے، یہ حدیثیں چند فقہی احکام سے متعلق تھیں۔ [261][316]

فقہ و اجتہاد

حضرت علی مرتضیٰؓ کو فقہ و اجتہاد میں بھی کامل دستگاہ حاصل تھی، بلکہ علم و اطلاع کی وسعت سے دیکھا جائے تو آپ کی مستحضرانہ قوت سب سے اعلیٰ ماننی پڑے گی، بڑے بڑے صحابہ یہاں تک کہ حضرت عمرؓ بن خطابؓ اور حضرت عائشہؓ کو بھی کبھی کبھی حضرت علیؓ کے فضل و کمال کا مومن ہونا پڑتا تھا۔ فقہ و اجتہاد کے لیے کتاب و سنت کے علم کے ساتھ سرعت فہم، دقیقہ سنجی، انتقال ذہنی کی بڑی ضرورت ہے اور حضرت علی مرتضیٰؓ کو یہ کمالات خداداد حاصل تھے، مشکل سے مشکل اور پیچیدہ سے پیچیدہ مسائل کی تہ تک آپ کی نکتہ رس نگاہ آسانی سے پہنچ جاتی تھی، شاہ ولی اللہ صاحب نے ازالہ الخفاء میں آپ کی طباعی اور انتقال ذہنی کے بہت سے واقعات نقل کیے ہیں؛ لیکن ہم طوالت کے خوف سے ان کو نظر انداز کرتے ہیں، مثلاً ایک واقعہ یہ ہے: ایک مرتبہ حضرت عمرؓ بن خطابؓ کے سامنے ایک مجنون زانیہ عورت پیش کی گئی، حضرت عمرؓ نے اس پر حد جاری کرنے کا ارادہ کیا، حضرت علیؓ نے فرمایا یہ ممکن نہیں کہ مجنون حدود شرعی سے مستثنیٰ ہیں، یہ سن کر حضرت عمرؓ اپنے ارادہ سے باز آگئے۔ [317] ایک دفعہ حج کے موسم میں حضرت عثمانؓ کے سامنے کسی نے شکار کا گوشت پکا کر پیش کیا، لوگوں نے احرام کی حالت میں اس کے کھانے کے جواز اور عدم جواز میں اختلاف کیا، حضرت عثمان بن عفانؓ اس کے جواز کے قائل تھے، انہوں نے کہا حالت احرام میں خود شکار کر کے کھانا منع ہے؛ لیکن جب کسی دوسرے غیر محرم نے شکار کیا ہے تو اس کے کھانے میں کیا حرج ہے؟ دوسروں نے اس سے اختلاف کیا، حضرت عثمان بن عفانؓ نے دریافت کیا کہ اس مسئلہ میں قطعی فیصلہ کس سے معلوم ہوگا؟ لوگوں نے حضرت علیؓ کا نام لیا، چنانچہ انھوں نے ان سے جاکر دریافت کیا، حضرت علی بن ابی طالبؓ نے فرمایا جن لوگوں کو یہ واقعہ یاد ہو وہ شہادت دیں کہ ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم احرام کی حالت میں تھے، ایک گورخ شکار کر کے پیش کیا گیا تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ ہم لوگ تو احرام کی حالت میں ہیں یہ ان کو کھلاؤ جو احرام میں نہیں ہیں، حاضرین میں سے بارہ آدمیوں نے شہادت دی، اسی طرح آپ نے ایک دوسرے واقعہ کا ذکر

کیا جس میں کسی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے حالت احرام میں شتر مرغ کے انڈے پیش کیے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے کھانے سے بھی احتراز فرمایا تھا، اس کی بھی کچھ لوگوں نے گواہی دی، یہ سن کر حضرت عثمانؓ اور ان کے رفقاء نے اس کے کھانے سے پرہیز کیا۔ [318] فقہا میں یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے، بہت سے لوگ حضرت عثمانؓ کے استدلال کو صحیح سمجھتے ہیں اور دیگر احادیث سے بھی اس کا ثبوت ملتا ہے، بہر حال حضرت علیؓ کا فتویٰ زیادہ محتاطانہ ہے اس لیے حضرت عثمانؓ نے اس کو قبول کر لیا) ایک دفعہ ام المومنین حضرت عائشہؓ سے کسی نے یہ مسئلہ پوچھا کہ ایک بار پاؤں دھونے کے بعد، کتنے دن تک موزوں پر مسح کر سکتے ہیں؟ فرمایا علیؓ سے جاکر دریافت کرو، ان کو معلوم ہوگا کیونکہ وہ سفر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہا کرتے تھے چنانچہ وہ سائل حضرت علی مرتضیٰؓ کے پاس گیا، انھوں نے بتایا کہ مسافر تین دن تین رات تک اور مقیم ایک دن ایک رات تک [319] حضرت علیؓ کے علم اور ان کے اجتہادی قوت اور دقت نظر کا اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ ان کے حریف بھی دقیق اور مشکل مسائل میں ان کی طرف رجوع کرنے کے لیے مجبور ہوتے تھے چنانچہ ایک دفعہ امیر معاویہؓ نے لکھ کر دریافت کیا کہ غنئی مشکل کی وراثت کی کیا صورت ہے؟ یعنی وہ مرد قرار دیا جائے یا عورت؟ حضرت علیؓ نے فرمایا خدا کا شکر ہے کہ ہمارے دشمن بھی علم دین میں ہمارے محتاج ہیں، پھر جواب دیا کہ پیشاب گاہ سے اندازہ کرنا چاہیے کہ وہ مرد ہے یا عورت؟ (تاریخ الخلفاء بحوالہ سنن سعد بن منصور مسند ہشیم) فقہی مسائل میں حضرت علیؓ کی وسعت نظر کی ایک وجہ یہ تھی ہے کہ آپ جو بات نہیں جانتے تھے اس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کرتے تھے بعض ایسے مسائل جو شرم و حیا اور اپنے رشتہ کی نزاکت کے باعث خود براہ راست نہیں پوچھ سکتے تھے اس کو کسی دوسرے کے ذریعہ سے پوچھوا لیتے تھے چنانچہ مذی کا ناقص وضو ہونا آپ نے اسی طرح بالواسطہ دریافت کر لیا تھا۔ حضرت علیؓ اپنے علم و کمال کی بنا پر متعدد مسائل میں عام صحابہ سے مختلف رائے رکھتے تھے، خصوصاً حضرت عثمانؓ سے بعض خاص مسائل میں زیادہ اختلاف تھا مثلاً حضرت عثمان ج تمنع کو جائز نہیں سمجھتے تھے اور فرماتے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں یہ صرف لڑائی اور بے امنی کی وجہ سے جائز تھا، اب وہ حالت نہیں ہے اس لیے اب جائز نہیں ہے، حضرت علی رضی اللہ عنہ اور دوسرے صحابہ ہر حال میں جائز سمجھتے تھے، اسی طرح حالت احرام میں نکاح اور حالت عدت میں عورت کی وراثت وغیرہ کے مسائل میں بھی اختلاف تھا۔ حضرت علی رضی مرتضیٰؓ کو تمام عمر مدینہ منورہ میں رہے، لیکن آپ کی خلافت کا زمانہ تمام ترکوفہ میں گزرا اور احکام اور مقدمات کے فیصلے کا زیادہ موقع نہیں پیش آیا اس لیے آپ کے مسائل و اجتہادات کی زیادہ تر اشاعت عراق میں ہوئی، اسی بنا پر حنفی فقہ کی بنیاد حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کے بعد حضرت علی مرتضیٰؓ کے ہی فیصلوں پر ہے۔ [263]

قضا اور فیصلہ

حضرت علی مرتضیٰ انہی خصوصیات کی بنا پر مقدمات کے فیصلوں اور قضا کے لیے نہایت موزوں تھے اور اس کو صحابہ عام طور سے تسلیم کرتے تھے، حضرت عمرؓ بن خطاب فرمایا کرتے تھے کہ "اقتضانا علی و اقرانا ابی" یعنی ہم میں مقدمات کے فیصلے کے لیے سب سے موزوں علی ہیں اور سب سے بڑے قاری ابی ہیں" [320] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جو ہر شناس نگاہ نے حضرت علیؓ کی اس استعداد و قابلیت کا پہلے ہی اندازہ کر لیا تھا اور آپ کی زبان فیض ترہماں سے حضرت علیؓ کو "اقتضائے علی" کی سند مل چکی تھی اور ضرورت کے اوقات میں قضا کی خدمت آپ کے سپرد فرماتے تھے چنانچہ جب اہل یمن نے اسلام قبول کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وہاں کے عہدہ قضا کے لیے آپ کو منتخب فرمایا، حضرت علیؓ نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں نئے نئے مقدمات پیش ہوں گے اور مجھے قضا کا تجربہ اور علم نہیں، فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تمھاری زبان کو راہ راست اور تمھارے دل کو ثبات و استقلال بخشے گا، حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد مقدمات کے فیصلہ میں تنہا نہ ہوا۔ [321] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو قضا اور فصل مقدمات کے بعض اصول بھی تعلیم فرمائے چنانچہ ایک مرتبہ فرمایا "علی! جب تم دو آدمیوں کا جھگڑا چکا لگو تو صرف ایک آدمی کا بیان سن کا فیصلہ نہ کرو، اس وقت تک اپنے فیصلے کو روکو جب تک دوسرے کا بیان بھی نہ سن لو۔ [322] مقدمات میں علم یقین کے لیے اہل مقدمہ اور گواہوں سے جرح اور ان سے سوالات کرنا بھی آپ کے اصول قضا میں داخل تھا، ایک مرتبہ ایک عورت نے آپ کی عدالت میں اپنی نسبت جرم زنا کا اعتراف کیا، آپ نے اس سے پلے درپلے متعدد سوالات کیے، جب وہ آخر تک اپنے بیان پر قائم رہی تو اس وقت سزا کا حکم دیا، [323] اسی طرح لوگوں نے ایک شخص کو چوری کے الزام میں پکڑ کر پیش کیا اور دو گواہ بھی پیش کر دیے آپ نے گواہوں کو دہمکی دی کہ اگر تمھاری گواہی جھوٹی نکلی تو میں یہ سزاؤں گا اور یہ کروں گا اور وہ کروں گا، اس کے بعد کسی دوسرے کام میں مصروف ہو گئے، اس سے فراغت کے بعد دیکھا کہ دونوں گواہ موقع پاکر چل دیے، آپ نے ملزم کو بے قصور پاکر چھوڑ دیا۔ [324] یمن میں آپ نے دو عجیب و غریب مقدمات کا فیصلہ کیا، یمن نیا نیا مسلمان ہوا تھا پرانی باتیں بھی تازہ تھیں، ایک عورت کا مقدمہ پیش ہوا، جس سے ایک ماہ کے اندر تین مرد خلوت کر چکے، نوماہ بعد اس کے لڑکا ہوا، اب یہ نزاع ہوئی کہ وہ لڑکا کس کا قرار دیا جائے، ہر ایک نے اس کے باپ ہونے کا دعویٰ کیا، حضرت علیؓ نے یہ فیصلہ کیا کہ اس لڑکے کی دیت کے تین حصے کیے، پھر قرعہ ڈالا جس کے نام قرعہ نکلا، اس کے حوالہ کیا اور بقیہ دونوں کو دیت کے تین حصوں میں سے دو حصے اس سے لے کر دلوادے، گویا غلام کے مسئلہ پر اس کو قیاس کیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حضرت علیؓ کا یہ فیصلہ سنا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تبسم فرمایا۔ [325] دوسرا واقعہ یہ پیش آیا کہ چند لوگوں نے شیر پھنسانے کے لیے کنواں کھودا تھا شیر اس میں گر گیا، چند اشخاص ہنسی مذاق میں ایک دوسرے کو دھکیل رہے تھے کہ اتفاق سے ایک کا پیر پھسلا اور وہ اس کنوئیں میں گرنا، اس نے اپنی جان بچانے کے لیے جدوجہد میں دوسرے کی کمر پکڑ لی وہ بھی سنبھل نہ سکا اور گرتے گرتے اس نے تیسرے کی کمر تھام لی، تیسرے نے چوتھے کو پکڑ لیا، غرض چاروں اس میں گر پڑے اور شیر نے چاروں کو مار ڈالا، ان مقتولین کے وراثہ باہم آمادہ جنگ ہوئے، حضرت علیؓ نے ان کو اس ہنگامہ و فساد سے روکا اور فرمایا کہ ایک رسول کی موجودگی میں یہ فتنہ و فساد مناسب نہیں، میں فیصلہ کرتا ہوں، اگر وہ پسند نہ ہو تو دربار رسالت میں جا کر تم اپنا مقدمہ پیش کر سکتے ہو، لوگوں نے رضا مندی ظاہر کی، آپ نے یہ فیصلہ کیا کہ جن لوگوں نے یہ کنواں کھودا، ان کے قبیلوں سے ان مقتولین کے خون بہا کی رقم اس طرح وصول کی جائے کہ ایک پوری، ایک ایک تہائی، ایک ایک چوتھائی اور ایک آدھی، پہلے مقتول کے وراثہ کو ایک چوتھائی خوں بہا، دوسرے کو ثلث تیسرے کو نصف اور چوتھے کو پورا خوں بہا دلایا۔ لوگ اس بظاہر عجیب و غریب فیصلہ سے راضی نہ ہوئے اور حجۃ الوداع کے موقع پر حاضر ہو کر اس فیصلہ کا مرافعہ (اپیل) عدالت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں پیش کیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس فیصلہ کو برقرار رکھا۔ [326] روایت میں مذکور نہیں کہ یہ فیصلہ کس اصول پر کیا گیا تھا، صرف پہلے شخص کے متعلق اتنا ہے کہ اس کو چوتھائی اس لیے ملا کہ فوراً اوپر سے گرا تھا، ہمارا خیال ہے کہ حضرت علی مرتضیٰؓ اس فیصلہ میں اس اصول کو پیش نظر رکھا ہے کہ یہ حادثہ بالقصد قتل اور اتفاقی قتل کے درمیان میں ہیں، غرض قصد اور عدم قصد کے بیچ کی شکل ہے، اس لیے عدم قصد و اتفاق اور قصد و ارادہ ان دونوں میں اس کا حصہ جس مقتول میں زیادہ ہے اتنا ہی اس کو کم و بیش دلایا گیا، اس کے بعد وراثت کا اصول پیش نظر رہا، چونکہ یہ معاملہ چار آدمیوں کا تھا اس لیے کم سے کم رقم ایک چوتھائی مقرر کی، اس کے نکل جانے کے بعد تین آدمی رہ گئے تو اس کو تہائیوں پر تقسیم کر کے تیسرا حصہ یعنی ایک تہائی اس کو دلایا، باقی دو بچے تو دو حصے کر کے نصف تیسرے کا مقرر کیا۔ اب غور کیجئے کہ اصل جرم ان لوگوں کا تھا جنھوں نے آبادی کے قریب کنواں کھود کر شیر پھنسانے کی غلطی کی تھی، اس لیے کسی متعین قاتل نہ ہونے کے سبب سے قسامت کے اصول سے خوں بہا کو ان کے کھودنے والوں اور ان کے ہم قبیلوں پر عائد کیا، پہلا شخص گو اتفاقاً گرا مگر ایک دوسرے کو دھکیلنے کے نتیجہ کو بھی اس میں دخل

تھا اس لیے پہلے شخص کے گرنے میں اتفاق کا زیادہ اور قصد کا بہت کم دخل تھا اس لیے وہ خون بہا کالم سے کم مستحق ٹھہرا، یعنی ایک پوتھائی پہلے نے دوسرے کو گویا بالقصد کھینچا، مگر غلبت بدوہاسی میں اس کو اپنے فعل کے نتیجے کے سوچنے سمجھنے کا موقع نہیں ملا، اس لیے پہلے کے مقابلہ میں اس میں اتفاق کا عنصر کم اور قصد کا کچھ زیادہ ہے، اس لیے وہ تہائی کا مستحق ہوا، دوسرے کو پہلے نتائج کو دیکھ کر اپنے فعل کے نتیجے کے سوچنے سمجھنے کا موقع زیادہ ملا اس لیے اس میں اتفاق کے مقابلہ میں قصد کا عنصر زیادہ تھا اس لیے اس کو نصف دلایا گیا، تیسرے نے پوتھ کو کھینچا حالانکہ وہ سب سے دور تھا اور گذشتہ نتائج کو تیسرے نے خوب غور سے دیکھ لیا تھا، اس لیے وہ تمام تر قصد و ارادہ سے گریا گیا، نیز یہ کہ اس نے اپنے اپنے رفقا کی طرح کسی اور کے گرانے کا جرم بھی نہیں کیا اس لیے وہ پوری دیت کا مستحق تھا۔ (واللہ اعلم) ایک اور مقدمہ کا اس سے بھی زیادہ دلچسپ فیصلہ آپ نے فرمایا، دو شخص (غالباً مسافر) تھے، ایک کے پاس تین روٹیاں تھیں اور دوسرے کے پاس پانچ روٹیاں تھیں، دونوں مل کر ایک ساتھ کھانے کو بیٹھے تھے کہ اتنے میں ایک تیسرا مسافر بھی آگیا، وہ بھی کھانے میں شریک ہوا، کھانے سے جب فراغت ہوئی تو اس نے آٹھ درہم اپنے حصہ کی روٹیوں کی قیمت دے دی اور آگے بڑھ گیا، جس شخص کی پانچ روٹیاں تھیں اس نے سیدھا حساب یہ کیا کہ اپنی پانچ روٹیوں کی قیمت پانچ درہم لی اور دوسرے کو ان کی تین روٹیوں کی قیمت تین درہم دینے چاہیے، مگر وہ اس پر راضی نہ ہوا اور نصف کا مطالبہ کیا، یہ معاملہ عدالت مرتضوی میں پیش ہوا، آپ نے دوسرے کو نصیحت فرمائی کہ تمہارا رفیق جو فیصلہ کر رہا ہے اس کو قبول کرلو اس میں زیادہ تمہارا نفع ہے؛ لیکن اس نے کہا کہ حق تو یہ ہے کہ تم کو صرف ایک درہم اور تمہارے رفیق کو سات درہم ملنے چاہیے، اس عجیب فیصلہ سے وہ متحیر ہو گیا، آپ نے فرمایا کہ تم تین آدمی تھے، تمہاری تین روٹیاں تھیں اور تمہارے رفیق کی پانچ، تم دونوں نے برابر کھائیں اور ایک تیسرے کو بھی برابر کا حصہ دیا، تمہاری تین روٹیوں کے حصے تین جگہ کیے جائیں تو 9 نکلے ہوتے ہیں، تم اپنے 9 نکلے اور اس کے پندرہ نکلے کو جمع کرو تو 24 نکلے ہوتے ہیں، تینوں میں سے ہر ایک نے برابر نکلے کھائے اور ایک تیسرے مسافر کو دیا اور تمہارے رفیق نے اپنے پندرہ نکلے میں سے آٹھ خود کھائے اور سات تیسرے کو دیے، اس لیے آٹھ درہم میں سے ایک کے تم اور سات کا تمہارا رفیق مستحق ہے۔ [327] کبھی کبھی کوئی لغو مقدمہ پیش ہوتا تو آپ زندہ دلی کا ثبوت بھی دیتے تھے، ایک شخص نے ایک شخص کو یہ کہہ کر پیش کیا کہ اس نے خواب میں دیکھا ہے کہ اس نے میری ماں کی آبروریزی کی ہے، فرمایا ملزم کو دھوپ میں لے جا کر کھڑا کرو، اس کے سایہ کو سوکڑے مارو۔ [328] حضرت علی مرتضیٰ کے فیصلے قانون کے نظائر کی حیثیت رکھتے تھے، اس لیے اہل علم نے ان کو تحریری صورت میں مدون کر لیا تھا مگر اس عہد میں اختلاف آراء اور فرقہ آرائی کا زمانہ شروع ہو چکا تھا اس لیے ان میں تحریف بھی ہونے لگی؛ چنانچہ حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کے سامنے جب ان کے فیصلوں کا تحریری مجموعہ پیش ہوا تو اس میں کے ایک حصہ کو انھوں نے نقلی بتلایا اور فرمایا کہ عقل و ہوش کی سلامتی کے ساتھ علیؓ کبھی ایسا فیصلہ نہیں کر سکتے تھے۔ [329][264][330][331][332]

علم اسرار و حکم

دنیا میں اہل حکمت اور متفکمین کے دو گروہ ہیں ایک وہ جو اپنی عقل و فہم اور علم کی بنا پر ہر شرعی حکم کی جزیٰ مصلحتوں پر نگاہ رکھتا ہے اور اس کے اسرار و حکم کی تلاش میں رہتا ہے، دوسرا گروہ وہ ہے جو ایک ایک حکم کے جزیٰ مصالح سے دلچسپی نہیں رکھتا؛ بلکہ وہ کلی طور پر پوری شریعت پر ایک مبصرانہ نگاہ ڈال کر ایک کلی اصول طے کر لیتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے ان احکام میں جزیٰ مصلحتیں رکھی ہیں، ان کی تلاش اور جستجو کی ضرورت نہیں سمجھتا، صحابہ میں حضرت عائشہ صدیقہؓ کا مذاق علم پہلی قسم کا اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ذوق فکر دوسری قسم کا معلوم ہوتا ہے، ان کی نظر احکام کی نظری کیفیت پر اتنی نہیں پڑتی جتنی ان کی عملی کیفیت پر، اسی لیے کسی حکم کا انسان کی ظاہری عقل کے خلاف ہونا ان کے نزدیک چنداں اہم نہیں کہ انسانی عقل خود ناقص ہے، وہ کسی حکم شرعی کے لیے صحت اور صواب کا معیار نہیں بن سکتی۔ صحیح بخاری کی تعلیقات میں ہے کہ ایک دفعہ حضرت علی مرتضیٰؓ نے فرمایا: حدو الناس بالعرفون ان یكذب الله ورسوله [333] لوگوں سے وہی کہو جو سمجھ سکتے ہو، کیا تم یہ پسند کرتے ہو کہ خدا یا خدا کا رسول جھٹلایا جائے۔ مقصود یہ ہے کہ اگر ان سے ایسی باتیں کی جائیں جو ان کے فہم سے بالاتر ہوں تو لامحالہ اپنی کوتاہ عقل سے وہ ان باتوں کو غلط سمجھیں گے اور اس طرح سے وہ نادانستگی میں خدا اور رسول کی تکذیب کے جرم کے مرتکب ہوں گے، اس لیے لوگوں سے ان کی عقل کے موافق گفتگو کرنی چاہیے کہ ہر مصالح الہی ہر شخص کی سمجھ میں یکساں نہیں آسکتے ہیں۔ احکام اور روایات کے الفاظ اگر متعدد معنوں کے متحمل ہوں تو آپ کا یہ فیصلہ ہے کہ ان میں سے وہی معنی صحیح ہوں گے جو رسالت اور نبوت کی شان کے شایان ہوں، مسند ابن حنبل کے مطابق اس روایت کے اصل الفاظ یہ ہیں، آپ نے فرمایا: اذا حثمت عن رسول الله صلى الله عليه وسلم بحديث فظنوا به الذي هو احدى والذى هو التلقى والذى هو اختلفا۔ (130) "جب تم سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی حدیث بیان کی جائے تو اس کے معنی وہ سمجھو جو زیادہ قرین حدیث، زیادہ پرہیز گارانہ اور بہتر ہوں" موزوں پر مسح کرنا سنت ہے؛ لیکن یہ مسح نیچے تلووں پر نہیں؛ بلکہ اوپر پاؤں پر کیا جاتا ہے، حضرت علیؓ فرماتے ہیں جیسا کہ سنن ابی داؤد میں ہے: لو كان الدين بالراي لكان باطن المصدقين اثم بالمرح من ظاهرها وقد مسح النبي صلى الله عليه وسلم على الظهر خفيه۔ (باب كيف المسح) "اگر دینی مسائل کا انحصار محض رائے پر ہوتا تو تلوار کے اوپر کے پاؤں سے زیادہ مسح کے مستحق ہوتے؛ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے موزوں کی پشت پر مسح فرمایا۔" حضرت علی مرتضیٰ کا مقصود یہ ہے کہ چلنے کی وجہ سے اگر گرد و غبار کے دور کرنے اور صفائی کی غرض سے یہ مسح ہوتا تو نیچے کے تلووں پر مسح ہوتا؛ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نیچے نہیں اوپر مسح فرمایا، اس لیے احکام الہی کے مصالح کی تعیین میں محض ظاہری عقل و رائے کو دخل نہیں ہے۔ یہی روایت مسند ابن حنبل [334] میں اس طرح ہے کہ آپ نے فرمایا کہ اگر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مسح کرتے ہوئے نہ دیکھتا تو سمجھتا کہ نیچے مسح کرنا اوپر کرنے سے بہتر ہے، یعنی ظاہر قیاس کا مقتضی یہی تھا، مگر حکم الہی محض ظاہری قیاس پر مبنی نہیں۔ [335][336][306] [307]

[310][309][308]

تصوف

اس بیان سے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ حضرت علی مرتضیٰؓ کو اسرار شریعت پر عبور نہ تھا؛ بلکہ ان کا مسلک یہ تھا کہ عوام کے لیے یہ موزوں نہیں ہیں اور یہ بالکل سچ ہے کہ اس سے عوام کے طبائع میں احکام الہی کی اتباع اور پیروی کی بجائے عدم عمل کے لیے حیلہ سازی اور فلسفیانہ بہانے جوئی پیدا ہوتی ہے، خواص اس فرق کو سمجھتے ہیں اس لیے انھی کے لیے یہ علم موزوں ہے؛ چنانچہ تصوف جو مذہب کی جان، شریعت کی روح اور جو خاصان امت کا حصہ ہے حضرت علیؓ نے اس کے حقائق و معارف بہت خوبی سے بیان کیے ہیں۔ تصوف کے اکثر سلسلے سنیہ مرتضیٰؓ پر جا کر ختم ہوتے ہیں، حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ "اصول اور آرائش و امتحان میں ہمارے شیخ الشیوخ علی مرتضیٰؓ ہیں، شاہ ولی اللہ صاحب نے ازالتہ الخفاء میں لکھا ہے

کہ خلافت سے پہلے حضرت ممدوح کو اس میں بے حد انہماک تھا، مگر خلافت کے بعد اس کی مصروفیت نے ان کو اس فن کی تفصیل بیان کرنے کی فرصت نہ دی۔ [337] محدثین کے اصولِ روایت کے مطابق حضرت علی مرتضیٰؑ کے یہ صوفیانہ اقوال پایہ صحت کو نہیں پہنچتے اور نہ سلسلہ صحبت کی کڑیاں ثابت ہوتی ہیں کہ یہ اکثر سلسلے حضرت حسن بصریؒ پر جاکر تمام ہوتے ہیں، ان کو حضرت علی مرتضیٰؑ کا فیض اور صحبت یافتہ سمجھا جاتا ہے، مگر حضرت حسن بصریؒ کی صحبت اور تعلیم محدثین کی روایتوں سے ثابت نہیں ہوتی بلکہ امام ترمذی نے تو اس سے بھی انکار کیا ہے کہ انھوں نے بلا واسطہ حضرت علیؑ سے کچھ سنا بھی ہے، بہر حال اتنا بالاتفاق ثابت ہے کہ انھوں نے حضرت علی مرتضیٰؑ کو خلافت سے پہلے مدینہ میں دیکھا تھا اور ان کے دیدار سے مشرف تھے اور اس وقت ان کی عمر غالباً 14، 15 برس کی تھی۔ [338]

تقریر و خطابت

تقریر و خطابت میں حضرت علی مرتضیٰؑ کو خداداد ملکہ حاصل تھا اور مشکل سے مشکل مسائل پر بڑے بڑے مجموعوں میں فی البدیہہ تقریر فرماتے تھے، تقریریں نہایت خطیبانہ مدلل اور موثر ہوتی تھیں، سنہ 339ھ میں جب امیر معاویہؓ نے مدافعت کی بجائے جارحانہ طریق عمل اختیار کیا تو جمعہ کے روز اپنی جماعت کو ابھارنے کے لیے جو خطبہ دیا تھا، اس سے زور تقریر اور حسن خطابی کا اندازہ ہوگا۔ اُما بعد، فإن الجہاد باب من أبواب النجیۃ، من ترکہ ألبسہ اللہ الذلۃ وشملہ بالصغار، وسیم الخنف و سیل الضیم، وإنی قد دعوتکم الی جہاد ہولاء القوم لیلۃ ونہاراً وسراً وجہاراً، وقلت لکم، اغزوہم قبل أن یغزوہم، فما غزی قوم فی عقر دارہم إلا ذلوا واجتزا علیہم عروہم، ہذا اُتو بنی عامر قد ورد الأنباء، وقتل ابن حسان البکری، وأزال مسلحکم عن مواضعہا، وقتل منکم رجالاً صالحین، وقد بلغنی انہم کانوا یدخلون بیت المرأة المسلمۃ والأخری المعادۃ فینزع حملہا من رجلہا، وقلاندا من عنقہا، وقد انصرفوا موفورین، ما کلہم رجل منہم کلما، فلو أن أحدا مات من ہذا أسفا ما کان عندي ملوما، بل کان جدیرا، یا عجبا من أمر بییت القلوب، ومجتلب الہم ویسعر الأحران من اجتماع القوم علی باطلہم، وتفترق عن حقہم، فبعدا لکم وسحقا، قد صرتم خرضا، ترمون ولا ترمون، ویغار علیکم ولا تغیرون، ویعصی اللہ فترضون، إذا قلت لکم سیروا فی الشتاء قلمتکم لغزوہ فی ہذا القر والصر وان قلت لکم سیروا فی الصيف قلمت حتی ینصرم عنا حمارة القیظ، وکل ہذا فرار من الموت، فإذا کنتم من المحر والقر تفرقون فأتتم اللہ من السیف أفر، والذی نفسی بیدہ، ما من ذلک تہربون، ولكن من السیف تحیدون، یا أشباہ الرجال ولا رجال، یا أطلام الأطفال وعقول ربات الحجال، اُما واللہ لوددت أن اللہ أخرجنی من بین أظهرکم وقبضنی الی رحمۃ من ینکم، ووددت أن لم أُرکم ولم أعرفکم، فقد واللہ ملائم صردی غیظا، وجر عثمونی الأمرین أنفاسا، وأفسدتم علی رأی بالعیسان والجزلان "حمدو نعت کے بعد، جہاد جنت کے دروازوں میں سے ایک دروازہ ہے جس نے اس کو چھوڑا، خداس کو ذلت کا لباس پہناتا ہے اور رسوائی کو شامل حال کرتا ہے اور ذلت کا مزہ چکھایا جاتا ہے اور دشمنوں کی دست درازی میں گرفتار ہوتا ہے، میں نے تم کو شب و روز علانیہ اور پوشیدہ، ان لوگوں سے لڑنے کی دعوت دی اور میں نے کہا کہ اس سے پہلے کہ وہ حملہ کریں میں حملہ کروں، کوئی قوم جس پر اس کے گھر میں آخر حملہ کیا جائے وہ ذلیل و رسوا ہوتی ہے اس کا دشمن اس پر جری ہوتا ہے، دیکھو کہ عامری نے انبار میں آکر ابن حسان بکری کو قتل کر دیا، تمہارے موہوؤں کو اپنی جگہ سے ہٹا دیا، تمہاری فوج کے چند نیکوکار ہمداروں کو قتل کر ڈالا اور مجھے یہ خبر معلوم ہوئی ہے کہ وہ مسلمان اور ذمی عورتوں کے گھروں میں گھسنے اور ان کے پاؤں سے ان کے پانڈب، ان کے گلے سے ان کے ہار اتار لیے، ایک قوم کا باطل پر اجتماع اور تمہارا امر حق سے برگشتہ ہونا کس قدر تعجب انگیز ہے جو دلوں کو مردہ کرتا ہے اور غم و رنج کو بڑھاتا ہے، تمہارے لیے دوری و ہلاکت ہو تم نشانہ بن گئے ہو اور تم پر تیر برسایا جاتا ہے؛ لیکن تم خود تیر نہیں چلا سکتے تم پر غارت گری کی جاتی ہے؛ لیکن تم غارت گری نہیں کرتے، خدا کی نافرمانی کی جاتی ہے اور تم اس کو پسند کرتے ہو، جب تم سے کہتا ہوں کہ موسم سرما میں فوج کشی کرو تم کہتے ہو کہ اس قدر سردی اور پالے میں کس طرح لڑ سکتے ہیں اور اگر کہتا ہوں کہ موسم گرما میں چلو تو کہتے ہو کہ گرمی کی شدت کم ہو جائے تب، حالانکہ یہ سب موت سے بھاگنے کا حیلہ ہے، پس تم گرمی سردی سے بھاگتے ہو تو خدا کی قسم! تلوار سے اور بھی بھاگو گے قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے تم اس سے نہیں بھاگتے؛ بلکہ تلوار سے جان چراتے ہو، اے مرد نہیں؛ بلکہ مرد کی تصویر! اور اے بچوں اور عورتوں کی سی عقل اور سمجھ رکھنے والو، خدا کی قسم میں پسند کرتا ہوں کہ خدا تمہاری جماعت سے مجھے نکال لے جائے اور (موت دے کر) اپنے رحمت نصیب کرے، میری تمنا تھی کہ تم سے جان بچان نہ ہوتی، خدا کی قسم! تم نے میرا سید غیظ و غضب سے بھر دیا ہے، تم نے مجھے وہ تلخیوں کے گھونٹ پلائے ہیں اور عسایان و نافرمانی کر کے میری رائے کو برباد کر دیا ہے۔" آپ کے طرفداروں کے دل اگرچہ پڑ مردہ ہو چکے تھے اور قوائے عمل نے جواب دیدیا تھا تاہم اس پر جوش اور ولولہ انگیز تقریر نے تھوڑی دیر کے لیے ہلچل پیدا کر دی اور ہر طرف سے پر جوش صداؤں نے لبیک کہا۔ شریف رضی نے حضرت علیؑ کے تمام خطبوں کو "نہج البلاغۃ" کے نام سے چار جلدوں میں جمع کر دیا ہے اور ان پر اپنی رائے ظاہر کرتے ہوئے تصحیح لکھا ہے کہ ان خطبوں نے ہزاروں اور لاکھوں آدمیوں کو فصیح و بلیغ مقرر بنا دیا؛ لیکن نہج البلاغۃ کے تمام خطبوں کا صحیح ہونا ایک مشتبہ امر ہے، کیونکہ ان میں ایسے اصلاحات و خیالات بھی ہیں جو تیسری صدی میں یونانی فلسفہ کے ترجمہ کے بعد سے عربی رائج ہوئے ہیں اور ان میں حضرت علیؑ کی زبان سے ایسی باتیں بھی ہیں جن کو کوئی صاحب ایمان ان کی طرف منسوب نہیں کر سکتا۔ [339][340]

شاعری

جناب علی المرتضیٰؑ کی طرف بہت سے اشعار بھی منسوب ہیں جن میں سے دو، چار احادیث صحیحہ میں بھی مذکور ہیں، مثلاً آپ کا وہ رجز یہ شعر جو معرکہ خیبر میں آپ نے پڑھا تھا: انا الذی سمتنی امی حیرۃ کلیث غابات کریمۃ المنظرۃ لیکن بہت سے جعلی اشعار بنا کر آپ کی طرف منسوب کر دیے گئے ہیں؛ بلکہ ایک پورا دیوان دیوان علیؑ کے نام سے موجود ہے جس کو افسوس ہے کہ طلبہ اور علما نہایت شوق سے پڑھتے پڑھاتے ہیں، حالانکہ اس کی زبان اس لائق بھی نہیں کہ کسی عربی شاعر کی طرف منسوب کی جائے، چہ جائیکہ الفصح الفصحاء حضرت علی کرم اللہ وجہہ الشریف کی طرف، حاکم نے مستدرک میں حضرت فاطمہ زہراؑ کے مرثیہ میں آپ کی زبان مبارک سے دو شعر نقل کیے ہیں۔ [341][27][342]

علم نحو کی ایجاد

علم نحو کی بنیاد خاص حضرت علیؓ کے دست مبارک سے رکھی گئی ہے، ایک دفعہ ایک شخص کو قرآن شریف غلط پڑھتے سنا، اس سے خیال پیدا ہوا کہ کوئی ایسا قاعدہ بنادیا جائے جس سے اعراب میں غلطی واقع نہ ہو سکے، چنانچہ ابوالاسود دؤلی کو چند قواعد کلیہ بتا کر اس فن کی تدوین پر مامور کیا، (فرست ابن ندیم) اس طرح علم نحو کے ابتدائی اصول بھی آپ ہی کی طرف منسوب ہیں۔ [342][27]

تالیفات اور احادیث

- 1- کتاب جامعہ کہ بنا بر رولیت ابوبصیر، علی بن ابی طالب نے اس میں اسلامی احکام رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان مبارک سے لکھے اور اس میں متعدد موضوعات کے حلال اور حرام کے مسائل جمع فرمائے۔ یہ ایک ضخیم کتاب تھی اسے کتاب علی بھی کہا جاتا ہے۔
 - 2- صحیفہ امام علی جس میں جامعہ مذکورہ کے علاوہ خاص احکام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو سے سنے تھے لکھے گئے ہیں۔
 - 3- الملاحم یا صحیفۃ الدولۃ ایک اور کتاب ہے جو علی بن ابی طالب نے زبان مبارک رسول اکرم سے سن کر ان کے لکھوانے پر تحریر فرمایا جو آنحضرت کی وفات کے بعد کے واقعات کی پیشگوئی نیز ان کی وصیتوں اور نصیحتوں پر مشتمل ہے۔
 - 4- مصحف امام علی، علی بن ابی طالب نے قرآن مجید کو شان نزول کی ترتیب سے آیات کی جمع آوری فرمائی و علما اہل سنت بھی اعتراف کرتے ہیں کہ یہ بہت قابل قدر کام ہے۔
 - 5- کتاب جفر و اشعار کا دیوان شعر بھی حضرت علی سے منسوب ہے۔
 - 6- آثار امام علی علیہ السلام میں سے ایک بہت بڑا ذخیرہ ان کی بارگاہ ربوبیت میں کی گئی دعائیں ہیں جو معارف الہی کا بہت قیمتی خزانہ ہے۔
 - 7- اہم ترین اور مشہور دعائیں جیسے: دعای کسلی، دعای توسل، دعای ابو حمزہ ثمالی، صباح، جوشن وغیرہ
 - 8- ان کے خطبوں کا ایک وسیع سلسلہ تھا جو اسلامی، ادبی، علمی، تاریخی، اخلاقی، سیاسی، الہی مضامین پر مشتمل ہے ایسا کلام کسی دیگر بشر سے نہیں سنا گیا۔ ان میں سے کچھ خطبے نہج البلاغہ نامی کتاب میں چوتھی صدی کے ایک عظیم شیعہ عالم دین سید رضی (395ھ وفات 406ھ) میں جمع کیے ہیں۔
 - 9- ان کے نجی یا سرکاری خطوط جو تاریخی، ادبی اور اسلامی معارف اور اقدار کے لحاظ سے بے نظیر اور نمونہ عمل ہیں۔ کچھ خطوط نہج البلاغہ میں نقل ہوئے ہیں۔
 - 10- ان کے حکیمانہ جملے اور کلمات قصار جو سمندر کو کوزے میں سموئے ہوئے ہیں۔ ان ہزاروں جملوں میں سے چند سو نہج البلاغہ میں موجود ہیں۔
- نہج البلاغہ کی بہت سی شرحیں سنی اور شیعہ علما نے لکھی ہیں جن میں سے مشہور یہ ہیں۔ شرح محمد عبید، شرح ابن ابی الحدید، شرح قطب راوندی، شرح محمد تقی جعفری، شرح محمد دشتی وغیرہ۔

احادیث

بے شمار نبوی احادیث علی بن ابی طالب نے نقل فرمائی ہیں چونکہ آپ سب سے زیادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قریب اور ساتھ ہوتے تھے تو سب سے زیادہ ان کے فرامین سنتے تھے۔ علامہ ابن حزم اندلسی نے اپنی کتاب أسماء الصحابہ و مالک واحد منہم من العدد میں آپ کی مرویات کی تعداد پانچ سو سینتیس لکھی ہے اہل سنت کے علما کے بقول ان احادیث کی تعداد مختلف ہے لیکن مختلف وجوہات کی بنیاد پر صرف پچاس حدیثیں ہی اہل سنت کی کتب حدیث میں نظر آتی ہیں۔ حال ہی میں ڈاکٹر طاہر القادری نے دعویٰ کیا ہے کہ ان کی تحقیق کے مطابق حضرت علی کی مرویات کی تعداد بارہ ہزار ہے

- 1- مسند الامام علی دو جلدوں میں جو احادیث آج کل جمع کی گئی ہیں وہ 1450 احادیث ہیں۔

امام علی علیہ السلام نے بہت سے راویوں کی تربیت فرمائی اور اسلامی معاشرے کی بہبود کے لیے ان شاگرد ہمیشہ احادیث بیان کرتے رہے جن میں سے اہم ترین حسن بن علی، حسین بن علی، محمد بن حنفیہ، عمرو بن علی، فاطمہ بنت علی، جعفر بن بسیرہ مخزومی، عبداللہ بن عباس، جابر بن عبداللہ انصاری، ابورافع، واسامہ بن زید کے نام ہیں۔ کتب رجال، میں علی بن ابی طالب کے شاگرد راویوں میں اصحاب میں سے 66 راوی اور تابعین میں سے 180 کا تذکرہ ملتا ہے۔

ان کے شاگردوں نے جو آپ کی زبان سے جاری کلمات کو لکھا ہے ان میں سے چند کتب یہ ہیں۔

- 1- القضايا والاحکام، تألیف بریر بن خضیر ہمدانی شرقی (شہید عاشورہ)؛
- 2- السنن والاحکام والقضايا، تألیف ابورافع ابراہیم بن مالک انصاری (م 40)؛
- 3- قضايا امیر المومنین، تألیف عبد اللہ بن ابی رافع؛ (امام علی کے فیصلے)
- 4- کتاب فقہ، تألیف علی بن ابی رافع؛
- 5- جانوروں کے بارے کتاب، تألیف ربیعہ بن سمیع؛
- 6- کتاب میثم بن یحیی تنار کوئی (م 60)؛
- 7- کتاب الديات، تألیف ظریف بن ناصح وغیرہ

حدیث میں ذکر

ان 10 صحابہ کرام کا ذکر عبد الرحمن بن عوف کی روایت کردہ حدیث میں ہے کہ:

عبد الرحمن بن عوف بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

ابوبکر جنتی ہیں، عمر جنتی ہیں، عثمان جنتی ہیں، علی جنتی ہیں، طلحہ جنتی ہیں، زبیر جنتی ہیں، عبد الرحمن جنتی ہیں، سعد جنتی ہیں، سعید جنتی ہیں، ابو عبیدہ جنتی ہیں۔ [343]

اخلاق

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایام طفولیت ہی سے سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے دامن عاطفت میں تربیت پائی تھی اس لیے وہ قدرتاً محاسن اخلاق اور حسن تربیت کا نمونہ تھے، آپ کی زبان کبھی کلمہ شرک و کفر سے آلودہ نہ ہوئی اور نہ آپ کی پیشانی غیر خدا کے آگے جھکی، جاہلیت کے ہر قسم کے گناہ سے مبرا اور پاک رہے، شراب کے ذائقہ سے جو عرب کی گھٹی میں تھی، اسلام سے پہلے بھی آپ کی زبان آشنانہ ہوئی اور اسلام کے بعد تو اس کا کوئی خیال ہی نہیں کیا جاسکتا۔ [344]

امانت و دیانت

آپ ایک امین کے تربیت یافتہ تھے، اس لیے ابتدا ہی سے امین تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس قریش کی امانتیں جمع رہتی تھیں، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت فرمائی تو ان امانتوں کی واپسی کی خدمت حضرت علیؑ کے سپرد فرمائی، [345] اپنے عہد خلافت میں آپ نے مسلمانوں کی امانت بیت المال کی جیسی امانت داری فرمائی، اس کا اندازہ حضرت ام کلثومؓ کے اس بیان سے ہو سکتا ہے کہ ایک دفعہ نازنگیاں آئیں، امام حسنؓ امام حسینؓ نے ایک نازنگی اٹھالی، جناب امیرؓ نے دیکھا تو جھین کر لوگوں میں تقسیم کر دی۔ [346] مال غنیمت تقسیم فرماتے تھے تو برابر حصے لگا کر غلبت احتیاط میں قرعہ ڈالتے تھے کہ اگر کچھ کمی بیشی رہ گئی ہو تو آپ اس سے بری ہو جائیں، ایک دفعہ اصفہان سے مال آیا، اس میں ایک روٹی بھی تھی، حضرت علیؑ نے تمام مال کے ساتھ اس روٹی کے بھی سات ٹکڑے کیے اور قرعہ ڈال کر تقسیم فرمایا، ایک دفعہ بیت المال کا تمام اندوختہ تقسیم کر کے اس میں جھاڑو دی اور دو رکعت نماز ادا فرمائی کہ وہ قیامت میں ان کی امانت و دیانت کی شاہد رہے۔ [347]

زہد

آپ کی ذات گرامی زہد فی الدنیا کا نمونہ تھی، بلکہ حق یہ ہے کہ آپ کی ذات پر زہد کا خاتمہ ہو گیا، آپ کے کا شانہ فقر میں دنیاوی شان و شکوہ کا درگزر نہ تھا، کوفہ تشریف لائے تو دارالامارت کی بجائے ایک میدان میں فروکش ہوئے اور فرمایا کہ حضرت عمر بن الخطابؓ نے ہمیشہ ہی ان علی شان محلات کو حقارت کی نگاہ سے دیکھا، مجھے بھی اس کی حاجت نہیں، میدان ہی میرے لیے بس ہے۔ بچپن سے چھپیں چھپیں برس کی عمر تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے اور شہنشاہ اقلیم زہد وقناعہ کے یہاں دنیاوی عیش کا کیا ذکر تھا، حضرت فاطمہ زہراءؓ کے

ساتھ شادی ہوئی تو علاحدہ مکان میں رہنے لگے، اسی نئی زندگی کے سازو سامان کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ سیدہ جنت جو سازو سامان اپنے میکہ سے لائی تھیں اس میں ایک چیز کا بھی اضافہ نہ ہو سکا، چکی پیستے پیستے حضرت فاطمہؓ کے ہاتھوں میں گھٹے پڑ گئے تھے، گھر میں اوڑھنے کی صرف ایک چادر تھی، وہ بھی اس قدر مختصر کہ پاؤں چھپاتے تو سربرسمنہ ہو جاتا اور سر چھپاتے تو پاؤں کھل جاتا، معاش کی یہ حالت تھی کہ ہفتوں گھر سے دہواں نہیں اٹھتا تھا، بھوک کی شدت ہوتی تو پیٹ سے پتھر باندھ لیتے، ایک دفعہ شدت گرسنگی میں کا شانہ اقدس سے باہر نکلے کہ مزدوری کر کے کچھ کمالائیں، عوالی (مدینہ کے قرب و جوار کی آبادی کا نام عوالی تھا) مدینہ میں دیکھا کہ ایک ضعیفہ کچھ لیٹتے پتھر جمع کر رہی ہے، خیال ہوا کہ شاید اپنا باغ سیراب کرنا چاہتی ہے، اس کے پاس پہنچ کر اجرت طے کی اور پانی سینچنے لگے، یہاں تک کہ ہاتھوں میں آبلے پڑ گئے، غرض اس محنت و مشقت کے بعد ایک مٹھی گھجوریں اجرت میں ملیں؛ لیکن تنہا خوری کی عادت نہ تھی مجنمہ لیے ہوئے بارگاہ نبوت میں حاضر ہوئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام کیفیت سن کر نہایت شوق کے ساتھ کھانے میں ساتھ دیا۔^[348] ایام خلافت میں بھی زہد کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹا اور آپ کی زندگی میں کوئی فرق نہ آیا، مونا چھوٹا لباس اور روکھا پھیکا کھانا ان کے لیے دنیا کی سب سے بڑی نعمت تھی، ایک دفعہ عبد اللہ بن زبیر نامی ایک صاحب شریک طعام تھے، دسترخوان پر کھانا نہایت معمولی اور سادہ تھا، انھوں نے کہا، امیر المومنین! آپ کو پرند کے گوشت سے شوق نہیں ہے، فرمایا ابن زبیر! خلیفہ وقت کو مسلمانوں کے مال میں سے صرف دو پیالوں کا حق ہے، ایک خود کھانے اور اہل کو کھلانے اور دوسرا خلق خدا کے سامنے پیش کرے^[349] درودلت پر کوئی حجب نہ تھا نہ دربان، نہ امیر نہ کروفر نہ شاہانہ تزک و احتشام اور عین اس وقت جب قیصر و کسریٰ کی شہنشاہی مسلمانوں کے لیے زور و باہر اگل رہی تھی، اسلام کا خلیفہ ایک معمولی غریب کی طرح زندگی بسر کرتا تھا اور اس پر فیاضی کا یہ حال تھا کہ داد و دہش کی بدولت کبھی فقر و فاقہ کی نوبت بھی آجاتی تھی، ایک دفعہ منبر پر خطبہ دیتے ہوئے فرمایا کہ: میری تلوار کا کون خریدار ہے؟ خدا کی قسم! اگر میرے پاس ایک تہ بند کی قیمت ہوتی تو اس کو فروخت نہ کرتا، ایک شخص نے کھڑے ہو کر کہا "امیر المومنین! میں تہ بند کی قیمت قرض دیتا ہوں۔" گھر میں کوئی خادمہ نہ تھی، شہنشاہ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی گھر کا سارا کام اپنے ہاتھوں سے انجام دیتی تھی، ایک مرتبہ شفیق باپ کے پاس اپنی مصیبت بیان کرنے لگیں، حضرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم موجود نہ تھے اس لیے واپس آکر سو رہی، تھوڑی دیر کے بعد حضرت عائشہ صدیقہ کی اطلاع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود تشریف لائے اور فرمایا کیا تم کو ایک ایسی بات نہ بتا دوں جو ایک خادم سے کہیں زیادہ تمہارے لیے مفید ہو، اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تسبیح کی تعلیم دی۔^{[350][351][352]}

عبادات

حضرت علی کرم اللہ وجہہ خدا کے نہایت عبادت گزار بندے تھے، عبادات ان کا مشغلہ حیات تھا جس کا شاہد خود قرآن ہے، کلام پاک کی اس آیت: "مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ تَرَاهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِّنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا"^[353] محمد رسول اللہ اور وہ لوگ جو ان کے ساتھ ہیں کافروں پر سخت ہیں باہم رحمہل ہیں، تم ان کو دیکھتے ہو کہ بہت رکوع اور بہت سجدہ کر کے خدا کا فضل اور اس کی رضا مندی کی جستجو کرتے ہیں۔" کی تفسیر میں مفسرین نے نکتہ لکھا ہے کہ وَالَّذِينَ مَعَهُ سے حضرت ابوبکر صدیقؓ، اشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ سے حضرت عمر بن الخطابؓ، رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ سے حضرت عثمان بن عفانؓ، رُكَّعًا سُجَّدًا سے حضرت علی بن ابی طالبؓ اور يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِّنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا سے بقیہ صحابہؓ مراد ہیں،^[354] اس سے عبادت میں تمام صحابہ پر حضرت علیؓ کی فضیلت ثابت ہوئی ہے کیونکہ رکوع و سجدہ جو تمام صحابہؓ کا مشترک وصف تھا، پھر اس اشتراک میں تخصیص سے معلوم ہوا کہ اس اشتراک کے باوجود ان کو اس باب میں کچھ مزید امتیاز بھی حاصل تھا۔ قرآن مجید کے اس اشارہ کے علاوہ خود صحابہؓ کی زبان سے ان کے اس امتیازی وصف کی شہادت مذکور ہے، حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں: کان ما علمت صواما قواما،^[355] جہاں تک مجھے معلوم ہے وہ بڑے روزہ دار اور عبادت گزار تھے۔ "زبیر بن سعید قریشی کہتے ہیں: لم اراہا شمیاً قط کان عبد اللہ منہ"^[356] "میں نے کسی ہاشم کو نہیں دیکھا جو ان سے زیادہ خدا کا عبادت گزار ہو۔" ان حالات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ عبادات میں جس چیز کا التزام کر لیتے تھے اس پر ہمیشہ قائم رہتے تھے، ایک موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے اور حضرت فاطمہؓ سے فرمایا کہ تم دونوں ہر نماز کے بعد دس بار تسبیح، دس بار تحمید اور دس بار تکبیر پڑھ لیا کرو اور جب سو تو 33 بار تسبیح، 33 بار تحمید اور 34 بار تکبیر پڑھ لیا کرو، حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ جب سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھ کو اس کی تلقین کی میں نے اس کو چھوڑا نہیں، ابن کواء نے کہا کہ "صفین کی شب میں بھی نہیں؟" فرمایا "صفین کی شب میں بھی نہیں۔"^[357]

انفاق فی سبیل اللہ

حضرت علیؓ گودنیاوی دولت سے تہی دامن تھے؛ لیکن دل غنی تھا کبھی کوئی سائل آپ کے در سے ناکام واپس نہیں ہوا حتیٰ کہ قوت لایوت تک دے دیتے، ایک دفعہ رات بھر باغ سینچ کر تھوڑے سے جو مزدوری میں حاصل کیے صبح کے وقت گھر تشریف لائے تو ایک ایک ٹلٹ پسوا کر حریرہ پکوانے کا انتظام کیا، اب پک کر تیار ہی ہوا تھا کہ ایک مسکین نے صدادی، حضرت علیؓ نے سب اٹھا کر اس کو دے دیا اور پھر بقیہ میں دوسرے ٹلٹ کے پکنے کا انتظار کیا؛ لیکن تیار ہوا کہ ایک مسکین یتیم نے دست سوال بڑھایا، اسے بھی اٹھا کر اس کی نذر کیا، غرض اسی طرح تیسرا حصہ بھی جو بچ رہا تھا پکنے کے بعد ایک مشرک قیدی کی نذر ہو گیا اور یہ مرد خدات بھر کی مشقت کے باوجود دن کو فاقہ مست رہا، خدا نے پاک کو یہ لبتار کچھ ایسا بھایا کہ بطور ستائش اس کے صلہ میں، < (سورہ دھر: 8) > کی آیت نازل ہوئی۔^[358]

تواضع

ساڈی اور تواضع حضرت علی بن ابی طالبؓ کی دستارِ فضیلت کا سب سے خوشنما طرہ ہے، اپنے ہاتھ سے محنت و مزدوری کرنے میں کوئی عار نہ تھا، لوگ مسائل پوچھنے آتے تو آپ کبھی جوتا نکالتے، کبھی اونٹ پراتے اور کبھی زمین کھودتے ہوئے پائے جاتے، مزاج میں بے تکلفی اتنی تھی کہ فرش خاک پر بے تکلف سو جاتے، ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم انھیں ڈھونڈتے ہوئے مسجد میں تشریف لائے، دیکھا کہ بے تکلفی کے ساتھ زمین پر سو رہے ہیں، چادر پیٹھ کے نیچے سے سرک گئی ہے اور جسم انور گردو غبار کے اندر کنڈن کی طرح دمک رہا ہے، سرور کائنات

صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ساگی نہایت پسند آئی، خود دست مبارک سے ان کا بدن صاف کر کے محبت آمیز لہجہ میں فرمایا: اجلس یا ابی تراب [359] مئی والے اب اٹھ بیٹھ، زبان نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی عطا کی ہوئی یہ کنیت حضرت علیؑ کو اس قدر محبوب تھی کہ جب کوئی اس سے مخاطب کرتا تو خوشی سے ہونٹوں پر تبسم کی لہر دوڑ جاتی۔ ایام خلافت میں بھی یہ ساگی قائم رہی، عموماً چھوٹی آستین اور اونچے دامن کا کرتا پہننے اور معمولی کپڑے کی تہ بند باندھتے، بازار میں گشت کرتے پھرتے، اگر کوئی تعظیماً پیچھے بولیتا تو منع فرماتے کہ اس میں ولی کے لیے فتنہ اور مومن کے لیے ذلت ہے۔ شجاعت و بسالت حضرت علیؑ کا مخصوص وصف تھا جس میں کوئی معاصر آپ کا حریف نہ تھا، آپ تمام غزوات میں شریک ہوئے اور سب میں اپنی شجاعت کے جوہر دکھائے، اسلام میں سب سے پہلا غزوہ بدر پیش آیا، اس وقت حضرت علیؑ کا عصفوان شباب تھا؛ لیکن اس عمر میں آپ نے جنگ آزما بہادروں کے دوش بدوش ایسی داد شجاعت دی کہ آپ اس کے ہیرو قرار پائے۔ آغاز جنگ میں آپ کا مقابلہ ولید سے ہوا، ایک ہی وار میں اس کا کام تمام کر دیا، پھر شبیبہ کے مقابلہ میں حضرت عبیدہ بن حارثؓ آئے اور اس نے ان کو زخمی کیا تو حضرت حمزہ اور حضرت علیؑ نے حملہ کر کے اس کا کام بھی تمام کر دیا، غزوہ احد میں کفار کا جھنڈا طلحہ بن ابی طلحہ کے ہاتھ میں تھا، اس نے مبارزت طلب کی تو حضرت علی مرتضیٰؑ ہی اس کے مقابلہ میں آئے اور سر پر ایسی تلوار ماری کہ سر کے دو ٹکڑے ہو گئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی خبر ہوئی تو فرط مسرت میں تکبیر کا نعرہ بلند کیا اور مسلمانوں نے بھی تکبیر کے نعرے لگائے۔ غزوہ خندق میں بھی پیش پیش رہے پچنانچہ عرب کے مشہور پہلوان عمرو بن عبدود نے جب مبارزت طلب کی تو حضرت علی مرتضیٰؑ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے میدان میں جانے کی اجازت چاہی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنی تلوار عنایت فرمائی، خود اپنے دست مبارک سے ان کے سر پر عمامہ باندھا اور دعا کی خداوند! تو اس کے مقابلہ میں ان کا مددگار ہو، اس اہتمام سے آپ ابن عبدود کے مقابلہ میں تشریف لے گئے اور اس کو زیر کر کے تکبیر کا نعرہ مارا جس سے مسلمانوں کو معلوم ہوا کہ انھوں نے اپنے حریف پر کامیابی حاصل کر لی۔ غزوہ خیبر کا معرکہ حضرت علیؑ ہی کی شجاعت سے سر ہوا، جب خیبر کا قلعہ کئی دن تک فتح نہ ہو سکا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کل میں جھنڈا ایسے شخص کو دوں گا جو خدا اور خدا کے رسول کو محبوب رکھتا ہے اور خدا اور خدا کے رسول اس کو محبوب رکھتے ہیں پچنانچہ دوسرے دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی بن ابی طالبؑ کو جھنڈا عنایت فرمایا اور خیبر کا رئیس مرجب تلوار بلاتا ہوا اور رجز پڑھتا ہوا مقابلہ میں آیا، اس کے جواب میں حضرت علی مرتضیٰؑ رجز خواں آگے بڑھے اور مرجب کے سر پر ایسی تلوار ماری کہ سر پھٹ گیا اور خیبر فتح ہو گیا، خیبر کی فتح کو آپ کے جنگی کارناموں میں خاص امتیاز حاصل ہے۔ غزوات میں غزوہ ہوازن خاص اہمیت رکھتا ہے اس میں تمام قبائل عرب کی متحدہ طاقت مسلمانوں کے خلاف امنڈ آئی تھی؛ لیکن اس غزوہ میں بھی حضرت علی بن ابی طالبؑ ہر موقع پر ممتاز رہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جن اکابر کو جھنڈے عنایت فرمائے، ان میں حضرت علی مرتضیٰؑ بھی شامل تھے، آغاز جنگ میں جب کفار نے دفعۃً تیروں کا مینہ برسنا شروع کیا تو مسلمانوں کے پاؤں اکھڑ گئے اور صرف چند ممتاز صحابہ کرام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ثبات قدم رہے، ان میں ایک حضرت علی مرتضیٰؑ بھی تھے، عہد نبوت کے بعد خود ان کے زمانہ میں جو معرکے پیش آئے ان میں کبھی ان کے پائے ثبات کو لغزش نہیں ہوئی۔ [360][361][362]

دشمنوں کے ساتھ حسن سلوک

حدیث میں آیا ہے کہ ”بہادر وہ نہیں ہے جو دشمن کو پچھاڑ دے؛ بلکہ وہ ہے جو اپنے نفس کو زیر کرے، حضرت علی بن ابی طالبؑ اس میدان کے مرد تھے، ان کی زندگی کا اکثر حصہ مخالفین کی معرکہ آرائی میں گزرا؛ لیکن بایں ہمہ انھوں نے ہمیشہ دشمنوں کے ساتھ اچھا بھلا کیا، ایک دفعہ ایک لڑائی میں جب ان کا حریف گرگر برہنہ ہو گیا تو اس کو چھوڑ کر الگ کھڑے ہو گئے کہ اس کو شرمندگی نہ اٹھانی پڑے، جنگ جمل میں حضرت عائشہؓ ان کی حریف تھیں؛ لیکن جب ایک ضعیفی نے ان کے اونٹ کو زخمی کر کے گرایا تو خود حضرت علیؑ نے آگے بڑھ کر ان کی خیریت دریافت کی اور ان کو ان کے طرفدار بصرہ کے رئیس کے گھر میں اتارا، حضرت عائشہؓ کی فوج کے تمام زخمیوں نے بھی اسی گھر کے ایک گوشے میں پناہ لی تھی، حضرت علیؑ حضرت عائشہؓ سے ملنے کے لیے تشریف لے گئے؛ لیکن ان پناہ گزین دشمنوں سے کچھ تعرض نہیں کیا۔ جنگ جمل میں جو لوگ شریک جنگ تھے، ان کی نسبت بھی عام منادی کرادی کہ بھاگنے والوں کا تعاقب نہ کیا جائے، زخمیوں کے اوپر گھوڑے نہ دوڑائے جائیں، مال غنیمت نہ لوٹا جائے، جو بتیاریاں دے اس کو امان ہے۔ حضرت زبیرؓ نے ایک حریف کی حیثیت سے ان کا مقابلہ کیا تھا اور جنگ جمل کے سپہ سالاروں میں تھے، مگر جب ان کا قاتل ابن جرموز ان کا مقتول سراوتلوار لے کر حضرت علیؑ کے پاس آیا تو وہ آبدیدہ ہو گئے اور فرمایا ”فرزند صفیہؓ کے قاتل کو جہنم کی بشارت دے دو، پھر حضرت زبیرؓ کی تلوار ہاتھ میں لے کر فرمایا، یہ وہی تلوار ہے جس نے کئی دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ سے مشکلات کا بادل ہٹایا ہے۔ مستدرک میں ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے پاس ان کا سر آیا تو فرمایا کہ ”فرزند صفیہؓ کے قاتل کو جہنم کی بشارت دے دو، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ ہر نبی کے حواری ہوتے ہیں اور میرا حواری زبیرؓ ہے۔ [363] جنگ جمل کے میدان میں جب آپ فریق مخالف کی لاشوں کا معائنہ کر رہے تھے، تو ایک ایک لاش کو دیکھ کر افسوس کرتے تھے، جب حضرت طلحہؓ کے بیٹے محمد کی لاش پر نظر پڑی تو آہ سرد بھر کر فرمایا: اے قریش کا شکر! ان کا سب سے بڑا دشمن ان کا قاتل ابن ملجمؓ ہو سکتا تھا؛ لیکن انھوں نے اس کے متعلق جو آخری وصیت کی تھی وہ یہ تھی کہ اس سے معمولی طور پر قصاص لینا، مثلاً نہ کرنا، یعنی اس کے ہاتھ پاؤں اور ناک نہ کاٹنا، ابن سعد میں ہے کہ جب وہ آپ کے سامنے لایا گیا تو فرمایا کہ اس کو اچھا کھانا کھلاؤ اور اس کو نرم بستر پر سلاؤ اگر میں زندہ بچ گیا تو اس کے معاف کرنے یا قصاص لینے کا مجھے اختیار حاصل ہوگا اور اگر میں مر گیا تو اس کو مجھ سے ملا دینا، میں خدا کے سامنے اس سے جھگڑوں گا، دشمنوں کے ساتھ حسن سلوک کی اس سے اعلیٰ مثال کیا ہو سکتی ہے؟ [364] [48]

اصابت رائے

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ صاحب الرائے بھی تھے اور آپ کی اصابت رائے پر عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہی سے اعتماد کیا جاتا تھا پچنانچہ آپ تمام مہمات امور میں شریک مشورہ کیے جاتے تھے، واقعہ افک میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے گھر کے رازداروں میں جن لوگوں سے مشورہ کیا، ان میں سے ایک حضرت علی کرم اللہ وجہہ بھی تھے، غزوہ طائف میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے اتنی دیر تک سرگوشی فرمائی کہ لوگوں کو اس پر رشک ہونے لگا۔ خلافت راشدہ کے زمانہ میں وہ حضرت ابوبکر و عمرؓ دونوں کے مشیر تھے پچنانچہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے مہاجرین و انصار کی جو مجلس شوری قائم کی تھی، اس کے کرن حضرت علی کرم اللہ وجہہ بھی تھے، حضرت عمر فاروقؓ نے اس مجلس کے ساتھ مہاجرین کی جو مخصوص مجلس شوری قائم کی تھی اس کے اراکین کے نام اگرچہ ہم کو معلوم نہیں ہیں؛ لیکن حضرت علی کرم اللہ وجہہ لازمی طور پر اس کے ایک رکن رہے ہوں گے، کیونکہ حضرت عمرؓ کو ان کی رائے پر اتنا

اعتماد تھا کہ جب کوئی مشکل معاملہ پیش آجاتا تو حضرت علیؑ سے مشورہ کرتے تھے، ایک موقع پر انھوں نے فرمایا تھا۔ لولا علی لھلک عمر اگر علی نہ ہوتے عمر ہلاک ہو جاتا۔ اس اعتماد کی بنا پر بعض امور میں حضرت عمرؓ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی رائے کو اپنی رائے پر ترجیح دی ہے، معرکہ نہادند میں جب ایرانیوں کی کثرت نے حضرت عمرؓ کو لے جبر مشوش کر دیا، تو انھوں نے مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں تمام صحابہ کو جمع کر کے رائے طلب کی، حضرت طلحہؓ نے کہا امیر المومنین آپ خود ہم سے زیادہ سمجھ سکتے ہیں، البتہ ہم لوگ تعمیل حکم کے لیے تیار ہیں، حضرت عثمانؓ نے مشورہ دیا کہ شام وین وغیرہ سے فوجیں جمع کر کے آپ خود سپہ سالار ہو کر میدان جنگ تشریف لے جائیں، حضرت علی کرم اللہ وجہہ خاموش تھے، حضرت عثمؓ نے ان کی طرف دیکھا تو بولے کہ شام سے اگر فوجیں نہیں تو مفتوحہ مقامات پر دشمنوں کا تسلط ہو جائے گا اور آپ نے مدینہ چھوڑا تو عرب میں ہر طرف قیامت برپا ہو جائے گی، اس لیے میری رائے یہ ہے کہ آپ یہاں سے نہ بلیں اور شام وین وغیرہ میں فرمان بھیج دیے جائیں کہ جہاں جہاں جس قدر فوجیں ہوں ایک ایک ٹلٹ ادھر روانہ کر دی جائیں، حضرت عمرؓ نے اس رائے کو پسند کیا اور کہا کہ میرا بھی یہی خیال ہے۔ حضرت عثمانؓ نے بھی ان سے اہم معاملات میں مشورے لیے اور اگر ان کے مشورہ پر عمل کیا جاتا تو ان کا عہد نہ صرف فتنہ و فساد سے محفوظ رہتا؛ بلکہ قبائل عرب میں ایک ایسا توازن قائم ہو جاتا کہ آئندہ جھگڑے کی کوئی صورت ہی نہ پیدا ہوتی۔ آپ کی اصابت رائے کا سب سے بڑا ثبوت آپ کے فیصلوں میں ملتا ہے احادیث کی کتابوں میں بہت سے ایسے پیچیدہ مقامات مذکور ہیں جن کا فیصلہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے کیا اور جب وہ فیصلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کیے گئے تو آپ نے فرمایا: ما جد فیہا الا ما قال علی میرے نزدیک بھی اس کا فیصلہ وہی ہے جو علی نے کیا۔ ان کے ایک اور فیصلہ کا ذکر کیا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم بہت خوش ہوئے اور فرمایا: الحمد للہ الذی جعل فینا الحکمۃ اهل البیت [365] اس خدا کا شکر ہے جس نے ہم اہل بیت کو حکمت سکھائی۔ "شاہ ولی اللہ صاحب نے ازالۃ الخفاء میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے محاسن اخلاق پر ایک نہایت جامع بحث کی ہے، جس کا خلاصہ یہاں مناسب ہوگا۔ وہ لکھتے ہیں: "بڑے بڑے لوگوں کی سرشت میں جو عظیم الشان اخلاق داخل ہوتے ہیں، مثلاً شجاعت، قوت، حمیت اور وفا وہ سب ان میں موجود تھے اور فیض ربانی نے ان سب کو اپنی مرضی میں صرف کیا اور ان کے ایک ایک خلق کے ساتھ اس فیض ربانی کی آمیزش سے ایک ایک مقام پیدا ہوا، ریاض النضرہ میں ہے کہ جب وہ راہ چلتے تھے تو ادھر ادھر جھکے ہوئے چلتے تھے اور جب کسی کا ہاتھ پکڑ لیتے تھے تو وہ سانس تک نہیں لے سکتا تھا، وہ تقریباً فریہ اندام تھے، ان کی کلائیوں اور ان کے ہاتھ مضبوط تھے اور دل کے مضبوط تھے، جس شخص سے کشتی لڑتے اس کو پچھاڑ دیتے تھے، بہادر تھے اور جس سے جنگ میں مقابلہ کرتے اس پر غالب آتے تھے۔ ان کے تمام محاسن اخلاق میں ایک وفا تھی اور جب فیض ربانی نے اس کو مہبت کیا تو مقام محبت ان کے لیے ایک مسلمہ چیز بن گیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جیسا کہ متواتر طور پر ثابت ہے، فرمایا کہ میں کل ایسے شخص کو جھنڈا دوں گا جو اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہے اور اللہ اور اس کا رسول بھی اس سے محبت کرتے ہیں، بالآخر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جھنڈا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو دیا۔ ان کے محاسن اخلاق میں ایک خلق، دشمنوں کی مدافعت و مبارزت تھی جسے فیض ربانی نے ان کے سوانح اسلامیہ میں صرف کیا اور آخرت میں اس سے عجیب نتیجہ پیدا ہوا اور یہ لبت: ہذاں خصمان اختصموا ان دونوں فریق نے باہم محاصمت کی۔ ان کی اور ان کے رفقا کی شان میں نازل ہوئی، امام بخاری نے حضرت علی بن ابی طالبؑ سے روایت کی ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ میں پہلا شخص ہوں گا جو قیامت کے دن خدا کے سامنے خصوصیت کے لیے دو زانو بیٹھے گا، قیس کہتے ہیں کہ یہ لبت: ہذاں خصمان اختصموا فی ربم ان دونوں فریق نے اپنے رب کے بارے میں باہم محاصمت کی۔ انھی لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی اور یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے بدر کے دن باہم مبارزت کی، یعنی حمزہؓ علیؓ اور عبیدہ بن الحارثؓ شیبہ بن ربیعہؓ عتبہ اور ولید بن عتبہ۔ ان کے محاسن اخلاق میں ایک خلق ان کی غیر معمولی دلیری تھی، وہ کسی کی بھی پروا نہیں کرتے تھے، لوگوں کی خاطر مدارت میں اپنی خواہش سے باز نہیں آتے تھے، فیض ربانی نے ان کے ان اخلاق سے نبی المنکر اور بیت المال کی حفاظت کا کام لیا، حاکم نے حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت کی ہے، لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی شکایت کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم لوگوں کے سامنے خطبہ دیا اور فرمایا: "لوگو! علی کی شکایت نہ کرو، خدا کی قسم! خدا کی ذات اور اس کی راہ کے معاملہ میں وہ کسی قدر سخت ہے" حضرت عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خدا کی ذات کے معاملہ میں علیؓ سخت ہیں۔ "ان کے محاسن اخلاق میں ایک خلق اپنی قوم اور اپنے پیچازاد بھائی (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم) کی حمیت تھی، وہ ان کے کام کی تکمیل میں نہایت اہتمام کرتے تھے اور ان کی مدد میں نہایت ہمت سے کام لیتے تھے، یہ وہ وصف ہے جو اکثر شریفوں میں پیدا ہوتا ہے، جب فیض ربانی نے اعلان کلمہ اللہ کا جذبہ ان کے دل میں پیدا کیا تو اس خلق سے کام لیا اور اس عقلی معنی کی شرح و تفسیر جس سے ایک ایسا عجیب مقام پیدا ہوا جس کی تعبیر اخوت رسول، وصی اور وارث وغیرہ متعدد الفاظ سے کی جاتی ہے، حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پیچھے بھائیوں میں سے ہر ایک سے فرمایا کہ دنیا و آخرت میں تم میں سے کون میرا ولی ہوگا؛ لیکن ان سب نے اس بار کے حمل سے انکار کیا، اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ سے فرمایا کہ تم دنیا و آخرت میں میرے ولی ہوئے، حاکم نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں فرماتے تھے کہ خداوند تعالیٰ فرماتا ہے: افا سن مات او قتل انقلبتم علی اعقابکم اگر وہ مرگے یا مارے گئے تو کیا تم اٹھے پاؤں پھر جاؤ گے۔ خدا کی قسم! جب ہم کو خدا نے ہدایت دے دی تو اس کے بعد ہم پیٹھ نہ پھیریں گے خدا کی قسم اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم شہید ہو گئے تو جس چیز کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم جنگ کرتے تھے، ہم بھی اس کے لیے لڑیں گے، یہاں تک کہ مرجائیں، خدا کی قسم! میں آپ کا بھائی ہوں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ولی ہوں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا کا لڑکا ہوں، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کا وارث ہوں، ایسی صورت میں مجھ سے زیادہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا حق دار کون ہے۔ [366] اسی سے ان دونوں فریق کی جو افراط و تفریط کرتے ہیں غلطی بھی ظاہر ہو گئی، ایک کہتا ہے کہ قوم کی حملیت کے لیے غلبہ کا خواستگار ہونا خلوص نہیں، دوسرا کہتا ہے کہ استحقاق خلافت کے لیے اثوت لسنبتی شرط ہے۔ ان کے محاسن اخلاق میں ایک زہد اور شہوت نفسانی سے اجتناب ہے، حضرت امیر معاویہؓ نے ضرار اسدی سے کہا کہ مجھ سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے اوصاف بیان کرو، انھوں نے کہا کہ امیر المومنین اس سے مجھے معاف فرمائیے، معاویہؓ نے اصرار کیا ضرار بولے، اگر اصرار ہے تو سنیے وہ بلند حوصلہ اور نہایت قوی تھے، فیصلہ کن بات کہتے تھے، عادلانہ فیصلہ کرتے تھے، ان کے ہر جانب سے علم کا سرچشمہ پھوٹتا تھا، ان کے تمام اطراف سے حکمت ٹپکتی تھی، دنیا کی ولعزی اور شادابی سے وحشت کرتے اور رات کی وحشت ناک سے انس رکھتے تھے، بڑے رونے والے اور بہت زیادہ غور و فکر کرنے والے تھے، چھوٹا لباس اور موٹا جھونکا ہوا پسند تھا، ہم میں بالکل ہماری طرح رہتے تھے، جب ہم ان سے سوال کرتے تھے تو وہ ہمارا جواب دیتے تھے اور جب ہم ان سے انتظار کی درخواست کرتے تھے تو وہ ہمارا انتظار کرتے تھے، باوجودیکہ اپنی خوش خلقی سے ہم کو اپنے قرب کر لیتے تھے اور وہ خود ہم سے قرب ہو جاتے تھے؛ لیکن اس کے باوجود خدا کی قسم ان کی بیبت سے ہم ان سے گفتگو نہیں کر سکتے تھے، وہ اہل دین کی عزت کرتے تھے، غریبوں کو مقرب بناتے تھے، قوی کو اس کے باطل میں حرص و طمع کا موقع نہیں دیتے تھے، ان کے انصاف سے ضعیف ناامید نہیں ہوتا تھا، میں شہادت دیتا ہوں کہ میں نے ان کو بعض معروکوں میں دیکھا کہ رات گزر چکی ہے، ستارے ڈوب چکے ہیں اور وہ اپنی داڑھی پکڑے ہوئے ایسے مضطرب ہیں جیسے مارگزیدہ مضطرب ہوتا ہے اور اس حالت میں وہ غرہ آدمی کی طرح رو رہے ہیں اور کہتے ہیں کہ اے دنیا مجھ کو فریب نہ دے تو مجھ سے چھیر چھاڑ کرتی ہے یا میری مشتاق ہوتی ہے، افسوس افسوس! میں نے تجھ کو تین طلاقیں دے دی ہیں جس سے رجعت نہیں ہو سکتی، تیری عمر کم اور تیرا مقصد حقیر ہے، آہ! زادراہ کم اور سفر دور دراز کا ہے، راستہ وحشت خیز ہے" یہ سن کر امیر معاویہؓ رو پڑے اور فرمایا خدا ابو الحسن پر رحم کرے، خدا کی قسم! وہ ایسے ہی تھے۔ ان کے محاسن اخلاق میں ایک چیز شہادت سے اجتناب ہے، ان کی صاحبزادی حضرت ام کلثومؓ سے روایت ہے کہ اگر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے پاس لیموں آجاتے

تھے اور حسنؑ و حسینؑ ان میں سے کوئی لیموں لے کر کھانے لگتا تو وہ اس کو ان کے ہاتھ سے چھین لیتے اور اس کو تقسیم کرنے کا حکم دیتے تھے، ابو عمرو سے روایت ہے کہ وہ نے کی تقسیم میں حضرت ابوبکرؓ کا طریقہ اختیار کرتے تھے، یعنی جب ان کے پاس آتا تھا تو سب تقسیم کر دیتے تھے اور فرماتے اے دنیا میرے سوا کسی اور کو دھوکا دے اور خود اس سے اپنے لیے کوئی چیز انتخاب نہ کرتے تھے اور نہ تقسیم میں اپنے کسی رشتہ دار یا اور عزیز کی تخصیص کرتے تھے، حکومت اور امانت صرف متدین لوگوں کے سپرد کرتے تھے، اور جب یہ معلوم ہوتا کہ کسی نے اس میں خیانت کی ہے تو اس کو لکھتے: قَدْ جَاءَ تَعْلَمُ مَوْعِظَةً مِّن رَّبِّكَ فَادْعُ إِلَى سَبِيلِ اللَّهِ وَلِأَهْلِ الْإِسْلَامِ بِأَقْسَى الْأَرْضِ مَضْرِبِينَ بَقِيَّةِ اللَّهِ خَيْرَ لَّكُمْ إِن كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ وَمَا نَا عَلِيمٌ بِمُخْفِظِ "تمہارے پاس تمہارے رب کی جانب سے نصیحت آچکی ہے تو ناپ جو کھ کر انصاف کے ساتھ پورا کرو اور لوگوں کی چیزوں میں کمی نہ کرو اور زمین میں فساد نہ پھیلاؤ، خدا کا ثواب تمہارے لیے بہتر ہے، اگر تم ایماندار ہو اور میں تمہارا نگران نہیں ہوں۔" جب تمہارے پاس میرا خط پہنچے تو تمہارے ہاتھ میں جو کام ہے اس وقت تک تم اس کی پوری حفاظت کرو جب تک کہ ہم تمہارے پاس دوسرے شخص کو نہ بھیجیں جو تمہارے ہاتھوں سے لے لے، پھر اپنی نگاہ کو آسمان کی طرف اٹھاتے اور کہتے کہ خداوند تو جانتا ہے کہ میں نے ان کو تیری مخلوق پر ظلم کرنے اور تیرے حق کو چھوڑنے کا حکم نہیں دیا ہے۔" مجمع التمیسی سے روایت ہے کہ بیت المال میں جو کچھ تھا اس کو حضرت علیؑ نے مسلمانوں میں تقسیم کر دیا، پھر علم دیا کہ اس میں جھاڑو دے دی جائے اور اس میں نماز پڑھی تاکہ قیامت کے دن ان کی گواہ رہے۔ حضرت کلیبؓ سے روایت ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے پاس اصفہان سے مال آیا تو انھوں نے اس کے ساتھ حصے کیے، اس میں ایک روٹی بھی تھی اس کے بھی سات ٹکڑے کیے اور ہر حصے پر ایک ایک ٹکڑا تقسیم کیا، پھر قرعہ ڈالاکہ ان میں کس کو کون سا حصہ دیا جائے۔ ان کے محاسن اخلاق میں ایک چیز یہ ہے کہ وہ معاش کی تنگی پر صبر کرتے تھے اور اس کو اپنے لیے گوارا کر لیتے تھے، خود ان سے روایت ہے کہ حضرت فاطمہؓ ہمارے گھر میں آئیں تو ہمارے بچھانے کے لیے صرف بینڈھے کی ایک کھال تھی، ضمیر سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے گھر کا کام اپنی صاحبزادی حضرت فاطمہ کے متعلق کیا تھا اور یہی انتظامات حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے سپرد کیے تھے، حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے حضرت فاطمہؓ کا نکاح کیا تو جہیز میں ایک چادر، چمڑے کا ایک گدا جس میں گجور کی پتیاں بھری ہوئی تھیں، ایک چلی، ایک مشک اور دو گھڑے دیے، ایک دن حضرت علیؑ نے حضرت فاطمہؓ سے کہا کہ پانی بھرتے بھرتے میرا سینہ درد کرنے لگا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لونڈی غلام آتے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک خادم کی درخواست کرو، انھوں نے کہا کہ آنا پیستے پیستے میرے ہاتھوں میں بھی آیلے پڑ گئے پچنانچہ وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا، بیٹی کس غرض سے آئی ہو؟ بولیں سلام کرنے، لیکن سوال کرنے سے ان کو شرم آئی اور واپس چلی گئیں، حضرت علیؑ نے پوچھا، تم نے کیا کیا؟ بولیں سوال کرنے میں مجھے شرم آئی، دوبارہ دونوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، حضرت علیؑ نے عرض کیا کہ پانی بھرتے بھرتے میرا سینہ درد کرنے لگا اور حضرت فاطمہؓ نے کہا کہ آنا پیستے پیستے میرے ہاتھوں میں چھالے پڑ گئے، خدا نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لونڈی غلام اور مال بھیجا ہے، ہم کو بھی ایک خادم عنایت ہو، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں، یہ نہیں ہو سکتا کہ میں تم کو دوں اور اہل صفہ کو فاقہ مستی کی حالت میں چھوڑ دوں میں ان لونڈی غلاموں کو فروخت کر کے ان کی قیمت ان پر صرف کروں گا، یہ جواب پاکر دونوں لوٹ آئے، ان کی واپسی کے بعد خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لے گئے، حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور حضرت فاطمہؓ چادر اوڑھ کر سوچکی تھیں، یہ چادر اتنی چھوٹی تھی کہ جب سر ڈھکتے تھے تو پاؤں اور جب پاؤں ڈھکتے تھے تو سر کھل جاتا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لانے پر دونوں اٹھ گئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم کو میں ایسی چیز نہ بتلا دوں جو اس چیز سے بہتر ہے جس چیز کو تم مجھ سے مانگ سکتے ہو، دونوں نے کہا، ہاں! فرمایا، مجھ کو جبریلؑ نے چند کلمے سکھائے اور کہا کہ دونوں ہر نماز کے بعد دس بار سبحان اور دس بار تحمید اور دس بار تکبیر کہہ لیا کرو، اس طرح تم دونوں سوتے وقت 33 بار تحمید اور 34 بار تکبیر کہہ لیا کرو، حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا بیان ہے کہ جب سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو یہ کلمے سکھائے، اس وقت سے میں نے ان کو نہیں چھوڑا، ابن کواء نے کہا کہ صفین کی رات میں بھی نہیں؟ فرمایا، نہیں۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا بیان ہے کہ مدینہ میں ایک مرتبہ مجھے سخت بھوک لگی، کھانے کو کچھ نہ تھا اس لیے عوالم میں مزدوری کی تلاش میں نکلا، ایک عورت ملی، جس نے ڈھیلے کٹے کیے تھے، میں نے خیال کیا کہ غالباً ان کو وہ بھگوانا چاہتی ہے پچنانچہ میں نے ہر ڈول پر ایک گجور اجرت ملے کی اور 16 ڈول پانی بھرے جس سے میرے ہاتھوں میں چھالے پڑ گئے، اس نے مجھے سولہ گجوریں گن کر دیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان گجوروں کو میرے ساتھ کھایا۔ [367][368][369]

خانگی زندگی

حضرت علیؑ کی مستقل خانہ داری کی زندگی اس وقت سے شروع ہوئی، جبکہ سیدہ جنت حضرت فاطمہؓ کے ساتھ ایک علاحدہ مکان میں رہنے لگے، اس سے پہلے آپ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہتے تھے، اس لیے کسب معاش کے لیے آپ کو کسی جدوجہد کی ضرورت نہ پڑتی تھی، ہجرت کے بعد جب حضرت فاطمہؓ سے شادی قرآنی تو ولیمہ کی فکر دامن گیر ہوئی پچنانچہ قرب و جوار کے جنگل سے اونٹ پر گھاس لاکر بیچنے کا ارادہ کیا، حضرت حمزہؓ نے ایک روز ان کی اجازت کے بغیر اونٹ کو ذبح کر کے لوگوں کو کھلایا، حضرت علیؑ نے دیکھا تو نہایت صدمہ ہوا، کیونکہ آپ کے پاس صرف دو اونٹ تھے، [370] آخر زہر بیچ کر سامان کیا، اس زہر کی قیمت بھی روپیہ سواریہ سے زیادہ نہ تھی۔ شادی کے بعد جب علاحدہ مکان میں رہنے لگے تو حصول معاش کی فکر لاحق ہوئی، چونکہ شروع سے اس وقت تک آپ کی زندگی سپاہیانہ کاموں میں بسر ہوئی تھی اس لیے کسی قسم کا سرمایہ پاس نہ تھا، محنت مزدوری اور جہاد کے مال غنیمت پر گزاراوقات تھی، خیر فح ہوا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو ایک قطعہ زمین جاگیر کے طور پر عنایت فرمایا، حضرت عمرؓ نے اپنی خلافت میں باغ فدک کا انتظام بھی ان کے توالہ کر دیا اور دوسرے صحابہؓ کی طرح ان کے لیے بھی پانچ ہزار درہم (ایک ہزار روپیہ) سالانہ کا وظیفہ مقرر فرمایا، خلیفہ ثالث کے بعد جب مسند نشین خلافت ہوئے تو بیت المال سے بقدر کفاف روزینہ مقرر ہو گیا جس پر آخری لمحہ حیات تک قانع رہے۔ مسند کی ایک روایت میں ہے حضرت علیؑ نے فرمایا کہ ایک وہ زمانہ تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بھوک کی شدت سے پیٹ پر پتھر باندھا تھا اور آج میرا یہ حال ہے کہ چالیس ہزار سالانہ میری زکوٰۃ کی رقم ہوتی ہے۔ [371] اس واقعہ میں اور آپ کی عسرت اور فقر و فاقہ کی روایتوں میں کوئی تضاد نہیں ہے، اس لیے کہ آپ کی اس آمدنی کا بڑا حصہ خدا کی راہ میں صرف ہوتا تھا اور تولوں کے دور میں بھی ذاتی اور خانگی فقر و فاقہ کا وہی عالم رہتا تھا۔ کبھی کبھی خانہ داری کے معاملات میں حضرت فاطمہؓ سے رنجش بھی ہو جاتی تھی، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ درمیان میں پڑ کر صفائی کرا دیتے تھے، ایک مرتبہ حضرت علیؑ نے ان پر کچھ سختی کی، وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس شکایت لے کر چلیں، چچھے چچھے حضرت علیؑ بھی آئے، حضرت فاطمہؓ نے شکایت کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیٹی! تم کو خود سمجھنا چاہیے کہ کون شوہر اپنی بی بی کے پاس خاموش چلا آتا ہے؟ حضرت علیؑ نہایت متاثر ہوئے اور انھوں نے حضرت فاطمہؓ سے کہا اب میں تمہارے خلاف مزاج کوئی بات نہ کروں گا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے رحلت فرمائی تو حضرت فاطمہؓ کو اس قدر غم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد صرف چھ مہینے زندہ رہیں اور اس عرصہ میں ایک لمحہ کے لیے بھی ان کا دل پشمرہ شگفتہ نہ ہوا، حضرت علیؑ بھی ان

کی دلدلی اور تسلی کے خیال سے خانہ نشین رہے اور جب تک وہ زندہ رہیں گھر سے باہر قدم نہ رکھا، حضرت فاطمہؓ کے بعد متعدد شادیاں کیں اور ان بیویوں سے بھی لطف و محبت کے ساتھ پیش آئے، دوسری بیویوں سے جو اولادیں تھیں ان میں حضرت محمد بن حنفیہؓ سے بھی نہایت محبت تھی پچنانچہ وفات کے وقت حضرت امام حسنؓ سے ان کے ساتھ لطف و محبت سے پیش آنے کی خاص طور پر وصیت فرمائی تھی۔

غذا و لباس

حضرت علی بن ابی طالبؓ کے غیر معمولی زہد و ورع نے ان کی معاشرت کو نہایت سادہ بنادیا تھا، کھانا عموماً روکھا پھیکا کھاتے تھے، عمدہ لباس اور قیمتی لباس سے بھی شوق نہ تھا، عمامہ بہت پسند کرتے تھے پچنانچہ فرمایا کرتے تھے ”العمامة بیتان العرب“ یعنی عمامے عربوں کے تاج ہیں کبھی کبھی سپید لُٹی بھی پہنتے تھے، کرتے کی آستین اس قدر چھوٹی ہوتی کہ اکثر ہاتھ آدھے کھلے رہتے تھے، تہبند بھی نصف ساق تک ہوتی تھی کبھی صرف ایک تہبند اور ایک چادر ہی پر قناعت کرتے اور اسی حالت میں فرائض خلافت ادا کرنے کے لیے کوڑا لے کر بازار میں گشت کرتے نظر آتے تھے، غرض آپ کو ظاہری طمطراق کا مطلق شوق نہ تھا، پیوند لگے ہوئے کپڑے پہنتے تھے، لوگوں نے اس کے متعلق عرض کیا تو فرمایا یہ دل میں خشوع پیدا کرتا ہے اور مسلمانوں کے لیے ایک اچھا نمونہ ہے کہ وہ اس کی پیروی کریں، بائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہنتے تھے اور اس پر ”اللہ الملک“ نقش تھا۔ حضرت علیؓ پر سردی گرمی کا کچھ اثر نہ ہوتا تھا کیونکہ رسالتِ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ خیبر میں ان کے لیے دعا فرمائی تھی، اللہم اذهب عنہ الحر والبرد یعنی اس سے گرمی و سردی دور کر، اس کا یہ اثر تھا کہ وہ جاڑے کا کپڑا گرمی میں اور گرمی کا کپڑا جاڑے میں زیب تن فرماتے اور اس سے کوئی تکلیف نہ ہوتی۔^[372]

حلیہ

قدمیانہ، رنگ گندم گوں، آنکھیں بڑی بڑی، چہرہ پر رونق و خوبصورت، سینہ چوڑا اس پر بال، بازو اور تمام بدن گھٹا ہوا، پیٹ بڑا اور نکلا ہوا، سر میں بال نہ تھے ایک رولیت میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کتے سنا ہے کہ سر کے بال کے نیچے نجاست ہوتی ہے اسی لیے میں بالوں کا دشمن ہوں، ایک رولیت میں ہے کہ ایک شخص نے آپ کے دو گیسو پڑے دیکھے، مگر زیادہ مشہور یہی ہے کہ آپ کے سر میں بال نہ تھے، ریش مبارک بڑی اور اتنی چوڑی تھی کہ ایک مونڈے سے دوسرے مونڈے تک پھیلی تھی، آخر میں بال بالکل سپید ہو گئے تھے اور شاید تمام عمر میں ایک مرتبہ بالوں میں مہندی کا خضاب کیا تھا۔

ازواج و اولاد

سیدہ جنت حضرت فاطمہؓ زہراؓ کے بعد جناب علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مختلف اوقات میں متعدد شادیاں کیں اور ان سے نہایت کثرت کے ساتھ اولاد ہوئیں، تفصیل حسب ذیل ہے:

حضرت فاطمہؓ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی تھیں، ان سے ذکور میں حسن رضی اللہ عنہ، حسین رضی اللہ عنہ، محسن رضی اللہ عنہ اور لڑکیوں میں زینب کبریٰ رضی اللہ عنہا اور ام کلثوم کبریٰ رضی اللہ عنہا پیدا ہوئیں، محسنؓ نے بچپن ہی میں وفات پائی۔

ام النبین بن حزام

ان سے عباس، جعفر، عبد اللہ اور عثمان پیدا ہوئے، ان میں سے عباس کے علاوہ سب حضرت امام حسین کے ساتھ کربلا میں شہید ہوئے۔ لیلیٰ بن مسعود: انھوں نے عبید اللہ اور ابوبکر کو یاد گار چھوڑا لیکن ایک رولیت کے مطابق یہ دونوں بھی حضرت امام حسینؓ کے ساتھ شہید ہوئے۔

اسماء بنت عمیس

ان سے محبیٰ اور محمد اصغر پیدا ہوئے

صہبا یام حبیب بنت ربیعہ

یہ ام ولد تھیں، ان سے عمر اور قیہ پیدا ہوئیں، عمر نے نہایت طویل عمر پائی اور تقریباً پچاس برس کے سن میں ینبوع میں وفات پائی۔ امامہ بنت ابی العاص: یہ حضرت زینبؓ کی صاحبزادی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نواسی تھیں، ان سے محمد اوسط تولد ہوئے۔

خولہ بنت جعفر

محمد بن علی، جو محمد بن حنفیہ کے نام سے مشہور ہیں، انھی کے بطن سے پیدا ہوئے تھے۔

ام سعید بنت عروہ

ان سے ام الحسن اور رملہ کبریٰ پیدا ہوئیں۔

محبیۃ بنت امرء القیس

ان سے ایک لڑکی پیدا ہوئی تھی، مگر بچپن ہی میں قضا کر گئی۔

لوندیوں سے دیگر اولاد

متذکرہ بالا بیویوں کے علاوہ متعدد لونڈیاں بھی تھیں اور ان سے حسب ذیل لڑکیاں تولد ہوئیں: ام ہانی، میمونہ، زینب صغریٰ، رملہ صغریٰ، ام کلثوم صغریٰ، فاطمہ، امامہ، خدیجہ ام الکرام، ام سلمہ، ام جعفر، جمانہ، نفیسہ۔ غرض حضرت علیؑ کے سترہ لڑکیاں اوچھوڑ لڑکے تھے، جن سے سلسلہ نسل جاری رہا، ان کے نام یہ ہیں: امام حسن، امام حسین، محمد بن حنفیہ، عمر (رضی اللہ عنہم)۔ [375][374][373]

حوالہ جات

- ↑ "Alī ibn Abu Talib". Encyclopædia Iranica. اپریل 29, 2011 کو اصل سے آرکائیو کیا گیا. اخذ شدہ بتاریخ دسمبر 16, 2010 {{حوالہ موسوعہ}}: نامعلوم پیرامیٹر |deadurl= رد کیا گیا (معاونت)
- ↑ "Al-Islam". The Life of the Commander of the Faithful Ali Ibn Abu Talib (as). اخذ شدہ بتاریخ 06-12-2015
- ↑ Biographies of the Prophet's companions and their successors, Ṭabarī, translated by Ella Landau-Tasseron, pp. 37–40, Vol:XXXIX.
- ↑ "Ali". Seyyed Hossein Nasr. Encyclopædia Britannica Online. Britannica, Inc. 18-10-2007 کو اصل سے آرکائیو کیا گیا. اخذ شدہ بتاریخ 12-10-2007 {{حوالہ موسوعہ}}: نامعلوم پیرامیٹر |deadurl= رد کیا گیا (معاونت)

بیرونی روابط

▪ com/eb/article-9005712/Ali. britannica علی (http://www).

، انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا میں مقالہ

حضرت علی کے کچھ خصوصی خطوط

▪ htm. al-islam .org/nahjul/index علی بن ابی طالب (http://www).

نبج البلاغہ

شیعہ مکتب فکر

ویکی ذخائر پر علی بن ابی طالب سے متعلق سمعی و بصری مواد ملاحظہ کریں۔



■ <http://al-islam.org/masoom/bios/1stimam.html> علی بن ابی طالب کی زندگی

بقلم شیخ مفید در "کتاب الارشاد"

■ <http://www.imamalinet.net/en/indexe.htm> حضرت علی کی زندگی کی معلومات کے لیے وقف موقع

■ <http://www.mumineen.org/awliya/panjatan/seerat.html> سیرت امیر المؤمنین حضرت علی (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) (ht) [http://archive](http://archive.tp://)

اہلسنت مکتب فکر

■ http://www.witness-pioneer.org/vil/Articles/companion/00_ali_bin_talib.htm حضرت علی کی آن لائن سوانح حیات (<http://www>)

■ <http://www.usc.edu/dept/MSA/politics/firstfourcaliphs.html#ali> سوانح حیات (<http://www>)

■ <http://anwary-islam.com/companion/ali-bin-%20abi-%20talib.htm> علی بن ابی طالب (<http://anwary-islam>)

علی بن ابی طالب سردار بنو ہاشم 653ء سے چھوٹی شاخ بنو قریش پیدائش: 23 اکتوبر 598ء وفات: 28 فروری 661ء		
مناصب اہل تشیع		
ماقبل حسن بن علی	شیعہ مکتبہ فکر کے پہلے امام 632ء - 661ء	ماقبل محمد مہر نبوت — آخری نبی
مناصب سنت		
ماقبل حسن بن علی	اہلسنت مکتبہ فکر کے چوتھے خلیفہ راشد 565ء - 661ء	ماقبل عثمان بن عفان

اخذ کردہ از «https://ur.wikipedia.org/w/index.php?title=علی_بن_ابی_طالب&oldid=10505466»



حسن ابن علی
(عربی میں: **أَبُو مُحَمَّدٍ الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ الْهَاشِمِيُّ الْقُرَشِيُّ**)



پانچویں خلیفہ راشد

معاویہ

(بطور بادشاہ اول دولت

امویہ)

علی بن ابی

طالب

اہل تشیع کے دوسرے امام

حسین بن علی

علی بن ابی طالب

معلومات شخصیت

1 مارچ 625ء

مدینہ منورہ [6]

سنہ 669ء (43–44

سال) [7][8][9][10]

مدینہ منورہ

زہر

جنت البقیع

جعدہ بنت اشعث

قتل

خلافت راشدہ

سلطنت امویہ

پیدائش

وفات

وجہ وفات

مدفن

قاتل

طرز وفات

شہریت

حسن بن علی بن ابی طالب (621ء–670ء) 15 رمضان 3 ہجری کی شب کو مدینہ منورہ میں سورہ کوثر کی پہلی تفسیر بن کر صحن علی المرتضیٰ و خاتون جنت فاطمہ زہراؑ میں تشریف لائے رسولِ خداؐ کے لیے امامِ حسنؑ کی آمد بہت بڑی خوشی تھی کیونکہ جب مکہ مکرمہ میں رسولِ کریمؐ کے بیٹے یکے بعد دیگرے رحلت فرماتے رہے تو مشرکین طعنے دیتے اور آپ کو بڑا صدمہ پہنچتا۔ مشرکین کو جواب کے لیے قرآن مجید میں سورۃ الکوثر نازل ہوئی جس میں آپ کو خوش خبری دی گئی ہے کہ خدا نے آپ کو کثرتِ اولاد عطا فرمائی ہے اور مقطوع النسل آپ نہیں ہونگے بلکہ آپ کا دشمن ہوگا۔ دنیا میں ہر انسان کی نسل اس کے بیٹے سے ہے لیکن کائنات کی اشرف ترین ہستی سرور کونین حضرت محمد مصطفیٰؐ کی نسل کا ذریعہ ان کی بیٹی حضرت فاطمہ زہراؑ یعنی امام حسنؑ و حسینؑ کو قرار دیا گیا۔ حضرت عمر ابن خطابؓ اور حضرت جابر ابن عبد اللہ انصاریؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہؐ نے فرمایا: "بہر عورت کی اولاد کا نسب اس کے باپ کی طرف ہوتا ہے سوائے اولادِ فاطمہؑ کے، میں ہی ان کا نسب ہوں اور میں ہی ان کا باپ ہوں" حضرت عمرؓ سے یہ بھی روایت ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا کہ قیامت کے دن ہر نسب منقطع ہو جائے گا سوائے میرے نسب (اولادِ فاطمہؑ) اور رشتہ کے [16] انصاری نجران کے ساتھ مباہلہ کے لیے بھی رسول خدا امام حسن و حسینؑ کو اپنے فرزندان کے طور پر ساتھ لے کر گئے جس پر قرآن کی آیت گواہ ہے۔ بخارالانور میں ہے کہ جب امام حسنؑ سرور کائنات کی خدمت میں لائے گئے تو آنحضرتؐ نے نوزائیدہ بچے کو آغوش میں لے کر پیار کیا اور داہنے کان میں اذان اور بائیں کان میں اقامت فرمانے کے بعد اپنی زبان ان کے منہ میں دیدی، امام حسنؑ اسے چوسنے لگے اس کے بعد آپ نے دعا کی خدایا اس کو اور اس کی اولاد کو اپنی پناہ میں رکھنا ولادت کے ساتویں دن سرکار کائنات نے خود اپنے دست مبارک سے عقیقہ فرمایا اور بالوں کو منڈوا کر اس کے ہم وزن چاندی تصدق کی۔ [17] اس کے بعد آنحضرتؐ نے حضرت علیؑ سے پوچھا۔ "آپ نے اس بچے کا کوئی نام بھی رکھا؟" امیر المومنینؑ نے عرض کی۔ "آپ پر سبقت میں کیسے کر سکتا تھا۔" پیغمبرؐ نے فرمایا: "میں بھی خدا پر کیسے سبقت کر سکتا ہوں؟" چند ہی لمحوں کے بعد جبرائیلؑ پیغمبرؐ کی خدمت میں وحی لے کر آگئے اور کہا "خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے کہ اس بچے کا نام حسن رکھیے۔" تاریخِ قصص میں یہ مسئلہ تفصیلاً مذکور ہے۔ ماہرینِ علم الانساب بیان کرتے ہیں کہ خداوند عالم نے خاتونِ جنت حضرت فاطمہ زہراؑ کے دونوں شاہزادوں کا نام انظارِ عالم سے پوشیدہ رکھا تھا یعنی ان سے پہلے حسن و حسین نام سے کوئی موسوم نہ ہوا تھا۔ حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ نبی کریمؐ کے ساتھ امام حسنؑ سے زیادہ مشابہت رکھنے والا کوئی نہیں تھا۔ حضرت امام حسنؑ رسولِ کریمؐ سے چہرے سے سینے تک اور امام حسینؑ سینے سے قدموں تک رسول کی شبیہ تھے۔ خدا کی وحی کے بغیر کوئی کام اور کلام نہ کرنے والے رسولِ خدا کی نواسوں سے محبت اور اللہ کے نزدیک مقام کا اندازہ اس حدیث مبارکہ سے لگایا جا سکتا ہے۔ روایت ہے کہ رسولِ کریمؐ نمازِ عشاء ادا کرنے کے لیے باہر تشریف لائے اور آپ اس وقت حضرت امام حسن اور امام حسینؑ کو گود میں اٹھائے ہوئے تھے۔ آپ اس وقت آگے بڑھے (نماز کی امامت فرمانے کے لیے) اور ان کو زمین پر بٹھلایا۔ پھر نماز کے واسطے تکبیر فرمائی۔ آپ نے نماز کے درمیان ایک سجدہ میں تاخیر فرمائی تو میں نے سر اٹھایا تو دیکھا کہ صاحبِ زادے (یعنی رسولِ کریمؐ کے نواسے) آپ کی پشت مبارک پر ہیں اور اس وقت آپ حالتِ سجدہ میں ہیں۔ پھر میں سجدہ میں چلا گیا جس وقت آپ نماز سے فارغ ہو گئے تو لوگوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہؐ آپ نے نماز کے دوران ایک سجدہ ادا فرمانے میں تاخیر کیوں فرمائی۔ آپ نے فرمایا ایسی کوئی بات نہ تھی میرے نواسے مجھ پر سوار ہوئے تو مجھ کو (برا) محسوس ہوا کہ میں جلدی اٹھ کھڑا ہوں اور اس کی مراد (کھینے کی خواہش) مکمل نہ ہو۔ [18] آنحضرتؐ ایک دن محوِ خطبہ تھے کہ حسینؑ آگئے اور حسن کے پاؤں دامنِ عباس میں اس طرح الجھے کہ زمین پر گر پڑے، یہ دیکھ کر آنحضرتؐ نے خطبہ ترک کر دیا اور منبر سے اتر کر انھیں آغوش میں اٹھا لیا اور منبر پر تشریف لے جا کر خطبہ شروع فرمایا [19] حضرت براء بن عازبؓ سے روایت ہے کہ میں نے دیکھا کہ نبی کریمؐ نے حضرت حسن بن علیؑ کو اپنے مبارک کندھے پر اٹھایا ہوا تھا اور آپ فرما رہے تھے، اے اللہ! میں اس سے محبت کرتا ہوں پس تو بھی اس سے محبت فرما۔ (بخاری، مسلم) اہل بیت سے آپ کو سب سے

مذہب**زوجہ****اولاد****والد****والدہ****بہن/بھائی****پیشہ****مادری زبان****پیشہ ورانہ****زبان****لڑائیاں اور****جنگیں****اسلام**

فہرست ..[**کھولیں**]

حسن المثنیٰ ، **قاسم بن حسن**

، **فاطمہ بنت حسن** ، **حسین**

بن حسن بن علی ، **ابو بکر بن**

حسن بن علی ، **عبد اللہ بن**

حسن ، **طلحہ بن حسن** ، **زید**

بن حسن

علی بن ابی طالب ^[11]

فاطمۃ الزہرا ^[11]

رقیہ بنت علی ، **ام کلثوم**

بنت علی ، **زینب بنت علی**

، **محسن بن علی** ، **حسین**

ابن علی ، **ہلال ابن علی** ،

عثمان بن علی ، **عباس بن**

علی ، **عبد اللہ بن علی** ،

جعفر ابن علی ، **محمد بن**

حنفیہ ، **ابوبکر بن علی بن**

ارشد طالعہ ، **زینب**

عملی زندگی

ریاست کار ، **عسکری قائد** ،

خلیفہ

کلاسیکی عربی

کلاسیکی عربی

عسکری خدمات

جنگ جمل ، **جنگ صفین** ،

جنگ نہروان

درستی https://ur.wikipedia.org/w/index.php?title=%D8%AD%D8%B3%D9%86_%D8%A7%D8%A8%D9%86_%D8%B9%D9%84%D8%8C&action=edit&section=0 - ترمیم https://ur.wikipedia.org/w/index.php?title=%D8%AD%D8%B3%D9%86_%D8%A7%D8%A8%D9%86_%D8%B9%D9%84%D8%8C&veaction=edit



پیارا کون ہے؟ فرمایا، **حسن** اور **حسین**۔ آپ **حضرت فاطمہ** سے فرمایا کرتے، میرے دونوں بیٹوں کو میرے پاس بلاؤ۔ پھر آپ دونوں کو سونگھا کرتے اور انھیں اپنے ساتھ لپٹا لیا کرتے۔ (ترمذی) **حضرت ابن عمر** سے روایت ہے کہ **حضور اکرم** نے فرمایا، **حسن** اور **حسین** دونوں دنیا میں سے میرے دو پھول ہیں۔ ^[20] **حضرت ابو ہریرہ** سے روایت ہے کہ **رسول کریم** کا ارشاد ہے، جس نے ان دونوں یعنی **حسن** و **حسین** سے محبت کی اس نے مجھ سے محبت کی اور جس نے ان دونوں سے بغض رکھا اس نے مجھ سے بغض رکھا۔ ^[21] **حضرت ابن عباس** سے روایت ہے کہ **رسول کریم** نے فرمایا، کیا میں تمھیں ان کے بارے میں نہ بتاؤں جو اپنے نانا نانی کے لحاظ سے سب لوگوں سے بہتر ہیں؟ کیا میں تمھیں ان کے بارے میں نہ بتاؤں جو اپنے چچا اور پھوپھی کے لحاظ سے سب لوگوں سے بہتر ہیں؟ کیا میں تمھیں ان کے بارے میں نہ بتاؤں جو اپنے ماں باپ کے اعتبار سے سب لوگوں سے بہتر ہیں؟ وہ **حسن** اور **حسین** ہیں۔ ^[22] **سیدہ فاطمہ** سے روایت ہے کہ وہ **حضرت حسن** اور **حضرت حسین** کو **رسول کریم** کے مرض الوصال کے دوران آپ کی خدمت میں لائیں اور عرض کی، **یا رسول اللہ**! انھیں اپنی وراثت میں سے کچھ عطا فرمائیں۔ **رسول کریم** نے فرمایا، **حسن** میری بیبت اور سرداری کا وارث ہے اور **حسین** میری جرات اور سخاوت کا وارث ہے۔ ^[23] **امام حسن مجتبیٰ** نے سات سال اور کچھ مہینے تک اپنے نانا **رسول خدا** کا زمانہ دیکھا اور آنحضرت کی آغوش محبت میں پرورش پائی۔ پیغمبر اکرم کی رحلت کے بعد جو **حضرت فاطمہ زہرا** کی شہادت سے تین سے چھ مہینے پہلے ہوئی آپ اپنے والد ماجد کے زیر تربیت آ گئے تھے۔ فرزند **رسول امام حسن مجتبیٰ** اپنے والد گرامی کی شہادت کے بعد امامت کے دے پر فائز ہوئے اس کے ساتھ خلافت اسلامیہ پر بھی متمکن ہوئے اور تقریباً چھ ماہ تک آپر امور مملکت کا نظم و نسق سنبھالا۔ آپ کا عہد بھی خلفائے راشدین میں شمار کیا جاتا ہے۔ **امام زین العابدین** فرماتے ہیں کہ **امام حسن** ہر دست عابد، بے مثل زاہد، افضل ترین عالم تھے آپ نے جب بھی حج فرمایا پیدل فرمایا، کبھی کبھی پارہنہ حج کے لیے جاتے تھے آپ اکثر یاد خداوندی میں گریہ کرتے تھے جب آپ وضو کرتے تھے تو آپ کے پھر کا رنگ زرد ہو جاتا تھا اور جب نماز کے لیے کھڑے ہوتے تھے تو بیکی مثل کانپنے لگتے تھے۔ ^[24] **امام شافعی** لکھتے ہیں کہ **امام حسن** نے اکثر اپنا سارا مال راہ خدا میں تقسیم کر دیا ہے اور بعض مرتبہ نصف مال تقسیم فرمایا ہے وہ عظیم و پرہیزگار تھے۔ **امام حسن** کے والد **بزرگوار امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام** نے 21 رمضان کو شہادت پائی اس وقت **امام حسن** کی عمر 37 سال چھ یوم کی تھی۔ **حضرت علی** کی تکلفین و تدفین کے بعد **عبد اللہ ابن عباس** کی تحریک سے **قیس ابن سعد بن عبادہ انصاری** نے **امام حسن** کی بیعت کی اور ان کے بعد تمام حاضرین نے بیعت کر لی جن کی تعداد چالیس ہزار تھی یہ واقعہ 21 رمضان 40ھ یوم جمعہ کا ہے (ابن اثیر) **ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ** نے کھڑے ہو کر تقریر کی اور لوگوں کو بیعت کی دعوت دی۔ سب نے انتہائی خوشی اور رضا مندی کے ساتھ بیعت کی آپ نے مستقبل کے حالات کا صحیح اندازہ کرتے ہوئے اسی وقت لوگوں سے صاف صاف یہ شرط کر دی کہ ”اگر میں صلح کروں تو تم کو صلح کرنا ہوگی اور اگر میں جنگ کروں تو تمھیں میرے ساتھ مل کر جنگ کرنا ہوگی“ سب نے اس شرط کو قبول کر لیا۔ آپ نے انتظام حکومت اپنے ہاتھ میں لیا۔ لیکن جب آپ نے دیکھا کہ اسلامی معاشرہ انتشار کا شکار ہے اور تو آپ تحت حکومت کو خیر باد کہہ دیا کیونکہ **امام حسن** کا واحد مقصد حکم خدا اور حکم رسول کی پابندی کا اجرا چاہیے تھا **امام حسن** نے دین خدا کی سربلندی، فتنہ و فساد کا سرکچنے، کتاب خدا اور سنت رسول پر عملدرآمد کو یقینی بنانے کے لیے اپنے نانا رسول خدا کی صلح حدیبیہ کی تاسی میں تحت حکومت کو ٹھوکر مار کر جو تاریخی صلح کی وہ اسلام کی تاریخ کا ایسا ناقابل فراموش باب ہے جس کی نظیر نہیں ملتی۔ **امام حسن** اگرچہ صلح کے بعد مدینہ میں گوشہ نشین ہو گئے تھے، لیکن حق کے مرکز اور تعلیمات محمدیہ کے سرچشمہ **امام حسن** کا قائم رہنا دشمنان دین کو کب گوارا تھا اسی لیے جعدہ بنت اشعث کو انعام و اکرام کا لالچ دے کر نواسہ رسول **امام حسن** کو زہر دے کرے شہید کر دیا گیا۔ ^[25] **رسول** کے پیارے نواسے **امام حسن** نے 28 صفر 50ھ کو جام شہادت نوش کیا اور جنت البقیع میں مدفون ہوئے۔ ^{[26][27][28][29][30][31][32][33]}

نام و نسب

حسن بن علی بن ابی طالب بن عبد المطلب بن ہاشم بن عبد مناف بن قصی بن كلاب بن مرۃ بن کعب بن لؤی بن غالب بن فھر بن مالک بن کنانہ بن خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس بن مضر بن نزار معد بن عدنان ہے۔

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی والدہ محترمہ کا سیدہ فاطمہ الزہراء سلام اللہ علیہا بن رسول اللہ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم بن عبد اللہ بن عبد المطلب بن ہاشم بن عبد مناف بن قصی بن كلاب بن مرہ بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر بن مالک بن کنانہ بن خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس بن مضر بن نزار بن معد بن عدنان ہے۔ [34]

پیدائش

سنہ ہجری کے تیسرے سال رمضان المبارک کے مہینہ میں معدن نبوت کا یہ گوہر شب چراغ استغنا و بے نیازی کی اقلیم کاتاجدار، صلح و مسالمت کی پرسکون مملکت کا شہنشاہ، عرش خلافت کا مسند نشین، دوش نبوت کا سوار، فتنہ و فساد کا یخ کن، سردار دو عالم کی بشارت کا پورا کرنے والا، امت مسلمہ کا محسن اعظم، نور افزائے عالم وجود ہوا، آنحضرت ﷺ کو ولادت باسعادت کی خبر ہوئی تو حضرت فاطمہؑ کے گھر تشریف لائے اور فرمایا: میرے بچے کو دکھانا، کیا نام رکھا گیا، عرض کیا گیا، حرب، فرمایا نہیں، اس کا نام حسنؑ ہے، پیدائش کے ساتویں دن عقیقہ کیا اور دو مینڈھوں کی قربانی کر کے سر کے بال اتروائے اور ان کے ہم وزن چاندی خیرات کی۔ [1][35]

عہد نبوی ﷺ

آنحضرت ﷺ کو حضرت حسنؑ کے ساتھ جو غیر معمولی محبت تھی وہ کم خوش قسمتوں کے حصہ میں آئی ہوگی، آپ نے بڑے ناز و نعم سے ان کی پرورش فرمائی کبھی آغوش شفقت میں لیے ہوئے نکلتے، کبھی دوش مبارک پر سوار کیے ہوئے برآمد ہوتے ان کی ادنیٰ ادنیٰ تکلیف پر بے قرار ہو جاتے، بغیر حسنؑ کو دیکھنے ہوئے نہ رہا جاتا تھا، ان کو دیکھنے کے لیے روزانہ فاطمہ زہراؑ کے گھر تشریف لے جاتے تھے، حضرت حسنؑ اور حسینؑ بھی آپ سے بے حد مانوس ہو گئے تھے، کبھی نماز کی حالت میں پشت مبارک پر چڑھ کے بیٹھ جاتے کبھی رکوع میں ٹانگوں کے درمیان گھس جاتے کبھی ریش مبارک سے کھیلتے، غرض طرح طرح کی شوخیاں کرتے، جان نثار نانا نہایت پیار اور محبت سے ان طفلانہ شوخیوں کو برداشت کرتے اور کبھی تادیباً بھی نہ جھڑکتے بلکہ ہنس دیا کرتے تھے، ابھی حضرت حسنؑ آٹھ ہی سال کے تھے کہ یہ بابرکت سایہ سر سے اٹھ گیا۔ [36][37]

عہد صدیقیؓ

اس کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ مسند نشین خلافت ہوئے، آپ بھی ذات نبوی ﷺ کے تعلق کی وجہ سے حضرت حسن علیہ السلام کے ساتھ بڑی محبت فرماتے تھے، ایک مرتبہ حضرت ابوبکر صدیق عصر کی نماز پڑھ کر نکلے، حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی ساتھ تھے، راستہ میں حضرت حسنؑ کھیل رہے تھے، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اٹھا کر کندھے پر بٹھا لیا اور فرمانے لگے، قسم ہے یہ نبی کریم ﷺ کے مشابہ ہے علی رضی اللہ عنہ کے مشابہ نہیں ہے، حضرت علیؑ یہ سن کر ہنسنے لگے۔ [38][39]

عہد فاروقیؓ

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی اپنے زمانہ میں دونوں بھائیوں کے ساتھ ایسا ہی محبت آمیز برتاؤ رکھا، چنانچہ جب آپ رضی اللہ عنہ نے کبار صحابہ کرام کے وظائف مقرر کیے، تو گو حضرت حسنؑ اس صف میں نہ آتے تھے، لیکن آپ کا بھی پانچ ہزار ماہانہ مقرر فرمایا۔ [40][41]

عہد عثمانیؓ

حضرت عثمان بن عفان نے بھی اپنے زمانہ میں ایسا ہی شفقت آمیز طرز عمل رکھا صدیقی اور فاروقی دور میں حضرت حسنؑ اپنی کمسنی کے باعث کسی کام میں حصہ نہ لے سکتے تھے، حضرت عثمان کے عہد میں پورے جوان ہو چکے تھے چنانچہ اسی زمانہ سے آپ کی عملی زندگی کا آغاز ہوتا ہے، اس سلسلہ میں سب سے اول طبرستان کی فوج کشی میں مجاہدانہ شریک ہوئے، یہ فوج کشی سعید بن العاص کی ماتحتی میں ہوئی تھی۔ [42] اس کے بعد جب حضرت عثمان بن عفان کے خلاف فتنہ اٹھا اور باغیوں نے قصر خلافت کا محاصرہ کر لیا، تو حسنؑ نے اپنے والد بزرگوار کو یہ مفید مشورہ دیا کہ آپ محاصرہ اٹھنے تک کے لیے مدینہ سے باہر چلے جائیے، کیونکہ اگر آپ کی موجودگی میں عثمانؑ شہید کر دیے گئے تو لوگ آپ کو مطعون کریں گے اور ان کی شہادت کا ذمہ دار ٹھہرائیں گے؛ لیکن

باغی حضرت علیؓ کی نقل و حرکت کی برابر نگرانی کر رہے تھے، اس لیے حضرت علیؓ اس مفید مشورہ پر عمل پیرا نہ ہو سکے۔ [43] البتہ حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حفاظت کے لیے بھیج دیا۔ چنانچہ انھوں نے اور ان کے دوسرے ساتھیوں نے اس خطرہ کی حالت میں نہایت شجاعت و بہادری کے ساتھ حملہ آوروں کی مدافعت کی اور باغیوں کو اندر گھسنے سے روک رکھا، اس مدافعت میں خود بھی بہت زخمی ہوئے، سارا بدن خون سے رنگین ہو گیا؛ لیکن حفاظت کی یہ تمام تدبیریں ناکام ثابت ہوئیں اور باغی چھت پر چڑھ کر اندر گھس گئے اور حضرت عثمانؓ کو شہید کر دیا، حضرت علیؓ بن ابی طالب کو شہادت کی خبر ہوئی تو آپ نے جوش غضب میں حضرت حسنؓ کو طمانچہ مارا کہ تم نے کیسی حفاظت کی کہ باغیوں نے اندر گھس کر عثمانؓ کو شہید کر ڈالا۔ [44] [45] [46]

بیعت خلافت کے وقت

حضرت عثمانؓ بن عفان کی شہادت کے بعد جب مسند خلافت خالی ہو گئی اور مسلمانوں کی نگاہ انتخاب حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ پر پڑی اور انھوں نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کرنی چاہی تو حضرت حسنؓ نے غلبہ عاقبت اندیشی سے والد بزرگوار کو یہ مشورہ دیا کہ جب تک تمام ممالک اسلامیہ کے لوگ آپ سے خلافت کی درخواست نہ کریں اس وقت تک آپ اسے قبول نہ فرمائیے، لیکن حضرت علیؓ بن ابی طالب نے فرمایا کہ خلیفہ کا انتخاب صرف مہاجرین و انصار کا حق ہے، جب وہ کسی کو خلیفہ تسلیم کر لیں، تو پھر تمام ممالک اسلامیہ پر اس کی اطاعت واجب ہو جاتی ہے، بیعت کے لیے تمام دنیا کے مسلمانوں کے مشورہ کی شرط نہیں ہے اور خلافت قبول کر لی۔ [47] [48] [49]

جنگ جمل سے حضرت علیؓ کو روکنا

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت کے بعد جب حضرت عائشہؓ، طلحہ اور زبیر رضوان اللہ علیہم حضرت عثمانؓ بن عفان کے قصاص میں ان کے قاتلوں سے بدلہ لینے کے لیے نکلے تو پھر حضرت حسنؓ نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں عرض کیا کہ آپ مدینہ لوٹ چلئے اور کچھ دنوں کے لیے خانہ نشین ہو جائیے؛ لیکن حضرت علیؓ کی رائے میں ان حالات میں مدینہ لوٹنا اور خانہ نشین ہو جانا، اُمت کے ساتھ فریب تھا اور اس سے اُمت اسلامیہ میں مزید افتراق و اشتقاق کا اندیشہ تھا اس لیے واپس نہ ہوئے۔ [50] [51]

جنگ جمل

یہ وہ وقت تھا کہ حضرت طلحہؓ اور زبیرؓ وغیرہ حضرت عثمانؓ بن عفان کے قصاص کے لیے نکل چکے تھے، اس لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی مقابلہ کی تیاریاں شروع کر دیں، جب آپ بالکل آمادہ ہو گئے، تو حضرت حسنؓ کو بھی چار و ناچار آپ کی حملت میں نکلنا پڑا چنانچہ والد بزرگوار کے حکم کے مطابق حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہمراہ اہل کوفہ کو ان کی امداد پر آمادہ کرنے کے لیے کوفہ تشریف لے گئے اُنھی ایام میں حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ مسلمانوں کو خانہ جنگی اور فتنہ و فساد سے روکنے کے لیے کوفہ آئے ہوئے تھے اور جامع مسجد کوفہ میں تقریر کر رہے تھے کہ برادران کوفہ تم لوگ عرب کی بنیاد بن جاؤ، تاکہ مظلوم اور خوفزدہ تمھارے دامن میں پناہ لیں لوگو فتنہ اٹھتے وقت پہچان نہیں پڑتا؛ بلکہ مشتبہ رہتا ہے فرو ہونے کے بعد اس کی حقیقت ظاہر ہوتی ہے، معلوم نہیں یہ فتنہ کہاں سے اٹھا ہے اور کس نے اٹھایا ہے، اس لیے تم لوگ اپنی تلواریں نیام میں کرلو، نیزہ کے پھل نکال ڈالو، کمانوں کے چلے کاٹ دو اور گھروں کے اندرونی حصہ میں بیٹھ جاؤ، لوگو! فتنہ کے زمانے میں سونے والا کھڑے ہونے والے سے اور کھڑے ہونے والا چلنے والے سے بہتر ہے حضرت حسنؓ نے مسجد پہنچ کر یہ تقریر سنی تو حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو روک دیا اور فرمایا تم یہاں سے نکل جاؤ اور جہاں جی میں آئے چلے جاؤ اور خود منبر پر چڑھ کر اہل کوفہ کو حضرت علیؓ کی امداد پر ابھارا؛ چنانچہ آپ کی دعوت اور حجر بن عدی کندی کی تقریر پر 9650 کوفی حضرت علیؓ کا ساتھ دینے پر آمادہ ہو گئے، حضرت حسنؓ ان سب کو لے کر مقام ذی قار میں حضرت علیؓ سے مل گئے اور جنگ کے فیصلہ تک برابر ساتھ رہے۔ [52] جمل کے بعد صفین کا قیامت خیز معرکہ ہوا اس میں بھی آپ اپنے والد بزرگوار کے ساتھ تھے اور التوائے جنگ پر جو عہد نامہ مرتب ہوا تھا اس میں شاہد تھے۔ [53] [54] [55] [56] [57]

حضرت علیؑ کی شہادت

خلافت کے پانچویں سال عبدالرحمن ابن ملجم نے حضرت علیؑ بن ابی طالب پر قاتلانہ حملہ کیا زخم کاری تھا اس لیے نقل و حرکت سے معذور ہو گئے پچنانچہ جمعہ کی امامت حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تفویض فرمائی، اس جمعہ میں آپ نے ذیل کا خطبہ دیا: "خدا نے جس نبی کو مبعوث کیا اس کو ایک ذات، ایک قبیلہ اور ایک گھر عنایت فرمایا، اس ذات کی قسم جس نے محمد ﷺ کو مبعوث کیا جو شخص ہم اہل بیت کا کوئی حق تلف کرے گا خدا اس اتلاف حق کے بقدر اس شخص کا حق گھٹا دے گا"۔ [58] حضرت علیؑ بن ابی طالب کا زخم نہایت کاری تھا، جب بچنے کی کوئی امید باقی نہ رہی تو بعض ہوا خواہوں نے آپ سے حضرت حسنؑ کی آئندہ جانشینی اور خلافت کے بارہ میں سوال کیا آپ نے فرمایا "نہ میں حلم دیتا ہوں اور نہ روکتا ہوں" [59] زخمی ہونے کے تیسرے دن حضرت علیؑ جنت الفردوس کو سدھارے حضرت حسنینؑ اور آل جعفرؑ نے غسل دیا، حضرت حسنؑ نے نماز جنازہ پڑھائی اور نماز فجر کے قبل آپ کا جسدِ خاکی مقامِ رُہ میں جامع مسجد کے متصل سپرد خاک کیا گیا۔ [60] [46] [61]

بیعت خلافت

حضرت علیؑ بن ابی طالب کی وفات کے بعد امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مقبوضہ علاقہ کے علاوہ باقی سارے ملک کی نظریں حضرت حسنؑ کی طرف تھیں چنانچہ والد بزرگوار کی تدفین سے فراغت کے بعد آپ جامع مسجد تشریف لائے، مسلمانوں نے بیعت کے لیے ہاتھ بڑھائے آپ نے ان سے بیعت لی اور بیعت کے بعد حسب ذیل تقریر ارشاد فرمائی: [62]

پہلی تقریر

لوگو! کل تم سے ایک ایسا شخص بچھا ہے کہ نہ لگے اس سے بڑھ سکے اور نہ پچھلے اس کو پاسکیں گے، رسول اللہ ﷺ اس کو اپنا علم مرحمت فرما کر لڑائیوں میں بھیجتے تھے وہ کبھی کسی جنگ سے ناکام نہیں لوٹا۔ میکائیلؑ اور جبرائیلؑ چپ و راست اس کے جلو میں ہوتے تھے اس نے ساتھ سدرہٴ ہم کے سوا جو اس کی مقررہ تنخواہ سے بچ رہے تھے، سونے چاندی کا کوئی ذرہ نہیں چھوڑا ہے یہ دہم بھی ایک خادم خریدنے کے لیے جمع کیے تھے، [63] اس بیعت اور تقریر کے بعد آپ مسندِ خلافت پر جلوہ افروز ہوئے۔ [64]

امیر معاویہ کا جارحانہ اقدام

جناب امیر علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور امیر معاویہؓ میں بہت قدیم اختلاف چلا آ رہا تھا، امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ان کی حیات ہی میں عالمِ اسلامی پر حکومت کرنے کا خواب دیکھ رہے تھے، لیکن جناب امیر علی المرتضیٰ کی زندگی میں یہ خواب منت کش تعبیر نہ ہوا، آپ کی وفات کے بعد امیر معاویہؓ کا یہ جذبہ دفعۃً نہایت شدت کے ساتھ ابھر آیا، امیر معاویہؓ کو یہ معلوم تھا کہ حسنؑ صلح پسند ہیں اور جنگ و جدال وہ دل سے ناپسند کرتے ہیں اور واقعہ بھی یہی تھا کہ حضرت حسنؑ کو قتل و خونریزی سے شدید نفرت تھی اور اس قیمت پر وہ خلافت لینے پر آمادہ نہ تھے پچنانچہ آپ نے پہلے ہی یہ طے کر لیا تھا کہ اگر اس کی نوبت آئی تو امیر معاویہؓ سے اپنے لیے کچھ مقرر کرا کے خلافت سے دست بردار ہو جائیں گے۔ [65] امیر معاویہؓ کو ان حالات کا پورا اندازہ تھا اس لیے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے بعد ہی انھوں نے فوجی پیش قدمی شروع کر دی اور پہلے عبد اللہ بن عامر کریرؓ کو مقدمہ الجیش کے طور پر آگے روانہ کر دیا، یہ انبار ہوتے ہوئے مدائن کی طرف بڑھے۔ [66] [67] [68]

مقابلہ کے لیے آمادگی اور واپسی

حضرت حسنؑ اس وقت کوفہ میں تھے آپ کو عبد اللہ بن عامر کی پیش قدمی کی خبر ہوئی تو آپ بھی مقابلہ کے لیے کوفہ سے مدائن کی طرف بڑھے، سبابا پہنچ کر اپنی فوج میں کمزوری اور جنگ سے پہلو تہی کے آثار دیکھے اس لیے اسی مقام پر رک کر حسب ذیل تقریر کی: "میں کسی مسلمان کے لیے اپنے دل میں کینہ نہیں رکھتا اور تمھارے لیے بھی وہی پسند کرتا ہوں جو اپنے لیے پسند کرتا ہوں، تمھارے سامنے ایک رائے پیش کرتا ہوں، امید ہے کہ اسے مسترد نہ کرو گے جس اتحاد و یقینیت کو تم ناپسند کرتے ہو وہ اس تفرقہ اور اختلاف سے کہیں افضل و بہتر ہے، جسے تم چاہتے ہو میں دیکھ رہا ہوں کہ تم میں سے اکثر اشخاص جنگ سے پہلو تہی کر رہے ہیں اور لڑنے سے بزدلی دکھا رہے ہیں میں تم لوگوں کو تمھاری مرضی کے خلاف مجبور کرنا نہیں چاہتا" یہ خیالات سن کر لوگ سنائے میں آگئے اور ایک دوسرے کا منہ تلنے لگے، اگرچہ کچھ لوگ جنگ سے پہلو تہی کر رہے تھے تاہم بہت سے خارجی عقائد کے لوگ جو آپ کے ساتھ تھے وہ معاویہؓ

سے لڑنا فرض عین سمجھتے تھے، انھوں نے جب یہ رنگ دیکھا تو حضرت علیؑ کی طرح حضرت حسنؑ کو بھی برہنہ چھلا کھینے لگے اور ان کی تحقیر کرنی شروع کر دی اور جس مصلیٰ پر آپ تشریف فرماتے تھے حملہ کر کے اسے چھین لیا اور پیراہن مبارک کھسوٹ کر گلے سے چادر پھینچ لی حضرت حسنؑ نے یہ برہمی دیکھی تو گھوڑے پر سوار ہو گئے اور ربیعہ و ہمدان کو آواز دی انھوں نے بڑھ کر خارجیوں کے نغز سے چھڑایا اور آپ سیدھے مدائن روانہ ہو گئے راستہ میں جراح بن قبیسہ خارجی حملہ کی تاک میں چھپا ہوا تھا، حضرت حسنؑ جیسے ہی اس کے قریب سے ہو کر گزرے اس نے حملہ کر کے زائوئے مبارک زخمی کر دیا، عبد اللہ بن خطل اور عبد اللہ بن ظبیان نے جو امام کے ساتھ تھے جراح کو پکڑ کر اس کا کام تمام کر دیا اور حضرت حسنؑ مدائن جاکر قصر ابیض میں قیام پزیر ہو گئے اور زخم بھرنے تک ٹھہرے رہے، شفیایاب ہونے کے بعد پھر عبد اللہ بن عامر کے مقابلہ کے لیے تیار ہو گئے اس دوران میں امیر معاویہؓ بھی انبار پہنچ چکے تھے اور قیس بن عامر کو جو حضرت حسنؑ کی طرف سے یہاں متعین تھے گھیر لیا تھا ادھر معاویہؓ نے قیس کا محاصرہ کیا دوسری طرف حضرت حسنؑ اور عبد اللہ ابن عامر بالمقابل آگئے، عبد اللہ اس موقع پر یہ چال چلا کہ حضرت حسنؑ کی فوج کو مخاطب کر کے کہا کہ عراقیو! میں خود جنگ نہیں کرنا چاہتا، میری حیثیت صرف معاویہؓ کے مقدمۃ الجیش کی ہے اور وہ شامی فوجیں لے کر خود انبار تک پہنچ چکے ہیں، اس لیے حسنؑ کو میرا سلام کہہ دو اور میری جانب سے یہ پیام پہنچا دو کہ ان کو اپنی ذات اور اپنی جماعت کی قسم جنگ ملتوی کر دیں عبد اللہ بن عامر کا یہ افسوس کارگر ہو گیا، حضرت حسنؑ کے ہمراہیوں نے اس کا پیام سنا تو انھوں نے جنگ کرنا مناسب نہ سمجھا اور پیچھے ہٹنے لگے، حضرت حسنؑ نے اسے محسوس کیا، تو وہ پھر مدائن لوٹ گئے۔ [36][51]:249 [69][70]

خلافت سے دست برداری

آپ کے مدائن چلے آنے کے بعد عبد اللہ بن عامر کو موقع مل گیا اس نے بڑھ کر مدائن میں گھیر لیا حضرت حسنؑ پہلے ہی سے امیر معاویہؓ سے صلح کرنے پر آمادہ تھے اپنے ساتھیوں کی بزدلی اور کمزوری کا تجربہ کرنے کے بعد جنگ کا خیال بالکل ترک کر دیا اور چند شرائط پر امیر معاویہؓ کے حق میں خلافت سے دستبرداری کا فیصلہ کر لیا اور یہ شرائط عبد اللہ بن عامر کے ذریعہ سے امیر معاویہؓ کے پاس بھجوا دیے جو حسب ذیل ہیں:

- (1) کوئی عراقی شخص بغض و کینہ کی وجہ سے نہ پکڑا جائے گا
 - (2) بلا استثناء سب کو امان دی جائے گی
 - (3) عراقیوں کے ہفوات کو انگیز کیا جائے گا
 - (4) یہ ہواز کا کل خراج حسنؑ کے لیے مخصوص کر دیا جائے گا۔
 - (5) حسینؑ کو دو لاکھ سالانہ علاحدہ دیا جائے گا۔
 - (6) بنی ہاشم کو صلوات و عطایا میں بنی عبد شمس (بنی امیہ) پر ترجیح دی جائے گی۔
- عبد اللہ بن عامر نے یہ شرائط امیر معاویہ کے پاس بھجوا دیئے، انھوں نے بلا کسی ترمیم کے یہ تمام شرطیں منظور کر لیں اور اپنے قلم سے ان کی منظوری لکھ کر اپنی مہر ثبت کر کے معززین و عمائد کی شہادتیں لکھوا کر حضرت حسنؑ کے پاس بھجوا دیا۔ (یہ تمام حالات اخبار الطوال وینوری، 230 تا 232 سے ماخوذ ہیں، ابن اثیر کا بیان اس سے کسی قدر مختلف ہے اس کی روایت کے مطابق صورت واقعہ ہے جس وقت امام حسنؑ نے اپنے شرائط امیر معاویہؓ کے سامنے پیش کرنے کے لیے بھیجے تھے، اسی دوران میں امیر معاویہؓ نے بھی ایک سادہ کاغذ پر مہر لگا کر حسنؑ کے پاس بھیجا تھا کہ اس پر وہ جو شرائط چاہیں تحریر کر دیں سب منظور کر لی جائیں گی اس کاغذ کے بھیجنے کے بعد امیر معاویہؓ کے پاس حسنؑ کے شرائط والا کاغذ پہنچا امیر معاویہؓ نے اس کو روکے رکھا حسنؑ کو جب امیر معاویہؓ کا مہر کردہ سادہ کاغذ ملا تو انھوں نے اس میں بہت سی ایسی شرطیں جو پہلے مطالبہ میں نہ تھیں بڑھا دیں لیکن امیر معاویہؓ نے انھیں تسلیم نہیں کیا اور صرف انہی شرائط کو مانا جسے حسنؑ پہلے بھیج چکے تھے [71] دست برداری کے بعد حضرت حسنؑ نے قیس بن سعد انصاری کو جو مقدمۃ الجیش کے ساتھ شامیوں کے مقابلہ پر مامور تھے اس کی اطلاع دی اور جملہ امور امیر معاویہؓ کے حوالہ کر کے مدائن چلے آنے کا حکم دیا قیس کو یہ فرمان ملا تو انھوں نے فوج کو پڑھ کر سنایا اور کہا کہ اس کے بعد ہمارے لیے صرف دو صورتیں ہیں یا تو بلا امام کے جنگ جاری رکھیں یا امیر معاویہ کی اطاعت قبول کر لیں، ان کے دستہ میں بھی کچھ کمزور لوگ موجود تھے جنھوں نے امیر معاویہؓ کی اطاعت قبول کر لی اور قیس حضرت حسنؑ کے حکم کے مطابق آپ کے پاس مدائن چلے آئے اور ان کے مدائن آنے کے بعد حضرت حسنؑ کو فہ تشریف لے گئے امیر معاویہؓ یہاں آکر آپ سے ملے اور دونوں میں صلح نامہ کے شرائط کی زبانی بھی تصدیق و توثیق ہو گئی۔ [72] اوپر جو شرطیں اخبار الطوال سے نقل کی گئی ہیں، ان کے علاوہ عام طور پر ایک یہ شرط بہت مشہور ہے کہ امیر معاویہؓ کے بعد حسن خلیفہ ہوں گے لیکن یہ شرط مروج الذہب مسعودی اخبار الطوال وینوری، یعقوبی، طبری اور ابن اثیر وغیرہ کسی میں بھی نہیں ہے، البتہ علامہ ابن عبد البر نے استیعاب میں لکھا ہے کہ علما کا یہ بیان ہے کہ حسنؑ صرف معاویہؓ کی زندگی ہی تک کے لیے ان کے حق میں دست بردار ہوئے تھے [73] لیکن ابن عبد البر کا یہ بیان خود محل نظر ہے اس لیے کہ جو واقعہ کسی مستند تاریخ میں نہیں ملتا اس کو علما کا بیان کیسے کہا جاسکتا ہے ممکن ہے ان کے عہد کے علما کی یہ رائے رہی ہو لیکن تاریخوں سے اس کی تصدیق نہیں ہوتی، خود طبری نے بھی جو اپنی تاریخ میں ہر قسم کی رطب دیا بس روایتیں نقل کر دیتا ہے، اس شرط کا کوئی ذکر نہیں کیا ہے اور آئندہ واقعات سے بھی اس کی تائید نہیں ہوتی اس شرط کے نہ ہونے کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ حضرت حسنؑ کی وفات کے بعد جب امیر معاویہؓ یزید کی بیعت لینے کے لیے مدینہ گئے اور ابن زبیر، حسینؑ اور عبد الرحمن بن ابی بکر وغیرہ کے سامنے یہ مسئلہ پیش کیا، تو ان بزرگوں نے اس کے خلاف ہر طرح کے دلائل دیے، ابن زبیرؓ نے کہا کہ یہ طریقہ خلفائے راشدین کے انتخابی طریقہ کے خلاف ہے، اس لیے ہم اسے منظور نہیں کر سکتے، عبد الرحمن بن ابی

بکڑنے کہا یہ قیصر و کسریٰ کی سنت ہے، لیکن کسی نے بھی یہ دلیل نہیں دی کہ حسنؓ صرف تمھارے حق میں دست بردار ہوئے تھے، اس لیے یزید کو ولیمجد نہیں بنایا جا سکتا ظاہر ہے کہ اگر ان بزرگوں کو اس قسم کی شرط کا علم ہوتا تو وہ دوسرے دلائل کے ساتھ اسے بھی یزید کی ولی عہدی کی مخالفت میں ضرور پیش کرتے پھر امیر معاویہؓ کی وفات کے بعد جب حضرت حسینؓ یزید کے مقابلہ میں کھڑے ہوئے تو آپ نے اپنے دعویٰ کی تائید اور یزید کی مخالفت میں بہت سی تقریریں کیں اور ان تقریروں میں یزید کی مخالفت کے اسباب بیان کیے لیکن کسی تقریر میں بھی آپ نے یہ دعویٰ نہیں فرمایا کہ چونکہ میرے بھائی حسنؓ صرف امیر معاویہؓ کے حق میں دستبردار ہوئے تھے اور وہ امیر معاویہؓ کی زندگی میں وفات پا چکے تھے اس لیے اصول توارث کی رو سے ان کی جانشینی کا حق مجھے یا حسنؓ کی اولاد کو پہنچتا ہے، حالانکہ یزید کی حکومت کے خلاف دلائل میں یہ بڑی قوی دلیل تھی لیکن حضرت حسینؓ نے اس کی طرف اشارہ بھی نہیں فرمایا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ ہی سرے سے غلط ہے، باقی رہا یہ سوال کہ پھر بعض ارباب سیر نے اسے کیوں نقل کیا ہے، اس کا جواب ان لوگوں کے لیے بہت آسان ہے جو بن امیر اور بنی ہاشم کی اختلافی تاریخ پر نظر رکھتے ہیں کہ ان میں سے ہر ایک حامی دوسرے کے متعلق ایسی روایتیں گھڑ دیتے ہیں جس سے دوسرے کے دامن پر کوئی دھبہ آتا ہو۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ امیر معاویہؓ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف صف آرا ہو کر اور پھر اپنے بعد یزید کو ولی عہد بنا کر اسلامی خلافت ختم کر کے تاریخ اسلام میں نہایت بری مثال قائم کی، لیکن اس غلطی کو محض اس کی حد تک محدود رکھنا چاہیے تھا مگر ان کے مخالفوں نے اس پر بس نہیں کیا، بلکہ ان کے خلاف ہر طرح کے بہتان تراش کر تاریخوں میں شامل کر دیے اوپر کی شرط بھی اسی بہتان کی ایک کڑی ہے، ہمارے نزدیک اس شرط کی ایذا سے امیر معاویہؓ کے اشارہ سے حضرت حسنؓ کو زہر دینے والی روایت کی توثیق مقصود ہے جس کا ذکر آئندہ آئے گا اس لیے کہ جب بطور مقدمہ کے اسے تسلیم کر لیا جائے کہ حسنؓ صرف معاویہؓ کی زندگی تک کے لیے خلافت سے دستبردار ہوئے تھے اور امیر معاویہؓ اپنے خاندان میں حکومت چاہتے تھے تو پھر ان دونوں مقدمات سے یہ کھلا ہوا نتیجہ نکل آتا ہے کہ حسنؓ کو امیر معاویہؓ ہی نے زہر دلوا دیا تھا اور یہ ایسا مکروہ الزام ہے جس سے امیر معاویہؓ کی اخلاقی تصویر نہایت بد نما ہو جاتی ہے اور وہ ہمیشہ کے لیے مورد طعن بن جاتے ہیں۔ [74][75] [76][77] [77][78]

دست برداری کا اعلان اور مدینہ کی واپسی

حضرت حسنؓ اور امیر معاویہؓ کی مصالحت کے بعد عمرو بن العاصؓ نے جو امیر معاویہؓ کے ہمراہ تھے ان سے کہا کہ مناسب یہ ہے کہ مجمع عام میں حسنؓ سے دستبرداری کا اعلان کرا دو، تاکہ لوگ خود ان کی زبان سے اس کو سن لیں، مگر امیر معاویہؓ مزید حجت مناسب نہ سمجھتے تھے، اس لیے پہلے اس پر آمادہ نہ ہوئے مگر جب عمرو بن العاصؓ نے بہت زیادہ اصرار کیا تو انھوں نے حضرت حسنؓ سے درخواست کی کہ وہ برسر عام دستبرداری کا اعلان کر دیں، امیر معاویہؓ کی اس فرمائش پر حضرت حسنؓ نے مجمع عام میں حسب ذیل تقریر فرمائی: اما بعد لوگو خدا نے ہمارے اگلوں سے تمھاری ہدایت اور چمکھلوں سے تمھاری خونریزی کرائی داناتیوں میں بہتر داناتی تقویٰ اور کمزوریوں میں سب سے بڑی کمزوری بد اعمالیاں ہیں، یہ امر (خلافت) جو ہمارے اور امیر معاویہؓ کے درمیان متنازع فیہ ہے یا وہ اس کے حقدار ہیں یا میں دونوں صورتوں میں محمد ﷺ کی امت کی اصلاح اور تم لوگوں کی خونریزی سے بچنے کے لیے میں اس سے دستبردار ہوتا ہوں پھر معاویہؓ کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا یہ خلافت تمھارے لیے فتنہ اور چند روزہ سرمایہ ہے یہ سن کر امیر معاویہؓ نے کہا بس بچئے، اس قدر کافی ہے اور عمرو بن العاصؓ سے کہا تم مجھے یہی سنوانا چاہتے تھے۔ [79] اس خاتم الفتن دست برداری کے بعد حضرت حسنؓ اپنے اہل و عیال کو لے کر مدینہ الرسول چلے گئے، اس طرح آنحضرت ﷺ کی یہ پیشین گوئی پوری ہو گئی کہ میرا یہ بیٹا سید ہے خدا اس کے ذریعہ مسلمانوں کے دو بڑے فرقوں میں صلح کرائے گا۔ باختلاف روایت آپ کی مدت خلافت ساڑھے پانچ مہینے یا چھ مہینے سے کچھ زیادہ یا سات مہینے سے کچھ زیادہ تھی، آپ کی بیعت خلافت کی تاریخ تو متعین ہے مگر دستبرداری کی تاریخ میں بڑا اختلاف ہے، بعض ربیع الاول 41ھ بعض ربیع الثانی اور بعض جمادی الاول بتاتے ہیں، اسی اعتبار سے مدت خلافت میں بھی اختلاف ہو گیا ہے۔ [80][81] [82][83]

معاویہؓ اور قیس کی صلح

حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی دستبرداری سے آپ کے خاص حامیوں اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فدائیوں کو بڑا صدمہ پہنچا، اس میں شک نہیں کہ حضرت حسنؓ کے کچھ آدمیوں نے جن پر شامیوں کا مخفی جادو چل گیا تھا کمزوری دکھائی تھی، لیکن ان کے علاوہ ہزاروں فداکار علیؓ اس وقت بھی سرکف جان دینے کے لیے آمادہ تھے خود قیس بن سعد جو حضرت حسنؓ کے مقدمۃ الجیش کے کماندار تھے، حضرت حسنؓ کے حکم پر حضرت معاویہؓ کا مقابلہ چھوڑ کر مدائن تو چلے آئے تھے؛ لیکن دستبردا کی بعد کسی طرح امیر معاویہؓ کی خلافت تسلیم کرنے پر تیار نہ ہوتے تھے اور ان سے مقابلہ کرنے کے لیے ہمہ تن آمادہ تھے اور اپنی ہم خیال جماعت سے جنگ کے لیے بیعت بھی لے لی تھی، لیکن آخر میں امیر معاویہؓ نے ان کے تمام مطالبات مان کر صلح کر لی۔ [84][85]

وفات

دستبرداری کے بعد حضرت حسن رضی اللہ عنہ آخری لمحہ حیات تک اپنے جد بزرگوار کے جوار میں خاموشی و سکون کی زندگی بسر کرتے رہے 50ھ میں کسی نے آپ کو زہر دے دیا (زہر کے متعلق عام طور پر غلط فہمی پھیلی ہوئی ہے کہ امیر معاویہؓ کے اشارہ سے دیا گیا تھا، جو سراسر غلط ہے) سم قاتل تھا، قلب و جگر کے ٹکڑے کٹ کٹ کر گرنے لگے، جب حالت زیادہ نازک ہوئی اور زندگی سے مایوس ہو گئے، تو حضرت حسینؓ کو بلا کر ان سے واقعہ بیان کیا، انھوں نے زہر دینے والے کا نام پوچھا، فرمایا: نام پوچھ کر کیا کرو گے؟ عرض کیا قتل کروں گا، فرمایا: اگر میرا خیال صحیح ہے تو خدا بہتر بدلہ لینے والا ہے اور اگر غلط ہے تو میں نہیں چاہتا کہ میری وجہ سے کوئی ناکردہ گناہ پکڑا جائے اور زہر دینے والے کا نام بتانے سے انکار کر دیا، حضرت حسن کو اپنے نانا کے پہلو میں دفن ہونے کی بڑی تمنا تھی، اس لیے اپنی محترم نانی حضرت عائشہ صدیقہ سے حجرہ نبوی میں دفن ہونے کی اجازت چاہی، انھوں نے خوشی کے ساتھ اجازت دے دی، اجازت ملنے کے بعد بھی احتیاطاً فرمایا کہ میرے مرنے کے بعد دوبارہ اجازت لینا ممکن ہے میری زندگی میں مروت سے اجازت دے دی ہو، اگر دوبارہ اجازت مل جائے تو روضہ نبویؐ میں دفن کرنا، مجھے خطرہ ہے کہ اس میں بنی امیہ مزاحم ہوں گے اگر مزاحمت کی صورت پیش آئے تو اصرار نہ کرنا اور جنت البقیع الغرقہ کے گور غریبان میں دفن کر دینا۔^[86] زہر کھانے کے تیسرے دن ضروری وصیتوں کے بعد باختلاف روایت ربیع الاول 49ھ یا 50ھ میں اس بوریہ نشین مسند بے نیازی نے اس دنیا سے الگ ہو کر خیرباد کہا انا للہ وانا الیہ راجعون، وفات کے وقت 47 یا 48 سال کی عمر تھی۔^{[87][88][89][90]}

جنازہ پر جھگڑا

وفات کے بعد حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وصیت کے مطابق دوبارہ حضرت عائشہؓ سے اجازت مانگی، آپ نے پھر فراخی کے ساتھ مرحمت فرمائی (اس موقع پر بھی حرم نبویؐ کے دشمنوں نے ایک روایت مشہور کر دی ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ نے اجازت نہیں دی اور حضرت حسنؓ کے روضہ نبویؐ میں دفن ہونے میں مزاحم ہوئیں مگر یہ روایت بھی امیر معاویہؓ کے شرائط کی طرح حضرت عائشہؓ کو بدنام کرنے کے لیے گھڑی گئی ہے جس کی کوئی اصلیت نہیں) لیکن حضرت حسنؓ کا خطرہ بالکل صحیح نکلا، مروان کو اس کی خبر ہوئی تو اس نے کہا کہ حسنؓ کسی طرح روضہ نبویؐ میں دفن نہیں کیے جاسکتے، ان لوگوں نے عثمان بن عفان کو تو یہاں دفن نہ ہونے دیا اور حسنؓ کو دفن کرنا چاہتے ہیں، یہ کسی طرح نہیں ہو سکتا حضرت حسینؓ نے مقابلہ کرنا چاہا، مروان بھی لڑنے پر آمادہ ہو گیا اور قریب تھا کہ پھر ایک مرتبہ مدینہ کی زمین مسلمانوں کے خون سے لالہ زار بن جائے کہ اتنے میں مشہور صحابی حضرت ابوہریرہؓ پہنچ گئے اور چلائے کہ یہ کیا ظلم ہے کہ ابن رسول اللہؐ کو اس کے نانا کے پہلو میں دفن کرنے سے روکا جاتا ہے، پھر حسینؓ سے کہا کہ اس کے لیے کشت و خون سے کیا فائدہ، حسنؓ کی وصیت بھول گئے کہ اگر خونریزی کا خطرہ ہو تو عام مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کر دینا اس پر حضرت حسینؓ کا غصہ ٹھنڈا ہو گیا اور بنی امیہ اور بنی ہاشم میں جنگ ہوتے ہوئے رہ گئی اس کے بعد سعید بن العاصؓ عامل مدینہ نے نماز جنازہ پڑھائی اور لاش مبارک جنت البقیع میں حضرت فاطمہ زہراؓ کے پہلو میں سپرد خاک کی گئی۔^[91] حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا روضہ نبویؐ کی بجائے بقیع کے گور غریبان میں دفن کیا جانا بھی آپ کے روحانی تصرف کا نتیجہ تھا جس پیکر صلح و اشتی نے زندگی میں مسلمانوں کے خون کی قیمت پر دنیاوی جاہ و حشم حاصل کرنا پسند نہ کیا اور خونریزی سے بچنے کے لیے سلطنت و حکومت جیسی چیز کو ٹھکرا کر عزلت نشینی کی زندگی اختیار کی اس کے جدِ خاکی نے مرنے کے بعد بھی یہ کرشمہ دکھایا کہ روضہ نبویؐ کے مقابلہ میں بقیع کے گور غریبان میں دفن ہوا، لیکن حرم نبویؐ میں مسلمانوں کا خون نہ گرنے دیا، ورنہ اس قیمت پر جد امجد کے پہلو میں جگہ ملنی بہت آسان تھی۔^{[92][93][94][95][96]}

مدینہ میں ماتم

حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی رحلت معمولی واقعہ نہ تھا، بلکہ صلح و مسالمت کا ماتم تھا، صبر و تحمل کا ماتم تھا، استغناء و بے نیازی کا ماتم تھا، خاندانِ نبوت کے چشم و چراغ کا ماتم تھا، اس لیے آپ کی وفات پر مدینہ میں گھر گھر صفِ ماتم بچھ گئی، بازار بند ہو گئے گلیوں میں سناٹا چھا گیا، بنی ہاشم کی عورتوں نے ایک مہینہ تک سوگ منایا، حضرت ابوہریرہؓ مسجد میں فریاد و فغاں کرتے تھے اور پکار پکار کر کہتے تھے کہ لوگو! آج خوب رولو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا محبوب دنیا سے اٹھ گیا۔^[97] جنازہ میں انسانوں کا اتنا ہجوم تھا کہ اس سے پہلے مدینہ میں کم دیکھنے میں آیا تھا، ثعلیبہ بن ابی مالک جو مٹی میں شریک تھے راوی ہیں کہ حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جنازہ میں اتنا ازدحام تھا کہ اگر سوئی جیسی مہین چیز بھی پھینکی جاتی تو کثرت ازدحام سے زمین پر نہ گرتی۔^{[98][99][100]}

حلیہ

حضرت حسن ابن علی رضی اللہ عنہ صورت و سیرت دونوں میں آنحضرت ﷺ سے مشابہ تھے خصوصاً صورت میں بالکل ہم شمیہ تھے۔ [101][102]

ازواج کی کثرت

روایتوں میں ہے کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے نہایت کثرت کے ساتھ شادیاں کیں اور اسی کثرت کے ساتھ طلاقیں دیں طلاقوں کی کثرت کی وجہ سے لوگ آپ کو ”مطلق“ کہنے لگے تھے، بعض روایتوں سے آپ کی ازواج کی تعداد نوے (90) تک پہنچ جاتی ہے، لیکن یہ روایتیں مبالغہ آمیز ہیں اس کی تردید اس سے بھی ہوتی ہے کہ آپ کے کل دس اولادیں تھیں اور یہ تعداد شادیوں کے مقابلہ میں بہت کم ہے، اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ شادیوں کی کثرت کی روایت مبالغہ سے خالی نہیں ہیں تاہم اس قدر مسلم ہے کہ عام رواج سے زیادہ شادیاں کیں اس کثرت ازدواج و طلاق کو دیکھ کر حضرت علیؑ نے کوفہ میں اعلان کر دیا تھا کہ انھیں کوئی اپنی لڑکی نہ دے؛ لیکن عام مسلمانوں میں خالوادہ نبوی ﷺ سے رشتہ پیدا کرنے کا شوق اتنا غالب تھا کہ حضرت علیؑ کی اس مخالفت کا کوئی اثر نہ ہوا اور ایک ہمدانی نے برملا کہا کہ ہم ضرور لڑکی دیں گے زیادہ سے زیادہ یہی نہ ہوگا کہ جو عورت انھیں پسند ہوگی اسے رکھیں گے ورنہ طلاق دیدیں گے۔ [103][104][105]

بی بیوں سے برتاؤ

لیکن جب تک کوئی عورت آپ کے حوالہ عقد میں رہتی تھی اس سے بڑی محبت اور اس کی بڑی قدر افزائی فرماتے تھے؛ چنانچہ جب ناگزیر اسباب کی بنا پر کسی عورت سے قطع تعلق کرتے تھے، تو آپ کے حسن سلوک اور محبت کی یاد برابر اس کے دل میں رہتی تھی ایک مرتبہ ایک فزاری اور ایک اسدی عورت کو رجعی طلاق دی اور ان کی ولد ہی کے لیے دس دس ہزار نقد اور ایک مشکیزہ شہد بھیجا اور غلام کو ہدایت کردی کہ اس کے جواب میں وہ جو کچھ کہیں اس کو یاد رکھنا فزاری عورت کو جب یہ خطیر رقم ملی تو اس نے شکریہ کے ساتھ قبول کر لی اور بارک اللہ فیہ و جزاء خیرا کہا لیکن جب اسدی عورت کو ملی تو یہ تحفہ دیکھ کر اس کے دل پر چوٹ لگی اور بے اختیار یہ حسرت بھرا فراقیہ مصرع زبان سے نکل گیا: متاع قلیل من حبیب مفارق جدا ہونے والے دوست کے مقابلہ میں یہ متاع حقیر ہے غلام نے آکر یہ واقعہ بیان کیا تو آپ نے اسدی عورت سے رجعت کر لی۔ [106][107]

زوجات و اولاد

حضرت کی ازواج، اولاد اور داماد کے سلسلہ میں مختلف شیعہ و سنی معتبر کتابوں میں ذیل کی صورت میں تذکرہ ملتا ہے:

- 1- تولد بنت منظور بن زیاد فزاری: ان سے 2 فرزند متولد ہوئے، ایک کا نام »محمد الاکبر« ہے جس کی بنا پر ہی آپ کی کنیت »ابو محمد« ہے اور دوسرے فرزند »حسن شنی« کے نام سے موسوم ہیں جو روز عاشور کربلا میں زخمی ہوئے تھے۔
- 2- ام کلثوم بنت فضل بن عباس بن عبد المطلب: جن کے بطن سے 4 اولاد جس میں 3 بیٹے اور ایک بیٹی متولد ہوئیں جو »محمد الاصغر، جعفر، حمزہ« اور »فاطمہ« ہیں۔
- 3- ام بشیر بنت ابو مسعود عقبہ بن عمر انصاری خزرجی: ان سے 3 فرزند یعنی 1 بیٹا اور 2 بیٹی متولد ہوئے جن کے نام »زید« اور »ام الحسن و ام الخیر« ہیں۔
- 4- جدہ بنت اشعث بن قیس کنذی: اس ملعونہ نے امام کو زہر سے شہید کیا، ابو بکر کی بہن کی بیٹی یعنی بھانجی تھی نیز اشعث بن قیس کنذی رشتہ میں ابو بکر کے بہنوئی لگتے ہیں ان سے متولد ہونے والی اولاد 2 ہوتی ہیں جن کا نام »اسماعیل اور یعقوب« تھا۔
- 5- زینب بنت سہیل بن عبد اللہ۔ [108] ان کے بطن سے 1 بیٹا ہی متولد ہوا ہے جن کا نام »عبد اللہ الاصغر« تھا۔
- 6- ام اسحاق بنت طلحہ بن عبید اللہ تیمی: ان سے بھی 1 بیٹا ہی متولد ہوا ہے جن کا نام »طلحہ« رکھا گیا تھا۔

7- کنیز یعنی ام ولد بنام قبیلہ: اس کنیز سے 3 بیٹے «قاسم، عبد اللہ اور ابو بکر» [109] نامی متولد ہوئے ہیں نیز یہ تینوں ہی کربلا کے میدان میں امام حسینؑ کی تحریک عاشورا میں درجہ شہادت پر فائز ہوئے۔

8- کنیز یعنی ام ولد ظمیا: ان کے بطن سے بھی 3 اولاد یعنی 2 بیٹے اور 1 بیٹی متولد ہوتے ہیں جن کے نام «حسین الاثرم، عبد الرحمن» اور «ام سلمہ» ہیں۔

9- ایک کنیز یعنی ام ولد: ان کے بطن سے بھی 1 بیٹا ہی جن کا نام «عمرو» ہوتا ہے متولد ہوئے۔

10- ایک کنیز یعنی ام ولد بنام صافیہ: ان کے بطن سے بھی 1 بیٹی متولد ہوئی ہے جنہیں «ام عبد الرحمن یا ام عبد اللہ» کہا جاتا ہے اور یہی معظمہ امام محمد باقرؑ کی مادر گرامی ہیں۔

مذکورہ بالا دلائل کی روشنی میں ہمیں اولاد میں بیٹیوں کی تعداد 16 قرار پاتی ہے اور بیٹیوں کی تعداد 5 ہی افراد پر مشتمل اور 6 ازواج اور 4 کنیزیں یعنی ام ولد پر خاندان تشکیل پاتا ہے۔

بعض مورخین نے تو آنحضرتؐ کی ازواج میں «بند اور عائشہ ثعیمیہ» کے نام درج کیے ہیں ممکن ہے کہ آنحضرتؐ کی مزید زوجات بھی ہوں مگر تاریخ کی کتابوں میں بہت زیادہ تلاش و جستجو کے باوجود 18 ازواج سے زائد نام نہیں مل سکے۔

بعض ازواج کے نام تو کتابوں میں درج نہیں ہیں مگر صرف «فلاں قبیلہ» کی ایک خاتون کے عنوان سے تذکرہ ملتا ہے۔ ہم انہیں مختصراً ذیل میں تحریر کر رہے ہیں:

1- بند بنت عبد الرحمن بن ابی بکر [110]؛ یا حفصہ [111] 8- خولہ بنت منظور بن زیاد فزاری، حسن ثنی کی ماں 13- نفیلہ ام ولد یا رملہ، جناب قاسم بن حسن کی ماں ہیں۔ [118] ہیں۔ [124]

2- بنی ثقیف کے خاندان کی ایک خاتون [112]

9- ام اسحاق بنت طلحہ بن عبید اللہ تیمی [119] 14- زینب بنت سلج بن عبد اللہ [125][126]

3- قبیلہ بنی کلاب کی ایک خاتون

10- ام بشیر بنت ابو مسعود عقبہ بن عمر انصاری 15- عائشہ ثعیمیہ [127][128] خزرچی [120]

4- بند بنت سہیل بن عمرو [113]

16- ام رباب بنت امرء القیس بن عدی

11- جعدہ بنت اشعث بن قیس کنزی [121][122]

5- علقمہ بن زرارہ کے خاندان کی ایک خاتون۔ [114]

17- صافیہ، ام ولد

12- ام کلثوم بنت فضل بن عباس بن عبد المطلب [123]

6- قبیلہ عمرو بن ابراہیم یا اہم منقری کی ایک خاتون [115]

18- شہر بانو

7- قبیلہ بنی شیبان کے ہمام بن مرہ کی ایک خاتون [116][117]

دامادوں کی تعداد

امام حسنؑ کی ازواج کی تعداد تاریخ اور روایات کی کتابوں میں درج ذیل ہیں:

1- 70 بیویاں تھیں۔ [129] 2- 250 یا 300 ازواج تھیں۔ [130] 3- 90 زوجات تھیں۔ [131] 4- 50 بیویاں تھیں۔ [132]

اتنی بڑی تعداد میں ازواج کا تذکرہ کرنے کے باوجود کم از کم یہی مقام و محل ہے کہ ان کی بیٹیوں کی تعداد بھی 50 عدد تو ہونا ہی چاہیے اور اسی کے اعتبار سے دامادوں کے ناموں کا بھی تذکرہ ہونا ہی چاہیے تھا لیکن ہمیں کتابوں میں تلاش بسیار کے بعد صرف 3 دامادوں کا ہی تذکرہ نام بنام ملتا ہے جنہیں ہم ذیل میں رقم کر رہے ہیں:

1- ام عبد اللہ فاطمہ بنت حسنؑ کے شوہر امام زین العابدین 2- ام الحسن بنت حسنؑ کے شوہر عبد اللہ بن زبیر 3- ام سلمہ بنت حسنؑ کے شوہر عمرو بن منذر

ان بیویوں سے آٹھ لڑکے تھے، حسن خولہ بنت منظور کے بطن سے، زید ام بشیر بنت ابو مسعود انصاریؑ کے بطن سے اور عمر، قاسم، ابو بکر، عبد الرحمن، طلحہ اور عبید اللہ مختلف بیویوں سے تھے۔ ابن قتیبہ نے کل تعداد چھ لکھی ہے جن میں دو لڑکیاں بھی ہیں، ام حسن اور ام اسحق۔ [133] [134] [135] [136]

ذریعہ معاش

حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ساری عمر نہایت فراغت، بلکہ عیش کے ساتھ زندگی بسر کی حضرت عمرؓ نے جب صحابہ کرام کے وظائف مقرر کیے اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا پانچ ہزار ماہوار مقرر کیا، تو آپ کے ساتھ حضرت حسنؓ کا بھی جو اگرچہ اس زمرہ میں نہ آتے تھے رسول اللہ ﷺ کی قربت کے لحاظ سے پانچ ہزار ماہوار مقرر فرمایا جو انھیں برابر ملتا رہا، [137] حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں بھی یہ وظائف برابر جاری رہے، حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت علیؓ خود ہی خلیفہ مقرر ہوئے آپ کی شہادت کے بعد امیر معاویہؓ کے حق میں دست برداری کے وقت ہواز کا پورا خراج اپنے لیے مخصوص کرالیا تھا، اس لیے شروع سے آخر تک آپ نے بڑی راحت و آرام کی زندگی بسر فرمائی۔ [138]، [139]

فضل و کمال

آنحضرت ﷺ کی وفات کے وقت حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی عمر آٹھ سال سے زیادہ نہ تھی ظاہر ہے کہ اتنی سی عمر میں براہ راست فیضان نبوی سے زیادہ بہرہ یاب ہونے کا کیا موقع مل سکتا ہے تاہم آپ جس خانواده کے چشم و چراغ تھے اور جس باپ کے آغوش میں تربیت پائی تھی وہ علوم مذہبی کا سرچشمہ اور علم و حمل کا مجمع البحرین تھا اس لیے قدرۃ اس آفتاب علم کے پرتو سے حسنؓ بھی مستفید ہوئے؛ چنانچہ آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد مدینہ میں جو جماعت علم و افتاء کے منصب پر فائز تھی اس میں ایک آپ کی ذات گرامی بھی تھی البتہ آپ کے فتاویٰ کی تعداد بہت کم ہے۔ فضائل و مناقب: آپ کے فضل و کمال کے لیے یہی کافی ہے کہ آپ خاندان نبوت کے چشم و چراغ ہیں، شیر خدا اور سیدہ کائنات کے نور نظر ہیں اور نبوی تعلیم و تربیت نے آپ کے اخلاق و کردار اور شخصیت کو اس قدر نکھارا تھا کہ اس کی نظیر پیش نہیں کی جاسکتی۔ حدیث اور سیرت کی کتابوں میں ایسی روایات کثرت کے ساتھ موجود ہیں جن میں آپ کی عفت و رفعت جلی حروف میں ثبت ہے۔ کچھ روایات ذیل میں ملاحظہ ہوں:

آپ سے سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کہ محبت: حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے اور حسن کو گود میں لیتے اور یوں دعا کرتے "اے میرے اللہ بلاشبہ میں ان دونوں سے محبت کرتا ہوں، لہذا تو بھی انھیں محبوب رکھ۔" [140]

آپ سردار ہیں: حضرت ابو بکرہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر جلوہ افروز تھے جبکہ حسن آپ کے پہلو میں کھڑا تھا جو کبھی لوگوں کو دیکھتا اور کبھی آپ کو، اتنے میں رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "بے شک میرا یہ بیٹا سردار ہے، امید ہے کہ اللہ اس کے ذریعہ مسلمانوں کی دو جماعتوں کے درمیان صلح کرائے گا۔" [141]

شبہ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

1: حضرت عقبہ بن حارث رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حسن کو گود میں لے کر فرمایا "میرے والد کی قسم، یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہم شکل ہے، علی کا ہم شکل نہیں، یہ سن کر سینا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم مسکرائے لگے۔" [142]

2: امام زہری علیہ الرحمہ کہتے ہیں کہ مجھ سے حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا کہ حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ سے زیادہ کوئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشابہ نہ تھا۔ [143] منقول نام: حضرت مفضل فرماتے ہیں کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے حسن اور حسین کے ناموں کو پوشیدہ رکھا یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے فرزندوں کے وہ نام رکھے۔ [144]

کتنا اچھا سوار: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حسن کو اپنے مبارک کندھے پر لے کر باہر نکلے، یہ دیکھ کر ایک شخص نے کہا "اے لڑکے کتنی اچھی سواری ہے! تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "اور کتنا اچھا سوار ہے!" [145]

آپ جنتی نوجوانوں کے سردار: حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "حسن اور حسین جنتی نوجوانوں کے سردار ہیں" [146]

آپ رحمانۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم میں پیارے آقا حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ حسن اور حسین میرے دنیا کے دو پھول ہیں۔ [147]

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے محبوب ترین: حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے پوچھا گیا کہ یا رسول اللہ! آپ کے اہل بیت میں آپ کو سب سے زیادہ محبوب کون ہیں؟ پیارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "حسن اور حسین" اور سیدتنا فاطمہ رضی اللہ عنہا سے فرماتے کہ میرے دونوں صاحبزادوں کو بلا کر لاؤ پھر ان دونوں کو سونگھتے اور اپنے جسم اطہر سے چمٹا لیتے۔ [148] [149] [150] [151] [152] [153] [154]

حدیث

آپ کی مرویات کی تعداد کل تیرہ ہے اور ان میں سے بھی زیادہ تر حضرت علیؑ اور ہند سے مروی ہیں، [155] آپ کے زمرة رواۃ میں حضرت عائشہ صدیقہ، حسن بن حسن، عبد اللہ، ابو جعفر، جبیر بن نصیر، عکرمہ، محمد بن سیرین اور سفیان بن لیل وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ [156][157]

خطابت

مذہبی علوم کے علاوہ آپ رضی اللہ عنہ کو اس زمانہ کے مروجہ فنون میں بھی درک تھا خطابت اور شاعری اس زمانہ کے بڑے کمالات تھے، حضرت حسنؑ عرب کے اخطب الخطباء کے فرزند تھے، اس لیے خطابت آپ کو ورثے میں ملی تھی اور آپ میں بچپن ہی سے خطابت کا مادہ تھا، اس زمانہ میں ایک مرتبہ حضرت علیؑ نے آپ سے کہا کہ تم خطبہ دو، میں اس کو سنوں، حضرت حسنؑ نے کہا، آپ کے سامنے خطبہ دیتے ہوئے حجاب معلوم ہوتا ہے، یہ سن کر حضرت علیؑ آڑ میں چلے گئے اور حضرت حسنؑ نے کھڑے ہو کر نہایت فصیح و بلیغ خطبہ دیا، حضرت علیؑ نے سن کر فرمایا کیوں نہ ہو بیٹے میں باپ کا اثر ہوتا ہی ہے [158] خطابت کا یہ کمال عمر کے ساتھ ساتھ اور ترقی کرتا گیا اور آپ کے خطبات فصاحت و بلاغت کے ساتھ اخلاق و حکمت اور پند و موعظت کا دفتر ہیں، حضرت علیؑ کی وفات کے بعد آپ نے متعدد خطبات دیے ہیں ان میں سے ایک نمونہ نقل کیا جاتا ہے، اس سے آپ کی خطابت کا پورا اندازہ ہوگا۔ [159] فقال بعد حمد اللہ عز وجل: إنا والله ما شئنا عن أهل الشام شك ولا ندم، وإنا لكاننا نقاتل أهل الشام بالسلامة والصبر، فسلمت السلامة بالعبادة، والصبر بالجزع، وكنتم في منتهى علم إلى صفين ودينكم أمام دينكم، فأصبحتم اليوم ودينكم أمام دينكم، ألا وإنا لكم كما كنا، ولستم لنا كما كنتم، ألا وقد أصبحتم بين قتيلين: قتيل بصفين تبكون له، و قتيل بالنهوان تطلبون بثأره، فأما الباقي فخاذل، وأما الباقي فثائر، ألا وإن معاوية وعانا إلى أمر ليس فيه عز ولا نصف، فإن أردتم الموت ردناه عليه، وحاكمناه إلى الله عز وجل بطلب السيف، وإن أردتم الحياة قبلناه وأخذنا لكم الرضا [160] حمد الہی کے بعد آپ نے یہ تقریر کی کہ ہم کسی شک و شبہ یا شرم و ندامت کی وجہ سے شامیوں کے مقابل سے نہیں لوٹ آئے، بلکہ اس کا سبب یہ تھا کہ پہلے ہم شامیوں سے صاف دلی اور صبر کے ساتھ جنگ کرتے تھے، لیکن اب وہ حالت باقی نہیں رہی صاف دلی کی جگہ عداوت نے اور صبر و ثبات کی جگہ بے چینی نے لے لی، صفین میں جب تم لوگ بلائے گئے تھے تو تمہارا دین تمہاری دنیا پر مقدم تھا اور اب حالت اس کے برعکس ہے ہم اب بھی تمہارے لیے ویسے ہی ہیں جیسے پہلے تھے، لیکن تم ہمارے لیے ویسے نہیں رہے جیسے پہلے تھے، ہاں اب تمہارے سامنے دو قسم کے مقتول ہیں ایک صفین کے مقتول جن کے لیے تم رو رہے ہو دوسرے نہروان کے مقتول جن کا تم بدلہ لینا چاہتے ہو، لیکن رونے والا بدلہ پا گیا اور باقی ناکام رہے گا، معاویہ ہمیں ایسے امر کی طرف بلا رہے ہیں جو عزت اور انصاف دونوں کے خلاف ہے پس اب اس کا فیصلہ تمہاری رائے پر ہے اگر تم موت چاہتے ہو تو ہم اس کو معاویہ ہی کی طرف لوٹا دیں اور تلواروں کی دھار کے ذریعہ سے خدا سے اس کا فیصلہ چاہیں اور اگر تم زندگی چاہتے ہو تو ہم اسے بھی منظور کریں اور تمہارے لیے رضا حاصل کریں۔ [161][162][163][164][165]

شاعری

شعر و شاعری کا بھی آپ ستر مذاق رکھتے تھے اور خود بھی کبھی کبھی شعر کہتے تھے، لیکن جس میں مبالغہ اور خرافات کی بجائے اخلاقی اور حکیمانہ خیالات ہوتے، ابن رشیق نے کتاب العمہ میں آپ کا ایک شعر اس واقعہ کے ساتھ نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ آپ خضاب لگا کر باہر نکلے اور ارشاد فرمایا: [166] نسو داعلاها ونابی اصولها فليت الذی يسورمها هو الاصل شعر و شاعری کا بھی آپ ستر مذاق رکھتے تھے اور خود بھی کبھی کبھی شعر کہتے تھے، لیکن جس میں مبالغہ اور خرافات کی بجائے اخلاقی اور حکیمانہ خیالات ہوتے، ابن رشیق نے کتاب العمہ میں آپ کا ایک شعر اس واقعہ کے ساتھ نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ آپ خضاب لگا کر باہر نکلے اور ارشاد فرمایا: [167][168][169]

حکیمانہ اقوال

ان کے علاوہ تاریخوں میں بکثرت آپ کے حکیمانہ مقولے ملتے ہیں جن میں ہر مقولہ بجائے خود دفتر نکات ہے ان میں سے بعض مقولے یہاں پر نقل کیے جاتے ہیں ایک شخص نے آپ سے سوال کیا کہ زندگی بسر کرنے کے اعتبار سے سب سے اچھی زندگی کون بسر کرتا ہے؟ فرمایا جو اپنی زندگی میں دوسروں کو بھی شریک کرے، پھر پوچھا سب سے بری زندگی کس کی ہے؟ فرمایا جس کے ساتھ کوئی دوسرا زندگی نہ بسر کر سکے، فرماتے تھے کہ ضرورت کا پورا نہ ہونا اس سے کہیں بہتر ہے کہ اس کے لیے کسی نااہل کی طرف رجوع کیا جائے، ایک شخص نے آپ سے کہا مجھ کو موت سے بہت ڈر معلوم ہوتا ہے فرمایا اس لیے کہ تم نے اپنا مال پیچھے چھوڑ دیا اگر اس کو آگے بھیج دیا ہوتا تو اس تک پہنچنے کے لیے خوفزدہ ہونے کی بجائے مسرور ہوتے، فرماتے تھے کہ "مکارم اخلاق دس

ہیں، زبان کی سچائی، جنگ کے وقت حملہ کی شدت، سائل کو دینا، حسن خلق، احسان کا بدلہ دینا، صلہ رحم، پڑوسی کی حفاظت و حملیت، حق دار کی حق شناسی، مہمان نوازی اور ان سب سے بڑھ کر شرم و حیا، امیر معاویہؓ اکثر آپ سے اخلاقی اصطلاحوں کی تشریح کراتے تھے اور حکومت کے بارہ میں مشورہ لیا کرتے تھے، ایک مرتبہ ان سے کہا ابو محمد! آج تک مجھ سے تین باتوں کے معنی کسی نے نہیں بتائے، آپ نے فرمایا کونسی باتیں، معاویہؓ نے کہا مروت، کرم اور بہادری، آپ نے جواب دیا مروت کہتے ہیں انسان کو اپنے مذہب کی اصلاح کرنا اپنے مال کی دیکھ بھال اور نگرانی کرنا اور اسے بر محل صرف کرنا، سلام زیادہ کرنا، لوگوں میں محبوبیت حاصل کرنا اور کرم کہتے ہیں مانگنے سے پہلے دینا، احسان و سلوک کرنا، بر محل کھلانا پلانا، بہادری کہتے ہیں پڑوسی کی طرف سے مدافعت کرنا، آزے وقتوں میں اس کی حملیت و امداد کرنا اور مصیبت کے وقت صبر کرنا، اسی طریقہ سے ایک مرتبہ امیر معاویہؓ نے ان سے پوچھا کہ حکومت میں ہم پر کیا فرائض ہیں، فرمایا جو سلیمان بن داؤد نے بتائے ہیں، امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کیا بتائے ہیں، فرمایا انھوں نے اپنے ایک ساتھی سے کہا کہ تم کو معلوم ہے بادشاہ پر ملک داری کے کیا فرائض ہیں جس سے اس کو نقصان نہ پہنچے، ظاہر و باطن میں خدا کا خوف کرے، غصہ اور خوشی دونوں میں عدل و انصاف کرے، فقر اور دولت مندی دونوں حالتوں میں میانہ روی قائم رکھے، زبردستی نہ کسی کا مال غصب کرے اور نہ اس کو بے جا صرف کرے، جب تک وہ ان چیزوں پر عمل کرتا رہے گا اس وقت تک اس کو دنیا میں کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا۔ [170][171]

اخلاق و عادات

شعبہ رسول حضرت حسنؓ کا لقب تھا یہ مشاہرت محض ظاہری اعضا و جوارح تک محدود نہ تھی؛ بلکہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ذات باطنی اور معنوی لحاظ سے بھی اسوۂ نبوی ﷺ کا نمونہ تھی، یوں تو آپ تمام مکام اخلاق کا پیکر مجسم تھے؛ لیکن زہد ورع دنیاوی جاہ و چشم سے بے نیازی اور بے تعلقی آپ کا ایسا خاص اور امتیازی وصف تھا جس میں آپ کا کوئی حریف نہیں۔ [172]

استغناء و بے نیازی

درحقیقت جس استغناء اور بے نیازی کا ظہور آپ کی ذات گرامی سے ہوا وہ نوع انسانی کے لیے ایک معجزہ ہے عموماً قصر سلطنت کی تعمیر انسانی خون سے ہوتی ہے، لیکن حضرت حسنؓ نے ایک ملتی ہوئی عظیم الشان سلطنت کو محض چند انسانوں کے خون کی خاطر چھوڑ دیا غالباً تاریخ ایسی مثالیں کم پیش کر سکتی ہے، اگر شیخین کے بعد کی اسلامی تاریخ پر نظر ڈالی جائے تو اس کا صفحہ صفحہ مسلمانوں کے خون سے رنگین نظر آئے گا اور ابھی تک عرب کی زمین مسلمانوں کا خون چاہتی تھی؛ لیکن یہ فقر صرف حضرت حسنؓ کی ذات کے لیے مقدر ہو چکا تھا کہ وہ سلطنت و حکومت کو ٹھکرا کر امت مسلمہ کو تباہی سے بچائیں اور آنحضرت ﷺ کی اس پیشین گوئی کو پورا فرمائیں گے، "ان ابی ہذا سید یصلح اللہ بہ بین فتنین عظیمین من المسلمین" میرا یہ لڑکا سید ہے اور خدا اس کے ذریعہ سے مسلمانوں کے دو بڑے گروہوں میں صلح کرائے گا یا الخلافۃ بعدی ثلثون میرے بعد خلافت تیس برس تک رہے گی، حساب سے یہ مدت ٹھیک حضرت حسنؓ کی دست برداری کے وقت پوری ہوتی ہے۔ [173][174]

خلافت کیوں چھوڑی؟

بعض ظاہر بینوں کو یہ غلط فہمی پیدا ہوتی ہے کہ حضرت حسنؓ نے اپنی فوج کی کمزوری سے مجبور ہو کر امیر معاویہؓ سے صلح کر لی اور کچھ واقعات بھی اس خیال کی تائید میں مل جاتے ہیں، لیکن واقعہ یہ ہے کہ آپ نے یہ جلیل القدر منصب محض مسلمانوں کی خونریزی سے بچنے کے لیے ترک نہیں کیا، گویہ صحیح ہے جس فوج کو لے کر آپ مقابلہ کے لیے نکلے تھے، اس میں کچھ منافق بھی تھے، جنھوں نے عین موقع پر کمزوری دکھائی مگر اس فوج میں بہت سے خارجی العقیدہ بھی تھے، جو آپ کی حملت میں امیر معاویہؓ سے لڑنا فرض عین سمجھتے تھے؛ چنانچہ جب انھوں نے مصالحت کا رنگ دیکھا تو آپ کی تکفیر کرنے لگے۔ [175] خود عراق میں چالیس بیالیس ہزار کوئی جنھوں نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی آپ کے ایک اشارہ پر سر کٹانے کے لیے تیار تھے [176] عراق تو عراق سارا عرب آپ کے قبضہ میں تھا، مصالحت وغیرہ کے بعد ایک مرتبہ بعض لوگوں نے آپ کو خلافت کی خواہش سے مستم کیا، آپ نے فرمایا کہ عرب کے سر میرے قبضہ میں تھے جس سے میں صلح کرتا اس سے وہ بھی کرتے اور جس سے میں جنگ کرتا اس سے وہ لڑتے؛ لیکن اس کے باوجود میں نے خلافت کو خالصۃً للہ اور امت محمدی کی خونریزی سے بچنے کے لیے چھوڑا۔ [177] خود آپ کی فوج میں ان چند منافقوں کے علاوہ جنھوں نے بعض مخفی اثرات سے عین وقت پر دھوکا دیا تھا، باقی پوری فوج کٹنے مرنے پر آمادہ تھی، ابو عریق راوی ہیں کہ ہم بارہ ہزار آدمی حضرت حسنؓ کے مقدمۃ الجیش میں کٹنے اور مرنے کے لیے تیار تھے اور شامیوں کی خون آشامی کے لیے ہماری تلواروں کی دھاروں سے خون ٹپک رہا تھا، جب ہم لوگوں کو صلح کی خبر معلوم ہوئی تو شدت غضب و رنج سے معلوم ہوتا تھا کہ ہماری کمر ٹوٹ گئی، صلح کے بعد جب حسنؓ کوفہ آئے تو ہماری جماعت کے ایک شخص ابو عامر سفیان نے غصہ میں کہا "السلام علیک یا مدلل المؤمنین" مسلمانوں کے رسوا کرنے والے السلام علیک، اس طنزیہ اور گستاخانہ سلام پر اس صبر و تحمل کے پیکر نے جواب دیا، ابو عامر

ایسا نہ کہو میں نے مسلمانوں کو رسوا نہیں کیا البتہ ملک گیری کی ہوس میں مسلمانوں کی خونریزی پسند نہیں کی۔^[178] امام نووی لکھتے ہیں کہ چالیس ہزار سے زیادہ آدمیوں نے حسنؓ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی اور وہ سات مہینہ حجاز، یمن، عراق اور خراسان وغیرہ پر حکمران رہے اس کے بعد معاویہؓ شام سے ان کے مقابلہ کو نکلے جب دونوں قریب ہوئے تو حضرت حسنؓ کو اندازہ ہوا کہ جب تک مسلمانوں کی بہت بڑی تعداد کام نہ آجائے گی اس وقت تک کسی فریق کا غلبہ پانا مشکل ہے، اس لیے چند شرائط پر آپ امیر معاویہؓ کے حق میں دست بردار ہو گئے اور اس طرح رسول اللہ ﷺ کا یہ معجزہ ظاہر ہو گیا کہ میرا یہ لڑکا سید ہے اور خدا اس کے ذریعہ سے مسلمانوں کے دوسرے فرقوں میں صلح کرائے گا۔ شیعان علیؓ اس صلح کو جس نظر سے دیکھتے تھے اور اس کے بارے میں ان کے جو جذبات تھے ان کا اندازہ ان خطابات سے ہو سکتا ہے جس سے وہ اس سردارِ غلہ برین کو مخاطب کرتے تھے "ذل المؤمنین" مسلمانوں کو رسوا کرنے والے "مسود وجہ المسلمین" مسلمانوں کو روسیاء کرنے والے، "عارالمؤمنین" ننگ المسلمین یہ وہ خطابات تھے جن سے حضرت حسنؓ کو خطاب کیا جاتا تھا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عام لوگ صلح اور دستبرداری کو کس درجہ ناپسند کرتے تھے۔ واقعہ یہ ہے کہ حضرت حسنؓ ایسے امن پسند، صلح جو نرم خوتھے کہ انھوں نے اول یوم ہی سے ارادہ کر لیا تھا کہ اگر بلا کسی خونریزی کے انھیں ان کی جگہ مل گئی تو لے لیں گے ورنہ اس کے لیے مسلمانوں کا خون نہ بہائیں گے، طبری کا بیان ہے کہ حسنؓ کے ساتھ چالیس ہزار آدمی تھے، لیکن آپ جنگ کرنا نہیں چاہتے تھے بلکہ آپ کا خیال تھا کہ امیر معاویہؓ سے کچھ مقرر کرا کے دستبردار ہو جائیں۔ چنانچہ جس وقت آپ نے عراقیوں سے بیعت لی تھی، اسی وقت اس عزم کو اشارۃ ظاہر فرمادیا تھا، زہری لکھتے ہیں کہ امام حسنؓ نے اہل عراق سے بیعت لیتے وقت یہ شرط کر لی تھی کہ تم کو پورے طور سے میری اطاعت کرنی ہوگی، یعنی جس سے میں لڑوں گا اس سے لڑنا ہوگا اور جس سے صلح کروں گا اس سے صلح کرنی پڑیگی اس شرط سے عراقی اسی وقت کھنگ گئے تھے کہ آپ آئندہ جنگ و جدال ختم کر دیں گے چنانچہ اسی وقت ان لوگوں نے آپس میں کہا تھا کہ ہمارے خیال کے آدمی نہیں اور لڑنا نہیں چاہتے، اس کے چند روز بعد آپ کو زخمی کر دیا گیا۔ حضرت حسنؓ نے اپنے گھر والوں پر بھی یہ خیال ظاہر فرما دیا تھا، ابن جعفر کا بیان ہے کہ صلح کے قبل میں ایک دن حسنؓ کے پاس بیٹھا تھا جب چلنے کا ارادہ سے اٹھا تو انھوں نے میرا دامن پھینچ کر بٹھا لیا، اور کہا میں نے ایک رائے قائم کی ہے امید ہے کہ تم بھی اس سے اتفاق کرو گے، ابن جعفر نے پوچھا کونسی رائے ہے؟ فرمایا میں خلافت سے دستبردار ہو کر مدینہ جانا چاہتا ہوں کیونکہ فتنہ برابر برھتا جاتا ہے، خون کی ندیاں بہہ چکی ہیں، عزیز کو عزیز کا پاس نہیں ہے، قطع رحم کی گرم بازاری ہے، راستے خطرناک ہو رہے ہیں، سرحدیں بے کار ہو گئی ہیں، ابن جعفرؓ نے جواب دیا، خدا آپ کو امت محمدی کی خیر خواہی کے صلح میں جزائے خیر دے، اس کے بعد آپ نے حسینؓ کے سامنے یہ رائے ظاہر کی، انھوں نے کہا، خدا را علیؓ کو قبر میں بھٹلا کر معاویہؓ کی سچائی کا اعتراف نہ کیجئے، آپ نے یہ سن کر حسینؓ کو ڈانٹا کہ تم شروع سے آخر تک برابر میری ہر رائے کی مخالفت کرتے چلے آ رہے ہو، خدا کی قسم میں طے کر چکا ہوں کہ تم کو فاطمہؓ کے گھر میں بند کر کے اپنا ارادہ پورا کروں گا، حسینؓ نے بھائی کا لہجہ درشت دیکھا تو عرض کیا آپ علیؓ کی اولاد اکبر اور میرے خلیفہ ہیں، جو رائے آپ کی ہوگی وہی میری ہوگی، جیسا مناسب فرمائے کیجئے اس کے بعد آپ نے دستبرداری کا اعلان کیا۔^[179] ان واقعات سے معلوم ہو گیا ہوگا کہ خلافت سے دستبرداری میں فوج کی کمزوری وغیرہ کا چنداں سوال نہ تھا؛ بلکہ آپ کو اس کا یقین ہو گیا تھا کہ بغیر ہزاروں مسلمانوں کے خاک و خون میں تڑپے ہوئے کوئی فیصلہ نہیں ہو سکتا اور جنگ جمل سے لے کر برابر مسلمانوں کے خون کی ندیاں بہتی چلی آ رہی ہیں، اس لیے آپ نے اسے روکنے کے لیے خلافت کو خیر باد کہہ کر مدینہ کی عزت لیشینی اختیار فرمائی: فجزاہ اللہ عن المسلمین خیر الجزاء^{[180][181][182][183]}

اصلاح عقائد

ذہب کی بنیاد صحت عقائد پر ہے، اس میں فتور پیدا ہونے سے مذہب کی پوری عمارت متزلزل ہو جاتی ہے، حضرت حسنؓ کو عقیدہ کی درستی اور اس کی اصلاح کا ہمیشہ خیال رہا اس بارہ میں آپ نہایت سختی سے کام لیتے تھے شیعان علیؓ میں ایک جماعت کا عقیدہ تھا کہ حضرت علیؓ نے عام انسانوں کی طرح وفات نہیں پائی، اور وہ قیامت سے پہلے ہی زندہ ہو جائیں گے، حضرت حسنؓ کو اس کی اطلاع ہوئی تو فرمایا، یہ لوگ جھوٹے ہیں، خدا کی قسم ایسے لوگ کبھی شیعہ نہیں ہو سکتے اگر ہم کو یقین ہوتا کہ آپ عنقریب ظاہر ہوں گے تو نہ ان کی میراث تقسیم کرتے نہ ان کی عورتوں کا عقد ثانی کرتے۔^{[184][185][186]}

عبادت

عبادت الہی آپ کا محبوب ترین مشغلہ تھا اور وقت کا بڑا حصہ آپ اس میں صرف فرماتے تھے۔ امیر معاویہؓ نے ایک شخص سے آپ کے حالات دریافت کیے اس نے بتایا کہ فجر کی نماز کے بعد سے طلوع آفتاب تک مصلیٰ پر بیٹھے رہتے ہیں، پھر ٹیک لگا کر بیٹھ جاتے ہیں اور آنے جانے والوں سے ملتے ہیں دن چڑھے چاشت پڑھ کر امہات المؤمنین کے پاس سلام کرنے کو جاتے ہیں، پھر گھر ہو کر مسجد چلے آتے ہیں۔^[187] مکہ کے زمانہ قیام میں معمول تھا کہ عصر کی نماز خانہ کعبہ میں باجماعت ادا کرتے تھے نماز کے بعد طواف میں مشغول ہو جاتے، ابو سعید راوی ہیں کہ حسنؓ و حسینؓ نے امام کے ساتھ نماز پڑھی، پھر حجر اسود کو بوسہ دے کر طواف کے سات پھیرے کیے اور دو رکعت نماز پڑھی لوگوں کو جب معلوم ہوا کہ دونوں خالوادہ نبوی کے چشم و چراغ ہیں تو شائقانِ جمال چاروں طرف سے پروانہ وار لوٹ پڑے اور بھیڑ کی وجہ سے راستہ رک گیا حضرت حسینؓ اس ہجوم میں گھر گئے، حضرت حسنؓ نے ایک، کافنی کی مدد سے انھیں ہجوم

سے چھڑایا، ایک تختی پر سورہ کشف لکھوائی تھی روزانہ سوتے وقت اسے تلاوت فرماتے اور بیویوں کے پاس ساتھ لے جاتے۔ [188] ہر طرح کی سواہیاں رکھتے ہوئے پاپیادہ حج کرتے تھے امام نووی لکھتے ہیں کہ امام حسنؓ نے متعدد حج پاپیادہ کیے، فرماتے تھے کہ مجھے خدا سے حجاب معلوم ہوتا ہے کہ اس سے ملوں اور اس کے گھر پاپیادہ نہ گیا ہوں۔ [189][190][191]

صدقات و خیرات

صدقہ و خیرات اور فیاضی و سیر چشمی آپ کا خاندانی وصف تھا لیکن جس فیاضی سے آپ خدا کی راہ میں اپنی دولت اور مال و متاع لٹاتے تھے اس کی مثالیں کم ملیں گی، تین مرتبہ اپنے کل مال کا آدھا حصہ خدا کی راہ میں دے دیا اور تنصیف میں اتنی شدت کی کہ دو جوتوں میں سے ایک جوتا بھی خیرات کر دیا۔ [192] ایک مرتبہ ایک شخص بیٹھا ہوا دس ہزار درہم کے لیے دعا کر رہا تھا، آپ نے سن لیا گھر جاکر اس کے پاس دس ہزار نقد بھجوا دیے [193] آپ کی اس فیاضی سے دوست و دشمن یکساں فائدہ اٹھاتے تھے، ایک مرتبہ ایک شخص مدینہ آیا، یہ حضرت علیؓ کا دشمن تھا اس کے پاس زاد راہ اور سواری نہ تھی، اس نے مدینہ والوں سے سوال کیا کسی نے کہا یہاں حسنؓ سے بڑھ کر کوئی فیاض نہیں ان کے پاس جاؤ پچنانچہ وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا آپ نے سواری اور زاد راہ دونوں کا انتظام کرا دیا لوگوں نے اعتراض کیا کہ آپ نے ایسے شخص کے ساتھ کیوں سلوک کیا جو آپ اور آپ کے والد بزرگوار دونوں سے بغض رکھتا ہے فرمایا کیا اپنی آبرو نہ بچاؤں۔ [194] لیکن آپ کی دولت سے وہی لوگ متمتع ہوتے تھے جو درحقیقت اس کے مستحق ہوتے ایک مرتبہ آپ نے ایک بڑی رقم فقرا اور مساکین کے لیے جمع کی، حضرت علیؓ نے اس کی تقسیم کا اعلان کر دیا لوگ سمجھے کہ اعلان صلائے عام ہے، اس لیے جوق درجوق جمع ہونے لگے، آدمیوں یہ بھیڑ دیکھ کر حضرت حسنؓ نے اعلان کیا کہ یہ رقم صرف فقراء و مساکین کے لیے ہے اس اعلان پر تقریباً آدھے آدمی چھٹ گئے اور سب سے پہلی اشعث بن قیس نے حصہ پایا۔ [195][196][197]

خوش خلقی

اس فیاضی کے ساتھ آپ حد درجہ خوش خلق بھی تھے، اپنا کام چھوڑ کر دوسروں کی حاجت پوری فرماتے تھے، ایک مرتبہ ایک شخص حضرت حسینؓ کے پاس اپنی کوئی ضرورت لے کر گیا، آپ معتلف تھے، اس لیے معذرت کر دی، یہاں سے جواب پا کر وہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے پاس آیا، آپ بھی متعطف تھے مگر اعتکاف سے نکل کر اس کی حاجت پوری کر دی، لوگوں نے کہا حسینؓ نے تو اس شخص سے اعتکاف کا عذر کیا تھا فرمایا خدا کی راہ میں کسی بھائی کی حاجت پوری کر دینا میرے نزدیک ایک مہینہ کے اعتکاف سے بہتر ہے۔ [198] ایک دن آپ طواف کر رہے تھے، اسی حالت میں ایک شخص نے آپ کو اپنی کسی ضرورت کے لیے ساتھ لیجانا چاہا، آپ طواف چھوڑ کر اس کے ساتھ ہو گئے اور جب اس کی ضرورت پوری کر کے واپس ہوئے تو کسی حاسد نے اعتراض کیا کہ آپ طواف چھوڑ کر اس کے ساتھ چلے گئے؟ فرمایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے کہ جو شخص اپنے مسلمان بھائی کی ضرورت پوری کرنے کے لیے جاتا ہے اور اس کی ضرورت پوری ہو جاتی ہے تو جانے والے کو ایک حج اور ایک عمرہ کا ثواب ملتا ہے اور اگر نہیں پوری ہوتی تو بھی ایک عمرہ کا ایسی صورت میں کسی طرح نہ جاتا، میں نے طواف کی بجائے پورے ایک حج اور ایک عمرہ کا ثواب حاصل کیا اور پھر واپس ہو کر طواف بھی پورا کیا۔ [199]

[200]

ضبط و تحمل

آنحضرت ﷺ نے ایک موقع پر ارشاد فرمایا تھا کہ "حسنؓ کو میرا علم اور میری صورت ملی ہے، حضرت حسنؓ کی ذات اس ارشاد گرامی کی مجسم تصدیق تھی جو دستبرداری کے حالات میں اوپر گزر چکا ہے کہ ناآشنا نے حقیقت آپ کو کن کن نازیبا کلمات سے خطاب کرتے تھے کوئی مذلل المومنین "کوئی" مسود و جودہ المومنین "کوئی" عار المومنین "کہتا لیکن اس پیکر علم کی جبین پر شکن نہ پڑتی اور نہایت نرمی سے جواب دیتا کہ میں ایسا نہیں ہوں، البتہ ملک کی طمع میں مسلمانوں کی خونریزی نہیں پسند کی۔ مروان جمعہ کے دن منبر پر چڑھ کر برسر عام حضرت علیؓ پر شب و شتم کرتا تھا، حضرت حسنؓ اس کی گستاخیوں کو اپنے کانوں سے سنتے اور خاموشی کے سوا کوئی جواب نہ دیتے، ایک مرتبہ اس نے ایک شخص کو زبانی نہایت فحش باتیں کہلا بھیجیں، آپ نے سن کر صرف اس قدر جواب دیا کہ اس سے کہہ دینا کہ خدا کی قسم میں تم کو گالی دے کر تم پر سے دشنام دہی کا داغ نہ مٹاؤں گا، ایک دن ہم تم دونوں خدا کے حضور میں حاضر ہوں گے، اگر تم سچے ہو تو خدا تمہیں تمہاری سچائی کا بدلہ دیگا، اور اگر جھوٹے ہو تو وہ بڑا منتقم ہے، ایک مرتبہ حضرت حسنؓ اور مروان میں کچھ گفتگو ہو رہی تھی، مروان نے زور و نہایت درشت کلمات استعمال کیے؛ لیکن آپ سن کر خاموشی سے پی گئے۔ اس غیر معمولی ضبط و تحمل سے مروان جیسے شقی اور سنگدل پر بھی اثر تھا پچنانچہ آپ کی وفات کے بعد آپ کے جنازہ پر روتا تھا، حضرت حسینؓ نے کہا اب کیوں روتے ہو، تم نے ان کے ساتھ کیا کیا نہ کیا اس نے پہاڑ کی طرف اشارہ کر کے کہا میں نے جو کچھ کیا وہ اس سے زیادہ حلیم و بردبار کے ساتھ کیا۔ [201] آپ کی زبان کبھی کسی تلخ اور فحش کلمہ سے آلودہ نہیں

ہوئی، انتہائی غصہ کی حالت میں بھی وہ "رغف انفہ" یعنی تیری ناک خاک آلود ہو، اس سے زیادہ نہ کہتے تھے جو عربی زبان میں بہت معمولی بات ہے، امیر معاویہؓ کا بیان ہے کہ حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سب سے زیادہ سخت کلامی کا نمونہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ ان میں اور عمرو بن عثمانؓ میں ایک زمین کے بارہ میں جھگڑا ہو گیا، انھوں نے ایک مفاہمت کی صورت پیش کی، مگر عمرو اس پر رضا مند نہ ہوئے، ان کے انکار پر حسنؓ کو غصہ آگیا اور انھوں نے جھلا کر کہا "لیس لہ عننا الامار غف انفہ"۔ [202][203]

کتاب الفضائل

یوں تو حضرت حسنینؓ کی ذات گرامی مجمع الفضائل تھی، لیکن آنحضرتؐ کی غیر معمولی محبت و شفقت آپ کی فضیلت کا نمایاں باب ہے، کتب احادیث و سیر کے ابواب الفضائل ان دونوں کے فضائل سے بھرے ہوئے ہیں، ان میں سے کچھ فضائل نقل کیے جاتے ہیں، پچنانچہ آنحضرتؐ کو دونوں بھائیوں کے ساتھ یکساں محبت تھی، اس لیے بعض امتیازی اور انفرادی فضائل کے علاوہ عموماً اور بیشتر دونوں کے فضائل اس طرح مشترک ہیں کہ ان دونوں کا جدا کر کے لکھنا مشکل ہے، اس لیے دونوں کے فضائل لکھ دیے جاتے ہیں۔ آنحضرتؐ کو اپنے تمام اہل بیت میں حضرت حسنینؓ سے بہت زیادہ محبت تھی، حضرت انسؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہؐ فرماتے تھے کہ اہل بیت میں مجھ کو حسنؓ و حسینؓ سب سے زیادہ محبوب ہیں۔ [204] آپ خدا سے بھی اپنے ان محبوبوں کے ساتھ محبت کرنے کی دعا فرماتے تھے، حضرت ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں رسول اللہؐ کے ساتھ قیبتاق کے بازار سے لوٹا تو آپ فاطمہ کے گھر تشریف لے گئے اور پوچھا، بچے کہاں ہیں؟ تھوڑی دیر میں دونوں دوڑتے ہوئے آئے اور رسول اللہؐ سے چمٹ گئے آپ نے فرمایا، خدایا میں ان کو محبوب رکھتا ہوں اس لیے تو بھی انھیں محبوب رکھ اور ان کے محبوب رکھنے والے کو بھی محبوب رکھ۔ [205] دوسری روایت میں ان کا بیان ہے کہ اس شخص (حسنؓ) کو اس وقت سے میں محبوب رکھتا ہوں، جب سے میں نے ان کو رسول اللہؐ کی گود میں دیکھا، یہ ریش مبارک میں انگلیاں ڈال رہے تھے اور رسول اللہؐ اپنی زبان ان کے منہ میں دے کر فرماتے تھے کہ خدایا میں ان کو محبوب رکھتا ہوں، اس لیے تو بھی محبوب رکھ۔ [206] عبادت کے موقع پر بھی حسنؓ و حسینؓ کو دیکھ کر ضبط نہ کر سکتے تھے، ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہؐ ہم لوگوں کے سامنے خطبہ دے رہے تھے کہ اتنے میں حسنؓ و حسینؓ سرخ مہمیں پہنے ہوئے خراماں خراماں آتے ہوئے دکھائی دیے انھیں دیکھ کر رسول اللہؐ منبر سے اتر آئے اور دونوں کو اٹھا کر اپنے سامنے بٹھا لیا اور فرمایا خدا نے سچ کہا ہے کہ تمہارا مال اور تمہاری اولاد فتنہ ہیں، ان دونوں بچوں کو خراماں خراماں آتے ہوئے دیکھ کر میں ضبط نہ کر سکا اور خطبہ توڑ کر ان کو اٹھا لیا۔ [207] حسنؓ و حسینؓ نماز پڑھنے کی حالت میں آپ کے ساتھ طفلانہ شوخیاں کرتے تھے، لیکن آپ نہ انھیں روکتے تھے اور نہ ان کی شوخیوں پر خفا ہوتے تھے، بلکہ ان کی طفلانہ اداؤں کو پورا کرنے میں امداد دیتے تھے، آنحضرتؐ نماز پڑھتے وقت رکوع میں جاتے تو حسنؓ و حسینؓ دونوں ٹانگوں کے اندر گھس جاتے آپ ان دونوں کے نکلنے کے لیے ٹانگیں پھیلا کر راستہ بنا دیتے [208] آپ سجدہ میں ہوتے تو دونوں جست کر کے پشت مبارک پر بیٹھ جاتے، آپ اس وقت تک سجدہ سے سر نہ اٹھاتے جب تک دونوں خود سے نہ اتر جائے۔ [209] دوش مبارک پر سوار کر کے کھلانے کے لیے نکلتے، ایک مرتبہ آپ حسنؓ کو کندھے پر لے کر نکلے، ایک شخص نے دیکھ کر کہا، میاں صاحبزادے کیا اچھی سواری ہے، آنحضرتؐ نے فرمایا، سوار بھی تو کتنا اچھا ہے۔ [210] کبھی کبھی دونوں کو چادر میں چھپائے ہوئے باہر تشریف لاتے، اسامہ بن زید بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ شب کو میں رسول اللہؐ کے پاس ایک ضرورت سے گیا آپ کوئی چیز چادر میں چھپائے ہوئے تشریف لائے، میں اپنی ضرورت پوری کر چکا تو پوچھا آپ چادر میں کیا چھپائے ہیں؟ آپ نے چادر ہٹادی تو اس میں سے حسنؓ و حسینؓ برآمد ہوئے آپ نے فرمایا یہ دونوں میرے بچے اور میری لڑکی کے لڑکے ہیں خدایا میں ان دونوں کو محبوب رکھتا ہوں۔ نبوت کی حیثیت کو چھوڑ کر جہاں تک رسول اللہؐ کی بشری حیثیت کا تعلق ہے، حسنؓ و حسینؓ کی ذات گویا ذات محمدؐ کا جزو تھی، یعنی بن مرہ راوی ہیں کہ رسول اللہؐ نے فرمایا کہ حسینؓ مجھ سے ہیں اور میں حسینؓ سے ہوں، جو شخص حسینؓ کو دوست رکھتا ہے خدا اس کو دوست رکھتا ہے، حسینؓ اسباط کے ایک سبط ہیں۔ حسنؓ و حسینؓ کو آپ اپنے جنت کے گل خندان فرماتے تھے، ابن عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہؐ فرماتے تھے کہ حسنؓ و حسینؓ میرے جنت کے دو پھول ہیں۔ حسنؓ و حسینؓ نوجوانان جنت کے سردار ہیں، حذیفہ راوی ہیں کہ ایک مرتبہ میں نے رسول اللہؐ کے ساتھ مغرب اور عشا کی نماز پڑھی، عشا کی نماز کے بعد آنحضرتؐ تشریف لے چلے میں بھی پیچھے ہولیا، میری آواز سن کر آپ نے فرمایا، کون ہجرت! میں نے عرض کیا، جی، فرمایا خدا تمہاری اور تمہاری ماں کی مغفرت کرے، تمہاری کوئی ضرورت ہے، دیکھو ابھی یہ فرشتہ نازل ہوا ہے جو اس سے پہلے کبھی نہ آیا تھا، اس کو خدا نے اجازت دی ہے کہ وہ مجھے سلام کہے اور مجھے بشارت دے کہ فاطمہ سلام اللہ علیہا جنت کی عورتوں کی اور حسنؓ و حسینؓ رضی اللہ عنہما جنت کے نوجوانوں کے سردار ہیں۔ [211]، [212]

انفرادی فضائل

ان مشترک فضائل کے علاوہ حضرت حسنؓ کے کچھ امتیازی فضائل الگ ہیں، جو انھیں حضرت حسینؓ سے ممتاز کرتے ہیں، ان فضائل میں سب سے بڑی فضیلت یہ ہے کہ آنحضرتؐ نے ان کے متعلق پیش گوئی فرمائی تھی کہ میرا یہ بیٹا سید ہے، خدا اس کے ذریعہ سے مسلمانوں کے دو بڑے گروہوں میں صلح کرائے گا، امیر معاویہؓ سے صلح کے وقت حضرت حسنؓ نے اس پیشین گوئی کی عملی تصدیق فرمائی ایک موقع پر فرمایا کہ حسنؓ کو میرا علم عطا ہوا ہے۔

حوالہ جات

1. HathiTrust ID: <https://catalog.hathitrust.org/Record/102364629> — اخذ شدہ بتاریخ: 18 نومبر 2021
2. عنوان : Encyclopædia Britannica — دائرۃ المعارف بریطانیکا آن لائن آئی ڈی: <https://www.britannica.com/topic/Encyclopaedia-Britannica-English-language-reference-work/Eleventh-edition-and-its-supplements> — اخذ شدہ بتاریخ: 18 نومبر 2021
3. British Library system number: <https://explore.bl.uk/BLVU1:LSCOP-ALL:BLL01001068773> — اخذ شدہ بتاریخ: 18 نومبر 2021
4. <https://lcn.loc.gov/11027773> — اخذ شدہ بتاریخ: 18 نومبر 2021
5. او سی ایل سی کنٹرول نمبر: <https://search.worldcat.org/title/266598> — اخذ شدہ بتاریخ: 18 نومبر 2021

سانچے

اخذ کردہ از «https://ur.wikipedia.org/w/index.php?title=حسن_ابن_علی&oldid=10049582»

<https://ur.wikipedia.org/s/pom>

حسین بن علی بن ابی طالب (عربی: الْحُسَيْنَ ابْن عَلِيٍّ 10 جنوری 623 - 10 اکتوبر 680) محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نواسے اور علی ابن ابی طالب اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیٹی فاطمہ زہرا کے بیٹے تھے۔ وہ اسلام میں ایک اہم شخصیت ہیں کیوں کہ وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آل میں سے ہیں اور اہل تشیع کتب فکر میں تیسرے امام بھی سمجھے جاتے ہیں۔

'حسین بن علی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چھوٹے نواسے اور علی بن ابی طالب و فاطمہ زہرا کے چھوٹے بیٹے تھے۔ حسین' نام اور ابو عبد اللہ کنیت ہے۔ ان کے بارے میں محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ حُسَيْنٌ مِنِّي وَأَنَا مِنْ حُسَيْنٍ أَحَبَّ اللَّهُ مَنْ أَحَبَّ حُسَيْنًا حُسَيْنٌ سَبْطٌ مِنَ الْأَنْبِيَاءِ یعنی 'حسین مجھ سے ہیں اور میں حسین سے ہوں جو حسین سے محبت کرے اللہ اس سے محبت کر۔ حسین میرے الانبیاء میں سے ایک سَبْطٌ ہے' [4]

حسین بن علی بن ابی طالب (4-61 ھ) ابا عبد اللہ و سید الشهداء کے نام سے مشہور شیعوں کے تیسرے امام ہیں۔ دس سال منصب امامت پر فائز رہے اور واقعہ کربلا میں شہید ہوئے۔ آپ علی ابن ابی طالب اور فاطمہ زہرا کے دوسرے بیٹے اور پیغمبر اکرمؐ کے نواسے ہیں۔

شیعہ اور اہل سنت تاریخی مصادر کے مطابق پیغمبر خداؐ نے آپؑ کی ولادت کے دوران میں آپ کی شہادت کی خبر دی اور آپ کا نام حسین رکھا۔ رسول اللہ حسن بن علی اور حسین بن علی کو بہت چاہتے تھے اور ان سے محبت رکھنے کی سفارش بھی کرتے تھے۔ امام حسینؑ اصحاب کسا میں سے ہیں، مباہلہ میں بھی حاضر تھے اور اہل بیت پیغمبر میں سے ایک بھی ہیں جن کی شان میں آیہ تطہیر نازل ہوئی ہے۔ امام حسینؑ کی فضیلت میں آنحضرتؐ سے بہت ساری روایات بھی نقل ہوئی ہیں انہی میں سے یہ روایات بھی ہیں؛ «حسن اور حسین جنت کے جوانوں کے سردار ہیں» نیز «حسین چراغ ہدایت اور کشتی نجات ہے۔»

اپنی وفات سے قبل، اموی حکمران معاویہ نے حسن معاویہ معاہدے کے برخلاف اپنے بیٹے یزید کو اپنا جانشین مقرر کیا۔ [5] جب معاویہ 680ء میں فوت ہوئے تو، یزید نے مطالبہ کیا کہ حسین اس کی بیعت کریں۔ حسین نے یزید سے بیعت کرنے سے انکار کر دیا، حالانکہ اس کا مطلب اپنی جان کی قربانی دینا تھا۔ نتیجہ کے طور پر، انھوں نے 60 ہجری میں مکہ مکرمہ میں پناہ لینے کے لیے، اپنے آبائی شہر مدینہ پہنچوا دیا۔ [6] وہاں، کوفہ کے لوگوں نے ان کو خط بھیجا اور بیعت کا وعدہ کیا۔ چنانچہ اپنے رشتہ داروں اور پیروکاروں کے ایک چھوٹے سے قافلے کے ساتھ کچھ سازگار اشارے ملنے کے بعد، کوفہ کی طرف روانہ ہوئے [7] لیکن کربلا کے قریب انھیں یزید کی فوج نے روک لیا۔ یزید نے 10 اکتوبر 680 (10 محرم 61 ہجری) کو، کربلا کی لڑائی میں ان کے بیشتر اہل خانہ اور ساتھیوں سمیت، جس میں حسین کا چھ ماہ کا بیٹا، علی الاصغر، خواتین اور بچوں سمیت قتل کیا گیا تھا اور ان کا سر قلم کر دیا گیا تھا۔ [8][9][10]

اسلامی تقویم کے پہلے مہینے محرم کے دوران میں حسین اور اس کے بچوں، کنبہ اور ساتھیوں کی سالانہ یاد منائی جاتی ہے۔ جس دن انھیں شہید کیا گیا عاشورہ (محرم کی دسویں تاریخ، شیعہ مسلمانوں کے سوگ کا دن) کے نام سے جانا جاتا ہے)۔ حسین علیہ السلام کے اعمال کربلا بعد میں شیعہ تحریکوں کے لیے لہندہ بنے [10] حسین کی زندگی اور شہادت کا وقت انتہائی اہم تھا کیونکہ وہ ساتویں صدی کے سب سے مشکل دور میں تھے۔ اس وقت کے دوران میں، اموی مظالم زور پکڑ گئے تھے اور حسین اور اس کے

حسین بن علی

(عربی میں: **أبو عبد الله الحسين بن علي بن أبي طالب**)



معلومات شخصیت

9 جنوری 626ء

مدینہ منورہ

10 اکتوبر 680ء (54 سال)^[1]

کربلا

روضہ امام حسین

شمر بن ذی الجوشن

■ خلافت راشدہ

سلطنت امویہ

لیلئ بنت ابی مرہ

شہربانو

ام اسحاق بنت طلحہ

رباب بنت امرؤ القیس

عاتکہ بنت زید

زین العابدین^[2]، علی اکبر، علی

اصغر، رقیہ بنت حسین، فاطمہ

صغریٰ، سکینہ بنت حسین، صفیہ

بنت حسین

پیدائش

وفات

مدفن

قاتل

شہریت

زوجہ

اولاد

تواریوں نے جو موقف اختیار کیا، وہ مظالم اور ناانصافیوں کے خلاف آئندہ کی بغاوت کو متاثر کرنے والی مزاحمت کی علامت بن گیا۔ پوری تاریخ میں، نیلسن منڈیلا اور مہاتما گاندھی جیسی متعدد قابل ذکر شخصیات نے ظلم کے خلاف حسین کے موقف کو مثال کے طور پر پیش کیا ہے کہ وہ ناانصافی کے خلاف اپنے لڑائی لڑ رہے ہیں۔^[11]

حسین نے اپنی زندگی کے ابتدائی سات سال اپنے نانا، محمد کے ساتھ گزارے۔ محمد کے توالہ جات نقل کیے گئے ہیں جو حسین اور اس کے بھائی حسن مجتبیٰ میں اپنی دلچسپی ظاہر کرتے ہیں۔ جیسے: "حسن اور حسین جنت کے نوجوانوں کے مالک ہیں۔" حسین کے بچپن کا سب سے اہم واقعہ مباہلہ کی تقریب میں شرکت کرنا اور مباہلہ کی آیت میں "انہاءنا" کہلائے جانا ہے۔ علی ابن ابی طالب کی خلافت کے دوران میں، حسین اپنے والد کے نقش قدم پر تھے اور جنگوں میں ان کے ساتھ تھے۔ پھر، اس نے معاویہ کے ساتھ اپنے بھائی کے امن معاہدے پر قائم رہا اور معاویہ کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کی۔ تاہم، اس نے معاویہ کی جانب سے اسلام میں صلح نامہ اور مذاہب کے خلاف یزید کو ولی عہد کی حیثیت سے قبول کرنے کی درخواست پر غور کیا اور اسے قبول نہیں کیا۔

60ھ میں معاویہ کی موت کے بعد، انھوں نے یزید کے ساتھ بیعت کرنے سے گریز کیا اور اپنے اہل خانہ کے ساتھ مکہ چلے گئے اور چار ماہ تک وہیں مقیم رہے۔ کوفہ کے لوگ، جو زیادہ تر شیعہ تھے، معاویہ کی موت پر خوش تھے اور انھوں نے حسین کو ایک خط لکھا کہ وہ اب بنی امیہ کی حکومت کو برداشت نہیں کریں گے اور اس سے بیعت کریں گے۔ حسین نے اپنے کرن، مسلم بن عقیل کو بھی، وہاں اس صورت حال کی چھان بین کے لیے بھیجا۔ پھر، کوفہ کے نئے حکمران عبید اللہ ابن زیاد کے اقدامات کے نتیجے میں، لوگ خوفزدہ ہو گئے اور مسلم کو تنہا چھوڑ گئے۔ حسین، کوفہ میں ہونے والے واقعات سے بے خبر، اپنے دوستوں کے ایما پر ذوالحجہ 60ھ میں کوفہ کے لیے روانہ ہوئے، خدا نے وہ کیا کرنا چاہا۔ اس سڑک کے وسط میں، حرف ابن یزید یحییٰ کی سربراہی میں کوفہ کی سپاہ نے کوفہ جانے والے قافلے کا راستہ روک لیا اور اس کے نتیجے میں یہ قافلہ اپنے راستے سے ہٹ گیا اور سن 61 ہجری میں محرم کے دوسرے دن کو کربلا پہنچے۔ عمر بن سعد کی کمان میں محرم کے تیسرے دن سے فوجیں کوفہ سے اس علاقے میں داخل ہو گئیں۔ محرم کے دسویں دن کی صبح، عاشورہ، حسین نے اپنی فوج تیار کی اور گھوڑے پر سوار ہو کر ابن سعد کی فوج کو خطبہ دیا اور ان سے اپنا موقف بیان کیا۔ لیکن اسے دوبارہ بتایا گیا کہ اسے پہلے یزید کے سامنے ہتھیار ڈالنا ہوں گے۔ اس نے جواب دیا کہ وہ کبھی خود کو غلام کی حیثیت سے سرنڈر نہیں کرے گا۔ یوں، کربلا کی جنگ شروع ہوئی اور دونوں فریقوں کی ایک بڑی تعداد ہلاک ہو گئی۔ دوپہر کے بعد، حسین کی فوج کا بہت محاصرہ کیا گیا۔ اس کے سامنے حسین کے ساتھیوں اور کنبہ کے قتل کے ساتھ، وہ آخر کار تنہا رہ گیا اور اس کے سر اور بازو کو زخمی کر دیا اور اس کے پھرے کے بل زمین پر گر پڑے اور سنان ابن انس نخعی یا شمر بن ذی الجوشن نے ان کا سر کاٹ دیا۔ جنگ ختم ہوئی اور ابن زیاد کے سپاہیوں نے لوٹ مار کی۔ ابن سعد نے میدان جنگ چھوڑنے کے بعد، بنی اسد نے حسین اور دوسرے مقتول کو وہاں دفن کر دیا۔ حسین کا سر، دوسرے بنو ہاشم کے سروں کے ساتھ، قیروں کے ایک قافلے کے ساتھ کوفہ اور دمشق لے جایا گیا۔

تمام اسلامی مذاہب، بنو امیہ کے حامیوں کے علاوہ، حسین کو محمد کا نواسہ اور صحابی کہتے ہیں۔ شیعہ اسے ایک معصوم امام اور شہید سمجھتے ہیں۔ بہت سارے مسلمان خصوصاً شیعہ کربلا کی برسی پر سوگ مناتے ہیں۔ ان کے بقول، حسین کوئی من مانی باغی نہیں تھا جس نے ذاتی مفاد کے لیے اپنی اور اپنے اہل خانہ کی جان قربان کر دی۔ انھوں نے معاویہ کے ساتھ معاہدے کی خلاف ورزی نہیں کی بلکہ یزید سے بیعت کرنے سے انکار کر دیا۔ اپنے والد کی طرح، اس کا بھی ماننا تھا کہ خدا نے اہل بیت کو محمد کی قوم کی رہنمائی کے لیے منتخب کیا ہے۔ اور کوئی خطوط کی آمد کے ساتھ ہی اس نے اپنے چاہنے والوں کے مشورے کے برخلاف، فرض شناسی کا احساس محسوس کیا۔ تاہم، انھوں نے جان بوجھ کر شہادت کی تلاش نہیں کی۔ اور یہ واضح ہونے کے بعد کہ اسے کوفیوں کی حمایت حاصل نہیں ہے، اس نے عراق چھوڑنے کی پیش کش کی۔ مسلم ثقافتوں، خاص طور پر شیعہوں کے مشہور ثقافت، فن اور ادب میں، حسین اور اس کے ساتھیوں کی زندگی اور قتل عام کے بارے میں بہت سارے کام ہیں۔

اسلام میں، اس دن کو (محرم کے مہینے کی 10 تاریخ) بہت ہی مقدس سمجھا جاتا ہے اور ایران، عراق، پاکستان، ہندوستان، بحرین، جمیکا سمیت بہت سے ممالک میں اس دن سرکاری تعطیلات دی جاتی ہیں۔

والد

والدہ

بہن/بھائی

علی بن ابی طالب

فاطمۃ الزہرا

ام کلثوم بنت علی، رقیہ بنت

علی، زینب بنت علی، حسن

ابن علی، ہلال ابن علی، جعفر

ابن علی، عباس بن علی،

محسن بن علی، عبد اللہ بن

علی، عبید اللہ بن علی، محمد

بن حنفیہ، ابوبکر بن علی بن

ابی طالب، عمر بن علی بن

ابی طالب، عثمان بن علی بن

عملی زندگی

زین العابدین

نمایاں شاگرد

پیشہ

عسکری قائد، الہیات دان، شاعر

مادری زبان

کلاسیکی عربی

پیشہ ورانہ

کلاسیکی عربی^[3]

زبان

عسکری خدمات

لڑائیاں اور

جنگ جمل، جنگ صفین، جنگ

جنگیں

نہروان، سانحہ کربلا

درستی [https://ur.wikipedia.org/w/index.php?title=%D8%A%D8%B3%DB%8C%D9%86_%D8%A8%D9%86_%D8%B3%DB%8C%D9%86_%D8%A8%D9%86_%D8%B9%D9%83%DB%8C%D9%86_%D8%A8%D9%86_%D8%B9%D9%84%DB%8C&action=edit](https://ur.wikipedia.org/w/index.php?title=%D8%A%D8%B3%DB%8C%D9%86_%D8%A8%D9%86_%D8%B3%DB%8C%D9%86_%D8%A8%D9%86_%D8%B9%D9%83%DB%8C%D9%86_%D8%A8%D9%86_%D8%B9%D9%84%DB%8C&action=edit&section=0) - ترمیم



مقالہ بہ سلسلہ مضامین

اولادِ محمد

حضرت محمد کے بیٹے

قاسم _ عبداللہ _ ابراہیم

حضرت محمد کی بیٹیاں

فاطمہ _ زینب _ ام

کلثوم

رقیہ

حضرت فاطمہ کی اولاد

بیٹے

حسن _ حسین _ محسن

حضرت فاطمہ کی اولاد

بیٹیاں

زینب - ام کلثوم

دیکھیں • تبادلۂ خیال • ترمیم

تعارف

حسین بن علی بن ابی طالب (عربی زبان میں: **ٱلْحُسَيْن بْنُ عَلِيٍّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ**، 3 شعبان 4 ہجری / 9 یا 10 جنوری 626ء - 10 محرم 61 ہجری / 10 اکتوبر 680ء)، فرزند علی بن ابی طالب و فاطمہ اور محمد بن عبداللہ پیغمبر اسلام کے نواسے ہیں۔ وہ شیعوں کے تیسرے امام اور سجاد سے حجت ابن الحسن تک بارہ اماموں کے شیعہ اماموں کے سلسلہ کے والد نیز اسماعیلی ائمہ ہیں۔ وہ اپنی کنیت **آبَا عَبْدِ اسَاس** کے نام سے بھی جانے جاتے ہیں۔ یوم عاشور کو حسین کربلا کی لڑائی میں شہید ہوئے اور اسی وجہ سے شیعہ انھیں سید الشهداء کہتے ہیں۔

ولادت

ہجرت کے چوتھے سال تیسری شعبان پنجشنبہ کے دن آپ کی ولادت ہوئی۔ اس خوشخبری کو سن کر جناب رسالت ماب تشریف لائے، بیٹے کو گود میں لیا، دہن کان میں اذان اور باتیں میں اقامت کہی اور اپنی زبان منہ میں دے دی۔ پیغمبر کا مقدس لعاب دہن حسین علیہ السلام کی غذا بنا۔ ساتویں دن عقیقہ کیا گیا۔ آپ کی پیدائش سے تمام خاندان میں خوشی اور مسرت محسوس کی جاتی تھی، مگر آنے والے حالات کا علم پیغمبر کو تھا، اس لیے آپ کی آنکھوں میں آنسو برس پڑا۔ اور اسی وقت سے حسین کے مصائب کا چرچا اہلبیت، رسول کی زبانوں پر آنے لگا۔^[12]

کنبہ

حسین کی نانی **خدیجہ بنت خویلد** تھیں اور ان کے دادا **ابو طالب** اور دادی **فاطمہ بنت اسد** تھیں۔ حسن اور حسین کو محمد لہنا بیٹا مانتے تھے کیونکہ ان سے ان کی محبت تھی اور کیوں کہ وہ اس کی بیٹی فاطمہ کے بیٹے تھے۔ انھوں نے کہا "ہر ماں کے بچے اپنے والد کے ساتھ وابستہ ہوتے ہیں سوائے فاطمہ کے بچوں کے کیونکہ میں ان کا باپ اور نسب ہوں۔" اس طرح، فاطمہ کی اولاد محمد کی اولاد ہے اور اس کے کنبے کا حصہ ہیں۔^{[14][15]}

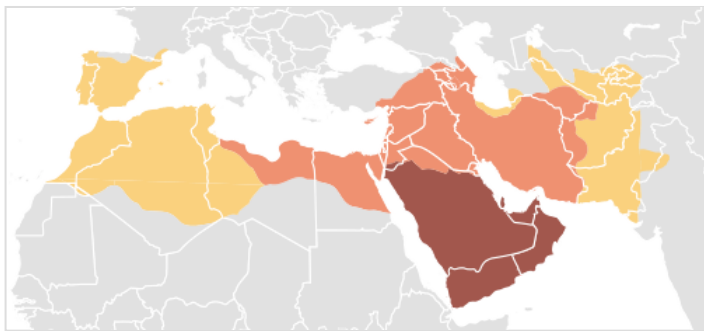
حسین کی کئی اولاد ہوئیں:

- **علی زین العابدین** ("عابدوں کی زینت") (پ: ہجری 36) (والدہ: شہربانو)
- **سکینہ** (پ: ہجری 38) (والدہ: شہربانو)
- **علی الاکبر** ("اکبر") (پ: ہجری 42) (والدہ: لیلیٰ)
- **فاطمہ صغری** (پ: ہ 45) (والدہ: لیلیٰ)
- **سکینہ** (پ: ہجری 56) (والدہ: رباب)
- **علی الاصغر** ("چھوٹا") (پ: ہ 60) (والدہ: رباب)

پس منظر

تاریخی پس منظر

محمد، پیغمبر اسلام، 1 ہجری/622 میں معاہدہ مدینہ کے ساتھ میں امت پیدا کر کے،^[16] نے اسلامی حکومت قائم کی۔ سن 11 ہجری میں محمد کی وفات کے ساتھ 11 ہجری/632ء میں، قوم کی قیادت کو لے کر جھگڑا ہوا۔ جب علی اس کو **بنی ہاشم** کے ایک گروہ اور محمد کے ساتھیوں کے ایک گروہ کے ساتھ دفن کر رہے تھے،^{[17][18]} صحابہ کے ایک اور گروپ نے محمد کے جانشین کے بارے میں بحث کی۔ ان مباحثوں کا نتیجہ **ابوبکر** کا محمد کا جانشین منتخب ہوا، جسے "خلیفہ" کہا جاتا ہے۔^{[19][20]} علی کے حامیوں کا خیال تھا کہ علی کو محمد کا جانشین مقرر کیا گیا ہے، لہذا خلافت اسی کا ہونا چاہیے۔^{[21][22]} اس تاریخی فرق کی بنا پر، سنیوں کا ماننا ہے کہ محمد نے جانشین کا انتخاب نہیں کیا، جبکہ شیعوں کا خیال ہے کہ اس نے علی کو لہنا جانشین مقرر کیا۔^[23] اس طرح، خلافت کا ادارہ ابھرا، جو عالم اسلام سے باہر کوئی مساوی نہیں ہے۔ خلیفہ کو قائد کی حیثیت اور حکمران منتخب کرنے کا حق حاصل تھا۔ خلافت سے تقرری ایک قسم کا معاہدہ تھا جس نے خلیفہ اور اس کے رعایا کے مابین اجتماعی ذمہ داریوں کو جنم دیا۔^[24] نئی حکومت کے حکمران، جو خلافت راشدین کے نام سے جانے جاتے ہیں،



زمانہ محمد میں اسلامی قلمرو، 622-632

زمانہ خلفائے راشدین میں اسلامی قلمرو، 632-661

زمانہ بنو اموی میں اسلامی قلمرو، 661-750

سن 41 ہـق/661ء میں معاویہ نے اسلامی دائرے کو فتح کیا اور اس کی حکومت کو اموی خلافت میں بدل دیا۔ [29] اس نے اور اس کے جانشینوں نے علی کے کنبہ اور ان کی ضروری رسم بن گئی اور 60 سال تک جاری رہی۔ [30] معاویہ نے 60 ھ / 680ء میں کوشش کی اس سے اسلامی برادری کے عمائدین کی مخالفت کی گنجائش مہیا ہوئی۔ حسین امیر پیرا ہونے کا مطالبہ کیا اور دوسرے جیسے عبد اللہ ابن زبیر اور عبد اللہ ابن عمر نے خلافت کے اندر دوسری خانہ جنگی کی راہ ہموار کی، جو 60 ہـق/680ء میں شروع ہوئی۔ 680 لڑی، جن میں سے عبد اللہ ابن زبیر طویل مدت تک وسیع تر زمینوں پر فتح حاصل کرنے میں دے کر اور اسے ہلاک کر کے، پورے اسلامی دائرے میں امویوں کی حکمرانی کو دوبارہ قائم اور

حسین، محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا زاد علی ابن ابی طالب اور محمد کی بیٹی فاطمہ زہرا کا بیٹا، دونوں کا تعلق بنی ہاشم خاندان اور قریش قبیلہ سے ہے۔ بنی ہاشم مکہ کے ایک ممتاز اور نسلی گھرانے سے تھے۔ [34][35] ہجرت کے فوراً بعد، محمد نے علی کو بتایا کہ خدا نے اسے اپنی بیٹی، فاطمہ زہرا سے شادی کرنے کا حکم دیا ہے۔ [36] ولفیذ میڈلنگ کے ذریعہ، اس فیملی نے جو شادی کی تشکیل کی، محمد نے بار بار اس کی تعریف کی۔ محمد نے اس واقعہ مباہلہ اور حدیث آل عبا جیسے واقعات میں اس خاندان کو اہل بیت کہا ہے۔ قرآن مجید میں، بہت سارے معاملات میں، جیسے آیت تطہیر میں، اہل بیت کا بڑے پیمانے پر ذکر کیا گیا ہے۔ [37] (ر) ک۔ قرآن و حدیث میں حسین ابن علی

نسب

```
graph TD; N1[1. حسين ابن علي] --- N2[2. علي ابن ابي طالب]; N1 --- N3[3. علي بن ابي طالب]; N2 --- N4[4. ابو طالب بن عبد المطلب]; N2 --- N5[5. فاطمه بنت اسد]; N4 --- N8[8. عبد المطلب]; N4 --- N9[9. فاطمه بنت عمرو]; N5 --- N10[10. اسد بن هاشم]; N5 --- N11[11. فاطمه بنت قيس];
```

1. حسين ابن علي

2. علي ابن ابي طالب

3. علي بن ابي طالب

4. ابو طالب بن عبد المطلب

5. فاطمه بنت اسد

8. عبد المطلب

9. فاطمه بنت عمرو

10. اسد بن هاشم

11. فاطمه بنت قيس

12. عبد اللہ بن عبد المطلب^[40]6. محمد بن عبد اللہ^[39]13. آمنہ بنت وہب^[40]3. فاطمہ زہرا^[39]14. خویلد بن اسد^[41]7. خدیجہ بنت خویلد^[39]15. فاطمہ بنت زاعدہ^[41]

نام

«حُسن» نام مُصَغَّرٌ [16] "حسن" ہے اور مطلب ہے "اچھا"۔ یہ نام، آمالی ابن بابویہ، امالی شیخ طوسی و روضۃ الواعظین قتال نیشاپوری، کی تصانیف کی کچھ روایات کے مطابق، «شَبْر» و «شَمِیر» و «بَہر» و «جَہیر» سے مشتق ہے۔^[45] ویلیری کے نوشتہ کے مطابق اسلامی روایت کے مطابق، حسین کو تورات میں "شَمِیر" کہا گیا ہے اور انجیل میں، "طب" کہا گیا ہے۔ موسیٰ کے بھائی ہارون نے خدا نے علی بن ابی طالب کے بیٹوں کے لیے یہ نام رکھے تھے، اپنے دو بیٹوں کے یہ نام رکھے۔^[46] محمد نے اس نواسے کا نام ہارون کے دوسرے بیٹے شعیب، حسین کے نام پر رکھا تھا۔ کچھ روایات کے مطابق، علی بچے کا نام "حرب" رکھنا چاہتا تھا، لیکن جب اس نے دیکھا کہ محمد نے اسے ایسا نام دیا ہے تو اس نے نام ترک کر دیا۔ دیگر روایات میں بتایا گیا ہے کہ ابتدا میں حسین کا نام ان کے چچا جعفر طیار کے نام پر رکھا گیا تھا، جو اس وقت اب بھی حبشیہ میں مقیم تھا، لیکن محمد نے اس کا نام حسین رکھا تھا۔ لیکن شیعہ روایات کا دعویٰ ہے کہ حسین کا نام بچے کو شروع ہی سے دیا گیا تھا اور یہ خدائی حکم سے ہوا تھا۔ روایات کے مطابق، حسن اور حسین کے نام آسمانی خط تھے اور اسلام سے پہلے کسی کو نہیں دیے گئے تھے۔^[47] حج منوہری کا کہنا ہے کہ "حسین" کا عنوان ہے، جس کے معنی دو خوبیاں ہیں، پیغمبر اسلام کے کلام میں مشہور ہیں اور ان دونوں ناموں کی انجمن، جواز کی مماثلت سے زیادہ ہے، ان دونوں ناموں کے کردار کی قربت کا اظہار کرتی ہے۔^[48]

نام، کنیت اور القاب

شیعہ اور سنی کتابوں میں موجود روایات کے مطابق محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کے حکم سے^[49] آپ کا نام حسین رکھا۔^[50] حسن و حسین کا نام جو اسلام سے پہلے عرب میں رائج نہیں تھے،^[51] یہ شَبْر و شَمِیر (یا شَمِیر)،^[52] جناب ہارون کے بچوں کے نام سے لیے ہیں۔^[53] اس کے علاوہ بھی یہ نام رکھنے کی وجوہات ذکر ہوئی ہیں جیسے: امام علیؑ نے شروع میں آپ کا نام حرب یا جعفر رکھا لیکن پیغمبر اکرمؐ نے آپ کے لیے حسین نام انتخاب کیا۔^[54] بعض نے اس کو جعلی قرار دیتے ہوئے اس کے رد میں بعض دلائل بھی پیش کیے ہیں۔^[55]

امام حسین، امام علیؑ و حضرت فاطمہؑ کے بیٹے اور حضرت محمدؐ کے نواسے ہیں قبیلہ قریش کے بنی ہاشم خاندان سے آپ کا تعلق ہے۔ امام حسن مجتبیٰ، حضرت عباسؑ اور محمد بن حنفیہ آپ کے بھائیوں میں سے اور حضرت زینبؑ آپ کی بہنوں میں سے ہیں۔^[56]

امام حسینؑ کی کنیت ابو عبد اللہ ہے۔^[57] ابوعلی، ابوالشہداء (شہیدوں کا باپ)، ابوالاحرار (حریت پسندوں کے باپ) و ابوالمجاہدین (مجاہدوں کے باپ) بعض دیگر آپ کی کنیت ہیں۔^[58]

حسین بن علیؑ کے بہت سارے القاب ہیں۔ امام حسینؑ سے متعدد القاب منسوب کیے گئے ہیں جن میں سے اکثر آپ کے بھائی امام حسن مجتبیٰ کے ساتھ مشترک ہیں؛ جیسے: سید شباب اہل الجنۃ (جنت کے جوانوں کے سردار)۔ آپ کے بعض دوسرے القابات مندرجہ ذیل ہیں: نکى، طیب، وثى، سیر، مبارک نافع، الدلیل علی ذات اسد رشید، والتابع لمرضاۃ اسد۔^[59]

ابو، طلحہ شافعی نے «نکى» لقب کو دوسرے القاب میں سب سے زیادہ مشہور اور «سید شباب اہل الجنۃ» کے لقب کو سب سے اہم لقب قرار دیا ہے۔^[60] بعض احادیث میں آپؑ کو شہید یا سید الشهداء کے لقب سے پکارا ہے۔^[61] شارلہ اور قتیل العبرات کے القاب بھی بعض زیارتناموں میں ذکر ہوئے ہیں۔^[62]

پیغمبر اکرمؐ کی ایک روایت جس کو شیعہ اور اہل سنت کے اکثر منابع میں نقل کیا ہے اس میں «حسین سبطٌ من الأسباط» (حسین اسباط میں سے ایک)^[63] ذکر ہوا ہے۔ سبط یا اسباط جو اس روایت میں اور قرآن مجید کی بعض آیات میں بھی آیا ہے اس کے معنی کے بارے میں کہا گیا ہے کہ علاوہ براین کہ انبیا کی نسل ہیں، امام اور نقیبوں میں سے بھی ہیں جو لوگوں کی سرپرستی کے لیے انتخاب ہوئے ہیں۔^[64] سانچہ:شجرہ نامہ بنی ہاشم

القاب

حسین کی کنیت **أَبُو عَبْدِ اللَّهِ** تمام مآخذوں میں ظاہر ہوتا ہے، لیکن خواص کے بقول، اسے ابو علی کا لقب بھی حاصل تھا۔ حسین کے بہت سے القاب ہیں جن میں ایک حسن ہے۔ حسین کے القابات میں زُکی، طَیِّب، وَفّی، سَیِّد، مُبَارَک، نَافِع، اَلدَّلِیلُ عَلٰی ذَاتِ اللہِ رَشِید، و اَلتَّائِبُ لِمَرْضَاةِ اللہِ جیسے خاص لقب تھے۔ ابن طلحہ حسین کا سب سے مشہور لقب زُکی سمجھتے ہیں اور ان میں سب سے اہم سَیِّدُ شَبَابِ اَہْلِ اَلْجَنَّةِ ہے۔ چوتھی صدی ہجری اور اس کے بعد کے کچھ ادبی اور تاریخی متن میں، اگرچہ ان کے پاس خلافت نہیں تھی، لیکن انھیں امیر المومنین کہا جاتا ہے۔ شیعہ ائمہ سے منسوب بعض احادیث میں حسین کو شہید یا سید الشهداء کے طور پر ذکر کیا گیا ہے۔ [65] [یادداشت 1] دیگر ناموں میں ذکر کیا گیا ہے کہ ظلوم، مَقْتُول، قَتِیلُ الْعِزَّتِ، اَسِیرُ الْکُرْبَاتِ، قَتِیلُ الْکَفْرِ، طَرِیحُ الْفَجْرِ، قَتِیلُ اللہ، ثَارُ اللہ، مَجْدُ اللہ، بَابُ اللہ، وَثَرُ اللہ، اَلدَّرَاعِیُّ اِلٰی اللہ، نور، صِدِّیق، مِصْبَاحُ الْہُدٰی، سَفِیۃُ النَّجَاۃِ، حَاسِنُ اَصْحَابِ کِساء، غَرِیبُ الْغُرَبَاءِ، سِبْطُ الرَّسُولِ، وَاِثْرُ، وَثَرُ الْمَوْتُور۔ [66]

پیدائش اور ابتدائی زندگی

پیدائش اور بچپن



"حدیث «حُسَيْنٌ مِنِّي وَ اَنَا مِنْ حُسَيْنٍ» (حسین مجھ سے ہے اور میں حسین سے ہوں) پیغمبر اسلام، [67] کے ذریعہ کربلا میں حسین ابن علی کے مزار کے سنہری پورچ پر

تاریخی ذرائع نے حسین ولادت کے سال سے مختلف روایتوں کا تذکرہ کیا ہے۔ بیشتر آپ کی پیدائش 3 شعبان، ربیع الاول کا آخر، شروع شعبان اور 5 شعبان اور وقت جمعرات کی شام کے طور پر بتاتے ہیں۔ حسن اور حسین کے مابین پیدائش کا وقفہ 6 ماہ 10 دن، 10 ماہ اور 22 دن اور ایک سال اور دو ماہ ہے۔ [68] زیادہ تر روایتوں کے مطابق، 5 شعبان 4 ہجری بمطابق 10 جنوری 626ء کو حسین پیدا ہوئے۔ ایک روایت ہے کہ ان کی تاریخ پیدائش وسط جمادی الاول 6 ہجری / اکتوبر 627ء کے اوائل میں ہے۔ [69] علی زبانی قمشہ ای نے تاریخ اسلام کے شمسی تقویم کے حساب کتاب میں، حسین بن علی کی تاریخ پیدائش کی گریگوریائی تاریخ، شعبان چہارم کی تیسری کو مد نظر رکھتے ہوئے۔ سنہ 9 جنوری 626ء ہجری بتائی ہے۔ [70] سال پیدائش **کَلْبِنِی** نے **اَلْکَافِی** میں اور ابن عبدالبزّ نے **اَلْاِسْتِيعَابُ فِی مَعْرِفَةِ الْأَصْحَابِ** میں تیسرے سال، یعقوبی نے تاریخ یعقومیہ میں، ابن سعد میں **طَبَقَاتُ الْکُبَرٰی** اور **اَبُو الْفَرَجِ اصفہانی** نے **قَاتِلُ الطَّالِبِیْنَ** چوتھے سال الاستیعاب میں ابن عبد البر نے پانچواں سال اور **حاکم نیشاپوری** نے **اَلْمُسْتَدْرَک** میں اور ابن عساکر نے تاریخ مَدِیْنَةِ دِمَشْق میں ہجری کے چھٹے سال کا ذکر کیا ہے۔

حسین کی ولادت کے وقت، محمد نے اذان اور عقیقہ ادا کیں جو اس سے قبل حسن کی پیدائش پر ادا کی گئیں تھیں اور اسے عباس ابن عبد المطلب کی اہلیہ، ام الفضل کے پاس دودھ پلانے کے لیے بھیجا تھا۔ ام فضل نے حسین اور اپنے بیٹے قثم ابن عباس کو دودھ پلایا، اور اس طرح وہ دونوں رضائی بھائی بن گئے۔ لیکن **کَلْبِنِی** کی ایک روایت ہے جس میں کہا گیا ہے کہ حسین نے کسی عورت کو دودھ نہیں پلایا، یہاں تک کہ ان کی والدہ فاطمہ بھی نہیں۔ [71]

حسین نے اپنے نانا محمد کی زندگی کے دوران میں اپنی زندگی کے پہلے سات سال گزارے۔ [72] محمد، اس کے نانا، حسین کے بچپن کے سالوں میں انتقال کر گئے تھے، لہذا حسین کو ان کی یاد بہت کم تھی۔ محمد کے اپنے اور اس کے بھائی حسن مجتبیٰ سے محبت کے بارے میں روایتیں بیان کی گئی ہیں۔ جیسے: "جو ان کو دوست رکھتا ہے میں اسے دوست رکھتا ہوں، جو ان سے نفرت کرتا ہے، میں اس سے نفرت کرتا ہے" یا "حسن اور حسین جنت نوجوانان اہل بہشت کے سردار ہیں" ابن کثیر کی **اَلْبِدَايَةِ وَ النِّهَايَةِ** میں، **نَسَائِی** کی **فَضَائِلُ الصَّحَابَةِ** اور ابن عساکر کی **تَارِیْخِ دِمَشْق** میں ہے۔ دوسری حدیث شیعہ نقطہ نظر سے بہت اہم ہے اور ان کے نزدیک یہ امامت کے حسن اور حسین کے جواز کا ثبوت ہے۔ محمد اپنے دونوں نواسوں کو اپنے کنڈھوں اور بازوؤں پر اٹھاتے تھے اور یہاں تک کہ نماز پڑھتے ہوئے اور سجدہ کرتے ہوئے وہ ان کی پیٹھ پر بیٹھ جاتے تھے۔ [73] محمد نے حسن اور حسین کو گلے لگایا اور اسی صورت حال میں لوگوں سے بات کی۔ [74] شیخ مفید کے ارشاد کے حوالہ کرتے ہوئے اور ایک دوسری حدیث میں، محمد نے حسین کے بارے میں کہا: "حسین مجھ سے ہے اور میں حسین سے ہوں۔" محمد نے متعدد مواقع پر واقع کربلا کی اطلاع دی۔ مثال کے طور پر، اس نے ام سلمہ کو مٹی کی ایک چھوٹی بوتل دی اور بتایا کہ حسین کے قتل کے بعد بوتل کے اندر کی مٹی خون میں بدل جائے گی۔ [75]

حسین کی زندگی کا اہم ترین واقعہ مباہلہ کا واقعہ ہے اور یہ دونوں "مباہلہ کی کِیت" میں لفظ "اَبْنَاءَنَا" کی مثال ہیں۔ [76]

اسلامی دنیا کے انسائیکلوپیڈیا کے مطابق، اس موضوع پر یعقوبی، مسعودی، طبری، بلاذری، ابن اعثم، ابن شہ آشوب، شیخ مفید، ابن بابویہ اور محمد ابن بحر شیبانی کی مختلف اطلاعات میں سے، صرف طبری نے دو پیراگراف میں امن معاہدے کے مالی مطالبات کا حوالہ دیا۔ وہ کہتا ہے۔ ابن سعد لکھتے ہیں کہ معاویہ نے حسین کو 300,000 درہم دیا، لیکن ایسا لگتا ہے کہ یہ دوستی جاری نہیں رہی۔ کیونکہ معاویہ نے علی کو بدنام کیا اور علویوں پر تشدد کیا۔ مدینہ منورہ میں مروان بن حکم نے بنی ہاشم اور بنی امیہ کے مابین مفاہمت کی کوئی گنجائش نہیں چھوڑنے کا فیصلہ کیا۔ جب حسن نے عثمان بن عفان کی بیٹی عائشہ کی خواستگاری کی، لیکن مروان نے مداخلت کی اور اس اتحاد کو قائم نہیں ہونے دیا۔ عائشہ نے عبد اللہ ابن زبیر سے شادی کی۔ بنی ہاشم

کے لیے ان نظرائانوں نے حسن سے زیادہ حسین کو ناراض کیا۔ یقیناً، مروان کی اس حرکت کے خلاف حسین نے جوابی کارروائی کی اور جب یزید نے عبداللہ ابن جعفر کی بیٹی اُمّ کلثوم سے شادی کرنی چاہی تو اس اتحاد کو روک لیا اور اُمّ کلثوم سے شادی قاسم ابن محمد ابن ابوبکر سے کر دی۔ نیز، حسن کے برعکس، جب مروان نے مدینہ کی پہلی امارت میں علی پر لعنت کی تھی، حسین نے سخت رد عمل کا اظہار کیا اور مروان اور اس کے والد حکم پر لعنت بھیجی، جسے اس سے قبل اسلام کے پیغمبر محمد نے مسترد کر دیا تھا اور لعنت کی تھی۔^[77]

حسین 10 جنوری 626ء (مطابق 3 شعبان 4ھ یا 3ھ) کو پیدا ہوا تھا ^[78] مدینہ طور پر حسین اور اس کا بھائی حسن محمد کی آخری مرد اولاد تھے جو ان کی زندگی کے دوران میں زندہ رہے اور ان کی رحلت کے بعد باقی رہے۔ ان کے لیے ان کی محبت کے بہت سے واقعات ہیں جو ان کا ایک ساتھ مل کر حوالہ دیتے ہیں۔ ^[عاشیہ 1] محمد کے بارے میں بتایا گیا ہے کہ "جو مجھ سے پیار کرتا ہے اور ان دونوں، ان کے والد اور اپنی والدہ سے محبت کرتا ہے وہ قیامت کے دن میرے ساتھ میرے ساتھ ہوگا۔" اور یہ کہ "حسین مجھ میں سے ہے اور میں اس میں سے ہوں۔ اللہ ان لوگوں سے محبت کرتا ہے جو حسین سے محبت کرتے ہیں۔ حسین حسین پوتے میں ایک پوتا ہے۔" ایک روایت میں حسن اور حسین کو "نوجوانوں کے جنت کا مالک" قرار دیا گیا ہے۔ یہ شیعہ کے لیے خاص طور پر اہم رہا ہے جنہوں نے اس کی کامیابی کے لیے محمد کی اولاد کے حق کی حمایت میں اسے استعمال کیا۔ شیعوں کا خیال ہے کہ امامت میں عدم خطا ایک بنیادی اصول ہے۔ "مذہبی ماہرین نے امامت کی تعریف کرتے ہوئے کہا ہے: "یقیناً امامت اللہ کا فضل ہے، جو اسے اپنے بندوں میں سے بہترین کو عطا کرتا ہے" ^[79] دوسری روایات میں محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اپنے نواسے کو اپنے کندھوں پر اٹھاتے ہیں، یہاں تک کہ نماز کے دوران میں آپ کی پیٹھ پر سوار ہو جاتے تھے۔^[80]

ولفرڈ میڈیلونگ کے مطابق، محمد ان سے پیار کرتے تھے اور انہیں کثرت سے اپنے اہل بیت کے لوگوں کے طور پر اعلان کرتے تھے۔^[81] انہوں نے یہ بھی کہا ہے: "ہر ماں کے بچے اپنے والد کے ساتھ وابستہ ہوتے ہیں سوائے فاطمہ کے بچوں کے میں ان کا باپ اور نسب ہوں۔" اس طرح، فاطمہ کی اولاد محمد کی اولاد تھی اور ان کے اہل بیت کا حصہ تھے۔^[14] مشہور سنی عقیدے کے مطابق، اس سے مراد محمد کے گھر والے ہیں۔ شیعہ کا مقبول نظریہ محمد کے کنبہ کے افراد ہیں جو مباہلہ کے واقعے میں موجود تھے۔ بحار الانوار مرتب کرنے والے محمد باقر مجلسی کے مطابق، احادیث ('اکاؤنٹس'، 'روایات' یا 'رپورٹس') کا ایک مجموعہ، باب 46 آیت 15 (الاحقاف) اور باب 89 آیات 27-30 (الفجر) قرآن کریم حسین کے متعلق ہیں۔

- حضرت امام حسین، جب سرکاری اذیتوں سے تنگ آکر مدینہ چھوڑنے پر مجبور ہوئے تو انہوں نے اپنے قیام کے مقاصد کو اس طرح بیان کیا۔ کہ میں اپنی شخصیت کو روشن کرنے یا خوشگوار زندگی گزارنے یا پریشانی پیدا کرنے کے لیے کوئی عمل نہیں کر رہا ہوں۔ بلکہ، میں صرف اپنے نانا (پیغمبر اسلام) کی امت (اسلامی معاشرے) کو بہتر بنانا رہتا ہوں۔ اور میرا عزم مردوں کو بھلائی کہنے اور برائی سے روکنے کا ہے۔ میں اپنے نانا (س) اور میرے والد امام علی الابیسلام کی سنت (طرز) پر عمل کروں گا۔
- ایک اور موقع پر، آپ نے فرمایا، اے اللہ، آپ جانتے ہیں کہ ہم نے سرکاری دشمنوں یا دنیاوی لذتوں کی وجہ سے وہ نہیں کیا۔ بلکہ ہمارا مقصد یہ ہے کہ آپ کے مذہب کی نشانیں کو اس جگہ تک پہنچائیں۔ اور اپنے مضامین میں بہتری لائیں تاکہ آپ کے رعایا ظالموں سے محفوظ رہیں اور سنت اور اپنے دین کے معقول احکامات پر عمل پیرا ہوں۔
- جب آپ ہمارے بیٹے یزیدی رحیتی کی فوج سے ملے تو آپ نے کہا کہ اگر آپ اللہ سے ڈرتے ہیں اور حق کو اختیار کے ساتھ دیکھنا چاہتے ہیں تو یہ کام اللہ کو خوش کرنے کے لیے بہت اچھا ہے۔ خلافت کے منصب کے دوسرے ظالم اور غیر منطقی دعویداروں کے مقابلے میں اہل بیت اعلیٰ ترین عہدے دار ہیں۔
- ایک اور جگہ، ہم نے کہا کہ ہم اہل بیت حکومت کے حکمرانی سے زیادہ افسر ہیں۔

اسلام میں، اس دن کو (محرم کے مہینے کی 10 تاریخ) بہت ہی مقدس سمجھا جاتا ہے اور ایران، عراق، پاکستان، ہندوستان، بحرین، جمیکا سمیت بہت سے ممالک میں اس دن سرکاری تعطیلات دی جاتی ہیں۔

پرورش

پیغمبر اسلام کی گود میں جو اسلام کی تربیت کا گہوارہ تھی اب دن بھر دو بچوں کی پرورش میں مصروف ہوئی ایک حسن دوسرے حسین اور اس طرح ان دونوں کا اور اسلام کا ایک ہی گہوارہ تھا جس میں دونوں پروان چڑھ رہے تھے۔ ایک طرف پیغمبر اسلام جن کی زندگی کا مقصد ہی اخلاق انسانی کی تکمیل تھی اور دوسری طرف امیر المومنین علی ابن ابی طالب جو اپنے عمل سے خدا کی مرضی کے خریدار بن چکے تھے تیسری طرف فاطمہ زہرا جو خواتین کے طبقہ میں پیغمبر کی رسالت کو عملی طور پر پہنچانے کے لیے ہی قدرت کی طرف سے پیدا ہوئی تھیں اس نورانی ماحول میں حسین کی پرورش ہوئی۔

رسول کی محبت

جیسا کہ امام حسن کے حالات میں لکھا جا چکا ہے کہ محمد مصطفیٰ اپنے دونوں نواسوں کے ساتھ انتہائی محبت فرماتے تھے۔ سینہ پر بیٹھاتے تھے۔ کاندھوں پر چڑھاتے تھے اور مسلمانوں کو تاکید فرماتے تھے کہ ان سے محبت رکھو۔ مگر چھوٹے نواسے کے ساتھ آپ کی محبت کے انداز کچھ امتیاز خاص رکھتے تھے۔ ایسا ہوا ہے کہ نماز میں سجدہ کی حالت میں حسین پشت، مبارک پرانے تو سجدہ میں طول دیا۔ یہاں تک کہ بچہ خود سے بخوشی پشت پر سے علاحدہ ہو گیا۔ اس وقت سر سجدے سے اٹھایا اور کبھی خطبہ پڑھتے ہوئے حسین مسجد کے دروازے سے داخل ہونے لگے اور زمین پر گر گئے تو رسول نے اپنا خطبہ قطع کر دیا منبر سے اتر کر بچے کو زمین سے اٹھایا اور پھر منبر پر تشریف لے گئے اور مسلمانوں کو متنبہ کیا کہ «دیکھو یہ حسین ہے اسے خوب پہچان لو اور اس کی فضیلت کو یاد رکھو» رسول نے حسین کے لیے یہ الفاظ بھی خاص طور سے فرمائے تھے کہ «حسین مجھ سے اور میں حسین سے ہوں»، مستقبل نے بتادیا کہ رسول کا مطلب یہ تھا کہ میرا نام اور کام دنیا میں حسین کی بدولت قائم رہے گا۔

- انس بن مالک روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ سے عرض کی [اے اہل بیت! ایک؟ فقال: الحسن والحسین] کہ آپ کی اہل بیت میں سے آپ کو سب سے زیادہ محبوب کون ہیں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا حسن اور حسین اور آپ ﷺ عائشہ صدیقہ سے کہا کرتے تھے میرے بیٹوں کو میرے پاس لے آؤ اور آپ ﷺ حسنین کریمین کو سونگھتے اور اُن کو سینے سے لگا لیتے۔^[82]
- انس بن مالک سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: [حسین منی وأنا من حسین، أحب الله من أحب حسيناً، حسين سبط من الأسباط] حسین مجھے سے ہیں اور میں حسین سے ہوں جو شخص حسین سے محبت کرے اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ محبت فرمائے، حسین میری اولاد میں سے میرے ایک بیٹے ہیں۔^[82]
- براء بن عازب سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے حسنین کریمین ما کو دیکھا اور فرمایا [اللهم انی احبهما فأحبهما] اے اللہ میں ان دونوں سے محبت کرتا ہوں تو بھی ان دونوں سے محبت فرما^[83]
- ابن عباس سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے حسن بن علی کو کندھے پر اٹھایا ہوا تھا۔ ایک شخص نے کہا [نعم المركب رکبت یا غلام فقال النبی ﷺ: نعم الراکب ہو] کیا ہی اچھی سواری ہے جس پر اے لڑکے تو سوار ہے پس نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: یہ سوار کتنا اچھا ہے۔^[83]
- ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: [من أحبهما فقد أحبني ومن أبغضهما فقد أبغضني الحسن والحسين] جس نے ان دونوں سے محبت کی پس تحقیق اس نے مجھ سے محبت کی اور جس نے ان دونوں سے بغض رکھا پس تحقیق اس نے مجھ سے بغض رکھا اور وہ حسن وحسین (ما) ہیں۔^[84]
- عبد اللہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نماز پڑھ رہے تھے جب آپ ﷺ سجدہ کے لیے تشریف لے جاتے تو حسن وحسین ما آپ کے کندھے پر چڑھ جاتے جب صحابہ کرام نے ارادہ کیا کہ ان کو منع کریں تو نبی اکرم ﷺ نے ان کی طرف اشارہ کیا کہ ان دونوں کو چھوڑ دو پس جب نبی اکرم ﷺ نماز سے فارغ ہوئے تو آپ ﷺ نے ان دونوں کو گود میں اٹھا لیا اور فرمایا: [من أحبني فليحب هذين] جو مجھے سے محبت کرنا چاہتا ہے اسے چاہیے کہ ان دونوں سے محبت کرے۔^[84]

مباہلہ کا واقعہ

ہجری سال 10 (631/32ء) میں نجران سے ایک مسیحی اہلبی (جو اب جنوبی سعودی عرب میں ہے) محمد کے پاس یہ بحث کرنے آیا کہ دونوں فریقین میں سے کون سا عیسیٰ (عیسیٰ کے بارے میں اس کے نظریے میں غلطی کر رہا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی معجزانہ پیدائش کو آدم کی تخلیق سے تشبیہ دینے کے بعد،^[عاشیہ 2]۔ جو نہ تو ماں اور نہ کسی باپ سے پیدا ہوا تھا۔ اور جب عیسائی عیسیٰ کے بارے میں اسلامی عقیدہ کو قبول نہیں کرتے تھے، تو محمد کو ہدایت دی گئی تھی کہ وہ ان کو مباہلہ کے لئے بلائیں جہاں ہر جماعت کو خدا سے جھوٹی جماعت اور ان کے کہنے کو ختم کرنے کی دعا کرنی ہے۔^{[85][86]} "اگر کوئی شخص آپ کے پاس آنے والے علم کے بعد [عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں] اس معاملے میں آپ سے جھگڑا کرے تو کہہ دو کہ تو اپنے اپنے بیٹے لاؤ، ہم اپنے بیٹے، تم اپنی عورتیں اور ہم اپنی عورتیں، تم اپنے نفس لاؤ اور ہم اپنے، پھر آئیں قسم کھائیں اور جھوٹ بولنے والوں پر خدا کی لعنت کریں۔^{[عاشیہ 3][87]} سنی مؤرخین، سوائے طبری کے جو شرکاء کا نام نہیں لیتے، محمد، فاطمہ، حسن اور حسین کا ذکر شرکاء کے طور پر کرتے ہیں اور بعض شیعہ روایت سے متفق ہیں کہ علی ان میں شامل تھے۔ اسی مناسبت سے، آئین مباہلہ میں، شیعانہ نقطہ نظر میں، "ہمارے بیٹے" سے مراد حسن اور حسین ہیں، "ہماری عورتیں" فاطمہ سے مراد ہیں اور "خود" سے مراد علی ہیں۔

رسول کی وفات کے بعد

فائل:Ashura-map.jpg

قافلہ حسینی کا مدینہ سے شام تک سفر: لحظہ بہ لحظہ، شہر بہ شہر

امام حسین کی عمر ابھی چھ سال کی تھی جب انتہائی محبت کرنے والے کاسیہ سر سے اٹھ گیا۔ اب پچیس برس تک علی ابن ابی طالب کی خانہ نشینی کا دور ہے۔ اس زمانہ کے طرح طرح کے ناگوار حالات امام حسین دیکھتے رہے اور اپنے والد بزرگوار کی سیرت کا بھی مطالعہ فرماتے رہے۔ یہ وہی دور تھا جس میں آپ نے جوانی کے حدود میں قدم رکھا اور پھر پور شباب کی منزلوں کو طے کیا۔ 35ھ میں جب حسین کی عمر 31 برس کی تھی عام مسلمانوں نے علی ابن ابی طالب کو بحیثیت خلیفہ اسلام تسلیم کیا۔ یہ امیر المومنین کی زندگی کے آخری پانچ سال تھے جن میں جمل صفین اور نہروان کی لڑائیں ہوئی اور امام حسین ان میں اپنے بزرگ مرتبہ باپ کی نصرت اور حمایت میں شریک ہوئے اور شجاعت کے جوہر بھی دکھائے۔ 40ھ میں جناب امیر مسجد کوفہ میں شہید ہوئے اور اب امامت و خلافت کی ذمہ داریاں امام حسن کے سپرد ہوئیں جو امام حسین کے بڑے بھائی تھے۔ حسین نے ایک باوفا اور اطاعت شعار بھائی کی طرح حسن کا ساتھ دیا اور جب امام حسن نے اپنے شرائط کے ماتحت جن سے اسلامی مفاد محفوظ رہ سکے امیر معاویہ کے ساتھ صلح کر لی تھی تو امام حسین بھی اس مصلحت پر راضی ہو گئے اور خاموشی اور گوشہ نشینی کے ساتھ عبادت اور شریعت کی تعلیم و اشاعت میں مصروف رہے۔

حضرت ابوبکر، عمر اور عثمان کی خلافت کے دوران میں

حضرت ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے دوران میں حسین کچھ واقعات میں حاضر تھے جیسے فدک کی شہادت۔ [88] ایک روایت کے مطابق حضرت عمر، خلیفہ دوم، منبر رسول پر بیٹھا خطبہ دے رہا تھا حسین نے اس کے بیٹھنے پر اعتراض کیا، عمر نے اپنے خطبہ ترک کیا اور منبر سے اترا آیا۔ عمر نے حضرت محمد کے قریبی ہونے کی وجہ سے خزانہ میں سے حسن اور حسین کے حصہ کا تعین، علی اور اہل بدر کے برابر کیا تھا۔ [89]

بلاذری اور طبری کے مطابق حسن اور حسین نے سن 29ھ میں تبریزستان کی فتح میں حصہ لیا۔ [90][91] لیکن مہدی پیشوائی جیسے مورخین اس دعوے کو قبول نہیں کرتے ہیں۔ کیونکہ یہ اطلاعات پہلے کے شیعہ وسائل میں ظاہر نہیں ہوتی ہیں اور دوسری طرف، ان مورخین کے بقول، تاریخی ذرائع، دستاویزات اور مسمولات کے معاملے میں، سنیوں کے ذریعہ خبروں کے جمع کرنے کے تاریخی ذرائع میں بنیادی کمزوری اور ناقابل تردید کوتاہیاں ہیں۔ [92] عثمان کی خلافت کے دوران میں، حسین نے ابوذر جلاوطی کے معاملے میں علی اور حسن کے ساتھ اس کی مشالیت کی۔ [93][94] میڈلنگ نے ایرانی انسائیکلو پیڈیا میں لکھا ہے: عثمان کے محاصرے کے دوران میں، حسن نے محمد کے ساتھیوں کے بیٹوں کے ساتھ، عثمان کے گھر کا دفاع کیا، عثمان نے علی کو دوسرے محافظوں میں شامل ہونے کو کہا اور علی نے جواب دیتے ہوئے حسین کو بھیجا۔ [95] اسلامی دنیا کے انسائیکلو پیڈیا میں محمد عمادی حائری لکھتے ہیں: کچھ روایات کے مطابق، عثمان کا دفاع کرنے کے معاملے میں حسین یا حسن زخمی ہوئے تھے۔ [96] امام حسین نے اپنی عمر کے تقریباً 25 سال خلفائے ثلاثہ (ابوبکر، عمر و عثمان) کے زمانے میں بسر کیے۔ خلیفہ اول کی خلافت کے آغاز کے وقت آپ کی عمر سات سال تھی اور خلیفہ ثانی کے دور کے آغاز میں آپ کی عمر 9 سال جبکہ خلیفہ ثالث کی خلافت کے آغاز پر آپ کی عمر 19 سال تھی۔ [97] شیعوں کے تیسرے امام کے اس دور کی زندگی کے بارے میں زیادہ معلومات نہیں ہیں اور شاید اس کی علت امام علی اور ان کے بیٹوں کی سیاسی محدودیت تھی۔ [98]

مروی ہے کہ امام حسین خلافت ابوبکر کے ابتدائی ایام میں اپنے والدین اور بھائی امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام کے ہمراہ راقوں کو امام علی علیہ السلام کا غضب شدہ حق خلافت واپس دلانے کے لیے انصار کے دروازوں پر حاضر جاتے تھے۔ [99]

عمر کی خلافت کے دور میں امام حسین کی عمر تقریباً نو سال کی تھی، بعض مآخذ میں مروی ہے کہ عمر کی خلافت کے دور کے آغاز میں ایک روز امام حسین مسجد میں داخل ہوئے اور عمر کو منبر رسول پر خطبہ دیتے ہوئے دیکھ کر منبر کی سیزھوں سے اوپر چڑھے اور عمر سے کہا: "میرے باپ کے منبر سے نیچے اترو اور اپنے باپ کے منبر پر بیٹھو"۔ عمر نے کہا: "میرے باپ کا کوئی منبر نہیں تھا!" [100] اور بعض گزارشات میں خلیفہ دوم کی طرف سے امام حسین کی احترام کا تذکرہ ہوا ہے۔ [101]

جس وقت عثمان نے اپنی خلافت کے دوران میں ابوذر کو ربذہ کی جانب جلا وطن کیا اور حکم دیا کہ کوئی بھی اسے خدا حافظی نہیں کرے گا تو امام حسین اپنے والد اور بھائی اور بعض دیگر افراد کے ساتھ خلیفہ حکم کے برخلاف ابوذر کو رخصت کرنے آئے۔ [102] اہل سنت کے بعض منابع میں مذکور ہے کہ حسین نے سنہ 26 ہجری کو جنگ افریقہ [103] اور سنہ 29 یا 30 ہجری کو جنگ طبرستان [104] میں شرکت کی۔ لیکن ایسی گزارش شیعہ کسی کتاب میں ذکر نہیں ہوئی ہے۔ بہت ساری کتابوں میں کہا ہے کہ یہ جنگیں بغیر کسی لڑائی کے صلح کے ساتھ ختم ہوئیں۔ [105]

حسین کا ان جنگوں میں شریک ہونے یا نہ ہونے کے بارے میں موافق اور مخالف نظریے ملتے ہیں۔ بعض لوگ جیسے جعفر مرتضیٰ عالمی نے ان گزارشات کی سندی مشکلات اور نیز اس طرح سے کیے جانے والے فتوحات کی ائمہ کی طرف سے مخالفت کے پیش نظر انھیں جعلی قرار دیا ہے۔ اور جنگ صفین میں حسین علیہما السلام کو امام علی کی طرف سے اجازت نہ ملنے کو تائید کے طور پر پیش کیا ہے۔ [106] بعض نے حسین کی ان جنگوں میں شرکت کو امتی اسلامی کی مصلحت کے مطابق سمجھا ہے جس سے امام علی کے لیے معاشرے کی صحیح رپورٹ ملتی تھی اور لوگ بھی اہل بیت سے آشنا ہوتے تھے۔ [107]

منقول ہے کہ عثمان کی حکومت کے آخری دنوں میں ایک گروہ نے ان کے خلاف بغاوت کی اور انھیں قتل کرنے کی غرض سے ان کے گھر پر حملہ آور ہوئے تو عثمان بن عفان کی کارکردگی سے ناراضی کے باوجود، امام حسینؑ اپنے بھائی امام حسن مجتبیٰ کے ہمراہ اپنے والد امام علی علیہ السلام کی ہدایت پر عثمان کے حریم کی حفاظت کے لیے سرگرم ہوئے۔^[108] اس گزارش کے بعض موافق ہیں تو بعض مخالف بھی ہیں۔^[109]

امام علی کا دور حکومت

مروی ہے کہ لوگوں نے جب امیر المومنین کی بیعت کی تو امام حسینؑ نے ایک خطبہ دیا۔^[110] امام حسینؑ نے جنگ جمل میں امیر المومنین کے لشکر کے بائیں جانب کو اپنے ذمے لیا۔^[111] اور جنگ صفین میں لوگوں کو جہاد کی طرف رغبت دلانے کے لیے ایک خطبہ دیا۔^[112] اور لشکر کے دائیں جانب کے سپہ سالار تھے۔^[113] اور جنگ نہروان میں شامی لشکر سے پانی واپس لینے میں آپ شریک تھے۔ اور اس کے بعد امیر المومنین نے فرمایا: یہ پہلی کامیابی تھی جو حسین کی برکت سے حاصل ہوئی۔^[114] کہا گیا ہے کہ امام علیؑ جنگ صفین میں حسینؑ کو لڑنے سے منع کرتے تھے اور اس کی وجہ بھی رسول اللہ کی نسل کی حفاظت کرنا تھی۔^[115] بعض منابع کے مطابق آپ نے جنگ نہروان میں بھی شرکت کی ہے۔^[116]

امام علیؑ کی شہادت کے دوران میں امام حسینؑ آپ کے پاس تھے^[117] اور تجہیز و تکفین اور تدفین میں شریک تھے۔^[118] ایک روایت کے مطابق، امام حسینؑ امیر المومنین کی شہادت کے وقت آپ ہی کی طرف سے کوئی اہم کام سرانجام دینے کی غرض سے مدائن کے دورے پر تھے اور امام حسنؑ کا خط پا کر اس واقعے سے مطلع ہوئے اور کوفہ لوٹ آئے۔^[119]

امام حسنؑ کی امامت اور خلافت کا دور

تاریخ میں ملتا ہے کہ امام حسینؑ اپنے بھائی امام حسنؑ کا احترام کرتے تھے اور نقل ہوا ہے جس مجلس میں امام حسنؑ ہوتے تھے اس مجلس میں آپ کی احترام کی خاطر امام حسینؑ بات نہیں کرتے تھے۔^[120] امیر المومنین کی شہادت کے بعد خوارج جو شامیوں سے جنگ چاہتے تھے انھوں نے امام حسنؑ کی بیعت نہیں کی اور امام حسینؑ کے پاس آکر آپ کی بیعت کرنے کی خواہش ظاہر کی۔ آپ نے فرمایا: اللہ سے پناہ مانگتا ہوں جب تک حسن زندہ ہیں تمہاری بیعت میں قبول نہیں کرسکتا ہوں۔^[121] معتبر روایات کے مطابق، معاویہ کے ساتھ صلح امام حسن کے وقت آپ نے معاویہ کے ساتھ بھائی حسنؑ کی مصالحت کی حملت کی^[122] اور آپ نے کہا کہ وہ (امام حسنؑ) میرے امام ہیں۔^[123] اور ایک قول کے مطابق صلح برقرار ہونے کے بعد اپنے بھائی حسنؑ کی طرح آپ نے بھی معاویہ کی بیعت کی^[124] اور امام حسنؑ کی شہادت کے بعد بھی اپنے عہد پر باقی رہے۔^[125] اس کے مقابلے میں بعض روایات کے مطابق آپ نے بیعت نہیں کی^[126] اور بعض منابع کے مطابق آپ صلح سے راضی نہیں تھے اور امام حسنؑ کو قسم دیا کہ معاویہ کے جھوٹ کو نہ مانیں۔^[127] بعض محققین نے ان باتوں کو دیگر گزارشات اور تاریخی شواہد کے ساتھ ناساگوار سمجھتے ہیں۔^[128] ان میں سے ایک بات یہ ہے کہ جب بعض لوگوں نے صلح پر اعتراض کرتے ہوئے امام حسینؑ کو معاویہ پر حملہ کرنے کرنے کے لیے شیعہوں کو اکٹھا کرنے کی تجویز دی تو ان کے جواب میں آپ نے کہا: ہم نے ان کے سے عہد کیا ہے اور کبھی وعدہ خلافی نہیں کریں گے۔^[129] ایک اور جگہ ذکر ہوا ہے کہ اعتراض کرنے والوں سے کہا: جب تک معاویہ زندہ ہے تب تک انتظار کرو؛ جب وہ مر جائے تو نصیم لینگے۔^[130] امام حسینؑ سنہ 41 ہجری کو (معاویہ سے صلح کے بعد) اپنے بھائی کے ہمراہ کوفہ سے مدینہ کو لوٹے۔^[131]

علی ابن ابی طالب اور حسن بن علی کی خلافت کے دوران میں

اپنے والد کی خلافت کے دوران میں، حسین ان کے نقش قدم پر تھے اور انھوں نے اپنی جنگوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔^[132] صفین کی جنگ میں، حسین نے لوگوں کو ایک خطبہ دیا کہ وہ انھیں لڑنے کی ترغیب دیں۔^[133]^[134] اور خلافت علی کے دوران میں، وہ حسن کے بعد منبئی صدقات تھے۔^[135] خلافت کے دوران میں علی کے قریب ترین ساتھیوں میں سے حسن اور حسین، محمد حنفیہ، اور عبد اللہ ابن جعفر ہاشمیوں میں شامل تھے۔ حسین علی کے پیروکاروں میں سے ایک تھا، جس پر معاویہ، علی کے ساتھ سب کرتا تھا۔^[136] علی کے قتل کے وقت، مدینہ طور پر حسین مدین کے ایک مشن پر تھے، جہاں اسے حسن کے خط کے ذریعہ معاملہ معلوم ہوا اور علی کی آخری رسومات میں شرکت کی۔^[137]

حاج منہجری نے حسن کے ساتھ حسین کے طرز عمل کے بارے میں کہا ہے کہ لوگوں کے حسن سے بیعت کے وقت، ایک گروہ حسین کے پاس گیا اور اس سے بیعت لینے کا کہا۔ لیکن حسین نے اپنے آپ کو اپنے بڑے بھائی کا فرماں بردار قرار دے دیا۔^[138] حسن ابن علی کی جانشینی کے آغاز کے ساتھ ہی، حسین نے ان کی اطاعت کی، جیسا کہ ابن ملجم کے بدلہ کی کہانی میں حاج منہجری کے مطابق، علی ابن ابی طالب کے حملہ آور نے، خواہش کے باوجود، ابن ملجم کے بدلہ لینے کے انداز میں اپنے بھائی کی درخواست کو قبول کیا۔ کیونکہ وہ اسے اپنے وقت کا امام اور بڑا بھائی سمجھتا تھا۔ لوگوں کی طرف سے اس کی بیعت قبول کرنے کے بعد، حسن منبر پر گیا اور ایک خطبہ دیا، جسے کچھ معاویہ کے ساتھ صلح کرنے کی کوشش سمجھا جاتا تھا۔ چنانچہ وہ حسین کے پاس گئے۔ لیکن حسین نے اپنے آپ کو اپنے بڑے بھائی کا فرماں بردار سمجھا اور انھیں حسن کے پاس بھیجا۔^[139] میڈلنگ کے مطابق، حسین نے ابتدا میں معاویہ کے ساتھ صلح قبول کرنے کی مخالفت کی تھی، لیکن حسن کے دباؤ میں اسے قبول کیا۔^[140] اس کے بعد، کوفہ کے شیعہوں نے اسے معاویہ کے کوفہ کے قریب کیمپ پر اچانک حملہ کرنے کی پیش کش کی، لیکن انھوں نے یہ کہتے ہوئے انکار کر دیا کہ جب تک معاویہ زندہ ہے، ہمیں امن معاہدے کی شرائط کی پابندی کرنی چاہیے۔ لیکن معاویہ کی موت کے بعد، وہ اس



ایران میں قاجار عہد کے ایک شیعہ حرز یا تعویذ کا ایک نسخہ جس میں علی ابن ابی طالب کو اپنے دو بیٹوں حسن اور حسین کے ساتھ دکھایا گیا ہے۔ چونکہ طلسم میں معصوم لوگوں کی تصاویر کا استعمال نہیں ہوتا ہے، لہذا یہ نسخہ غالباً ایک حرز تھا۔ یہ کاپی اب نیشنل لائبریری آف کانگریس کے پاس ہے۔



کوفی اسکرپٹ میں قرآن جو حسین ابن علی سے منسوب ہے اور اسے علی ابن موسیٰ الرضا کے زیارت کے میوزیم میں رکھا گیا ہے۔

فیصلے پر دوبارہ غور کریں گے اور کوفہ کو حسن اور عبد اللہ ابن جعفر کے ساتھ مدینہ منورہ چلے گئے۔ [141] امن معاہدے پر دستخط کرنے کے بعد معاویہ نے کوفہ میں خطبہ دیا جس میں اس نے اعلان کیا کہ اس نے معاہدے کی تمام شقوق کی خلاف ورزی کی ہے اور علی ابن ابی طالب کی بھی توہین کی ہے۔ حسین نے جواب دینا چاہا، لیکن ایک بار پھر حسن کے حکم پر ایسا کرنے سے انکار کر دیا اور خود حسن نے جواب میں خطبہ دیا۔ [142] حسین نے حسن کی موت کے بعد بھی معاہدے کی شرائط پر عمل کیا۔ [143]

معاویہ ابن ابی سفیان کی خلافت کے دوران میں

انسائیکلوپیڈیا آف اسلام میں ولیری کے مطابق، معاویہ کے زمانے میں حسین نے ان کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کی تھی۔ تاہم، اس نے معاویہ کو اقتدار کی منتقلی کا الزام سن پر لگایا۔ [144] لیکن عمادی حائری کے مطابق، حسن کی خلافت کے دوران میں اور پھر معاویہ کے ساتھ امن کے دوران میں، حسین اپنے بھائی حسن کے ساتھ بھی اسی رائے اور مقام کے حامل تھے۔ اگرچہ وہ معاویہ کے والے حکومت کرنے کے مخالف تھا اور امن کے بعد بھی، اس نے معاویہ سے بیعت نہیں کی تھی، لیکن اس امن معاہدے پر قائم تھا۔ عمادی حائری لکھتے ہیں کہ حسین کا حسن کی بہ نسبت امویوں کے ساتھ سخت اور آزادانہ رویہ تھا۔ حسین نے ایک بار فاطمہ زہرا کی توہین کرنے پر مروان کے ساتھ سخت سلوک کیا اور امویوں نے علی کی توہین کرنے پر بھی شدید رد عمل کا اظہار کیا۔ لیکن عمادی ہیری نے ایک ہی وقت میں شیعہ اور تاریخی اعتبار سے بھی امامت کے تصور کا حوالہ دیتے ہوئے یہ مانا ہے کہ عام طور پر دونوں بھائیوں کا ایک ہی مقام تھا اور اس دعوے کو ثابت کرنے کے لیے، اس نے حسن کے کفن اور تدفین کے معاملے کا حوالہ دیا۔ [145] حاج منوہری کا کہنا ہے کہ اگرچہ حسین معاویہ کے ساتھ حسن کے امن معاہدے پر کاربند تھے، لیکن انھوں نے معاویہ کو خطوط بھی لکھے تھے جس میں معاویہ کی خلافت اور اس سے بیعت ہونے کی بھی نشان دہی کی گئی، نیز یزید کے جانشین کی حیثیت سے انتخاب کی مذمت کی اور مروان اور امویوں کے اقدامات پر تنقید کی۔ [146] محمد باقر بیان کرتے ہیں کہ اس وقت حسن اور حسین نماز میں مروان بن حکم کی پیروی کرتے تھے، جسے معاویہ نے مدینہ پر حکمرانی کے لیے مقرر کیا تھا۔ عالم اسلام کے انسائیکلوپیڈیا میں سید محمد عمادی حائری نے شیعہ ذرائع جیسے حر عاملی کا حوالہ دیتے ہوئے، جو بدکار شخص کی پیروی کرنے سے منع کرتے ہیں اور حسین مروان کے ساتھ سخت سلوک کرتے ہیں، کا خیال ہے کہ یہ روایت غلط ہے۔ حاج منوہری کا کہنا ہے کہ اگرچہ حسین معاویہ کے ساتھ حسن کے امن معاہدے پر کاربند تھے، لیکن انھوں نے معاویہ کو خطوط بھی لکھے تھے جس میں معاویہ کی خلافت اور اس سے بیعت ہونے کی بھی نشان دہی کی گئی، نیز یزید کے جانشین کی حیثیت سے انتخاب کی مذمت کی اور مروان اور امویوں کے اقدامات پر تنقید کی۔ اطلاعات سے پتہ چلتا ہے کہ شیعہ، جیسے حجر بن عدی، حسن کو مارے جانے سے بہت پہلے اس سے ملنے آئے اور معاویہ کے خلاف بغاوت کرنے کو کہا۔ لیکن بلاذری کے مطابق، اس کا جواب ہمیشہ تھا، "جب تک معاویہ موجود ہے کچھ نہیں کیا جاسکتا۔ ہمیشہ انتقام کے بارے میں سوچنا ضروری ہے... لیکن اس کے بارے میں کچھ نہ کہیں۔" [147][148]

انسائیکلوپیڈیا اسلام میں ولیری کے مطابق، 41 ہجری میں حسن اور معاویہ کے امن کے بعد۔ ہجری، حسین نے معاہدے پر مبنی ایک سال میں ایک یا دو ملین درہم قبول کیا اور متعدد بار دمشق چلا گیا۔ جہاں اس کے پاس مزید تحائف آئے۔ [149][150][151]

میزلنگ کے مطابق، جب حسن زہر کے نتیجے میں موت کی راہ پر گامزن تھا، اس نے اس زہر میں معاویہ پر اظہار شک نہیں کیا تاکہ حسین جوانی کارروائی نہ کرے۔ حسن نے وصیت کی کہ اسے اپنے نانا محمد کے پاس دفن کیا جائے اور اگر اس معاملے پر کوئی تنازع یا خون خرابا ہوا تو اسے اپنی والدہ فاطمہ کے پاس دفن کیا جائے۔ لیکن مروان بن حکم، اس بہانے سے کہ لوگوں نے پہلے عثمان کو بعقیہ میں دفن کرنے کی اجازت نہیں دی تھی، حسن کو محمد کے پاس دفن ہونے سے روک دیا۔ حسین نے جُلفُ الفضول نامی قریش یونین سے بھی شکایت کی اور بنی امیہ کے خلاف بنی ہاشم کے حقوق کے حصول کا مطالبہ کیا۔ لیکن محمد حنفیہ اور دوسرے لوگوں نے آخر کار حسن کو اپنی ماں کے ساتھ دفن کرنے پر حسین راضی کر لیا۔

اسی دوران میں، کوفہ کے شیعوں نے حسین سے بیعت کرنا شروع کی اور سلیمان بن صرد خُزاعی کے گھر پر جُعدۃ بن ہنیزۃ مخزومی کے بیٹوں، جو امّ بانی علی بن ابی طالب کی بہن، کے پوتے تھے، سے ملاقات کی۔ [152] حسن کی موت کے بعد، بنی ہاشم میں حسین کو سب سے زیادہ عزت حاصل تھی اور اگرچہ عبداللہ ابن عباس جیسے لوگ عمر میں ان سے بڑے تھے، لیکن انھوں نے ان سے مشورہ کیا اور اس کی رائے کو استعمال کیا۔ [153]

انھوں نے حسین کو ایک خط لکھا، جس میں انھوں نے حسین سے اظہار تعزیت کیا اور حسین سے اپنی وفاداری کا اظہار کیا اور حسین سے دلچسپی اور اس میں شامل ہونے کی خواہش کا اظہار کیا۔ اس کے جواب میں، حسین نے لکھا کہ وہ حسن کی امن کی شرائط پر عمل کرنے کے پابند ہیں اور ان سے اپنے جذبات کا اظہار نہ کرنے کو کہتے ہیں اور اگر معاویہ کی موت کے بعد حسین زندہ بچ جاتے ہیں تو وہ شیعوں کو اپنے خیالات بتاتے۔^[154] تیسرے خلیفہ کے بیٹے عمرو ابن عثمان نے مروان کو مدینہ میں حسین کے ساتھ متعدد شیعوں کی ملاقاتوں کے بارے میں متنبہ کیا اور مروان نے معاویہ کو یہ لکھا۔^{[155][156]} معاویہ کو مدینہ کے حاکم مروان نے شیعوں کے ساتھ حسین کے ساتھ ہونے والے سلوک سے آگاہ کیا، لیکن اس نے کوئی رد عمل ظاہر نہیں کیا۔ معاویہ نے اس وقت مدینہ کے حکمران مروان سے کہا کہ وہ حسین کے ساتھ معاملہ نہ کریں اور اشتعال انگیز حرکتیں نہ کریں۔ دوسری طرف، حسین کو لکھے گئے ایک خط میں، اس نے ان سے فراخ دلی سے وعدے کیے اور مروان کو مشتعل نہ کرنے کا مشورہ دیا۔ کہانی کا اختتام حسین کے تحریری رد عمل کے ساتھ ہوا، جس سے معاویہ کو کوئی تکلیف نہیں ہوتی تھی۔^{[157][158]} ایک دھمکی آمیز خط میں، معاویہ نے حسین کو ملک بغاوت سے گرفتار کیا اور حسین نے اسے سخت جواب میں لکھا: "مجھے اس امت کے خلاف آپ کے صوبے سے بڑھ کر کسی بغاوت کا پتہ نہیں ہے۔"^[159] مروان نے ایک بار حسین کو ایک دھمکی آمیز خط لکھا تھا جس سے امت مسلمہ میں تفرقہ پھیلانے کا انتباہ کیا گیا تھا، جس میں حسین نے معاویہ کو ابو سفیان کے زیاد ابن ابیہ کی ماں کے ساتھ جنسی تعلق کی بنا پر اسے اپنا بھائی قرار دینے پر ڈانٹا تھا۔ اس نے معاویہ کو حجر بن عدی کے قتل ر اعتراض کیا اور دھمکیوں کو نظر انداز کیا۔ معاویہ نے اپنے آس پاس کے لوگوں اور اس کے دوستوں سے حسین سے شکایت کی، لیکن وہ مزید دھمکیوں سے باز رہا اور حسین کو تحائف بھیجتا رہا۔^[160] سید محمد عمادی حاضری کا ماننا ہے کہ انھوں نے معاویہ کے تحائف کو قبول نہیں کیا۔^[161]

جب معاویہ یزید کے لیے بیعت جمع کر رہا تھا تو، حسین ان چند لوگوں میں شامل تھے جنہوں نے بیعت کو مسترد کر دیا اور معاویہ کی مذمت کی۔ سید محمد عمادی حاضری کا ماننا ہے کہ انھوں نے معاویہ کے تحائف کو قبول نہیں کیا۔^[162] معاویہ نے یزید کو مشورہ دیا کہ وہ حسین کے ساتھ نرم سلوک کرے اور اسے بیعت کرنے پر مجبور نہ کرے۔^{[163][164]}

معاویہ کی حکومت کے دوران میں، اس کے دو اہم اعمال تاریخی ذرائع میں درج ہیں: اول، جب وہ متعدد اراضی پر ان کی ملکیت پر متعدد بنو امیہ بڑوں کے سامنے کھڑا ہوا اور دوسرا، جب معاویہ نے ولی عہد کی حیثیت سے یزید کے لیے بیعت لی۔ اسلام کے ولی عہد شہزادہ کی تقرری ایک مسلک ہے۔^[165] حسین، نے مشہور صحابہ کرام کے دوسرے بیٹوں کے ساتھ، اس فعل کو مسترد کر دیا کیونکہ یہ حسن کے امن معاہدے کے خلاف اور خلیفہ مقرر کرنے میں عمر کی کونسل کے اصول کے منافی تھا اور معاویہ کی مذمت کی تھی۔^{[166][167]} معاویہ نے یزید کو مشورہ دیا کہ وہ حسین کے ساتھ نرم سلوک کرے اور اسے بیعت کرنے پر مجبور نہ کرے۔^{[14][168][168]}

معاویہ، جو خلیفہ عثمان بن عفان کے ماتحت شام کے خطے کا گورنر تھا، نے علی کے بیعت کے مطالبے سے انکار کر دیا تھا اور طویل عرصے سے اس سے تنازع چل رہا تھا۔ علی کے قتل ہونے کے بعد اور لوگوں نے حسن سے بیعت کی، معاویہ نے اس کے ساتھ لڑنے کے لیے تیار ہوا۔ اس جنگ کے نتیجے میں حسن اور معاویہ کی فوجوں کے مابین متنازع تصادم ہوا۔ خانہ جنگی کی پریشانیوں سے بچنے کے لیے، حسن نے معاویہ کے ساتھ ایک معاہدے پر دستخط کیے، جس کے مطابق معاویہ اپنے دور حکومت میں کسی جانشین کا نام نہیں لے گا اور اسلامی برادری (امت) کو اپنا جانشین منتخب کرنے دے گا۔^[169]

ازواج اور اولاد

آپ کی اولاد کی تعداد کے بارے میں اختلاف نظر ہے؛ بعض نے چار بیٹے اور دو بیٹیاں^[170] اور بعض نے چھ بیٹے اور تین بیٹیاں لکھا ہے۔^[171]

ازواج	نسب	اولاد	تفصیل
شہربانو	یزدگرد ساسانی بادشاہ کی بیٹی	امام سجاد شیعوں کے چوتھے امام	معاصر محققین شہربانو کے نسب کے بارے میں تردید کرتے ہیں۔ ^[172] بعض کتابوں میں ان کا نام سیئدیہ، غزالہ اور شاہ زنان ذکر ہوا ہے۔
ریاب	امرو القیس بن عدی کی بیٹی	سُکینہ اور عبداللہ۔ ^[173]	ریاب کربلا میں موجود تھیں اور اسیر ہو کر شام تک گئیں۔ ^[174] اکثر کتابوں میں عبد اللہ کو شہادت کے وقت شیرخوار نقل کیا گیا ہے۔ ^[175] ج کل شیعہ انھیں علی اصغر کے نام سے جانتے ہیں۔
لیلہ	ابی مَرَّة بن عروہ بن مسعود ثقفی کی بیٹی ^[176]	علی اکبر ^[177]	-----
ام اسحاق	طلحہ بن عبید اللہ کی بیٹی	فاطمہ امام حسین کی بڑی بیٹی ^[178]	ام اسحاق، امام حسن مجتبیٰ کی زوجہ تھیں اور آپ کی شہادت کے بعد امام حسین سے شادی کی۔ ^[179]
سُلافہ یا ملومہ ^[180]	قُضاعہ نامی قبیلے سے	جعفر ^[181]	جعفر نے امام کی حیات میں ہی وفات پائی اور ان کی کوئی نسل باقی نہیں ہے۔ ^[182]

چھٹی صدی میں لکھی ہوئی کتاب لباب الانساب^[183] میں امام کی ایک بیٹی رقیہ کے نام سے اور ساتویں ہجری میں لکھی گئی کتاب کامل بہائی میں امام حسین کی ایک چار سالہ بیٹی کا تذکرہ ہے جو شام میں وفات پائی ہے۔^[184] بعد کی کتابوں میں رقیہ کا نام زیادہ آنے لگا ہے۔ اسی طرح بعض منابع میں شہربانو کا بیٹا علی اصغر اور ریاب کا بیٹا محمد اور اسی طرح سے زینب (ماں) کا نام لکھے بغیر) کے نام، امام حسین کی اولاد میں سے ذکر ہوئے ہیں۔^[185] ابن طلحہ شافعی نے اپنی کتاب مطالب الرسول فی مناقب آل الرسول میں آپ کی اولاد کی تعداد کو دس بتایا

دوران میں امامت

آپ کی امامت کا آغاز معاویہ کی حکومت کے دسویں سال ہوا۔ معاویہ نے 41ھ [187] کو امام حسن سے صلح کے بعد حکومت سنبھالا اور اموی خلافت کی بنیاد رکھی۔ اہل سنت منایع نے اسے چالاک اور صابر لکھا ہے۔ [188] اور ظاہری طور پر دین کا پابند تھا اور اپنی خلافت کی بنیادوں کو مضبوط کرنے کے لیے بعض دینی اصولوں سے استفادہ کرتا تھا۔ اگرچہ حکومت کو زور اور سیاسی چالاکوں سے حاصل کیا تھا [189] لیکن اسے اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی اور قضا و قدر الہی سمجھتا تھا۔ [190]

وہ اپنے آپ کو اہل شام کے لیے انبیا اور اللہ کے نیک بندے اور دین و احکام کے مدافعين کے ہم پلہ سمجھتا تھا۔ [191] تاریخی منایع میں آیا ہے کہ معاویہ نے خلافت کو سلطنت میں تبدیل کر دیا [192] اور علنی طور پر کہتا تھا کہ عوام کی دینداری سے میرا کوئی سروکار نہیں ہے۔ [193]

معاویہ کی حکومت کے مسائل میں سے ایک عوام خاص کر عراق کی عوام میں شیعہ عقیدے کا پانا تھا۔ شیعہ معاویہ کے دشمن تھے، اسی طرح خوارج بھی اس کے دشمن تھے لیکن خوارج کے لیے عوام میں کوئی مقام حاصل نہیں تھا جبکہ شیعہ امام علیؑ اور اہل بیت کی وجہ سے عوام پر ہست نفوذ رکھتے تھے۔ اسی لیے معاویہ اور اس کے اہلکار، مصالحت سے یا نکر کے ذریعے سے شیعوں سے نمٹتے تھے۔ معاویہ کا ایک اہم طریقہ عوام میں علیؑ سے دوری ایجاد کرنا تھا اسی وجہ سے معاویہ کے دور اور بعد کے اموی دور میں علیؑ پر لعن کرنا ایک عام رسم بنی۔ [194] معاویہ نے حکومت کو مضبوط کرنے کے بعد شیعوں پر سیاسی دباؤ شروع کیا اور اپنے افراد سے کو خط لکھا کہ علیؑ کے چاہنے والوں کو اپنے دربار سے نکالیں، بیت المال سے ان کو کچھ نہ دیں اور ان کی گواہی کو قبول نہ کریں۔ [195] اسی طرح اگر کسی نے امام علیؑ کی فضیلت بیان کرنے والوں کو دھمکی دی یہاں تک کہ محدثوں نے آپ کو «قریش کا ایک مرد»، «رسول اللہ کا ایک صحابی» اور «ابو زینب» سے یاد کرنے لگے۔ [196]

دلائل امامت

فائل:امامان قاما او قعدا.jpg

امام حسینؑ کی ضریح پر حدیث نبوی

امام حسینؑ اپنے بھائی کی شہادت کے بعد 50ھ کو امامت پر فائز ہوئے اور اکسٹھ ہجری کے ابتدائی دنوں تک شیعوں کی امامت اور رہبری پر فائز رہے۔ سانچہ:مدرک شیعہ علما نے جہاں بارہ اماموں کی امامت پر دلیل قائم کیا ہے [197] وہاں ہر امام کی امامت پر خاص طور سے بھی دلیل پیش کیا ہے۔ شیخ مفید نے کتاب ارشاد میں امام حسینؑ کی امامت پر بعض احادیث کی طرف اشارہ کیا ہے جن میں سے یہ احادیث کہ جہاں ارشاد ہوتا ہے۔ **ابناکي هذا ان امامان قاما او قعدا** (ترجمہ: میرے یہ دو بیٹے حسن و

حسین امام ہیں چاہے یہ قیام کریں چاہے یہ بیٹھے ہوں)۔ [198] اسی طرح امام علیؑ نے اپنی شہادت کے وقت امام حسنؑ کی امامت کے بعد آپ کی امامت کی تاکید کی ہے۔ [199] اور امام حسنؑ نے بھی اپنی شہادت کے وقت محمد بن حنفیہ کو وصیت کرتے ہوئے اپنے بعد حسین ابن علیؑ کو امام معرفی کیا ہے۔ [200] شیخ مفید اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے امام حسینؑ کی امامت کو یقینی اور ثابت سمجھتے ہیں۔ ان کے کہنے کے مطابق امام حسینؑ نے معاویہ سے صلح امام حسن میں جو وعدہ کیا تھا وہ اور تقیہ کی وجہ سے معاویہ مرنے تک لوگوں کو اپنی طرف دعوت نہیں کی اور امامت کو علنی نہیں کیا؛ لیکن معاویہ مرنے کے بعد آپ نے امامت کو علنی کیا اور جن کو آپ کے مقام کا نہیں پتہ تھا انھیں اپنی پہچان کروایا۔ [201] علاوہ ازیں ایسی احادیث رسول اللہ سے وارد ہوئی ہیں جن میں ائمہ کی تعداد بتائی گئی ہے اور امام علیؑ، امام حسنؑ اور امام حسینؑ اور ان کے نو فرزندوں کی امامت پر تصریح و تاکید ہوئی ہے۔ [202]

منقول ہے کہ 60ھ کو امام حسینؑ مدینہ سے نکلتے ہوئے اپنی بعض وصیتوں اور امامت کی امانتوں کو زوجہ رسول خدّام سلمہ کے حوالے کیا [203] اور بعض کو شہادت سے پہلے اکسٹھ ہجری کی محرم کو اپنی بڑی بیٹی فاطمہ کے حوالے کیا [204] لہذا کہ وہ انھیں امام سجاد کے حوالے کرے۔

صلح امام حسن کی پاسداری

اس کے باوجود کہ امام حسنؑ کے بعد آپؑ حکومت کی باگ ڈور سنبھالنے کے لیے صالح ترین اور مناسب ترین شخصیت تھے؛ تاہم معاویہ کے ساتھ امام حسنؑ کی صلح کی بنا پر، آپ اس صلح کے پابند رہے۔ [205] اور اس کے باوجود کہ کوئی عوام نے معاویہ کے خلاف قیام کے لیے آپ کو خطوط لکھے، آپ نے قیام سے اجتناب کیا گو کہ آپ نے مسلمانوں پر معاویہ کی حاکمیت کی شرعی اور قانونی حیثیت کو مسترد کر دیا اور ظالموں کے خلاف جہاد پر زور دیا اور قیام کو معاویہ کی موت تک ملتوی کر دیا۔ [206] اور کوفہ والوں کے خطوط کے جواب میں لکھا:

ابھی میرا یہ عقیدہ نہیں، معاویہ مرنے تک کوئی اقدام نہ کریں، اپنے گھروں میں چھپے رہیں اور ایسے کام سے اجتناب کریں جس سے تم پر بدگمان ہو جائیں۔ اگر وہ مرا اور تب تک میں زندہ رہا تو اپنی رای سے آپ کو آگاہ کروں گا۔ [207]

معاویہ کا راج

شیعوں کے مطابق، حسین 669ء میں اپنے بھائی حسن کی وفات کے بعد دس سال کی مدت کے لیے تیسرے امام تھے۔ اس کے علاوہ گزشتہ چھ مہینوں کے علاوہ تمام وقت معاویہ کی خلافت کے ساتھ موافق تھا۔ [208] حسن کے ساتھ صلح نامے کے بعد، معاویہ اپنی فوج کے ساتھ کوفہ چلا گیا، جہاں ایک عوامی ہتھیار ڈالنے کی تقریب میں حسن نے اٹھ کھڑے ہوئے اور لوگوں کو یاد دلاتے ہوئے کہا کہ وہ اور حسین محمد کے اکلوتے نواسے ہیں اور یہ کہ اس نے بادشاہی کو معاویہ کے حوالے کر دیا "لوگوں کے، امت کے بہترین مفاد میں: "اے لوگو، یقیناً خدا ہی تھا جس نے آپ کو ہم میں سے سب سے پہلے کی راہنمائی کی اور جس نے ہم میں سے آپ کو خون خرابے سے بچایا۔ میں نے معاویہ سے صلح کر لی ہے اور میں نہیں جانتا کہ یہ آپ کی آزمائش کے لیے نہیں ہے اور آپ کچھ وقت کے لیے لطف اندوز ہو سکیں گے۔" [حاشیہ 4] [209] حسن نے اعلان کیا۔ [169]

660/41 میں حسن کے حکومت چھوڑنے اور 669/49 ان کی شہادت کے درمیان میں نو سالہ مدت میں، حسن اور حسین معاویہ کے خلاف یا اس کے خلاف سیاسی مداخلت سے دور رہنے کی کوشش کرتے ہوئے مدینہ واپس چلے گئے۔ [169][210]

اہل بیت کی حکمرانی کے حق میں جذبات کبھی کبھار چھوٹے گروہوں کی شکل میں سامنے آتے تھے، زیادہ تر کوفہ سے، حسن اور حسین سے ملنے جاتے تھے اور ان کو اپنا قائد بننے کی درخواست کرتے تھے۔ جس کی درخواست پر انھوں نے جواب دینے سے انکار کر دیا تھا۔ [85] اس کے دس سال بعد بھی، حسن کی شہادت کے بعد، جب عراقیوں نے بغاوت کے بارے میں اس کے چھوٹے بھائی، حسین کی طرف رجوع کیا، تو حسین نے انھیں اس وقت تک انتظار کرنے کی ہدایت کی جب تک معاویہ کے ساتھ حسن معاہدے کی وجہ سے زندہ ہے۔ [169] تاہم، بعد میں اور موت سے پہلے معاویہ نے اپنے بیٹے یزید کو اپنا جانشین بنا دیا۔ [211]

یزید کا راج

حسن اور معاویہ کے مابین ہونے والے معاہدے کا ایک اہم نکتہ یہ تھا کہ موخر الذکر کسی کو بھی اس کی وفات کے بعد اپنا جانشین مقرر نہیں کرے گا۔ لیکن حسن کی شہادت کے بعد، معاویہ، یہ خیال کرتے ہوئے کہ کوئی بھی اتنا جرات مند نہیں ہوگا کہ خلیفہ کے طور پر اس کے فیصلے پر اعتراض کرے، اس معاہدے کو توڑتے ہوئے، اپنے بیٹے یزید کو 680 میں اپنا جانشین مقرر کیا۔ [212] رابرٹ پینے نے تاریخ معاویہ میں معاویہ کا حوالہ دیتے ہوئے کہا ہے کہ اپنے بیٹے یزید کو حسین کو شکست دینے کے لیے - کیوں کہ معاویہ کا خیال تھا کہ وہ یقیناً اس کے خلاف فوج تیار کرے گا، لیکن ان کے ساتھ نرمی کا معاملہ کرنا کیونکہ وہ رسول کے نواسے ہیں۔ لیکن عبد اللہ ابن الزبیر کے ساتھ تیزی سے معاملہ کرنا، کیونکہ معاویہ کو اس سے سب سے زیادہ ڈر تھا۔ [213]

اپریل 680 میں، یزید خلیفہ کی حیثیت سے اپنے والد کی جانشین ہوا۔ اس نے فوراً ہی مدینہ کے گورنر کو ہدایت کی کہ وہ حسین اور کچھ دیگر ممتاز شخصیات کو اپنی بیعت کا عہد کرنے پر مجبور کرے۔ [214] تاہم حسین نے اس سے پرہیز کیا اور یہ مانتے ہیں کہ یزید کھلم کھلا اسلام کی تعلیمات کے منافی اور محمد کی سنت کے خلاف ہے [215]۔ [216] ان کے خیال میں اسلامی معاشرے کی سالمیت اور بقاء کا دارومدار صحیح رہنمائی کے دوبارہ قیام پر تھا۔ [217] وہ اور اس کے گھر والے مدینہ سے مکہ مکرمہ میں پناہ کے لیے نکلے تھے۔ [218] جب مکہ مکرمہ میں، ابن الزبیر، عبد اللہ ابن عمر اور عبد اللہ ابن عباس نے حسین کو مشورہ دیا کہ وہ مکہ کو اپنا اڈا بنائیں اور وہاں سے یزید کے خلاف لڑیں۔ [219] وہاں، کوفہ کے لوگوں نے اس کو خط بھیجا، اس سے مدد مانگی اور اس سے بیعت کا وعدہ کیا۔ چنانچہ اس نے کوفہ کی طرف سفر کیا [220]، لیکن کربلا کے قریب اس کے کارواں کو یزید کی فوج نے روک لیا۔ 10 اکتوبر 680 (10 محرم 61 ہجری) کو کربلا کی لڑائی میں ان کا قتل کر دیا گیا اور اس کا سر قلم کر دیا گیا، اس کے بیشتر کنبہ اور ساتھی بھی شامل تھے، بشمول حسین کا چھ ماہ کا بیٹا علی الصغر، خواتین اور بچوں کے ساتھ لیا گیا قیدی۔ [8][221] جنگ کربلا کی داستان کو **مقتل الحسین** کہا جاتا ہے۔

محمد ابن جریر طبری، ابن خلدون، ابن کثیر غرض بہت سے مفسرین اور مورخین نے لکھا ہے کہ ابن زیاد نے خاندان رسالت کو کربلا میں قتل کیا اور قیدیوں کو اونٹوں پر شہیدوں کے سروں کے ساتھ دمشق بھیج دیا۔ دمشق میں بھی ان کے ساتھ کچھ اچھا سلوک نہ ہوا۔

یزید نے امام حسین کے سر کو اپنے سامنے طشت پر رکھ کر ان کے دندان مبارک کو چھڑی سے چھیڑتے ہوئے اپنے کچھ اشعار پڑھے جن سے اس کا نقطہ نظر معلوم ہوتا ہے جن کا ترجمہ کچھ یوں ہے [222]

کاش آج اس مجلس میں بد میں مرنے والے میرے بزرگ اور قبیلہ خزرج کی مصیبتوں کے شاہد ہوتے تو خوشی سے اچھل پڑتے اور کہتے: شاباش اے یزید تیرا ہاتھ شل نہ ہو، ہم نے ان کے بزرگوں کو قتل کیا اور بد کا انتقام لے لیا، بنی ہاشم سلطنت سے کھیل رہے تھے اور نہ آسمان سے کوئی وجی نازل ہوئی نہ کوئی فرشتہ آیا ہے۔ [222]

امام حسین عراق میں کربلا کے مقام پر مدفون ہیں۔

اپنی موت سے قبل اموی حکمران معاویہ نے صلح حسن کے برخلاف یزید کو اپنا جانشین مقرر کیا۔^[223] جب 680ء میں معاویہ انتقال کر گئے تو یزید نے بیعت کا مطالبہ کیا، حسین نے یزید کی بیعت سے انکار کر دیا، یعنی انھوں نے خود کو قربان کرنے کا فیصلہ کیا۔ نتیجاً انھوں نے 60ھ میں مدینہ چھوڑ دیا اور مکہ آ گئے۔^{[223][224]} یہاں اہل کوفہ نے انھیں خطوط بھیجے اور ان سے مدد مانگی اور حسین کی بیعت کرنے کا کہا۔ سو وہ کوفہ کے لیے روانہ ہوئے،^[223] کربلا کے نزدیک ان کے کارواں پر یزیدی فوج نے حملہ کر دیا۔ کربلا کی جنگ میں انھیں اور ان کی آل کو 10 محرم 61ھ (10 اکتوبر 680ء) کو قتل کر کے سر قلم کر دیا گیا، شہداء میں ان کے چھ ماہ کے بیٹے، علی اصغر بھی شامل تھے، اس کے علاوہ اہل بیت کی خواتین اور بچوں کو قیدی بنا دیا گیا۔^{[223][225]} بعد ازاں وفات حسین پر غم اتنا بڑھ گیا کہ لوگ دولت امویہ کے شدید مخالف ہو گئے اور عباسیوں نے امویوں کو عبرت ناک شکست دے کر ان لوگوں کے دل ٹھنڈے کیے۔^{[226][10]}

معاویہ کے اقدامات کے خلاف موقف

معاویہ کی جانب سے یزید کی بیعت کی دعوت پر امام حسینؑ کا جواب:

یزید نے اپنی فکر اور عقیدے کو دکھا چکا ہے؛ تم بھی اس کے لیے وہی چاہو جو وہ چاہتا ہے: کتوں کو ایک دوسرے کے خلاف لڑانا، کبوتروں کو اڑانا اور گانے والی کنیزوں سے معاشرت اور دیگر قسم کی سرگرمیاں۔۔۔ [اے معاویہ] اس کام سے باز آ جاؤ؛ اللہ کے حضور ان لوگوں کے گناہوں کا بوجھ کے علاوہ بھی گناہوں کا بوجھ لے کر جانے میں تمہیں کیا فائدہ پہنچے گا؟!

ابن قتیبہ، الامامۃ والسیاسة، ج 1، ص 209

اگرچہ معاویہ کی حکومت کے دوران میں امام حسینؑ نے عملی طور پر ان کے خلاف کوئی اقدام نہیں کیا لیکن معاصر تاریخی محقق، رسول جعفریان کا کہنا ہے کہ امام اور معاویہ کے درمیان میں ہونے والے بعض رابطے اور گفتگو اس بات کی نشان دہی کرتے ہیں امام حسینؑ نے معاویہ کی حکومت کو سیاسی طور پر قبول نہیں کیا تھا اور ان کے سامنے تسلیم نہیں ہوئے تھے۔^[227] امام حسینؑ اور معاویہ کے درمیان میں رد و بدل ہونے والے متعدد خطوط بھی اسی بات کے شاہد ہیں۔ اس کے باوجود تاریخی گزارشات سے معلوم ہوتا ہے کہ معاویہ بھی خلفائے ثلاثہ کی طرح ظاہری طور پر امام کا احترام کرتا تھا۔^[228] اور اپنے اہلکاروں کو حکم دیا تھا کہ رسول اللہ کے بیٹے کا مزاحم نہ بنیں اور ان کی بے احترامی نہ کریں۔^[229] معاویہ نے یزید کو وصیت میں بھی امام حسینؑ کے مقام کی تاکید کی اور انھیں لوگوں میں سب سے محبوب جانا اور کہا اگر حسین پر کامیاب ہو گیا تو اسے بخش دو کیونکہ اس کا حق ہست بڑا ہے۔^[230]

شیعیان امام علی کے قتل پر اعتراض

معاویہ نے جب حجر بن عدی، عمرو بن حمق خزاعی اور عبداللہ بن یحییٰ حضرمی جیسی شخصیات کے قتل پر امام حسینؑ نے شدید اعتراض کیا۔^[231] اور بہت ساری تاریخی منابع کے مطابق آپ نے معاویہ کو خط لکھا اور علیؑ کے دستوں کو قتل کرنے کی مذمت کی اور معاویہ کے بعض برے کاموں کی نشان دہی کرتے ہوئے اس کو محکوم کیا اور کہا: میں اپنے اور اپنے دین کے بارے میں تمہارے ساتھ جہاد سے بالاتر کوئی اور چیز نہیں جانتا ہوں۔ اس خط میں مزید لکھا: اس امت پر تمہاری حکومت سے زیادہ بڑے فتنے کا مجھے علم نہیں ہے۔^[232]

جب حج کے سفر میں معاویہ کا امامؑ سے آمنا سامنا ہوا^[233] تو اس نے کہا: کیا تمہیں معلوم ہے کہ حجر اور اس کے دوست اور تمہارے والد کے شیعوں کے ساتھ ہم نے کیا کیا ہے؟ امام نے فرمایا: کیا کیا ہے؟ معاویہ نے کہا: انھیں قتل کیا، کفن دیا، ان پر نماز پڑھی اور دفن کر دیا۔ امام نے فرمایا: لیکن اگر ہم تمہارے اصحاب کو قتل کریں تو انھیں نہ کفن دیں گے، نہ ان پر نماز پڑھیں گے اور نہ انھیں دفنائیں گے۔^[234]

یزید کی ولایت عہدی پر اعتراض

سنہ 56ھ کو معاویہ نے امام حسنؑ سے کیے ہوئے صلح نامے میں مذکور، (اپنے بعد کسی کو اپنا جانشین نہیں بنائے گا) قرار داد کے برخلاف یزید کو اپنا جانشین بنا کر لوگوں کو اس کی بیعت کرنے کا کہا۔^[235] امام حسینؑ سمیت بعض شخصیات نے اس کی بیعت سے انکار کر دیا۔ معاویہ نے یزید کی ولیعہدی کو مستحکم بنانے کی غرض سے وسیع اقدامات انجام دینے کے بعد مدینہ کا دورہ کیا تاکہ مدینہ کے اکابرین سے یزید کی ولایت عہدی کے لیے بیعت لے۔^[236] امام حسینؑ نے ایک مجلس میں جہاں معاویہ، ابن عباس اور بعض اموی درباریوں کی موجودگی میں معاویہ کی ملامت کی اور یزید کی نالائی اور ہوس بازیوں کی یاد آوری کرائی اور اس کو یزید کی ولیعہدی کا اعلان کرنے سے متنبہ کیا۔ اس کے ساتھ ساتھ امام حسینؑ نے اپنے مقام اور حق کو بیان کرتے ہوئے یزید کی بیعت کے لیے معاویہ کی طرف سے پیش کی جانے والی دلیل کو رد کیا۔^[237] اسی طرح ایک اور مجلس میں جہاں عوام بھی تھے، امام حسینؑ نے معاویہ کی یزید کی شایستگی کی باتوں کے خلاف اپنے کو خلافت کے لیے فردی اور خاندان کے اعتبار سے مناسب قرار دیا اور یزید کو شرابی اور ہوس باز کے طور پر معرف کیا۔^[238]

حسین ابن علی کا خطبہ منی

معاویہ کی وفات سے ایک یا دو سال پہلے اور جب وہ اپنے بیٹے یزید کو گورنری اور پھر مسلمانوں کی خلافت میں لانے کی کوشش کر رہا تھا تو، حسن سے اس کے امن معاہدے کے برخلاف، حسین نے اس صورت حال سے خطرہ محسوس کیا اور عالم اسلام کے بزرگوں کو دعوت دی حج کے دوران میں مناک کی سرزمین میں جمع ہوں اور اس کا پیغام سنیں۔ اس دعوت کے بعد، منا میں قریب سات سو پیروکار اور پیغمبر اسلام کے دو سو ساتھی جمع ہوئے۔ اپنی تقریر کے آغاز میں - جو بعد میں "خطبہ منا" کے نام سے مشہور ہوئے۔ معاویہ نے اسے "بغاوت" قرار دیا، جسے میں حسین نے اس کے اور ہوامیہ کے ظالمانہ اقدامات کو بے نقاب کر دیا، خاص طور پر انھوں نے اہل بیت اور شیعوں کے خلاف کیا کیا اور سامعین سے کہا کہ وہ اس مواد کو ریکارڈ کریں اور قابل اعتماد لوگوں کو جب وہ اپنے شہروں میں واپس آئیں تو اس کی اطلاع دیں۔ یزید کے اقتدار میں آنے کے خطرات اور نقصانات سے بچیں۔ خطبہ کے تسلسل میں، انھوں نے علی ابن ابی طالب کی فضیلت اور نیکی کی طرف متوجہ کرنے اور معاشرے میں برائی سے روکنے کے منصب اور اس اصول کو بھانپنے میں اسلامی اسکالرز اور بزرگوں کی ذمہ داری اور عوامی رائے کو روشن

کرنے میں ان کے کردار کا ذکر کیا۔ اس اصول کی تکمیل اور اسلام کی رائے عامہ کو نمایاں کرنے میں ان کے کردار میں اسلام کے بزرگ صحابہ کرام اور پیروکاروں کو اس خطبے کی فراہمی حسین کے لیے ایک اچھا موقع تھا کہ وہ مناکہ سرزمین سے عالم اسلام کو اپنا پیغام پہنچائیں اور اشرف، خصوصی صحابہ کرام اور اہل اسلام کو اسلامی دنیا کے عمومی حالات سے آگاہ کریں۔ اموی نظام کے خطرات اور سازشوں کو بے نقاب کریں۔^[239]

⚠ انتباہ: درجہ چہارم سے قبل درجہ سوم کی سرخی لازمی ہے۔ (مزید تفصیلات)

خطبہ منی سے ایک اقتباس

امام حسین نے معاویہ کی وفات سے دو سال پہلے یعنی سنہ 58ھ کو منی میں ایک اعتراض آمیز خطبہ دیا^[240] اس دور میں شیعوں پر معاویہ کی طرف سے شدید دباؤ تھا۔^[241] امام نے اس خطبے میں امیر المؤمنین اور اہل بیت کی فضیلت، امر بہ معروف و نہی از منکر کی دعوت کے ساتھ ساتھ اسی اسلامی وظیفے کی اہمیت کی تاکید، علما کی ذمہ داری اور ظالم کے خلاف قیام اور علما کا ظالموں کے مقابلے میں خاموشی کے نقصانات بیان کیے۔

قیام حسین

یزید سے بیعت نہ کرنا

معاویہ کی وفات کے فوراً بعد 15 رجب 60ھ - 22 اپریل 680ء کو یزید نے مدینہ کے حاکم ولید ابن عتبہ کو حسین، عبد اللہ ابن زبیر، اور عبد اللہ ابن عمر سے بیعت لینے کا حکم دیا۔^[242] یزید کا مقصد معاویہ کی موت کے بارے میں لوگوں کو معلوم ہونے سے قبل اس شہر کا کنٹرول سنبھالنا تھا۔ یزید کی فکر خاص طور پر خلافت میں اس کے دو حریفوں کے بارے میں تھی۔ یعنی یہ حسین اور عبد اللہ ابن زبیر ہی تھے جنہوں نے اس سے قبل بیعت ترک کر دی تھی۔^[243] ولید بن عتبہ نے ان کو^[244] فوری محل میں آنے کا کہا تا کہ وہ انہیں یزید کے ساتھ بیعت کرنے پر مجبور کرے۔ ولیری حسین کے مطابق، وہ اپنے پیروکاروں کے ساتھ محل آیا اور معاویہ کی موت پر تعزیت کی۔ لیکن اس نے اس عذر کے ذریعہ یزید سے خفیہ بیعت دو دن کے لیے ملتوی کر دی کہ بیعت عوامی طور پر ہونی چاہیے۔^{[245][246][247]} مروان بن حکام، جو جانتا تھا کہ اگر حسین اجلاس سے رخصت ہو گئے تو، وہ جنگ کے بغیر نہیں پہنچ سکتے ہیں، انہوں نے ولید سے کہا تھا کہ وہ بیعت کرنے کے لیے فوراً ہی حسین کو قتل کر دیں یا اسے قید کر دیں۔ لیکن ولید، جو حسین سے تصادم نہیں کرنا چاہتا تھا، نے انکار کر دیا۔^{[248][249]}

آخر کار، حسین اور اس کے اہل خانہ مرکزی سرک،^{[250][251]} سے رات گئے مکہ گئے اور اپنے والد عباس بن عبد المطلب کے گھر چار مہینے گزارے۔ اس کے ساتھ ان کی بیویوں، بچوں اور بھائیوں کے علاوہ حسن کے بیٹے بھی تھے۔^[252]

یزید کی خلافت پر اعتراض

معاویہ کی وفات کے بعد 15 رجب 60ھ کو یزید حاکم بنا۔^[253] اس نے بعض ان بزرگوں سے زبردستی بیعت لینے کا ارادہ کیا جنہوں نے اس کی ولایت عہدی کو قبول نہیں کیا تھا، ان میں سے ایک حسین ابن علی تھے۔^[254] لیکن امام حسین نے بیعت کرنے سے انکار کیا^[255] اور دوست احباب اور خاندان سمیت 28 رجب کو مدینہ سے مکہ کی طرف روانہ ہوئے۔^[256]

مکہ میں عوام اور عمرہ پر آنے والوں کی طرف سے آپ کا بڑا استقبال ہوا^[257] اور چار مہینے سے زیادہ (3 شعبان تا 8 ذی الحجہ) وہاں رہے۔^[258] اس عرصے میں کوفہ والوں نے آپ کا یزید کی بیعت نہ کرنے کی خبر سن لیا اور آپ کے لیے دعوت نامے بھیجے اور خط کے ذریعے کوفہ بلایا۔^[259] امام نے کوفہ والوں کو جانچنے کے لیے مسلم بن عقیل کو کوفہ بھیجا تا کہ وہ وہاں کی حالات سے آگاہ کریں۔ مسلم نے جب کوفیوں کا استقبال اور ان کی بیعت کو دیکھا تو امام کو کوفہ بلا لیا^[260] اور آپ اہل و عیال اور دوست احباب سمیت

منی میں امام حسین کے خطبے کے چند کلمات: اگر مشکلات میں صبر کرو گے اور اللہ کی راہ میں سختیاں اور اخراجات کو برداشت کرو گے تو اللہ کے امور آپ کے ہاتھ آئیں گے۔۔۔ لیکن تم لوگوں نے ظالموں کو اپنی جگہ بٹھا کر اپنے پر مسلط کیے ہو اور اللہ کے امور ان کے سپرد کر چکے ہو۔ تمہارا موت سے ڈرنا اور دنیا کی لالچ کی وجہ سے ظالموں کو اس کام پر قادر بنایا ہے۔

(تحف العقول، ص 168)

سال شمار زندگی حسین بن علی

زندگی حسین بن علی

مدینہ میں

۶۲۶ ولادت در ۳ شعبان سال چہارم ہجری

۶۲۸ تولد زینب بنت علی

۶۳۱ مسیحیان نجران کے ساتھ مباہلہ

۶۳۲ غدیر خم

۶۳۲ رحلت محمد

بعد محمد

۶۳۲ ابوبکر خلافت در سقیفہ بنی ساعدہ میں

خلافت کے لئے ابوبکر کا انتخاب

واقعہ خانہ فاطمہ زہرا

۶۳۲ انتقال فاطمہ زہرا

۶۳۲ آغاز خلافت عمر

۶۴۲ قتل عمر بن خطاب اور علی بن ابی طالب

کی شوراے انتخاب خلیفہ میں شرکت

آغاز خلافت عثمان

۶۴۸ ولادت عباس بن علی

خلافت علی بن ابی طالب

۶۵۶ بطور خلیفہ علی کا انتخاب

شورشوں کا آغاز

جنگ جمل

۶۵۷ مرکز حکمرانی کی کوفہ منتقلی

جنگ صفین

8 ذی الحجہ [261] کو مکہ سے کوفہ کی جانب روانہ ہوئے۔ بعض گزارشوں سے یہ بات بھی سمجھ میں آتی ہے کہ امام حسینؑ کو مکہ میں ان کے قتل کی سازش کا علم ہوا تھا اس لیے مکہ کی حرمت باقی رکھتے ہوئے اس شہر سے نکل پڑے۔ [262]

اہل کوفہ کی طرف سے دعوت نامے

۶۵۸ حکمیت

خوارج سے جنگ

۶۵۹ مصر میں علی کے گورنر کی عمرو ابن عاص

کے ہاتھوں شکست

غارت عراق، حجاز، و یمن توسط معاویہ

۶۶۰ معاویہ نے خود کو خلیفہ کہا۔

۶۶۱ علی بن ابی طالب کی شہادت ۲۸ جنوری

بمطابق ۲۱ رمضان، مسجد کوفہ میں ابن

ملجم مرادی کی تلوار کی ضرب سے

خلافت حسن مجتبیٰ

۶۶۱ بطور خلیفہ حسن مجتبیٰ کا انتخاب

حسن مجتبیٰ سے معاویہ کا آغاز جنگ

معاویہ کے ساتھ حسن مجتبیٰ کی صلح

بعد خلافت حسن مجتبیٰ

۶۷۰ وفات حسن مجتبیٰ در ۷ یا ۲۸ صفر سال ۵۰

ہجری

دوران امامت

۶۸۰ مرگ معاویہ بن ابو سفیان (۱۵ رجب ۶۰ ھق)

درخواست بیعت از حسین بن علی

برای خلافت یزید

دعوت کوفیان از حسین بن علی

حسین بن علی کی طرف کوفہ سے

قاصدوں کا آنا

مدینہ سے مکہ کی طرف خروج (نصف

دوم ماہ رجب ۶۰ ھق)

۶۸۰ مکہ میں اقامت (۳ شعبان تا ۸ ذی الحجہ ۶۰

ہجری)

کوفیوں کے حمایت کے خط آنا

کوفہ اور بصرہ کو قاصد ارسال کرنا

کوفہ میں مسلم کا اپنے نمائندہ کے طور پر

تقرر (۱۵ رمضان)

۶۸۰ کوفہ جانے کے ارادے سے مکہ سے خروج (۸ ذی

الحجہ ۶۰ ہجری)

۶۸۰ منزل صفّاح میں قیام اور فرزدق سے ملاقات

(چارشنبہ ۹ ذی الحجہ ۶۰ ہجری)

۶۸۰ منزل ذات عرق میں قیام، عبداللہ بن جعفر

اور والی مکہ کے سپاہ سے سامنا (دوشنبہ ۱۲

ذی الحجہ ۶۰ ہجری)

۶۸۰ منزل حاجر میں قیام اور کوفہ کے لوگوں کو

قیس بن مسیر کے ذریعے خط ارسال کیا (سہ

شنبہ ۱۵ ذی الحجہ ۶۰ ہجری)

۶۸۰ منزل زرود میں قیام اور زبیر بن قین کا امام

حسین کے ساتھ ہونا (دوشنبہ ۲۱ ذی

الحجہ ۶۰ ہجری

- ۶۸۰ منزل ثعلبیہ میں قیام اور مسلم بن عقیل و پانی بن عروہ کی کوفہ میں شہادت کی خبر ملنا (سہ شنبہ ۲۲ ذی الحجہ ۶۰ ہجری)
- ۶۸۰ منزل زبالہ میں قیام اور دوستوں اور ہمرابیوں سے بیعت اٹھانا (چهارشنبه ۲۳ ذی الحجہ ۶۰ ہجری)
- ۶۸۰ منزل شراف چھوڑنا اور سپاہ حر بن یزید ریاحی کا منزل ذوحسم پر سامنا (شنبه ۲۶ ذی الحجہ ۶۰ ہجری)
- ۶۸۰ سرزمین کربلا میں آمد (پنج شنبہ دوم محرم الحرام ۶۱ ہجری)
- ۶۸۰ عمر بن سعد کی سرزمین کربلا آمد (جمعہ سوم محرم الحرام ۶۱ ہجری)
- ۶۸۰ کربلا میں کوفی سپاہیوں کی دستہ دستہ آمد (چہارم تا نہم محرم الحرام ۶۱ ہجری)
- ۶۸۰ واقعہ کربلا اور شہادت حسین بن علی و اصحاب حسین اور حاندان حسین کی اسیری (۱۰ اکتبر برابر ۱۰ محرم سال ۶۱ ہجری)

د ۰ ب ۰ ت



عباس الموسوی قجر مصور، انیسویں تاریخ کے آخر اور بیسویں صدی عیسوی کے اوائل میں "کربلا کی لڑائی" کافی ہاؤس کی پینٹنگ۔

⚠ انتباہ: درجہ چہارم سے قبل درجہ سوم کی سرخی لازمی ہے۔ (مزید تفصیلات)

اہل کوفہ کو حسین سے دعوت دینا اور مسلم ابن عقیل کو بھیجنا

دوسری طرف معاویہ کی موت کی خبر کوفیوں کی خوشی سے ملی، جو زیادہ تر علی شیعہ تھے۔ کوفہ کے شیعہ رہنما سلیمان بن صرد خراعی کے گھر جمع ہوئے اور حسین کو لکھے گئے خط میں معاویہ کی حکمرانی کے خاتمے پر خدا کا شکر ادا کیا اور معاویہ کو اس کا ناجائز اور قابض خلیفہ قرار دیا۔ [263][264] انھوں نے بتایا کہ وہ معاویہ کے مقرر کردہ کوفہ کے گورنر، نعمان ابن بشیر کی امامت کے لیے جمعہ کی نماز نہیں پڑھیں گے اور یہ کہ اگر حسین راضی ہو جائیں تو اسے کوفہ سے نکال دیا جائے گا۔ کوفہ کے باشندوں اور اس کے قبیلوں کے رہنماؤں نے سات قاصدوں کو بہت سے خطوط کے ساتھ حسین کے پاس بھیجا، پہلے رمضان 10 رمضان 60 ہجری کو۔ وہ 13 جون 680ء کو مکہ پہنچے۔ [265] مکہ مکرمہ میں قیام کے دوران میں، حسین کو باقاعدگی سے کوفیوں کے خطوط موصول ہوئے جس میں کوفیوں نے اصرار کیا کہ حسین کوفہ چلے جائیں۔ کیونکہ اسے وہاں کوفیوں کی حمایت حاصل ہے۔ انھوں نے امام کی کمی کی شکایت کی اور حسین کو منصب کے قابل واحد شخص قرار دیا۔ [266] یقیناً، کچھ خطوط جو حسین کو پہنچے تھے، وہ کوفیوں کے تھے۔ جیسے شہت ابن ربیع اور عمرو بن حجاج کے خطوط کی طرح جو کربلا میں حسین کے خلاف جنگ میں گئے تھے۔ [267]

رسول جعفریایان، علی اور حسن کے زمانے میں کوفیوں کی بری تاریخ کا ذکر کرتے ہوئے یہ دلیل دیتے ہیں کہ، تاہم، یزید کی اپنے قتل کی سازش کے بارے میں حسین کو علم حاصل تھا، اس وقت حسین کے لیے اس سے بہتر کوئی اور راستہ نہیں تھا۔ کیونکہ، مثال کے طور پر، حکومت کے اثر و رسوخ کی وجہ سے یمن جانے کا امکان کامیاب نہیں تھا۔ انھوں نے کہا کہ عارضی طور پر اگرچہ حسین کی روانگی کے خلاف احتجاج کرنے والے تمام لوگوں نے انھیں یزید کی حکمرانی کو قبول کرنے کا مشورہ دیا اور یہ کہ حسین ابن علی یزید اور اس کے حکمرانی سے قطعاً راضی نہیں ہونا چاہتے تھے، چاہے یہ مخالفت نے ان کے قتل کا سبب بنے [268][269]

اس کے جواب میں، حسین نے لکھا کہ وہ ان کے اتحاد کے احساس کو سمجھتے ہیں اور کہا ہے کہ امت کے امام کو چاہیے کہ وہ خدا کی کتاب کے مطابق دیانتداری سے کام کریں اور خود کو خدا کی خدمت کے لیے وقف کر دیں۔ تاہم، کچھ کرنے سے پہلے، اس نے اس معاملے کی تحقیقات کے لیے اپنے کزن، مسلم بن عقیل کو، وہاں بھیجنے کا فیصلہ کیا۔ [270][271] عارضی طور پر اگرچہ، ان تمام لوگوں نے جنھوں نے حسین بغاوت کی مخالفت کی، انھیں یزید کی حکمرانی کو قبول کرنے کا مشورہ دیا۔ تاہم، حسین ابن علی یزید اور اس کے حکمرانی سے قطعاً اتفاق نہیں کرنا چاہتے تھے، چاہے اس مخالفت نے ہی ان کے قتل کا باعث بنا ہو۔ [272]

حسین نے اپنے بصرہ کے شیعوں سے ایک شیعہ ہمراہ دو بیٹے سے ملاقات کی اور پانچ اہم قبائل کے رہنماؤں کو بصرہ کے مشاورتی امور میں یہی خط لکھے۔ انھوں نے خط میں لکھا:

خدا نے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنا بہترین بندہ بنایا اور اس کے اہل خانہ اور اہل بیت کو اپنا وصی اور وارث بنا دیا، لیکن قریش نے اس حق کو اپنا سمجھا۔ جو صرف اہل بیت سے تعلق رکھتا تھا۔ لیکن اہل بیت نے امت کے اتحاد کی خاطر اس پر اتفاق کیا۔ جن لوگوں نے خلافت کے حق پر قبضہ کیا، اس کے باوجود یہ ان کا حق تھا، اور ان پر اور آل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر خدا کی سلامی ہو۔ قرآن اور سنت محمد امت کو یاد دلاتے ہیں۔ خدا کا مذہب ختم ہو چکا ہے اور مذہب میں بدعتیں پھیل گئی ہیں۔ اگر تم میری بات مانو گے تو میں تمہیں سیدھے راستے پر لے جاؤں گا۔

ولفیرڈ مڈلنگ کا خیال ہے کہ اس خط کے مندرجات علی کے خلافت کے حق کے پامال ہونے کے بارے میں اپنے خیالات سے بہت مماثلت رکھتے ہیں اور اسی کے ساتھ ہی ابوبکر اور عمر کے مقام کی بھی تعریف کرتے ہیں۔ اگرچہ حسین کے خطوط بصرہ کے قائدین سے خفیہ رکھے گئے تھے، ان میں سے ایک نے شبہ کیا کہ یہ خط ابن زیاد کا ہے تاکہ وہ یزید کی خلافت کے ساتھ اپنی وفاداری کی پیمائش کر سکے اور وہ شخص یہ خط ابن زیاد کے پاس لایا۔ اس کے جواب میں، ابن زیاد نے قاصد کا سر قلم کیا، جو حسین کے پاس سے بصرہ آیا تھا اور بصریوں کو مزید سخت اقدامات سے متنبہ کیا۔ [273]

حسین نے مسلم کو کئی دوسرے لوگوں کے ساتھ کوفہ بھیج دیا اور حکم دیا کہ اس کے مشن کو خفیہ رکھا جائے۔ مسلم شوال 60 / جولائی 680 کے اوائل میں کوفہ پہنچے اور لوگوں کے سامنے حسین کا خط پڑھا۔ [274] مسلم شروع میں ہی بہت کامیاب رہا [275] کوفہ کے لوگوں نے جلدی سے مسلم سے بیعت کی اور یہاں تک کہ مسلم نے کوفہ کی مسجد کے منبر پر جاکر وہاں کے لوگوں کا انتظام کیا۔ [276] مسلم نے ہانی ابن عروہ [277] سے اہل کوفہ کی بیعت طلب کی اور کہا جاتا ہے کہ 18,000 لوگوں نے حسین کی مدد کے لیے مسلمان سے بیعت کی۔ [278] بنو امیہ کے حامیوں اور عمر بن سعد، محمد ابن اشعث اور عبد اللہ ابن مسلم جیسے لوگوں نے خطوط میں یزید کو نعمان کے واقعات اور نا اہلیت کی اطلاع دی۔ [279] انسائیکلو پیڈیا آف اسلام میں نجم حیدر کے مطابق، نعمان نے جان بوجھ کر مسلم کی سرگرمیوں کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کی۔ [280] یزید، جسے اس وقت کوفہ کے حکمران نعمان ابن بشیر پر بھروسہ نہیں تھا، اس نے اسے برخواست کر دیا اور اس کی جگہ بصرہ کے گورنر عبید اللہ ابن زیاد نے لی۔ عبید اللہ کو فوری طور پر کوفہ جانے کا حکم دیا گیا اور فسادات کو دبا دیا [281] [یادداشت 2] اور مسلم ابن عقیل کے ساتھ سختی سے معاملہ کیا۔ [282] وہ بھیس بدل کر کوفہ میں داخل ہوا اور حسین کے حامیوں کے خلاف سخت اقدامات اٹھائے، جس سے وہ خوفزدہ ہو گئے۔ [283] ہرمان کا کہنا ہے کہ کوفیوں کے بارے میں جانکاری کے ساتھ، وہ دھمکیوں، رشوت ستانی اور بات چیت جیسی متعدد کارروائیوں کے ذریعے کوفہ کو حسین کے حامیوں سے قبضہ کرنے میں کامیاب ہوا تھا۔ نیز، حسین اور کوفیوں کے مابین رابطہ کو توڑ کر اور بنو امیہ کے اصل مقصد، جو کسی بھی حالت میں حسین کو مارنا تھا، تک پہنچنے کے لیے کوفہ سے ایک فوج حسین سے لڑنے کے لیے بھیجی۔ [284] بغاوت میں کوفیوں کے اقدامات اور دارالامارہ کوفہ پر قبضہ کرنے کے بعد کہیں تک نہ پہنچے، [285] مسلم چھپ گیا لیکن آخر کار اس کو ڈھونڈ لیا گیا اور 9 ذی الحجہ، 11/60 ستمبر 680 [286] کو سر قلم کرنے کے بعد، دارالامارہ کوفہ کی چھت سے اور عوام میں نیچے پھینک دیا گیا۔ مراد قلیلی کے رہنما ہانی ابن عروہ کو بھی اس لیے مصلوب کیا گیا تھا کہ اس نے مسلم کو پناہ دے رکھی تھی۔ خطوط میں، یزید نے ابن زیاد کوفیوں کے ساتھ سخت سلوک کی تعریف کی اور اسے حسین اور اس کے پیروکاروں پر نگاہ رکھنے اور ان کو گرفتار کرنے کا حکم دیا، لیکن صرف ان لوگوں کو قتل کرنے کے لیے جو لڑائی کا ارادہ رکھتے تھے۔ [287] یہ وہی وقت تھا جب مسلم نے حسین کو ایک بہت ہی پرامید خط لکھا تھا جس میں کہا گیا تھا کہ اس کی تبلیغ کامیاب ہے اور کوفہ کے لوگوں نے ہزاروں بیعتیں کی ہیں۔ [288]

کوفہ میں، عبید اللہ ابن زیاد نے حسین کے حامیوں کے خلاف سخت اقدامات اٹھائے، جس سے وہ خوفزدہ ہو گئے۔ [289] ہرمان کا کہنا ہے کہ کوفیوں کے بارے میں جانکاری کے ساتھ، وہ دھمکیوں، فریب کاری اور افواہوں کو پھیلانے کے ذریعے کوفہ کو حسین کے حامیوں سے قبضہ کرنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ حالات کچھ بھی ہوں، اس تک پہنچنے دیں۔ [290] دوسری طرف، مسلمان نے حسین کو ایک بہت پر امید خط بھیجا جس میں کہا گیا تھا کہ اس کا پڑوسیگندہ کامیاب رہا ہے اور کوفہ کے ہزاروں افراد نے بیعت کا وعدہ کیا ہے۔ [291] بغاوت میں کوفیوں کے اقدامات اور کوفہ کے محل پر قبضہ کرنے کے بعد کہیں نہیں گئے، [292] مسلمان چھپ گیا، لیکن آخر کار اس کا انکشاف ہوا اور آخر کار 9 ذی الحجہ سن 60 ہجری کو 11 ستمبر 680ء [293] مسلمان اور مراد قلیلی کے رہنما ہانی ابن عروہ مارے گئے۔ ایک خط میں، یزید نے ابن زیاد کے ساتھ اس کے سخت سلوک کی تعریف کی اور اسے حسین اور اس کے پیروکاروں پر نگاہ رکھنے اور ان کو گرفتار کرنے کا حکم دیا، لیکن صرف ان لوگوں کو قتل کرنے کے لیے جو لڑائی کا ارادہ رکھتے تھے۔ [294]

حسین کوفہ کی طرف

محمد حنفیہ، عبد اللہ ابن عمر، اور مکہ میں عبد اللہ ابن عباس کے مستقل اصرار کے باوجود حسین کوفہ روانگی کے فیصلے سے پیچھے نہیں ہٹے۔ [295] ابن عباس نے اشارہ کیا کہ کوفیوں نے علی اور حسن دونوں کو تنہا چھوڑ دیا اور تجویز پیش کی کہ حسین کوفہ کی بجائے یمن چلے جائیں یا اگر عراق میں جانا ہو تو کم از کم عورتوں اور بچوں کو ساتھ نہ لائیں۔ [296] حسین نے اپنے فیصلے پر اصرار کیا اور اپنے مقاصد اور اہداف کے بارے میں ایک مشہور خط میں لکھا یا محمد حنفیہ کو دیا جائے گا:

”... میں تفریح اور خود غرضی اور خرابی اور ستمگری کے لئے نہیں نکلا۔ بلکہ میرا مقصد یہ ہے کہ میرے جد کی امت میں جو خرابیاں پیدا ہوئی ہیں ان کی اصلاح کی جا۔ میں بھلائی کا حکم دینا چاہتا ہوں اور برائیوں سے روکتا ہوں، اور اپنے جد کی روایت اور اپنے والد علی ابن ابی طالب کے طریقے پر عمل کرنا چاہتا ہوں۔ پس جو شخص اس سچائی کو قبول کرتا ہے (اور میری پیروی کرتا ہے) اس نے خدا کا راستہ قبول کر لیا ہے اور جو شخص (اس کا مطلب مجھے قبول نہیں کرتا) میں صبر اور استقامت کے ساتھ چلوں گا تاکہ خدا میرے اور اس قوم کے درمیان میں ہو۔ صحیح طور پر فیصلہ کریں اور وہ بہترین جج ہیں۔... [297]“

{{{حوالہ}}}

پھر، حسین، جن کو ابھی تک کوفہ کے نئے واقعات کے خطوط نہیں ملے تھے 8 یا 10 ذوالحجہ 60ھ / 10 یا 12 ستمبر 680ء کو کوفہ کے لیے روانہ ہونے کو تیار تھے۔ [298] حج ادا کرنے کے بجائے، اس نے عمرہ ادا کیا اور مکہ کے گورنر، عمرو بن سعید بن عاص کی غیر موجودگی میں، جو شہر کے مضافات میں حج کر رہا تھا، اپنے ساتھیوں اور اہل خانہ کے ساتھ خفیہ طور پر اس شہر سے چلے گئے۔ حسین کے لواحقین اور دوستوں سے تعلق رکھنے والے پچاس آدمی - جو ضرورت پڑنے پر لڑ سکتے تھے، خواتین اور بچے بھی شامل تھے۔ [299]

حسین کے چچا زاد بھائی، عبد اللہ ابن جعفر نے، مکہ کے گورنر، عمرو کو ایک خط لکھا اور کہا کہ اگر وہ مکہ واپس آئیں تو حسین کو ضمانت کا خط لکھیں۔ [300][301] اس کے جواب میں، اس نے عبد اللہ ابن جعفر کو ایک لشکر بھیجا جس کی سربراہی اس کے بھائی یحییٰ نے کی تھی۔ [302] جب دونوں گروہوں کی ملاقات ہوئی، تو انھوں نے حسین سے واپس آنے کو کہا، لیکن حسین نے جواب دیا کہ اس نے اپنے دادا محمد کو خواب میں دیکھا ہے اور اس سے کہا ہے کہ وہ اپنے راستے پر چلتا رہے اور اپنا مقدر خدا پر چھوڑ دے۔ [303][304]

تتبع کے مقام پر، حسین کا سہمنائین سے روناس اور حلد کو یزید کے پاس لے جانے والے ایک قافلے سے ہوا، جس میں یہ بیان کیا گیا تھا کہ چونکہ وہ مذہبی حکمران تھا اور یزید جائز کا حکمران تھا، اس لیے اسے حکومت کی جائداد کا انتظام کرنے کا حق حاصل تھا۔ [305] اس نے کارواں کی جائداد ضبط کر لی اور یمنی کاروان سے کہا کہ وہ اپنے ساتھ عراق آئے اور انھیں وہاں پورا کرایہ ادا کرے یا وہی رقم ادا کرے جس راستے سے وہ آیا تھا۔ [306] راستے میں حسین مختلف لوگوں سے ملا۔ فزازق کے شاعر حسین نے عراق کی صورت حال کے بارے میں سوالات کے جوابات دیے، دو لوگ انداز میں اس سے کہا کہ عراقی عوام کے دل آپ کے ساتھ ہیں، لیکن شمشیر ششن امویوں کی خدمت میں حاضر ہیں۔ لیکن حسین کا فیصلہ اٹل تھا اور ان لوگوں کے جواب میں جھٹوں نے اسے ناکام بنانے کی کوشش کی، انھوں نے کہا کہ تقدیر خدا کے ہاتھ میں ہے اور خدا اپنے بندوں کے لیے بھلائی چاہتا ہے اور جو بھی حق تھا اس سے دشمنی نہیں کرے گا۔ تعلیمی میں، پہلی بار، کچھ مسافروں کے ذریعہ مسلم بن عقیل اور بانی بن عروہ کے قتل کی خبر ملی۔ [307]

زبالہ میں، حسین کو پتا چلا کہ اسے کے قاصد، قیس بن مسرہ صیداوی - یا حسین کے رضاعی بھائی عبد اللہ ابن یقطر - جسے حجاز سے کوفہ بھیج دیا گیا تھا کہ [308] کوفیوں کو حسین کی آمد کے بارے میں آگاہ کریں [309] وہ پکڑا گیا ہے اور اسے محل کی چھت سے پھینک کر مار دیا گیا ہے۔ [310][311] یہ سن کر حسین نے اپنے حامیوں سے کہا کہ، کوفیوں کی غداری جیسے پیدا ہوئے المناک مسائل کو دیکھ کر، کسی کو بھی حسین کا قافلہ چھوڑنے کی اجازت دی گئی ہے۔ انھوں نے اسے نہیں چھوڑا۔ [312] جعفریان کے مطابق، اس خبر سے ظاہر ہوا کہ کوفہ میں حالات بدل چکے ہیں اور جب یہ بات مسلم میں بیان کی گئی تو اس سے صورت حال بالکل مختلف تھی۔ یہ بات حسین کو واضح ہو گئی کہ سیاسی تشکیلات کے پیش نظر کوفہ جانا اب ٹھیک نہیں رہا۔ [313]

شراف کے علاقے [314] یا ذو حسم [315][316] گھوڑے سوار حر ابن یزید کی سربراہی میں حاضر ہوئے اور چونکہ موسم گرم تھا لہذا حسین نے انھیں پانی دینے کا حکم دیا اور پھر وہاں اس نے حر فوج کو اپنی نقل و حرکت کے محرکات کا اعلان کیا۔ اور کہا:

”آپ کا کوئی امام نہیں تھا اور میں امت کو متحد کرنے کا ذریعہ بن گیا۔ ہمارا خاندان کسی اور سے زیادہ حکومت کا مستحق ہے، اور اقتدار میں رہنے والے اس کے مستحق نہیں ہیں اور ناجائز حکمرانی کرتے ہیں۔ [317] اگر آپ میرا ساتھ دیں تو میں کوفہ چلا جاؤں گا۔ [318] لیکن اگر آپ مجھے مزید نہیں چاہتے ہیں تو میں اپنی پہلی جگہ واپس چلا جاؤں گا۔ [319]“

(امام حسین علیہ السلام)

لیکن کوفیوں نے جو حر کے ساتھ تھے انھوں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ پھر حسین نے اپنے اقامت [320] میں شام کی نماز ادا کی یہاں تک کہ حر اور کوفیوں نے بھی حسین کی پیروی کی۔ [321] نماز کے بعد، انھوں نے کوفیوں سے اپنے الفاظ یاد کیے اور خلافت کے معاملے میں خاندان محمد اور اس کنبہ کے حق کے بارے میں بات کی اور ان خطوط کا حوالہ دیا جو کوفیوں نے ان کو لکھے تھے۔ [322] حر، جو کوفیوں کے حسین کو بھیجے خطوط سے ناواقف تھا - حالانکہ حسین نے اسے کوفی خطوط سے بھرے دو بیگ دکھائے تھے - لیکن اس نے اپنا ذہن نہیں بدلا [323][324] اور تسلیم کیا کہ وہ ان خطوں میں سے ایک تھا جن سے خطوط کو خطاب کیا گیا تھا۔ انھوں نے لکھا نہیں ہے اور ابن زیاد کے ماتحت ہے۔ [325] اس نے بغیر کسی لڑائی کے حسین اور اس کے ساتھیوں کو ابن زیاد کے پاس لے جانے کا حکم دیا اور وہ حسین کو اس پر راضی کرنا چاہتا تھا۔ لیکن جب اس نے دیکھا کہ حسین نے اپنا قافلہ شروع کیا تو اس کی ہمت نہیں کر لی اس کا چچھا کیا۔ [326] لیکن میڈلنگ اور بہرامیان لکھتے ہیں کہ جب حسین رخصت ہونے کے لیے تیار ہوا تو حر نے ان کا راستہ روک لیا اور کہا کہ اگر حسین نے ابن زیاد کا حکم قبول نہ کیا تو وہ حسین کو مدینہ یا کوفہ جانے کی اجازت نہیں دیں گے۔ [327][328] اور اس نے حسین کو کوفہ یا مدینہ نہ جانے کی ہدایت کی بلکہ یزید یا ابن زیاد کو خط لکھنے کی تجویز دی اور خود ابن زیاد کو خط لکھ کر اس کے حکم کا انتظار کیا، امید ہے کہ جواب ملنے سے وہ اس مشکل امتحان سے بچ سکے گا۔ لیکن حسین نے ان کی پیش کش قبول نہیں کی [329] اور وہ عذیب یا قادیسیہ جانے کے لیے روانہ ہو گئے۔ [330] حر نے اسے متنبہ کیا کہ میں یہ آپ کے لیے کر رہا ہوں اور یہ کہ اگر جنگ ہوتی ہے تو آپ کو مار دیا جائے گا۔ لیکن حسین موت سے نہیں ڈرتے تھے اور کوفہ کے مضامات میں سے ایک نینو نامی علاقے میں رک گئے تھے۔ [331] نیز حر کوفہ کے چار شیعوں کے حسین کی فوج میں داخلے کو روک نہیں سکے۔ [332]

ایک منزل پر، حسین نے ایک خطبہ سناتے ہوئے کہا، "میں موت کو شہادت اور مظلوموں کے ساتھ زندگی بسر کرنے کے سوا کچھ نہیں دیکھ رہا ہوں۔ ایک اور منزل پر، حکومت سے اپنی مخالفت کی وجہ بتاتے ہوئے، اس نے اپنا تعارف کرایا اور اپنے والد اور بھائی سے کوفیوں کی بیعت کی یاد دلاتے ہوئے کہا: پھر، راستے میں، اس نے طی قلیہ میں جانے کی پیش کش قبول کرنے سے انکار کر دیا اور حر کے ساتھ اپنے عہد کو یاد دلایا کہ وہ واپس نہیں آئے گا۔ بنی مقاتل کے محل میں قیام کے بعد، حسین نے ایک خواب دیکھا اور خود کو دو یا تین بار بازیافت کیا اور اس کی وجہ پوچھنے والے علی اکبر کے جواب میں، اس نے اعلان کیا کہ وہ اور اس کے ساتھی مارے گئے ہیں۔ [333] ابن زیاد کا ایک قاصد حار کے پاس آیا اور حسین کو سلام کیے بغیر اس نے حر کو ایک خط بھیجا جس میں ابن زیاد نے حسین کو حکم دیا تھا کہ ایسی جگہ پر نہ رو جہاں پانی اور گڑھ تک رسائی ہو [334]۔ [335] اس خط کے ساتھ، عبید اللہ حسین کو لڑنے پر مجبور کرنا چاہتا تھا۔ [336] زبیر ابن قین نے حسین کو حر کی چھوٹی فوج پر حملہ کرنے اور عکر کے قلعہ بند گاؤں پر قبضہ کرنے کی تجویز پیش کی۔ لیکن حسین نے قبول نہیں کیا۔ کیونکہ وہ جنگ شروع نہیں کرنا چاہتا تھا۔ [337][338]

محم کے دوسرے دن حسین نے کربلا کے علاقے میں خیمہ لگایا۔ [339] تیسرے دن، عمر بن سعد کی کمان میں 4,000 مضبوط فوج کی آمد سے صورت حال مزید خراب ہو گئی۔ [340] عمر بن سعد حسین سے لڑنے سے گریزاں تھے [341] اور اس سے مقابلہ کرنے کی ذمہ داری سے خود کو چھڑانے کے لیے انتھک کوششیں کیں۔ لیکن ابن زیاد نے کہا کہ اگر اس نے اس حکم کی نافرمانی کی تو اسے رے کا حکم نہیں دیا جائے گا۔ لہذا اس نے اس مشن کو قبول کیا، اس امید پر کہ کم سے کم حسین کے ساتھ کسی جنگ کو روکے۔ [342] کچھ بھی کرنے سے پہلے، عمر بن سعد نے حسین کو ایک خط بھیجا جس میں ان کے عراق آنے کے ارادے کے بارے میں پوچھا گیا تھا۔ [343][344] ایک قاصد ابن سعد کے پاس پہنچا، جس سے حسین کی پسپائی کی خواہش کا اشارہ ہوا، [345][346] اور حسین نے کہا کہ وہ کوفیوں کے خطوط کی وجہ سے عراق آیا تھا اور اگر عراقی عوام اب اس کی خواہش نہ رکھتے تو وہ مدینہ واپس آجائیں گے۔ [347][348] ابن سعد نے یہ معاملہ ابن زیاد کو بتایا، ابن زیاد نے اصرار کیا کہ حسین کو یزید کے ساتھ بیعت کرنا لازمی ہے [349] اور اگر حسین نے یہ عہد قبول کیا تو وہ اگلے حکم کا انتظار کریں گے۔ ابن سعد کی فوج کے جانے کے بعد، ابن زیاد ابن سعد کی فوج میں شامل ہونے کے لیے فوج کو جمع کرنا اور بھیجتا رہا۔ [350]

ابن سعد حسین کے ساتھ معاہدہ کرنے پر راضی ہو گئے اور انھوں نے حسین سے رات کے وقت بات چیت کا آغاز کیا۔ [351] طبری کے مطابق، یہ بات چیت بیشتر رات جاری رہی اور کسی کو بھی تفصیلات سے آگاہ نہیں کیا گیا۔ ذرائع مذاکرات کے مندرجات پر مختلف ہیں۔ بعد کی افواہوں کے مطابق، حسین نے مشورہ دیا کہ وہ دونوں افراد اپنی فوج چھوڑیں اور یزید کے ساتھ مل کر جائیں۔ لیکن عمر بن سعد نے ابن زیاد کو سرزنش اور سزا دینے کے خوف سے اس پیش کش کو قبول نہیں کیا۔ زیاد تر راویوں نے نقل کیا ہے کہ حسین نے تین چیزیں تجویز کیں: سرحدوں پر جاکر عام فوجی کی طرح کافروں سے لڑو۔ آپ شام ذاتی طور پر یزید سے بیعت کرنے کے لیے جاؤں۔ یا جہاں سے آیا ہے وہاں واپس جائیں۔ ان روایات کا عقیدہ ابن سمعان - غلام رباب، حسین کی اہلیہ، جو واقعہ کربلا میں حسین کی فوج کا بچ جانے والا تھا، نے سختی سے تردید کی ہے۔ انھوں نے گواہی دی کہ حسین نے کبھی پیش کش نہیں کی اور صرف اتنا کہا کہ وہ کربلا کی سرزمین چھوڑ دیں گے اور امت کی صورت حال کو واضح کرنے کے لیے کہیں جائیں گے۔ ولفریڈ ڈلنگ کا خیال ہے کہ یزید کے سامنے ہتھیار ڈالنے کی حسین کی پیش کش کا بیان ان کے مذہبی خیالات سے متصادم ہے اور یہ کہ بنیادی ذرائع یزید کی بجائے ابن زیاد پر حسین کی موت کا الزام لگانے کا ارادہ کر سکتے ہیں۔ [352][353] بہرامیان ان بیانات کو شاید افواہیں سمجھتے ہیں جو عمر بن سعد نے خود بنوائے تھے اور ابن زیاد کو لکھے گئے اپنے خط میں شامل کیا تھا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ یہ حسین کے چہرے کو ختم کرنے کے منصوبے کا حصہ تھے۔ [354] بنیادی طبقات تاریخ طبری اور الکامل فی تاریخ کا حوالہ دیتے ہوئے، جعفریان نے اس بات پر زور دیا کہ حسین ابن علی کو کسی بھی مرحلے پر یزید کے پاس جانے اور بیعت کرنے کی اجازت نہیں دینا چاہتے تھے۔ [355]

ابن زیاد نے موجودہ صورت حال اور اس خط کے مندرجات سے اتفاق کیا جس میں ابن سعد نے حسین سے کچھ مشورے لکھے تھے۔ [356] لیکن اس وقت، شمر بن ذی الجوشن نے ابن زیاد کو مشورہ دیا کہ وہ حسین کو ہتھیار ڈالنے پر مجبور کرے۔ کیونکہ حسین ابن زیاد کی حکومت کے دائرے میں داخل ہوا تھا [357] اور اگر وہ حسین سے سمجھوتہ کرتا ہے تو اس سے اس کی کمزوری اور حسین کی طاقت ظاہر ہوتی ہے۔ ابن زیاد نے شمر کی باتیں سن کر اپنا خیال بدل لیا۔ [358][359] بہرامیان کا خیال ہے کہ یہ مناظر شاید ابن زیاد کو اپنے مقصد کی طرف ایک قدم اٹھانے کے لیے بنائے گئے تھے - جو حسین کو مارنا تھا - اور یزید کے ساتھ بیعت کرنے کے تناؤ اور تنازع کو تھیل کرنے کے لیے، کیونکہ وہ حسین کے جواب کو پہلے ہی جانتا تھا۔ [360] ابن زیاد

22/83

روز عاشورا کی صبح کو جنگ شروع ہوئی اور ظہر تک امام حسینؑ کے بہت سارے اصحاب شہید ہو گئے۔ [387] جنگ کے دوران میں عمر سعد کی فوج کے کمانڈروں میں سے حر بن یزید یاحی فوج کی کمانڈی چھوڑ کر امام حسینؑ سے ملحق ہوئے۔ [388] امام کے اصحاب شہید ہونے کے بعد آپ کے رشتہ دار میدان کو گئے اور ان میں سب سے پہلے جانے والے علی اکبرؑ [389] اور وہ ایک ایک ہوتے ہوئے شہید ہوئے اور پھر امام حسینؑ خود میدان کو گئے اور دس محرم کی عصر کو حسین ابن علیؑ بھی شہید ہوئے اور شمر بن ذی الجوشن [390] یا ایک اور روایت کے مطابق سنان بن انس [391] نے آپ کا سر بدن سے جدا کیا اور اسی دن حسین ابن علی کا سر ابن زیاد کو بھیجا گیا۔ [392]

عمر سعد نے ابن زیاد کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے امام حسینؑ کے بدن پر گھوڑے دوڑانے کا حکم دیا اور آپ کے بدن کی ہڈیاں بھی ریزہ ریزہ کیا۔ [393] بیمار امام سجادؑ، خواتین اور بچوں کو اسیر کر کے پہلے کوفہ پھر وہاں سے شام لے جا لیے گئے۔ [394] امام حسینؑ اور ان کے تقریباً 72 اصحاب کے لاشوں [395] کو 11 یا 13 محرم کو بنی اسد کے ایک گروہ نے یا ایک اور نقل کے مطابق امام سجادؑ کی ہمراہی میں اسی شہادت پانے والی جگہ میں دفن کیا [397]

جنگ کربلا



پینجر "حسین ابن علی کا جنازہ" ایک نامعلوم فنکار کے ذریعہ جس کا تعلق عہد قاجر اور انیسویں صدی عیسوی کے آخر سے تھا۔

محرم کے دسویں دن کی صبح، حسین نے اپنی فوج تیار کی، جس میں 32 گھوڑوں اور 40 پیادہ شامل تھے۔ تاہم، محمد باقر کے مطابق، فوج پینتالیس گھڑسوار اور ایک سو پیادہ پر مشتمل تھی۔ [398] اس نے کور کے بائیں طرف حبیب بن مظہر کے دائیں طرف، زبیر بن قین اور پرچم عباس کے حوالے کیا۔ انھوں نے لکڑیوں کو خیموں کے گرد جمع کرنے اور آگ لگانے کا حکم بھی دیا۔ [399][400] وہ خود اس خیمے میں گیا جس نے اس سے پہلے تیار کیا تھا اور کستوری سے خود کو معطر کیا اور نورہ (منزوانے والی دوا) اس کو اپنے سر اور جسم پر ملا اور دھویا۔ پھر، ہاتھ میں قرآن لے کر گھوڑے پر سوار ہوتے ہوئے، اس نے خدا سے توبہ صورت طور پر دعا کی اور کوفہ کے لوگوں سے بات کرتے ہوئے کہا کہ خدا اس کا ولی ہے اور دین کی حفاظت کرے گا۔ لوگوں کو محمد کے کلام کی یاد دلائی، جنھوں نے اسے اور حسن کو جنت کے نوجوانوں کا مالک اور اس کے کنبے کے مقام کی حیثیت سے پکارا اور ان سے یہ سوچنے کو کہا کہ کیا اس کا قتل جائز ہے یا نہیں؟ اس کے بعد انھوں نے کوفہ کے لوگوں کو مورد الزام ٹھہرایا کہ انھوں پہلے اسے اپنے کے پاس آنے کو کہا اور اس اسلامی سرزمین میں سے کسی کو جانے کی اجازت دی جائے جہاں وہ محفوظ رہے گا۔ اور کہا کہ وہ اسلامی سرزمین میں سے کسی ایک کو جانے کی اجازت دیں جہاں وہ محفوظ رہے۔ [401] لیکن اسے دوبارہ بتایا گیا کہ اسے پہلے یزید کے سامنے ہتھیار ڈالنا ہوں گے۔ حسین نے جواب دیا کہ وہ کبھی غلام کی حیثیت سے ہتھیار نہیں ڈالے گا۔ [402] حسین نے برفاسنگی کی اور اس گھوڑے کو اس نشان کے طور پر روکنے کا حکم دیا کہ وہ جنگ سے کبھی نہیں بچ سکے گا۔ [403] حر بن یزید یاحی متاثر ہوا اور حسین کی فوج کے پاس گیا اور کوفیوں پر حسین کے ساتھ خیانت کرنے کا الزام لگایا، جس کا یقینا ان پر کوئی اثر نہیں ہوا اور بالآخر حر میدان جنگ میں مارا گیا۔ حسین نے حکم دیا کہ لکڑی اور تنکے کے ڈھیر کو خیموں کے پیچھے کھائی میں جلا دیا جائے تاکہ کسی قسم کے پشت سے حملے سے بچا جاسکے۔ سامنے سے، اسے اپنے حلیفوں کی حملت حاصل تھی اور وہ جنگ کے غارتے تک نہیں لڑا تھا۔ [404] زبیر ابن قین نے کوفہ کے لوگوں سے حسین کی بات سننے کو کہا، لیکن انھوں نے توہین اور دھمکیوں سے جواب دیا [405] اور پھر زبیر نے انھیں کم سے کم حسین کے قتل کو نظر انداز کرنے کو کہا۔ [406]

کوفیوں نے تیر اندازی شروع کر دی۔ جنگ شروع ہوئی۔ کوفہ فوج کے دائیں بازو نے عمرو بن حجاج زیدی کی کمانڈ میں حملہ کیا، لیکن لشکر حسین کی مزاحمت کا سامنا کیا اور پیچھے ہٹ گئے۔ عمرو نے اپنی فوج کو حکم دیا کہ وہ مبارزہ جنگ (ایک سے ایک کی جنگ) میں لڑنے میں حصہ نہ لیں اور صرف دور سے ہی تیر اندازی کریں۔ کوفہ کی فوج کے بائیں بازو نے شمر کی سربراہی میں حملہ کیا اور بے نتیجہ محاصرہ کیا اور گھڑسواروں کے کمانڈر نے ابن سعد کو ان کی مدد کے لیے پیادہ اور تیر اندازی بھیجنے کو کہا۔ شہبث ابن ربیع، جو پہلے علی کا حامی تھا، اب کوفہ کی فوج میں تھا اور ابن زیاد کے پیادہ فوج کی سربراہی میں تھا۔ جب اسے حملہ کرنے کا حکم دیا گیا تو اس نے کھلے دل سے کہا کہ اس کا ایسا کرنے کا کوئی ارادہ نہیں تھا اور گھڑسوار اور 500 تیر اندازوں نے ایسا کیا۔ لشکر حسین کے گھڑسوار، جس کے گھوڑوں کی ٹانگیں کٹ گئیں تھیں، پھیل لڑنے پر مجبور ہو گئے۔ حسین اور با شمی صرف سامنے سے ہی آگے بڑھ سکتے تھے اور ابن سعد نے اپنی فوج کو حکم دیا کہ وہ ہر طرف سے حسین کے خیموں تک جائیں۔ لیکن حسین کے کچھ حامی خیموں کے درمیان میں چلے گئے اور لڑائی کی اور ضد کے ساتھ ان کا مقابلہ کیا۔ ابن سعد نے حکم دیا کہ خیموں کو نذر آتش کیا جائے۔ ابتدا میں، اس نے حسین کے حق میں کام کیا، کیونکہ آگ عمر بن سعد کے لشکریوں کو داخل ہونے سے روکتی تھی۔ شمر حسین کی عورتوں کے خیموں میں گیا اور خیموں کو جلا دینا چاہتا تھا، لیکن اس کے ساتھیوں نے اسے سرزنش کی، لیکن وہ شرمندہ ہو گیا اور بار مان گیا۔ [407][408] ایک حملے میں، ابن زیاد کے دستوں نے حسین کے خیموں کو آگ لگا دی، جس سے ابن زیاد کے دستوں کو پیش قدمی کرنے سے روک دیا گیا۔ [409][410][411][412]

دوپہر کے وقت، حسین اور اس کے ساتھیوں نے ایک نماز خوف کی شکل میں دوپہر کی نماز ادا کی۔ دوپہر کے وقت، حسین کی فوجوں نے بھاری محاصرہ کیا۔ اس کے سامنے حسین کے سپاہی مارے گئے اور با شمیوں کی ہلاکت شروع ہو گئی، جو ابھی میدان جنگ میں داخل نہیں ہوئے تھے۔ مارا جانے والا پہلا با شمی حسین کا بیٹا علی اکبر تھا۔ پھر مسلم ابن عقیل کے بیٹے، عبد اللہ ابن جعفر کے بیٹے، عقیل اور قاسم ابن حسن ہلاک ہوئے۔ حسین قاسم کی بے جان لاش کو اپنے خیموں میں لے گیا اور دوسرے متاثرین کے پاس رکھ دیا۔ [413][414]

عباس جنگ کربلا میں حسین کی فوج کا غم دار تھا۔ [415] شیخ مفید نے عباس کے قتل سے متعلق روایتوں کو حسین کے متعلق روایتوں سے جوڑ دیا ہے اور کہا ہے کہ حسین اور عباس دریائے فرات کے کنارے ایک ساتھ آگے بڑھے، لیکن عباس حسین سے الگ ہو گئے اور دشمن نے گھیر لیا۔ وہ بہادری سے لڑا اور اسی جگہ مارا گیا جہاں آج اس کی قبر ہے۔ [416]

اس وقت، ابن زیاد کی فوجیں حسین کے بہت قریب تھیں۔ لیکن کسی نے اس کے خلاف کچھ کرنے کی ہمت نہیں کی۔ [417] یہاں تک کہ مالک ابن نصیر کندی نے حسین کے سر پر مارا [418] اور اس کی ٹوپی اس کے سر پر خون سے بھری ہوئی تھی۔ ان لمحوں کا ایک اور افسوسناک حصہ اس بچے کی ہلاکت ہے جسے حسین نے ہاتھوں پر اٹھا رکھا تھا۔ یعقوبی کے مطابق یہ بچہ شیر خوار تھا۔ تیر نے بچے کی گردن پھاڑ دی اور حسین نے اس کے ہاتھ کی ہتھیلیوں میں بچے کا خون جمع کیا اور اس کو آسمان میں ڈالا اور خدا سے بدکاروں کی تباہی کی دعا کیا۔ [419]

عصر کے وقت بد مقابل یزید کے تیس ہزار سے زائد لشکر کے سامنے وہ بالکل تنہا ہو چکے تھے۔

اپنی شہادت سے کچھ لمحے پہلے انھوں نے اپنا آخری تاریخی خطبہ اونٹنی پر سوار ہو کر دیا۔ اونٹنی پر سوار ہو کر متحارب فریق سے بات کرنا عرب میں امن اور صلح کی علامت سمجھا جاتا تھا۔ اس خطبے میں انھوں نے کہا تھا۔

”مسلمانو اس وقت فرش زمین پر میں واحد ایسا انسان ہوں جو کسی نبی ﷺ کا براہ راست نواسہ ہے۔ میرے ہاتھ میں تلوار، میرے سر پر پگڑی۔ میرے جسم پر عبا۔ میرا گھوڑا۔ یہ سب میرے نہیں ہیں۔ تمہارے نبی ﷺ کی اشیا ہیں۔ میں اپنے سب بیٹوں بھتیجوں اور ساتھیوں کے خون تمہیں معاف کرتا ہوں، میرے خون میں ہاتھ مت رنگو۔ یہ داغ قیامت تک تمہاری پیشانی سے مٹائے نہیں مٹے گا۔“

جواب میں عمر سعد نے کہا تھا، ہم ایسا کرنے کو تیار ہیں بشرطیکہ بیعت کر لیجیے۔ اس وقت آپ کے لب ہائے مبارک سے دو تاریخی جملے نکلے۔ جو آج بھی نہ صرف تاریخ بلکہ وقت کی پیشانی پر انسانی آزادی کی علامت بن کر جگمگا رہے ہیں۔

”میرے عظیم نانا ﷺ کے دین اسلام میں کسی ظالم آمر کی بیعت حرام ہے۔ اگر میرے خون سے میرے نانا ﷺ کا دین بچ سکتا ہے تو اے تلوارو مجھ پر ٹوٹ پڑو۔“

شمر ایک فوج کے ساتھ حسین کے پاس گیا، لیکن اس پر حملہ کرنے کی ہمت نہیں کی اور ان دونوں کے درمیان میں صرف زبانی تنازع ہوا۔ حسین، جو اس وقت 55 سال کے تھے اور اپنی عمر کی وجہ سے مسلسل لڑ نہیں سکتے تھے، جنگ کے لیے تیار تھے۔ اس کے صرف تین یا چار ساتھی تھے جنھوں نے ابن زیاد کی فوج پر حملہ کیا۔ حسین، جس کو خوفزدہ کیا گیا تھا کہ وہ مارے جانے کے بعد صحرا میں بھسہ ہو جائے گا، اس نے کئی کپڑے پہنے ہوئے تھے۔ لیکن اس کے مارے جانے کے بعد اس نے وہ سارے کپڑے لوٹ لیے اور اس کا جسم بھسہ کر لیا میں چھوڑ دیا گیا۔ ابن سعد قریب پہنچے اور زمین نے اس سے کہا: "اے عمر بن سعد، ابا عبد اللہ کو قتل کیا جا رہا ہے اور تم ابھی کھڑے ہو کر دیکھ رہے ہو؟" ابن سعد کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ حسین بہادری سے لڑ رہے ہیں اور یعقوبی اور متعدد دیگر شیعہ ذرائع کا کہنا ہے کہ اس نے یہاں تک کہ درجنوں افراد کو ہلاک کیا۔ لیکن کچھ دوسرے ذرائع بتاتے ہیں کہ ابن زیاد کے سپاہی اگر چاہتے تو حسین کو مار سکتے تھے۔ [420] جب حسین پانی پینے فرات کے لیے جا رہے تھے تو اسے ٹھوڑی یا گلے پر تیر لگا۔ [421] ہم حیدر کے مطابق، لشکر یزید کے ممبروں کو حسین کے قتل کا شبہ تھا اور وہ حسین کے قتل کی ذمہ داری قبول نہیں کرنا چاہتے تھے۔ [422] آخر کار، حسین نے آخری بار خدا کے انتقام سے دشمنوں سے خوف دلایا، لیکن اس کے سر اور بازو پر چوٹ لگی اور وہ زمین پر گر گیا۔ سنان ابن انس عورو نخعی نے خولی ابن یزید اصبحی کو حسین کا سر اپنے جسم سے ہٹانے کا حکم دیا، لیکن وہ لرز اٹھا اور ایسا نہ کر سکا۔ سنان نے حسین کو ایک بار پھر مارا اور اس کا سر کاٹ دیا اور اسے ابن زیاد کے پاس سر لینے کے لیے خولی کو دے دیا۔ [423]

10 محرم 61 ہجری برابر 10 اکتوبر 680ء کے دن صبح سے شام تک جنگ کربلا جاری رہی۔ [424] میتھیو پیرس نے حسین اور ان کے اہل خانہ کے قتل عام کو شیعہ تاریخ کا سب سے مشہور ظلم و ستم قرار دیا ہے۔ [425]

بعد میں

ایک بار جب اموی فوجیوں نے حسین، اس کے کنبہ کے افراد اور اس کے مرد فوجیوں کو قتل کیا تو انھوں نے خیموں کو لوٹ لیا اور جلایا، حسین کی لاش کو لوٹ لیا، عورتوں سے زیورات کو چھین لیا، گھوڑوں سے حسین کے جسم کو روند ڈالا اور اس مصلہ کو چھین لیا جس پر علی زین العابدین سجدہ ریز تھے۔ علی بہادری کی وجہ سے، جنگ میں لڑنے سے قاصر تھے۔ کہا جاتا ہے کہ شمر اس کو قتل کرنے ہی والا تھا، لیکن حسین کی بہن زینب، عمر بن سعد کو اس بات پر راضی کرنے میں کامیاب ہو گئی کہ وہ اسے زندہ رہنے دے۔ علاوہ ازیں، زین العابدین اور حسین کے دیگر رشتہ داروں کو بھی یرغمال بنا لیا گیا تھا۔ انھیں دمشق میں یزید سے ملنے کے لیے لے جایا گیا اور بالآخر انھیں مدینہ واپس جانے کی اجازت دی گئی۔ [426][427]

ابن زبیر نے حسین کی وفات کے بارے میں جاننے کے بعد اہل مکہ کو جمع کیا اور مندرجہ ذیل تقریر کی۔



21 ویں صدی میں، جہاں حسین حسین کی تدفین کی گئی ہے، وہاں امام حسین کا مزار ہے

اے لوگو! کوئی اور لوگ عراقیوں سے بدتر نہیں ہیں اور عراقیوں کے درمیان میں، کوفہ کے لوگ بدترین ہیں۔ انھوں نے بار بار خطوط لکھے اور امام حسین کو اپنے پاس بلایا اور آپ کی خلافت کے لیے بیعت لی۔ لیکن جب ابن زیاد کوفہ پہنچے تو انھوں نے اس کے ارد گرد جلوس نکالا اور امام حسین کو جو پرہیزگار، روزہ گزار، قرآن پڑھنے والے اور ہر لحاظ سے خلافت کے مستحق تھے، کو قتل کر دیا۔ [428]

ان کی تقریر کے بعد اہل مکہ یزید کا مقابلہ کرنے کے لیے اس میں شامل ہو گئے۔ جب اس نے یہ سنا تو یزید نے اس کو گرفتار کرنے کے لیے ایک فوج بھیجی، لیکن اس قوت کو شکست ہوئی۔ [428] مدینہ کے لوگوں نے یزید سے بیعت ترک کر دی اور اس کے گورنر کو ملک بدر کر دیا۔ یزید نے اپنی فوج حجاز بھیج کر اپنی سرکشی کو ختم کرنے کی کوشش کی اور حرم کی فوجی لڑائی کے بعد مدینہ پر قبضہ کر لیا جس کے بعد مکہ کا محاصرہ ہوا لیکن اس کی اچانک موت نے مہم کا خاتمہ کر دیا اور امویوں کو گھریلو جنگ کے نتیجے میں انتشار کا شکار کر دیا۔ آخر کار ابن الزبیر نے کوفہ کو ایک گورنر بھیج کر اپنا اقتدار مستحکم کیا۔ جلد ہی، اس نے عراق، جنوبی عرب، الشام کا زیادہ تر حصہ اور مصر کے کچھ حصوں میں اپنی طاقت قائم کر دی۔ اس نے لازمی طور پر اسلامی سلطنت کو دو مختلف خلفاء کے ساتھ دو شعبوں میں تقسیم کر دیا۔ اس کے فوراً بعد ہی وہ مصر سے بارگیا اور اس کے پاس مروان اول سے الشام کی جو بھی چیز تھی۔ اس نے عراق میں خارجی بغاوتوں کے ساتھ اس کے ڈومین کو صرف حجاز تک محدود کر دیا۔ ابن الزبیر آخر کار الحجاج ابن یوسف کے ہاتھوں شکست کھا گیا اور اسے ہلاک کر دیا گیا، جسے عبدالملک بن مروان نے 692 میں میدان جنگ میں بھیجا تھا۔ اس نے اس کا سر قلم کیا اور اس کے جسم کو مصلوب کیا، سلطنت پر امیہ کے کنٹرول کو دوبارہ قائم کیا۔

یزید کی اقتدار میں آنے کے 4 سال سے بھی کم عرصہ بعد، (64ھ بطابق 3 نومبر، 683ء) ربيع الاول میں موت ہو گئی۔ [429][430] جہاں تک حسین کے دوسرے مخالفین، جیسے ابن زیاد اور شمر کا تعلق ہے، وہ مختار الشیخی کی سربراہی میں بغاوت میں مارے گئے۔ [431][432][433][434]

اخلاق و اوصاف

امام حسین سلسلہ امامت کے تیسرے فرد تھے۔ عصمت و طہارت کا مجسمہ تھے۔ آپ کی عبادت، زہد، سخاوت اور آپ کے کمال اخلاق کے دوست و دشمن سبھی قائل تھے۔ بچپن ج آپ نے پلیادہ کیے۔ آپ میں سخاوت اور شجاعت کی صفت کو خود رسول اللہ نے بچپن میں ایسا نمایاں پایا کہ فرمایا "حسین میں میری سخاوت اور میری جرأت ہے"۔ چنانچہ آپ کے دروازے پر مسافروں اور حاجت مندوں کا سلسلہ برابر قائم رہتا تھا اور کوئی سائل محروم واپس نہیں ہوتا تھا۔ اس وجہ سے آپ کا لقب ابوالساکین ہو گیا تھا۔ راتوں کو روٹیوں اور گجروں کے پشترائے اپنی پیٹھ پر اٹھا کر لے جاتے تھے اور غریب محتاج بیواؤں اور یتیم بچوں کو پہنچاتے تھے جن کے نشان پشت مبارک پر پڑ گئے تھے۔ ہمیشہ فرمایا کرتے تھے کہ "جب کسی صاحب ضرورت نے تمہارے سامنے سوال کے لیے ہاتھ پھیلا دیا تو گویا اس نے اپنی عزت تمہارے ہاتھ پیچ ڈالی۔ اب تمہارا فرض یہ ہے کہ تم اسے خالی ہاتھ واپس نہ کرو، کم سے کم اپنی ہی عزت نفس کا خیال کرو"۔ غلاموں اور کنیزوں کے ساتھ آپ عزیزوں کا سا برتاؤ کرتے تھے۔ ذرا ذرا سی بات پر آپ انھیں آزاد کر دیتے تھے۔ آپ کے علمی کمالات کے سامنے دنیا کا سر جھکا ہوا تھا۔ مذہبی مسائل اور اہم مشکلات میں آپ کی طرف رجوع کی جاتی تھی۔ آپ کی دعاؤں کا ایک مجموعہ صحیفہ حسینیہ کے نام سے اس وقت بھی موجود ہے آپ رحمہ اللہ ایسے تھے کہ دشمنوں پر بھی وقت آنے پر رحم کھاتے تھے اور لہذا ایسا تھا کہ اپنی ضرورت کو نظر انداز کر کے دوسروں کی ضرورت کو پورا کرتے تھے۔ ان تمام بلند صفات کے ساتھ متواضع اور منکسر ایسے تھے کہ راستے میں چند مساکین بیٹھے ہوئے اپنے بھیک کے ٹکڑے کھا رہے تھے اور آپ کو پکار کر کھانے میں شرکت کی دعوت دی تو فوراً زمین پر بیٹھ گئے۔ اگرچہ کھانے میں شرکت نہیں فرمائی۔ اس بنا پر کہ صدقہ آل محمد پر حرام ہے مگر ان کے پاس بیٹھنے میں کوئی عذر نہیں ہوا۔

اس خاکساری کے باوجود آپ کی بلندی مرتبہ کا یہ اثر تھا جس مجمع میں آپ تشریف فرما ہوتے تھے لوگ نگاہ اٹھا کر بات نہیں کرتے تھے۔ جو لوگ آپ کے خاندان کے مخالف تھے وہ بھی آپ کی بلندی مرتبہ کے قائل تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ امام حسین نے حاکم شام معاویہ کو ایک سخت خط لکھا جس میں اس کے اعمال و افعال اور سیاسی حرکات پر نکتہ چینی کی تھی اس خط کو پڑھ کر معاویہ کو بڑی تکلیف محسوس ہوئی۔ پاس بیٹھنے والے خوشامدوں نے کہا کہ آپ بھی اتنا ہی سخت خط لکھیے۔ امیر معاویہ نے کہا "میں جو کچھ لکھوں گا وہ اگر غلط ہو تو اس سے کوئی نتیجہ نہیں اور اگر صحیح لکھنا چاہوں تو بخدا حسین میں مجھے ڈھونڈنے سے کوئی عیب نہیں ملتا"۔ آپ کی اخلاقی جرأت، راست بازی اور راست کرداری، قوت اقدام، جوش عمل اور شہادت و استقلال، صبر و برداشت کی تصویریں کربلا کے مرقع میں محفوظ ہیں۔ ان سب کے ساتھ آپ کی امن پسندی یہ تھی کہ آخر وقت تک دشمن سے صلح کرنے کی کوشش جاری رکھی مگر عزم وہ تھا کہ جان دے دی جو صحیح راستہ پہلے دن اختیار کر لیا تھا اس سے ایک انج نہ بنے۔ انھوں نے بحیثیت ایک سردار کے کربلا میں ایک پوری جماعت کی قیادت کی۔ اس طرح کہ اپنے وقت میں وہ اطاعت بھی بے مثل اور دوسرے وقت میں یہ قیادت بھی لاجواب تھی۔

بیویاں اور بچے

حسین کی پہلی شادی رباب بنت امرا القیس سے ہوئی تھی۔ عمرو القیس عمر بن الخطاب کے دور میں مدینہ تشریف لائے تھے اور قضاہ کے قبائل کی رہنمائی کے لیے عمر نے اسے منتخب کیا تھا، جنہوں نے اسلام قبول کیا تھا۔ علی نے اپنے بیٹوں کا امر القیس کی بیٹیوں سے بیاہ کرنے کا معاملہ اٹھایا اور وہ اپنی تین بیٹیوں کی شادی حسنین سے کرنے پر راضی ہو گیا۔ لیکن اس وقت حسنین اور تینوں لڑکیاں دونوں بہت چھوٹی تھیں اور ایسا نہیں ہوا تھا کہ بچک وقت ان کی شادی ہوئی تھی۔ یہ بھی ممکن ہے کہ حسن نے اس لڑکی سے شادی نہیں کی جس کے لیے وہ منتخب ہوا تھا۔ حسنین نے رباب سے شادی کی اور عمرو القیس کے رشتے دار بھی کھار علی کی خلافت کے اختتام پر ثالثی اور قضاوت کرنے آئے تھے۔ رباب حسنین ایک پیاری بوی تھی۔ رباب نے حسنین کے لیے ایک بیٹے، عبد اللہ کو جنم دیا، جو بچپن میں ہی کرلا میں مارا گیا تھا اور حسنین شاید اس بچے کی وجہ سے ابا عبد اللہ کی عرفیت رکھتے ہیں۔ بعد کے سالوں میں کچھ شیعہ وسائل نے اس بچے کو علی اصغر کہا ہے، جسے ایرانی انسائیکلو پیڈیا بے بنیاد قرار دیتا ہے۔ حسنین کے مارے جانے کے بعد، یہ کہا جاتا ہے کہ رباب نے ایک سال تک حسنین کی قبر پر سوگ کیا اور شادی سے انکار کر دیا۔^[435]

میدلنگ کا کہنا ہے کہ حسنین کے دو بیٹے تھے جن کا نام علی تھا، ان میں سے ایک، شعیوں کے چوتھے امام، علی زین العابدین، واقعہ کرلا میں زندہ بچ گئے تھے اور وہ شاید علی نامی دوسرے لڑکے سے بڑا تھا، جو واقعہ کرلا کے وقت 23 سال کا تھا۔ لہذا، وہ خلافت علی کے دوران میں ہی پیدا ہوا ہوگا۔ میڈلنگ اس کی والدہ کو سندھ کا غلام مانتا ہے جس نے حسنین کے قتل کے بعد حسنین کے ایک غلام سے شادی کر لی۔ عبد اللہ کے بچے یتیم میں رہتے تھے۔^[436] لیکن حاج منوچری کہتے ہیں کہ بیشتر ذرائع اور روایات کے مطابق سجاد کی والدہ کو شہرانو کے نام سے متعارف کرایا گیا ہے۔ حاج منوچری کے مطابق، سجاد نام کے ذرائع میں کبھی علی اوسط اور کبھی علی اصغر کا تذکرہ ہوتا ہے اور اس کی وجہ سے حسنین کے بیٹوں کے بارے میں مختلف آراء پیدا ہوئیں۔ دوسری طرف، بیانیہ کے ذرائع میں، علی اصغر اور عبد اللہ کے مابین غلطیاں اور الجھنیں ہوئیں۔ دور حاضر کے شیعہ حلقوں نے سجاد کو علی اوسط اور علی اصغر کو کرلا میں ایک شیر خوار کے طور پر شناخت کیا ہے۔ ان بچوں میں، عبد اللہ - جو عاشورا کے واقعات میں اپنے نام کے ذکر سے مشہور ہیں - وہ قضاہی ماں اور اس کا اکوٹا بھائی جعفر، حسنین کا دوسرا بچہ سمجھا جاتا ہے۔^[437] میڈلنگ کے مطابق، اگرچہ ابتدائی سنی وسائل زین العابدین کو 'علی الاصغر اور علی دوم کو' علی الاکبر کہتے ہیں، لیکن یہ شاید صحیح ہے کہ شیخ مفید اور دوسرے شیعہ مصنفین نے اس کے برخلاف بیان کیا ہے۔ علی دوم 19 سال کی عمر میں کرلا میں مارا گیا تھا۔ اس کی والدہ لیلیٰ ہیں، جو آبی مروتہ بن عروہ ثقفی کی بیٹی ہیں۔ ایرانیکا میں میڈلنگ کے مطابق، معاویہ کے ساتھ حسن کے امن کے بعد، حسنین نے لیلیٰ سے شادی کی، جس سے علی اکبر پیدا ہوئے تھے۔ آبی مروتہ امویوں کا حلیف تھا۔ ان کے بقول، شاید اس شادی سے حسنین کو مادی فوائد حاصل ہوں گے اور اس کا ہونا علی کے وقت میں نہیں ہو سکتا تھا۔ حسنین نے اس بچے کا نام بھی علی رکھا کیونکہ وہ زین العابدین سے برتر تھا، جو اپنی والدہ کے عرب نسب کی وجہ سے ایک لونڈی پیدا ہوا تھا۔ معاویہ نے ایک تقریر میں علی اکبر کو خلافت کا بہترین شخص قرار دیا۔ کیونکہ، معاویہ کے مطابق، اس نے بنی ہاشم کی ہمت، بنی امیہ کی سخاوت اور ثقفیوں کا غرور ملا تھا۔^[438]

حسن کی موت کے بعد، حسنین نے محمد کے مشہور صحابی، طلحہ کی بیٹی ام اسحاق سے شادی کی اور اسی سے فاطمہ نام کی ایک بیٹی پیدا ہوئی۔ میڈلنگ لکھتے ہیں کہ، کچھ خیروں کے برخلاف، فاطمہ کو سکینہ سے چھوٹا ہونا چاہیے۔^[439] لیکن حاج منوچری سکینہ کو رباب کی ایک چھوٹی لڑکی سمجھتے ہیں۔^[440] حسنین کے قتل کے وقت، فاطمہ کی حسن شہنی سے ملکنی کی تھی لیکن ابھی تک اس کی شادی نہیں ہوئی تھی۔^[441] حاج منوچری کے مطابق، حسنین نے امامت زین العابدین کے حوالے کی۔^[442] میڈلنگ کے مطابق، حسنین نے بنی قضاہ قبیلے کی ایک اور عورت، سلافہ سے بھی شادی کی اور اس کا ایک بیٹا جعفر ہوا، جو حسنین کی زندگی میں وفات پا گیا۔ اس شادی کی تفصیلات دستیاب نہیں ہیں۔^[443] دوسرے ذرائع نے محمد، زینب اور رقیہ کو حسنین کے بچے قرار دیا ہے، جو ایک دوسرے سے بہت اختلافات رکھتے ہیں۔^[444]

حسن اور حسنین حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی واحد مرد اولاد تھیں جن سے اگلی نسلیں پیدا ہوئیں۔ لہذا، کوئی بھی شخص جو یہ کہتا ہے کہ اس کا نسب پیغمبر تک چلا جاتا ہے اس کا تعلق حسن سے ہے یا حسنین سے۔ حسن اور حسنین بھی اس سلسلے میں اپنے بھائی، جیسے محمد حنفی سے مختلف ہیں۔^[445] اثنا عشریہ شیعہ ائمہ کے علاوہ، تمام اسماعیلی ائمہ جعفر صادق کے ذریعہ حسنین ابن علی کی نسل سے ہیں۔^[446]

ان کی مشہور بیویوں اور بچوں کے نام حسب ذیل ہیں۔

1. رباب بنت عمرو القیس

1. عبد اللہ (علی اصغر) ابن حسنین (10 رجب 60 - 10 محرم 61)
2. آمنہ (سکینہ) بنت حسنین (? - 117)

2. شہربانو

1. علی (سجاد) ابن حسنین (5 شعبان 38 - 12 محرم 95)
3. لیلیٰ بنت ابی مرہ

1. علی (اکبر) ابن حسنین (11 شعبان 36 - 10 محرم 61)

4. ام سحاق بنت طلحہ

1. فاطمہ بنت حسین (30-110)

5. سلافہ

1. جعفر بن حسین (بطور بچہ متوفی) [447]

حسین کی جسمانی اور اخلاقی خصوصیات

حسین کا چہرہ سفید تھا اور کبھی سبز عمامہ اور کبھی کالا عمامہ پہنتے تھے اور اپنے بالوں اور داڑھی رنگتے تھے۔ اس نے غریبوں کے ساتھ سفر کیا یا انھیں اپنے گھر بلایا اور کھانا کھلایا۔ معاویہ حسین کے بارے میں کہا کرتے تھے کہ وہ اور اس کے والد علی دھوکا باز نہیں تھے اور عمرو ابن عاص انھیں اہل آسمان کے لیے زمین کا سب سے زیادہ محبوب سمجھتا ہے۔ [448]

انسائیکلو پیڈیا اسلام کے مطابق، حسین کی اخلاقی خصوصیات میں سے بردباری، تواضع، عاجزی، فصاحت اور آخر کار خصائص ہیں جو ان کے طرز عمل سے اخذ کی جاسکتی ہیں جیسے موت کو حقیر جانا، شرمناک زندگی سے نفرت، فخر اور اس طرح کی باتیں۔ [449] بہت سی روایات ہیں، حسین اور اس کے بھائی کی محمد سے مماثلت کا ذکر ہے اور ان میں سے ہر ایک اپنے نانا کے آدھے جسم سے مماثلت رکھتا ہے۔ [450] ولیفریڈ ملنگ ایرانی انسائیکلو پیڈیا میں لکھتے ہیں کہ بظاہر حسن، سب سے بڑے نواسے کی حیثیت سے، محمد سے زیادہ دلچسپی لیتے ہیں اور ان سے زیادہ پسند کرتے ہیں۔ میڈلنگ کا خیال ہے کہ حسن اور حسین محمد کی طرح تھے، لیکن یہ کہ حسن زیادہ ماثل تھا۔ حسن کا مزاج محمد سا ہی تھا، لیکن حسین اپنے والد کی طرح تھے۔ میڈلنگ نے اس حقیقت کا حوالہ دیا ہے کہ حسن نے اپنے دو بیٹوں کا نام محمد رکھا تھا اور ان میں سے کسی کا نام علی نہیں تھا اور حسین نے اپنے چار بیٹوں کا نام علی رکھا تھا۔ حسن کی امن پسند روح کے برخلاف، حسین کے پاس اپنے والد کی لڑائی کی روح اور خاندانی فخر کا احساس تھا۔ اگرچہ علی ابن ابی طالب نے حسن کو ان کے بعد خلیفہ بننے کی تربیت دی، لیکن ایسا لگتا ہے کہ علی کے ساتھ حسین کے ساتھ سلوک زیادہ نرمی اور حامی تھا۔ [451] رسول جعفریان نے ان روایات پر غور کیا جن میں حسین شہید علی اور حسن شہید محمد کو جعلی قرار دیا گیا تھا۔ ان کے مطابق، ان حکایات میں جو شہید پیش کی گئی ہے اس کا استعمال علی اور عاشورا کی شہید کو ختم کرنے اور ان لوگوں کے لیے کارآمد ثابت ہو سکتا ہے جو عثمانی رجحانات کے حامی تھے۔ [452] [ادداشت 3] سید محمد حسین طباطبائی اس سلسلے میں لکھتے ہیں: حسین کے ذائقہ میں فرق کے بارے میں کچھ مفسرین کی رائے ایک غلط بیان ہے۔ کیونکہ یزید سے بیعت نہ ہونے کے باوجود، حسین نے، اپنے بھائی کی طرح، معاویہ کے تحت دس سال گزارے اور کبھی ان کی مخالفت نہیں کی۔ [453] محمد عمادی حارثی کا ماننا ہے کہ حسین کو بیشتر مآخذوں میں محمد سے ملنے جلتے سمجھا جاتا ہے اور ایک رولیت میں ان سے سب سے زیادہ ملتا جلتا ہے۔ ایک رولیت یہ بھی ہے کہ علی حسین کو طرز عمل کے لحاظ سے سب سے ماثل شخص سمجھتے ہیں۔ [454]

حسین مدینہ منورہ میں سخاوت کے لیے جانے جاتے تھے اور اگر انھوں نے کوئی اچھا سلوک دیکھا تو اپنے غلاموں اور لونڈوں کو آزاد کرایا۔ ایک رولیت ہے کہ معاویہ نے ایک لوکرانی کو حسین کے پاس بہت ساری جائداد اور کپڑے پہنائے۔ جب ملازم نے قرآن مجید کی آیت اور دنیا کے عدم استحکام اور انسان کی موت کے بارے میں ایک شعر پڑھا تو حسین نے اسے ربا کیا اور اسے جائداد دی۔ ایک بار، حسین کے ایک غلام نے کچھ غلط کیا۔ لیکن غلام نے کتب "والأغفر عن الناس" کی تلاوت کرنے کے بعد، حسین نے اسے معاف کر دیا اور پھر غلام نے کتب "والأغفر عن الناس" کی تلاوت کی اور حسین نے اس مقصد کے لیے غلام کو آزاد کیا۔ حسین نے اسامہ بن زید کا قرض ادا کیا، جو بیمار تھا اور یہ انجام دینے سے قاصر تھا۔ ایک رولیت ہے کہ حسین نے وہ جائداد اور سامان دیا جو انھیں وصول کرنے سے پہلے وراثت میں ملا تھا۔ اس نے حسین کے تین سوالوں کے جواب دینے اور اسے انگوٹھی دینے کے بعد ایک اور شخص کا قرض بھی ادا کیا۔ حسین کی سخاوت کا مشاہدہ کرنے کے بعد ایک یہودی مرد اور عورت مسلمان ہو گئے۔ حسین نے اپنے بچوں کے استاد کو بڑی رقم اور کپڑے دیے اور منہ بھر دیا۔ جبکہ یہ تسلیم کرتے ہوئے کہ یہ اساتذہ کے کام کی قیمت کی تلافی نہیں کرتا ہے۔ ایک شامی شخص نے ایک بار حسین اور علی کے بارے میں ناسزا بولا، لیکن حسین اس سے درگشت گیا اور اس کے ساتھ مہربانی کا سلوک کیا۔ کہا جاتا ہے کہ عاشور کے دن حسین کے جسم پر غریبوں کے لیے کھانے کے تھیلے لے جانے کی وجہ سے نشان واضح تھی۔ [455]

حسین کی علمی اور روایاتی حیثیت

حاج منوہری کا کہنا ہے کہ شیعانہ نقطہ نظر میں حسین کو امامت اور ولایت کا ایک ترسیل سمجھا جاتا ہے۔ پیغمبر اسلام، علی ابن ابی طالب اور فاطمہ زہرا کے زمانہ کو سمجھنے کے بعد، وہ وصیت کے سلسلے کی وضاحت کر کے علوی علوم کو فروغ دیتے ہیں۔ تاریخی شخصیات کے لحاظ سے، نبی کے ایک ساتھی کی حیثیت سے، وہ اور علی ابن ابی طالب اور فاطمہ زہرا بھی راوی ہیں۔ اپنے جد اور باپ سے حسین کی تعلیمات وسیع پیمانے پر مختلف موضوعات، خاص طور پر شیعہ کتابوں میں میں ظاہر کیے گئے ہیں اور حسین کے شاگردوں سے رولیت کا سلسلہ اور ولایت سے امامت کے تصور کی شکل میں امامت کے علم کی منتقلی آدم سے خاتم اور پھر مہدی تک کی بحث کی گئی ہے۔ شیعوں کے مطابق ائمہ کرام کے استاد معصوم نہیں تھے، لیکن سنی ذرائع سے یہ بھی رولیت ہے کہ حسین نے عمر اور کچھ دوسرے صحابہ سے حدیث سنی اور یہ بھی رولیت ہے کہ علی ابن ابی طالب نے کوفہ کے مشہور قاری ابو عبد الرحمن سلمیٰ کو حسین کا استاد مقرر کیا۔ [456]

سنی منابع نے، محدثین کے انداز میں، استادان اور طلبہ کی روایتی درجہ بندی میں حسین کو رجالی طبقات میں متعارف کرایا ہے۔ کیونکہ حسین کے نام کی حدیث راویوں کے سلسلہ میں ہے، ان میں سے بہت ساری ذرائع ہیں، حسین کی روایتیں استعمال کی گئی ہیں۔ خاص کر چونکہ پیغمبر اسلام کی سیرت میں بہت سارے تصورات علی ابن ابی طالب نے حسین کو منتقل کیا ہے۔ دوسری طرف، حسین کے ساتھی اس کے اپنے سامعین اور راوی تھے۔ سنی رجالی ذرائع میں، حسین کے بیٹے - سجاد، فاطمہ اور سکینہ -، زید ابن حسن - حسین کے بھتیجے -، عکرمہ، عبید ابن حنین، فرزق، عامر شعبی، شعب بن خالد اور طلحہ الاوانی کا ذکر ہے۔ ان میں سجاد اور اس کے بیٹے محمد باقر نے سب سے زیادہ روایتیں نقل کیں۔ [457]

آثار

حسین ابن علی کی روایتیں، خطبات اور خطوط موجود ہیں جو سنی اور شیعہ منابع میں پائے جاتے ہیں۔ اس کے بارے میں روایات کو امامت سے پہلے اور بعد میں دو ادوار میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ پہلے دور میں - جو اس کے نانا، والد، والدہ اور بھائی کی زندگی میں اس کی زندگی کا دور ہے۔ اس کے بارے میں کم از کم دو طرح کی روایتیں ملتی ہیں: پہلی یہ کہ اس کے اقربا سے ان کی روایات اور دوسری، اس کی ذاتی احادیث۔ سنی ماخذ میں، ان روایات کے صرف بیانیہ اور رجالی پہلو پر ہی غور کیا گیا ہے۔ ان مسندوں میں، صحابہ کرام کے مسند کی طرح، حسین ابن علی کا مسند ہے۔ ابوبکر بزار نے اپنی مسند میں حسین ابن علی کی مسند کو 4 احادیث کے ساتھ نقل کیا ہے اور طبرانی نے اپنی مسند کو بالترتیب 27 احادیث سے نقل کیا ہے۔ مسند حسین ابن علی میں خود حسین کی احادیث کے علاوہ پیغمبر اسلام اور علی ابن ابی طالب کی بھی احادیث موجود ہیں۔ موجودہ دور میں، عزیز اللہ عطاردی نے **مُسْنَدُ الْإِمَامِ الشَّهِيدِ أَبِي عَبْدِ اللَّهِ الْحُسَيْنِ بْنِ عَلِيٍّ** کا مسند مرتب کیا ہے۔ [458]

حسین ابن علی کے خطبات کے زمرے میں، ماخذوں میں، امامت سے پہلے کے دور میں ان کے خطبے موجود ہیں، جن میں سے کچھ بہت مشہور ہیں۔ چنانچہ علی ابن ابی طالب اور دیگر سے عوامی بیعت کے بعد حسین ابن علی کا خطبہ، صفین کی جنگ میں ان کا خطبہ ہے۔ ایک اور مثال حسین کی ایک نظم ہے جو اپنے بھائی حسن کی تدفین کے بعد اسے کے فراق کے بارے میں ہے۔ اس کی امامت کے دوران میں حسین ابن علی کے خطبات اور خطوط اس سے پہلے کے مقابلے میں زیادہ ہیں۔ اہل تشیع کو ان کے خطوط اور ساتھ ہی معاویہ کو ان کے معاہدے پر عمل پیرا ہونے کے خطوط، معاویہ کے اقدامات کی تردید کرتے ہیں، خاص طور پر یزید کے بارے میں، اسی طرح خطبہ اور خطوط یزید خلافت کے آغاز میں خطوط کے مشورے کی شکل میں تھے۔ خطبات اور خطوط کا ایک اہم حصہ حسین بن علی کی بغاوت کے دور سے تعلق رکھتا ہے۔ کوفیوں، بصریوں اور مسلم ابن عقیل کے ساتھ خط کتابت اسی طرح کی ہے۔ فقہ حدیث، تشریحی، نظریاتی، احکام و خطبات، دعائیں، مشورے اور اشعار بھی حسین کے پاس ہیں جو شیعہ اور سنی وسائل میں بکھرے ہوئے ہیں اور انھیں مجموعہ کی شکل میں مرتب اور شائع کیا گیا ہے۔ **الْمُنْتَخَبُ فِي جَمْعِ الْمَرَاثِي وَالْخُطَبِ** از **فخر الدین طرہی** (گیارہویں صدی عیسوی) **وَسُوءَةُ كَلِمَاتِ الْإِمَامِ الْحُسَيْنِ وَخُطْبُ الْإِمَامِ الْحُسَيْنِ عَلَى طَرِيقِ الشَّهَادَةِ** از **لبیب بیضون**، دیوان **الْحُسَيْنِ بْنِ عَلِيٍّ** از محمد عبد الرحیم، **رَسَائِلُ الْإِمَامِ الْحُسَيْنِ** از **عبدالکریم قزوینی**، **خُطْبُ الْإِمَامِ الْحُسَيْنِ** از محمد صادق نجفی، **بَلَاغَةُ الْحُسَيْنِ** از مصطفیٰ آل اعتماد، ان آثار میں شامل ہیں۔ یہاں حسین بن علی کی دعائیں بھی باقی ہیں، جو **الصَّحِيفَةُ الْحُسَيْنِيَّةُ** یا **أَدْعِيَةُ الْإِمَامِ الْحُسَيْنِ** کے عنوان سے جمع کی شکل میں شائع کی گئیں ہیں [459]

مشہور تشیع نماز میں سے ایک، نیز حسین ابن علی کی تخلیقات، جو **مفاتیح الجنان** کی معیاری کتاب میں درج ہیں، وہ "دعائے عرفہ" ہے۔ ولیم چنگ کے مطابق، یہ دعا اس کی خوبصورتی اور روحانی ساخت کے لحاظ سے سب سے مشہور دعا ہے اور یہ ہر سال عرفہ کے دن اور حج کے دوران میں پڑھی جاتی ہے۔ جب اسے پہلی بار حسین بن علی نے شیعہ حجاج کرام کے ذریعہ اور سال کے دیگر اوقات میں پڑھا تھا۔ اس دعا کا شیعہ مذہبیات میں ایک خاص اور اہم کردار ہے اور عظیم فلسفی اور صوفیانہ ملا صدرا نے اپنے کاموں میں اس دعا کا کئی بار ذکر کیا ہے۔ [460]

قرآن و حدیث میں حسین

حسین سے متعلق آیات

سانچہ:والبستہ

کئی سنی اور شیعہ مفسرین، مثلاً **فخر رازی** اور **سید محمد حسین طباطبائی**، سورہ انسان کی تفسیر کے بیان پر سنی اور شیعہ کتابوں میں رولیت کرتے ہوئے، اس سورت کا شان نزول علی اور فاطمہ اور ان کے بچے یا بچوں کی بیماری سے صحت یابی کے لیے کے لیے منت، کے متعلق مانتے ہیں۔ [461][462][463]

تفسیر المیزان میں سید محمد حسین طباطبائی کے ذریعہ، مباہلہ کا واقعہ ایک طرف پیغمبر اسلام اور ان کے اہل خانہ اور دوسری طرف عیسائی نجران کے مابین تصادم کی داستان بیان کرتا ہے۔ طباطبائی کہتے ہیں کہ رولیتوں کے مطابق، **آیت مباہلہ** میں ہمارے بیٹوں () کا معنی صن اور حسین تھا۔ [464][465] بہت سنی مبصرین نے یہ بھی بتایا ہے کہ اس میں شامل افراد علی، فاطمہ، حسن اور حسین ہیں۔ [466][467][468]



آل کساء اور دو احادیث پیغمبر اسلام کی کپڑے پر خطاطی، تعلق شاید ایرانی یا وسطی ایشیا، 13 شمسوی صدی۔

رُوحُ الْمَعَانِی میں سنی مفسرین میں سے ایک، شہاب الدین آلوسی، دوسرے مفسرین کی روایتوں اور اقوال کو بیان کرتے ہوئے اس کو اہل بیت کے متعلق قرار دیتا ہے۔ ترمذی اور ابن جوزی کی اطلاعات اور آیات کی ظاہری شکل کے مطابق، ان کا کہنا ہے کہ ان بیانات کا تقاضا ہے کہ یہ سورت مدنی ہو اور اس کی وجہ یہ ہے کہ علی اور فاطمہ کے بچے مدینہ میں پیدا ہوئے تھے اور یہ مسئلہ آیات کے ظہور سے متصادم نہیں ہے۔ انھوں نے اس سورت کی بارہکیوں کا بھی تذکرہ کیا ہے کہ کہیں بھی، فاطمہ زہرا کے اعزاز میں حور العین کے نام کا تذکرہ نہیں کیا گیا ہے اور صرف «وَلَدَانِ مُحَمَّدَوْنَ» کا ذکر ہے۔ [469] فخر رازی نے اپنی تفسیر کبیر میں علی اور فاطمہ کے بچوں کی بیماری کی کہانی بیان کرتے ہوئے زُخْرُی نے کَشَاف اور واجدی نے اَلْبَسِیْط میں حوالہ دیا ہے، لیکن وہ کہتے ہیں کہ ان آیات کی علی ابن ابی طالب، فاطمہ اور ان کے بچوں کی طرف منسوب کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے، لیکن یہ آیات تمام اہل بیت، جیسے صحابہ اور متقی پیروکاروں پر لاگو ہوتی ہیں۔ جب تک کہ ان کی خصوصی اطاعت کے بارے میں یہ آیات نازل نہیں ہوئیں۔ [470] فَتْحُ الْقَدِیر میں شوکانی نے ابن مردویہ کی روایت ابن عباس سے بھی نقل کی ہے کہ یہ آیات علی ابن ابی طالب اور فاطمہ زہرا کے متعلق ہیں۔ [471]

المیزان میں تزکیہ آیت کی اپنی تشریح میں، تبت بائی اس آیت کے مخاطب کو کیسا کا صحابی سمجھتی ہیں اور اس کی احادیث سے مراد ہیں، جن کی تعداد ستر احادیث سے زیادہ ہے اور زیادہ تر سنیوں میں سے ہیں۔ [472] فخر رازی اور ابن کثیر جیسے سنی مفسر اپنی اپنی تفسیر میں، اس آیت میں اہل بیت کی مثال کے بارے میں مختلف روایتیں بیان کرتے ہوئے، علی، فاطمہ، حسن اور حسین کو مثال کے طور پر غور کریں۔ [473][474]

المیزان میں سورہ شوریٰ کی آیت 23 کے بارے میں اور اس آیت کی تفسیر و تشریح میں مفسرین کے مختلف اقوال کی اطلاع دینے اور ان کا جائزہ لینے اور تنقید کرتے ہوئے بیان کیا گیا ہے کہ "قُرَیْ" کے معنی محمد - علی، فاطمہ، حسن اور حسین کے اہل خانہ کی محبت ہے۔ اور پھر سنیوں اور شیعوں کے توسط سے مختلف روایتیں ہیں جو اس موضوع پر بیان کی گئی ہیں۔ [475][476] فخر الرازی اور ابن کثیر جیسے سنی مفسرین نے بھی اس مسئلے کا حوالہ دیا ہے۔ [477][478]

سورت الاحقاف کی آیت 15 میں ایک عورت کے بارے میں بتایا گیا ہے جو ہمت نکالیف برداشت کرتی ہے۔ یہ آیت فاطمہ زہرا کا حوالہ سمجھی جاتی ہے اور بیٹے کو حسین سمجھا جاتا ہے، جب خدا نے اس نواسہ کی قسمت کے بارے میں محمد سے اظہار تعزیت کیا اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کا اظہار فاطمہ زہرا سے کیا اور وہ ہمت پریشان ہو گئیں۔ [479] مکہ سے کریمات کے سفر کے تمام مراحل میں حسین نے میٹھی کو یاد کیا۔ ایک اور روایت کے مطابق، حسین کا خون میٹھی کے خون کی طرح ابلتا ہے اور خدا اس اہل خاتمے کے لیے ستر ہزار منافقین، کافروں اور شیطان کو ختم کر دے گا، جیسا کہ اس نے میٹھی کا بدلہ لینے کے لیے کیا تھا۔ [480] شیعوں نے حسین سے منسوب ہونے والی دیگر آیات میں سورہ احزاب کی آیت نمبر 6 اور سورہ زخرف کی 28 آیات بھی شامل ہیں، جس کی ترجمانی دوسرے نسل تک امامت کے تسلسل سے ہوتی ہے۔ نیز سورہ النساء آیت 77، سورہ اسراء آیت 33 اور سورہ فجر کی 27 ویں سے 30 ویں آیات جن میں شیعوں کو حسین کی سورہ سمجھا جاتا ہے - شیعہ نقطہ نظر سے حسین کے قیام اور قتل کا حوالہ دیتے ہیں۔ [481][482]

خدا نے پانچوں کے نام زکریا پر ظاہر کرنے کے بعد، [483] اس نے سورہ مریم - پہلی پراسرار آیت کہ بعض - اس طرح زکریا کے لیے فہم کشا کی: ک = کرلا، ہ = ہلاک العترۃ (کنبہ کی تباہی) ی = یزید، ع = عطش (پہاس)، ص = صبر - یہ وضاحت نسبتاً پیچیدہ کہانی کا ایک حصہ ہے۔ یہ میٹھی اور حسین کی تقدیر کے مابین غیر معمولی مماثلت ظاہر کرتا ہے، جو شاید اس حقیقت کی وجہ سے ہے کہ دونوں کے سر کاٹ کر طشت میں رکھے گئے تھے۔ ایک اور روایت کے مطابق، حسین کا خون میٹھی کے خون کی طرح ابلتا ہے اور خدا اس اہل خاتمے کے لیے ستر ہزار منافقین، کافروں اور شیطان کو ختم کر دے گا، جیسا کہ اس نے میٹھی کا بدلہ لینے کے لیے کیا تھا۔ [484][485]

شیعوں نے حسین سے منسوب ہونے والی دیگر آیات میں سورہ احزاب کی آیت نمبر 6 اور سورہ الزخرف کی 28 آیات بھی شامل ہیں، جس کی ترجمانی دوسرے نسل تک امامت کے تسلسل سے ہوتی ہے۔ نیز سورہ النساء آیت 77، سورہ اسراء آیت 33 اور سورہ الفجر کی 27 ویں سے 30 ویں آیات جن میں شیعوں کو حسین کی سورہ سمجھا جاتا ہے - شیعہ نقطہ نظر سے حسین کے قیام اور قتل کا حوالہ دیتے ہیں۔ [486][487]

کفن دفن

حسین کی لاش کو ان کی موت کی جگہ کریملا میں سپرد خاک کر دیا گیا۔ کہا جاتا ہے کہ اس کا سر دمشق سے لوٹایا گیا تھا اور اس کے جسم کے ساتھ دفن کیا گیا تھا، [488] اگرچہ مختلف مقامات پر بھی دعویٰ کیا گیا ہے کہ وہاں حسین کے سر کو دفن کیا گیا ہے: ان میں حلب، عسقلان، بعلبک، قاہرہ، دمشق، حمص، مرو اور مدینہ شامل ہیں۔ [489]

مدفن

حسین بن علی کا مقبرہ بغداد سے تقریباً 90 کلومیٹر جنوب مغرب میں واقع شہر کریملا میں واقع ہے۔ یہ مقبرہ واقعہ کریملا کے دو صدیوں بعد تشکیل دیا گیا تھا اور تیرہویں صدی ہجری تک دوبارہ تعمیر اور توسیع کی گئی تھی۔ پہلے اس جگہ پر عمارت نہیں تھی اور اسے ایک عام نشان کے ساتھ نشان لگا دیا گیا تھا۔ اس کے بعد، تیسری صدی ہجری میں، اس پر ایک یادگار تعمیر کی گئی تھی، جو کچھ عباسی خلیفہ اور دیلمی شہزادوں، ایل خانی اور عثمانی حکمرانوں کے دور میں سمجھی جاتی تھی اور وقت گزرنے کے ساتھ، شہر کریملا کو تعمیر کیا گیا اور اس کے ارد گرد وسعت دی گئی۔ [490]



مصر کے شہر قاہرہ میں واقع الحسین مسجد
میں حسین کا سر زریح

حسین کی تدفین کی جگہ کے بارے میں متعدد روایتیں ہیں۔ مثال کے طور پر، اپنے والد علی کے ساتھ نجف میں، کوفہ کے باہر لیکن علی کے ساتھ نہیں، اپنے پورے جسم کے ساتھ کربلا میں، باقیہ میں، شام کے شہر، رقعہ میں، اور قاہرہ میں "مسن الامین" نامی مسجد میں۔^[491] امام حسین اور ان کے ساتھیوں کی شہادت کے بعد، بنی اسد کے ایک گروہ نے آپ کے اور آپ کے اصحاب کے جنازوں کو ان کی شہادت کے مقام پر دفن کیا۔ اور اس وقت آپ کی قبر کو عوام کی زیارت کے لیے محض لحد کی شکل میں بنا دی گئی تھی۔^[492]

جس وقت مختار ثقفی نے شعبان 65 ھ ق میں اپنے قیام میں جو انھوں نے امام حسین علیہ السلام کے خون کا انتقام لینے کے لیے کیا تھا، کامیابی حاصل کر لی تو انھوں نے امام حسین علیہ السلام کی قبر پر ایک بنا تعمیر کرائی اور اس پر اینٹوں سے گنبد بنوایا۔ اپنی حکومت کے دور میں مختار پہلے انسان تھے جنھوں نے آپ کی قبر پر ضریح اور بنا تعمیر کرائی۔ جس میں انھوں نے ایک مسقف عمارت اور ایک مسجد بنوائی اور مسجد میں دو دروازہ قرار دیے، جس میں ایک مشرق کی جانب اور دوسرا مغرب کی سمت کھلتا تھا۔^[493]

مختار ثقفی نے امام حسین کی قبر پر پہلی بنا رکھی اور بعد کے ادوار میں اہل بیت کے چاہنے والوں اور شیعوں نے خاص طور پر سلاطین اور بادشاہوں نے اس روضہ کی باز سازی اور تعمیر و توسیع کے سلسلہ میں خاص اہتمام کیے۔

یہ روضہ دشمنوں کی طرف سے جن میں خلفاء عباسی اور وہابی شامل ہیں، متعدد بار خراب کیا جا چکا ہے۔

چونکہ شیعہ کثرت سے امام حسین علیہ السلام کی زیارت کے لیے جاتے تھے، ہارون عباسی نے بعض لوگوں کو بھیجا کہ وہ آپ کے روضہ کو خراب کر دیں۔ ہارون کے کاندوں نے اس مسجد کو جس میں امام حسین علیہ السلام کا روضہ بنایا گیا تھا اور اسی طرح سے اس مسجد کو جس میں ابو الفضل العباس کا روضہ بنایا گیا تھا، تباہ کر ڈالا۔ اور اسی طرح سے ہارون نے ان سے کہا تھا کہ امام حسین علیہ السلام کی قبر کے پاس جو سدر کا درخت لگایا گیا ہے اسے کاٹ دیں اور قبر کے مقام کو زمین کے برابر کر دیں اور ان لوگوں ایسا ہی کیا۔^[494]

امام حسین کے روضہ کی سب سے زیادہ تخریب متوکل کے زمانہ میں ہوئی اور اس سلسلہ کی آخری کڑی سن 1411 ق میں بعثی حکومت کی طرف سے عراقی عوام کے شعبانیہ انتفاضہ کے وقت پیش آئی۔

جنگ کربلا کے بعد کے واقعات

دس لوگوں نے اس کی توہین کے لیے رضا کارانہ طور پر حسین کے پورے جسم پر گھوڑے دوڑائے۔ ابن سعد میدان جنگ سے رخصت ہونے کے بعد، غازیہ گاؤں کے اسدوں نے دوسرے مقتول کے ساتھ حسین کی لاش کو اسی جگہ دفن کیا جہاں قتل عام ہوا تھا۔^[495]

جنگ ختم ہو گئی اور ابن زیاد کے فوجیوں نے حسین کے کپڑے، تلوار اور فرنیچر، ٹیڑھی اور میانی لباس، نیز خواتین کے زورات اور خیمے لوٹ لیے۔ شمر علی بن حسین کو مارنا چاہتا تھا، جو ایک خیمے میں بیمار تھا۔ لیکن ابن سعد کو روکا گیا۔^[496] ان کی وفات کے وقت حسین کی عمر 57 سال اور پانچ ماہ، 58 سال اور پانچ ماہ یا 59 سال تھی۔ عاشورہ جمعہ، ہفتہ، اتوار یا پیر کے نام سے جانا جاتا ہے، جن میں جمعہ زیادہ درست لگتا ہے۔ ابوالفرج اصفہانی کے ذریعہ پیر کو کیلنڈر کے لحاظ سے مسترد کر دیا گیا ہے۔ 10 محرم 61 کے علاوہ، صفر کے مہینے میں یا سن 60 میں، حسین کی وفات کی تاریخ کا بھی ذکر ہے۔^[497]

جنگ کے بعد، بقیہ پس ماندگان پر مشتمل حسین کی فوج کے زندہ بچ جانے والے اور مقتول سربراہوں کو پہلے ابن زیاد کے پاس بھیجا گیا، جنھوں نے ان کے ساتھ برا سلوک کیا۔^[498] پھر ان سرور کو دمشق لے جایا گیا۔ انسائیکلو پیڈیا اسلام میں، ولیری کا خیال ہے کہ ابن زیاد اور یزید کے سر حسین کے بارے میں مختلف رویہ تھا۔ ابن زیاد نے دانتوں پر مارتے ہوئے اور اس کے کچھ دانت توڑ کر حسین کی توہین کی۔ لیکن بیشتر روایات کے مطابق، یزید نے حسین کے ساتھ عزت کی نگاہ سے دیکھا اور ابن زیاد کے حسین کو قتل کرنے میں جلد بازی پر افسوس کا اظہار کیا۔ اتنا کہ اس نے سمیے کے بیٹے پر لعنت بھیجی۔ یزید نے اعتراف کیا کہ اگر حسین میرے پاس آتا تو وہ اسے معاف کر دیتا۔ ہاشمی کی خواتین اور بچوں کو کوفہ اور دمشق لے جایا گیا۔ یزید نے پہلے ان کے ساتھ سختی کا مظاہرہ کیا، جس کا علی ابن حسین اور زینب نے اسی طرح کا جواب دیا۔ لیکن آخر میں، یزید نے نرم سلوک کیا۔ یزید کی خواتین حسین اور مرنے والوں کے لیے بھی پکاریں۔ یزید نے انھیں کربلا میں ہاشمی خواتین سے پوری شدہ چیزوں کی تلافی کے لیے جانبدار دی۔ علی ابن حسین قتل سے بچ گئے اور یزید نے اس کے ساتھ حسن سلوک کیا اور کچھ دن بعد ہاشمی خواتین اور قابل اعتماد محافظوں کے ساتھ مدینہ واپس آگیا۔^[499]

بنیادی ذرائع کی روایات عام طور پر ابن زیاد پر حسین کے قتل کی ذمہ داری عائد کرتی ہیں اور یزید کو بری کر دیتی ہیں۔ ولیفیڈ ملنگ لکھتے ہیں کہ ابن زیاد نے حسین کے قتل کا لالچ اس بات کی وجہ سے ظاہر کیا ہے کہ وہ گھوڑوں کے ذریعہ حسین کے جسم کو پامال کرنے کے بارے میں قسم کھاتا ہے اور یہ شدید ناراضی معاویہ کے خطاب سے زیادہ ابن ابیہ کے بھائی کے بیٹے سے حسین کے خطاب سے ہے۔ ولیفیڈ ملنگ کا خیال ہے کہ یزید بنیادی طور پر حسین کے قتل کا ذمہ دار ہے۔ کیونکہ وہ جانتا تھا کہ اگرچہ عارضی طور پر ہتھیار ڈال دیے تب بھی، یزید کی خلافت کے لیے ایک سنگین خطرہ ہوگا اور اگرچہ وہ خفیہ طور پر حسین کو قتل کرنا چاہتا تھا، لیکن وہ، مسلمانوں کے خلیفہ کی حیثیت سے، اس خواہش کا اظہار نہیں کر سکتا تھا۔ ابن زیاد کے حسین سے

بعض کھنے کا علم ہونے پر، اس نے انھیں ایک خط میں متنبہ کیا کہ اگر حسین کامیاب ہوا تو ابن زیاد اپنے آبا و اجداد کی غلامی میں واپس آجائے گا۔ یزید نے اپنے خط میں ابن زیاد کو مسلم ابن عقیل کو قتل کر دینے کا سختی سے مشورہ دیا اور اس نے بے تابی سے کام کیا۔ یزید نے بعد میں ابن زیاد کو عوام کے سامنے حسین کے قتل کا ذمہ دار ٹھہرایا اور وہ ناراض ہو گئے اور مکہ میں عبداللہ ابن زبیر پر حملہ کرنے کے یزید کے حکم سے انکار کر دیا۔^[500]

قصاص حسین

سانچہ:والبستہ کوئی کر بلا کی جنگ کے فوراً بعد ہست پشیمان ہوئے اور جیسا کہ توہین کی بغاوت اور مختار کی بغاوت اس کی تصدیق کرتی ہیں^[501] پہلی بغاوت جو حسین ابن علی کے لہو کے بدلے کے لیے ہوئی تھی، سلیمان ابن صراخرزاعی کی قیادت میں یا لثارات الحسین کے نعرے پر توہین کی تحریک تھی۔ توہین سپاہ کو امویوں نے شکست دی اور اس کے بیشتر رہنما مارے گئے اور باقی سپاہ مختار صغنی میں شامل ہو گئے۔^[502] مختار نے کوفہ پر قبضہ کرنے کے بعد حسین کی موت میں شامل افراد کو ہلاک کیا۔^[503] دوسری صدی ہجری کے پہلے نصف (ف-122 بق) میں، زید ابن علی، علی ابن حسین کے بیٹے، نے کوفہ میں حسین ابن علی کے خون بدلہ طلب کرنے اور امویوں کے جبر کا مقابلہ کرنے کے نعرے کے ساتھ بغاوت کی۔ البتہ شیعہ اماموں نے ان بغاوتوں میں حصہ نہیں لیا اور یہاں تک کہ شیعوں کو زید بن علی کی حمایت کرنے سے متنبہ کیا۔ زید کے بعد، اس کے بچوں نے اس کا راستہ جاری رکھا۔ اس طرح، امویوں کے خلاف بغاوت کا ایک سلسلہ تشکیل دیا گیا، جس نے امویوں کو کمزور کر دیا اور ابو مسلم خراسانی نے اس مقام کا فائدہ اٹھاتے ہوئے سیاہ جامگان تحریک کو اکسایا، جس کی وجہ سے امویوں کا زوال ہوا۔^[504]

سر کا جسم پر لوٹایا جانا

حسین ابن علی کے بیٹے علی عاشور کے بعد آپ کا سر شام سے واپس کر بلا لائے^{[505][506][507][508]} چالیس دن کے بعد عاشورہ کے جسم سے مل گیا۔^{[509][510]} شیعہ مسلمان اس چالیسویں دن کو اربعین کی طرح مناتے ہیں۔^{[511][512][513][514]} شیعانہ عقیدہ کے مطابق ایک امام کی لاش صرف ایک امام ہی کے سپرد ہے،^{[515][516][517]} حسین ابن علی کی لاش کو ان کے بیٹے، علی زین العابدین نے دفن کیا تھا۔^[518]

امام حسین (ع) کا مبارک سر کہاں دفن ہوا ہے، اس بارے میں شیعہ اور اہل سنت کی تاریخ کی کتب میں مختلف اقوال کو ذکر کیا گیا ہے۔ ان میں سے 6 اہم اقوال کو یہاں پر ذکر کیا جا رہا ہے۔

بقول اول:

کر بلا میں سر کو بدن مبارک کے ساتھ ملا کر دفن کیا گیا:

یہ قول شیعہ اور اہل سنت کے درمیان مشترک و متفق ہے۔ شیعہ علما میں سے شیخ صدوق (متوفی 381 ق)، سید مرتضیٰ (متوفی 436 ق)، قتال نیشاپوری (متوفی 508 ق)، ابن نا حلی، سید ابن طاووس (متوفی 664 ق) شیخ بہائی اور علامہ مجلسی نے اس قول کو ذکر کیا ہے۔

مشہور اقوال کی بنا پر امام حسین (ع) کا سر کر بلا میں ان کے بدن مبارک کے ساتھ ملحق ہو گیا تھا۔^{[519][520][521][522][523]}

سید ابن طاووس نے کتاب لہوف میں لکھا ہے کہ:

«فَأَمَّا رَأْسُ الْحُسَيْنِ فَرَوَى أَنَّهُ أُعِيدَ فَذُفِنَ بِكَرْبَلَاءَ مَعَ جَسَدِهِ الشَّرِيفِ وَ كَانَ عَمَلُ الطَّائِفَةِ عَلَى هَذَا الْمَعْنَى الْمُسْتَشَارَ إِلَيْهِ»

روایت ہوئی ہے کہ امام حسین (ع) کے سر کو کر بلا میں واپس پلٹایا گیا اور بدن مبارک کے ساتھ دفن کیا گیا، اسی قول پر شیعہ امامیہ عمل کرتے ہیں۔^[524]

شیخ طبرسی نے کتاب تاج الموالید میں لکھا ہے کہ:

وَأَمَّا رَأْسُ الْحُسَيْنِ (عَلَيْهِ السَّلَام) فَقَالَ بَعْضُ أَصْحَابِنَا: أَنَّهُ رَدَّ إِلَى بَدْنِهِ بِكَرْبَلَاءَ مِنَ الشَّامِ وَ ضَمَّ إِلَيْهِ»

بعض شیعہ علما نے کہا ہے کہ: امام حسین (ع) کا سر شام سے لایا گیا اور کر بلا میں بدن کے ساتھ ملا کر دفن کر دیا گیا۔^[525] یہی قول قتال نیشاپوری اور ابن نا حلی کی کتاب میں بھی ذکر ہوا ہے۔^{[526][527]} قدیمی کتب میں بھی اسی بات کو واضح بیان کیا گیا ہے کہ امام حسین (ع) کے سر مطہر کو 20 صفر کو کر بلا میں بدن مبارک کے ساتھ ملحق کر دیا گیا تھا۔

کتاب الآثار الباقیہ ابو یحیٰ بن یزید (قرن 4-5) نے کہا ہے کہ:

«و فِي الْعَشْرِينَ، رَدَّ رَأْسُ الْحُسَيْنِ إِلَى مَجْتَمِعِهِ، حَتَّى دُفِنَ مَعَ جَسَدِهِ؛ وَ فِيهِ زِيَارَةُ الْأَرْبَعِينَ، وَ هُمْ حَرَمَهُ بَعْدَ انْصِرَافِهِمْ مِنَ الشَّامِ»

ماہ صفر کی 20 تاریخ کو سر حسین کو بدن کے ساتھ ملحق اور اسی جگہ دفن کیا گیا۔^[528]

ابن جوزی (متوفی 654ق) نے کتاب تذکرۃ الخواص میں ذکر کیا ہے کہ:

اشهرها انه رده الى المدينة مع السبايا ثم رد الى الجسد بكر بلا فدفن معه،

مشہور ترین یہ قول ہے کہ حسین ابن علی (ع) کے سر کو مدینہ سے کرپلا لایا گیا تھا اور بدن کے ساتھ دفن کیا گیا تھا۔^[529]

زکریا ابن محمد قزوینی (متوفی 682ق) نے کتاب عجائب المخلوقات میں لکھا ہے کہ:

«اليوم الاول منه عيد بنى امية ادخلت فيه رأس الحسين رضى الله عنه بدمشق و العشرون منه رُدَّتْ رأس الحسين الى جثته»

یکم ماہ صفر بنی امیہ کے جشن اور عید کا دن ہے کہ اسی دن امام حسین کے سر کو شہر دمشق میں لایا گیا اور 20 صفر کو کرپلا میں سر کو بدن کے ساتھ ملا کر دفن کیا گیا۔^[530]

شیخ صدوق اور ان کے بعد قتال نیشاپوری نے اس بارے میں لکھا ہے کہ: علی ابن حسین (امام سجاد) اہل بیت (ع) کی خواتین کے ساتھ شام سے واپس آئے اور امام حسین (ع) کے سر کو بھی اپنے ساتھ کرپلا واپس لے کر آئے۔^{[531][532][533]}

سید مرتضیٰ نے اس بارے میں کہا ہے کہ: تاریخ نگاروں نے روایت کی ہے کہ امام حسین کا سر کرپلا میں ان کے بدن کے ساتھ دفن ہوا ہے۔^[534]

ابن شہر آشوب نے سید مرتضیٰ کے اسی کلام کو نقل کرنے کے بعد، شیخ طوسی کے قول کو بھی نقل کیا ہے کہ:

قال الطوسي رحمة الله: و منه زيارة الاربعين،

اسی وجہ (امام کے سر کا بدن کے ساتھ ملحق ہونے) سے دوسرے ائمہ نے امام حسین کی زیارت اربعین پڑھنے کی بہت تاکید کی ہے۔^{[535][536]}

ابن ناطلی نے بھی لکھا ہے کہ: بہت سے اقوال میں سے وہ قول جس پر اعتماد کیا جاسکتا ہے، وہ یہ ہے کہ امام حسین کے سر مبارک کو مختلف شہروں میں گھمانے کے بعد، بدن کے ساتھ واپس لا کر دفن کیا گیا ہے۔^[537]

سید ابن طاووس نے بھی لکھا ہے کہ: روایت کی گئی ہے کہ امام حسین کے سر کو واپس کرپلا لایا گیا اور اس کو بدن کے ساتھ دفن کیا گیا اور علمائے ایسی روایات کو قبول کر کے ان پر عمل کیا ہے۔^[538]

علامہ مجلسی نے امام حسین (ع) کے چہلم والے دن، امام کی زیارت اربعین پڑھنے کے مستحب ہونے کی ایک وجہ، سر کے بدن کے ساتھ ملحق ہونے کو ذکر کیا ہے کہ یہ کام علی ابن حسین (امام سجاد) کے ذریعے سے انجام پایا تھا۔^[539]

علامہ مجلسی نے ایک دوسری جگہ پر اس بارے میں دوسرے اقوال کو نقل کرنے کے بعد، اسی بارے میں لکھا ہے کہ: علمائے امامیہ کے نزدیک یہی مشہور ہے کہ امام حسین کا سر مبارک ان کے بدن کے ساتھ دفن ہوا ہے۔^[540]

اہل سنت کے بعض علما نے بھی اسی قول کو ذکر کیا ہے:

ابو ریحان بیرونی اور دوسرے علما (متوفی 440 ق) نے اس بارے میں لکھا ہے کہ:

و في العشرين ردّ رأس الحسين عليه السلام الي مجثمه حتي دفن مع جثته۔۔۔

20 صفر کو امام حسین کا سر ان کے بدن کے ساتھ ملحق اور دفن ہوا تھا۔^{[541][542][543][544][545][546][547][548][549][550][551][552]}

قرطبی (متوفی 671 ق) نے بھی لکھا ہے کہ: شیعہ کہتے ہیں کہ امام حسین کا سر 40 دنوں کے بعد کرپلا واپس لایا اور بدن کے ساتھ ملحق کیا گیا تھا اور یہ دن ان (شیعہ) کے نزدیک بہت مشہور ہے اور اس دن جو زیارت پڑھی جاتی ہے، وہ اس کو زیارت اربعین کہتے ہیں۔^[553]

زکریا قزوینی نے بھی لکھا ہے کہ:

یکم صفر کو، بنی امیہ کی عید کا دن ہے، کیونکہ اس دن امام حسین کے سر کو شہر دمشق میں لایا گیا اور 20 صفر کو انکا سر واپس بدن کے ساتھ ملحق کیا گیا تھا۔^[554]

منامی (متوفی 1031 ق) نے لکھا ہے کہ: امامیہ یعنی شیعہ کہتے ہیں کہ امام حسین کی شہادت کے 40 دن بعد، انکا سر کربلا میں واپس لایا اور دفن کیا گیا تھا۔^[555]

سید مرتضیٰ (م436ق) نے بھی اس بارے میں لکھا ہے کہ: روایت کی گئی ہے کہ امام حسین (ع) کے سر کو ان کے بدن کے ساتھ کربلا میں دفن کیا گیا تھا۔^[556]

بقول دوم:

نجف میں امیر المؤمنین علی (ع) کی قبر کے پاس دفن کیا گیا: ^{[557][558][559][560][561][562][563]}

عمر ابن طلحہ نے کہا ہے کہ: امام صادق جب حیرہ میں تھے، تو انھوں نے مجھ سے فرمایا کہ کیا تم چاہتے ہو کہ جو وعدہ (زیارت قبر امام علی) میں نے تمہیں دیا تھا، اس پر میں ابھی عمل کروں؟ میں نے کہا، کیوں نہیں، پھر میں امام اور ان کے بیٹے اسماعیل کے ساتھ سوار ہو کر مقام سویہ سے گزرتے ہوئے، ذکوات کے مقام پر پہنچے اور وہاں پر نماز پڑھی۔

امام صادق (ع) نے اپنے بیٹے اسماعیل سے فرمایا: اٹھو اور اپنے جد حسین کو سلام کرو، میں نے امام سے کہا کیا حسین کربلا میں دفن نہیں ہیں؟ امام صادق (ع) نے فرمایا: کیوں نہیں، اس لیے کہ جب ان (امام حسین) کا سر شام لے جایا گیا تو اس کو ہمارے ایک چاہنے والے نے لے کر امیر المؤمنین علی (ع) کی قبر کے پاس دفن کر دیا تھا۔^[564]

ابان ابن تغلب کہتا ہے کہ: میں امام صادق کے ساتھ تھا، امام نجف کے صحرا میں آئے اور انھوں نے دو رکعت نماز پڑھی اور پھر تھوڑا سا آگے گئے اور وہاں پر بھی امام نے دو رکعت نماز پڑھی، پھر اپنی سواری پر سوار ہو کر تھوڑا فاصلہ طے کرنے کے بعد اپنی سواری سے نیچے آئے اور دو رکعت نماز پڑھی، پھر فرمایا کہ: اس جگہ امیر المؤمنین علی (ع) کی قبر ہے۔ میں نے کہا: تو پھر آپ نے ان دو جگہوں پر کیوں نماز پڑھی؟ امام صادق نے فرمایا: وہاں پر امام حسین کے سر کا اور حضرت قائم کے منبر کا مقام ہے۔^{[565][566]}

اسی مضمون کی روایت کتاب کامل الزیارات میں بھی ذکر ہوئی ہے۔^{[567][568][569]}

ان روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانے میں شہر نجف میں امام علی (ع) کی قبر کے نزدیک ایک ایسی جگہ تھی کہ جہاں پر امام حسین (ع) کا سر دفن تھا یا وہاں پر امام کا سر رکھا گیا تھا۔

بقول سوم:

نہر فرات کے کنارے واقع مسجد رقد میں:

بقول چہارم:

مدینہ منورہ میں:

ابن نا علی (متوفی 841ق) نے نقل کیا ہے کہ بعض نے کہا ہے کہ: عمرو ابن سعید نے سر مطہر امام حسین (ع) کو مدینہ میں دفن کیا ہے۔^[570]

قبرستان جنت البقیع میں امام حسین کی والدہ گرامی حضرت فاطمہ (س) کی قبر کے پاس۔^{[571][572][573][574][575][576]}

بقول پنجم:

شہر دمشق میں:

جب منصور ابن جہمور نے شام کو فتح کیا تو شہر میں داخل ہونے کے بعد، وہ یزید کے خزانے والے کمرے میں گیا، وہاں پر اسے سرخ رنگ کی ایک لوکری ملی! منصور نے اپنے غلام سے کہا کہ اس لوکری کو حفاظت سے رکھو کہ یہ بنی امیہ کے قیمتی خزانوں میں سے ایک خزانہ ہے، لیکن جب اس کو تھوڑے عرصے کے بعد کھولا تو دیکھا کہ اس میں امام حسین کا نورانی سر ہے، جس سے عطر کی خوشبو آ رہی تھی۔ اس نے اپنے غلام کو حکم دیا کہ ایک کپڑا لائے، اس نے سر کو اس کپڑے سے ڈھانپ دیا اور پھر کفن کرنے کے بعد اس سر کو دمشق میں باب فرادیس کے پاس دفن کر دیا۔^{[577][578]}

بعض مؤرخین نے اس داستان کو نقل کیے بغیر، فقط یہی کہا ہے کہ امام حسین کا مبارک سر شہر دمشق میں دفن ہوا ہے۔^{[579][580][581]}

بقول ششم:

شہر قاہرہ میں:^[582]

شیخ طوسی نے بھی اسی قول کی تائید کی ہے۔

امام حسین (ع) کا سر مبارک کہاں دفن ہوا ہے ؟

سر امام حسین (ع) اور کربلا کے شہداء کے سروں کے دفن کے بارے شیعہ اور سنی کتب میں بہت اختلاف پایا جاتا ہے اور جو اقوال اس بارے میں نقل ہوئے ہیں، ان کے حوالے سے تحقیق کی ضرورت ہے۔ لیکن سب سے مشہور قول جو شیعہ میں سب علما نے قبول کیا ہے، وہ یہ ہے امام علیہ السلام کا سر مبارک کچھ مدت کے بعد آپ کے بدن مبارک کے ساتھ ملحق ہو گیا اور کربلا میں لا کر دفن کیا گیا ہے۔ ہم مزید معلومات کے لیے ان سات اقوال کو یہاں پر ذکر کرتے ہیں:

1- کربلا معلیٰ میں:

یہ نظریہ علمائے شیعہ میں مشہور ہے اور علامہ مجلسی نے اس کی شہرت کی طرف اشارہ بھی کیا ہے۔^[583]

شیخ صدوق نے سر مبارک کے آپ کے بدن کے ملحق ہونے کے بارے میں فاطمہ بنت علی علیہ السلام سے ایک روایت نقل کی ہے۔^[584]

اب اس کی کیفیت کیا تھی کہ کیسے آپ کا سر مبارک آپ کے بدن سے ملحق ہوا، اس بارے میں مختلف نظریات ذکر کیے گئے ہیں۔ بعض جیسے سید ابن طاووس اسے امر الہی شمار کرتے ہیں کہ خداوند نے خود اپنی قدرت کاملہ سے اعجاز کے طور پر یہ کام انجام دیا اور سید نے اس بارے میں چون و چرا سے بھی منع فرمایا ہے۔^[585]

بعض دوسرے قائل ہیں کہ امام سجاد علیہ السلام جب شام سے واپس تشریف لائے تو وہ سر امام کو اپنے ساتھ لائے اور کربلا میں اپنے بابا کے بدن کے ساتھ دفن کیا۔^{[586][587][588]}

بعض علما نے یہ کہا ہے کہ امام سجاد علیہ السلام نے چہلم کے روز یا کسی دوسرے روز (کربلا سے) واپسی میں سر مبارک کو کربلا میں آپ (ع) کے جسد اطہر کے پہلو میں دفن کیا۔^[589] گو کہ صراحت کے ساتھ امام سجاد علیہ السلام کا نام نہیں لکھا ہے)^[590]

اب سوال یہ ہے کہ کیا سر بدن کے ساتھ ملحق ہو گیا یا امام کی صریح میں یا اس کے نزدیک دفن کیا گیا۔ اس بارے میں کوئی واضح عبارت تو نہیں ملتی، یہاں بھی سید ابن طاووس نے چون و چرا سے نہیں فرمائی ہے۔^[591]

بعض قائل ہیں کہ سر مبارک کو تین دن دروازہ دمشق پر آویزاں کھنے کے بعد اتار کر حکومتی خزانے میں رکھ دیا گیا اور سلیمان عبد الملک کے دور تک یہ سر وہیں تھا۔ اس نے سر مبارک کو وہاں سے نکالا اور کفن دے کر دمشق میں مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کر دیا، اس کے بعد اس کے جانشین عمر ابن عبد العزیز (سن 99 تا 101 ہجری حکومت) نے سر کو قبر سے نکالا، لیکن پھر اس نے کیا کیا یہ معلوم نہیں ہو سکا، لیکن ان کی ظاہری شریعت کی پابندی کو دیکھتے ہوئے زیادہ احتمال یہی ہے کہ اس نے سر کو کربلا بھیجا ہو گا۔^[592]

2- حضرت علی (ع) کی قبر کے پاس نجف میں:

علامہ مجلسی کی عبارت اور روایات میں تحقیق سے پتہ چلتا ہے کہ سر مقدس سید الشهداء، نجف اشرف میں حضرت علی علیہ السلام کی قبر کے پاس دفن ہوا۔^[593]

روایات میں آیا ہے کہ امام صادق علیہ السلام نے اپنے بیٹے اسماعیل کے ہمراہ نجف میں حضرت امیر المومنین علی (ع) پر درود و سلام بھیجنے کے بعد امام حسین (ع) پر سلام بھیجا۔ اس روایت سے بھی پتا چلتا ہے کہ امام صادق علیہ السلام کے دور تک سر مقدس نجف اشرف میں مدفون تھا۔^[594]

بعض دوسری روایات بھی اسی نظریہ کی تائید کرتی ہیں، بلکہ بعض شیعہ کتابوں میں تو حضرت علی (ع) کی قبر مطہر کے پاس سر امام حسین (ع) کی زیارت بھی نقل ہوئی ہے۔^[595]

سر مقدس کو نجف منتقل کرنے کے حوالے سے امام صادق علیہ السلام سے نقل ہوا ہے کہ اہل بیت (ع) کے چاہنے والوں میں سے ایک شخص نے شام سے کسی نہ کسی طریقے سے یہ سر حاصل کیا اور حضرت علی (ع) کی قبر میں لا کر دفن کر دیا۔^[596]

لیکن اس نظریے پر اشکال یہ ہے کہ امام صادق علیہ السلام کے دور تک تو حضرت علی (ع) کی قبر مبارک عام لوگوں سے مخفی تھی اور انھیں اس کا پتا نہیں تھا۔

ایک اور روایت میں ہے کہ دمشق میں سر مقدس کے ایک مدت تک رکھے جانے کے بعد اسے کوفہ ابن زیاد کے پاس بھیج دیا گیا اور اس نے لوگوں کی شورش و بغاوت کے خوف سے حکم دیا کہ سر کو کوفہ سے باہر لے جا کر حضرت علی (ع) کی قبر کے پاس دفن کر دیا جائے۔^[597]

اس پر بھی وہی اشکال ہے کہ اس وقت تک عام لوگوں سے حضرت علی (ع) کی قبر مخفی تھی۔

3- کوفہ میں:

سبط ابن جوزی نے یہ نظریہ ذکر کیا ہے اور کہا ہے کہ عمرو ابن حریث مخزومی نے سر کو ابن زیاد سے لیا اور پھر اسے غسل و کفن دیا اور خوشبو لگانے کے بعد اپنے گھر میں دفن کر دیا۔ [598]

4- مدینہ میں:

ابن سعد کتاب طبقات کے مصنف نے یہ نظریہ قبول کیا ہے کہ یزید نے سر حاکم مدینہ عمرو ابن سعید کو بھیجا اور اس نے اسے کفن دینے بعد جنت البقیع میں امام حسین (ع) کی والدہ فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کی قبر کے پاس دفن کر دیا۔ [599]

بعض دوسرے اہل سنت علما جیسے خوارزمی نے کتاب مقتل الحسین میں اور ابن عماد جنلی نے شذرات الذهب میں بھی یہی نظریہ قبول کیا ہے۔ [600]

اس نظریے پر اہم اشکال یہ ہے کہ حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کی قبر تو معلوم نہیں تھی تو پھر اس کے ساتھ دفن کرنا کیسے ثابت ہوتا ہے۔

5- شام میں:

کہا جاسکتا ہے کہ اکثر اہل سنت کا یہی نظریہ ہے کہ سر مقدس شام میں مدفون ہے اور پھر اس نظریے کے قائلین میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے اس بارے پانچ نظریات ذکر کیے گئے ہیں :

الف: دروازہ فرادیس کے پاس دفن ہوا بعد میں وہاں مسجد الراس تعمیر کی گئی۔

ب: جامع اموی کے پاس ایک باغ میں دفن ہے۔

ج: دار الامارہ میں دفن ہے۔

د: دمشق کے ایک قبرستان میں دفن ہے۔

ه: باب توما کے نزدیک دفن ہے۔ [601]

6- رقعہ میں:

نہر فرات کے کنارے ایک شہر ہے، جس کا نام رقعہ ہے، اس دور میں آل عثمان میں سے آل ابی محیط کے نام سے مشہور ایک قبیلہ وہاں آباد تھا، یزید نے سر مقدس ان کے پاس بھیجا اور انھوں نے اسے اپنے گھر کے اندر دفن کر دیا، بعد میں وہ گھر مسجد میں تبدیل کر دیا گیا۔ [602][603][604][605]

7- مصر (قاہرہ) میں:

نقل ہوا ہے کہ فاطمی حکمران جن کی حکومت مصر پر پوتھی صدی ہجری کے دوسرے نصف سے شروع ہوئی اور ساتویں صدی ہجری کے دوسرے نصف تک باقی رہی، یہ اسماعیلی فرقے سے تعلق رکھتے تھے، انھوں نے سر امام حسین علیہ السلام کو شام کے باب الفرادیس سے عسقلان منتقل کیا اور پھر عسقلان سے قاہرہ منتقل کیا اور وہاں دفن کر کے 500 سال بعد اس پر تاج الحسین کے نام سے مقبرہ تعمیر کیا۔ [606]

تبریزی نے عسقلان سے قاہرہ کی طرف سر مقدس کے انتقال کی تاریخ 548 ہجری لکھی ہے اور کہا ہے کہ جب سر مقدس عسقلان سے نکالا گیا تو دیکھا گیا کہ خون ابھی تک تازہ ہے اور خشک نہیں ہوا اور مشک و عنبر کی خوشبو سر سے پھوٹ رہی تھی۔ [607]

علامہ سید محسن امینی عسقلان سے مصر سر کے انتقال کا قول ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ:

سر مقدس کے دفن کی جگہ پر بہت بڑی بارگاہ بنائی گئی ہے اور اس کے پاس ایک بہت بڑی مسجد بھی بنائی گئی ہے۔ میں نے 1321 ہجری میں وہاں زیارت کی اور وہاں میں نے زائرین کی بڑی تعداد زیارت و گریہ کرتے ہوئے دیکھا، پھر آپ فرماتے ہیں کہ اس میں تو کوئی شک نہیں کہ سر عسقلان سے مصر منتقل ہوا ہے، لیکن آیا وہ امام حسین علیہ السلام کا سر تھا یا کسی اور کا، اس کے بارے یقین سے کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ [608]

علامہ مجلسی نے بھی بعض مصریوں سے نقل کیا ہے، مصر میں مشہد الکریم کے نام سے بہت بڑی بارگاہ موجود ہے۔ [609]

خلاصہ:

ان تمام اقوال میں غور و تحقیق کرنے کے بعد واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ، پہلا قول یعنی سر مبارک کا امام حسین کے بدن مبارک کے ساتھ ملحق ہونا، اسی قول کو ائمہ معصومین (ع) نے بیان کیا ہے اور یہی قول شیعہ علما کے نزدیک مشہور، قابل اعتماد ہے اور خود انہی علما نے عملی سیرت میں بھی اس قول پر عمل کیا ہے۔ اسی وجہ سے یہی قول قابل اطمینان اور قابل قبول ہے اور مؤرخین کے اقوال کے مطابق، سر کا بدن کے ساتھ ملنا 20 صفر سن 61 ہجری کو واقع ہوا تھا۔ اور اسی بارے میں مشہور قول یہ ہے، امام زین العابدین (ع) کے ذریعے سے اپنے بابا کا مبارک سر، ان کے بدن مبارک کے ساتھ ملحق کیا گیا تھا۔

قول دوم (دفن سر شہر نجف میں) اگرچہ بعض روایات میں اس بات کا ذکر کیا گیا اور اسی وجہ سے حرم امیر المومنین علی (ع) میں امام حسین (ع) کی زیارت پڑھنے کے بارے میں بھی بہت تاکید کی گئی ہے، کیونکہ اس مضمون کی تمام روایات شیعہ فقہاء و علما کے پاس موجود تھیں، لیکن کسی نے بھی عملی طور پر ان روایات پر عمل نہیں کیا، اس لیے کہ ان روایات کی سند بھی مکمل طور پر صحیح و قابل اعتماد نہیں تھی اور ان روایات کے راوی بھی مشہور و معروف نہیں تھے۔ اس کے علاوہ سر کے دفن کرنے کے بارے میں ان تمام روایات کا معنی و مفہوم ایک دوسرے سے الگ الگ ہے، جیسے ان میں سے بعض روایات میں ہے کہ ذکوات کے مقام پر اور بعض دوسری روایات میں ہے کہ جوف کے مقام پر سر کے دفن کرنے کو بیان کرتی ہیں، اسی طرح ان روایات میں سے بعض جیسے رولت یونس ابن زلبیان کی امام صادق (ع) سے رولت میں ایک عجیب و غریب بات کو بیان کرنے کے علاوہ، امیر المومنین علی (ع) کی قبر کے پاس سر کے دفن ہونے کے بعد، اسی جگہ پر سر کے باقی رہنے پر دلالت نہیں کرتی، بلکہ اس رولت کے ظاہر سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ سر اس جگہ پر دفن ہونے کے بعد، کربلا کی طرف لے جایا گیا اور بدن کے ساتھ ملحق ہوا ہے، اسی وجہ سے شیعہ علما نے صرف سر کے کربلا بدن کے ساتھ ملحق ہونے والے قول کو قبول کیا اور اسی پر اعتماد بھی کیا ہے۔

لہذا اگرچہ قول اول کے بارے میں ائمہ معصومین (ع) سے کوئی روایت نقل نہیں ہوئی، لیکن پھر بھی واقعہ کربلا کے بعد سے لے کر اب تک اس قول نے خاصی شہرت پیدا کر لی ہے اور شیعہ علما نے بھی اسی قول پر اعتماد و عمل کیا ہے۔ اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ یہی پہلا قول گزشتہ صدیوں میں شیعہ کے اعتقادی اور تاریخی مسلم حقائق میں سے تھا، اتنا واضح تھا کہ حتیٰ اس زمانے میں ضرورت ہی محسوس نہیں ہوئی کہ اسی قول پر ائمہ معصومین (ع) کے اقوال سے یا معتبر تاریخی حقائق سے تائید لائی جائے۔ اس بنا پر گزشتہ مذکورہ 6 اقوال میں سے پہلا قول معتبر اور قابل قبول ہے۔

اسماعیل ازم میں حسین کا سر



دمشق کی اموی مسجد میں حسین کے سر کے لیے طاق

جنگ کربلا کے بعد، یزید اول کی افواج نے ایک نیزے پر حسین کا سر اٹھایا۔ وہ اسے کوفہ، پھر دمشق لے گئے تاکہ یزید کو پیش کیا جائے۔ اس کے بعد سر کو تقریباً دو سو بیس سال تک اموی مسجد کی داخلی دیوار کے ایک حصے میں دفن کیا گیا۔

جب عباسیوں نے امویوں سے اقتدار سنبھالا تو انھوں نے حسین کا سر بھی ضبط کر لیا۔ عباسی خلیفہ المعتز (متوفی 295/908) نے سر کی زیارت کو روکنے کے لیے کئی بار کوشش کی لیکن بیکار۔ آخر میں، اس نے خفیہ طور پر سر کو اسقلون منتقل کیا۔ فاطمی خلیفہ العزیز باللہ نے 985 میں بغداد میں اپنے ہم عصر کے ذریعے اس جگہ کا سراغ لگایا۔ [610]

ہبیروں میں ابراہیمی مسجد کے فاطمی منبر پر عربی کے ایک نوشتہ کے مطابق، فاطمی وزیر بدر الجمالی نے خلیفہ المستنصر باللہ کے تحت فلسطین فتح کیا اور سن 448 ھ میں حسین کا سر دریافت کیا۔ اس نے تدفین کے مقام پر منبر، ایک مسجد اور منشد تعمیر کیا۔ [611][489] مزار کو عسقلان کی سب سے عمدہ عمارت قرار دیا گیا تھا۔ [612] برطانوی مینڈیٹ کے دوران یہ ایک "پھاڑی کی چوٹی پر ایک بڑا مقام" تھا جس میں کوئی قبر نہیں تھی بلکہ اس ستون کا ٹکڑا تھا جس میں وہ جگہ دکھائی گئی تھی جہاں سر دفن کیا گیا تھا۔ [613] اسرائیلی دفاعی دستوں نے موٹے دایان کے ماتحت مشد نبی حسین کو جولائی 1950 میں ایک وسیع تر آپریشن کے حصے میں اڑا دیا۔ [614] سال 2000 کے لگ بھگ، ہندوستان سے تعلق رکھنے والے اسماعیلیوں نے برزیلانی میڈیکل سنٹر کی بنیاد پر، وہاں ایک سنگ مرمر کا پلیٹ فارم بنایا۔ [615][616][617] صرف 1153 (تقریباً 250 سالوں تک) سر عسقلان میں دفن رہا۔ صلیبیوں کے خوف سے، عسقلان کے حکمران سیف المملکہ تمیم 31 اگست 1153 (8 جمعہ الثانی، سنہ 548) کو سر کو قاہرہ لے گیا۔ [618][619]

نظریات اور آثار

امام حسینؑ کا مدینہ سے مکہ اور وہاں سے کوفہ کی جانب حرکت اور پھر کربلا میں لشکر عمر سعد سے جنگ کے بارے میں مختلف نظریات پائے جاتے ہیں۔ ایک نظریے کے مطابق یہ حرکت قیام اور جنگ کی عرض سے نہیں تھی بلکہ صرف جان کی حفاظت کی خاطر تھی۔ (شیخ علی پناہ اشتہادی کا نظریہ) [620] بعض کا کہنا ہے کہ آپ نے حکومت تشکیل دینے کے لیے قیام کیا ہے۔ گزشتہ علما میں سے سید مرتضیٰ [621] اور معاصرین میں صالحی نجف آبادی نے اپنی کتاب، شہید جاوید میں اس نظریے کو بیان کیا ہے۔ [622] جبکہ بعض اس نظریے کے مخالف ہیں جیسے؛ شیخ مفید، سید بن طاووس اور علامہ مجلسی۔ [623] امام حسین کے قیام نے بہت سارے گروہوں کو بیدار کیا اور آپ کی شہادت کے فوراً بعد ہی انقلابی اور اعتراض آمیز تحریکیں شروع ہوئیں اور کئی سالوں تک جاری رہیں۔ سب سے پہلے اعتراض عبداللہ بن عقیف [624] کا ابن زیاد سے ذکر لینا تھا۔ توابین، مختار ثقفی، زید بن علی اور یحییٰ بن زید کے قیام بھی انہی تحریکوں میں سے ہیں۔



عسقلان میں حسین کے سر کی سابقہ جگہ کا مقام



ببیرون میں مسجد ابراہیم کے منبر پر نوشتہ

اسی طرح ابو مسلم خراسانی نے قیام امام حسین کے تناظر میں قیام سیاہ جامگان کو یا لثارات الحسین کے شعار سے تشکیل دیا^[625] جس کے سبب اموی حکومت ناوود ہو گئی۔ ایران کا اسلامی انقلاب نے بھی امام حسین کے قیام سے الہام لیتے ہوئے شہنشاہیت کو ناوود کیا۔ امام حمینی فرماتے ہیں «اگر یہ وعظ و نصیحت کی مجالس اور عزاداری اور اس کے جلوسوں کا اجتماع نہ ہوتا تو ہمارا ملک کامیاب نہ ہوتا۔ امام حسین کے علم کے سائے تلے سب نے قیام کیا ہے۔»^[626]

بہت سے مسلمان اور غیر مسلمان لوگوں نے بھی امام حسین کو اپنے لیے فداکاری، ظلم کے خلاف ڈٹے، آزادی طلبی، اقدار کی حفاظت اور حق طلبی میں آئیڈیل قرار دیا ہے۔ سانچہ:مدرک

خصوصیات اور فضائل

مفضل مضمون: اصحاب کساء | مباہلہ | آیت تطہیر | حدیث ثقلین

ظاہری صفات

اکثر حدیث، تاریخی اور رجالی کتابوں میں امام حسین کی پیغمبر اکرم سے شبہت کا ذکر کیا ہے^[627] اور ایک روایت میں حضور اکرم سے سب سے زیادہ شبہت فرد آپ کو جانا گیا ہے۔^[628] آپ کے بارے میں کہا گیا ہے کہ آپ خز کا عمامہ پہنتے تھے^[629] سر اور داڑھی کے بالوں پر خضاب لگاتے تھے۔^[630]

فائل:سید شباب.jpg

حرم امام حسین کے ایک دروازے پر «سید شباب اہل الجنة» کی عبارت

پیغمبر اکرم کی زبانی

آپ کی فضیلت میں پیغمبر اکرم کی بہت ساری روایت نقل ہوئی ہیں ان میں سے بعض درج ذیل ہیں:

- حسن اور حسین جنت کے جوانوں کے سردار ہیں۔^[631]
- عرش کے دائیں جانب لکھا ہوا ہے حسین ہدایت کے چراغ اور نجات کی کشتی ہیں۔[^]
- حسین مجھ سے بے اور میں حسین سے ہوں۔^[632]
- جو میرے ان دو بیٹوں (حسن و حسین) کو چاہے گویا اس نے مجھے چاہا ہے جس نے ان دونوں سے دشمنی کی اس نے گویا مجھ سے دشمن کی ہے۔^[633]

مقام و منزلت

شیعہ اور سنی روایات کے مطابق حسین بن علی اصحاب کساء میں سے ایک تھے۔^[634] اور مباہلہ میں بھی آپ شریک تھے^[635] اور اپنے بھائی کے ساتھ آیہ مباہلہ میں «ابناءنا» کے مصداق ہیں۔^[636] اسی طرح آیہ تطہیر جو اہل بیت کی شان میں نازل ہوئی اس میں بھی آپ شامل ہیں۔^[637]

امام حسن کی شہادت کے بعد اگرچہ بنی ہاشم والے عمر میں بہت سارے امام حسین سے بڑے تھے لیکن آپ سب سے شریف فرد تھے؛ یعقوبی کے نقل کے مطابق معاویہ نے حسن بن علی کی شہادت کے بعد ابن عباس سے کہا: اب اپنی قوم کے آپ بزرگ میں تو ابن عباس نے ان کے جواب میں کہا: جب تک حسین زندہ ہیں میں بزرگ نہیں ہوں۔^[638] اسی طرح بنی ہاشم کے بعض مشورے ہوئے ہیں جن میں حسین ابن علی کی نظر باقیوں پر فوقیت رکھتی تھی۔^[639]

نقل ہوا ہے کہ عمرو بن عاص بھی آپ کو زمین پر اہل آسمان کے نزدیک محبوب ترین فرد سمجھتا تھا۔^[640]

شہادت کی پیش گوئی

حسین ابن علی کی شہادت کی پیشگوئی کے بارے میں بہت ساری روایات موجود ہیں [641] جیسا کہ حدیث لوح میں پیغمبر اکرمؐ سے نقل ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حسین کو شہادت کے لیے چنا ہے اور شہیدوں میں سب سے برتر قرار دیا ہے۔ [642] علامہ مجلسی نے بحارالانوار کی جلد نمبر 44 اور باب نمبر 30 میں ایک روایت نقل کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حسین کی شہادت کی خبر بعض انبیاء کو دی ہے ان میں سے بعض پیغمبران یہ ہیں۔ آدم، نوح، ابراہیم، زکریا اور محمدؐ۔ اور یہ انبیاء آپ پر روئے ہیں۔ [643] اسی طرح امیرالمومنین صفین جاتے ہوئے جب کربلا پہنچے تو انگلی سے ایک جگہ دکھایا اور کہا: یہ ان کا خون بہنے کی جگہ ہے۔ [644]

کرامتیں

بعض روایات میں امام حسینؑ کے لیے بعض مخصوص خصوصیات ذکر کی ہیں ان میں سے ایک یہ کہ آپ نے کرامت سے پیغمبر اکرمؐ کی انگلی سے دودھ پی لیا [645] اور بال و پر سوختہ ایک فرشتہ بنام فطرس آپ کی برکت سے نجات پائے اور اس کے بعد امام حسینؑ کے زائروں کا سلام آپ تک سلام پہنچانے پر مامور ہوئے ہیں۔ [646] اسی طرح مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تربت حسینؑ میں شفا اور آپ کے حرم کے گنبد کے نیچے دعا مستجاب قرار دیا ہے۔ [647] انحصائص الحسینیہ نامی کتاب میں آپ کی بہت ساری خصوصیات ذکر ہوئی ہیں۔

اخلاقی خصوصیات

آپ مسکینوں کے ساتھ بیٹھے اور ان کی دعوت کو قبول کرتے اور ان کے ساتھ کھانا کھایا کرتے تھے اور انھیں اپنے گھر دعوت پر بلاتے تھے اور گھر پر جو ہوتا اس سے دریغ نہیں کرتے تھے۔ [648] ایک دن کسی فقیر نے آپ سے مدد مانگی جبکہ امام نماز پڑھ رہے تھے، آپ نے نماز کو مختصر کر دیا اور جو کچھ آپ کے پاس تھا اسے دے دیا۔ [649] آپ غلاموں اور کنیزوں کو اچھے کردار کی وجہ سے آزاد کرتے تھے۔ کہا جاتا ہے معاویہ نے ایک کنیز کو بہت سارا مال اور فاخر لباس کے ساتھ آپ کو بدیہ بھیجا تو آپ نے قرآن کی بعض آیات کی تلاوت اور دینا و موت کے بارے میں بعض اشعار پڑھنے پر اسے آزاد کیا اور اس مال کو بھی اُسے بخشا۔ [650] ایک دن کسی کنیز نے آپ کو پھول دئے تو آپ نے اسے آزاد کیا۔ کسی نے کہا ایک پھول کی وجہ سے اسے آزاد کیا؟ تو آپ نے آیہ شریفہ «وَاِذَا حُيِّتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوا بِأَحْسَنِ مِمَّا أُوذِيَ بِهَا» کی تلاوت کرتے ہوئے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس طرح کا ادب سکھایا ہے۔ [651]

امام حسینؑ بہت سخی تھے اور سخاوت سے پہچانے جاتے تھے۔ [652] اور جب اللہ کی راہ میں کچھ عطا کرتے تھے تو اس میں بھی اپنے بھائی کے احترام کی خاطر ان سے کچھ کم دیتے تھے۔ [653] تاریخ میں نقل ہوا ہے کہ آپ نے 25 مرتبہ پیدل حج کیا ہے۔ [654]

عزاداری

شیعہ (اور کبھی غیر شیعہ) محرم کے مہینے جس کی دس تاریخ کو واقعہ کربلا رونما ہوا، امام حسینؑ اور شہدائے کربلا کے لیے عزاداری کرتے ہیں اس عزاداری کے لیے شیعوں کے اپنے خاص رسومات ہیں جن میں مجلس پڑھنا، سینہ زنی، تعزیر علم اور زیارت، جیسے زیارت عاشورا، زیارت وارث اور زیارت ناجیہ مقدسہ کو انفرادی یا گروہی صورت میں پڑھنا شامل ہیں۔ [655]

امام حسینؑ پر عزاداری عاشورا کے بعد ابتدائی دنوں میں شروع ہوئی۔ [656] ایک نقل کے مطابق جب اسرائیل کربلا شام میں پہنچے تو بنی ہاشم کی خواتین نے کالے کپڑے پہن کر چند دن عزاداری کی۔ [657] شیعہ حکومتیں آنے اور شیعوں سے دباؤ کم ہونے کے بعد عزاداری نے رسمی اور قانونی شکل اختیار کیا۔ [658]

بعض تاریخی اور حدیثی گزارشات کے مطابق شیعہ ائمہ نے عزاداری اور امام حسینؑ کی شہادت پر رونے کا بہت اہتمام کرتے تھے اور شیعوں کو عزاداری اور عاشورا کو زندہ رکھنے کی تاکید کرتے تھے۔ [659] معصومین کی روایات میں امام حسینؑ کی زیارت کی بہت تاکید ہوئی ہے۔ [660] اور بعض روایات میں اسے حج اور عمرہ کے برابر قرار دیا ہے۔ [661]

اربعین حسینی

امام حسینؑ کی شہادت کے چالیس دن بعد کہ جسے اربعین حسینی یا روز اربعین کہا جاتا ہے اس دن بہت سارے شیعہ امام حسینؑ کے مزار کی زیارت کے لیے جاتے ہیں۔ اور تاریخ نقل کے مطابق جابر بن عبداللہ انصاری اس دن سب سے پہلے زائر کے عنوان سے [662] امام حسینؑ کے مزار پر حاضر ہوئے۔ لہو ف میں منقول ہے کہ اسیران کربلا بھی اسی 61ھ کو شام سے مدینہ جاتے ہوئے اربعین کے دن شہدائے کربلا کی زیارت کے لیے کربلا گئے۔ [663]

زیارت اربعین کی تاکید کے سبب شیعہ خاص کر عراق کے شیعہ ہر سال ملک کے ہر کونے سے کربلا کی جانب روانہ ہوتے ہیں اور اکثر یہ سفر پیدل ہوتا ہے اور دنیا کی عظیم پیدل مارچ میں سے ایک ہے۔ اور 2017 کی اربعین کو نیوز رپورٹ کے مطابق تیرہ میلین زائرین نے شرکت کی ہے۔ [664]

سیرت پیامبر اسلام میں

پیغمبر اسلام کی حسین سے محبت کے بارے میں طرح طرح کی روایتیں ہیں، ان میں سب سے اہم بیان حسین کے چاہنے والوں کے لیے دعا کی صورت میں ہے۔ "ثقلین" سے متعلق روایات میں، حسین کو دوسرے ثقل کی مثال کے طور پر رکھا گیا ہے۔ حسنین سے متعلق روایتوں کے ایک اور گروپ میں، حسن کے ساتھ، "جنت کے نوجوانوں کا سردار" متعارف کرایا گیا ہے۔ پیغمبر کے ساتھ بیعت کرنے میں مومنین میں اس کے نام کا تذکرہ کیا گیا ہے، جو حسنین کے جوان دور کو مد نظر رکھتے ہوئے، اپنے معاشرتی اور تاریخی مقام کو مستحکم کرنے میں نبی کے اہداف کی نشان دہی کرتا ہے۔ اس مسئلے کو سمجھنا اس کے امامت کے بارے میں روایتوں کے مطابق ہر حال میں ممکن ہے، چاہے وہ قعود یا قیام ہو اور قیام میں پیغمبر اسلام کے ساتھ ان کی موجودگی ہے۔ ان روایات کے علاوہ، نبی کریم سے حسین کے بارے میں دو دیگر اقسام کی روایتیں ہیں: اول، سرزمین کربلا کے بارے میں روایتیں اور حسین سے اس کا رشتہ۔ اور دوسرا حسین نبی کی ہمت اور فراخ دلی کی پیشین گوئی کی میراث پر مبنی ایک نبی کی ایک روایت میں ایک تشریح ہے۔ [665]

بعد کے دنوں حسین کی قسمت کی خبر

ایسی روایتیں ہیں کہ جبیل نے محمد کو حسین کی ولادت کے وقت مطلع کیا تھا کہ اس کی امت حسین کو قتل کر دے گی اور امامت اس کی ہوگی اور محمد نے اپنے صحابہ کو بتایا تھا کہ حسین کو قتل کیا جائے ہے۔ محمد کے علاوہ علی اور حسن نے بھی یہی کہا تھا۔ خدا نے گزشتہ انبیاء کو حسین کے قتل سے بھی آگاہ کیا تھا۔ [666] علی کو یہ بھی معلوم تھا کہ کربلا میں حسین کو مارا جائے گا اور ایک بار جب وہ اس علاقے سے گزرا تو، وہ رک گیا اور محمد کی پیشگوئی کو یاد کرتے ہوئے پچھڑا اٹھا۔ اس نے کربلا کو آفت اور آفات سے تعبیر کیا۔ مقتول کربلا کسی حساب کے جنت میں داخل ہوگا۔ [667]

حسین کے بارے میں اسلامی مذاہب کے خیالات



زیادہ تر مسلمان حسین کی قدر کرتے ہیں۔ بنو امیہ کے واحد حامی وہ تھے جنہوں نے اس وقت کی دولت اسلامیہ کے خلاف بغاوت کی وجہ سے، انھیں "بعد انعقاد بیعت کا باغی" («بَاغِي بَعْدَ اِنْعِقَادِ الْبَيْعَةِ») کہا اور یزید کے ذریعہ اس کے قتل کو حقیر سمجھا۔ لیکن نہ صرف ان لوگوں نے جو بنو امیہ سے نفرت کرتے تھے فرقہ کی مخالفت کرتے تھے۔ لیکن یہاں تک کہ جن لوگوں نے "جان بوجھ کر عمل کیا" انھوں نے قاتلوں کو قبول نہیں کیا اور اسی کے ساتھ ہی اسلام میں خانہ جنگی کو روکنے کے لیے بھی، وہ حسین اور یزید کے تنازع میں غیر جانبدار حسین یا ان کے پیروکاروں کو مورد الزام ٹھہرانے سے باز آنے کے بہانے کی تلاش کر رہے ہیں اور یہ بھی اموی پرستاروں کے مخالف تھے مقدمہ حسین کا قتل تھا۔ لہذا، تقریباً تمام مسلمان حسین کی عزت کرتے ہیں کیونکہ وہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نواسہ ہے اور یہ عقیدہ ہے کہ اس نے حق کی راہ میں اپنی جان قربان کر دی۔ [668]

سنی خیالات

زمخشری، ابو نعیم اصفہانی، احمد ابن حنبل، ابن کثیر، فضل ابن روزبهان خنجی، ابو الحسن الاشعری، شہاب الدین آلوسی، اور بہت سارے دوسرے سنی علمائے کرام کے متعدد ماخذ حسین ابن علی سے پیغمبر اسلام کی محبت کے بارے میں بتاتے ہیں۔ وہ حسین اور اس کی شخصیت اور خوبیوں اور اس کی شخصیت، عبادت، ہمت اور عظمت کے بارے میں اطلاع دیتے ہیں۔ وہ اس کی بغاوت کو ظلم و جبر کے خلاف بغاوت سمجھتے ہیں، وہ اس کے قاتلوں پر لعنت بھیجتے ہیں، وہ اسے مسلمان اور آزاد کے لیے نمونہ کہتے ہیں اور وہ اس کے سوگ میں شعر پڑھتے ہیں۔ [669]

سنیوں کا مثبت رویہ زیادہ تر ممکنہ طور پر ابو مخنف نے جمع کی ہوئی افسوسناک روایات کی وجہ سے کیا ہے، جن میں سے کچھ براہ راست یا مختصر دستاویزات کے ساتھ بیان ہوئے تھے، زیادہ تر کوفیوں سے تھے جنہوں نے حسین کے خلاف ان کے اقدامات پر نادم ہوئے تھے۔ کوفیوں کی یہ افسوس ناک داستانیں، جو ابو مخنف کے شیعہ رجحانات کی علامت تھیں، بعد کے مورخین کے ذریعہ استعمال ہونے والی روایات کا ماخذ بن گئیں اور پوری عالم اسلام میں پھیل گئیں۔ [670] رسول جعفریان کے مطابق جبر جو معاویہ کے ذریعے پوری امت مسلمہ میں پھیل گیا تھا، حسین کے اس اقدام کو سنیوں نے بدعنوانی کے خلاف کبھی بغاوت نہیں سمجھا اور صرف غیر قانونی بغاوت (بغاوت) کا علم تھا۔ [671]

شیعہ نظریہ

حسین کے بارے میں شیعہ نظریات کے سب سے اہم اجزاء، اثنا عشریوں، اسماعیلیوں اور زائریوں کے شیعہ مذاہب کے ذریعہ امامت پر اعتقاد کی وجہ سے حسین ایک امام ہیں۔ دوسرے ائمہ کی طرح، حسین بھی خدا اور لوگوں کے درمیان میں واسطہ ہیں۔ اس کے ذریعے (قَوَسَل) سے شیعوں کی رہنمائی اور ہدایت ہوتی ہے اور مشکلات سے آزاد ہوتے ہیں۔ [672] شیعہ روایات میں، محمد اور شیعہ ائمہ کی حدیثیں موجود ہیں کہ مزار حسین پر جانے کے لیے بہت سارے انعامات کا ذکر کیا گیا ہے۔ انھوں نے اس قبر کی مٹی کے لیے بہت سارے معجزات کا اظہار بھی کیا

ہے۔ [673] آل عبا کے پانچ ممبروں میں سے ایک، حسین کے پاس وہ تمام الٰہی انعامات بھی ہیں جو حسن مجتبیٰ میں موجود ہیں اور محمد کے نواسے کی حیثیت سے ان کا احترام کیا جاتا ہے۔ [674] انھوں نے کہا کہ 25 حج پیدل مدینہ سے مکہ مکرمہ تک کیے۔ ایک حدیث میں ہے جس میں کہا گیا ہے کہ خدا نے بدر کی جنگ میں محمد کی مدد کے لیے آئے ہوئے، 40,000 فرشتوں کی مدد سے یا تو قربانی دی یا فتح حاصل کرنے کے لیے حسین کو برکت دی۔ [675] اس حدیث سے اس کے عمل کی قدر بڑھتی ہے۔ کیوں کہ یہ حسین کے عمل کو رضاکارانہ طور پر ظاہر کرتا ہے اور اسی وجہ سے اس کو بہت زیادہ قدر ملتی ہے۔ [676] یہ 4,000 فرشتے قیامت تک حسین کے مقبرے کے لیے روئیں گے اور اس کے زائرین کے لیے مغفرت طلب کریں گے۔ [677]

عمادی حائری نے انسائیکلو پیڈیا آف اسلامک ورلڈ میں لکھا ہے کہ محمد کی احادیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ علی، حسن اور حسین اور حسین کے نو بیٹے امامت کے منصب پر فائز ہیں۔ ابن بابویہ نے اس حقیقت کی تشبیہ دی ہے کہ بعد کے شیعہ امام حسین کی اولاد تھے نہ کہ حسن کی اور اس کو بارون اور موسیٰ کے ماجرا سے تشبیہ دی ہے۔ عمادی حائری پھر حسین کی جانشینی سے متعلق حسن کی مرضی کا استعمال کرتا ہے اور محمد حنفیہ کو ہدایت کرتا ہے کہ وہ شیعہ نقطہ نظر سے حسین کی امامت کو ثابت کرنے کے لیے حسین کی پیروی کرے۔ شیخ مفید کا خیال ہے کہ حسین کی امامت حسن کی وفات کے بعد قطعی تھی، لیکن حسین نے معاویہ کے زمانہ میں اپنی تقیہ کی وجہ سے اس کا انکشاف نہیں کیا، لیکن انھوں نے یزید کے زمانے میں اسے عام کر دیا۔ شیعہ نقطہ نظر سے، امامت کے لیے ایک بنیادی شرط دین کی تعلیمات کا مکمل علم ہے۔ عمادی حائری نے ایک رولت کا حوالہ دیا ہے جس میں علی نے حسین سے لوگوں کو تقریر کرنے کو کہا تاکہ بعد کے زمانے میں قریش علم کے بغیر اس سے مخاطب نہ ہوں۔ اس کے علاوہ، شیعہ نقطہ نظر سے امامت حسین کو ثابت کرنے کے لیے، عمادی حائری نے صحابہ کرام کے حسین کے علمی مقام کے بارے میں ان الفاظ کا حوالہ دیا اور اس سے فتویٰ طلب کیا۔ رولتوں نے حسن اور حسین دونوں کو کچھ کرامات اور معجزات کو قرار دیا ہے اور اس میں کوئی فرق نہیں کیا گیا ہے۔ [678]

ولیری کے بقول، شیعوں کی شان حسین کی تحلیل کی اساس ان کا شاندار مقدس اور اخلاقی عمل اور ان نیک نظریات ہیں جن کے لیے انھوں نے خود کو قربان کیا۔ اس عقیدے کے پیش نظر کہ ائمہ کو سب کچھ معلوم ہے جو تھا، ہے اور ہوگا اور ان کے علم میں وقت کے ساتھ اضافہ نہیں ہوتا ہے، اس نتیجے پر پہنچا ہے کہ حسین اپنی اور اپنے ساتھیوں کی قسمت پہلے سے جانتے تھے۔ لہذا، اس نے اپنی آنے والی قربانی کے بارے میں اور بغیر کسی ہچکچاہٹ اور خدا کی مرضی سے بچنے کی کوشش کے بارے میں معلوم ہوکر، کوفہ کے لیے مکہ سے روانہ ہوئے۔ شیعہ منابع حسین کی قربانی کی وجہ کے بارے میں لکھتے ہیں کہ انھوں نے اپنے عظیم نانا محمد کے دین کو زندہ کرنے یا یزید طرف سے اس پر آنے والی تباہی سے بچانے کے لیے اپنی اور اپنے اموال کی قربانی دی۔ اس کے علاوہ، وہ یہ دکھانا چاہتے تھے کہ منافقانہ عمل شرمناک ہے اور وہ لوگوں کو یہ سکھانا چاہتے تھے کہ کسی فسق حکمران کے خلاف بغاوت ضروری ہے۔ مختصر یہ کہ اس نے اپنے آپ کو مسلمانوں کے لیے ایک نمونہ قائم کیا۔ ولیری کا ماننا ہے کہ یہ عقیدہ کہ حسین اپنے خون سے لوگوں کو گناہ سے آزاد کرنا چاہتے ہیں اور یہ کہ ان کی قربانی شیعہ ادب کے لیے دنیا کے لوگوں کے لیے آزادی کا پیغام ہے یا کم از کم اس کا انکشاف متن میں نہیں ہوا جس کی انھوں نے دیکھا۔ اس تصور نے بعد میں حالیہ تغزیر کی تقریبات یا اشعار میں دخل اندازی کی، کیوں کہ تصور سے موجودہ معنی میں یہ تبدیلی عیسائی فکر سے متاثر تھی۔ [679]

40ھ میں علی ابن ابی طالب کے قتل کے بعد نزاری اسماعیلیوں نے جو تمام شیعہ اول امام کے نام سے مشہور ہیں - ان کے بیٹے حسین کو امامت کا مطلق اور مکمل جانشین تسلیم کیا گیا ہے۔ تاہم، زیادہ تر شیعہ روایات میں، علی کے بڑے بیٹے، حسن، کو جانشین بھی کہا جاتا ہے۔ لیکن نزاری ان کے کردار کو ایک امامت دار سمجھتے ہیں، یہاں تک کہ حسین نے امامت سنبھالی۔ [680]

عقیدہ شیعہ میں حسین کے فضائل اور کرامات



راس الحسین دمشق کی اموی مسجد میں واقع ہے جہاں سر حسین کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ کربلا کی لڑائی کے دوران میں اپنے جسم سے الگ کر کے یزید کے محل میں منتقل کر دیا تھا۔ [681]

شیعہ قول میں حسین کے فضائل کے بارے میں روایتوں کا ایک گروپ حسین کی ولادت اور اس سے پہلے ہی سرشار ہے۔ اس بیانے کے سلسلے میں، جبرئیل نبی اسلام کے پاس آئے اور حسین کی پیدائش کی مبارکباد دی اور ان کی امت کے ہاتھوں بچے کے مارے جانے کی خبر دی اور نبی کریم کو کربلا کی کچھ مٹی لا کر دی جہاں نوزائیدہ بچے کو قتل کیا جانا تھا اور اس بچے کے قتل پر فرشتوں کے غم کا ذکر ہے۔ ایک اور بیان حسین اور کچھ فرشتوں جیسے رافیل کے بیان کا ہے جو کچھ روایات میں حسین کی موت کا خبر رساں ہے۔ حسین اور یحییٰ ابن زکریا کی کہانی اور قیامت میں ان کے قاتلوں کے مساوی مقام کے مابین روابط اور مماثلت کی وضاحت؛ اور حسین کے قاتلوں پر پہلی لعنت کرنے والے بھی ابراہیم، موسیٰ، داؤد اور عیسیٰ تھے۔ حسین کے لیے معجزات کا دوسرا مجموعہ جس کا ذکر رافیل نامی فرشتوں کے لٹے ہوئے پروں کی شفا ہے جو پیدائش کے آغاز میں حسین کو چھو کر ہوا تھا۔ یہ دواؤں کے بغیر اور وقار کے ساتھ کچھ بیماریوں کا علاج بھی کرتا ہے۔ روایات کا تیسرا گروہ شہادت حسین کے بعد معجزات سے متعلق ہے، جیسے عاشورہ کے دن آسمان کا خونی رنگ اور راکھ اور خون کی بارش اور سورج کا چاند گرہن۔ زمین، سمندر، آسمان، فرشتوں اور جنات پر تمام مخلوقات کا سایہ۔ اور ہر پتھر کے نیچے سے خون بہتا ہے۔ [682]

لورا اور چا ولیری کے مطابق، حسین کے بارے میں تین طرح کے اعتقادات ہیں: وہ جن میں کائناتی عنصر غالب ہے اور جس میں "نور" ایک اہم کردار ادا کرتا ہے، وہ لوگ جن میں ایک آخر زمانی کردار ہے اور وہ لوگ جن میں حسین کا ایک تاریخی کردار ہے جو محققین کے لیے شناخت شدہ ہے لیکن معجزوں کی روشنی میں ہے جو اسے ایک ماورائے درجہ تک بلند کرتا ہے۔

ولیری کے مطابق، پہلے گروہ میں، جو مافوق الفطرت عقائد کے اثر و رسوخ کا نتیجہ ہے، جو اسلام سے کہیں زیادہ قدیم ہے اور شیعہ غلات کے ذریعہ تیار ہوا ہے، دیگر اہل بیت کے سلسلے میں حسین کی ایک کارکردگی ہے اور وہ اپنے بھائی حسن کے بالکل برابر ہے۔ [683]

شروع سے ہی حسین کے بارے میں کہانیاں ان کے منصب شیعہ امام کی حیثیت سے متاثر ہوئی تھیں اور پودہ معصوموں میں سے ایک جھٹیں شیعہ کائنات میں ایک مافوق طبیعت عطا کیا گیا ہے۔ بہت ساری کہانیاں حسین کے خون اور اس کے سر قلم کے بات کرنے کے معجزات سے بہت متاثر ہوئی ہیں۔ ایک ایسے قسب کی گفتگو بھی شامل ہے جو یزید کے دربار کے بازرگوں میں بازنطینی قسب تھانے اس جگہ تعزیر کیا۔ حسین سے متعلق کہانیاں اور علامتیں اسلام سے پہلے کی ثقافت کے موضوعات جیسے سیاوش کا خون اور اس کا انتقام سے متاثر ہیں۔ لیلہ شہدا کے خون اور تکلیف کے نمائندے اور ہیرو گھوڑے کے نمایاں کردار کے طور پر۔ اس کے علاوہ، ایک آسمانی فطرت ہے جو حسین، کے برعکس میں، ان کے قاتلوں راکشوں اور جانوروں کے طور پر پیش کر رہے ہیں اور یہ خیال کیا جاتا ہے کہ آخر زمان بدلہ میں ان کی اولاد کو عذاب دیں گے۔ سامعین، خاص طور پر حسین کی ولادت سے متعلق کہانیاں، اس کے اور اس کے بھائی حسن کے المناک انجام اور اس کے قتل اور اس کے بعد کے معجزے، بہت جذباتی ہیں۔ حسین کے بارے میں احادیث کثرت سے شائع ہوتی تھیں اور محمد باقر مجلسی نے انھیں اپنی کتاب بحارنوار میں جمع کیا ہے۔ [684]

زیارت اور عزادری حسین

زیارات برائے حسین

شیعوں کے پانچویں امام محمد باقر سے رولیت ہے کہ انھوں نے علقمہ بن محمد کو کربلا کی علامتی زیارت کرنے کا طریقہ سکھایا۔ اس حکمت کے مطابق، محمد باقر نے اسے عاشورہ کے دن کربلا کے سامنے کھڑے ہونے اور "عاشورہ کی زیارت" پڑھنے اور اہل خانہ اور دوستوں کو مدعو کر کے سوگ کی تقریب کا درس دیا۔ اس تقریب کے انعقاد کے طریقہ کا حکم کچھ اس طرح ہے کہ وہ اس سوگ میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ اس زیارت کے پڑھنے والوں کے لیے کربلا کے مقتول اور کربلا جانے والے مومنین جیسے انعامات بیان ہوئے ہیں۔ اس زیارت کو دعا کے طور پر بھی سمجھا جاتا ہے۔ اس کا ذکر مفاتیح الجنان میں بھی ہے۔ اس زیارت کے لیے خصوصی فوائد کا تذکرہ کیا گیا ہے اور اس لیے، روزانہ کی دعا کے طور پر اس کی تلاوت کی سفارش کی جاتی ہے۔ [685] "زیارت وارث" حسین بن علی کے لیے ایک اور زیارت ہے، جسے امام جعفر صادق نے رولیت کیا ہے۔ اس زیارت میں، حسین ابن علی آدم، نوح، ابراہیم، موسیٰ، عیسیٰ، محمد، علی ابن ابی طالب، فاطمہ زہرا اور خدیجہ کے وارث ہیں۔ [686] اس سلسلے میں تیسری زیارت "اربعین زیارت" ہے، جس کی تجویز کی جاتی ہے کہ بقیہ صفر کو سنا جائے، یہ عاشورہ کے بعد چالیسواں دن کے برابر ہے۔ ایک حدیث میں، حسن عسکری "اربعین زیارت" پڑھنے کو مومن کی پانچ نشانیوں میں سے ایک مانتے ہیں۔ "اربعین زیارت" صفوان جمال کی روایتی کتب میں امام جعفر صادق نے بیان کیا ہے اور «السلام علی و علی و خدیجہ» کے جملے سے شروع کیا ہے۔ "اربعین زیارت" کا دوسرا متن «السلام علیکم یا آل اللہ» کے فقرے سے شروع ہوتا ہے اور اسے اربعین میں جابر ابن عبد اللہ انصاری نے رولیت کیا ہے۔ اس زیارت کے متن کا ذکر دعائی کتابوں میں رجب کے وسط میں حسین ابن علی کی زیارت کے طور پر ہے۔ [687]

سوگوازی محرم

عاشورہ کے فوراً بعد ہی حسین کے پہلے زائرین نے ان کی شہادت کی یاد میں ایک عوامی تقریب کا انعقاد کیا۔ [688] پانچویں اور چھٹے شیعہ ائمہ، محمد باقر اور جعفر صادق، کے زمانے میں، کربلا ایک اہم مقام زیارت بن گیا تھا۔ [689] چوتھی صدی ہجری کے آغاز تک، شیعوں کی خصوصیات میں حسین ابن علی کے لیے سوگ پچھے اور تقیہ کے اصول کے مطابق منع کیا گیا۔ لیکن عاشورہ کے لیے عوامی سوگ ایک ہزار سال سے زیادہ عرصہ تک رہا ہے۔ معز الدولہ الدہلی نے آل بویہ کے دور میں بغداد میں عاشورہ منایا۔ عظیم اسلامی انسائیکلو پیڈیا کے مطابق، آل بویہ کے خاتمے کے بعد، عاشورہ واقعہ پر تیمور جیسے سنی حکمرانوں کے غیر سخت نظریے کے باوجود، اہل تشیع کے خلاف حکومتوں کی مخالفت کی وجہ سے سوگ اب بھی کم و بیش خفیہ طور پر رکھا گیا تھا۔ تاہم، تیموری حکومت کے دوران میں، خاص طور پر ماوراء النہر میں، عاشورا کے لیے سوگ کا میدان تیار کیا گیا تھا۔ محرم کا سوگ صفویوں کے رجحان شیعہ اور ایران میں اور خاص طور پر محرم اور صفر کے مہینوں تک پھیل گیا۔ [690]

عراق میں - کربلا کی زیارت کے علاوہ، یہ رسمیں ایران میں رومنا ہونے والی روایات سے ملتی جلتی ہیں، لیکن اس میں کوئی نمائشی کارکردگی نہیں ہے۔ لبنان میں، تعزیر ایرانی رولیت کے زیر اثر انجام دیے جاتے ہیں۔ اٹھارہویں صدی کے آخر میں وسطی ایشیاء میں محرم کی سوگ کی رسمیں ترکمانستان، فرغانہ اور بخارا معاشرہ میں ایرانی عناصر کے اثر و رسوخ کے ذریعے متعارف کروائی گئیں۔ جنوبی قفقاز کی غائبیوں میں، صفوی دور میں خود کو نقصان پہنچانے کی خصوصیت کو برقرار رکھا۔ اور 1917 میں سوویت انقلاب کے وقت تک، شدید جذبات کا کھل کر اظہار کیا جاسکتا تھا۔ عثمانی اور کردستان کے علاقوں میں محرم کی تقریبات صوفیانہ رسوم سے وابستہ تھیں۔ قزلباش، بیکتاش نیٹ ورک نے مشترکہ طور پر اماموں کے ساتھ زبردست عقیدت پیش کیا ہے، جس پر خصوصی طور پر حسین کا خصوصی سوگ منایا جاتا رہا ہے۔ روزہ رکھنے کے علاوہ، بیکتاشی اپنے مذہبی رسومات کو محمد فضولی کی حدیث کی تلاوت کے ساتھ جوڑتے ہیں۔ نصیریہ نے بھی، عیسیٰ کے مصلوب ہونے کی کہانی کی طرح، یقین کیا کہ واقعی حسین کو قتل نہیں کیا گیا تھا۔ لہذا، وہ عاشورا کو خوشی مناتے ہیں۔ برصغیر پاک و ہند میں، اگرچہ مقامی روایات نے وقت کے ساتھ متعلقہ عقائد اور رسومات کو متاثر کیا ہے، لیکن اردو، ہندی، سندھی جیسی دیسی زبانوں میں مرثیہ ادب کو بڑے پیمانے پر ایرانی صوفی رولیت نے متاثر کیا ہے۔ یہ خیال کیا جاتا ہے کہ تعزیر (تاہوت) کے ساتھ عوامی تحریکیں - جو حسین کے مقبرے کا ایک نمونہ ہے - اس کے خاص پہلو ہیں۔ [691] بیشتر اہم افراد کو امام بارہ میں رکھا جاتا ہے اور تقریب کے اختتام پر انھیں "مقامی کربلا" نامی جگہوں پر دفن کیا جاتا ہے۔ انیسویں صدی کے وسط تک، یہ محرم رسومات ہندوستانی تانکین وطن کے ذریعہ ترینڈ اور لوہاگو جزیروں، کیڑیہیم جزیروں میں پھیل چکے تھے۔ [692] 1947 میں قیام پاکستان کے بعد سے، محرم کی رسومات سے غیر ملکی اثر و رسوخ کو دور کرنے اور شدید نقصان کو بحال کرنے کی کوششیں جاری ہیں۔ [693]

فن اور ادب میں حسین

ادب

فارسی شاعری اور نثر میں حسین ابن علی یا ان کے مشہور عرفی نام، "ابا عبد اللہ" اور ان کے کچھ لقب، جیسے کریمہ کے مظلوم، سید الشہداء، سالار شہیدان، سرور آزادگان و شاہ تشنہ لبان یا اس کے ہمراہ یا مخالف خط جیسے کریمہ، عاشورا، شہر اور یزید کا نمایاں حصہ ہے۔ اس ضمن میں نحو کے اعمال کو دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے: تاریخی عبارتیں اور صوفیانہ اور ادبی عبارت۔ جس میں پہلی قسم، میں، اس طرح کے طور پر کی طرف سے کام کرتا ہے تاریخی اہمیت حاصل ہے کہ عاشورہ واقعہ کی رپورٹ کے مطابق، وہاں ہیں مسعودی، بیہقی، بیرونی، ناصر خسرو، راوندی اور حمد اللہ مستوفی بھی ادبی اہمیت کی حامل ہے۔ حسین ابن علی اور ان کے ساتھیوں کی خوبیوں کے ادبی اظہار کی وجہ سے، نثر نگاروں کا دوسرا زمرہ شاعری کے زیادہ قریب ہے اور اسے فلسفیانہ نقطہ نظر سے نثر گوئی بھی سمجھا جاتا ہے۔ علی تجویری کی **کشف المحجوب**، رشید الدین بیہقی کی **کشف الأسرار و عذۃ الأبرار**، ابوالقاسم قشیری، عطار کی تذکرۃ الاولیاء کے نثری کام، رومی کی **فیہ ما فیہ**، افلاکی، اسیری لایبھی، حمید الدین بلخی، ہما الدین البغدادی، طوسی اور بہارستان جامی شاعری کام ہیں۔ [694] روز واقعہ بہرام بیضایی معاصر فارسی نثر کا سب سے اہم کام کی بنیاد پر، سمجھا جاتا ہے اسی کے نام سے فلم بھی بنائی گئی۔ [695]

حسین ابن علی اور کریمہ کے بارے میں شعری شاعری کے شعبے میں ہونے والے ادبی کاموں کو بھی دو زمروں میں درجہ بندی کیا جا سکتا ہے: ابتدائی دور اور آخری دور تک۔ پہلا دور، جب غیر شیعہ حکومتوں نے ایران پر حکمرانی کی، چوتھی صدی ہجری میں اسی وقت شروع ہوئی جس کے ساتھ ہی درمی شاعری کے پھیلاؤ کا آغاز ہوا اور دسویں صدی ہجری تک اور صفوی حکومت کے قیام تک جاری رہا۔ اس عرصے کے دوران میں، تمام یا بیشتر شیعہ اور سنی شاعروں نے حسین بن علی اور عاشورا کے ساتھ کسی نہ کسی طرح معاملات طے کیے۔ کسائی مروزی اس دور کا پہلا شاعر ہے جس نے نوہ لکھا ہے۔ اس کے بعد، قوامی رازی، سنائی، عطار، رومی، سیف فرغانی، جامی، خاقانی، کمال الدین اسماعیل اصفہانی، سید حسن غزنوی، سعدی، خواجہ کرمانی، سلمان ساوجی، حسن کاشانی و ابن صام خسفی نے لکھا ہے حسین بن علی اور کریمہ کے بارے میں نظمیں۔ دوسرے ادوار میں، صفوی حکمرانی کے آغاز کے ساتھ ہی اور ایران میں شیعہ مذہب کو باقاعدہ بنانے کے ساتھ ہی، مذہبی اور عاشورا کی نظمیں فروغ پزیر ہو گئیں۔ مختتم کاشانی، صائب تبریزی، شہیار اس میدان میں ممتاز شاعر ہیں۔ اس عرصے کے دوران میں، کچھ شعرا نے عاشورا کی گزارش شاعری کو چھوڑا ہے، جسے دو قسموں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے: تاریخی اور صوفیانہ۔ بیشتر مورخین نے عاشورا کو تاریخی نقطہ نظر سے دیکھا ہے۔ صباچی بیدگی، عبدالرزاق لایبھی، فیض کاشانی، تجویری یزدی، محمد تقی ہمار، جلال الدین ہمانی اور امیری فیروزکوبی ہیں ان کے درمیان میں ہیں۔ دوسرے گروہ یا عرفان عاشورا کے بارے میں ایک صوفیانہ نظریہ رکھتے تھے۔ صافی علیشاہ، عثمان سامانی، ملا احمد نراقی، بیدل دہلوی اور اقبال لاہوری اور ہوشنگ اس گروپ سے ہیں۔ [696]

حسین ابن علی کی بغاوت اور عاشورہ کے واقعہ کے آغاز سے ہی عربی شاعروں نے اپنی تصنیف میں کہا کہ اموی اور عباسی دور کے سیاسی حالات کی وجہ سے ان میں سے بہت سے لوگوں کو پریشانی کا سامنا کرنا پڑا یا دھمکی دی گئی اور ہراساں کیا گیا۔ عُبَیدُ اللہ بن حَرّ جَعْفَی - حسین بن علی کی مدد کے لیے اس سے پوچھا - ان کو مد نظر رکھتے ہوئے افسوس کرنے والے پہلے شخص سے مرثیہ پڑھا، عقبہ بن عمرو سہمی، کمینت آسدی، سید اسماعیل حمیری، دُخْلِی خُزاعی، منصور نَری، عبدی کوئی اور بہت سے دیگر شعرا وہ لوگ ہیں جنہوں نے اموی اور عباسیوں کے اس سیاسی محاصرے میں اور اس میدان میں موت کے خطرات کے ساتھ ہی شاعری لکھی ہے۔ ان میں سے ایک ذف اُردیہ جو توابین بغاوت میں مارا گیا تھا اور مجھے اس کا ان کی نظموں میں افسوس ہے۔ دُویک اِجَن، صنوبری، کشاجم، ابو فراس، ابن ہانی، عباسی دور میں شاعری مشتمل ہیں جو دوسرے شاعر۔ شیعہ ریاستوں کے قیام سے عرب سرزمینوں میں نسبتاً آزادی کے قیام اور حسین ابن علی کی خون ریزی جیسے معاملات کے اظہار کے لیے مزید بنیادیں فراہم کرنے کا باعث بنی۔ منصور ابن بسام بغدادی، ناشی صغیر، سید رضی، شریف مرتضیٰ، مابیار دہلی اور ابو الغلا معری نے اس دور میں نظمیں لکھیں۔ عباسی خلافت کے دوسرے نصف حصے میں، عاشورا اشعار آنسوؤں اور مزاحمت سے دور ہو گئے، خونریزی اور جدوجہد کے لیے تیار ہو گئے، لیکن اسی دوران میں، فاطمی خلافت کے دوران میں مغرب میں حسین بن علی کے خون کے بدلے میں شدت آگئی۔ عمارہ الیمینی ان شعرا میں سے ایک ہیں۔ نویں صدی ہجری کو ساتویں سے، کریمہ کا ارتکاب کرنے والوں کی جھوٹ کو آہستہ آہستہ ان سے اور الہامی اہل میں تبدیل کر دیا اور سنی شاعر بھی میدان میں داخل ہوئے۔ ابن سناء الملک، ابن وردی شافعی اور حسن مخزومی اسی گروہ سے ہیں۔ دسویں صدی سے لے کر تیرہویں صدی ہجری کے آخر تک، عربی شاعری کی تقلید مقبول ہوئی اور بہت سے فقہا اور اسکالرز جو ادب میں ماہر نہیں تھے، اس میدان میں داخل ہوئے۔ قتل کی خبریں پڑ گئی اور عاشورا کے پیغامات فراموش ہو گئے۔ تاہم، اس زمانے میں ملا کاظم آذری، سید محمد مہدی بحر العلوم، ہاشم الکعبی، سید حیدر حلی اور محمد نصر جیسے لوگوں کی مہاکاوی اور جذباتی نظمیں ہیں۔ آج کل، عاشورا کی شاعری عروج پر ہے اور بہت سارے شیعہ، سنی اور حتیٰ کہ عیسائی شاعروں نے حسین بن علی اور عاشورہ کے ایونٹ کے سوگ میں نظمیں لکھی ہیں۔ جیسے محسن ابوالخُب، عبدالحسین جواہر، مہدی آغرجی، زکی الحاسنی، عبدالحکیم الفَرطوسی، بولس سلامتہ، سعید الغسلی، عبداللہ الغلایلی [697] عصری شاعری میں، حسین ابن علی کی خصوصیات جیسے قیادت، جرات، ظلم و جبر، ایمان، رونے اور ان کے جدوجہد کے ماڈل پر غور کیا گیا ہے۔ اس دور کے شاعروں میں محمد السماوی، محمد کامل عالی، مصطفیٰ جمال الدین، عبدالقادر آلنصری، ادوار مرقص، ہادی کاشف الخطاء، احمد دُخو، یحییٰ عبدالامیر الشامی، آدونیس، مُظَفَّر ثَوَاب، قاسم حَزَاد، عبدالرحمن شرفاوی، محمد عصفی، نزار قیّابی، اَل دُثَل، جواد جمیل و بدر شاکر سیاب کا نام لیا جا سکتا ہے۔ [699][698]

تعزیه حسن اور حسین [یادداشت 4] یوس پال کا 19 ویں صدی کا انگریزی ادب کا آثار ہے جس نے حسین اور اس کے بھائی کی زندگی کو بیان کیا ہے۔ [700]

ترک زبان کے شاعروں میں، جنہوں نے حسین بن علی کے سوگ میں نظمیں تخلیق کیں، ہم بیضای اردبیلی و عباسقلی بیجوئی و رحیم منزوی اردبیلی اور عاصم کفاش کا نام لے سکتے ہیں۔ [701]

بصری کام



1330 میں حسین قوللر آغاشی کے ذریعہ کافی ہاؤس پینٹنگ کے انداز میں سانحہ کربلا کا مشہور پردہ

بصری اور پرفارمنگ آرٹس کے میدان میں، حسین بن علی اور عاشورا کے واقعہ پر کافی توجہ ملی ہے۔ کافی ہاؤس پینٹنگ میں عاشورا ایک مرکزی موضوع ہے جو صفویہ دور سے چلا آ رہا ہے اور اس کا عروج فجر عہد میں ظاہر ہوا تھا۔ [702] یہ کام آرکیٹیکچر اور ٹائلنگ عمارتوں میں بھی ظاہر ہیں۔ [703] متعدد خطاطی کے کام بھی ادنی کاموں کے مطابق تخلیق کیے گئے ہیں جیسے محتاش بینڈ کی تشکیل۔ [704] بصری فنون اور مصوری کے میدان میں سب سے مشہور کام، محمود فرشیان کی تصنیف عاشورہ دور کی مصوری ہے۔ [705] نقاشی کا فن آرٹ کا ایک اور شعبہ ہے جو شیعہ مذہبی شخصیات جیسے حسین ابن علی اور عباس ابن علی سے متاثر ہے۔ [706] اگرچہ یہ شیعہ مشہور اعتقادات کے ساتھ ساتھ مصوروں کے ذاتی ذوق اور معاشرے کی ضروریات سے بھی متاثر ہیں، وہ اس سلسلے میں نقل کی گئی روایات سے بھی متاثر ہیں۔ [707] شیعہ فقہاء کے مطابق، کسی صحیح دستاویز کی کمی کے باوجود ان مجسموں اور شیبیس کی بے حرمتی کرنا جائز نہیں ہے۔ [708]

نمائشی کام



ایک تعزیه کا ایک نمائشی منظر

تعزیه مذہبی کارکردگی کا ایک طریقہ ہے جو آہستہ آہستہ حسین بن علی کے سوگ کے سلسلے میں ایران کے شیعوں کے درمیان میں تشکیل پایا گیا ہے۔ یہ طریقہ ابتدائی طور پر سوگوار تقابیب میں حسین خاندان کے لیے ایک قسم کی نقالی تھا اور پھر ایک طرح کا آزادانہ کھیل بن گیا۔ اس طرز کے کھیل کی پہلی مصدقہ اطلاعات صفوی دور سے متعلق ہیں۔ اس عرصہ کے اختتام کے بعد، تعزیه وہی ہو گیا جو آج کل ہے۔ [709]

بارہویں اور تیرہویں صدی ہجری میں، سوگ پھیل گیا اور تعزیه اور شعیہ سازی پروان چڑھی، [710] جو روضۃ الشهداء کے ثقافتی موجودہ کا نتیجہ تھا اور قاجار حکومت کی پالیسیوں سے متاثر تھا۔ [711]

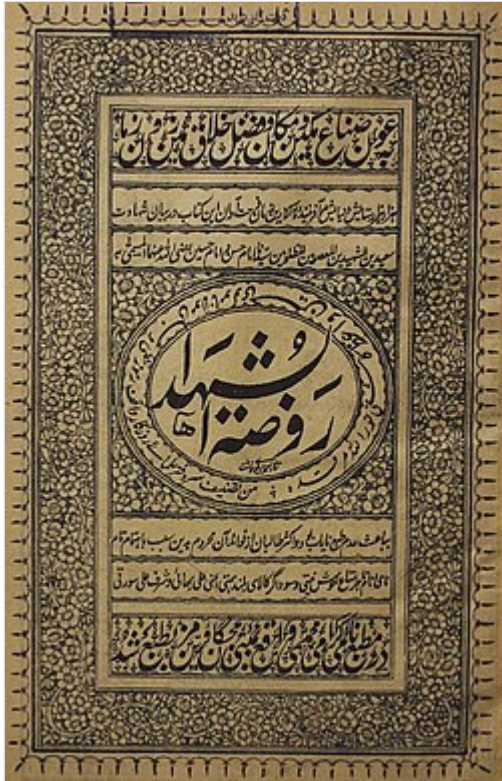
کتابیات

محمد اسفندیاری کی حسین ابن علی کی کتابیات پر ایک مطالعہ میں، اس سلسلے میں کتابیات کی تصنیف کی گئی ہے اور حسین ابن علی پر چالیس کتابیات حاصل کی گئی ہیں۔ ان کتابیات میں کتاب یا مضمون کا ایک حصہ یا کوئی حصہ شامل ہے۔ ان میں سے زیادہ تر کتابیات میں سائنسی طریقہ کار کی کمی ہے اور اس میں کوتاہیاں ہیں۔ ان میں سے سب سے مکمل ہماری لغت کی کتاب، کتاب مُعْجَم ما کُتِبَ عَنِ الرَّسُولِ وَ أَهْلِ بَيْتِ صَلَوَاتِ اللَّهِ عَلَيْهِمُ اٰرْ عَبْدِاَلْجَبَّارِ الرَّفَاعِی کا ایک حصہ ہے، جس میں 3215 کتابیں اور مضامین کا تعارف شامل ہے۔ [712] محمد حسین صادقپور نے اسفندیاری کی تحقیق میں 15 دیگر کتابیات شامل کی ہیں۔ [713]

سیرت

پہلی صدی ہجری میں حسین ابن علی کی زندگی کا بیان دیگر اہل بیت سے ملتا جلتا تھا۔ ان میں سے کچھ کام حسین بن علی کے لیے وقف ہیں۔ دوسروں نے اس کی سوانح حیات دوسرے شیعہ رہنماؤں اور عمائدین کے ساتھ شیعہ کی ہے۔ محمد بن علی ابن حمزہ علوی (متوفی) کی مقاتل الطالبيين بھی شامل ہے۔ 287ھ۔ ق)، مقاتل الطالبيين از ابو الفرج اصفہانی (م۔ 289ھ۔ ق) و الْمَبَيِّنَة بحوالہ ابو العباس ابن عمار صغانی (م۔ 319ھ۔ ق)۔ اس کے بعد، مذہبی اور مذہبی نقطہ نظر کے ساتھ سیرت مقبول ہوئی۔ قاضی نعمان (متوفی) کی شَرْحُ الْأَخْبَار کی طرح 363ھ۔ ((اسماعیلی فقہ، تَحْفُ الْعُقُول تصنیف ابن شعبہ حارانی (وفات 413ھ۔ ق)، الارشاد از شیخ مفید (متوفی 413ھ) دینی امور شیعہ پر توجہ مرکوز کے ساتھ، نَزْهَةُ النَّاطِلِ اثر حلوانی (پانچویں صدی عیسوی)، فَرَايِدُ السِّمَاطِيْن از امام الحرمین جوینی (م: 478ھ۔ ق) اشعری کی، الاحتجاج از احمد طبرسی مباحثے اور مباحثوں، پر توجہ مرکوز اَنْزَاخٍ وَ اَنْزَاخٍ از قطب الدین راوندی (متوفی 573ھ۔ ق)، مناقب آل ابی طالب از ابن شہر آشوب (متوفی: 588ھ) فضائل و کرامات پر، کَشَفُ الْعُمَّةِ فِي مَعْرِقَةِ الْأَيْمَةِ از ابن عیسیٰ اربیلی (م: 692ھ۔ ق)، اَللَّهُمَّ الْإِثْنِي عَشَرَ از ابن طولون (د۔ 953ھ۔) حنفی فقیہ اور سُبُلُ الْهَدْيِ از محمد بن یوسف صالحی شامی (دسویں صدی ہجری)۔ ابن عساکر نے تاریخ دمشق میں حسین ابن علی کی سوانح حیات کے لیے ایک تفصیلی حصہ پیش کیا ہے۔ [714] شیخ مفید نے اپنی کتاب الارشاد کا ایک بہت بڑا حصہ حسین بن علی کی زندگی اور قتل کے لیے وقف کیا ہے اور میتھیو پیرس کے مطابق اس سے مذہبی رہنماؤں کے لیے کتاب ال ارشاد کی افادیت میں اضافہ ہوا ہے۔ [715]

قتل، قبر اور سوگ



کتاب روضۃ الشہداء کے سرورق کی تصویر۔ یہ کتاب حسین واعظ کاشفی کا سن 908 ھ میں لکھا گیا ایک مقتل ہے۔ کو لکھا گیا تھا اور اس میں بیشتر حسین حسین بن علی کی کہانی اور واقعہ کربلا سے متعلق ہے۔

کتاب مقتل کی تحریر جاری رہی۔ یعقوبی اور طبرانی نے واقعہ کربلا بیان کیا ہے اور ابو اسحاق فہرندی (م: 269 ھ- ق)، ابراہیم بن محمد ثقفی (وفات: 283 ھ-) اور محمد غلابی (م: 298 ھ) نے بھی، مثال کے طور پر، اس نقطہ نظر کے ساتھ مقتل لکھا تھا۔ [719]

چوتھی صدی میں، اطلاعات تک آسانی سے رسائی اور مذہبی اور نظریاتی رجحانات کی بڑھ جانے کی وجہ سے، مقتل نویسی اخباری نے حسین ابن علی کی وفات کے بارے میں نظریاتی مباحثے کا اظہار کرنے کی وجہ سے شیخ صدوق (م: 381 ھ ق) کے فضائل اثر کی مثال دی۔ اس مدت کے دوران، ابا عبد اللہ امام حسین کی قبر حقدار ماتم کی فضیلت کے بارے میں لکھا گیا تھا روتے ہوئے اور کام پر جاکر حسین کی قبر؛ جیسے عبید اللہ ابن ابی یزید عنبری (متوفی: 356 ھ ق) کے کام۔، محمد بن عباس غزری و ابو الفضل شیبانی (م: 387 ھ ق)۔ اس زمرے کا سب سے مشہور کام کامل الزیارات تحریر ابن قلوبیہ (م: 369 ھ ق) ہے۔ یہاں تک کہ غیر شیعہ میں، ابو اسحاق اسفراینی (متوفی: 418 ھ س) نے اس مسئلے سے نمٹا ہے۔ [720]

اگلی صدیوں میں، اس میدان کے کام چوتھی صدی کی تحریروں سے متاثر ہوئے ہیں۔ مندرجہ ذیل صدیوں کے کاموں میں، مقتل الحسین از موفق ابن احمد خوارزمی (متوفی: 568 ھ- س) وہ حنفیہ میں سے ہے جو شیعہ کو پسند کرتا ہے۔ ساتویں صدی ہجری میں سید ابن طاووس (متوفی) کی مشہور کتاب لوحوف۔ 664 ھ- س) یہ حسین ابن علی پر سوگ کے نقطہ نظر کے ساتھ لکھا گیا ہے۔ اسی اثنا میں، سنیوں نے حسین ابن علی پر ماتم کرتے ہوئے دُرُز السِّمَط فی خَبَر السِّبْط جیسے کام بھی لکھے۔ [721] ساتویں صدی ہجری میں، قتل کی وضاحت میں من گھڑت اور رواؤی داستانوں کو شامل کیا گیا۔ ابن کثیر نے ان مبالغہ آمیز اور من گھڑت روایات کی شدید مذمت کی۔ [722]

نویں اور دسویں صدی ہجری میں، مذہبی مجلسوں میں فارسی لکھنے کو فروغ ملا اور صفویوں کے قیام نے اس کو تیز تر کر دیا۔ اس دور کے کاموں میں، روضۃ الشہداء بزرگ حسین واعظ کاشفی (متوفی: 910 ھ) یہ تیموری دور کے آخر میں حسین بن علی کی سوگ کی تقریبات کے لیے لکھا گیا تھا اور اس کے مندرجات کے پاس کوئی دستاویز نہیں ہے۔ یہ کام سننے والوں کے جذبات کو ابھارنے اور پروان چڑھانے کے لیے لکھا گیا ہے اور فارسی میں سوگ کا ایک اہم مقام سمجھا جاتا ہے۔ اس کام نے فارسی ادب میں ایک ادبی موجودہ پیدا کیا جو آج تک جاری ہے۔ تاکہ اس کام کے ساتھ روضہ اور روضہ پڑھنے کا تصور فارسی بولنے والوں کے ادب اور ثقافت میں داخل ہو۔ دسویں صدی میں، نیشاپور کے حسین ندائی یزوی نے روضۃ الشہداء کا اہتمام کیا

مقتل الحسین، یا مختصر طور پر "مقتل"، اس کا مطلب ہے حسین کا ذبیحہ خانہ کتابوں کے ایک ایسے گروپ کا نام ہے جو جنگ کربلا اور حسین بن علی کے قتل کے واقعات کو بیان کرتا ہے۔ رسول جعفریان پانچ مقاتل کو، جو دوسری صدی میں چوتھی صدی ہجری کے اوائل تک لکھے گئے تھے، کو اہم بنیادی ماخذ کے طور پر سمجھتا ہے۔ اس مقاتل کو ابو مخنف، ابن سعد، بلاذری، دیہوری اور احمد ابن اعثم نے تحریر کیا۔ [716] سب سے قدیم مقتل میں سے ایک حسین جابر بن یزید جعفی (متوفی: 128 ھ) کا مقتل ہے، محمد باقر اور جعفر صادق کے ایک صحابی ہیں۔ جابر جعفی کے طالب علم، ابو مخنف (متوفی: 157 ھ- س)، مذہبی نقطہ نظر کو شامل کیے بغیر تمام اقوال اور بیانیہ اکٹھا کر کے، ایک ایسا مقتل لکھا جس پر بعد کے مورخین نے بیان کی درستی اور درستی کے لیے اعتبار کیا تھا۔ [717] یہ کام سب سے قدیم ترین تاریخی ماخذ دستیاب ہے، جو طبری کی تاریخ اور شیخ مفید کی کتاب ال- ارشاد کی کتاب کے ذریعہ تقریباً مکمل طور پر بیان کیا گیا ہے۔ [ادداشت 5]

ابو مخنف کی کتاب کے نسخے کے، جو برلن میں رکھی گئی ہے اور جس میں لورا اور چاولر کی طرف سے مکمل طور پر توثیق نہیں کی گئی ہے، اس فیلد کے سب سے اہم وسائل طبری اور بلاذری ہیں۔ اس سلسلے میں طبری روایات کو تین قسموں میں تقسیم کیا گیا ہے۔

1. ابو مخنف (متوفی) کی کتاب میں روایت 157 ھ- س) اور واقعے کے عینی شاہدین سے ان کا حوالہ دیا گیا ہے۔
2. ہشام بن محمد کالبی سے متعدد روایتیں نقل ہوئی ہیں اور ان میں سے بیشتر نے اپنے استاد ابو مخنف سے بھی روایت کیا ہے۔
3. دوسرے راویوں کی روایات جن کو اکثر اہم معلومات نہیں ملتی ہیں۔

بلاذری نے وہی طبری ذرائع استعمال کیے، لیکن ان کا خلاصہ کیا۔ وہ ان روایات کو عظمت سمجھتا ہے اور ان کے علاوہ اسے دوسری روایتیں بھی ہیں۔ ولیری کا خیال ہے کہ دوسرے مورخین، جیسے دیہوی، یعقوبی، ابن عبد الرزہ، وغیرہ، کوئی دوسری مخصوص معلومات فراہم نہیں کرتے ہیں۔ کیونکہ انھوں نے اپنی روایت ابو مخنف سے لی ہے۔ شیعہ ایسے کاموں پر غور کرتے ہیں جن کے مصنفین میں شیعہ رجحانات مستند ہیں۔ ان میں سے بیشتر روایات شیخ مفید کے کام سے نکلتی ہیں، جو ابو مخنف کی روایت پر مبنی ہے۔ [718] تیسری صدی ہجری میں، ایک خبر تک رسائی کے ساتھ مقتل کی تحریر جاری رہی۔ یعقوبی اور طبرانی نے واقعہ کربلا بیان کیا ہے اور ابو اسحاق فہرندی (م: 269 ھ- ق)، ابراہیم بن محمد ثقفی (وفات: 283 ھ-) اور محمد غلابی (م: 298 ھ) نے بھی، مثال کے طور پر، اس نقطہ نظر کے ساتھ مقتل لکھا تھا۔ [719]

چوتھی صدی میں، اطلاعات تک آسانی سے رسائی اور مذہبی اور نظریاتی رجحانات کی بڑھ جانے کی وجہ سے، مقتل نویسی اخباری نے حسین ابن علی کی وفات کے بارے میں نظریاتی مباحثے کا اظہار کرنے کی وجہ سے شیخ صدوق (م: 381 ھ ق) کے فضائل اثر کی مثال دی۔ اس مدت کے دوران، ابا عبد اللہ امام حسین کی قبر حقدار ماتم کی فضیلت کے بارے میں لکھا گیا تھا روتے ہوئے اور کام پر جاکر حسین کی قبر؛ جیسے عبید اللہ ابن ابی یزید عنبری (متوفی: 356 ھ ق) کے کام۔، محمد بن عباس غزری و ابو الفضل شیبانی (م: 387 ھ ق)۔ اس زمرے کا سب سے مشہور کام کامل الزیارات تحریر ابن قلوبیہ (م: 369 ھ ق) ہے۔ یہاں تک کہ غیر شیعہ میں، ابو اسحاق اسفراینی (متوفی: 418 ھ س) نے اس مسئلے سے نمٹا ہے۔ [720]

اگلی صدیوں میں، اس میدان کے کام چوتھی صدی کی تحریروں سے متاثر ہوئے ہیں۔ مندرجہ ذیل صدیوں کے کاموں میں، مقتل الحسین از موفق ابن احمد خوارزمی (متوفی: 568 ھ- س) وہ حنفیہ میں سے ہے جو شیعہ کو پسند کرتا ہے۔ ساتویں صدی ہجری میں سید ابن طاووس (متوفی) کی مشہور کتاب لوحوف۔ 664 ھ- س) یہ حسین ابن علی پر سوگ کے نقطہ نظر کے ساتھ لکھا گیا ہے۔ اسی اثنا میں، سنیوں نے حسین ابن علی پر ماتم کرتے ہوئے دُرُز السِّمَط فی خَبَر السِّبْط جیسے کام بھی لکھے۔ [721] ساتویں صدی ہجری میں، قتل کی وضاحت میں من گھڑت اور رواؤی داستانوں کو شامل کیا گیا۔ ابن کثیر نے ان مبالغہ آمیز اور من گھڑت روایات کی شدید مذمت کی۔ [722]

نویں اور دسویں صدی ہجری میں، مذہبی مجلسوں میں فارسی لکھنے کو فروغ ملا اور صفویوں کے قیام نے اس کو تیز تر کر دیا۔ اس دور کے کاموں میں، روضۃ الشہداء بزرگ حسین واعظ کاشفی (متوفی: 910 ھ) یہ تیموری دور کے آخر میں حسین بن علی کی سوگ کی تقریبات کے لیے لکھا گیا تھا اور اس کے مندرجات کے پاس کوئی دستاویز نہیں ہے۔ یہ کام سننے والوں کے جذبات کو ابھارنے اور پروان چڑھانے کے لیے لکھا گیا ہے اور فارسی میں سوگ کا ایک اہم مقام سمجھا جاتا ہے۔ اس کام نے فارسی ادب میں ایک ادبی موجودہ پیدا کیا جو آج تک جاری ہے۔ تاکہ اس کام کے ساتھ روضہ اور روضہ پڑھنے کا تصور فارسی بولنے والوں کے ادب اور ثقافت میں داخل ہو۔ دسویں صدی میں، نیشاپور کے حسین ندائی یزوی نے روضۃ الشہداء کا اہتمام کیا

اور محمد فضولی (متوفی: 970ھ) کے بعد اس کا ترجمہ **حَدِیقَةُ الشَّعْدَاءِ** کے نام سے آذربائیجانی ترکی میں کیا۔ نیز محتشم کاشانی (متوفی: 996ھ) "پھر یہ بغاوت کیا ہے" کے ساتھ کمپوزیشن مرتب کر کے، اس نے شاعرانہ ہستی کو تبدیل کر دیا۔ [723]

ہم عصر کام

عصری دور میں، عالم اسلام میں انقلابی اور اصلاحی تحریکوں کی مضبوطی کے ساتھ، حسین بن علی کی بغاوت اس نوعیت کے روشن خیال کاموں کا موضوع بن گئی۔ اَلْحُسَيْنِ، اَبُو الشَّهْدَاءِ، عباس محمود عقاد کے نقطہ نظر اور ثَوْرَةُ الْحُسَيْنِ فِي الْوُجْدَانِ الشَّعْبِي از حسین محمد مہدی شمس‌دین نے لفظ "ثورہ" (انقلاب) لگا کر حرکت حسین و نَهَضَتِ الْحُسَيْنِ از ہبۃ الدین حسینی الشہرستانی کو عربی میں تحریر کیا تھا۔ ایران میں بھی، حکومت بنانے کے لیے بغاوت کے نقطہ نظر کے ساتھ نعمت اللہ صالحی نجف آبادی کے شہید جاوید جیسے کام اور علی شریعتی کے ذریعہ حسین وارث آدم نے عوامی انقلابی تحریک شروع کرنے میں شہید کے لہو پر زور دیا ہے۔ عاشورا اور حماسہ حسینی میں تحریف، مرتضیٰ مطہری نے مسیح اور توہم پرستی کو ختم کرنے اور قیام حسین کی مثال کے مطابق عمل کرنے کا طریقہ بھی پیش کیا ہے۔ ایرانی انقلاب کے بعد، ظالم کے خلاف لڑنے کے لیے بہت سارے کام حسین بن علی کی بغاوت کے موضوع کے ساتھ مرتب کیے گئے ہیں۔ انسائیکلوپیڈیا میں سے ایک مضمون ہے جس کا عنوان الحسینیۃ انسائیکلوپیڈیا از محمد صادق محمد کرباسی ہے اور عاشورا کی ثقافت جواد محبی اس زمرے میں ہے۔ [724]

حالیہ صدیوں میں سوگ کی نگار اور توہم پرستی کو تبدیل کرنے کے مقصد کے ساتھ ایک اور رجحان پیدا ہوا ہے۔ مرتضیٰ مطہری جیسے نقادوں نے اپنی کتاب حماسہ حسینی میں یہ بات کہی ہے کہ جنگ کربلا کچھ ذرائع سے لکھی گئی ہے، خاص طور پر روضۃ الشهداء اثر حسین واعظ کاشفی، مُحْرِقُ الْقُلُوب اثر مہدی نراقی، و اَسْرَارُ الشَّهَادَةِ اثر فاضل دربندی، جو حالیہ صدیوں محالے اور غزاداری کے لیے لکھی گئی ہیں شہید تحریف سے دوچار ہیں۔ [725]

حرم و حائر حسینی

فائل:گلدستہ حرم امام حسین.jpg

امام حسینؑ کے حرم کے گنبد پر انتقام کی نشانی کے طور پر سرخ پرچم لہرا رہا ہے۔ [726]

امام حسینؑ کے مرقد کو حائر حسینی کہا جاتا ہے اور حائر کا محدودہ کی بعض فضیلتیں اور فقہی احکام ہیں اور مسافر وہاں پر نماز پوری بھی پڑھ سکتا ہے۔ [727] حائر حسینی کی مساحت کے بارے میں چند نظریے ہیں اور کم از کم قبر سے 11 میٹر کو حائر کہا گیا ہے جو انتہائی بافضیلت ہے۔ [728]

حرم امام حسین

گزارشات کے مطابق امام حسینؑ کی قبر پر پہلی عمارت مختار ثقفی کے دور میں اس کے حکم سے تعمیر ہوئی اور اس وقت سے ابھی تک کئی بار حرم کی مرمت ہوئی ہے اور وسعت دی گئی ہے، [729] اسی طرح کئی بار بعض خلفا عباسی [730] اور وہابیوں [731] نے اس کو مسمار بھی کیا ہے۔ یہاں تک کہ متوکل عباسی نے وہاں پر کھیتی باڑی کرنے اور قبر کو زیر آب لانے کا حکم دیا۔ [732]

اہل سنت کی نظر

اہل سنت کی معتبر کتابوں میں امام حسینؑ کی فضیلت کے بارے میں بہت ساری احادیث نقل ہوئی ہیں۔ [733] فضیلت کی روایات کے علاوہ اللہ کی راہ میں امام حسینؑ کی جان اور مال کی قربانی کی وجہ سے بھی مسلمانوں کے اعتقادات آپ کی نسبت مضبوط ہو گئے ہیں۔ [734]

امام حسینؑ کے قیام کے بارے میں اہل سنت کے ہاں دو نظریات پائے جاتے ہیں ایک گروہ اس کو بے اہمیت سمجھتے ہیں جبکہ ایک اور گروہ اس کی تعریف و تجید کرتے ہیں۔ مخالفوں میں سے ایک ابوبکر ابن عربی ہے جس نے امام حسین کے قیام کو کم اہمیت سمجھتے ہوئے کہتا ہے کہ لوگوں نے (جو لوگ امت میں اختلاف پھیلاتے ہیں اس سے جنگ کرنے کے بارے میں) پیغمبر کی احادیث سن کر حسین سے لڑنے لگے۔ [735] ابن تیمیہ بھی کہتا ہے کہ حسین ابن علیؑ نہ صرف حالات کی اصلاح کے باعث نہیں بنے بلکہ شر و فساد کا باعث بنا۔ [736]

موج خون او، چمن ایجاد کرد

تا قیامت قطع استبداد کرد

خود نکردی با چنین سامان سفر

مدعایش سلطنت بودی اگر

رمز قرآن از حسین آموختیم ز آتش او شعلہ با افروختیم

ابن خلدون نے ابن عربی کی باتوں کو ٹھکراتے ہوئے کہا ہے کہ ظالم اور ستمگروں سے لڑنے کے لیے عادل امام کا ہونا شرط ہے اور حسینؑ اپنے زمانے کے عادل ترین فرد تھے اور اس جنگ کرنے کے حق دار تھے۔ [737] ایک اور جگہ فرماتے ہیں: جب یزید کا فسق سب پر آشکار ہوا تو حسین نے اس کے خلاف قیام کرنے کو اپنے پر واجب سمجھا کیونکہ خود کو اس کام کا اہل سمجھتا تھا۔ [738] آلوسی نے روح المعانی میں ابن عربی کے خلاف بد دعا کرتے ہوئے اس کی بات کو جھوٹ اور سب سے بڑا تہمت قرار دیا ہے۔ [739]

عباس محمود عقیاد اپنی کتاب «ابوالشہداء، الحسین بن علی» میں لکھتا ہے: یزید کے دور میں حالات اس منہج پر پہنچے تھے کہ شہادت کے علاوہ اس کا کوئی علاج نہیں تھا۔ [740] اور اس کا کہنا تھا کہ ایسے قیام بہت کم لوگ کی طرف سے واقع ہوتے ہیں جو اسی کام کے لیے ہی خلق ہوئے ہیں ان کی تحریک کو دوسروں کی تحریک سے مقابلہ نہیں کر سکتے ہیں کیونکہ یہ لوگ کچھ اور طرح سے سمجھتے ہیں اور کچھ اور چاہتے ہیں۔ [741] اہل سنت کے مصنف طہ حسین کا کہنا ہے کہ حسین کا بیعت نہ کرنا دشمنی اور ضد کی وجہ سے نہیں تھا۔ وہ جانتے تھے کہ اگر یزید کی بیعت کرتا تو اپنے وجدان سے خیانت کر چکا ہوتا اور دین کی مخالفت کرتا، کیونکہ یزید کی بیعت ان کی نظر میں گناہ تھا۔ [742] عمر فروخ کہتا ہے کہ ظلم کے بارے میں سکوت کرنا کسی بھی صورت میں جائز نہیں ہے اور آج کے مسلمانوں کے لیے ضرورت یہی ہے کہ ہمارے درمیان میں ایک حسینی قیام کرے اور ہمیں سیدھے راستے میں حق کی دفاع کرنے کی رہنمائی کرے۔ [743]

یزید پر امام حسینؑ کا قاتل ہونے کے ناطے لعنت کرنے کے بارے میں بھی اہل سنت دو نظریات پائے جاتے ہیں اور اہل سنت کے بہت سارے علما اس لعنت کے جواز کے قائل ہیں بلکہ یزید پر لعنت کو واجب سمجھتے ہیں۔ [744]

فائل:مسند الامام

الشہید.jpg

مسند الامام الشہید امام حسینؑ کے کلمات کا مجموعہ

امام حسین کا معنوی میراث

حدیث اور تاریخی منابع میں امام حسین کی معنوی میراث میں، کلمات، دعا، خطوط، اشعار، خطبے اور آپ کی وصیت نقل ہوئی ہے۔ یہ تمام آثار مسند الامام الشہید بقلم عزیز اللہ عطاردی اور کتاب موسوعۃ کلمات الامام الحسین میں جمع ہوئی ہیں۔

کلمات

شیعوں کے تیسرے امام کے کلمات، توحید، قرآن، اہل بیت، احکام اور اخلاق کے موضوع پر اسلامی منابع میں ذکر ہوئے ہیں۔ [745] ان کلمات میں سے اکثر آپ کی عمر کے آخری مہینے سے مربوط ہیں۔ سانچہ:مدرک

دعائیں: مسند الامام الشہید نامی کتاب میں تقریباً 20 دعائیں اور مناجاتیں نقل ہوئی ہیں۔ ان میں سے مشہور دعا، دعاے عرفہ ہے کہ جسے عرفہ کے دن صحراے عرفات میں پڑھ لیا ہے۔ [746]

منسوب اشعار: امام حسینؑ سے بعض اشعار منسوب ہیں۔ محمد صادق کرباسی، ان اشعار کو «دیوان الامام الحسین» نامی کتاب میں جمع کیا ہے اور ان کی سند اور ادبی لحاظ سے تحقیق کی ہے۔ [747]

خطبے اور وصیتیں: بعض منابع میں، منی میں امام حسین کا خطبہ، [748] عاشورا کے دن امام حسین کا خطبہ [749] اور اپنے بھائی محمد حنفیہ کے نام مکتوب وصیت نامہ جس میں اپنے قیام کا ہدف بیان کیا ہے، [750] ذکر ہوئے ہیں

خطوط: مکتیب الامۃ نامی کتاب میں امام حسینؑ کے 27 خطوط جمع ہوئے ہیں۔ [751] ان میں سے بعض خطوط معاویہ کے نام اور بعض دیگر خطوط دوسرے افراد کے نام مختلف موضوعات کے بارے میں لکھا ہے۔

یادگاری

شیعوں محرم کے دوران میں سوگ مناتے ہیں کہ وہ حسین کو یاد کرتے ہیں جن کی قربانیوں نے حقیقی اسلام کو زندہ رکھا اور امامت سے اپنی وفاداری اور محبت کا اظہار کیا۔ بہت سارے مسیحی اور سنی بھی ان میں شامل ہوتے ہیں۔ [758]

عاشورہ کو شیعہ برادری کی طرف سے حسین کی موت کے سوگ کے دن کے طور پر منایا جاتا ہے۔ حسین کی یاد ایک قومی تعطیل بن چکی ہے اور مختلف نسلی اور مذہبی طبقات اس میں شریک ہیں۔ شیعوں کے لیے زیارت کی جگہ حسین کی قبر بن گئی۔ کہا جاتا ہے کہ کربلا میں حسین کے مزار کی زیارت کے لیے مکہ مکرمہ میں ایک ہزار حج، ایک ہزار شہداء اور ایک ہزار دن کے روزوں کے اجر کے برابر اجر ہے۔ [759] شیعوں کے پاس حسین کے بارے میں ایک اہم کتاب ہے جسے زیارت عاشورا کہتے ہیں۔ ان میں سے بیشتر کا خیال ہے کہ یہ ایک

بعض مشہور کلمات:

- اگر تمہارا کوئی دین نہیں اور قیامت سے نہیں ڈرتے ہو تو اس دنیا میں کم از کم آزاد رہو۔^[752]
- لوگ دنیا کے غلام ہیں اور اپنی دنیاوی زندگی کو بہتر بنانے کے لیے اپنی زبانوں پر دین کا ورد کرتے رہتے ہیں۔ اور جب آزمائش میں ڈالے جائیں تو دیندار لوگ بہت کم ہوں گے۔^[753]
- لوگوں کی تم سے احتیاجات اللہ کی تم پر نعمت ہیں؛ نعمتوں سے تھکن اور مغموم مت ہونا کہیں وہ بلا میں تبدیل نہ ہوجائے۔^[754]
- ذلت کی زندگی سے عزت کی موت بہتر ہے۔^[755]
- میں ظلم اور فساد پھیلانے کے لیے نہیں بلکہ اپنے نانا کی امت کی اصلاح کے لیے قیام کرچکا ہوں؛ میں امر بمعروف اور نہی عن المنکر کرنا چاہتا ہوں۔^[756]
- جو شخص اللہ کی نافرمانی سے کسی چیز کو حاصل کرنا چاہتا ہو تو جس چیز کی امید ہے اس کے حصول سے کہیں زیادہ جلدی میں اس چیز کو کھو بیٹھتا ہے اور جس چیز سے گھبرا رہا ہے اس میں گرفتار ہوتا ہے۔^[757]

فائل:دانشنامه امام حسین.jpeg

دانشنامه امام حسین امام حسینؑ کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کے بارے میں پانچ سو سے زیادہ تاریخی، فقہی، تفسیری اور کلامی کتابوں کی طرف رجوع کیا گیا ہے۔

حدیث قدسی (خدا کا کلام) ہے۔^{[760][761]} بعد میں کربلا میں امام حسین کا مزار ان کی قبر کے اوپر تعمیر کیا گیا تھا۔ 850 میں، عباسی خلیفہ المتوکیل نے شیعہ رائزین کو روکنے کے لیے اپنا مزار تباہ کر دیا۔ تاہم، زیارت جاری رہی۔^[762]

ثقافت میں

مورخ ایڈورڈ گبون نے کربلا کے واقعات کو ایک المیہ قرار دیا^[763]۔^[764] مورخ سید اکبر حیدر کے مطابق، مہاتما گاندھی نے اسلام کی تاریخی پیشرفت کو فوجی قوت کی بجائے "حسین جیسے مسلم سنتوں کی قربانیوں" سے منسوب کیا۔^[765]

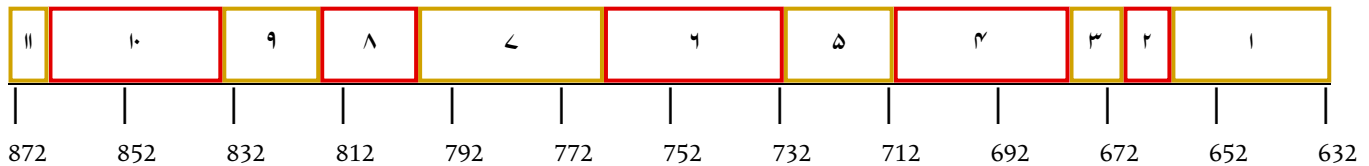
روایتی روایت "ہر روز عاشورہ ہے اور ہر سرزمین کربلا ہے!" شیعوں کے ذریعہ اپنی زندگی گزارنے کے لیے ایک منتر کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے جیسا کہ حسین نے عاشورا پر کیا تھا، یعنی خدا اور دوسروں کے لیے مکمل قربانی کے ساتھ۔ اس قول کا ارادہ اس مقصد سے بھی ہے کہ کربلا میں عاشورہ پر جو کچھ ہوا اسے ہمیشہ ہر جگہ مصائب کے حصے کے طور پر یاد رکھنا چاہیے۔

جدید تحریکوں کو متاثر کرنے والا

حسین کی کہانی شیعہ انقلابی تحریکوں کے لیے ایک مستحکم ذریعہ رہی ہے، جس نے غیر منصفانہ اقتدار کے خلاف اپنی ہی مزاحمت کو جواز پیش کیا۔ پہلوی خاندان کے خلاف ایران میں 1979 میں ہونے والے اسلامی انقلاب کے دوران میں، شیعہ عتقاد اور علامتیں حسین کی کہانی کو پہلوی شاہ کے خلاف برائی کا نام دینے اور اس کا رد عمل ظاہر کرنے کا ایک فریم ورک فراہم کرنے کے ساتھ وسیع پیمانے پر عوامی مزاحمت کو فروغ دینے اور برقرار رکھنے میں مددگار ثابت ہوئی تھیں۔^[766]



ایران کے شہروں اور دیہاتوں میں محرم کا سوگ



سال عیسوی

2014	1900	1786	1672	1558	1444	1330	1216	1102	988	874
سال عیسوی										

- (۱) علی بن ابی طالب، از ۶۳۲ تا ۶۶۱ (۲۹ سال)
- (۲) حسن مجتبیٰ، از ۶۶۱ تا ۶۷۰ (۹ سال)
- (۳) حسین بن علی، از ۶۷۰ تا ۶۸۰ (۱۰ سال)
- (۴) زین العابدین، از ۶۸۰ تا ۷۱۳ (۳۲ سال)
- (۵) محمد باقر، از ۷۱۳ تا ۷۳۲ (۲۰ سال)
- (۶) جعفر صادق، از ۷۳۲ تا ۷۶۵ (۳۳ سال)
- (۷) موسی کاظم، از ۷۶۵ تا ۷۹۹ (۳۴ سال)
- (۸) علی بن موسی الرضا، از ۷۹۹ تا ۸۱۷ (۱۸ سال)
- (۹) محمد تقی، از ۸۱۷ تا ۸۳۵ (۱۸ سال)
- (۱۰) علی النقی، از ۸۳۵ تا ۸۶۸ (۳۳ سال)
- (۱۱) حسن عسکری، از ۸۶۷ تا ۸۷۴ (۷ سال)
- (۱۲) حجت بن الحسن، از ۸۷۴ تا زمان حال (تاکون فائل: SAN.PNG)

تفصیل:

- یہ سانچہ "شیعہ فکر" پر مبنی ہے۔
- شیعہ فکر میں ، پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی وفات کے بعد "علی ابن ابی طالب" کی امامت اور الہی خلافت کا دور شروع ہوا ہے۔ مسلمانوں پر ان کا اقتدار عثمان بن عفان کے قتل کے بعد شروع ہوا۔
- ہر ایک امام کے امامت کا آغاز پچھلے امام کی وفات سے مطابقت رکھتا ہے۔
- "حجت ابن حسن" کی امامت کا دور اپنے سابقہ امام کی وفات کے لمحے سے شروع ہوا ہے ، اور اس لئے کہ "بارہ ائمہ اہل تشیع" کے مطابق وہ زندہ اور نظریہ سے پوشیدہ ہے ، لہذا حجت ابن حسن کی امامت ان کی آمد تک اور پھر یہ جاری رہتا ہے یہاں تک کہ وہ مر جاتا ہے۔
- پہلی قطار میں چارٹ کا پیمانہ دوسری صف کے پیمانے جیسا نہیں ہے (حجت المہدی سے متعلق)۔

غیر مسلموں کی نظر میں

- چلی کے مصنف و ناولسٹ رابرٹ بولانوز نے کہا ہے کہ امام حسین کو شہید کرنا بنو امیہ کی سب سے بڑی سیاسی غلطی تھی جو ان کی ہر چیز کو نظر انداز کرنے پہ مجبور کر گئی بلکہ ان کے نام و نشان اور ہر چیز پر پانی پھیر گئی (Roberto Bolano Avalos 1953–2003)
- معروف برطانوی ادیبہ فریا اسٹارک کئی کتابوں کی مصنف ہے، فریا نے 1934 میں عراق کے بارے میں ایک سفر نامہ the valley of assassin بھی لکھا ہے، فریا کہتی ہے کہ امام حسین نے جہاں خیمہ لگائے وہاں دشمنوں نے ان کا محاصرہ کر لیا اور پانی بند کر دیا، یہ کہانی آج بھی اتنی ہی دلگیر ہے جتنی 1275 سال پہلے تھی، میرا کہنا ہے آپ کربلا کی سرزمین کا سفر کرنے سے اس وقت تک کوئی نفع حاصل نہیں کرسکتے جب تک کہ آپ کو

اس کہانی کا پتا نہ ہو، یہ ان چند کہانیوں میں سے ایک ہے جسے میں روئے بغیر کبھی نہ پڑھ سکی، فریا سٹارک (Freya Stark 1893–1993)

■ مشہور انگریزی ناولسٹ چارلس ڈکنز نے کہا تھا اگر امام حسینؑ کی جنگ مال و متاع اور اقتدار کے لیے تھی تو پھر میں یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ خواتین اور بچے ان کے ساتھ کیوں گئے تھے، بلاشبہ وہ ایک مقصد کے لیے ہی کھرے تھے اور ان کی قربانی خالصتاً اسلام کے لیے تھی، چارلس کا دور تھا (Charles John Huffam Dickens 1812–1870)

■ کیمبرج یونیورسٹی میں عربی کے پروفیسر ایڈورڈ جی براؤن کے حوالے سے "لٹریری ہسٹری آف پرشیا" میں لکھا ہے، کربلا کا خون آلود میدان یاد دلاتا ہے کہ وہاں خدا کے پیغمبر ﷺ کا نواسہ اس حال میں شہید کیا گیا کہ بھوک و پیاس کا عالم تھا اور اس کے ارد گرد لواحقین کی لاشیں بکھری پڑی تھیں، یہ بات گہرے جذبات اور دلدوز صدمے کی باعث ہے جہاں درد، خطرہ اور موت تینوں چیزیں ایک ساتھ رونما ہو رہی ہوں۔ (Literary History of Persia by Edward Granville Brown, 1862–1926)

■ چیسٹر کے ادبی اسکالر رینالڈ نکلسن نے تاریخ اسلام، مولانا رومیؒ اور علی ہجویریؒ پر بھی کام کیا ہے، ان کے حوالے سے "لٹریری ہسٹری آف عرب" میں ہے جس طرح امام حسینؑ کے ساتھی ان کے ارد گرد کٹ گئے بلاخر امام حسین بھی شہید ہو گئے، یہ بنو امیہ کا وہ تلخ کردار ہے جس پر مسلمانوں کی تاریخ امام حسینؑ کو شہید اور یزید کو ان کا قاتل گردانتی ہے۔ (Reynold Alleyne Nicholson 1868–1945)

■ لبنان کے مسیحی مصنف انتونی بارا نے اپنی کتاب "حسین ان کرسچن آئیڈیالوجی" میں لکھا ہے کہ، جدید و قدیم دنیا کی تاریخ میں کوئی جنگ ایسی نہیں جس نے اتنی ہمدردی اور پزیرائی حاصل کی ہو، صرف یہی نہیں بلکہ معرکہ کربلا سے امام حسین کی باوقار شہادت کے علاوہ بھی دیکھنے والے کو بہت سے اہم اسباق ملتے ہیں۔ (Antoine Bara-2008)

■ تھامس کارلائل نے کہا کہ واقعہ کربلا نے حق و باطل کے معاملے میں عددی برتری کی اہمیت کو ختم کر دیا ہے۔ معرکہ کربلا کا اہم ترین درس یہ ہے کہ امام حسینؑ اور ان کے رفقا خدا کے سچے پیروکار تھے، قلیل ہونے کے باوجود حسینؑ کی فتح مجھے متاثر کرتی ہے۔ (Thomas Carlyle 1795–1881)

■ فرانس کے معروف ادیب، ناولسٹ وکٹر ہوگو نے لکھا ہے کہ امام حسینؑ کے انقلابی اصول ہر اس باغی کے لیے مشعل راہ ہیں جو کسی غاصب سے حقوق حاصل کرنے کے لیے کوشاں ہے۔ (Victor Marie Hugo 1802–1885)

■ روس کے معروف مفکر اور ادیب ٹالسٹائی نے کہا ہے، امام حسینؑ ان تمام انقلابیوں میں ممتاز ہیں جو گمراہ حاکموں سے گڈگوورنمنس کا تقاضا کرتے تھے، اسی راہ میں انہیں شہادت حاصل ہوئی۔ (Leo Tolstoy 1828–1910)

■ عصری جاپان کے مصنف کوئیانہ نے اپنی ایک تحریر میں لکھا ہے کہ امام حسینؑ کا انقلاب پسے ہوئے طبقے کے لیے جدوجہد کا راستہ روشن کرتا ہے، سوچ کو توانائی دیتا ہے، گمراہی سے نکالتا ہے اور حصول انصاف کے سیدھے راستے پر ڈال دیتا ہے، (نومبر 2013)

■ برطانیہ کے اسکاٹش ادبی اسکالر سر ولیم میور کہتے ہیں، سانحہ کربلا نے تاریخ محمد ﷺ میں خلافت کے خاتمے کے بعد بھی اسلام کو انسانی ذہنوں میں زندہ رکھا ہے، واقعہ کربلا نے نہ صرف استبدادی خلافت کی تقدیر کا فیصلہ کر دیا بلکہ محمدی ریاست کا اصول و معیار بھی متعین کر دیا جو ابتدائی خلافتوں کے بعد کہیں کھو گیا تھا۔ (Sir William Muir 1819–1905 Annals of the Early Caliphate, London, 1883)

■ مغربی محقق، تاریخ دان اور نیویارک یونیورسٹی کے پروفیسر پیٹر جے چیلکووسکی کہتے ہیں، امام حسینؑ پر مکہ سے کربلا تک کئی بار چھپ کر حملہ کیا گیا، ان کے خاندان اور اصحاب پر بھوک پیاس کا ظلم اور شہادت کے بعد ان کے جسموں کو پامال کیا گیا لیکن حسینؑ نے صبر سے جان بحق نوش کیا پر یزید کی بیعت نہ کی۔ (Peter J Chelkowski, phd in 1968)

■ تاریخی محقق اور ممبر برطانوی پارلیمنٹ ایڈورڈ گیبن نے "دی فال آف رومن ایمپائر" میں واقعہ کربلا کو انتہائی دلسوز قرار دیتے ہوئے کہا کہ امام حسینؑ کی مظلومانہ شہادت اور کربلا کے دلخراش واقعات ایک سرد دل انسان کی آنکھوں میں بھی آنسو اور دلوں میں ہمدردی پیدا کردیتے ہیں۔ (Edward Gibbon 1737–1794)

■ ہنگری کے مصنف گیورجی لیوکیکس کہتے ہیں، حسینؑ کا تصور مرکزی طور پر انسان کی فری ول، شخصی آزادی اور اپنی قوم کی خوش حالی کے لیے استبدادی حاکم کے سامنے کھڑے ہونے پر فوکس کرتا ہے اور حسینؑ نے اپنی

پوری قوت اور عزم کے ساتھ اس استبداد کو فیس بھی کیا، لوکیکس مارکسی فلاسفر تھے اور مغربی مارکسزم کے بانیوں میں سے بھی تھے۔ (Gyorgy Lukacs 1885–1971)

- روسی مفکر اوگیرا کا کہنا ہے کہ حسینؑ ہر اس طبقے کے لیے مثال ہیں جو طبقاتی جبر کا شکار ہے، وہ حکمران جو اپنا تخت مفلوک الحالوں کے سروں سے تعمیر کرتے ہیں پھر ان کے جانشین بھی یہی کچھ کرتے ہیں جب تک کہ ان کا احتساب نہ کر دیا جائے وہ دوسروں کا استحصال کرتے رہتے ہیں۔
- انگلش رائٹر تھامس لیل نے اپنی کتاب Insights Iraq میں لکھا ہے کہ امام حسین کے عقیدتمند ایسے دیوانے ہیں کہ اگر انہیں صحیح رخ میں گائیڈ کیا جائے تو یہ دنیا ہلا کے رکھ سکتے ہیں، تھامس 1918–1921 میں سرکاری طور پر عراق میں تعینات تھا اور یہ بات اس نے شہدا کربلا کے گرد عزاداری دیکھ کر کہی تھی۔
- وولف انسٹی ٹیوٹ کیمبرج کے بانی ڈائریکٹر، ڈاکٹر ایڈورڈ کیسلر نے اپنے ایک لیکچر میں کہا ہے کہ موجودہ دنیا کی ملٹی فیس سوسائٹیز میں سب سے بڑا مسئلہ سوشل جسٹس کا ہے اور سوشل جسٹس حاصل کرنے کے لیے امام حسینؑ بہترین رول ماڈل ہیں۔^[767]
- سٹی سکھ پروگریسیو آرگنائزیشن لندن کے بانی ممبر جسویر سنگھ نے کہا ہے کہ قطع نظر اس کے کہ ہم کس کمیونٹی سے تعلق رکھتے ہیں ہم امام حسین سے بہت کچھ سیکھ سکتے ہیں، خاص طور پر عزت اور وقار کے ساتھ جینے کا ڈھنگ، امام حسینؑ عدل کے لیے کھڑے تھے انہوں نے جس بات کو حق سمجھا اس کے لیے اپنی جان بھی دے دی۔^[768]
- انٹرفیٹھ گروپ کی ایکٹیوسٹ و ریسرچر ڈائنا ملزن نے کہا ہے کہ امام حسینؑ نوع انسان کے لیے رول ماڈل ہیں، میرے لیے امام حسینؑ کئی جہتوں سے مسیح علیہ السلام کے متوازی نظر آتے ہیں، خدا کے حکم پر پورا اترنے کی خاطر انہوں نے بھی ہر چیز کو بالائے طاق رکھ دیا تھا، امام حسینؑ کی یہ بات مجھے بہت بیحد پسند ہے کہ تم میری جان تولے سکتے ہو لیکن میرا ایمان نہیں لے سکتے (You can take my body but you can't take my faith)۔ (یوٹیوب، ایمبیسڈر آف فیتھس، 10 اکتوبر 2016)
- کرسچین استاد ڈاکٹر کرس بیور نے اپنے ایک لیکچر میں کہا ہے کہ دنیا جانتی ہے یزید ایک برا انسان تھا جو خدا کے احکامات کا سرعام مذاق اڑاتا تھا، یہاں میں پیغمبر اسلام ﷺ کی حدیث بیان کروں گا کہ جابر سلطان کے سامنے کلمہ حق کہنا جہاد ہے، یہی بات امام حسینؑ کے پیش نظر تھی، اسی لیے حسینؑ کھڑے ہوئے اور اپنی جان قربان کر کے دراصل انسان کی عظمت کو بحال کیا۔ (یوٹیوب ویڈیو لیکچر 08 نومبر 2014)
- ڈاکٹر کرس بیور نے ایک دوسرے لیکچر میں کہا کہ 72 اور تیس ہزار کا کیا مقابلہ؟ ایک طرف تیس ہزار کی مسلح فوج اپنے اہداف حاصل نہ کرسکی اور دوسری طرف امام حسینؑ نے 72 نہتے لوگوں کیساتھ اپنا مقصد حاصل کر لیا وجہ یہ کہ امام حسینؑ وہ ہیں جن کے اندر خدا بولتا ہے، خدا انسانوں کو سمجھانا چاہتا تھا کہ حق بات پر کیسے کھڑے ہونا ہے، ایک مسیحی ہونے کی حیثیت میں سمجھتا ہوں انسان کو خدا کی رضا پر ایسے ہی پورا اترنا چاہیے جیسے امام حسینؑ نے نیابت خداوندی کا حق ادا کیا۔ (یوٹیوب ویڈیو لیکچر 24 نومبر 2014)
- مہاتما گاندھی نے کہا تھا، میرا یہ ماننا ہے کہ اسلام کا پہلنا پھولنا تلوار سے نہیں بلکہ ولی خدا امام حسینؑ ابن علیؑ کی قربانی کا نتیجہ ہے، دوسری جگہ کہا، اگر میرے پاس امام حسین کے ساتھیوں جیسے بہتر لوگ موجود ہوں تو میں چوبیس گھنٹے میں ہندوستان آزاد کرا لوں، ایک اور جگہ کہا اگر ہندوستان کو آگے بڑھنا ہے تو امام حسین کے نقش قدم پر چلنا ہوگا۔
- پنڈت جواہر لعل نہرو نے کہا تھا، امام حسین کی قربانی کسی ایک قوم کی نہیں بلکہ سب کے لیے ہے یہ صراطِ مستقیم کی اعلیٰ ترین مثال ہے، (1964–1889)
- بنگالی مصنف رابندر ناتھ ٹیگور نے کہا، سچ اور انصاف کو زندہ رکھنے کے لیے فوجوں اور ہتھیاروں کی ضرورت نہیں، قربانیاں دے کر بھی فتح حاصل کی جا سکتی ہے جیسے امام حسینؑ نے کربلا میں قربانی دی، بلاشبہ امام حسین انسانیت کے لیڈر ہیں۔ (1941–1861)
- بھارت کے پہلے صدر ڈاکٹر راجندر پراساد بیدی نے کہا تھا، امام حسینؑ کی قربانی کسی ایک ریاست یا قوم تک محدود نہیں بلکہ یہ بنی نوع انسان کی عظیم میراث ہے، (1963–1884)
- مسز سروجنی نائیڈونے کہا ہے کہ میں مسلمانوں کو اس لیے مبارکباد پیش کرنا چاہتی ہوں کہ ان میں دنیا کی سب سے عظیم ہستی امام حسینؑ پیدا ہوئے جو دنیا کے تمام مذاہب کے لوگوں کے دلوں پر راج کرتے ہیں اور ہر کمیونٹی کے لیے باعث فخر ہیں۔

- سوامی شنکر اچاریہ نے کہا یہ امام حسینؑ کی قربانیوں کا نتیجہ ہے کہ آج اسلام زندہ ہے ورنہ آج دنیا میں اسلام کا نام لینے والا کوئی نہ ہوتا۔
- ڈاکٹر رادھا کرشن بھارتی صدر نے کہا تھا، گو امام حسینؑ نے تیرہ سو سال پہلے قربانی دی لیکن ان کی لافانی روح آج بھی سب کے دلوں میں زندہ ہے۔
- نیلسن منڈیلا نے کہا، میں نے بیس سال جیل میں گزارے ہیں، ایک رات میں نے فیصلہ کیا کہ تمام شرائط پر دستخط کر کے رہائی پالینی چاہیے لیکن پھر مجھے امام حسینؑ اور واقعہ کربلا یاد آگیا اور مجھے اپنے اسٹینڈ پر کھڑا رہنے کے لیے پھر سے تقویت مل گئی۔
- لبنان کے مسیحی مصنف انتونی بارا کی کتاب "حسین ان کرسچنین آئیڈیالوجی" ہلاک بسٹر کتاب ہے جس کا مختلف زبانوں میں ترجمہ کرنے کے لیے دیگر ملکوں کے ادیب بھی مصنف سے اجازت لینے کے لیے کوشاں ہیں۔ انتونی بارا کہتا ہے کہ یہ کتاب خالصتاً علمی ادبی اور تحقیقی کام تھا جسے علمی بنیادوں پر ہی کرنا تھا لیکن اس کام کے دوران میرے دل میں یقیناً امام حسینؑ کی عظمت رچ بس گئی ہے، تین گھنٹے کے انٹرویو میں جب بھی بارا نے امام حسینؑ کا نام لیا تو ساتھ میں "ان پر سلامتی ہو" ضرور کہا، بارا کا کہنا ہے کہ میں نہیں مانتا امام حسینؑ صرف شیعہ یا مسلمانوں کے امام ہیں، میرا ماننا ہے کہ وہ تمام عالم کے امام ہیں کیونکہ وہ سب مذاہب کا ضمیر ہیں، ("because he is the "conscience of religions")۔^[769]

متعلقہ مضامین

- واقعہ کربلا
- مقتل الحسین
- پاکستان میں شیعیت
- عاشورہ
- عظیم ترین پر امن اجتماعات
- حائر حسینی
- واقعہ کربلا کے اعداد و شمار
- واقعہ عاشورا کا خط الوقت
- حسینی عزیمت، مدینہ سے کربلا تک
- محرم الحرام کے واقعات
- اہل بیت
- تاسوعہ
- عاشورہ
- عباس
- زینب سلام اللہ علیہا
- فہرست شہدائے کربلا
- حبیب بن مظاہر
- چہلم حسینی
- زیارت اربعین
- کربلا
- ماتم
- ماتمی دستہ
- محرم کی عزاداری

- حدیث عزاداری
- محرم الحرام کا مہینہ اور اہم واقعات
- زیارت اربعین
- ذوالجناح
- حسینی براہمن
- تلہ الزینبیہ

حوالہ جات

1. al-Husayn ibn 'Alī // Britannica (<https://www.britannica.com/biography/al-Husayn-ibn-Ali-Muslim-I-leader-and-martyr>)
2. عنوان : Али Зайн аль-Абидин
3. مصنف: فرانس کا قومی کتب خانہ — عنوان : اوپن ڈیٹا پلیٹ فارم — بی این ایف - آئی ڈی: <https://catalogu.e.bnf.fr/ark:/12148/cb14583092f> — اخذ شدہ بتاریخ: 10 اکتوبر 2015
4. الترمذی (3775) وابن ماجہ (144) وأحمد (17111)
5. Wilferd Madelung. "HOSAYN B. ALI". Iranica. 30-09-2012 کو اصل سے آرکائیو کیا گیا۔ اخذ شدہ بتاریخ 12-01-2008
6. Dakake 2008.
7. "Husayn ibn Ali | Biography, Death, & Significance". Encyclopedia Britannica. Archived from the original on 2020-03-02. Retrieved 2019-11-12.
8. Gordon, 2005, pp. 144–146
9. Vincent J. Cornell؛ Kamran Scot Aghaie (2007). *Voices of Islam*. Westport, Conn.: Praeger Publishers. ص 117 and 118. ISBN 0-275-98732-9. اخذ شدہ بتاریخ 04-11-2014
10. Chase F Robinson (2010). *The rise of Islam, 600–705*. Cambridge: Cambridge University Press. ص 215. ISBN 0-521-83823-8. 17-11-2015 کو اصل سے آرکائیو کیا گیا۔ اخذ شدہ بتاریخ 23-04-2020
11. Rameez Makhdoomi. "Imam Hussain (as) in the light of renowned personalities". News Kashmir Magazine. 24-10-2018 کو اصل سے آرکائیو کیا گیا۔ اخذ شدہ بتاریخ 23-10-2018
12. "ولادت با سعادت". 18-10-2016 کو اصل سے آرکائیو کیا گیا۔ اخذ شدہ بتاریخ 29-10-2016
13. Present in both Sunni and Shia sources on basis of the hadith: "al-Hasan and al-Husayn are the s of the youth of Paradise".
14. Kanz-ol-Ommal. Jalayeddin Suyyuti. ص 152:6
15. "Archived copy". 25-04-2019 کو اصل سے آرکائیو کیا گیا۔ اخذ شدہ بتاریخ 23-04-2020
16. Robinson, The New Cambridge History of Islam, 188-189
17. Madelung, Succession to Muhammad, 23
18. Veccia Vaglieri, EI2
19. Holt, Lambton and Lewis, Cambridge History of Islam, 57
20. Madelung, Succession to Muhammad, 356–60, 30–43 and 26–27
21. Holt, Lambton and Lewis, Cambridge History of Islam, 57

- 26–27, 30–43 and 356–60 ,Madelung, Succession to Muhammad .22
- 194 ,Robinson, The New Cambridge History of Islam .23
- 57-58 ,Holt, Lambton and Lewis, Cambridge History of Islam .24
- xxiii ,Robinson, The New Cambridge History of Islam .25
- 70–72 ,Madelung, Succession to Muhammad .26
- 87–88 ,Madelung, Succession to Muhammad .27
- Hinds, EI2 .28
- 74-76 ,Holt, Lambton and Lewis, Cambridge History of Islam .29
- 334 ,Madelung, Succession to Muhammad .30
- Madelung, Iranica .31
- Veccia Vaglieri, EI2 .32
- 215-217 ,Robinson, The New Cambridge History of Islam .33
- Poonawala and Kohlberg, "‘Alī b. Abī Ṭāleb", Iranica .34
- Welch, "Muḥammad", EI2 .35
- Veccia Vaglieri, "‘Alī b. Abī Ṭālib", EI2 .36
- Madelung, Succession to Muhammad .37
- The Men of Madina, Volume 2 .Aisha Bewley (2000) :Muḥammad Ibn Sa'd .38
 {{کتاب}}: نامعلوم پیرامیٹر |مصنف-1=link رد کیا گیا (معاونت) و پیرامیٹر |حوالہ=harv درست نہیں (معاونت)
- The Most Learned of the Shi'a: The Institution of the Marja' .Linda S. Walbridge (2001) .39
 Taqlid .102 ص 978-0-19-534393-9:ISBN {{حوالہ کتاب}}: پیرامیٹر |حوالہ=harv درست نہیں (معاونت)
- Francis E. Peters (1994) .Muhammad and the Origins of Islam .SUNY Press .101 ص 05-2018-03 کو اصل سے آرکائیو کیا گیا۔ اخذ شدہ بتاریخ 23-04-2020 {{حوالہ کتاب}}: پیرامیٹر |حوالہ=harv درست نہیں (معاونت)
- (Ibn Sa'd & Bewley 1995, p. 9) .41
- The Women of Madina .Aisha Bewley (1995) :Muḥammad Ibn Sa'd .42
 {{کتاب}}: نامعلوم پیرامیٹر |مصنف-1=link رد کیا گیا (معاونت) و پیرامیٹر |حوالہ=harv درست نہیں (معاونت)
- Consanguinity – Its Impact, Consequences and .Gabrielle J. Halpern (2014) :Lutfi A. Jaber .43
 Management .7 ص 978-1-60805-888-4:ISBN {{حوالہ کتاب}}: پیرامیٹر |حوالہ=harv درست نہیں (معاونت)
- Muhammad :Abdul Rahman Abdullah :Şafī al-Raḥmān Mubārakfūrī :Akbar Shah Najeebabadi .44
 The History of Islam, Volume I .Tahir Salafi (2001) .427 ص {{حوالہ کتاب}}: نامعلوم پیرامیٹر |مصنف-2=link رد کیا گیا (معاونت) و پیرامیٹر |حوالہ=harv درست نہیں (معاونت)
- حاج منوچہری، حسین (ع)، امام، دائرۃالمعارف بزرگ اسلامی، 665 .45
- Veccia Vaglieri, Ḥusayn b. 'Alī b. Abī Ṭālib, EI2 .46
- عمادی حائری، حسین بن علی، امام، دانشنامۂ جهان اسلام .47
- حاج منوچہری، حسین (ع)، امام، دائرۃالمعارف بزرگ اسلامی، 665 .48
- ابن شہر آشوب، المناقب، 1379ق، ج3، ص397؛ اربلی، ابن سعد، الطبقات الکبری، ج10، ص244. .49

50. شیخ مفید، الارشاد، 1413ق، ج2، ص27؛ احمد ابن حنبل، المسند، دارصادر، ج1، ص98، 118.
51. ابن سعد، الطبقات الكبرى، 1968م، ج6، ص357؛ ابن اثیر، اسدالغابہ، بیروت، ج2، ص10.
52. ابن منظور، لسان العرب، 1414ق، ج4، ص393؛ زبیدی، تاج العروس، 1414ق، ج7، ص4.
53. ابن عساکر، تاریخ مدینۃ دمشق، 1415ق، ج13، ص171.
54. ابن سعد، الطبقات الكبرى، 1418ق، ج10، ص239-244؛ مجلسی، بحار الأنوار، 1363ش، ج39، ص63.
55. ری شہری، دانشنامہ امام حسین، 1388، ج1، ص194-195.
56. شیخ مفید، الارشاد، 1414ق، ج2، ص27.
57. شیخ مفید، الارشاد، 1413ق، ج2، ص27؛ ابن ابی شیبہ، المصنّف، 1409ق، ج8، ص65؛ ابن قتیبہ، المعارف، 1960م، ج1، ص213.
58. محدثی، فرہنگ عاشورا، 1380ش، ص39.
59. ابن ابی الثلج، تاریخ الائمہ، 1406ق، ص28؛ ابن طلحہ شافعی، مطالب السؤل، 1402ق، ج2، ص374؛ القاب کی فہرست کے لیے مراجعہ کریں: ابن شہر آشوب، مناقب آل ابی طالب، 1385ش، ج4، ص86.
60. ابن شہر آشوب، مناقب آل ابی طالب، 1385ش، ج4، ص86.
61. مراجعہ کریں: جمہیری، قرب الاسناد، 1413ق، ص100.99؛ ابن قولویہ، کامل الزیارات، 1417ق، ص219.216؛ شیخ طوسی، امالی، 1414ق، ص49.50.
62. ابن قولویہ، کامل الزیارات، 1356، ص176.
63. بلاذری، انساب الاشراف، 1417ق، ج3، ص142؛ شیخ مفید، الارشاد، 1413ق، ج2، ص127؛ مقریزی، امتاع الأسماع، 1420ق، ج6، ص19.
64. ری شہری، دانشنامہ امام حسین، 1388ش، ج1، ص474-477.
65. عمادی حائری، حسین بن علی، امام، دانشنامۂ جہان اسلام
66. محدثی، فرہنگ عاشورا
67. بیضاوی، تحفۃ الأبرار، 3: 561
68. عمادی حائری، حسین بن علی، امام، دانشنامۂ جہان اسلام
69. Madelung, Hosayn b. 'Ali i. Life. Iranica
70. زمانی قمشہای، پژوهشی در تاریخ عاشورا، تاریخ اسلام در آئینہ پژوهش
71. عمادی حائری، حسین بن علی، امام، دانشنامۂ جہان اسلام
72. عمادی حائری، حسین بن علی، امام، دانشنامۂ جہان اسلام
73. Veccia Vaglieri, Husayn b. 'Alī b. Abī Ṭālib, EI2
74. عمادی حائری، حسین بن علی، امام، دانشنامۂ جہان اسلام
75. Haider, "al-Husayn b. 'Alī b. Abī Ṭālib", EI3
76. عمادی حائری، حسین بن علی، امام، دانشنامۂ جہان اسلام
77. Madelung, "Hosayn b. 'Ali i. Life", Iranica
78. New York, NY: The Islamic Al-Kafi Volume 1. Abu Ja'far Thiqatu Al-Islam (2015) 2nd ایڈیشن. - Seminary. ص468
79. Jasim al- Baqir Sharif al-Qarashi (2005). The Life of Imam Musa bin Ja'far al-Kazim. ترجمہ از - Rasheed (1st ایڈیشن). قم، ایران: Ansariyan Publications. ص98. ISBN 978-9644386398
80. L. Veccia Vaglieri, (al-) Husayn b. 'Alī b. Abī Ṭālib, Encyclopedia of Islam
81. Madelung (1997), pp. 14–16.
82. ۱۰۸ سنن الترمذی، أبواب المناقب، باب مناقب أبی محمد الحسن بن علی، ج6، ص: 122 (
83. ۱۰۸ سنن الترمذی، أبواب المناقب، باب مناقب أبی محمد الحسن بن علی، ج6، ص: 123 (

84. ^ا ^ب سنن النسائي، كتاب الفضائل، مناقب الحسن والحسين، ج:7، ص:317
85. ^ا ^ب Moojan Momen (1985) *An Introduction to Shi'i Islam*. Yale University Press. ص 14، 26، 27. ISBN 0-300-03531-5
86. Madelung 1997.
87. Madelung 1997.
88. حاج منوچهری، حسین (ع)، امام، دائرةالمعارف بزرگ اسلامی
89. عمادی حائری، حسین بن علی، امام، دانشنامه جهان اسلام
90. عمادی حائری، حسین بن علی، امام، دانشنامه جهان اسلام
91. حاج منوچهری، حسین (ع)، امام، دائرةالمعارف بزرگ اسلامی
92. پیشوایی، تاریخ قیام و مقتل
93. عمادی حائری، حسین بن علی، امام، دانشنامه جهان اسلام
94. حاج منوچهری، حسین (ع)، امام، دائرةالمعارف بزرگ اسلامی
95. Madelung, Hosayn b. 'Ali i. Life. Iranica
96. عمادی حائری، حسین بن علی، امام، دانشنامه جهان اسلام
97. ری شهری، دانشنامه امام حسین، 1388 ش، ج 2، ص 324.
98. ری شهری، دانشنامه امام حسین، 1388 ش، ج 2، ص 325.
99. دینوری، ابن قتیبہ؛ الامامہ و السياسہ، ج 1، ص 29-30؛ طبرسی، احمد بن علی؛ الاحتجاج، ج 1، ص 75 و علامہ مجلسی؛ بحارالانوار، ج 22، ص 328.
100. ابن سعد، الطبقات الکبری، 1418، ج 10، ص 394؛ ذہبی، تاریخ الاسلام، 1993 م، ج 5، ص 100؛ ابن شہر آشوب، مناقب آل ابی طالب، 1379، ج 4، ص 40؛ بغدادی، تاریخ بغداد، 1412 ق، ج 1، ص 152.
101. ابن عساکر، تاریخ مدینة دمشق، 1415 ق، ج 14، ص 175؛ سبط بن جوزی، تذکرۃ الخواص، 1418 ق، ص 212.
102. کلینی، الکافی، 1365 ش، ج 8، ص 206-207؛ ابن ابی الحدید، شرح نہج البلاغہ، 1385-1387 ق، ج 8، ص 253-254.
103. ابن خلدون، العبر، 1401 ق، ج 2، ص 573-574.
104. طبری، تاریخ طبری، 1387 هـ، ج 4، ص 269.
105. ابن قتیبہ، المعارف، 1992 م، ص 568؛ بلاذری، فتوح البلدان، 1988 م، ص 326؛ مقدسی، البدء و التاریخ، مکتبۃ الثقافة الدینیة، ج 5، ص 198.
106. جعفرمرتضی، الحیاة السیاسیة للامام الحسن، دارالسیرة، ص 158.
107. زمانی، حقایق پنہان، 1380 ش، ص 118-119.
108. ابن قتیبہ، الامامہ و السياسہ، 1410، ج 1، ص 59؛ بلاذری، انساب الاشراف، 1417 ق، ج 5، ص 558.
109. ری شهری، دانشنامه امام حسین، 1388 ش، ج 2، ص 331-332.
110. مجلسی، بحار الأنوار، 1363 ش، ج 10، ص 121.
111. شیخ مفید، الجمل، 1413، ص 348؛ ذہبی، تاریخ الإسلام، 1409 ق، ج 3، ص 485.
112. نصر بن مزاحم، وقعة الصفین، 1382 ق، ص 114-115.
113. ابن اعثم، الفتوح، 1411، ج 3، ص 24؛ ابن شہر آشوب، المناقب، 1379 ق، ج 3، ص 168.
114. مجلسی، بحار الأنوار، 1363 ش، ج 44، ص 266.
115. اربلی، كشف الغمة، 1421 ق، ج 1، ص 569؛ نہج البلاغہ، تحقیق: صبحی صالح، خطبہ 207، ص 323.
116. ابن عبد البر، الاستیعاب، 1412 ق، ج 3، ص 939.
117. طبری، تاریخ الامم و الملوك، 1387 ق، ج 5، ص 147.
118. ابن قتیبہ، الامامہ و السياسہ، 1410، ج 1، ص 181؛ شیخ مفید، الارشاد، 1414 ق، ج 1، ص 25.

119. كليني، الكافي، 1362، ج3، ص220؛ بلاذري، انساب الاشراف، 1417ق، ج2، ص497-498.
120. كليني، الكافي، 1362ش، ج1، ص291؛ ابن شهرآشوب، المناقب، 1379ق، ج3، ص401.
121. ابن قتبية دينوري، الإمامة و السياسة، 1410ق، ج1، ص184.
122. دينوري، الأخبار الطوال، 1368ش، ص221.
123. شيخ طوسي، اختيار معرفة الرجال(رجال كشي)، 1348ش، ص110.
124. شيخ طوسي، اختيار معرفة الرجال(رجال كشي)، 1348ش، ص110.
125. شيخ مفيد، الارشاد، 1413ق، ج2، ص32.
126. ابن اعثم، الفتوح، 1411، ج4، ص292؛ ابن شهرآشوب، المناقب، 1379، ج4، ص35.
127. طبري، تاريخ الامم و الملوك، 1387ق، ج5، ص160؛ ابن عساكر، تاريخ مدينة دمشق، 1415ق، ج13، ص267.
128. جعفریان، حیات فکری و سیاسی ائمه، 1381ش، ص157-158.
129. دينوري، الأخبار الطوال، 1368ش، ص220.
130. بلاذري، أنساب الأشراف، 1417ق، ج3، ص150.
131. طبري، تاريخ الامم و الملوك، 1387ق، ج5، ص165؛ ابن جوزي، المنتظم، 1992م، ج5، ص184.
132. Veccia Vaglieri, EI2
133. عمادی حائری، دانشنامه جهان اسلام
134. حاج منوچهری، دائرةالمعارف بزرگ اسلامی، 678
135. عمادی حائری، دانشنامه جهان اسلام
136. Madelung, Iranica
137. عمادی حائری، دانشنامه جهان اسلام
138. حاج منوچهری، حسین (ع)، امام، دائرةالمعارف بزرگ اسلامی
139. حاج منوچهری، حسین (ع)، امام، دائرةالمعارف بزرگ اسلامی
140. Madelung, Ḥosayn b. 'Alī i. Life, Iranica
141. Madelung, Ḥosayn b. 'Alī i. Life, Iranica
142. حاج منوچهری، حسین (ع)، امام، دائرةالمعارف بزرگ اسلامی
143. Haider, al-Ḥusayn b. 'Alī b. Abī Ṭālib, EI3
144. Veccia Vaglieri, Ḥusayn b. 'Alī b. Abī Ṭālib, EI2
145. عمادی حائری، حسین بن علی، امام، دانشنامه جهان اسلام
146. بهرامیان، حسین (ع)، امام، دائرةالمعارف بزرگ اسلامی
147. Veccia Vaglieri, Ḥusayn b. 'Alī b. Abī Ṭālib, EI2
148. حاج منوچهری، حسین (ع)، امام، دائرةالمعارف بزرگ اسلامی
149. Madelung, Iranica
150. Haider, al-Ḥusayn b. 'Alī b. Abī Ṭālib, EI3
151. مهدوی دامغانی و باغستانی، حسن بن علی، امام، دانشنامه جهان اسلام
152. Madelung, Ḥosayn b. 'Alī i. Life, Iranica
153. عمادی حائری، حسین بن علی، امام، دانشنامه جهان اسلام
154. Madelung, Ḥosayn b. 'Alī i. Life, Iranica
155. Madelung, Ḥosayn b. 'Alī i. Life, Iranica
156. بهرامیان، حسین (ع)، امام، دائرةالمعارف بزرگ اسلامی
157. بهرامیان، حسین (ع)، امام، دائرةالمعارف بزرگ اسلامی

158. Veccia Vaglieri, Husayn b. 'Alī b. Abī Ṭālib, EI2

159. بهرامیان، حسین (ع)، امام، دائرةالمعارف بزرگ اسلامی

160. Madelung, Hosayn b. 'Ali i. Life, Iranica

161. عمادی حائری، حسین بن علی، امام، دانشنامه جهان اسلام

162. عمادی حائری، حسین بن علی، امام، دانشنامه جهان اسلام

163. بهرامیان، حسین (ع)، امام، دائرةالمعارف بزرگ اسلامی

164. عمادی حائری، حسین بن علی، امام، دانشنامه جهان اسلام

165. Veccia Vaglieri, Husayn b. 'Alī b. Abī Ṭālib, EI2

166. Madelung, Hosayn b. 'Ali i. Life, Iranica

167. عمادی حائری، حسین بن علی، امام، دانشنامه جهان اسلام

168. ابن عمادی حائری، حسین بن علی، امام، دانشنامه جهان اسلام

169. ابن پ ت (2002) Syed Husain Mohammad Jafri The Origins and Early Development of Shi'a Islam; Chapter 6 Oxford University Press. ISBN 978-0-19-579387-1

170. مُصَنَّب بن عبد اللہ، کتاب نسب قریش، 1953ء، ج 1، ص 57-59؛ بخاری، سُر السلسلۃ العلویۃ، 1381ق، ج 1، ص 30؛ شیخ مفید، الارشاد، چاپ رسولی محلّاتی، ج 2، ص 135.

171. طبری، دلائل الامامة، 1408ق، ج 1، ص 74؛ ابن شهر آشوب، مناقب آل ابی طالب، چاپ رسولی محلّاتی، ج 4، ص 77؛ ابن طلحہ شافعی، مطالب السؤل، 1402ق، ج 2، ص 69.

172. مطہری در خدمات متقابل اسلام و ایران، ص 131-133؛ شریعتی در تشیع علوی و تشیع صفوی، ص 91؛ دہخدا، لغت نامہ؛ جعفر شہیدی در زندگانی علی ابن الحسین، ص 12 و یوسفی غروی، تقی زادہ، سعید نفیسی و کریستین ان محققین میں سے ہیں جن کے مختلف نظریے ہیں۔

173. اصفہانی، مقاتل الطالبیین، 1405ق، ص 59؛ شیخ مفید، الارشاد، 1413ق، ج 2، ص 135

174. ابن کثیر، البدایہ و النہایہ، 1408ق، ج 8، ص 229

175. مُصَنَّب بن عبد اللہ، کتاب نسب قریش، 1953ء، ج 1، ص 59؛ طبری، تاریخ الامم و الملوک، ج 5، ص 468؛ بخاری، سُر السلسلۃ العلویۃ، 1381ق، ج 1، ص 30

176. مصعب بن عبد اللہ، کتاب نسب قریش، 1953ء، ص 57؛ یعقوبی، تاریخ یعقوبی، بیروت، ج 2، ص 246.247؛ طبری، تاریخ طبری، 1382-1387ق، ج 5، ص 446

177. مقریزی، امتاع الأسماع، 1420ق، ج 6، ص 269

178. اصفہانی، کتاب الاغانی، 1383ق، ج 21، ص 78

179. اصفہانی، کتاب الاغانی، 1383ق، ج 21، ص 78

180. سبط ابن جوزی، تذکرۃ الخواص، 1401ق، ج 1، ص 249

181. مُصَنَّب بن عبد اللہ، کتاب نسب قریش، 1953ء، ج 1، ص 59؛ شیخ مفید، الارشاد، 1413ق، ج 2، ص 135؛ بیہقی، لباب الأنساب و الألقاب و الأعقاب، 1410ق، ج 1، ص 349؛ ابن شهر آشوب، مناقب آل ابی طالب، چاپ رسولی محلّاتی، ج 4، ص 113، 77

182. مُصَنَّب بن عبد اللہ، کتاب نسب قریش، 1953م، ج 1، ص 59؛ شیخ مفید، الارشاد، ج 2، ص 135؛ ابن شهر آشوب، مناقب آل ابی طالب، ج 4، ص 109.

183. ابن فندق، لباب الانساب، 1385، ص 355.

184. واعظ کاشفی، روضۃ الشہدا، 1382ش، ص 484.

185. ابن شهر آشوب، مناقب آل ابی طالب، چاپ رسولی محلّاتی، ج 4، ص 109؛ طبری، دلائل الامامة، 1408ق، ج 1، ص 74.

186. ابن طلحہ شافعی، مطالب السؤل، 1402ق، ج 2، ص 69.

187. ابن عساکر، تاریخ مدینۃ دمشق، 1415ق، ج13، ص262.
188. ابن کثیر، البدایۃ و النہایۃ، دار الفکر، ج5، ص338؛ سیوطی، تاریخ الخلفاء، 1425ق، ج1، ص149.
189. طقوش، دولت امویان، 1389، ص19.
190. طقوش، دولت امویان، 1389، ص19 بہ نقل از کاندلوی، حیاۃ الصحابہ، ج3، ص63.
191. نصر بن مزاحم، وقعتہ صفین، 1403، ص31-32.
192. ابن حجر عسقلانی، الاصابۃ، 1415، ج1، ص64؛ ابن کثیر، البدایۃ و النہایۃ، دار الفکر، ج6، ص220.
193. شیخ مفید، الارشاد، 1413، ج2، ص14؛ ابن کثیر، البدایۃ و النہایۃ، دار الفکر، ج8، ص131.
194. طقوش، دولت امویان، 1389، ص28-29.
195. طبرسی، الإحتجاج، 1403، ج2، ص295.
196. ابن شہر آشوب، المناقب، 1379، ج2، ص351.
197. رجوع کریں: شیخ صدوق، الاعتقادات، ص104؛ ابن بابویہ قمی، الإمامۃ والتبصرہ، ص104.
198. شیخ مفید، الارشاد، 1414ق، ج2، ص30.
199. کلینی، الکافی، 1362، ج1، ص297.
200. کلینی، الکافی، 1362، ج1، ص301.
201. شیخ مفید، الارشاد، 1414ق، ج2، ص31.
202. صدوق، کمال الدین و تمام النعمۃ، ص257-258؛ خزاز رازی، ص13-14، 23، 28-29، و خزاز رازی، ص217، 221-223.
203. کلینی، الکافی، 1362، ج1، ص304.
204. کلینی، الکافی، 1362، ج1، ص291.
205. شیخ مفید؛ الارشاد، ج2، ص32؛ ابن شہر آشوب؛ مناقب آل ابی طالب، ج4، ص87.
206. بلاذری، 1996-2000، ج2، ص458-459؛ مفید، ج2، ص32.
207. دینوری، الاخبار الطوال، 1368، ص222؛ بلاذری، أنساب الأشراف، 1417ق، ج3، ص152.
208. Tabatabaei, (1979), p.196.
209. Burleigh. The Shi'ite Religion: A History of Islam in Persia and Irak. Dwight M. Donaldson (1933) Press. ص66-78.
210. Wilferd Madelung (1997). The Succession to Muhammad: A Study of the Early Caliphate. کیمبرج یونیورسٹی پریس۔ ص324-327. ISBN 0-521-64696-0.
211. Wilferd Madelung. "HOSAYN B. ALI". Iranica. 30-09-2012 کو اصل سے آرکائیو کیا گیا۔ اخذ شدہ بتاریخ 12-01-2008.
212. Halm (2004), p.13.
213. John Dunn, The Spread of Islam, pg. 51. World History Series. Lucent Books, 1996. سان ڈیاگو: ISBN 1560062851.
214. Wilferd Madelung. "HOSAYN B. ALI". Iranica. 30-09-2012 کو اصل سے آرکائیو کیا گیا۔ اخذ شدہ بتاریخ 12-01-2008.
215. ابن کثیر
216. Al-Sawa'iq al-Muhriqah.
217. Dakake (2007), pp. 81 and 82.
218. Wilferd Madelung. "HOSAYN B. ALI". Iranica. 30-09-2012 کو اصل سے آرکائیو کیا گیا۔ اخذ شدہ بتاریخ 12-01-2008.
219. George Ronald, Oxford (U.K.), 1976, p.193. Balyuzi, H. M.: Muhammad and the course of Islam.

220. Wilferd Madelung. "HOSAYN B. ALI". Iranica. 30-09-2012 کو اصل سے آرکائیو کیا گیا۔ اخذ شدہ بتاریخ 12-01-2008
221. Wilferd Madelung. "HOSAYN B. ALI". Iranica. 30-09-2012 کو اصل سے آرکائیو کیا گیا۔ اخذ شدہ بتاریخ 12-01-2008
222. ^ا ^ب دمع السجوم ص 252
223. ^ا ^ب ^پ ت Wilferd Madelung. "HOSAYN B. ALI". Iranica. اخذ شدہ بتاریخ 12-01-2008
224. Dakake 2008, pp. 81–82.
225. Gordon, 2005, pp. 144–146.
226. Vincent J. Cornell؛ Kamran Scot Aghaie (2007). *Voices of Islam*. Westport, Conn.: Praeger Publishers. ص 117 118 and 978-0-275-98732-9:ISBN. اخذ شدہ بتاریخ 04-11-2014
227. جعفریان، حیات فکری و سیاسی ائمہ، 1381 ش، ص 175.
228. ذہبی، سیر اعلام النبلا، 1993 م، ج 3، ص 291.
229. دینوری، الاخبار الطوال، 1368، ص 224؛ کشی، رجال الکشی، 1348، ص 48.
230. ابن سعد، البقات الکبری، 1418، ج 10، ص 441؛ طبری، تاریخ الامم و الملوک، 1387، ج 5، ص 322؛ ابن اعثم کوفی، الفتوح، 1991، ج 4، ص 350.349.
231. دینوری، الاخبار الطوال، 1368، ص 224-225؛ بلاذری، انساب الاشراف، ج 5، ص 120-121؛ ابن قتیبہ، الامامہ والسیاسہ، ج 1، ص 202-204.
232. ابن سعد، الطبقات الکبری، 418 ق، ج 10، ص 440؛ شیخ طوسی، اختیار معرفۃ الرجال (رجال کشی)، 1348، ص 50؛ ذہبی، تاریخ الإسلام، 1409 ق، ج 5، ص 6؛ ابن عساکر، تاریخ مدینۃ دمشق، 1415، ج 14، ص 206.
233. طبرسی، الاحتجاج، 1403، ج 2، ص 296.
234. یعقوبی، تاریخ الیعقوبی، دار الصادر، ج 2، ص 231؛ شیخ طوسی، اختیار معرفۃ الرجال (رجال کشی)، 1348، ص 48؛ اربلی، کشف الغمۃ فی معرفۃ الأئمة، 1421، ج 1، ص 574.
235. ابن کثیر، البدایۃ و النہایۃ، دار الفکر، ج 8، ص 79.
236. ابن قتیبہ، الامامۃ و السیاسۃ، 1410، ج 1، ص 204.
237. ابن قتیبہ، الامامۃ و السیاسۃ، 1410، ج 1، ص 208-209.
238. ابن قتیبہ، الامامۃ و السیاسۃ، 1410، ج 1، ص 211.
239. دری نجف آبادی، جلوه های از اندیشه سیاسی امام حسین، حکومت اسلامی
240. ابن شعبہ حرانی، تحف العقول، 1404، ص 68.
241. گروہی از تاریخ پژوهان، تاریخ قیام و مقتل جامع سیدالشهداء، 1389، ج 1، ص 392.
242. Madelung, Ḥosayn b. 'Alī i. Life. Iranica
243. Haider, al-Ḥusayn b. 'Alī b. Abī Ṭālib, EI3
244. Madelung, Ḥosayn b. 'Alī i. Life. Iranica
245. Veccia Vaglieri, Ḥusayn b. 'Alī b. Abī Ṭālib, EI2
246. بهرامیان، حسین (ع)، امام، دائرةالمعارف بزرگ اسلامی
247. Veccia Vaglieri, Ḥusayn b. 'Alī b. Abī Ṭālib, EI2
248. بهرامیان، حسین (ع)، امام، دائرةالمعارف بزرگ اسلامی
249. Veccia Vaglieri, Ḥusayn b. 'Alī b. Abī Ṭālib, EI2
250. Haider, "al-Ḥusayn b. 'Alī b. Abī Ṭālib", EI3
251. Veccia Vaglieri, "Ḥusayn b. 'Alī b. Abī Ṭālib", EI2
252. Madelung, "Ḥosayn b. 'Alī i. Life", Iranica

253. بلاذري، انساب الاشراف، 1417ق، ج3، ص155؛ مفيد، الارشاد، 1399، ج2، ص32.
254. طبري، تاريخ الأمم و الملوك، 1387، ج5، ص338.
255. ابومخنف، مقتل الحسين، مطبعة العلمي، ص5؛ مفيد، الارشاد، 1413، ج2، ص33.
256. بلاذري، انساب الاشراف، 1417ق، ج3، ص160؛ شيخ مفيد، الارشاد، 1413، ج2، ص34.
257. بلاذري، انساب الاشراف، 1417ق، ج3، ص156؛ شيخ مفيد، الارشاد، 1413ق، ج2، ص36.
258. مفيد، الارشاد، 1413ق، ج2، ص66.
259. بلاذري، انساب الاشراف، 1417ق، ج3، ص157-159؛ مفيد، الارشاد، 1413ق، ج2، ص36-38.
260. مفيد، الارشاد، 1413ق، ج2، ص41.
261. بلاذري، انساب الاشراف، 1417، ج3، ص160؛ مفيد، الارشاد، 1413ق، ج2، ص66.
262. ابن سعد، الطبقات الكبرى، 1418، ج10، ص450؛ ابن كثير، البداية و النهاية، دار الفكر، ج8، ص159 و 161.
263. Madelung, "Hosayn b. 'Ali i. Life", Iranica.
264. Veccia Vaglieri, "Husayn b. 'Alī b. Abī Ṭālib", EI2.
265. Madelung, "Hosayn b. 'Ali i. Life", Iranica.
266. Haider, "al-Husayn b. 'Alī b. Abī Ṭālib", EI3.
267. بهراميان، حسين (ع)، امام، دائرةالمعارف بزرگ اسلامى
268. جعفریان، تاريخ سياسى اسلام
269. بهراميان، حسين (ع)، امام، دائرةالمعارف بزرگ اسلامى
270. Veccia Vaglieri, "Husayn b. 'Alī b. Abī Ṭālib", EI2.
271. بهراميان، حسين (ع)، امام، دائرةالمعارف بزرگ اسلامى
272. جعفریان، تاريخ سياسى اسلام
273. Madelung, "Hosayn b. 'Ali i. Life", Iranica.
274. بهراميان، حسين (ع)، امام، دائرةالمعارف بزرگ اسلامى، 668
275. Haider, al-Husayn b. 'Alī b. Abī Ṭālib, EI3.
276. Vaglieri, al-Husayn b. 'Alī b. Abī Ṭālib, EoI.
277. Haider, al-Husayn b. 'Alī b. Abī Ṭālib, EI3.
278. Madelung, Hosayn b. 'Ali i. Life, Iranica.
279. بهراميان، حسين (ع)، امام، دائرةالمعارف بزرگ اسلامى، 668
280. Haider, al-Husayn b. 'Alī b. Abī Ṭālib, EI3.
281. Vaglieri, al-Husayn b. 'Alī b. Abī Ṭālib, EoI.
282. Madelung, Hosayn b. 'Ali i. Life, Iranica.
283. Vaglieri, al-Husayn b. 'Alī b. Abī Ṭālib, EoI.
284. بهراميان، حسين (ع)، امام، دائرةالمعارف بزرگ اسلامى، 668-669
285. Madelung, Hosayn b. 'Ali i. Life, Iranica.
286. Vaglieri, al-Husayn b. 'Alī b. Abī Ṭālib, EoI.
287. Madelung, Hosayn b. 'Ali i. Life, Iranica.
288. Vaglieri, al-Husayn b. 'Alī b. Abī Ṭālib, EoI.
289. Veccia Vaglieri, "Husayn b. 'Alī b. Abī Ṭālib", EI2.
290. بهراميان، حسين (ع)، امام، دائرةالمعارف بزرگ اسلامى
291. Veccia Vaglieri, "Husayn b. 'Alī b. Abī Ṭālib", EI2.

292. Madelung, "Ḥosayn b. 'Alī i. Life", Iranica
293. Veccia Vaglieri, "Ḥusayn b. 'Alī b. Abī Ṭālib", EI2
294. Madelung, "Ḥosayn b. 'Alī i. Life", Iranica
295. Veccia Vaglieri, "Ḥusayn b. 'Alī b. Abī Ṭālib", EI2
296. Haider, "al-Ḥusayn b. 'Alī b. Abī Ṭālib", EI3
297. پیشوایی، تاریخ قیام و مقتل، 1: 465–467
298. Madelung, "Ḥosayn b. 'Alī i. Life", Iranica
299. Veccia Vaglieri, "Ḥusayn b. 'Alī b. Abī Ṭālib", EI2
300. Madelung, "Ḥosayn b. 'Alī i. Life", Iranica
301. بهرامیان، حسین (ع)، امام، دائرۃالمعارف بزرگ اسلامی
302. Madelung, "Ḥosayn b. 'Alī i. Life", Iranica
303. Madelung, "Ḥosayn b. 'Alī i. Life", Iranica
304. بهرامیان، حسین (ع)، امام، دائرۃالمعارف بزرگ اسلامی
305. Veccia Vaglieri, "Ḥusayn b. 'Alī b. Abī Ṭālib", EI2
306. Madelung, "Ḥosayn b. 'Alī i. Life", Iranica
307. Veccia Vaglieri, "Ḥusayn b. 'Alī b. Abī Ṭālib", EI2
308. Vaglieri, "al-Ḥusayn b. 'Alī b. Abī Ṭālib", EoI
309. Vaglieri, "al-Ḥusayn b. 'Alī b. Abī Ṭālib", EoI
310. Vaglieri, "al-Ḥusayn b. 'Alī b. Abī Ṭālib", EoI
311. Madelung, "Ḥosayn b. 'Alī i. Life", Iranica
312. Vaglieri, "al-Ḥusayn b. 'Alī b. Abī Ṭālib", EoI
313. جعفریان، تاریخ سیاسی اسلام
314. Madelung, "Ḥosayn b. 'Alī i. Life", Iranica
315. بهرامیان، حسین (ع)، امام، دائرۃالمعارف بزرگ اسلامی
316. Vaglieri, "al-Ḥusayn b. 'Alī b. Abī Ṭālib", EoI
317. Vaglieri, "al-Ḥusayn b. 'Alī b. Abī Ṭālib", EoI
318. Madelung, "Ḥosayn b. 'Alī i. Life", Iranica
319. Vaglieri, "al-Ḥusayn b. 'Alī b. Abī Ṭālib", EoI
320. Madelung, "Ḥosayn b. 'Alī i. Life", Iranica
321. بهرامیان، حسین (ع)، امام، دائرۃالمعارف بزرگ اسلامی
322. Madelung, "Ḥosayn b. 'Alī i. Life", Iranica
323. Vaglieri, "al-Ḥusayn b. 'Alī b. Abī Ṭālib", EoI
324. Vaglieri, "al-Ḥusayn b. 'Alī b. Abī Ṭālib", EoI
325. Madelung, "Ḥosayn b. 'Alī i. Life", Iranica
326. Vaglieri, "al-Ḥusayn b. 'Alī b. Abī Ṭālib", EoI
327. بهرامیان، حسین (ع)، امام، دائرۃالمعارف بزرگ اسلامی
328. Madelung, "Ḥosayn b. 'Alī i. Life", Iranica
329. Vaglieri, "al-Ḥusayn b. 'Alī b. Abī Ṭālib", EoI
330. Madelung, "Ḥosayn b. 'Alī i. Life", Iranica

- Vaglieri, "al-Ḥusayn b. 'Alī b. Abī Ṭālib", EoI. 331
- Madelung, "Ḥosayn b. 'Ali i. Life", Iranica. 332
- بهرامیان، حسین (ع)، امام، دائرةالمعارف بزرگ اسلامی، 670-671
- Madelung, Ḥosayn b. 'Ali i. Life. Iranica. 334
- Veccia Vaglieri, Ḥusayn b. 'Alī b. Abī Ṭālib, EI2. 335
- Madelung, Ḥosayn b. 'Ali i. Life. Iranica. 336
- بهرامیان، حسین (ع)، امام، دائرةالمعارف بزرگ اسلامی، 671
- Veccia Vaglieri, Ḥusayn b. 'Alī b. Abī Ṭālib, EI2. 338
- بهرامیان، حسین (ع)، امام، دائرةالمعارف بزرگ اسلامی
- Veccia Vaglieri, "Ḥusayn b. 'Alī b. Abī Ṭālib", EI2. 340
- Madelung, "Ḥosayn b. 'Ali i. Life", Iranica. 341
- Veccia Vaglieri, "Ḥusayn b. 'Alī b. Abī Ṭālib", EI2. 342
- Madelung, "Ḥosayn b. 'Ali i. Life", Iranica. 343
- بهرامیان، حسین (ع)، امام، دائرةالمعارف بزرگ اسلامی
- بهرامیان، حسین (ع)، امام، دائرةالمعارف بزرگ اسلامی
- Veccia Vaglieri, "Ḥusayn b. 'Alī b. Abī Ṭālib", EI2. 346
- بهرامیان، حسین (ع)، امام، دائرةالمعارف بزرگ اسلامی
- Veccia Vaglieri, "Ḥusayn b. 'Alī b. Abī Ṭālib", EI2. 348
- Madelung, "Ḥosayn b. 'Ali i. Life", Iranica. 349
- بهرامیان، حسین (ع)، امام، دائرةالمعارف بزرگ اسلامی
- Veccia Vaglieri, "Ḥusayn b. 'Alī b. Abī Ṭālib", EI2. 351
- Veccia Vaglieri, "Ḥusayn b. 'Alī b. Abī Ṭālib", EI2. 352
- Madelung, "Ḥosayn b. 'Ali i. Life", Iranica. 353
- بهرامیان، حسین (ع)، امام، دائرةالمعارف بزرگ اسلامی
- جعفریان، تاریخ سیاسی اسلام
- بهرامیان، حسین (ع)، امام، دائرةالمعارف بزرگ اسلامی
- Veccia Vaglieri, "Ḥusayn b. 'Alī b. Abī Ṭālib", EI2. 357
- Madelung, "Ḥosayn b. 'Ali i. Life", Iranica. 358
- جعفریان، تاریخ سیاسی اسلام
- بهرامیان، حسین (ع)، امام، دائرةالمعارف بزرگ اسلامی
- Haider, "al-Ḥusayn b. 'Alī b. Abī Ṭālib", EI3. 361
- بهرامیان، حسین (ع)، امام، دائرةالمعارف بزرگ اسلامی
- Madelung, "Ḥosayn b. 'Ali i. Life", Iranica. 363
- Veccia Vaglieri, "Ḥusayn b. 'Alī b. Abī Ṭālib", EI2. 364
- بهرامیان، حسین (ع)، امام، دائرةالمعارف بزرگ اسلامی
- Vaglieri, "al-Ḥusayn b. 'Alī b. Abī Ṭālib", EoI. 366
- Vaglieri, "al-Ḥusayn b. 'Alī b. Abī Ṭālib", EoI. 367
- بهرامیان، حسین (ع)، امام، دائرةالمعارف بزرگ اسلامی
- Vaglieri, "al-Ḥusayn b. 'Alī b. Abī Ṭālib", EoI. 369

Madelung, "Hosayn b. 'Alī i. Life", Iranica. 370

371. بهرامیان، حسین (ع)، امام، دائرةالمعارف بزرگ اسلامی

Madelung, "Hosayn b. 'Alī i. Life", Iranica. 372

Veccia Vaglieri, "Husayn b. 'Alī b. Abī Ṭālib", EI2. 373

374. بهرامیان، حسین (ع)، امام، دائرةالمعارف بزرگ اسلامی

Vaglieri, "al-Husayn b. 'Alī b. Abī Ṭālib", EoI. 375

376. بهرامیان، حسین (ع)، امام، دائرةالمعارف بزرگ اسلامی

Vaglieri, "al-Husayn b. 'Alī b. Abī Ṭālib", EoI. 377

378. بهرامیان، حسین (ع)، امام، دائرةالمعارف بزرگ اسلامی

Vaglieri, "al-Husayn b. 'Alī b. Abī Ṭālib", EoI. 379

380. طبری، تاریخ الامم و الملوك، 1387ق، ج5، ص408، مسكويه، تجارب الامم، 1379، ج2، ص67؛ ابن اثیر، الكامل، 1965، ج4، ص51.

381. ابن اعثم الكوفی، الفتوح، 1991م، ج5، ص83؛ طبری، تاریخ الامم و الملوك، 1387ق، ج5، ص409؛ شیخ مفید، الارشاد، 1413ق، ج2، ص84؛ ابن مسكويه، تجارب الامم، 1379، ج2، ص68.

382. دینوری، الاخبار الطوال، 1368، ص253؛ بلاذری، انساب الاشراف، ج3، ص176؛ طبری، تاریخ الامم و الملوك، 1387ق، ج5، ص409؛ ابن اثیر، الكامل، 1965م، ج4، ص52.

383. طبری، تاریخ الامم و الملوك، 1387ق، ج5، ص414؛ ابن مسكويه، تجارب الامم، 1379، ج2، ص71.

384. بلاذری، انساب الاشراف، 1417ق، ج3، ص182؛ طبری، تاریخ الامم و الملوك، 1387ق، ج5، ص414؛ مفید، الارشاد، 1399، ج2، ص89.

385. طبری، تاریخ الأمم و الملوك، 1387ق، ج5، ص417؛ مفید، الارشاد، 1399، ج2، ص91.

386. شیخ مفید، الارشاد، 1413ق، ج2، ص91-94.

387. طبری، تاریخ الأمم و الملوك، 1387ق، ج5، ص429-430.

388. طبری، تاریخ الأمم و الملوك، 1387ق، ج5، ص427؛ شیخ مفید، الارشاد، 1413ق، ج2، ص99.

389. طبری، تاریخ الامم و الملوك، 1387ق، ج5، ص446؛ ابوالفرج اصفهانی، مقاتل الطالبیین، دارالمعرفه، ص80.

390. مفید، الارشاد، 1399، ج2، ص112؛ خوارزمی، مقتل الحسين، 1423ق، ج2، ص41؛ طبرسی، اعلام الوری، 1390، ج1، ص469.

391. طبری، تاریخ الأمم و الملوك، 1387، ج5، ص450-453؛ ابن سعد، الطبقات الكبرى، 1968، ج6، ص441؛ ابوالفرج اصفهانی، مقاتل الطالبیین، دار المعرفة، ص118؛ مسعودی، مروج الذهب، 1409ق، ج3، ص62؛ مفید، الارشاد، 1399، ج2، ص112.

392. بلاذری، انساب الاشراف، 1417ق، ج3، ص411؛ طبری، تاریخ الأمم و الملوك، 1387ق، ج5، ص456.

393. الارشاد، المفید، ج2، ص113، بلاذری، انساب الاشراف، ج3، ص204؛ طبری، تاریخ الأمم و الملوك، 1387ق، ج5، ص455؛ مسعودی، مروج الذهب، ج3، ص259.

394. طبری، تاریخ الأمم و الملوك، 1387ق، ج5، ص456.

395. طبری، تاریخ الأمم و الملوك، 1387، ج5، ص455.

396. طبری، تاریخ الأمم و الملوك، 1387ق، ج5، ص455.

397. مقرر، مقتل الحسين، 1426ق، ص335-336.

398. دهدست، تعداد شهدای کربلا، رشد آموزش قرآن

Vaglieri, "al-Husayn b. 'Alī b. Abī Ṭālib", EoI. 399

400. بهرامیان، حسین (ع)، امام، دائرةالمعارف بزرگ اسلامی

Vaglieri, "al-Husayn b. 'Alī b. Abī Ṭālib", EoI. 401

402. بهرامیان، حسین (ع)، امام، دائرةالمعارف بزرگ اسلامی
403. Vaglieri, "al-Husayn b. 'Alī b. Abī Ṭālib", EoI
404. Madelung, "Hosayn b. 'Ali i. Life", Iranica
405. بهرامیان، حسین (ع)، امام، دائرةالمعارف بزرگ اسلامی
406. Veccia Vaglieri, "Husayn b. 'Alī b. Abī Ṭālib", EI2
407. بهرامیان، حسین (ع)، امام، دائرةالمعارف بزرگ اسلامی
408. Vaglieri, "al-Husayn b. 'Alī b. Abī Ṭālib", EoI
409. Madelung, "Hosayn b. 'Ali i. Life", Iranica
410. بهرامیان، حسین (ع)، امام، دائرةالمعارف بزرگ اسلامی، 675
411. Veccia Vaglieri, Husayn b. 'Alī b. Abī Ṭālib, EI2
412. Madelung, Hosayn b. 'Ali i. Life. Iranica
413. Veccia Vaglieri, "Husayn b. 'Alī b. Abī Ṭālib", EI2
414. بهرامیان، حسین (ع)، امام، دائرةالمعارف بزرگ اسلامی
415. Haider, "al-Husayn b. 'Alī b. Abī Ṭālib", EI3
416. Veccia Vaglieri, "Husayn b. 'Alī b. Abī Ṭālib", EI2
417. Veccia Vaglieri, Husayn b. 'Alī b. Abī Ṭālib, EI2
418. بهرامیان، حسین (ع)، امام، دائرةالمعارف بزرگ اسلامی، 676
419. Veccia Vaglieri, Husayn b. 'Alī b. Abī Ṭālib, EI2
420. Veccia Vaglieri, Husayn b. 'Alī b. Abī Ṭālib, EI2
421. Madelung, Hosayn b. 'Ali i. Life. Iranica
422. Haider, al-Husayn b. 'Alī b. Abī Ṭālib, EI3
423. Veccia Vaglieri, Husayn b. 'Alī b. Abī Ṭālib, EI2
424. Madelung, "Hosayn b. 'Ali i. Life", Iranica
425. Pierce, Twelve Infallible Men
426. Wilferd Madelung. "ALĪ B. HOSAYN B. 'ALĪ B. ABĪ ṬĀLEB". ENCYCLOPÆDIA IRANICA Online. 05-08-2017 کو اصل سے آرکائیو کیا گیا۔ اخذ شدہ بتاریخ 01-08-2011
427. Burleigh. The Shi'ite Religion: A History of Islam in Persia and Irak. Dwight M. Donaldson (1933). Press. ص 111-101
428. The History of Islam V.2. Riyadh: Darussalam. pp. 110. Najeebabadi, Akbar Shah (2001) ب ا ب. ISBN 9960892883
429. Wilferd Madelung. "HOSAYN B. ALI". Iranica. 30-09-2012 کو اصل سے آرکائیو کیا گیا۔ اخذ شدہ بتاریخ 12-01-2008
430. C.E. Bosworth (1960). "Mu'āwiya II". در P. Bearman (مدیر). Encyclopaedia of Islam (2nd ایڈیشن). Brill. 9789004161214:ISBN. 03-01-2020 کو اصل سے آرکائیو کیا گیا۔ اخذ شدہ بتاریخ 23-04-2020
431. "al-Mukhtār ibn Abū 'Ubayd al-Thaqafi". Encyclopædia Britannica, Inc. 2013. 25-03-2015 کو اصل سے آرکائیو کیا گیا۔ اخذ شدہ بتاریخ 22-11-2013
432. Kamal al-Syyed. "The Battle of al-Khazir". Mukhtar al-Thaqafi. Qum, Iran: Ansariyan Foundation. ص 21. 09-10-2014 کو اصل سے آرکائیو کیا گیا۔ اخذ شدہ بتاریخ 22-11-2013
433. Al-Kashee, Ikhtiyaar Ma`arifah Al-Rijaal, pg. 127, hadeeth # 202
434. Al-Khoei, Mu`jam Rijaal Al-Hadeeth, vol. 18, pg. 93, person # 12158

435. Madelung, "Ḥosayn b. 'Alī i. Life", Iranica.
436. Madelung, "Ḥosayn b. 'Alī i. Life", Iranica.
437. حاج منوچہری، حسین (ع)، امام، دائرۃالمعارف بزرگ اسلامی
438. Madelung, "Ḥosayn b. 'Alī i. Life", Iranica.
439. Madelung, "Ḥosayn b. 'Alī i. Life", Iranica.
440. حاج منوچہری، حسین (ع)، امام، دائرۃالمعارف بزرگ اسلامی
441. Madelung, "Ḥosayn b. 'Alī i. Life", Iranica.
442. حاج منوچہری، حسین (ع)، امام، دائرۃالمعارف بزرگ اسلامی
443. Madelung, "Ḥosayn b. 'Alī i. Life", Iranica.
444. حاج منوچہری، حسین (ع)، امام، دائرۃالمعارف بزرگ اسلامی
445. Haider, "al-Ḥusayn b. 'Alī b. Abī Ṭālib", EI3.
446. دفتری، اسماعیلیہ، دائرۃالمعارف بزرگ اسلامی
447. عمادی حائری، حسین بن علی، امام، دانشنامۂ جهان اسلام
448. عمادی حائری، حسین بن علی، امام، دانشنامۂ جهان اسلام
449. Veccia Vaglieri.
450. بخش فقہ، علوم قرآنی و حدیث
451. Madelung.
452. جعفریان
453. طباطبائی
454. عمادی حائری
455. عمادی حائری، حسین بن علی، امام، دانشنامۂ جهان اسلام
456. حاج منوچہری
457. حاج منوچہری، حسین (ع)، امام، دائرۃالمعارف بزرگ اسلامی
458. حاج منوچہری
459. حاج منوچہری، حسین (ع)، امام، دائرۃالمعارف بزرگ اسلامی
460. Chittick, In Search of the Lost Heart.
461. طباطبائی، ترجمۂ تفسیر المیزان، 20: 211-220
462. طباطبائی، ترجمۂ تفسیر المیزان، 211-220
463. فخر رازی، تفسیر کبیر، 244-245
464. طباطبائی، ترجمۂ تفسیر المیزان، 350-385
465. Algar, Āl-e 'Abā. Iranica.
466. فخر رازی، التفسیر الکبیر، 89-90
467. محلّی و سیوطی، تفسیر الجلالین، 60
468. ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، 46
469. آلوسی، روح المعانی، 29: 157-158
470. فخر رازی، تفسیر کبیر، 30: 244-245
471. شوکانی، فتح القدیر، 5: 421
472. طباطبائی، ترجمۂ تفسیر المیزان
473. فخر رازی، التفسیر الکبیر

474. ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم

475. طباطبائی، ترجمه تفسیر المیزان، 18: 73-77، 59-68

476. طباطبائی، ترجمه تفسیر المیزان

477. فخر رازی، التفسیر الکبیر

478. ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم

479. Veccia Vaglieri, "Ḥusayn b. 'Alī b. Abī Ṭālib", EI2

480. Veccia Vaglieri, "Ḥusayn b. 'Alī b. Abī Ṭālib", EI2

481. عمادی حائری، حسین بن علی، امام، دانشنامه جهان اسلام

482. Veccia Vaglieri

483. عمادی حائری، حسین بن علی، امام، دانشنامه جهان اسلام

484. Veccia Vaglieri, "Ḥusayn b. 'Alī b. Abī Ṭālib", EI2

485. Veccia Vaglieri

486. عمادی حائری، حسین بن علی، امام، دانشنامه جهان اسلام

487. عمادی حائری، حسین بن علی، امام، دانشنامه جهان اسلام

488. Halm (2004), pp. 15 and 16.

489. Williams, Caroline. 1983. "The Cult of 'Alid Saints in the Fatimid Monuments of Cairo. Part I: ب ا ^ In Muqarnas I: An Annual on Islamic Art and Architecture. Oleg Grabar. "The Mosque of al-Aqmar (ed.). New Haven: Yale University Press, 37-52. p.41, Wiet,"notes," pp. 217ff.; RCEA,7:260-63.

490. غلامی، حسین (ع)، امام، دائرةالمعارف بزرگ اسلامی

491. Veccia Vaglieri, "Ḥusayn b. 'Alī b. Abī Ṭālib", EI2

492. قریشی، مرقدھا و مکان های زیارتی کربلا، صفحه 22.

493. آل طعمه، کربلا و حرم های مطهر، صفحه 89.

494. آل طعمه، کربلا و حرم های مطهر، صفحه 93.

495. Veccia Vaglieri, "Ḥusayn b. 'Alī b. Abī Ṭālib", EI2

496. Veccia Vaglieri, "Ḥusayn b. 'Alī b. Abī Ṭālib", EI2

497. عمادی حائری، حسین بن علی، امام، دانشنامه جهان اسلام

498. Haider, "al-Ḥusayn b. 'Alī b. Abī Ṭālib", EI3

499. Veccia Vaglieri, "Ḥusayn b. 'Alī b. Abī Ṭālib", EI2

500. Madelung

501. Haider, "al-Ḥusayn b. 'Alī b. Abī Ṭālib", EI3

502. حاج منوچهری، حسین (ع)، امام، دائرةالمعارف بزرگ اسلامی

503. Haider, "al-Ḥusayn b. 'Alī b. Abī Ṭālib", EI3

504. حاج منوچهری، حسین (ع)، امام، دائرةالمعارف بزرگ اسلامی

505. Amali of Shaykh Sadouq, Majlis 31, p. 232.

506. Rawḍat al-Wā'izīn. Fattāl Nayshābūrī. ص 192

507. محمد باقر مجلسی. بحار الانوار. ج 45 140 p=

508. سید شریف مرتضی. Rasā'il. ج 3. ص 130

509. Abū Rayḥān al-Bīrūnī. آثار الباقیه عن القرون الخالیة. ص 331

510. القزوينی. Ajā'ib al-makhlūqāt wa gharā'ib al-mawjūdāt. ص 45

511. Manāqib Āl Abī-Ṭālib .Ibn Shahrashub. ج 4. ص 85
512. Al-Qurtubi. al-Tadhkirah fī Aḥwāl al-Mawtā wa-Umūr al-Ākhirah. ج 2. ص 668
513. Ibn Tawus. الملهوف على قتلى الطفوف (كتاب). ص 114
514. Muthīr al-Aḥzān .Ibn Namā al-Ḥillī. ص 85
515. Osul-al-Kafi, Vol 1. ص 384, 385
516. Ithbat-ol-Wasiyah. ص 207, 208
517. Ikhtiar Ma'refat-o-Rijal. ص 463-465
518. باقر شريف قرشي. حياة الإمام الحسين عليه السلام، Vol 3. Qom, Iran (published in AH 1413): مدرسه علميه ايرواني. ص 325
519. اللهوف على قتلى الطفوف، ص 195
520. طبرسي، فضل بن حسن، اعلام الوري بأعلام الهدى، ج 1، ص 477، قم، مؤسسه آل البيت،
521. مثير الأحزان، ص 107
522. مقتل الحسين (ع)، ج 2، ص 84
523. تذكرة الخواص، ص 238
524. اللهوف على قتلى الطفوف، ص 195
525. طبرسي، فضل بن حسن، تاج المواليد، ص 87، بيروت، دار القاري،
526. فتال نيشابوري، محمد بن احمد، روضة الواعظين و بصيرة المتعظين، ج 1، ص 192، قم،
527. مثير الأحزان، ص 107
528. أبو ریحان بیرونی، الآثار الباقية عن القرون الخالية، ص 422، تهران، مركز نشر ميراث مكتوب،
529. تذكرة الخواص، ص 238
530. قزوینی، زکریا بن محمد، عجایب المخلوقات و غرایب الموجودات، ص 70، قاهره، مكتبة الثقافة الدينية،
531. شيخ صدوق، الامالي، مجلس سي و يكم، ص 232
532. فتال نيشابوري، روضة الواعظين، ص 192
533. مجلسي، بحار الانوار، ج 45، ص 140
534. رسائل المرتضي، ج 3، ص 130
535. مناقب آل ابي طالب، ج 4، ص 85
536. مجلسي، بحار الانوار، ج 44، ص 199
537. نجم الدين محمد بن جعفر بن نما حلي، مثير الاحزان، ص 85
538. سيد ابن طاووس، اللهوف في قتلي الطفوف، ص 114
539. مجلسي، بحار الانوار، ج 98، ص 334
540. مجلسي، بحار الانوار، ج 45، ص 145
541. بيروني، الآثار الباقية عن القرون الخالية، ص 331
542. محمد بن احمد مستوفي هروي، ترجمه الفتوح، ص 916
543. محمد بن احمد قرطبي، التذكرة في امور الموتى و امور الآخرة، ج 2، ص 668.
544. زكريا محمد بن محمود قزويني، عجائب المخلوقات و الحيوانات و غرائب الموجودات، چاپ شده در حاشية حياة الحيوان الكبرى، كمال الدين دميري، ج 1، ص 109.
545. احمد بن عبد الوهاب نويري، نهاية الارب في فنون الادب، ج 20، ص 300.
546. حمد الله بن ابي بكر بن احمد مستوفي قزويني، تاريخ گزيده، ص 202.
547. حمد الله بن ابي بكر بن احمد مستوفي قزويني، تاريخ گزيده ص 265.

548. غياث الدين بن همام الدين حسيني مشهور به خواندمير، تاريخ حبيب السير في اخبار افراد بشر، ص 60.
549. محمد عبد الرؤوف مناوي، فيض القدير، ج 1، ص 205.
550. عبد الله بن محمد بن عامر شبراوي، الإتحاف بحبّ الأشراف، تحقيق سامي الغزيري، ص 127.
551. محمد بن علي صبان، إسعاف الراغبين في سيرة المصطفى و فضائل اهل بيته الطاهرين، ص 215.
552. مؤمن بن حسن مؤمن شبلنجي، نور الابصار في مناقب آل بيت النبي المختار، ص 269.
553. محمد بن احمد قرطبي، التذكرة في امور الموتى و امور الاخره، ج 2، ص 668.
554. زكريا محمد بن محمود قزويني، عجائب المخلوقات و الحيوانات و غرائب الموجودات، ص 45.
555. عبد الرووف مناوي، فيض القدير، ج 1، ص 205.
556. رسائل المرتضي، ج 3، ص 130.
557. ابن قولويه قمي، كامل الزيارات، ص 84؛
558. كليني، الكافي، ج 4، ص 571- 572.
559. ابوجعفر محمد بن حسن طوسي، تهذيب الاحكام، ج 6، ص 35- 36.
560. ابن شهر آشوب مازندراني، مناقب آل أبي طالب (ع)، ج 4، ص 77، قم، انتشارات علامه،
561. مجلسي، محمد باقر، جلا العيون، ص 748، قم، سرور، چاپ نهم،
562. ابن حبان تميمي، محمد بن حبان، الثقات، ج 3، ص 69، حيدرآباد هند، دائرة المعارف العثمانية،
563. وسائل الشيعة، ج 14، ص 403.
564. كليني، محمد بن يعقوب، الكافي، ج 4، ص 571، تهران، دار الكتب الإسلامية،
565. كليني، محمد بن يعقوب، الكافي، ج 4، ص 572.
566. مناقب آل أبي طالب (ع)، ج 4، ص 77.
567. ابن قولويه، جعفر بن محمد، كامل الزيارات، ص 35، نجف، دار المرتضوية،
568. ابن قولويه، جعفر بن محمد، كامل الزيارات، ص 36 - 37؛
569. شيخ حرّ عاملي، وسائل الشيعة، ج 14، ص 402 - 403، قم، مؤسسه آل البيت(ع)،
570. ابن نما حلي، جعفر بن محمد، مثير الأحزان، ص 106، قم، مدرسه امام مهدي(عج)،
571. خوارزمي، موفق بن احمد، مقتل الحسين (ع)، ج 2، ص 83، قم، انوار الهدى،
572. شمس الدين باعوني، محمد بن احمد، جواهر المطالب في مناقب الإمام علي بن أبي طالب(ع)، ج 2، ص 299، قم، مجمع إحياء الثقافة الإسلامية،
573. يافعي، عبد الله بن أسعد، مرآة الجنان و عبرة اليقظان في معرفة ما يعتبر من حوادث الزمان، ص 109، بيروت، دار الكتب العلمية،
574. ذهبي، محمد بن احمد، تاريخ الاسلام، ج 5، ص 15، المكتبة التوفيقية،
575. سبط بن جوزي، تذكرة الخواص، ص 239، قم، منشورات الشريف الرضي،
576. شهاب الدين نويري، أحمد بن عبد الوهاب، نهاية الأرب في فنون الأدب، ج 20، ص 480 - 481، قاهره، دار الكتب و الوثائق القومية،
577. مثير الأحزان، ص 106 - 107.
578. مجلسي، محمد باقر، بحار الانوار، ج 45، ص 144، بيروت، دار إحياء التراث العربي،
579. بلاذري، احمد بن يحيى، انساب الاشراف، ج 3، ص 214، بيروت، دار الفكر،
580. حسنى شجرى جرجاني، يحيى بن حسين، ترتيب الأمالي الخميسية، ج 1، ص 231، بيروت، دار الكتب العلمية،
581. تذكرة الخواص، ص 239.
582. سبط ابن جوزي، تذكرة الخواص، ص 265- 266 سيد محسن امين عاملي، اعيان الشيعة، ج 1، ص 626- 627
- لواعج الاشجان، ص 247- 250 محمد امين اميني، لواعج الاشجان، ج 6، ص 321- 337 مجلسي، بحار الانوار، ج 45،
- ص 145 جلا العيون، ص 407. سيد بن طاووس لهوف ج 2، ص 112

583. بحار الانوار، ج 45، ص 145
584. محمد امین، امینی، مع الרכب الحسینی، ج 6، ص 324، منقول از مقتل الخوارزمی، ج 2، ص 75
585. بحار الانوار، ج 45، ص 145
586. بحار الانوار ج 45، ص 178، منقول از کامل الزیارات، ص 34
587. اصول کافی ج 4، ص 571
588. مع الרכب الحسینی، ج 6، ص 325 الی 328
589. کتاب لہوف، ص 323
590. شہید قاضی طباطبائی، تحقیق دربارهٔ اولین اربعین حضرت سید الشہداء، ج 3، ص 304
591. بحار الانوار، ج 45، ص 145
592. بحار الانوار ج 45 ص 178
593. تذکرہ الخواص، ص 259، منقول از مع الרכب الحسینی، ص 329
594. ابن سعد، طبقات، ج 5، ص 112
595. مع الרכب الحسینی، ج 6، ص 330
596. مع الרכب الحسینی، ج 6، ص 331
597. مع الרכب الحسینی ص 334، منقول از تذکرہ الخواص، ص 265
598. البدایہ و النہایہ، ج 8 ص 205
599. البدایہ و النہایہ، ج 8 ص 205
600. مع الרכب الحسینی، ج 6، ص 237
601. سید محسن امین، عاملی، لواج الاشجان فی مقتل الحسین، ص 250
602. واقعة الطف، ص 197،
603. طبقات ابن سعد، ج 5، ص 99
604. تاریخ طبری، ج 5، ص 418
605. شیخ مفید، الارشاد، ص 442
606. البدایہ و النہایہ، ج 8 ص 205
607. البدایہ و النہایہ، ج 8 ص 205
608. البدایہ و النہایہ ج 8 ص 334، منقول از تذکرہ الخواص، ص 265
609. البدایہ و النہایہ ج 8 ص 334، منقول از تذکرہ الخواص، ص 265
610. Brief History of Transfer of the Sacred Head of Hussain ibn Ali, From Damascus to Ashkelon to Qahera By: Qazi Dr. Shaikh Abbas Borhany PhD (USA)، NDI, Shahadat al A'alamiyyah (Najaf, Iraq)، M.A.، LLM (Shariah) Member, Ulama Council of پاکستان، Published in Daily News، Karachi، 3 جنوری 2009 "آرکائیو کاپی" (PDF). اصل سے آرکائیو شدہ بتاریخ 2017-12-14. اخذ شدہ بتاریخ 2020-08-29.
611. Safarname Ibne Batuta.
612. Moshe Gil, A History of Palestine, 634–1099 (1997) pp. 193–194.
613. Taufik Canaan (1927). Mohammedan Saints and Sanctuaries in Palestine. London: Luznac & Co.
- ص 151
614. Meron Rapoport (5 جولائی 2007). "History Erased". Haaretz. 21-03-2020 کو اصل سے آرکائیو کیا گیا. اخذ شدہ بتاریخ 2020-04-23

615. Sacred Surprise behind Israel Hospital (<http://articles.latimes.com/2008/may/21/world/fg-mosque2>)
 1) آرکائیو شدہ (<https://web.archive.org/web/20110222061914/http://articles.latimes.com/2008/may/>)
 by Batsheva Sobelman, special Los Angeles Times, 22 فروری 2011 بذریعہ وے بیک مشین, 21/world/fg-mosque21
616. [1] (<https://in.reuters.com/article/religion-israel-shi-ite-idINKBN0LD17G20150209>) آرکائیو شدہ (<http://web.archive.org/web/20190403085756/https://in.reuters.com/article/religion-israel-shi-ite-idINKBN0LD17G20150209>)
 Prophet's grandson Hussein honoured; وے بیک مشین; 3 اپریل 2019 بذریعہ وے بیک مشین; on grounds of Israeli hospital
617. Meron Rapoport (5 جولائی 2007). "History Erased". Haaretz. 21-03-2020 کو اصل سے آرکائیو کیا گیا۔
 اخذ شدہ بتاریخ 23-04-2020
618. Brief History of Transfer of the Sacred Head of Hussain ibn Ali, From Damascus to Ashkelon to Qahera By: Qazi Dr. Shaikh Abbas Borhany PhD (USA), NDI, Shahadat al A'alamiyyah (Najaf, Iraq),
 M.A., LLM (Shariah) Member, Ulama Council of پاکستان, Published in Daily News, Karachi, پاکستان
 on 3 جنوری 2009 "آرکائیو کاپی" (PDF). اصل سے آرکائیو شدہ بتاریخ 14-12-2017. اخذ شدہ بتاریخ 29-08-2020
619. [2] (<https://in.reuters.com/article/religion-israel-shi-ite-idINKBN0LD17G20150209>) آرکائیو شدہ (<http://web.archive.org/web/20190403085756/https://in.reuters.com/article/religion-israel-shi-ite-idINKBN0LD17G20150209>)
 Prophet's grandson Hussein honoured; وے بیک مشین; 3 اپریل 2019 بذریعہ وے بیک مشین; on grounds of Israeli hospital
620. اشتہاردی، ہفت سالہ چرا صدا درآورد؟، 1391، ص 154.
621. سید مرتضیٰ، تنزیہ الانبیاء، 1409 ق، ص 227-228.
622. صالحی نجف آبادی، شہید جاوید، 1387، ص 157-158.
623. صحتی سردودی، 1385، ص 296-299.
624. طبری، تاریخ الامم و الملوک، 1387، ج 5، ص 458-459؛ مفید، الارشاد، 1413 ق، ج 2، ص 117.
625. بلاذری، انساب الاشراف، 1417 ق، ج 9، ص 317.
626. امام خمینی، صحیفہ نور، 1379، ج 17، ص 58. (<http://farsi.rouhollah.ir/library/sahifeh?volume=17&tid=2>) (2)
627. بلاذری، انساب الاشراف، 1417 ق، ج 3، ص 142، 453؛ شیخ مفید، 1413، ج 2، ص 27؛ طبرانی، المعجم الکبیر، دارالنشر، ج 3، ص 95.
628. احمد بن حنبل، المسند، دارصادر، ج 3، ص 261؛ ترمذی، سنن الترمذی، 1403 ق، ج 5، ص 325.
629. طبرانی، المعجم الکبیر، دارالنشر، ج 3، ص 101.
630. ابن سعد، الطبقات الکبری، 1418، ج 6، ص 422-419؛ ابن ابی شیبہ، المصنّف، 1409 ق، ج 6، ص 3، 15.
631. بلاذری، انساب الاشراف، 1417 ق، ج 3، ص 7؛ مفید، الارشاد، 1413، ج 2، ص 27.
632. انساب الاشراف، 1417 ق، ج 3، ص 142؛ ابن سعد، الطبقات الکبری، 1418 ق، ج 10، ص 385.
633. احمد بن حنبل، المسند، دار صادر، ج 2، ص 440؛ حاکم نیشابوری، المستدرک، 1406 ق، ج 3، ص 166؛ ترمذی، سنن ترمذی، 1403 ق، ج 5، ص 324.
634. مسلم، صحیح مسلم، 1423 ق، ج 15، ص 190؛ کلینی، الکافی، 1363، ج 1، ص 287.
635. مفید، الارشاد، 1413، ج 1، ص 168.
636. زمخشری، الکشاف، 1415 ق، ذیل آیہ 61 آل عمران؛ فخر رازی، التفسیر الکبیر، 1405 ق، ذیل آیہ 61 سورہ آل عمران.
637. احمد بن حنبل، مسند احمد، دارصادر، ج 1، ص 331؛ ابن کثیر، تفسیر القرآن، 1419 ق، ج 3، ص 799؛ شوکانی، فتح القدیر، عالم الکتب، ج 4، ص 279.

638. یعقوبی، تاریخ الیعقوبی، دار صادر، ج2، ص226؛ ابن سعد، الطبقات الكبرى، 1418، ج10، ص363.
639. ابن سعد، الطبقات الكبرى، 1418، ج10، ص414.
640. ابن سعد، الطبقات الكبرى، 1418، ج10، ص395؛ ابن ابی شیبہ، المصنّف، 1409ق، ج7، ص269.
641. ری شهری، دانشنامه امام حسین، 1388ش، ج3، ص166-3.
642. کلینی، الکافی، 1362، ج1، ص528؛ شیخ طوسی، الغیبة، 1411، ص145.
643. مجلسی، بحارالانوار، 1363ش، ج44، ص223-249.
644. منقری، وقعة صفین، 1403، ص142.
645. کلینی، الکافی، 1362، ج1، ص465.
646. ابن قولویه، کامل الزیارات، 1356، ص66.
647. ابن شهرآشوب، المناقب، 1379ق، ج4، ص82؛ مجلسی، بحارالأنوار، 1363ش، ج98، ص69.
648. ابن سعد، الطبقات الكبرى، 1418ق، ج10، ص411؛ ابن عساکر، تاریخ مدینة دمشق، 1415ق، ج14، ص181.
649. ابن عساکر، تاریخ مدینة دمشق، 1415ق، ج14، ص185.
650. ابن عساکر، تاریخ مدینة دمشق، 1415ق، ج70، ص196-197؛ اس جیسے دیگر موارد کے لیے مراجعہ کریں: ابن حزم، المحلّی، دارالفکر، ج8، ص515؛ اربلی، کشف الغمہ، 1426ق، ج2، ص476.
651. اربلی، کشف الغمہ، 1421ق، ج1، ص575.
652. ری شهری، دانشنامه امام حسین، 1388، ج2، ص114-118.
653. شیخ صدوق، الخصال، 1403ق، ج1، ص135.
654. ابن سعد، الطبقات الكبرى، 1418، ج10، ص401؛ ابن عبد البر، الاستیعاب، 1412ق، ج1، ص397.
655. مراجعہ کریں: «عزاداری ماه محرم در کشورهای جنوب شرقی آسیا برگزار می‌شود» http://fa.abna24.com/ne/ws/اخبار-آسیای-شرقی/عزاداری-ماه-محرم-در-کشورهای-جنوب-شرقی-آسیا-برگزار-می‌شود_725804.html؛ «آداب و رسوم مردم شهرهای مختلف ایران در ماه محرم» <http://www.beytoote.com/art/city-country/diff/erent-cities2-muharram.html> (آرکائیو شدہ <http://www.beytoote.com/art/city-country/different-cities2-muharram.html>) بذریعہ beytoote.com (نقص:نامعلوم آرکائیو یو آر ایل).
656. بلاذری، انسابالاشراف، 1417ق، ج3، ص206.
657. مجلسی، بحار الانوار، 1363ش، ج45، ص196.
658. آئینہ‌وند، سنت عزاداری و منقبت‌خوانی، 1386ش، ص65-66 بہ نقل از ابن کثیر، البدایہ و النہایہ، ج11، ص183؛ ابن جوزی، المنتظم، 1992م، ج7، ص15.
659. مجلسی، بحار الانوار، 1363ش، ج44، باب34، ص278-296.
660. جامع زیارات المعصومین، 1389، ج3، ص36-69.
661. ابن قولویه، کامل الزیارات، 1356، ص158-161.
662. شیخ طوسی، مصباح المتہجد، 1411، ص787.
663. ابن طاووس، اللہوف، 1414ق، ص225.
664. خبرگزاری ابنا (http://fa.abna24.com/news/اخبار-آسیای-غربی-و-خاورمیانه/نمایندہ-آیت‌اللہ-سیستانی-بیش-از-13-میلیون-زائر-در-مراسم-ا_728134.html)
665. حاج منوچہری، حسین (ع)، امام، دائرةالمعارف بزرگ اسلامی، 676-677.
666. عمادی حائری، حسین بن علی، امام، دانشنامۀ جهان اسلام
667. [Veccia Vaglieri, Ḥusayn b. 'Alī b. Abī Ṭālib, EI2](#)
668. [Veccia Vaglieri, "Ḥusayn b. 'Alī b. Abī Ṭālib", EI2](#)
669. براتی، امام حسین در منابع اہل سنت، فرہنگ کوثر
670. [Veccia Vaglieri, "Ḥusayn b. 'Alī b. Abī Ṭālib", EI2](#)

671. جعفریان، تاریخ سیاسی اسلام، 2: 493
672. *Veccia Vaglieri, Ḥusayn b. 'Alī b. Abī Ṭālib, EI2*
673. عمادی حائری، حسین بن علی، امام، دانشنامه جهان اسلام
674. *Veccia Vaglieri, Ḥusayn b. 'Alī b. Abī Ṭālib, EI2*
675. عمادی حائری، حسین بن علی، امام، دانشنامه جهان اسلام
676. *Veccia Vaglieri, Ḥusayn b. 'Alī b. Abī Ṭālib, EI2*
677. عمادی حائری، حسین بن علی، امام، دانشنامه جهان اسلام
678. عمادی حائری، حسین بن علی، امام، دانشنامه جهان اسلام
679. *Veccia Vaglieri, Ḥusayn b. 'Alī b. Abī Ṭālib, EI2*
680. Nanji, Isma'ilism xvii. the Imamate in Isma'ilism, Iranica
681. غلامی، حسین (ع)، امام، دائرةالمعارف بزرگ اسلامی، 707
682. حاج منوچهری، حسین (ع)، امام، دائرةالمعارف بزرگ اسلامی، 681-682
683. *Veccia Vaglieri, "Ḥusayn b. 'Alī b. Abī Ṭālib", EI2*
684. Calmard, Ḥosayn b. 'Ali ii. in Popular Shi'ism
685. 205, Flakerud, Visualizing Belief and Piety
686. محدثی، فرهنگ عاشورا، 213
687. محدثی، فرهنگ عاشورا، 203-204
688. بلوکباشی، حسین (ع)، امام، دائرةالمعارف بزرگ اسلامی، 696-697
689. *Haider, al-Ḥusayn b. 'Alī b. Abī Ṭālib, EI3*
690. بلوکباشی، حسین (ع)، امام، دائرةالمعارف بزرگ اسلامی، 696-697
691. Calmard, Ḥosayn b. 'Ali ii. in Popular Shi'ism
692. بلوکباشی، تعزیه، دائرةالمعارف بزرگ اسلامی، 591
693. Calmard, Ḥosayn b. 'Ali ii. in Popular Shi'ism
694. مسعودی آرانی، حسین (ع)، امام، دائرةالمعارف بزرگ اسلامی، 690-691
695. احمدی، نگاهی به سه فیلم، نقد سینما
696. مسعودی آرانی، حسین (ع)، امام، دائرةالمعارف بزرگ اسلامی، 691-694
697. حجازی و محمدزاده، بازتاب عاشورا در شعرای عرب، شیعه‌شناسی
698. صالحی و سهیلی گیلان، امام حسین در اشعار فارسی و عربی معاصر، پژوهش‌نامه معارف حسینی
699. میرزایی، قیام امام حسین (ع) و شعر نو عربی، علوم انسانی دانشگاه الزهرا
700. گلی زواره قمشه‌ای، کندوکاوی در نسخه‌های تعزیه، آینه پژوهش
701. ثاقب بخشایشی، گزارشی بر ادبیات رثایی آذری، امامت‌پژوهی
702. کاظم‌نژادی و دیگر، عاشورا در نقاشی قهوه‌خانه‌ای قاجار، پژوهش‌های تاریخی
703. شایسته‌فر، عاشورا در بقعه چهار پادشاه، نامه پژوهش فرهنگی
704. تیموری، هنر خوشنویسی و حماسه عاشورا، کتاب ماه هنر
705. جلالی و قبادی، پرده‌های ناتمام، جامعه‌شناسی هنر و ادبیات
706. جوانی و کاظم‌نژادی، شمایل‌نگاری شیعی در نقاشی‌های قهوه‌خانه‌ای، شیعه‌شناسی
707. لعل شاطری و جعفری دهکردی، تصاویر التزام امام حسین در محضر حضرت علی، صحیفه اهل بیت
708. آخوندی، بررسی فقهی بازنمایی چهره معصومان، دین و رسانه
709. بلوکباشی، تعزیه‌خوانی، دائرةالمعارف بزرگ اسلامی

Haider, al-Husayn b. 'Alī b. Abī Ṭālib, EI3. 710

711. حاج منوچهری، حسین (ع)، امام، دائرةالمعارف بزرگ اسلامی، 713

712. اسفندیاری، کتابشناسی کتابشناسی‌های امام حسین، کتاب‌های اسلامی

713. صادق‌پور، ذیلی بر کتاب‌شناسی، مشکوة

714. حاج منوچهری، حسین (ع)، امام، دائرةالمعارف بزرگ اسلامی، 710-711

715. Pierce, Twelve Infallible Men, 32

716. جعفریان، تأملی در نهضت عاشورا، 15

717. حاج منوچهری، حسین (ع)، امام، دائرةالمعارف بزرگ اسلامی، 710

718. Veccia Vaglieri, "Husayn b. 'Alī b. Abī Ṭālib", EI2

719. حاج منوچهری، حسین (ع)، امام، دائرةالمعارف بزرگ اسلامی

720. حاج منوچهری، حسین (ع)، امام، دائرةالمعارف بزرگ اسلامی، 711

721. حاج منوچهری، حسین (ع)، امام، دائرةالمعارف بزرگ اسلامی، 711

722. Veccia Vaglieri, Husayn b. 'Alī b. Abī Ṭālib, EI2

723. حاج منوچهری، حسین (ع)، امام، دائرةالمعارف بزرگ اسلامی، 712

724. حاج منوچهری، حسین (ع)، امام، دائرةالمعارف بزرگ اسلامی، 714

725. مطهری، حماسه حسینی

726. رمز و راز آن پرچم سرخ - مرکز ملی پاسخگویی (<http://pasokhgoo.ir/node/2606>)

727. طباطبائی یزدی، العروة الوثقی، 1404ق، ج2، ص164.

728. کلیدار، تاریخ کربلا و حائرالحسین، 1376، ص52-51 و 60-58.

729. آل طعمه، کربلا و حرم‌های مطهر، مشعر، ص89-112

730. ابوالفرج اصفهانی، مقاتل الطالبیین، دارالمعرفة، ص477.

731. نگاهی نو به جریان عاشورا، 1387ش، ص425.

732. شیخ طوسی، الامالی، 1414ق، ص327؛ ابن شهرآشوب، المناقب، 1379، ج2، ص211.

733. ابن سعد، الطبقات الكبرى، 1418، ج10، ص376-410؛ بلاذری، انساب الاشراف، 1417ق، ج3، ص7؛ مسلم، صحیح

مسلم، 1423ق، ج15، ص190؛ ابن کثیر، تفسیر القرآن، 1419ق، ج3، ص799؛ مراجعه کریں حسینی شاهرودی،

«امام حسین و عاشورا از دیدگاه اهل سنت» (<http://www.noormags.ir/view/fa/articlepage/931082>) و

ایوب، م، ترجمه قاسمی، «فضایل امام حسین علیه السلام در احادیث اهل سنت» (<http://www.noormags.ir/vi>)

(<http://www.noormags.ir/vi>)

734. ایوب، م، ترجمه قاسمی، «فضایل امام حسین علیه السلام در احادیث اهل سنت» (<http://www.noormags.ir/vi>)

(<http://www.noormags.ir/vi>)

735. ابوبکر ابن عربی، العواصم من القواصم، المكتبة السلفية، ص232.

736. ابن تیمیہ، منهاج السنة النبویة، 1406ق، ج4، ص530-531.

737. ابن خلدون، تاریخ ابن خلدون، دار احیاء التراث العربی، ج1، ص217.

738. ابن خلدون، تاریخ ابن خلدون، دار احیاء التراث العربی، ج1، ص216.

739. آلوسی، روح المعانی، 1415ق، ج13، ص228.

740. عقاد، ابوالشهداء، 1429ق، ص207.

741. عقاد، ابوالشهداء، 1429ق، ص141.

742. طه حسین، علی و بنوه، دارالمعارف، ص239.

743. فروخ، تجدید فی المسلمین لا فی الإسلام، دار الكتاب العربی، ص152.

744. ناصری داودی، انقلاب کربلا از دیدگاه اهل سنت، 1385، ص287-319.

745. موسوعة كلمات الامام الحسين، مقدمه، صفحہ ز۔
746. مجلسی، بحارالانوار، 1363ش، ج95، ص214۔
747. کرباسی، دائرة المعارف الحسينية، ديوان الامام الحسين، 2001م۔ ج1 و 2۔
748. ابن شعبه، تحف العقول، 1404ق، ص237-240۔
749. مفيد، الارشاد، 1413، ج2، ص97-98۔
750. خوارزمی، مقتل الحسين، 1423، ج1، ص273۔
751. میانجی، مکاتیب الأئمة، 1426ق، ج3، ص83-156۔
752. اربلی، كشف الغمة فی معرفة الأئمة، 1421ق، ج1، ص592۔
753. ابن شعبه، تحف العقول، 1404، ص245۔
754. اربلی، كشف الغمة فی معرفة الأئمة، 1421ق، ج1، ص573۔
755. ابن شهر آشوب، المناقب، 1379، ج4، ص68۔
756. خوارزمی، مقتل الحسين، 1423ق، ج1، ص273۔
757. ابن شعبه، تحف العقول، 1404، ص248۔
758. "Who-was-hussein-and-why" 19-09-2017 کو اصل سے آرکائیو کیا گیا۔ اخذ شدہ بتاریخ 23-04-2020
759. Braswell, Islam: Its Prophet, Peoples, Politics and Power, 1996, p.28.
760. "Ziyarat Ashoora – Importance, Rewards and Effects". Al Muntazar University of Islamic Studies. 30-07-2017 کو اصل سے آرکائیو کیا گیا۔ اخذ شدہ بتاریخ 25-05-2017
761. Ali Asghar Azizi Tehrani (15 نومبر 2015). The Torch of Perpetual Guidance, an Expose on Ziyarat. Ashura of al-Imam al-Husain (PDF) ISBN: 978-1-193-0816-0. 21-09-2018 کو اصل سے آرکائیو کیا گیا (PDF)۔ اخذ شدہ بتاریخ 23-04-2020
762. Halm (2004), p. 15.
763. Juan Cole. "American Heroes Informed Comment". 08-01-2020 کو اصل سے آرکائیو کیا گیا۔ اخذ شدہ بتاریخ 23-04-2020
764. "In a distant age and climate, the tragic scene of the death of Husein will awaken the sympathy of the coldest reader." The Decline and Fall of the Roman Empire, vol. 2, p. 218 (<https://books.google.com/books?id=VvXSAAAAMAAJ&pg=PA218>) (<https://web.archive.org/web/201612020205830/https://books.google.com/books?id=VvXSAAAAMAAJ&pg=PA218>) 2 دسمبر 2016 بذریعہ وے بیک مشین۔
765. Reliving Karbala: Martyrdom in South Asian memory. By Syed Akbar Hyder, Oxford University Press, p. 170
766. "Rentier state and Shi'a Islam in the Iranian Revolution (Chapter 10) – Social". Teda Skocpol. 12-06-2018 کو اصل سے آرکائیو کیا گیا۔ اخذ شدہ بتاریخ 24-06-2017
767. یوٹیوب، ایمبیسٹر آف فیتھس، 07 اکتوبر 2016 (<https://www.youtube.com/watch?v=r4GVKxXzb2Y>)
768. یوٹیوب، ایمبیسٹر آف فیتھس، 08 اکتوبر 2016 (<https://www.youtube.com/watch?v=oV5wFoJTiQk>)
769. "کافروں کے امام حسینؑ.... تحقیق و تحریر، لالہ صحرائی"۔ 18-10-2016 کو اصل سے آرکائیو کیا گیا۔ اخذ شدہ بتاریخ 12-10-2016

- . سازمان تبلیغات اسلامی۔ 1369 {{حوالہ کتاب}}: نامعلوم پیرامیٹر اشابک= رد کیا گیا (معاونت)، نامعلوم پیرامیٹر امکان= رد کیا گیا (معاونت)، نامعلوم پیرامیٹر انام خانوادگی= رد کیا گیا (معاونت)، نامعلوم پیرامیٹر انام= رد کیا گیا (معاونت)، نامعلوم پیرامیٹر اپیوند نویسنده= رد کیا گیا (معاونت)، نامعلوم پیرامیٹر اکتاب= رد کیا گیا (معاونت)، وپیرامیٹر title= غیر موجود یا خالی (معاونت)
- . امیرکبیر۔ 1358 {{حوالہ کتاب}}: نامعلوم پیرامیٹر اشابک= رد کیا گیا (معاونت)، نامعلوم پیرامیٹر امکان= رد کیا گیا (معاونت)، نامعلوم پیرامیٹر انام خانوادگی= رد کیا گیا (معاونت)، نامعلوم پیرامیٹر انام= رد کیا گیا (معاونت)، نامعلوم پیرامیٹر اپیوند نویسنده= رد کیا گیا (معاونت)، نامعلوم پیرامیٹر اکتاب= رد کیا گیا (معاونت)، وپیرامیٹر title= غیر موجود یا خالی (معاونت)
- . دفتر نشر فرهنگ اسلامی۔ 1359 {{حوالہ کتاب}}: نامعلوم پیرامیٹر اشابک= رد کیا گیا (معاونت)، نامعلوم پیرامیٹر امکان= رد کیا گیا (معاونت)، نامعلوم پیرامیٹر انام خانوادگی= رد کیا گیا (معاونت)، نامعلوم پیرامیٹر انام= رد کیا گیا (معاونت)، نامعلوم پیرامیٹر اپیوند نویسنده= رد کیا گیا (معاونت)، نامعلوم پیرامیٹر اکتاب= رد کیا گیا (معاونت)، وپیرامیٹر title= غیر موجود یا خالی (معاونت)
- . اطلاعات۔ 1375 {{حوالہ کتاب}}: نامعلوم پیرامیٹر اسال اصلی= رد کیا گیا (معاونت)، نامعلوم پیرامیٹر اشابک= رد کیا گیا (معاونت)، نامعلوم پیرامیٹر امکان= رد کیا گیا (معاونت)، نامعلوم پیرامیٹر انام خانوادگی= رد کیا گیا (معاونت)، نامعلوم پیرامیٹر انام= رد کیا گیا (معاونت)، نامعلوم پیرامیٹر اپیوند نویسنده= رد کیا گیا (معاونت)، نامعلوم پیرامیٹر اکتاب= رد کیا گیا (معاونت)، وپیرامیٹر title= غیر موجود یا خالی (معاونت)

حواشی

منابع

- اسکرپٹ نقص: «Citation/CS1/fa» کے نام سے کوئی ماڈیول نہیں ہے۔
- تفسیر القرآن العظیم۔ دارالکتب العلمیۃ، منشورات محمد علی بیضون۔ ج 2۔ 1419 {{حوالہ کتاب}}: نامعلوم پیرامیٹر ارف= رد کیا گیا (معاونت)، نامعلوم پیرامیٹر اشابک= رد کیا گیا (معاونت)، نامعلوم پیرامیٹر امکان= رد کیا گیا (معاونت)، نامعلوم پیرامیٹر انام خانوادگی ویراستار= رد کیا گیا (معاونت)، نامعلوم پیرامیٹر انام خانوادگی= رد کیا گیا (معاونت)، نامعلوم پیرامیٹر انام ویراستار= رد کیا گیا (معاونت)، ونامعلوم پیرامیٹر انام= رد کیا گیا (معاونت)
- تفسیر القرآن العظیم۔ دارالکتب العلمیۃ، منشورات محمد علی بیضون۔ ج 6۔ 1419 {{حوالہ کتاب}}: نامعلوم پیرامیٹر ارف= رد کیا گیا (معاونت)، نامعلوم پیرامیٹر امکان= رد کیا گیا (معاونت)، نامعلوم پیرامیٹر انام خانوادگی ویراستار= رد کیا گیا (معاونت)، نامعلوم پیرامیٹر انام خانوادگی= رد کیا گیا (معاونت)، نامعلوم پیرامیٹر انام ویراستار= رد کیا گیا (معاونت)، ونامعلوم پیرامیٹر انام= رد کیا گیا (معاونت)
- تفسیر القرآن العظیم۔ دارالکتب العلمیۃ، منشورات محمد علی بیضون۔ ج 7۔ 1419 {{حوالہ کتاب}}: نامعلوم پیرامیٹر ارف= رد کیا گیا (معاونت)، نامعلوم پیرامیٹر امکان= رد کیا گیا (معاونت)، نامعلوم پیرامیٹر انام خانوادگی ویراستار= رد کیا گیا (معاونت)، نامعلوم پیرامیٹر انام خانوادگی= رد کیا گیا (معاونت)، نامعلوم پیرامیٹر انام ویراستار= رد کیا گیا (معاونت)، ونامعلوم پیرامیٹر انام= رد کیا گیا (معاونت)

- <https://ur.wikipedia.org/wiki/حسین بن علی>

■ اسکرپٹ نقص: «Citation/CS1/fa» کے نام سے کوئی ماڈیول نہیں ہے۔

■ تحفة الأبرار شرح مصابيح السنة. وزارت اوقاف و امور اسلامی کویت. ج 3. 1433 {{حوالہ کتاب}}: نامعلوم پیرامیٹر |مکان= رد کیا گیا (معاونت)، نامعلوم پیرامیٹر |نام خانوادگی ویراستار= رد کیا گیا (معاونت)، نامعلوم پیرامیٹر |نام خانوادگی= رد کیا گیا (معاونت)، نامعلوم پیرامیٹر |نام ویراستار= رد کیا گیا (معاونت)، ونامعلوم پیرامیٹر |نام= رد کیا گیا (معاونت)

■ اسکرپٹ نقص: «Citation/CS1/fa» کے نام سے کوئی ماڈیول نہیں ہے۔

■ اسکرپٹ نقص: «Citation/CS1/fa» کے نام سے کوئی ماڈیول نہیں ہے۔

■ . دفتر نشر الہادی. ج 2. 1378 {{حوالہ کتاب}}: نامعلوم پیرامیٹر |شابک= رد کیا گیا (معاونت)، نامعلوم پیرامیٹر |مکان= رد کیا گیا (معاونت)، نامعلوم پیرامیٹر |نام خانوادگی= رد کیا گیا (معاونت)، نامعلوم پیرامیٹر |نام= رد کیا گیا (معاونت)، نامعلوم پیرامیٹر |پیوند نویسنده= رد کیا گیا (معاونت)، نامعلوم پیرامیٹر |کتاب= رد کیا گیا (معاونت)، وپیرامیٹر |title= غیر موجود یا خالی (معاونت)

■ تأملی در نہضت عاشورا. انصاریان. 1386 {{حوالہ کتاب}}: نامعلوم پیرامیٹر |شابک= رد کیا گیا (معاونت)، نامعلوم پیرامیٹر |مکان= رد کیا گیا (معاونت)، نامعلوم پیرامیٹر |نام خانوادگی= رد کیا گیا (معاونت)، ونامعلوم پیرامیٹر |نام= رد کیا گیا (معاونت)

■ اسکرپٹ نقص: «Citation/CS1/fa» کے نام سے کوئی ماڈیول نہیں ہے۔

■ اسکرپٹ نقص: «Citation/CS1/fa» کے نام سے کوئی ماڈیول نہیں ہے۔

■ اسکرپٹ نقص: «Citation/CS1/fa» کے نام سے کوئی ماڈیول نہیں ہے۔

■ اسکرپٹ نقص: «Citation/CS1/fa» کے نام سے کوئی ماڈیول نہیں ہے۔

■ اسکرپٹ نقص: «citation/CS1/fa» کے نام سے کوئی ماڈیول نہیں ہے۔

■ اسکرپٹ نقص: «Citation/CS1/fa» کے نام سے کوئی ماڈیول نہیں ہے۔

■ اسکرپٹ نقص: «Citation/CS1/fa» کے نام سے کوئی ماڈیول نہیں ہے۔

■ اسکرپٹ نقص: «Citation/CS1/fa» کے نام سے کوئی ماڈیول نہیں ہے۔

■ اسکرپٹ نقص: «Citation/CS1/fa» کے نام سے کوئی ماڈیول نہیں ہے۔

■ اسکرپٹ نقص: «Citation/CS1/fa» کے نام سے کوئی ماڈیول نہیں ہے۔

■ شیعہ در اسلام. بوستان کتاب قم. 1388 {{حوالہ کتاب}}: نامعلوم پیرامیٹر |شابک= رد کیا گیا (معاونت)، نامعلوم پیرامیٹر |مکان= رد کیا گیا (معاونت)، نامعلوم پیرامیٹر |نام خانوادگی= رد کیا گیا (معاونت)، نامعلوم پیرامیٹر |نام= رد کیا گیا (معاونت)، نامعلوم پیرامیٹر |پیوند نویسنده= رد کیا گیا (معاونت)، ونامعلوم پیرامیٹر |کوشش= رد کیا گیا (معاونت)

■ المیزان فی تفسیر القرآن. دارالعلم. ج 3 {{حوالہ کتاب}}: نامعلوم پیرامیٹر |ترجمہ= رد کیا گیا (معاونت)، نامعلوم پیرامیٹر |رف= رد کیا گیا (معاونت)، نامعلوم پیرامیٹر |مکان= رد کیا گیا (معاونت)، نامعلوم پیرامیٹر |نام خانوادگی= رد کیا گیا (معاونت)، ونامعلوم پیرامیٹر |نام= رد کیا گیا (معاونت)

■ المیزان فی تفسیر القرآن. دارالعلم. ج 16 {{حوالہ کتاب}}: نامعلوم پیرامیٹر |ترجمہ= رد کیا گیا (معاونت)، نامعلوم پیرامیٹر |رف= رد کیا گیا (معاونت)، نامعلوم پیرامیٹر |مکان= رد کیا گیا (معاونت)، نامعلوم پیرامیٹر |نام خانوادگی= رد کیا گیا (معاونت)، ونامعلوم پیرامیٹر |نام= رد کیا گیا (معاونت)

■ المیزان فی تفسیر القرآن. دارالعلم. ج 18 {{حوالہ کتاب}}: نامعلوم پیرامیٹر |ترجمہ= رد کیا گیا (معاونت)، نامعلوم پیرامیٹر |رف= رد کیا گیا (معاونت)، نامعلوم پیرامیٹر |مکان= رد کیا گیا (معاونت)، نامعلوم پیرامیٹر |نام خانوادگی= رد کیا گیا (معاونت)، ونامعلوم پیرامیٹر |نام= رد کیا گیا (معاونت)

■ المیزان فی تفسیر القرآن. دارالعلم. ج 20 {{حوالہ کتاب}}: نامعلوم پیرامیٹر |ترجمہ= رد کیا گیا (معاونت)، نامعلوم پیرامیٹر |رف= رد کیا گیا (معاونت)، نامعلوم پیرامیٹر |مکان= رد کیا گیا (معاونت)، نامعلوم پیرامیٹر |نام خانوادگی= رد کیا گیا (معاونت)، ونامعلوم پیرامیٹر |نام= رد کیا گیا (معاونت)

- خانوادگی ویراستار 4= رد کیا گیا (help), نامعلوم پیرامیٹر |نام خانوادگی 1= رد کیا گیا (help),

نامعلوم پیرامیٹر انام خانوادگی=2 رد کیا گیا (help), نامعلوم پیرامیٹر انام خانوادگی=3 رد کیا گیا (help), نامعلوم پیرامیٹر انام خانوادگی=4 رد کیا گیا (help), نامعلوم پیرامیٹر انام خانوادگی=5 رد کیا گیا (help), نامعلوم پیرامیٹر انام ویراستار=1 رد کیا گیا (help), نامعلوم پیرامیٹر انام ویراستار=2 رد کیا گیا (help), نامعلوم پیرامیٹر انام ویراستار=3 رد کیا گیا (help), نامعلوم پیرامیٹر انام ویراستار=4 رد کیا گیا (help), نامعلوم پیرامیٹر انام=1 رد کیا گیا (help), نامعلوم پیرامیٹر انام=2 رد کیا گیا (help), نامعلوم پیرامیٹر انام=3 رد کیا گیا (help), نامعلوم پیرامیٹر انام=4 رد کیا گیا (help), نامعلوم پیرامیٹر انام=5 رد کیا گیا (help), نامعلوم پیرامیٹر اویرایش= رد کیا گیا (help), نامعلوم پیرامیٹر پیوند مدخل= رد کیا گیا (help), نامعلوم پیرامیٹر پیوند نویسنده=1 رد کیا گیا (help), نامعلوم پیرامیٹر پیوند نویسنده=2 رد کیا گیا (help), نامعلوم پیرامیٹر پیوند نویسنده=3 رد کیا گیا (help), نامعلوم پیرامیٹر پیوند نویسنده=4 رد کیا گیا (help), نامعلوم پیرامیٹر پیوند نویسنده=5 رد کیا گیا (help), نامعلوم پیرامیٹر ویراستار=1 رد کیا گیا (help), نامعلوم پیرامیٹر ویراستار=2 رد کیا گیا (help), نامعلوم پیرامیٹر ویراستار=3 رد کیا گیا (help), نامعلوم پیرامیٹر ویراستار=4 رد کیا گیا (help), and پیرامیٹر title= غیر موجود یا خالی (help)

- (بزبان انگریزی). Bibliotheca Persica Press. Vol. XII. 2004. pp. 498–502. {{حوالہ موسوع}}: نامعلوم پیرامیٹر |دانشنامہ= رد کیا گیا (help), نامعلوم پیرامیٹر |اسری= رد کیا گیا (help), نامعلوم پیرامیٹر |مقالہ= رد کیا گیا (help), نامعلوم پیرامیٹر |مکان= رد کیا گیا (help), نامعلوم پیرامیٹر |نام خانوادگی ویراستار= رد کیا گیا (help), نامعلوم پیرامیٹر |نام خانوادگی= رد کیا گیا (help), نامعلوم پیرامیٹر |نام ویراستار= رد کیا گیا (help), نامعلوم پیرامیٹر |نام= رد کیا گیا (help), نامعلوم پیرامیٹر |پیوند پیوند= رد کیا گیا (help), نامعلوم پیرامیٹر |پیوند نویسنده= رد کیا گیا (help), نامعلوم پیرامیٹر |پیوند= رد کیا گیا (help), and پیرامیٹر ref=harv درست نہیں (help), and پیرامیٹر title= غیر موجود یا خالی (help)

- In Search of the Lost Heart: Explorations in Islamic Thought (بزبان انگریزی). SUNY Press. 2012. {{حوالہ کتاب}}: نامعلوم پیرامیٹر |شابک= رد کیا گیا (help), نامعلوم پیرامیٹر |مکان= رد کیا گیا (help), نامعلوم پیرامیٹر |نام خانوادگی= رد کیا گیا (help), نامعلوم پیرامیٹر |نام= رد کیا گیا (help), and نامعلوم پیرامیٹر |پیوند نویسنده= رد کیا گیا (help)

- Visualizing Belief and Piety in Iranian Shiism (بزبان انگریزی). A&C Black. 2010. {{حوالہ کتاب}}: اس حوالہ میں نامعلوم یا خالی پیرامیٹر موجود ہے: |مکان= (help), نامعلوم پیرامیٹر |شابک= رد کیا گیا (help), نامعلوم پیرامیٹر |نام خانوادگی= رد کیا گیا (help), and نامعلوم پیرامیٹر |نام= رد کیا گیا (help)
- (بزبان انگریزی). Brill. Vol. 34. 2016. {{حوالہ موسوع}}: الوسيط |entry-url-access= بحاجۃ ل |entry-url= (help), نامعلوم پیرامیٹر |دانشنامہ= رد کیا گیا (help), نامعلوم پیرامیٹر |مدخل= رد کیا گیا (help), نامعلوم پیرامیٹر |نام خانوادگی ویراستار=1 رد کیا گیا (help), نامعلوم پیرامیٹر |نام خانوادگی ویراستار=2 رد کیا گیا (help), نامعلوم پیرامیٹر |نام خانوادگی ویراستار=3 رد کیا گیا (help), نامعلوم پیرامیٹر |نام خانوادگی ویراستار=4 رد کیا گیا (help), نامعلوم پیرامیٹر |نام خانوادگی ویراستار=5 رد کیا گیا (help), نامعلوم پیرامیٹر |نام خانوادگی= رد کیا گیا (help), نامعلوم پیرامیٹر |نام ویراستار=1 رد کیا گیا (help), نامعلوم پیرامیٹر |نام ویراستار=2 رد کیا گیا (help), نامعلوم پیرامیٹر |نام ویراستار=3 رد کیا گیا (help), نامعلوم پیرامیٹر |نام ویراستار=4 رد کیا گیا (help), نامعلوم پیرامیٹر |نام ویراستار=5 رد کیا گیا (help), نامعلوم پیرامیٹر |اویرایش= رد کیا گیا (help), نامعلوم پیرامیٹر |پیوند مدخل= رد کیا گیا (help), نامعلوم پیرامیٹر |پیوند ویراستار=2 رد کیا گیا (help), and پیرامیٹر ref=harv درست نہیں (help), and پیرامیٹر title= غیر موجود یا خالی (help)

- (بزبان انگریزی). E. J. Brill. Vol. 7. 1993. pp. 263–268. {{حوالہ موسوع}}: الوسيط |entry-url-access= بحاجۃ ل |entry-url= (help), نامعلوم پیرامیٹر |دانشنامہ= رد کیا گیا (help), نامعلوم پیرامیٹر |مدخل= رد کیا گیا (help), نامعلوم پیرامیٹر |مکان= رد کیا گیا (help), نامعلوم پیرامیٹر |نام= رد کیا گیا (help), and پیرامیٹر ref=harv درست نہیں (help), and پیرامیٹر title= غیر موجود یا خالی (help)

خانوادگی ویراستار=1 رد کیا گیا (help), نامعلوم پیرامیٹر انام خانوادگی ویراستار=2 رد کیا گیا (help), نامعلوم پیرامیٹر انام خانوادگی ویراستار=3 رد کیا گیا (help), نامعلوم پیرامیٹر انام خانوادگی ویراستار=4 رد کیا گیا (help), نامعلوم پیرامیٹر انام ویراستار=1 رد کیا گیا (help), نامعلوم پیرامیٹر انام ویراستار=2 رد کیا گیا (help), نامعلوم پیرامیٹر انام ویراستار=3 رد کیا گیا (help), نامعلوم پیرامیٹر انام ویراستار=4 رد کیا گیا (help), نامعلوم پیرامیٹر انام= رد کیا گیا (help), نامعلوم پیرامیٹر اویرایش= رد کیا گیا (help), نامعلوم پیرامیٹر اپیوند مدخل= رد کیا گیا (help), نامعلوم پیرامیٹر اپیوند نویسنده= رد کیا گیا (help), نامعلوم پیرامیٹر اپیوند ویراستار=1 رد کیا گیا (help), نامعلوم پیرامیٹر اپیوند ویراستار=2 رد کیا گیا (help), نامعلوم پیرامیٹر اپیوند ویراستار=3 رد کیا گیا (help), نامعلوم پیرامیٹر اپیوند ویراستار=4 رد کیا گیا (help), پیرامیٹر ref=harv درست نہیں (help), and پیرامیٹر title= غیر موجود یا خالی (help)

- The Cambridge History of Islam (بزبان انگریزی). Cambridge University Press. 1977. {{حوالہ کتاب}}: اس حوالہ میں نامعلوم یا خالی پیرامیٹر موجود ہے: |مکان= (help), نامعلوم پیرامیٹر اشابک= رد کیا گیا (help), نامعلوم پیرامیٹر انام خانوادگی=2 رد کیا گیا (help), نامعلوم پیرامیٹر انام خانوادگی=3 رد کیا گیا (help), نامعلوم پیرامیٹر انام خانوادگی= رد کیا گیا (help), نامعلوم پیرامیٹر ا نام=2 رد کیا گیا (help), نامعلوم پیرامیٹر انام=3 رد کیا گیا (help) and نامعلوم پیرامیٹر انام= رد کیا گیا (help)
- The Succession to Muhammad: A Study of the Early Caliphate (بزبان انگریزی). Cambridge University Press. 1997. {{حوالہ کتاب}}: نامعلوم پیرامیٹر اشابک= رد کیا گیا (help), نامعلوم پیرامیٹر امکان= رد کیا گیا (help), نامعلوم پیرامیٹر انام خانوادگی= رد کیا گیا (help), نامعلوم پیرامیٹر انام= رد کیا گیا (help) and نامعلوم پیرامیٹر اپیوند نویسنده= رد کیا گیا (help)
- (بزبان انگریزی). Bibliotheca Persica Press. Vol. XII. 2004. pp. 493–498. {{حوالہ موسوع}}: نامعلوم پیرامیٹر ا دانشنامہ= رد کیا گیا (help), نامعلوم پیرامیٹر اسری= رد کیا گیا (help), نامعلوم پیرامیٹر امدخل= رد کیا گیا (help), نامعلوم پیرامیٹر امکان= رد کیا گیا (help), نامعلوم پیرامیٹر انام خانوادگی= رد کیا گیا (help), نامعلوم پیرامیٹر انام خانوادگی= رد کیا گیا (help), نامعلوم پیرامیٹر انام خانوادگی= رد کیا گیا (help), نامعلوم پیرامیٹر انام= رد کیا گیا (help), نامعلوم پیرامیٹر اپیوند مدخل= رد کیا گیا (help), نامعلوم پیرامیٹر اپیوند نویسنده= رد کیا گیا (help), نامعلوم پیرامیٹر اپیوند ویراستار= رد کیا گیا (help), پیرامیٹر ref=harv درست نہیں (help), and پیرامیٹر title= غیر موجود یا خالی (help)
- (بزبان انگریزی). Bibliotheca Persica Press. Vol. XIV. 2007. pp. 210–212. {{حوالہ موسوع}}: نامعلوم پیرامیٹر ا دانشنامہ= رد کیا گیا (help), نامعلوم پیرامیٹر اسری= رد کیا گیا (help), نامعلوم پیرامیٹر ا مقالہ= رد کیا گیا (help), نامعلوم پیرامیٹر امکان= رد کیا گیا (help), نامعلوم پیرامیٹر انام خانوادگی= رد کیا گیا (help), نامعلوم پیرامیٹر انام خانوادگی= رد کیا گیا (help), نامعلوم پیرامیٹر انام خانوادگی= رد کیا گیا (help), نامعلوم پیرامیٹر انام= رد کیا گیا (help), نامعلوم پیرامیٹر اپیوند مقالہ= رد کیا گیا (help), نامعلوم پیرامیٹر اپیوند ویراستار= رد کیا گیا (help), پیرامیٹر ref=harv درست نہیں (help) and پیرامیٹر title= غیر موجود یا خالی (help)
- Twelve Infallible Men: The Imams and the Making of Shi'ism (بزبان انگریزی). Harvard University Press. 2016. {{حوالہ کتاب}}: نامعلوم پیرامیٹر اشابک= رد کیا گیا (help), نامعلوم پیرامیٹر امکان= رد کیا گیا (help), نامعلوم پیرامیٹر انام خانوادگی= رد کیا گیا (help) and نامعلوم پیرامیٹر انام= رد کیا گیا (help)
- (بزبان انگریزی). Bibliotheca Persica Press. Vol. I. 1985. pp. 838–848. {{حوالہ موسوع}}: نامعلوم پیرامیٹر ا دانشنامہ= رد کیا گیا (help), نامعلوم پیرامیٹر اسری= رد کیا گیا (help), نامعلوم پیرامیٹر ا مقالہ= رد کیا گیا (help), نامعلوم پیرامیٹر امکان= رد کیا گیا (help), نامعلوم پیرامیٹر انام خانوادگی= رد کیا گیا (help)

- ویراستار = رد کیا گیا (help), نامعلوم پیرامیٹر انام خانوادگی=1 رد کیا گیا (help), نامعلوم پیرامیٹر ا نام خانوادگی=2 رد کیا گیا (help), نامعلوم پیرامیٹر انام ویراستار = رد کیا گیا (help), نامعلوم پیرامیٹر انام=1 رد کیا گیا (help), نامعلوم پیرامیٹر اپیوند نامعلوم پیرامیٹر ا پیوند نویسنده=2 رد کیا گیا (help), نامعلوم پیرامیٹر اپیوند ویراستار = رد کیا گیا (help), پیرامیٹر ref=harv درست نہیں (help), and پیرامیٹر |title= غیر موجود یا خالی (help)
- "The rise of Islam, 600–705". (بزبان انگریزی). Cambridge University Press. Vol. 1. 2010. pp. 171–225. {{حوالہ کتاب}}: نامعلوم پیرامیٹر اشباک= رد کیا گیا (help), نامعلوم پیرامیٹر افصل یوآرایل رسائی= رد کیا گیا (help), نامعلوم پیرامیٹر انام خانوادگی ویراستار= رد کیا گیا (help), نامعلوم پیرامیٹر انام خانوادگی= رد کیا گیا (help), نامعلوم پیرامیٹر انام ویراستار= رد کیا گیا (help), نامعلوم پیرامیٹر انام= رد کیا گیا (help), نامعلوم پیرامیٹر اپیوند فصل= رد کیا گیا (help), نامعلوم پیرامیٹر اپیوند نویسنده= رد کیا گیا (help), نامعلوم پیرامیٹر ویراستار= رد کیا گیا (help), نامعلوم پیرامیٹر کتاب= رد کیا گیا (help), and پیرامیٹر |title= غیر موجود یا خالی (help)
- (بزبان انگریزی). E. J. Brill. Vol. 1. 1960. pp. 381–386. {{حوالہ موسوع}}: الوسيط |entry-url=access =بجاء ل |entry-url= (help), نامعلوم پیرامیٹر ادانشنام= رد کیا گیا (help), نامعلوم پیرامیٹر امدخل= رد کیا گیا (help), نامعلوم پیرامیٹر امکان= رد کیا گیا (help), نامعلوم پیرامیٹر انام خانوادگی ویراستار=1 رد کیا گیا (help), نامعلوم پیرامیٹر انام خانوادگی ویراستار=3 رد کیا گیا (help), نامعلوم پیرامیٹر انام خانوادگی= رد کیا گیا (help), نامعلوم پیرامیٹر انام ویراستار=1 رد کیا گیا (help), نامعلوم پیرامیٹر انام ویراستار=2 رد کیا گیا (help), نامعلوم پیرامیٹر ا ویرایش= رد کیا گیا (help), نامعلوم پیرامیٹر اپیوند مدخل= رد کیا گیا (help), نامعلوم پیرامیٹر اپیوند نویسنده= رد کیا گیا (help), نامعلوم پیرامیٹر ویراستار=1 رد کیا گیا (help), نامعلوم پیرامیٹر ویراستار=2 رد کیا گیا (help), نامعلوم پیرامیٹر ویراستار=3 رد کیا گیا (help), and پیرامیٹر |title= غیر موجود یا خالی (help)
- (بزبان انگریزی). E. J. Brill. Vol. 3. 1971. pp. 607–615. {{حوالہ موسوع}}: الوسيط |entry-url=access =بجاء ل |entry-url= (help), نامعلوم پیرامیٹر ادانشنام= رد کیا گیا (help), نامعلوم پیرامیٹر امدخل= رد کیا گیا (help), نامعلوم پیرامیٹر امکان= رد کیا گیا (help), نامعلوم پیرامیٹر انام خانوادگی ویراستار=1 رد کیا گیا (help), نامعلوم پیرامیٹر انام خانوادگی ویراستار=3 رد کیا گیا (help), نامعلوم پیرامیٹر انام خانوادگی ویراستار=4 رد کیا گیا (help), نامعلوم پیرامیٹر انام ویراستار=1 رد کیا گیا (help), نامعلوم پیرامیٹر انام ویراستار=3 رد کیا گیا (help), نامعلوم پیرامیٹر انام ویراستار=4 رد کیا گیا (help), نامعلوم پیرامیٹر ا ویرایش= رد کیا گیا (help), نامعلوم پیرامیٹر امدخل= رد کیا گیا (help), نامعلوم پیرامیٹر اپیوند مدخل= رد کیا گیا (help), نامعلوم پیرامیٹر ویراستار=1 رد کیا گیا (help), نامعلوم پیرامیٹر ویراستار=2 رد کیا گیا (help), نامعلوم پیرامیٹر ویراستار=3 رد کیا گیا (help), and پیرامیٹر |title= غیر موجود یا خالی (help)

Quran, 3: 59 (<http://tanzil.net/#3:59>) .2

Quran, 3: 61 (<http://tanzil.net/#3:61>) .3

Quran, 21:111 (<http://tanzil.net/#21:111>) .4

حوالہ جات

کتابیں

- The English Translation of Sahih Al Bukhari With the Arabic Text (1996) Muhammad Ibn Ismail Al-Bukhari (ترجمہ از Muhammad Muhsin Khan) .Al-Saadawi Publications .ISBN 1-881963-59-4
- (1927) Tawfiq Canaan .Mohammedan Saints and Sanctuaries in Palestine ,London انگلینڈ: & Luzac Co .16-05-2019 کو اصل سے آرکائیو کیا گیا۔ اخذ شدہ بتاریخ 16-07-2020
- (2007) Maria Massi Dakake .The Charismatic Community: Shi'ite Identity in Early Islam .SUNY Press .ISBN 978-0-7914-7033-6
- (2005) Matthew Gordon .The Rise of Islam .Greenwood Press .ISBN 0-313-32522-7
- (2004) Janet Watson ؛ Heinz Halm ؛ Marian Hill .Shi'ism .Edinburgh University Press .ISBN 0-7486-1888-0
- (1997) Wilferd Madelung .The Succession to Muhammad: A Study of the Early Caliphate .Cambridge University Press .ISBN 0-521-64696-0
- (1979) Tabatabaee .Shi'ite Islam .Sany Press .ISBN 0-87395-272-3

انسائیکلوپیڈیا

- دائرۃ المعارف بریٹانیکا .Encyclopædia Britannica, Inc. {{حوالہ موسوعہ}}: پیرامیٹر |title= غیر موجود یا خالی (معاونت)
- دائرۃ المعارف ایرانیکا .Center for Iranian Studies, Columbia University .ISBN 1-56859-050-4 {{حوالہ موسوعہ}}: پیرامیٹر |title= غیر موجود یا خالی (معاونت)
- Encyclopaedia of the Qur'an .Brill Publishers, Leiden .ISBN 90-04-14743-8 {{حوالہ موسوعہ}}: پیرامیٹر |title= غیر موجود یا خالی (معاونت)
- دائرۃ المعارف الاسلامیہ {{حوالہ موسوعہ}}: پیرامیٹر |title= غیر موجود یا خالی (معاونت)

بلاگ

- Sacred Surprise behind Israel Hospital (<http://articles.latimes.com/2008/may/21/world/fg-mosque> 21 آرکائیو شدہ <https://web.archive.org/web/20110222061914/http://articles.latimes.com/2008/may/21/world/fg-mosque> 22 فروری 2011 بذریعہ وے بیک مشین، by Batsheva Sobelman, special Los Angeles Times

بیرونی روابط

- حسین ابن علی (<http://www.britannica.com/eb/article-9041622>) انسائیکلوپیڈیا بریٹانیکا کا ایک مضمون۔

- Biography of Imam Husayn (https://www.youtube.com/watch?v=33el2YX3-_Y) یوٹیوب پر
- انسائیکلوپیڈیا ایرانیکا کا مضمون ولفرڈ میڈیلونگ کے ذریعہ حسین ابن علی (http://www.iranicaonline.org/articles/hosayn-b-ali-i)
- انسائیکلوپیڈیا ایرانیکا کا مضمون، ژان کالمارڈ کے ذریعہ، مشہور شیعہ in میں حسین ابن علی (http://www.iranicaonline.org/articles/hosayn-b-ali-ii)
- غیر مسلموں کی نظر میں امام حسین (http://www.al-islam.org/nutshell/files/husaynviews.pdf)
- تیسرا امام (https://web.archive.org/web/20121227062056/http://www.al-islam.org/kaaba14/6.htm)
- شہدائے کربلا (http://www.al-islam.org/short/sorrows/names.htm)
- حسین بن علی کی وفات کا ایک بیان (http://www.islamfrominside.com/Pages/Articles/Ashura.html)
- خوش کن کتابوں کے ذریعہ انٹرایکٹو خاندانی درخت (https://web.archive.org/web/20111010094643/http://www.happy-books.co.uk/muhammad-ibn-abdullah-lineage-and-family-tree/family-tree-diagram-of-lineage-and-relatives-of-prophets-and-companions-in-muslim-history.php?id=112)
- قصہ کربلا: مقاتل ای ابی مخنف (http://www.wilayatmission.com/EngBooks.html)
- حسین ابن علی کے مقدس سرمبارک کی منتقلی کی مختصر تاریخ، دمشق سے اشکیلون قاہرہ بذریعہ قاضی ڈاکٹر شیخ عباس بورنہ پی ایچ ڈی (امریکا)، این ڈی آئی، شہادت الاعلمیہ (نجف، عراق)، ایم اے، ایل ایل ایم (شریعت) ممبر، علما کونسل آف پاکستان۔ ڈیلی نیوز، کراچی، پاکستان میں 3 جنوری 2009 کو شائع ہوا۔

حسین بن علی بنو ہاشم چھوٹی شاخ قریش پیدائش: 3 شعبان 4 ھ 10 اکتوبر 625ء وفات: 10 محرم 61 ھ 10 اکتوبر 680ء		
مناصب اہل تشیع		
ماقبل زین العابدین	دوسرا اسماعیلی شیعہ 3rd شیعہ، اسماعیلی، اور زیدیوں کے امام 680–669	ماقبل حسن ابن علی متنازع نزاری
مابعد محمد ابن حنفیہ کیسانی جانشین		

ویکی ذخائر پر **حسین بن علی** سے متعلق سمعی و بصری مواد ملاحظہ کریں۔



ویکی اقتباس میں **حسین بن علی** سے متعلق اقتباسات موجود ہیں۔



سانچے

Navbox: سانچے

سانچہ:فاطمہ زہراء سانچہ:وزراء صحابہ سانچہ:ائمہ اثنا عشریہ سانچہ:صحابہ سانچہ:فقہاء صحابہ سانچہ:محمد بن عبد اللہ سانچہ:شیعییت میں محترم شخصیات سانچہ:واقعہ کربلا سانچہ:صحابہ سانچہ:واقعہ کربلا 1 سانچہ:متعدد ابواب سانچہ:معلومات کتب خانہ سانچہ:اموی دور کے شعراء سانچہ:جنت کی بشارت پانے والے صحابہ

سانچہ:Broken ref:

سانچہ:Broken ref:

اخذ کردہ از «https://ur.wikipedia.org/w/index.php?title=حسین_بن_علی&oldid=9951581»



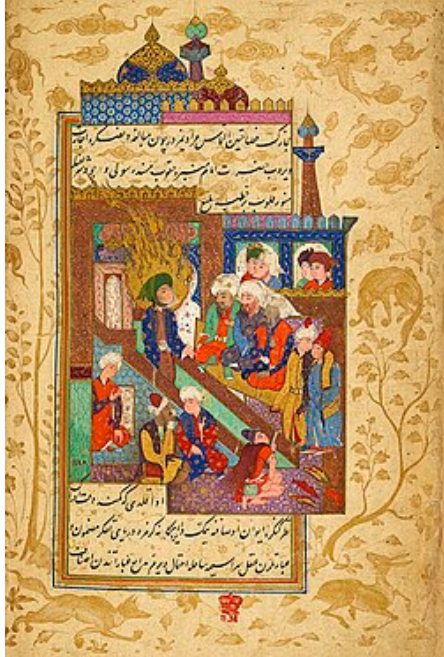
زین العابدین

<https://ur.wikipedia.org/s/sm>



زین العابدین

(عربی میں: علي بن الحسين)



علی بن حسین (پیدائش: 4 جنوری 656ء — وفات: 20 اکتوبر 713ء) جو **زین العابدین** (عابدوں کی زینت) اور **امام الساجدین** (سجدہ کرنے والوں کا امام) کے نام سے مشہور ہیں، اپنے والد حسین ابن علی، تایا حسن ابن علی اور دادا علی بن ابی طالب کے بعد اثنا عشری میں چوتھے امام اور اسماعیلی شیعیت میں تیسرے امام مانے جاتے ہیں۔ علی بن حسین سانچہ کریلا میں موجود تھے، اس وقت ان کی عمر 23 یا 25 سال تھی، لیکن بیماری کی وجہ سے لڑائی میں شریک نہ ہو سکے۔ یہ اس سانچے میں بچ جانے والے واحد مرد تھے۔ ان کو دمشق میں یزید کے سامنے لے جایا گیا، کچھ دن بعد ان کو دیگر خواتین کے ساتھ واپس مدینہ جانے دیا گیا، جہاں انھوں نے چند اصحاب کے ساتھ خاموشی سے زندگی بسر کی۔ ان کی زندگی اور بیانات مکمل طور پر طہارت اور مذہبی تعلیمات کے لیے وقف تھے، جو زیادہ تر دعاؤں اور التجاؤں کی شکل میں ہوتے۔ ان کی مشہور مناجات صحیفہ سجادیہ کے نام سے معروف ہے۔^[9]

علی بن حسین بن علی بن ابی طالب (38-95ھ) جو امام سجاد اور زین العابدین کے نام سے مشہور ہیں، اہل تشیع کے چوتھے امام اسماعیلی شیعیت کے تیسرے امام اور امام حسین کے فرزند ہیں۔ آپ 35 سال امامت کے عہدے پر فائز رہے۔ امام سجاد واقعہ کریلا میں حاضر تھے لیکن بیماری کی وجہ سے جنگ میں حصہ نہیں لیا۔ امام حسین کی شہادت کے بعد عمر بن سعد کے سپاہیوں نے آپ کو اسیران کریلا کے ساتھ کوفہ اور شام لے گیا۔ کوفہ اور شام میں آپ کے دئے گئے خطبات کے باعث لوگ اہل بیت کے مقام و منزلت سے زیادہ آگاہ ہوئے۔

واقعہ حرہ، تحریک توأیین اور قیام مختار آپ کے دور امامت میں رونما ہوئے۔ امام سجاد کی دعاؤں اور مناجات کو صحیفہ سجادیہ میں جمع کیا گیا ہے۔ خدا اور خلق خدا کی نسبت انسان کی ذمہ داریوں سے متعلق کتاب، رسالۃ الحقوق بھی آپ سے منسوب ہے۔

شیعہ احادیث کے مطابق امام سجاد کو ولید بن عبد الملک کے حکم سے مسموم کر کے شہید کیا گیا۔ آپ امام حسن مجتبیٰ، امام محمد باقرؑ اور امام جعفر صادقؑ کے ساتھ قبرستان بقیع میں مدفون ہیں۔

نسب، لقب، کنیت

علی بن حسین بن علی بن ابی طالب، معروف بہ امام سجاد اور امام زین العابدین، شیعیان آل رسول (ص) کے چوتھے امام اور سید الشہداء امام حسین کے فرزند ہیں۔

اختلافی مسائل میں سے ایک آپ کی والدہ شہریاؤ کا نام اور نسب ہے۔ آپ کی والدہ کے لیے متعدد نام نقل ہوئے ہیں اور شہر بانو، شہر بانویہ، شاہ زنان اور جہان شاہ انھی ناموں میں شامل ہیں۔

بعض محققین یزیدگر کی بیٹی شہر بانو کو امام سجاد کی والدہ تسلیم نہیں کرتے ہیں اور دلائل و قرائن کی بنا پر ایسی روایات کو رد کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ حضرت امام سجاد کی والدہ ان اوصاف کی مالک نہیں تھیں۔^[10]

امام سجاد اپنے زمانے میں **علی النخیر**، **علی الاصغر** اور **علی العابد** کے نام سے مشہور تھے۔^[11]

معلومات شخصیت

پیدائش

6 جنوری 659ء

مدینہ منورہ^[1]

وفات

21 اکتوبر 713ء (54 سال)

مدینہ منورہ

وجہ وفات

زہر

مدفن

جنت البقیع

قاتل

ولید بن عبدالمک

ربائش

مدینہ منورہ

شہریت

سلطنت امویہ

زوجہ

فاطمہ بنت حسن

اولاد

محمد باقر^[2]، زید بن علی رضی اللہ

عنه ، حسین الاصغر ، عبد اللہ بن

علی بن حسین

حسین ابن علی^[1]

والد

کنیت و لقب

امام علی بن الحسین کی کنیت "ابو الحسن"، "ابو الحسین"، "ابو محمد" اور "ابو عبد اللہ" ہیں۔ [12]

آپ کے القاب میں زین العابدین، سید الساجدین، سجاد، ہاشمی، علوی، مدنی، قرشی اور علی اکبر شامل ہیں۔ [13]

والدہ

شہربانو

بہن/بھائی

علی اکبر، علی اصغر، سکینہ بنت حسین، فاطمہ صغریٰ، رقیہ بنت حسین، صفیہ بنت حسین

عملی زندگی

حسین ابن علی

محمد باقر

امام، شاعر [3]، الہیات دان

عربی [4]

استاد

نمایاں شاگرد

پیشہ

پیشہ ورانہ

زبان

کارہائے نمایاں

صحیفہ سجادیہ، رسالہ حقوق، دمشق میں زین العابدین کا خطبہ

عسکری خدمات

سانحہ کربلا

لڑائیاں اور جنگیں

درستی (https://ur.wikipedia.org/w/index.php?title=%D8%B)

2%DB%8C%D9%86_%D8%A7%D9%84%D8%B9%D8%A7%

D8%A8%D8%AF%DB%8C%D9%86&action=edit&section=

https://ur.wikipedia.org/w/index.php?title=%D) - ترمیم (0

8%B2%DB%8C%D9%86_%D8%A7%D9%84%D8%B9%D8%

(A7%D8%A8%D8%AF%DB%8C%D9%86&veaction=edit



انگشتریوں کے نقش

امام سجاد کی انگشتریوں کے لیے تین نقش منقول ہیں:

آپ امام حسین کی وہ انگشتری پہن لیا کرتے تھے جس پر "إِنَّمَا إِلَهُ الْكَوْمِ" (یعنی خداوند متعال اپنا امر و فرمان انجام تک پہنچا دیتا ہے) کا نقش تھا۔ [24] آپ کی دوسری انگشتریوں کے نقش "وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللّٰهِ" [25] اور "خَزِيْرٌ وَشَقِيْقٌ قَاتِلُ الْاَحْسَنِ بْنِ عَلِيٍّ" [26] [27]

ولادت اور شہادت

ولادت

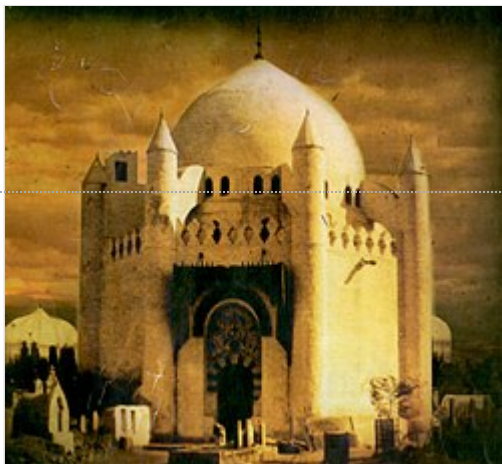
مشہور قول کے مطابق امام سجاد سنہ 38 ہجری [28] میں پیدا ہوئے نیز 33 ہجری قمری 36 ہجری قمری [29] اور 37 ہجری قمری [30] بھی منقول ہیں۔

ولادت کا مہینہ جمادی الثانی [31] میں جمعہ [32] یا جمعرات [33] کا دن اور تاریخ 15 [34] ذکر کی جاتی ہے جبکہ 9 شعبان [35] اور 5 شعبان [36] بھی نقل ہوئی ہے۔

ائمہ طاہرین میں سے حضرت علی ع کے ساتھ 2 سال، [37] حضرت امام حسن کے ساتھ 10 سال، [38] یا 12 سال [39]، حضرت امام حسین ع کے ساتھ 10 سال [40] اور 11 سال [41] کے ساتھ رہنے کی مدت منقول ہے۔ اپنے والد کی شہادت کے بعد 34 [42] یا 35 سال [43] زندہ رہے۔ آپ کا مقام ولادت اتفاقی طور پر مدینہ منکور ہے۔

علی زین العابدین

(بارہ اماموں میں سے)



جنت البقیع کا تاریخی مقبرہ جہاں زین العابدین مدفون تھے، سنہ 1925ء میں مسمار کر دیا۔

نام ونسب

زین العابدین کے لقب سے معروف کی نسبت خاندان نبوت کی طرف ہے، یہ علی بن ابی طالب کے بیٹے سیدنا حسین کے بیٹے ہیں، علی بن حسین ان کا نام ہے، قرشی اور ہاشمی ہیں، ابو الحسن ان کی کنیت ہے، ابو الحسن، ابو محمد اور ابو عبد اللہ بھی کہا جاتا ہے۔^[44] سیدنا امام حسین اپنے والد ماجد علی سے اظہار عقیدت کے لیے اپنے بچوں کے نام علی رکھتے تھے۔ اسی مناسبت سے زین العابدین کا نام بھی علی ہے اور کنیت ابو محمد، ابو الحسن، ابو القاسم اور ابوبکر ہے، جبکہ کثرتِ عبادت کے سبب آپ کا لقب سجاد، زین العابدین، سید العابدین اور امین ہے۔^[45]

ولادت با سعادت

علی ابن حسین کی ولادت علامہ ذہبی نے^[46] میں یعقوب بن سفیان فسوی سے نقل کیا ہے کہ علی بن حسین 33 ہجری میں پیدا ہوئے، لیکن^[47] میں علامہ موصوف نے یہ لکھا ہے کہ (شاید) ان کی پیدائش 38 ہجری میں ہوئی ہے، علامہ ابوالحجاج جمال الدین یوسف مرّی نے بھی^[48] یعقوب بن سفیان سے سن ولادت 33 ہجری نقل کیا ہے اور یہی رائج ہے۔

والدہ کا نام

علی بن حسین کی والدہ کا نام سلامہ یا سلافہ ہے، جو اس وقت کے شاہ فارس یزدجرد کی بیٹی تھیں، سیدنا عمر فاروق کے زمانہ خلافت میں ایران فتح ہوا تو یہ لونڈی بنائی گئی تھی۔^[49] ابن سعد نے اس کا نام "غزالہ" نقل کیا ہے^[50] بعض حضرات کہتے ہیں کہ ان کی والدہ خلیفہ یزید بن ولید بن عبد الملک کی پھوپھی تھی۔^[51] آپ کی والدہ کا نام شہر بانو تھا جو ایران کے بادشاہ یزدگرد سوم کی بیٹی تھیں جو نوشیروان عادل کا پوتا تھا۔

علی اوسط کا نام

ان کو علی اوسط کہا جاتا ہے، ان کے دوسرے بھائی جوان سے عمر میں بڑے تھے، ان کو علی اکبر کہا جاتا تھا، جو معرکہ کربلا میں اپنے والد حضرت امام حسین کے ساتھ اہل کوفہ کے ہاتھوں شہید ہو گئے تھے۔^[52] علی اوسط یعنی علی بن حسین المعروف زین العابدین بھی اپنے والد حضرت امام حسین کے ساتھ معرکہ کربلا میں شریک تھے۔^[53]

کربلا میں بچ جانے کی وجہ

اس وقت ان کی عمر 23 یا 25 برس تھی، اس موقع پر یہ بیمار اور صاحب فراش تھے، جب حضرت امام حسین اللہ شہید کر دیے گئے تو شہر نے کہا کہ اسے بھی قتل کر دو، شہر کے ساتھیوں میں سے کسی نے کہا: سجان اللہ! کیا تم ایسے جوان کو قتل کرنا چاہتے ہو جو مریض ہے اور اس نے ہمارے خلاف قتال میں شرکت بھی نہیں کی؟ اتنے میں عمرو بن سعد بن ابی وقاص آیا اور کہا کہ ان عورتوں اور اس مریض یعنی علی اوسط سے کوئی تعرض نہ کرے، اس کے بعد ان کو وہاں سے دمشق لایا گیا اور ان کو مع اہل مدینہ منورہ واپس روانہ کر دیا گیا۔^[54]

زین العابدین اور حضرات خلفائے راشدین

ابو حازم کہتے ہیں کہ علی بن حسین سے کسی نے پوچھا کہ حضرت ابوبکر و عمر کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک کیا مرتبہ تھا؟ انھوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ مبارک کی طرف اشارہ کر کے فرمایا: جو تقرب ان کو آج اس روضہ میں حاصل ہے ایسا ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں بھی تھا۔^[55] محمد بن علی بن حسین نے اپنے والد سے نقل کیا ہے کہ ان کے پاس عراق سے کچھ لوگ آئے اور انھوں نے ابوبکر و عمر کا تذکرہ سب و شتم



ترتیب	شیعہ کے چوتھے امام
لقب	امام زین العابدین یا امام سجاد یا امام علی سجاد
کنیت	ابو محمد ^[14] ، ابو الحسن
تاریخ پیدائش	5 شعبان 38ھ
تاریخ وفات	25 محرم 95ھ (56 سنہ)
جائے پیدائش	مدینہ منورہ
مقام دفن	جنت البقیع
القاب	السجاد ^[15] • سید الساجدین ^[16] • الزکی ^[17] • الامین • سید العابدین ^[18] • زین العابدین • ذو الثفتان • زین الصالحین • منار القانتین.
زوجہ	فاطمہ بنت حسن بن علی بن ابی طالب
والد	حسین بن علی
والدہ	مختلف علیہا
اولاد	محمد باقر- عبد اللہ - حسن - حسین اکبر - زید بن علی - عمر - حسین الاصغر - عبد الرحمن - سلیمان - علي الأصغر - محمد الأصغر - زینب ^[19] - خدیجہ - أم کلثوم - فاطمة - عائشة ^[20] - علیّہ
	علی بن ابی طالب • حسن بن علی • حسین بن علی • علی زین العابدین • محمد الباقر • جعفر الصادق • موسیٰ کاظم • علی رضا • محمد جواد • علی ہادی • حسن عسکری • مہدی منتظر

امام سجاد:

"وَأَنَا حَقٌّ وَلَدِكَ فَتَعْلَمُ أَنَّكَ مَصْصُافٌ إِلَيْكَ فِي
عَاجِلِ الدُّنْيَا نَجَّيْهِ وَشَرِّهِ وَأَنْتَ مَسْئُولٌ عَمَّا وَلَّيْتَهُ مِنْ
حُسْنِ اللَّذِّبِ وَاللَّالَةِ عَلَى رِيَّةٍ وَالْمَعُونَةِ لَهُ عَلَى طَاعَتِهِ
فِيكَ وَفِي نَفْسِهِ فَتَنَابَ عَلَى ذَلِكَ وَمَعَاقِبَ".

(ترجمہ: اور تم پر تمہاری اولاد کے حق یہ ہے کہ تم
جان لو کہ وہ تم سے ہے اور اس دنیا کی نیکی اور بدی
میں میں تم سے پیوستہ ہے۔ اور تم۔ خدا کے حکم
کے مطابق، اس پر اپنی ولایت کے پیش نظر، اس
کی عمدہ پرورش کرنے، نیک آداب سکھانے اور
خدائے عزوجل کی طرف راہنمائی کرنے اور خدا کی
فرماں برداری میں اس کی مدد کرنے میں اپنے حوالے
سے بھی اور اس کے حوالے سے بھی، جواب دہ ہو،
اور اس ذمہ داری کے عوض جزا اور سزا پاؤ گے۔

رسالہ حقوق امام سجاد شیخ صدوق، من لا یحضرہ الفقیہ، جلد 2، صفحہ 621
کے بعد۔

کے ساتھ کیا اور حضرت عثمان کی شان میں گستاخی کرنے لگے، (والعیاذ باللہ) حضرت علی بن حسین نے ان عراقیوں
سے کہا: کیا تم ان مہاجرین اولین میں سے ہو جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ ارشاد فرمایا: (لَفَقَّرَاءُ الْمُهَاجِرِينَ الَّذِينَ
أَخْرَجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ وَأَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِّنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا وَيَتَصَرَّوْنَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ أُولَئِكَ يَتْلُونَ صُورَ الْقُرْآنِ) (الحشر: 8) اہل عراق
نے کہا: ہم ان لوگوں میں سے نہیں جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ ارشاد فرمایا ہے۔ حضرت علی بن حسین نے
پھر کہا: کیا تم لوگ ان لوگوں میں سے ہو جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ ارشاد فرمایا: (وَالَّذِينَ تَبَوَّءُوا الدَّارَ وَالْإِيمَانَ
مِن قَبْلِهِمْ لَنَنْجُوهُمْ مِنَ الْيَمِّ وَلَا يَجْرُؤُونَ فِي صُدُورِهِمْ حَاجَةً مِّمَّا أُوتُوا وَيُؤْثِرُونَ عَلَى أَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ وَمَن يُوقِ
شَحْنُ نَفْسِهِ فَوَاقِلًا يَأْتِيهِمْ أَفْئِدَتُهُمْ) (الحشر: 9) اہل عراق نے کہا: ہم ان لوگوں میں سے بھی نہیں جن کے بارے میں اللہ
نے یہ ارشاد فرمایا ہے۔ اس کے بعد حضرت زین العابدین نے ارشاد فرمایا کہ تم لوگوں نے خود اقرار کیا کہ تم آیات
میں مذکور فریقوں میں سے نہیں اور میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ تم ان لوگوں میں سے بھی نہیں جن
کے بارے میں اللہ نے یہ ارشاد فرمایا: (وَالَّذِينَ جَاءُوا مِن بَعْدِهِمْ يَقُولُونَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالْإِيمَانِ وَلَا تَجْعَلْ
فِي قُلُوبِنَا غِلًّا لِلَّذِينَ آمَنُوا رَبَّنَا إِنَّكَ رَؤُوفٌ رَّحِيمٌ) (الحشر: 10)، پھر فرمایا: تم لوگ میرے پاس سے اٹھ جاؤ، اللہ تمہارا گھر
قبوب نہ کرے، تم اپنے آپ کو اسلام کے لبادے میں چھپاتے ہو جب کہ تم اہل اسلام میں سے نہیں ہو۔ [56]
جعفر بن محمدؑ نے اپنے والد سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ میرے والد کے پاس ایک آدمی آیا اور کہنے لگا مجھے ابوبکر
وعمرؓ کے بارے میں بتائیں۔ انھوں نے فرمایا: صدیق کے بارے میں پوچھ رہے ہو؟ اس آدمی نے کہا آپ
انھیں "صدیق" کہہ رہے ہیں؟ انھوں نے فرمایا: تیری ماں تجھے گم کر دے! مجھ سے بہتر یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم اور مہاجرین و انصار نے ان کو "صدیق" کہا ہے، پس جو ان کو صدیق نہ کہے، اللہ اس کی بات کو سچا نہ کرے،
جاؤ! ابوبکر وعمرؓ سے محبت کرو اور انھیں عزیز رکھو، اس کی تمام ذمہ داری میری گردن پر ہے۔ [57] یحییٰ بن سعید کہتے
ہیں علی بن حسین المعروف زین العابدین رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: اللہ کی قسم! حضرت عثمانؓ کو ناحق شہید کیا گیا
ہے۔ [58]

تحصیل علم اور علمی مقام

زین العابدین نے کبار صحابہ کرام و تابعین عظام سے کسب فیض کیا، آپ نے امات المؤمنین میں سے حضرت عائشہ،
حضرت ام سلمہ، حضرت صفیہ، اپنے والد حضرت حسین، اپنے چچا حضرت حسن، حضرت ابوبررہ، حضرت ابن عباس اور
ابو رافع، مسور بن مخرمہ، زینب بنت ابی سلمہ، سعید بن مسیب، سعید بن مرجانہ، مروان بن حکم، ذکوان، عمرو بن عثمان
بن عفان اور عبید اللہ بن ابی رافع وغیرہ سے حدیث شریف کا علم حاصل کیا اور اپنے جدا مجد حضرت علی سے بھی
مرسل روایت کرتے ہیں۔ [59] ابن عساکر میں ہے کہ نافع بن جبیر نے علی بن حسین سے کہا: آپ ہمارے علاوہ دوسرے لوگوں کے پاس (تحصیل علم کی خاطر) بیٹھتے ہیں؟ علی بن
حسین نے جواباً فرمایا: میں ان لوگوں کی مجلس میں بیٹھتا ہوں جن سے مجھے دینی فائدہ پہنچے۔ [60] ابن سعد نے اپنی سند کے ساتھ ہشام بن عروہ سے نقل کیا ہے کہ علی بن حسین حضرت عمر
رضی اللہ عنہ کے غلام اسلم کی مجلس میں (تحصیل علم کے لیے) بیٹھا کرتے تھے، ان سے کہا گیا کہ آپ قریش کو چھوڑ بیٹی عدی کے ایک غلام کے پاس بیٹھتے ہیں؟ تو انھوں نے فرمایا:
آدمی کو جہاں فائدہ پہنچے وہاں بیٹھتا ہے۔ [61] ابو نعیم نے حلیہ میں عبد الرحمن بن ازدک سے نقل کیا ہے کہ علی بن حسین مسجد میں آتے، لوگوں کے درمیان میں سے ہوتے ہوئے زید بن
اسلم کے حلقے میں تشریف لے جاتے، نافع بن جبیر نے ان سے کہا: اللہ آپ کی مغفرت کرے! آپ لوگوں کے سردار ہیں، لوگوں کی گردنوں کو پھلانگ کر اس غلام کے حلقے میں بیٹھتے
ہیں؟ علی بن حسین نے فرمایا: علم کو طلب کیا جاتا ہے اور اس کے لیے آیا جاتا ہے اور اسے حاصل کیا جاتا ہے جہاں وہ ہو۔ [62] ابن سعد نے اپنی سند کے ساتھ یزید بن حازم سے نقل کیا
ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں نے علی بن حسین اور سلیمان بن یاسر کو منبر اور روضہ شریف کے درمیان میں چاشت کے وقت تک علمی مذاکرہ کرتے ہوئے دیکھا، جب اٹھنے کا ارادہ ہوتا تو عبد اللہ
بن ابی سلمہ قرآن پاک کی کوئی سورت تلاوت کرتے، اس کے بعد یہ حضرات دعا مانگتے تھے۔ [63] علی بن حسین سے بہت سارے تابعین عظام نے فیض حاصل کیا ہے، آپ سے حدیث
شریف کی روایت کرنے والوں میں ان کے چار بیٹے ابو جعفر محمد، عمر بن علی بن حسین، زید بن علی بن حسین، عبد اللہ بن علی بن حسین، ان کے علاوہ ابن شہاب زمہری، عمرو بن دینار،
حکم بن عیینہ، زید بن اسلم، یحییٰ بن سعید، ہشام بن عروہ، ابو حازم، محمد بن فرات ثقفی، عاصم بن عبید اللہ بن عامر بن عمر بن خطاب اور یحییٰ بن سعید انصاری رحمہم اللہ وغیرہ شامل ہیں۔ [64]
آپ سفید رنگ کا عمامہ پہنا کرتے تھے اور اس کا شملہ پشت یعنی کمر کی جانب لٹکا دیتے تھے۔ [65]

دلائل امامت

عاشورا سنہ 61 ہجری کو امام حسینؑ کی شہادت کے ساتھ ہی امام سجادؑ کی امامت کا آغاز ہوتا ہے اور آپ کا دوران میں امامت سنہ 94 یا 95 ہجری میں آپ کی شہادت تک جاری رہتا ہے۔

کتب حدیث میں شیعہ محدثین کی منقولہ نصوص کے مطابق امام سجادؑ اپنے والد امام حسینؑ کے جانشین ہیں۔ [66] علاوہ ازیں رسول اللہ (ص) سے متعدد احادیث منقول ہیں جن میں 12 آئمہ
شیعہ کے اسماء گرامی ذکر ہوئے ہیں اور یہ احادیث امام علی بن الحسین زین العابدین سمیت تمام ائمہ کی امامت و خلافت و ولایت کی تائید کرتی ہیں۔ [67]

نیز شیعہ نصوص کے مطابق رسول اللہ (ص) کی تلوار اور زہ وغیرہ کو ائمہ کے پاس ہونا چاہیے اور یہ اشیاء ہمارے شیعہ ائمہ کے پاس تھیں حتیٰ کہ اہل سنت کے کتابوں میں اس امر پر صراحت کی گئی ہے رسول خدا (ص) کی یہ اشیاء امام سجاد کے پاس تھیں۔^[68]

علاوہ ازیں امام سجاد ملت تشیع نے امام کے طور پر قبول کیا اور آپ کی امامت آپ کی امامت کے آغاز سے آج تک مقبول عام ہے جو خود اس حقیقی جانشین کا بین ثبوت ہے۔

معاصر سلاطین

1. یزید بن معاویہ (61-64 ہجری)
2. عبد اللہ بن زبیر (61-73 ہجری)
3. معاویہ بن یزید (چند ماہ از سال 64 ہجری)۔
4. مروان بن حکم (نہ ماہ از سال 65 ہجری)۔
5. عبد الملک بن مروان (65-86 ہجری)۔
6. ولید بن عبد الملک (86-96 ہجری)۔^[69]

علم اور حدیث میں آپ کا رتبہ

علم اور حدیث کے حوالے سے آپ کا رتبہ اس قدر بلند ہے کہ حتیٰ اہل سنت کی کچھ اہم کتب صحاح ستہ "صحیح بخاری، صحیح مسلم، جامع الصحیح، ترمذی، سنن ابی داؤد، سنن نسائی، سنن ابن ماجہ نیز مسند ابن حنبل سمیت اہل سنت کی مسانید" میں آپ سے احادیث نقل کی گئی ہیں۔ بخاری نے اپنی کتاب میں تہجد، نماز جمعہ، حج اور بعض دیگر ابواب میں،^[70] اور مسلم بن حجاج قشیری نیشاپوری نے اپنی کتاب کے ابواب الصوم، الحج، الفرائض، الفتن، الادب اور دیگر تاریخی مسائل کے ضمن میں امام سجاد سے احادیث نقل کی ہیں۔^[71]

ذہبی رقمطراز ہے: امام سجاد نے پیغمبر (ص) امام علی بن ابی طالب سے مرسل روایات نقل کی ہیں جب آپ نے (ہجری) حسن بن علی (والد) حسین بن علی، عبد اللہ بن عباس، صفیہ | صفیہ، عائشہ اور ابو رافع سے بھی حدیث نقل کی ہے اور دوسری طرف سے امام محمد باقر، زید بن علی، ابو حمزہ ثمالی، یحییٰ بن سعید، ابن شہاب زہری، زید بن اسلم اور ابو الرناد نے آپ سے حدیثیں نقل کی ہیں۔^[72]

فضائل و مناقب

عبادت

مالک بن انس سے مروی ہے کہ علی بن الحسین دن رات میں ایک ہزار رکعت نماز بجالاتے تھے حتیٰ کہ دنیا سے رخصت ہوئے چنانچہ آپ کو زین العابدین کہا جاتا ہے۔^[73] ابن عبد ربہ لکھتا ہے: علی بن الحسین جب نماز کے لیے تیاری کرتے تو ایک لرزہ آپ کے وجود پر طاری ہو جاتا تھا۔ آپ سے سبب پوچھا گیا تو فرمایا: "وائے ہو تم پر! کیا تم جانتے ہو کہ میں اب کس ذات کے سامنے جا کر کھڑا ہونے والا ہوں! کس کے ساتھ راز و نیاز کرنے جا رہا ہوں!؟"۔^[74] مالک بن انس سے مروی ہے: علی بن الحسین نے احرام باندھا اور **لَبَّيْكَ اللَّهُمَّ لَبَّيْكَ** پڑھ لیا تو آپ پر غشی طاری ہوئی اور گھوڑے کی زین سے فرش زمین پر آگرے۔^[75]

غریبا و مساکین کی سرپرستی

ابو حمزہ ثمالی سے مروی ہے کہ علی بن الحسین راتوں کو کھانے پینے کی چیزوں کو اپنے کندھے پر رکھ کر اندھیرے میں خفیہ طور پر غریبا اور مساکین کو پہنچا دیتے تھے اور فرمایا کرتے تھے: "جو صدقہ اندھیرے میں دیا جائے وہ غضب پروردگار کی آگ کو بجھا دیتا ہے"۔^[76] محمد بن اسحاق کہتا ہے: کچھ لوگ مدینہ کے نواح میں زندگی بسر کرتے تھے اور انھیں معلوم نہ تھا کہ ان کے اخراجات کہاں سے پورے کیے جاتے ہیں، علی ابن الحسین کی وفات کے ساتھ ہی انہیں راتوں کو ملنے والی غذائی امداد کا سلسلہ منقطع ہوا۔^[77]

راتوں کو روٹی کے تھیلے اپنی پشت پر رکھ دیتے تھے اور محتاجوں کے گھروں کا رخ کرتے تھے اور کہتے تھے: رازداری میں صدقہ غضب پروردگار کی آگ کو بجھا دیتا ہے، ان تھیلوں کو لادنے کی وجہ سے آپ کی پیٹھ پر نشان پڑ گئے تھے اور جب آپ کا وصال ہوا تو آپ کو غسل دیتے ہوئے وہ نشانات آپ کے بدن پر دیکھے گئے۔^[78] ابن سعد روایت کرتا ہے: جب کوئی محتاج آپ کے پاس حاضر ہوتا تو آپ فرماتے: "صدقہ سائل تک پہنچنے سے پہلے اللہ تک پہنچ جاتا ہے"۔^[79]

ایک سال آپ نے حج کا ارادہ کیا تو آپ کی بہن سکینہ بنت الحسین نے ایک ہزار درہم کا سفر خرچ تیار کیا اور جب آپ حرہ کے مقام پر پہنچے تو وہ سفر خرچ آپ کی خدمت میں پیش کیا گیا اور امام نے وہ محتاجوں کے درمیان میں بانٹ دیا۔^[80]

آپ کا ایک چچا زاد بھائی ضرورمند تھا اور آپ راتوں کو شناخت کرائے بغیر آپ کو چند دینار پہنچا دیتے تھے اور وہ شخص کہتا تھا: "علی ابن الحسین" قربت کا حق ادا نہیں کرتے خدا انہیں اپنے اس عمل کا بدلہ دے۔ امام اس کی باتیں سن کر صبر و بردباری سے کام لیتے تھے اور اس کی ضرورت پوری کرتے وقت اپنی شناخت نہیں کراتے تھے۔ جب امام کا انتقال ہوا تو وہ احسان اس مرد سے منقطع ہوا اور وہ سمجھ گیا کہ وہ نیک انسان امام علی بن الحسین ہی تھے؛ چنانچہ آپ کے مزار پر حاضر ہوا اور زار و قطار رویا۔^[81]

ابونعیم رقمطراز ہے: امام سجاد نے دو بار اپنا پورا مال محتاجوں کے درمیان میں بانٹ دیا اور فرمایا: خداوند متعال مومن گنگار شخص کو دوست رکھتا ہے جو توبہ کرے۔^[82] ابونعیم ہی لکھتے ہیں: بعض لوگ آپ کو تخیل سمجھتے تھے لیکن جب دنیا سے رحلت کر گئے تو سمجھ گئے کہ ایک سو خاندانوں کی کفالت کرتے رہے تھے۔^[83] جب کوئی سائل آپ کے پاس آتا تو آپ فرماتے تھے: آفرین ہے اس شخص پر جو میرا سفر خرچ آخرت میں منتقل کر رہا ہے۔^[84]

غلاموں کے ساتھ آپ کا طرز سلوک

امام سجاد کے تمام تر اقدامات دینی پہلوؤں کے ساتھ سیاسی پہلوؤں کے حامل بھی ہوتے تھے اور انہی اہم اقدامات میں سے ایک غلاموں کی طرف خاص توجہ سے عبارت تھا۔ غلاموں کا طبقہ وہ طبقہ تھا جو خاص طور پر خلیفہ دوم عمر بن خطاب کے بعد اور بطور خاص بنی امیہ کے دور میں شدید ترین سماجی دباؤ کا سامنا کر رہا تھا اور اسلامی معاشرے کا محروم ترین طبقہ سمجھا جاتا تھا۔ امام سجاد نے امیر المومنین علی کی طرح اپنے [خالص] اسلامی طرز عمل کے ذریعے عراق کے بعض موالیٰ کو اپنی طرف متوجہ اور اپنا گرویدہ بنا لیا اور معاشرے کے اس طبقہ کی سماجی حیثیت کو بہتر بنانے کی کوشش کی۔

سید الاہل نے لکھا ہے: امام سجاد۔ جنہیں غلاموں کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ غلاموں کی خریداری کا اہتمام کرتے اور اس خریداری کا مقصد انہیں آزادی دلانا ہوتا تھا۔ غلاموں کا طبقہ امام کا یہ رویہ دیکھ کر، اپنے آپ کو امام کے سامنے پیش کرتے تھے تاکہ آپ انہیں خرید لیں۔ امام ہر موقع مناسبت پر غلام آزاد کر دیتے تھے اور صورت حال یہ تھی کہ مدینہ میں آزاد شدہ غلاموں اور کنیزوں کا ایک لشکر دکھائی دیتا تھا اور وہ سب امام سجاد کے موالیٰ تھے۔^[85]

زہد و تقویٰ

علی بن حسین بڑے عابد و زاہد اور شب بیدار تھے، وہ بنی ہاشم کے فقہا و عابدین میں سے تھے اس زمانے میں ان کو مدینہ منورہ میں "سید العابدین" یعنی عابدوں کا سردار کہا جاتا تھا، ان کی اسی عبادت گزاری کی کثرت کی وجہ سے ان کو "زین العابدین" عبادت گزاروں کی زینت بھی کہا جاتا تھا۔^[86] امام مالک نے فرمایا کہ مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ علی بن حسین کا موت تک روزانہ ایک ہزار رکعت نفل پڑھنے کا معمول تھا اور ان کو کثرت عبادت کی وجہ سے "زین العابدین" کہا جاتا تھا۔^[87] امام زہری علی بن حسین کا تذکرہ کرتے ہوئے روتے تھے اور انہیں زین العابدین کے نام سے یاد کرتے تھے۔^[88] ابونعیم نے "حلیہ" میں ان کے بارے میں فرمایا کہ وہ عبادت گزاروں کی زینت، قانتین کی علامت، عبادت کا حق ادا کرنے والے اور انتہائی سخی و مشفق تھے۔^[89] ابن عیینہ نے زہری سے نقل کیا ہے کہ میں اکثر علی بن حسین کی صحبت میں بیٹھا کرتا تھا، میں نے ان سے بڑھ کر کسی کو فقیہ نہیں پایا؛ لیکن وہ بہت کم گو تھے۔ امام مالک نے فرمایا کہ اہل بیت میں ان جیسا کوئی نہیں؛ حالانکہ وہ ایک باندی کے بیٹے تھے۔^[90] زین العابدین جب نماز کے لیے وضو کرتے تھے تو ان کا رنگ پیلا پڑ جاتا اور وضو و اقامت کے درمیان میں ان کے بدن پر ایک لکچہ کی کیفیت طاری ہوتی تھی، کسی نے اس کے بارے میں پوچھا تو فرمایا: تمہیں معلوم ہے کہ میں کس کے سامنے کھڑا ہونے جا رہا ہوں اور کس سے مناجات کرنے لگا ہوں (یعنی اللہ تعالیٰ سے)۔^[91] کسی نے سعید بن مسیب سے کہا کہ آپ نے فلاں سے بڑھ کر کسی کو پ رہی ز گار پایا؟ انہوں نے فرمایا کیا تم نے علی بن حسین کو دیکھا ہے؟ تو سائل کہا کہ نہیں، تو فرمایا کہ میں نے ان سے بڑھ کر کسی کو بھی پ رہی ز گار نہیں پایا۔^[92] طاؤس کہتے ہیں میں نے علی بن حسین کو سجدے کی حالت میں یہ دعا مانگتے ہوئے سنا، وہ فرما رہے تھے: "عَبْدُكَ يَفْتَانِيكَ، وَ مَسْكِينُكَ يَفْتَانِيكَ، سَائِلُكَ يَفْتَانِيكَ، فَفَتْرُكَ يَفْتَانِيكَ" طاؤس کہتے ہیں کہ میں نے جب بھی کسی مشکل میں ان الفاظ کے ساتھ دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے میری مشکل کو آسان فرما دیا۔^[93] ابو نوح انصاری کہتے ہیں کہ علی بن حسین کسی گھر میں نماز پڑھ رہے تھے اور وہ سجدے کی حالت میں تھے کہ وہاں آگ لگ گئی، تو لوگوں نے کہنا شروع کیا: اے رسول اللہ کے فرزند، آگ آگ۔ انہوں نے اس وقت تک سجدے سے سر نہیں اٹھایا جب تک آگ بجھ نہ پائی، ان سے کسی نے کہا کہ کس چیز نے آپ کو آگ سے بے خبر رکھا تھا؟ انہوں نے فرمایا: مجھے آخرت کی فکر نے اس آگ سے بے خبر کر دیا تھا۔^[94] ابوجعفر کہتے ہیں کہ میرے والد ایک رات ایک دن میں ہزار رکعت نماز پڑھا کرتے تھے، ان کی موت کا وقت قریب آیا تو رونے لگے، میں نے کہا آپ کیوں رو رہے ہیں؟ حالانکہ میں نے آپ کی طرح کسی کو اللہ کا طالب نہیں دیکھا اور یہ میں اس لیے نہیں کہہ رہا ہوں کہ آپ میرے والد ہیں، انہوں نے کہا اے میرے بیٹے! میرے رونے کی وجہ یہ ہے کہ قیامت کے دن ملک مقرب ہو یا نبی مرسل، ہر ایک اللہ کی مشیت و ارادے کے تحت ہو گا جس کو چاہیں عذاب دیں گے اور جس کو چاہیں معاف فرمادیں گے۔^[95] آپ کا زہد و تقویٰ مشہور تھا۔ وضو کے وقت آپ کا رنگ زرد ہو جاتا تھا۔ پوچھا گیا تو فرمایا کہ میرا تصور کامل اپنے خالق و معبود کی طرف ہوتا ہے اور اس کے جلالت و رعب سے میری یہ حالت ہو جاتی ہے۔^[96] نماز کی حالت یہ تھی کہ پاؤں کھڑے رہنے سے سوج جاتے اور پیشانی پر گھٹے پڑے ہوتے تھے اور رات جاگنے کی وجہ سے رنگ زرد رہتا تھا۔^[97] علامہ ابن طلحہ شافعی کے مطابق نماز کے وقت آپ کا جسم لرزہ برانداز ہوتا تھا۔^[98]

انفاق فی سبیل اللہ

زین العابدین بدنی عبادات کے ساتھ ساتھ مالی عبادات کا بھی غیر معمولی اہتمام کیا کرتے تھے، وہ انتہائی درجے کے سخی اور خیر کے کاموں میں خرچ کرنے والے تھے، حجاج بن ارقطہ نے جعفر صادق سے نقل کیا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ میرے والد نے دو مرتبہ اپنا سارا مال اللہ کی راہ میں صدقہ کر دیا تھا۔^[99] ابو حمزہ ثمالی کہتے ہیں کہ علی بن حسین رات کے اندھیرے میں پشت پر روٹی لادے مسکین کو تلاش کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ رات کے اندھیرے میں چھپا کر صدقہ کرنا اللہ کے غصے کو ٹھنڈا کرتا ہے،^[100] شبیبہ بن نعام کہتے ہیں کہ علی بن

حسین کو لوگ ان کی زندگی میں پھیل تصور کرتے تھے، لیکن جب ان کا انتقال ہوا تو پتہ چلا کہ وہ مدینہ منورہ کے سوغرانوں کی کفالت کرتے تھے۔^[101] محمد بن اسحاق کہتے ہیں کہ مدینہ منورہ میں کچھ لوگ ایسے تھے کہ ان کو معلوم نہیں تھا کہ ان کے معاش کا انتظام کون کرتا ہے؟ لیکن جب علی بن حسین کا انتقال ہوا تو وہ اس ذریعہ معاش سے محروم ہو گئے، جو رات کو ان کے لیے سبب بنتا تھا،^[102] جریر بن عبد الحمید نے عمرو بن ثابت سے نقل کیا ہے کہ جب علی بن حسین کا انتقال ہوا تو لوگوں نے ان کی کمر پر کچھ نشان پائے اس کے بارے میں پوچھا گیا تو بتایا گیا کہ یہ اس بوجھ کی وجہ سے ہے جو رات کے اندھیرے میں یتیموں کے لیے لے جایا کرتے تھے۔^[103] علی بن حسین فرمایا کرتے تھے کہ جب میں کسی مسلمان بھائی کو دیکھتا ہوں تو میں اس کے لیے اللہ سے جنت کا سوال کرتا ہوں تو دنیا میں اس کے ساتھ بخل کا معاملہ کیسے کروں؟ جب کل کا دن ہوگا تو مجھ سے کہا جائے گا: اگر جنت تیرے ہاتھ میں ہوتی تو تو اس کے ساتھ اس سے زیادہ بخل کا معاملہ کرتا۔^[104]

شادی اور اولاد

آپ کی پہلی شادی 57ھ میں آپ کے تایا حضرت امام حسن بن علی بن ابوطالب کی بیٹی حضرت فاطمہ سے ہوئی۔ آپ نے دوسری شادی حمیداں یا جیدا نامی خاتون سے کی جن کا تعلق وادع سندھ (موجودہ پاکستان) سے تھا^[105]۔ آپ کے گیارہ لڑکے اور چار لڑکیاں پیدا ہوئیں۔ جن میں سے حضرت امام محمد باقر اور حضرت زید شہید مشہور ہیں۔

اولاد

تاریخی منابع میں منقول ہے کہ امام سجاد کی پندرہ اولادیں ہیں جن میں سے گیارہ (11) بیٹے اور چار (4) بیٹیاں ہیں۔^[106] شیخ مفید کے مطابق امام سجاد کے فرزندوں کے نام کچھ یوں ہیں:^[107]

1. امام محمد باقر، جن کی والدہ ام عبد اللہ بنت امام حسن مجتبیٰ ہیں۔
2. عبد اللہ
3. حسن
4. حسین اکبر، ان تینوں کی والدہ ام ولد تھیں۔
5. زید
6. عمر، ان دونوں کی والدہ ایک ام ولد تھیں۔
7. حسین الاصغر
8. عبدالرحمن
9. سلیمان، ان تینوں کی والدہ ایک ام ولد تھیں۔
10. علی، جو امام سجاد کے سب سے چھوٹے فرزند تھے۔
11. خدیجہ ان کی والدہ ایک ام ولد تھیں۔
12. محمد الاصغر ان کی والدہ ایک ام ولد تھیں۔
13. فاطمہ
14. علیہ
15. ام کلثوم، ان تینوں کی والدہ ایک ام ولد تھیں۔

جلالت شان

زین العابدین اپنے زمانے کے بہت ہی جلیل القدر اور عالی مرتبت بزرگوں میں سے تھے، لوگ ان کی بہت زیادہ عزت و تکریم کیا کرتے تھے، مشہور واقعہ ہے کہ ہشام بن عبد الملک اپنے زمانہ خلافت سے قبل ایک دفعہ حج کے لیے گئے، بیت اللہ شریف کے طواف کے دوران میں حجر اسود کا استیلام کرنے کا ارادہ کیا، لیکن اڑھام کی وجہ سے نہیں کر پائے۔ اتنے میں حضرت علی بن حسین تشریف لائے، ایک چادر او رتہ بند باندھے ہوئے، انتہائی خوب صورت چہرے والے، بہترین خوش بو والے، ان کی آنکھوں کے درمیان میں (پیشانی پر) سجدے کا نشان تھا، طواف شروع کیا اور جب حجر اسود کے قریب پہنچے تو لوگ ان کی بیعت اور جلالت شان کی وجہ سے پیچھے ہٹے اور آپ نے اطمینان کے ساتھ استیلام کیا، ہشام کو یہ بات اچھی نہیں لگی، اہل شام میں سے کسی نے کہا یہ کون ہے جس کی بیعت اور جلال نے لوگوں کو پیچھے ہٹنے پر مجبور کیا؟ ہشام نے یہ سوچ کر کہ کہیں اہل شام ان کی طرف مائل نہ ہو جائیں، کہا میں نہیں جانتا کہ یہ کون ہیں؟ مشہور شاعر فرزدق قریب ہی کھڑا تھا، اس نے کہا میں انھیں جانتا ہوں۔ اس پر اس شامی نے کہا اے ابو فراس! یہ کون ہیں؟ اس وقت فرزدق نے زین العابدین کی تعریف

امام زین العابدین:

"وَأَمَّا حَقُّ الزَّوْجَةِ فَإِنَّ تَعْلَمَ أَنَّ اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ جَعَلَهَا لَكَ
سَكَنًا وَأَنَا فَتَعْلَمُ أَنَّ ذَلِكَ نِعْمَةٌ مِنَ اللَّهِ عَلَيْكَ فَتُكْرِمْهَا
وَتَرْفُقْ بِهَا وَإِنْ كَانَ حَقُّكَ أَوْجَبَ فَإِنَّ لَهَا عَلَيْكَ أَنْ
تَرْحَمَهَا".

(ترجمہ: زوجہ کا حق یہ ہے کہ تم جان لو کہ خداوند عز و جل نے اس کو تمہارے لیے سکون اور انسیت کا سبب قرار دیا ہے پس جان لو کہ یہ نعمت تم پر اللہ کی جانب سے ہے پس اس کا اکرام کرو اور اس کے ساتھ رواداری سے پیش آؤ، گو کہ تمہارا حق اس پر واجب تر ہے مگر یہ اس کے حق ہے کہ تم اس کے ساتھ مہربان رہو)۔

شیخ صدوق، من لائحہ الفقیہ، ج 2، ص 621، ح 3214۔

میں بہت سارے اشعار کہے، ان میں سے چند یہ ہیں۔ ہَذَا الَّذِي تَعْرِفُ الْبَطْحَاءُ وَطَائِفَةُ... وَالْبَيْتُ يَعْرِفُهُ وَالْحَلُّ وَالْحَرَمُ هَذَا ابْنُ فَاطِمَةَ إِنَّ كُنْتُ جَاهِلًا... بِحُجْرَةِ أَنْبِيَاءِ اللَّهِ قَدْ خُتِمُوا تَرْجَمَةً: یہ وہ شخص ہے جس کے چلنے کو بطحاء، بیت اللہ، حل اور حرم بھی جانتے ہیں، یہ حضرت فاطمہ کے فرزند ہیں، اگرچہ تم تجاہل سے کام لے رہے ہو، انھیں کے دادا (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کے ذریعہ انبیاء کا سلسلہ ختم کیا گیا ہے۔ ہشام بن عبد الملک کو غصہ آیا اس نے فرزدق کو قید کرنے کا حکم دیا، ان کو مکہ و مدینہ کے درمیان میں "عصفان" نامی جگہ میں مقید کر دیا گیا، حضرت علی بن حسین کو پتہ چلا تو انھوں نے فرزدق کے پاس 12 ہزار دینار بھیجے اور کہا ابو فراس! اگر ہمارے پاس اس سے زیادہ ہوتے تو ہم وہ بھی مجھوا دیتے، فرزدق نے یہ کہہ کر واپس کر دیا کہ اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرزند! میں نے جو کہا اللہ او راس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خاطر کہا ہے او میں اس پر کچھ کہنا نہیں چاہتا، حضرت زین العابدین نے یہ کہہ کر واپس مجھوا دیا کہ تمہارے اوپر جو میرا حق ہے، اس کا واسطہ ہے کہ تم انھیں قبول کرلو، بے شک اللہ تیرے دل کے حال اور نیت کو جانتے ہیں۔ تو انھوں نے قبول کر لیا۔^[108]

اقوال و خطبات

زین العابدین کے چند بیش بہا اقوال:

- جسم اگر بیمار نہ ہوتو وہ مست و مگن ہو جاتا ہے اور کوئی خیر نہیں ایسے جسم میں جو مست و مگن ہو۔^[109]
 - دوستوں کا نہ ہونا پردیسی (اجنبیت) ہے۔^[110]
 - جو اللہ کے دیے ہوئے پر قناعت اختیار کر لے وہ لوگوں میں سب سے غنی آدمی ہو گا۔^[88]
 - جو باتیں معروف نہیں وہ علم میں سے نہیں، علم تو وہ ہے جو معروف ہو اور اہل علم کا اس پر اتفاق ہو۔^[111]
 - لوگوں میں سب سے زیادہ خطرے میں وہ شخص ہے جو دنیا کو اپنے لیے خطرے والی نہ سمجھے۔^[111]
 - کوئی کسی کی ایسی اچھائی بیان نہ کرے جو اسے معلوم نہ ہو، قریب ہے کہ وہ اس کی وہ برائی بیان کر بیٹھے جو اس کے علم میں نہیں^[112]
 - جن دو شخصوں کا ملاپ اللہ کی اطاعت کے علاوہ ہوا ہو تو قریب ہے کہ ان کی جدائی بھی اسی پر ہو۔^[112]
 - اے بیٹے! مصائب پر صبر کرو اور حقوق سے تعرض نہ کرو اور اپنے بھائی کو اس معاملے کے لیے پسند نہ کرو جس کا نقصان تمہارے لیے زیادہ ہو اس بھائی کو ہونے والے فائدے سے۔^[113]
 - اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والے گناہ گار مومن سے محبت فرماتے ہیں۔^[114]
- آپ کے بعض خطبات بہت مشہور ہیں۔ واقعہ کربلا کے بعد کوفہ میں آپ نے پہلے خدا کی حمد و ثنا اور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذکر و درود کے بعد کہا کہ 'اے لوگو جو مجھے پہچانتا ہے وہ تو پہچانتا ہے جو نہیں پہچانتا وہ پہچان لے کہ میں علی ابن الحسین ابن علی ابن ابی طالب ہوں۔ میں اس کا فرزند ہوں جس کی بے حرمتی کی گئی جس کا سامان لوٹ لیا گیا۔ جس کے اہل و عیال قید کر دیے گئے۔ میں اس کا فرزند ہوں جسے ساحل فرات پر ذبح کر دیا گیا اور بغیر کفن و دفن کے چھوڑ دیا گیا۔ اور شہادتِ حسین ہمارے فخر کے لیے کافی ہے۔۔۔۔'
- دمشق میں یزید کے دربار میں آپ نے جو مشہور خطبہ دیا اس کا ایک حصہ یوں ہے:

--- میں پسرِ مزم و صفا ہوں، میں فرزندِ فاطمہ الزہرا ہوں، میں اس کا فرزند ہوں جسے پسِ گردن ذبح کیا گیا۔۔۔۔ میں اس کا فرزند ہوں جس کا سر نوکِ نیزہ پر بلند کیا گیا۔۔۔۔ ہمارے دوست روزِ قیامت سیر و سیراب ہوں گے اور ہمارے دشمن روزِ قیامت بد بختی میں ہوں گے۔۔۔۔^{[115][116][117][118]}

یہ خطبہ سن کر لوگوں نے رونا اور شور مچانا شروع کیا تو یزید گھبرا گیا کہ کوئی فتنہ نہ کھڑا ہو جائے چنانچہ اس نے مؤذن کو کہا کہ اذان دے کہ امام خاموش ہو جائیں۔ اذان شروع ہوئی تو حضرت علی ابن الحسین خاموش ہو گئے۔ جب مؤذن نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت کی گواہی دی تو حضرت علی ابن الحسین رو پڑے اور کہا کہ اے یزید تو بتا کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تیرے نانا تھے یا میرے؟ یزید نے کہا کہ آپ کے تو حضرت علی ابن الحسین نے فرمایا کہ 'پھر کیوں تو نے ان کے اہل بیت کو شہید کیا'۔ یہ سن کر یزید یہ کہتا ہوا چلا گیا کہ مجھے نماز سے کوئی واسطہ نہیں۔^[115] اسی طرح آپ کا ایک اور خطبہ بھی مشہور ہے جو آپ نے مدینہ واپس آنے کے بعد دیا۔

امام سجاد اور واقعہ کربلا

کربلا

امام سجاد واقعہ کربلا میں اپنے والد امام حسین اور اولاد و اصحاب کی شہادت کے دن، شدید بیماری میں مبتلا تھے اور بیماری کی شدت اس قدر تھی کہ جب بھی یزیدی سپاہی آپ کو قتل کرنے کا ارادہ کرتے، انھی میں سے بعض کہہ دیتے تھے کہ "اس نوجوان کے لیے یہی بیماری کافی ہے جس میں وہ مبتلا ہے۔" [119]

اسیری کے ایام

عاشورا سنہ 61 کے بعد، جب لشکر یزید نے اہل بیت کو اسیر کر کے کوفہ منتقل کیا، تو ان میں سے حضرت زینب سلام اللہ علیہا کے علاوہ امام سجاد نے بھی اپنے خطبوں کے ذریعے حقائق واضح کیے اور حالات کی تشریح کی اور اپنا تعارف [120] کراتے ہوئے یزید کے کارندوں کے جرائم کو آشکار کر دیا اور اہل کوفہ پر ملامت کی۔ [121]

امام سجاد نے کوفیوں سے خطاب کرنے کے بعد ابن زیاد کی مجلس میں بھی موقع پا کر چند مختصر جملوں کے ذریعے اس مجلس کے حاضرین کو متاثر کیا۔ اس مجلس میں ابن زیاد نے امام سجاد کے قتل کا حکم جاری کیا [122] لیکن حضرت زینب سلام اللہ علیہا نے درمیان میں آکر ابن زیاد کے خواب سچا نہیں ہونے دیا۔

اس کے بعد جب یزیدی لشکر اہل بیت کو "خارجی اسیروں" کے عنوان سے شام لے گیا تو بھی امام سجاد نے اپنے خطبوں کے ذریعے امویوں کا حقیقی چہرہ بے نقاب کرنے کی کامیاب کوشش کی۔

جب اسیران آل رسول (ص) کو پہلی بار مجلس یزید میں لے جایا گیا تو امام سجاد کے ہاتھ بندھے ہوئے تھے۔ امام نے یزید سے مخاطب ہو کر فرمایا: تجھے خدا کی قسم دلاتا ہوں، تو کیا سمجھتا ہے اگر رسول اللہ (ص) ہمیں اس حال میں دیکھیں!؟ [123] یزید نے حکم دیا کہ اسیروں کے ہاتھ پاؤں سے رسیاں کھول دی جائیں۔ [124]

اسیری کے بعد

امام سجاد واقعہ کربلا کے بعد 34 سال بقید حیات رہے اور اس دوران میں آپ نے شہدائے کربلا کی یاد تازہ رکھنے کی ہر کوشش کی۔ پانی پیتے وقت والد کو یاد کرتے تھے، امام حسین کے مصائب پر گریہ کرتے اور آنسوؤں بہاتے تھے۔ ایک روایت کے ضمن میں امام جعفر صادق سے منقول کہ امام سجاد نے (تقریباً) چالیس سال تک اپنے والد کے لیے گریہ کیا جبکہ دنوں کو روزہ رکھتے اور راتوں کو نماز و عبادت میں مصروف رہتے تھے، افطار کے وقت جب آپ کا خادم کھانا اور پانی لا کر عرض کرتا کہ آئیں اور کھانا کھائیں تو آپ فرمایا کرتے: "فرزند رسول اللہ بھوکے مارے گئے! فرزند رسول اللہ (ص) پیاسے مارے گئے!" اور یہی بات مسلسل دہراتے رہتے اور گریہ کرتے تھے حتیٰ کہ آپ کے اشک آپ کے آب و غذا میں گھل مل جاتے تھے؛ آپ مسلسل اسی حالت میں تھے حتیٰ کہ دنیا سے رخصت ہوئے۔ [125]

معاصر تحریکیں

امام سجاد کے زمانے میں اور کربلا کے واقعے کے بعد مختلف تحریکیں اٹھیں جن میں سے اہم ترین کچھ یوں ہیں:

واقعہ حرہ

کربلا کا واقعہ رونما ہونے کے کچھ ہی عرصے بعد مدینہ کے عوام نے اموی حکومت اور یزید بن معاویہ کے خلاف قیام کر کے حرہ کی تحریک کا آغاز کیا۔ اس تحریک کی قیادت جنگ احد میں جام شہادت نوش کرنے والے حنظلہ غسیل الملائکہ کے بیٹے عبد اللہ بن حنظلہ کر رہے تھے اور اس قیام کا نصب العین اموی سلطنت اور یزید بن معاویہ اور اس کی غیر دینی اور غیر اسلامی روش کی مخالفت اور اس کے خلاف جدوجہد تھا۔ امام سجاد اور دوسرے ہاشمیوں کی رائے اس قیام سے سازگار نہ تھی چنانچہ امام اپنے خاندان کے ہمراہ مدینہ سے باہر نکل گئے۔ امام زین العابدین کی نظر میں یہ قیام نہ صرف ایک شیعہ قیام نہ تھا بلکہ درحقیقت آل زبیر کی پالیسیوں سے مطابقت رکھتا تھا اور آل زبیر کی قیادت اس وقت عبد اللہ بن زبیر کر رہا تھا اور عبد اللہ بن زبیر وہ شخص تھا جس نے جنگ جمل کے اسباب فراہم کیے تھے۔ یہ قیام یزید کے ہمجوائے گئے کمانڈر مسلم بن عقبہ نے کچل ڈالا جس نے اپنے مظالم کی بنا پر مصروف کا لقب کما لیا۔ [126]

توابین کا قیام

توابین کی تحریک واقعہ کربلا کے بعد اٹھنے والی تحریکوں میں سے ایک تحریک تھی جس کی قیادت سلیمان بن صرد خراسی سمیت شیعان کوفہ کے چند سرکردہ بزرگ کر رہے تھے۔ توابین کی تحریک کا نصب العین یہ تھا کہ بنو امیہ پر فوج پانے کی صورت میں مسلمانوں کی امامت و قیادت کو اہل بیت کے سپرد کریں گے اور فاطمہ سلام اللہ علیہا کی نسل سے اس وقت علی بن الحسین کے سوا کوئی بھی نہ تھا جس کو امامت مسلمانوں کو سونپی جاسکے۔ تاہم امام علی بن الحسین اور توابین کے درمیان میں کوئی باقاعدہ سیاسی ربط و تعلق نہ تھا۔^[127]

مختار کا قیام

مختار بن ابی عبید ثقفی کا قیام، یزید اور امویوں کی حکمرانی کے خلاف واقعہ عاشورا کے بعد تیسری بڑی تحریک کا نام ہے (جو واقعہ حرہ اور قیام توابین کے بعد شروع ہوئی۔ اس تحریک کے امام سجاد کے ساتھ تعلق کے بارے میں بعض اہمات پائے جاتے ہیں۔ یہ تعلق نہ صرف سیاسی تفکرات کے لحاظ سے بلکہ محمد بن حنفیہ کی پیروی کے حوالے سے، اعتقادی لحاظ سے بھی مبہم اور اس کے بارے میں کوئی یقینی موقف اپنانا مشکل ہے۔ روایت ہے کہ جب "مختار" نے کوفہ کے بعض شیعان اہل بیت کی حمایت حاصل کرنے کے بعد امام سجاد کے ساتھ رابطہ کیا مگر امام نے خیر مقدم نہیں کیا۔^[128]

اصحاب

ایک روایت کے ضمن میں منقول ہے کہ امام سجاد کو صرف چند افراد کی معیت حاصل تھی: سعید بن جبیر، سعید بن مسیب، محمد بن جبیر بن مطعم، یحییٰ بن ام طویل، ابو خالد کابلی۔^[129] شیخ طوسی، نے امام سجاد کے اصحاب کی مجموعی تعداد 173 بیان کی ہے۔^[130] امام سجاد شیعان اہل بیت کی قلت کا شکوہ کرتے تھے اور فرماتے تھے مکہ اور مدینہ میں ہمارے حقیقی پیروکاروں کی تعداد 20 افراد سے بھی کم ہے۔^[131] مشہور ہونے والے اصحاب

1. جابر بن عبد اللہ	8. قاسم بن عوف	14. فرات بن احنف	21. حمید بن موسیٰ
انصاری	9. اسماعیل بن عبد اللہ	15. جابر بن محمد بن ابوبکر	22. ابان بن تغلب
2. عامر بن وائلہ کنانی	10. ابراہیم بن محمد بن حنفیہ	16. ایوب بن حسن	23. سدیر بن حکیم
3. سعید بن مسیب	11. حسن بن محمد بن حنفیہ	17. علی بن رافع	24. قیس بن رمانہ
4. سعید بن جہان کنانی	12. حبیب بن ابی ثابت	18. ابو محمد قرشی	25. ہمام بن غالب (مشہور بہ فرزندق شاعر)
5. سعید بن جبیر	13. ابو حمزہ ثمالی	19. ضحاک بن مزاحم	26. عبد اللہ برقی
6. محمد بن جبیر		20. طاووس بن کیسان	27. یحییٰ بن ام طویل

بشیر بن جزم، عمرو بن دینار، حکم بن عتیبہ، زید بن اسلم، یحییٰ بن سعید، ابو زندا، علی بن جعدان، مسلم بطنین، عاصم بن عبد اللہ، عاصم بن عمر، عمر بن قتادہ، قعقار بن حکیم، ابو الاسود بن عروہ، ہشام بن عروہ، ابو زہر کل، ابو حازم اعرج، عبد اللہ بن مسلم، محمد بن فرات تمیمی، منہال بن عمرو، بھی اصحاب امام سجاد میں سے ہیں۔

تقیہ

اموی - علوی تعلق کی کیفیت کے پس منظر کے پیش نظر امام سجاد کو اموی حکمرانوں کی شدید بدگمانی کا سامنا تھا اور امام کا کوئی معمولی سا کام بھی خطرناک نتائج پر ختم ہو سکتا تھا اور فطری سی بات تھی کہ اس قیمت پر کسی قسم کے اقدامات کرنا مناسب نہ تھا۔ اہم ترین دینی اور سیاسی اصول جس کے سائے میں امام سجاد زندگی بسر کر رہے تھے وہ تھا: "تقیہ"۔ امام سجاد نہایت دشوار حالات میں زندگی بسر کر رہے تھے اور آپ کے پاس تقیہ کے سوا کوئی چارہ کار نہ تھا۔ اصولی طور پر یہی تقیہ ہی ہے جس نے اُس زمانے میں شیعان آل رسول (ص) کو تحفظ دیا۔

روایت ہے کہ ایک شخص نے امام سجاد کی خدمت میں حاضر ہو کر پوچھا: زندگی کس طرح گزر رہی ہے؟ امام نے جواب دیا:

"زندگی اس طرح سے گزار رہے ہیں کہ اپنی قوم کے درمیان میں ویسے ہی ہیں جیسے کہ بنی اسرائیل آل فرعون کے درمیان میں تھے، ہمارے لوگوں کو ذبح کر ڈالتے ہیں ہماری عورتوں کو زندہ رکھ لیتے ہیں، لوگ ہمارے بزرگ اور ہمارے سید و سردار پر سب اور دشنام طرازی کر کے ہمارے دشمنوں کی قربت حاصل کرتے ہیں، اگر قریش دوسرے عربوں کے سامنے فخر کرتے ہیں کہ رسول اللہ قریش میں سے تھے اور اگر عرب فخرِ نجم پر تفاخر کرتے ہیں کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ عرب تھے اور اگر قریش اس حوالے سے اپنے لیے فوقیت اور برتری کے قائل ہیں تو ہم

اہل بیت کو قریش پر برتر ہونا چاہیے اور ہمیں ان کے سامنے اس فضیلت پر فخر کرنا چاہیے کیونکہ محمد (ص) ہم اہل بیت میں سے ہیں۔ مگر انہوں نے ہمارا حق ہم سے چھین لیا اور ہمارے لیے کسی بھی حق کے قاتل نہیں ہیں۔ اگر تم نہیں جانتے کہ زندگی کس طرح گزر رہی ہے تو جان لو کہ زندگی اس طرح گزر رہی ہے جیسا کہ میں نے کہا۔" راوی کہتا ہے کہ امام اس طرح سے بات کر رہے تھے کہ صرف قہرب بیٹھے ہوئے افراد سن سکیں۔^[132]

آثار اور کاوشیں

حدیث امام سجاد کی اتجاہدگار: "اللهم اجعلني أباها بمية السلطان العسوف، وأبرها بر الام الرؤف، واجعل طاعتي لوالدي ويري بها أقر لعيني من رقة الوسمان، وأثلج لسدي من شربة الظمان حتى أوتر على هواي هواها، وأقدم على رضائي رضاها، وأستكثر برها بي وإن قل، وأستقل برها وإن كثر"۔

بار پروردگار! مجھے یوں قرار دے کہ والدین سے اس طرح ڈروں جس طرح کہ کسی جابر بادشاہ سے ڈرا جاتا ہے اور اس طرح ان کے حال پر شفیق و مہربان رہوں (جس طرح شفیق ماں) اپنی اولاد پر شفقت کرتی ہے اور ان کی فرما نبرداری اور ان سے حسن سلوک کے ساتھ پیش آنے کو میری آنکھوں کے لیے، چشم خواب آلود میں نیند کے خمار سے زیادہ، کیف افزا اور میرے قلب و روح کے لیے، پیاسے شخص کے لیے ٹھنڈے پانی سے زیادہ، دل انگیز قرار دے؛ حتیٰ کہ میں ان کی خواہش کو اپنی خواہشات پر فوقیت دوں اور ان کی خوشنودی کو اپنی خوشی پر مقدم رکھوں اور جو احسان وہ مجھ پر کریں اس کو زیادہ سمجھوں خواہ وہ کم ہی کیوں نہ ہو اور ان کے ساتھ اپنی نیکی کو کم سمجھوں خواہ وہ زیادہ ہی کیوں نہ ہو۔^[133]

صحیفہ سجادیه اور رسالۃ الحقوق امام سجاد کی کاوشوں میں سے ہیں۔^[134]

صحیفہ سجادیه، امام سجاد کی دعاؤں پر مشتمل کتاب ہے جو صحیفہ کاملہ، اخت القرآن، انجیل اہل بیت اور زبور آل محمد کے نام سے مشہور ہے۔

رسالۃ الحقوق بھی امام سجاد سے منسوب رسالہ ہے جو روایت مشہورہ کے مطابق 50 حقوں پر مشتمل ہے اور زندگی میں ان کو ملحوظ رکھنا ہر انسان پر لازم ہے۔ پڑوسیوں کا حق، دوست کا حق، قرآن کا حق، والدین کا حق اور اولاد کا حق، ان حقوں میں شامل ہیں۔^[135]

وصال

خانوادہ نبوت کے اس چشم و چراغ نے ساری زندگی سنت نبوی اور حضرات صحابہ کرام کے نقش قدم پر چل کر بالآخر داعی اجل کو لبیک کہا، ان کے سنہ وفات کے بارے میں اختلاف ہے، 95، 99، 92، 93، 94 اور 100 ہجری کے مختلف اقوال منقول ہیں، مگر صحیح قول کے مطابق زین العابدین بروز منگل 14 ربیع الاول 94 ہجری میں دار فانی سے دار بقا کی طرف کوچ کر گئے، جنت البقیع میں جنازہ پڑھا گیا اور وہیں پر مدفون ہوئے۔^[136]

شہادت

آپ کی شہادت اموی حاکم ولید بن عبد الملک کے زہر دینے سے ہوئی۔^[137] آپ کی شہادت کا سال 95 ہجری قمری^[138] بعض نے 94 ہجری قمری^[139] 92 ہجری قمری^[140] 93 ہجری قمری^[141] اور شہادت کی مشہور تاریخ 18^[142] محرم^[143] بروز ہفتہ^[144] لکھی گئی ہے بعض نے 14 ربیع الاول^[145] بدھ^[146] بھی ذکر کی ہے۔

شہادت کے وقت عمر مبارک مشہور 57 سال ہے^[147] اور 59 سال^[148] چار مہینے اور کچھ دن^[149] بھی مذکور ہے۔

آپ نے امام علی، امام حسن مجتبیٰ اور امام حسین کی حیات اور ادوار امامت کا ادراک کیا ہے اور معاویہ کی طرف سے عراق اور دوسرے علاقوں کے شیعہ آل رسول (ص) کو تنگ کرنے اور ان پر دباؤ بڑھانے کی سازشوں کا مشاہدہ کرتے رہے ہیں۔

اہل سنت کی تاریخی روایات کے راوی محمد بن عمر الواقدی، نے امام جعفر صادق سے روایت کی ہے: "علی بن الحسین (زین العابدین) نے 58 سال کی عمر میں وفات پائی" اور اس کے بعد رقمطراز ہے: "اس لحاظ سے امام سجاد 23 یا 24 سال کی عمر میں کربلا کے مقام پر اپنے والد امام حسین کی خدمت میں حاضر تھے۔^[150]

نیز زہری نے بھی کہا ہے کہ علی بن الحسین 23 سال کے سن کے ساتھ کربلا میں اپنے والد کے ہمراہ تھے۔^[151]

امام سجاد سنہ 94 (یا 95) ہجری میں اس زہر کے ذریعے جان بحق کر گئے جو ولید بن عبد الملک کے حکم پر انہیں کھلایا گیا تھا۔^[152] آپ جنت البقیع میں چچا امام حسن مجتبیٰ کے پہلو میں دفن کر دیے گئے۔^[153]

جس طرح آپ کی جائے پیدائش مدینہ کے متعلق کسی نے اختلاف نہیں کیا اسی طرح مقام دفن مدینہ ہونے کے متعلق کسی نے اختلاف نہیں کیا ہے۔

17. حياة الإمام زين العابدين- العلامة باقر شريف القرشي- صفحة 40
18. نور الأبصار في مناقب آل بيت النبي المختار (http://lib.eshia.ir/86939/1/280)- محمد محمد حسن شراب- المجلد 1- الصفحة 280 آرکائیو شدہ (http://lib.eshia.ir/8) (https://web.archive.org/web/20171017151944/http://lib.eshia.ir/86939/1/280) بذریعہ وے بیک مشین
19. فخر الدين الرازي- الشجرة المباركة في أنساب الطالبيه، مجلد 1، صفحة 374 (http://lib.eshia.ir/86520/1/374) آرکائیو شدہ (https://web.archive.org/web/20171226132946/http://lib.eshia.ir/86520/1/374) 2017- 12-26 بذریعہ وے بیک مشین
20. کتاب (کشف الغمة في معرفة الأئمة) للاريلي 2 / 334.
21. شيخ صدوق، علل الشرائع، 1/230
22. اريلي، كشف الغمة، 2/276
23. ابن خلّکان، وفيات الاعيان، ج 3، ص 274؛ قلقشندی، صبح الاعشى، ج 1، ص 516؛ مسعودی، مروج الذهب، ج 3، ص 160؛ ثعالبی، ثمارالقلوب، ص 226؛ ابن ابی الحديد، شرح نهج البلاغه، ج 10، ص 79.
24. کلینی، الکافی ج 6 ص 474.
25. نہیں مجھے توفیق مگر اللہ کی طرف سے: مجلسی، بحار الانوار، ج 46 ص 14.
26. رسوا اور بدبخت ہوا قاتل حسین بن علی کا: کلینی، وہی ماخذ ج 6 ص 474.
27. صدوق، الأمالی، ص 131.
28. اريلي، كشف الغمة 2/285. قتال نیشاپوری، روضة الواعظین، 201. محمد طبری، دلائل الامامہ 191. کلینی، الکافی 1/466. شیخ مفید، الارشاد 2/137 شیخ طبرسی، اعلام الوری 1/480.
29. قتال نیشاپوری، روضة الواعظین، 201. شیخ طبرسی، اعلام الوری 1/480.
30. شیخ طبرسی، اعلام الوری 1/480.
31. شیخ طبرسی، اعلام الوری 1/480. ابن شهر آشوب، مناقب علی ابن ابی طالب، 3/310 و 311
32. شیخ طبرسی، اعلام الوری 1/480. ابن شهر آشوب، مناقب علی ابن ابی طالب، 3/310
33. شیخ طبرسی، اعلام الوری 1/480. ابن شهر آشوب، مناقب علی ابن ابی طالب، 3/310
34. شیخ طبرسی، اعلام الوری 1/480. ابن شهر آشوب، مناقب علی ابن ابی طالب، 3/310
35. شیخ طبرسی، اعلام الوری 1/480. قتال نیشاپوری، روضة الواعظین، 201.
36. اريلي، كشف الغمة 2/285.
37. اريلي، كشف الغمة 2/285. قتال نیشاپوری، روضة الواعظین، 201. محمد طبری، دلائل الامامہ 191. شیخ طبرسی، اعلام الوری 1/480.
38. محمد طبری، دلائل الامامہ 191. شیخ مفید، الارشاد 2/137. شیخ طبرسی، اعلام الوری 1/480.
39. قتال نیشاپوری، روضة الواعظین، 201.
40. محمد طبری، دلائل الامامہ 191. شیخ طبرسی، اعلام الوری 1/480.
41. شیخ مفید، الارشاد 2/137
42. شیخ مفید، الارشاد 2/137
43. محمد طبری، دلائل الامامہ 191. شیخ طبرسی، اعلام الوری 1/480.
44. (تهذيب الكمال في أسماء الرجال: جلد 20 صفحہ 382، الناشر: مؤسسہ الرسالہ بیروت، سير اعلام النبلا: جلد 4 صفحہ 386 الناشر: مؤسسہ الرسالہ بیروت، حلیۃ الاولیاء: 3/133، تذکرۃ الحفاظ: 1/74، تهذيب التهذيب: 304/7، الثقات: 5/159، الجرح والتعديل: 6/229، التاريخ الكبير: 6/266، تاريخ الاسلام: 3/180، الکاشف: 2/37)
45. شرح شجره قادريہ رضويہ عطاريہ ناشر مکتبۃ المدینہ باب المدینہ کراچی صفحہ 52
46. تاريخ اسلام، 3/181
47. سير أعلام النبلا، 4/386

48. تہذیب الکمال، 402/20
49. سیر اعلام النبلا: 386/4، تہذیب الکمال: 383/20
50. طبقات، 211/5
51. سیر اعلام النبلا: 399/4
52. تاریخ الاسلام: 181/3، الطبقات الكبرى: 211/5
53. "معركة كربلاء میں شرکت"۔ 2017-10-27 کو اصل سے آرکائیو کیا گیا۔ اخذ شدہ بتاریخ 2016-10-29
54. الطبقات: 212، 211/5، تاریخ الاسلام: 181/3، سیر اعلام النبلا: 387، 386/4
55. تہذیب الکمال: 393/20، سیر اعلام النبلا: 395/4
56. حلیۃ الاولیاء: 136، 137/3، تہذیب الکمال: 395، 394/20، سیر اعلام النبلا: 395/4
57. تہذیب الکمال: 394، 393/20، سیر اعلام النبلا: 395/4
58. الطبقات: 216/5، سیر اعلام النبلا: 397/4
59. تہذیب الکمال: 383/20، سیر اعلام النبلا: 387/4، تہذیب التہذیب: 304/7، المراسیل: 139
60. تاریخ ابن عساکر، 17/12 ب
61. طبقات، 216/5
62. حلیۃ الاولیاء، 137، 138/3
63. طبقات، 217، 216/5
64. تہذیب الکمال: 384، 383/20، سیر اعلام النبلا: 387/4، تہذیب التہذیب: 304/7
65. الطبقات: 218/5
66. کافی، ج 1، صص 188-189.
67. مفید، الاختصاص، ص 211؛ منتخب الاثر باب ہشتم ص 97؛ طبرسی، اعلام الوری باعلام الہدی، ج 2، ص 181-182؛ عاملی، اثبات الہدایۃ بالنصوص و المعجزات، ج 2، ص 285۔ جابر بن عبد اللہ کہتے ہیں کہ سورہ نساء کی آیت 59 (اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول و اولی الامر منکم) نازل ہوئی تو رسول اللہ (ص) نے 12 ائمہ کے نام تفصیل سے بتائے جو اس آیت کے مطابق واجب اطاعہ اور اولو الامر ہیں؛ بحار الأنوار ج 23 ص 290؛ اثبات الہدایۃ ج 3، ص 123؛ المناقب ابن شہر آشوب، ج 1، ص 283۔ سورہ علی سے روایت ہے کہ ام سلمہ کے گھر میں سورہ احزاب کی آیت 33 (انما یرید اللہ لیذهب عنکم الرجس اهل البیت و یطہرکم تطہیرا) نازل ہوئی تو پیغمبر نے بارہ اماموں کے نام تفصیل سے بتائے کہ وہ اس آیت کا مصداق ہیں؛ بحار الأنوار ج 36 ص 337، کفایہ الأثر ص 157۔ ابن عباس سے مروی ہے کہ نعتل نامی یہودی نے رسول اللہ (ص) کے جانشینوں کے نام پوچھے تو آپ (ص) نے بارہ اماموں کے نام تفصیل سے بتائے۔ سلیمان قندوزی حنفی، مترجم سید مرتضیٰ توسلیان، ینابیع المودۃ، ج 2، ص 387 - 392، باب 76۔
68. ابن سعد، الطبقات الكبرى، ج 1، صص 486، 488؛ امین الاسلام فضل بن فضل بن حسن طبرسی، اعلام الوری باعلام الہدی، ص 207
69. شیخ مفید، الارشاد، مؤسسہ الاعلمی للمطبوعات، ص 254؛ مجلسی، بحار الانوار، المكتبة الاسلامیة، ج 46، ص 12۔
70. بخاری، رجال صحیح بخاری، ج 2، ص 527۔
71. ابن منجویہ، رجال صحیح مسلم، ج 2، ص 53۔
72. ذہبی، سیر اعلام النبلا، ج 4، ص 386؛ مزی، تہذیب الکمال، ج 13، ص 237۔
73. ذہبی، العیتر، ج 1، ص 83۔
74. ابن عبد ربہ، عقد الفرید، ج 3، ص 169؛ ذہبی، سیر اعلام النبلا، ج 4، ص 392۔
75. ذہبی، سیر اعلام النبلا، ج 4، ص 392۔
76. ذہبی، سیر اعلام النبلا، ج 4، ص 393۔
77. ذہبی، سیر اعلام النبلا، ج 4، ص 393۔

78. ابو نعيم اصفهاني، حلية الاولياء ج 3 ص 136؛ كشف الغم ج 2 ص 77؛ مناقب ج 4 ص 154؛ صفة الصفوة ج 2 ص 154؛ خصال ص 616؛ علل الشرايع ص 231؛ بحار ص 90؛ بحواله شهيدى، زندگانی على بن الحسين، صص 147-148.
79. طبقات ج 5 ص 160؛ به نقل شهيدى، زندگانی على بن الحسين، ص 148.
80. كشف الغم ج 2 ص 78؛ صفة الصفوة ج 2 ص 54؛ به نقل شهيدى، زندگانی على بن الحسين، ص 148.
81. كشف الغم ج 2 ص 107، ابو نعيم اصفهاني، حلية الاولياء ج 3 ص 140؛ بحواله شهيدى، زندگانی على بن الحسين، ص 148.
82. حلية الاولياء ج 3 ص 136، طبرى حصه 3 ص 2482، طبقات ابن سعد ج 5 ص 162؛ بحواله شهيدى، زندگانی على بن الحسين، ص 148.
83. صفة الصفوة ج 2 ص 54؛ حلية الاولياء ج 3 ص 136؛ طبقات ج 5 ص 164؛ بحواله شهيدى، زندگانی على بن الحسين، ص 148.
84. كشف الغم ج 2 ص 77؛ مناقب ج 4 ص 154؛ حلية الاولياء ج 3 ص 136؛ بحار ص 137؛ به نقل شهيدى، زندگانی على بن الحسين، ص 148.
85. سيد الاهل، زين العابدين، صص 7، 47.
86. الثقات: 160، 159/5.
87. تهذيب الكمال: 390/20، سير اعلام النبلا: 392/4، تهذيب التهذيب: 306/7.
88. ^ا ^ب حلية الاولياء: 135/3.
89. حلية الاولياء: 133/3.
90. تهذيب الكمال: 386/20، سير اعلام النبلا: 389/4.
91. الطبقات: 216/5، تهذيب الكمال: 390/20، سير اعلام النبلا: 392/4.
92. حلية الاولياء: 141/3، تهذيب الكمال: 389/20.
93. تهذيب الكمال: 391/20، سير اعلام النبلا: 393/4.
94. تاريخ ابن عساكر: 19/12، ب، تهذيب الكمال: 390، 389/20، سير اعلام النبلا: 392، 391/4.
95. تاريخ ابن عساكر: 20/12، سير اعلام النبلا: 392/4، تهذيب الكمال: 391/20.
96. مطالب السؤل از علامه محمد ابن طلحه شافعى صفحه 262.
97. اعلام الورى صفحه 153.
98. مطالب السؤل از علامه محمد ابن طلحه شافعى.
99. حلية الاولياء: 140/3، الطبقات: 219/5، تهذيب التهذيب: 306/7.
100. حلية الاولياء: 136، 135/3، تهذيب الكمال: 396/20، سير اعلام النبلا: 393/4.
101. الطبقات: 222/5، حلية الاولياء: 136/3، تهذيب الكمال: 392/20.
102. تاريخ ابن عساكر: 21/12، أ، حلية الاولياء: 136/3، تهذيب الكمال: 392/20، سير اعلام النبلا: 393/4.
103. تاريخ ابن عساكر: 21/12، حلية الاولياء: 136/3، سير اعلام النبلا: 393/4، تهذيب الكمال: 392/20.
104. تاريخ ابن عساكر: 12/21، ب، تهذيب الكمال: 393/20، سير اعلام النبلا: 394/4.
105. Rizvi, "A A Socio Intellectual History of the Isna Ashari Shias n in India", Vol. I, pp. 138–142, Ma'rifat Publishing House, Canberra, Australia (1986).
106. مفيد، الارشاد، ص 380؛ ابن شهر آشوب، مناقب، ج 4، ص 189؛ ابن جوزى، تذكرة الخواص، صص 332-333.
107. المفيد، الارشاد، بيروت: مؤسسة آل البيت لتحقيق التراث، 1414/1993، ص 155.
108. سير اعلام النبلا: 399/4، تهذيب الكمال: 402/20.
109. حلية الاولياء: 134/3، سير اعلام النبلا: 396/4.
110. حلية الاولياء: 134/3.

111. ^ا ^ب تہذیب الکمال: 398/20، سیر اعلام النبلا: 391/4

112. ^ا ^ب تہذیب الکمال: 398/20

113. تہذیب الکمال: 399/20، حلیۃ الاولیاء: 138/3

114. حلیۃ الاولیاء: 140/3، الطبقات: 219/5، تہذیب الکمال: 391/20

115. ^ا ^ب مقتل ابی مخنف صفحہ 135۔ 136

116. بحار الانوار جلد 10

117. ریاض القدس جلد 2 صفحہ 328

118. روضۃ الاحباب

119. شیخ مفید، الارشاد، ج 2، ص 113 و طبرسی، اعلام الوری، ج 1، ص 469.

120. مازندرانی، ابن شہر آشوب، مناقب آل ابیطالب، ج 3، ص 261؛ طبرسی، الاحتجاج، مشہد، ج 2، ص 305 و شیخ عباس قمی، منتہی الامال، ج 1، ص 733.

121. سید بن طاووس، اللہوف، ص 220-222؛ طبرسی، الاحتجاج، ج 2، ص 306؛ قمی، منتہی الامال، ج 1، ص 733.

122. مجلسی، بحار الانوار، ج 45، ص 117؛ سید بن طاووس، اللہوف، ص 228.

123. سید بن طاووس، اللہوف، ص 248 و ابن سعد، الطبقات الکبری، ج 10، ص 448 و حلی، مثير الاحزان، ص 78 و ابومخنف، مقتل الحسين، ص 240.

124. ابن سعد، الطبقات الکبری، ج 10، ص 448.

125. سید بن طاووس، اللہوف، ص 290 و مجلسی، بحار الانوار، ج 45، ص 149 و شیخ عباس قمی، نفس المہموم، ج 1، ص 794.

126. دیکھیں: رمخشری، ربیع الابرار، ج 1، ص 353؛ طبری، تاریخ الطبری، ج 5، ص 245؛ دینوری، الامامہ و السیاسہ، ج 1، ص 208. حرہ کے واقعے میں یزیدی لشکر کے حملے میں مسلم بن عقبہ نے 700 عمائدین سمیت اہل مدینہ کے دس ہزار افراد کو قتل کیا۔ [خلیفۃ بن خیاط، تاریخ خلیفۃ بن خیاط، قسم 1، ص 291] ابن قتیبہ لکھتا ہے کہ یزید کے کمانڈر مسلم بن عقبہ نے صحابہ میں سے ستر افراد کو قتل کر کے ان کے سر تن سے جدا کر دیے [دینوری، ابو محمد ابن قتیبۃ الامامۃ والسیاسۃ، ج 1، ص 213-212] مسلم بن عقبہ نے اہل مدینہ کے جان و مال کو غارت کرنے کے بعد یزید کے براہ راست حکم پر تین دن کی عرصے تک مدنی عوام کی ناموس کو اپنی سپاہ کے لیے مباح کر دیا اور ایک ہزار کنواری لڑکیوں کی بکارت زائل ہوئی اور حرہ کے بعد ہزاروں عورتوں نے بنا شوہر کے زنا کے بچوں کو جنم دیا جن کو اولاد الحرہ کا نام دیا گیا۔ ایک قول کے مطابق 10 ہزار کنواری لڑکیوں کو زیادتی کا نشانہ بنایا گیا اور اس کے بعد اہلیان مدینہ نے آزاد مسلمانوں کے طور پر نہیں بلکہ "عبد یزید" (یزید کے بندوں) کے طور پر یزید کی بیعت کی اور جس نے بیعت سے انکار کیا مسرف نے اس سے سپرد شمشیر کیا۔ سوائے علی بن عبد اللہ بن عباس کے جس کو مسرف کی فوج میں موجود اپنے رشتہ داروں نے بچا لیا۔ [مسعودی، ابو الحسن علی، مروج الذهب، ج 1، ص 328] تحریک حرہ کے فعال کارکنوں نے مسرف کی چڑھائی سے قبل ایک ہزار امویوں یا امویوں کے بھی خواہوں کو مدینہ سے نکال باہر کیا تو بعض اموی خاندانوں نے امام سجاد کے گھر میں پناہ لی اور جب مسرف کے فوجیوں نے شہر میں لوٹ مار کا آغاز کیا تو امام کا گھر مدنی مظلومین کے لیے پرامن ٹھکانے میں تبدیل ہوا تھا اور حتی کہ مسرف کی واپسی تک سو کے قریب خواتین اور بچے آپ کے گھر میں میں تھے اور ان کی ضروریات پوری ہوتی رہیں {طبری، أبو جعفر محمد بن جریر، تاریخ طبری ج 2، ص 482}۔

127. دیکھیں: جعفری، تشیع در مسیر تاریخ، ص 286.

128. طوسی، رجال الکشی، ص 126؛ طوسی، اختیار معرفة الرجال، ص 126.

129. طوسی، اختیار معرفة الرجال، ص 115؛ طوسی، اختیار معرفة الرجال، ص 123

130. طوسی، اختیار معرفة الرجال، ص 115.

131. ابن ابی الحدید، شرح نہج البلاغہ، ج 4، ص 104، و نک: مجلسی، بحار الانوار، ج 46، ص 143؛ الغارات، ص 573.

132. سید ابن طاووس، اللہوف، ص 193؛ تاریخ سیاسی اسلام، رسول جعفریان، ج 3، ص 252

133. صحیفہ سجادیه، دعای 24، ص 152.

134. دیکھیں: شہیدی، علی بن الحسین، ص 169-191.

135. شہیدی، علی بن الحسین، ص 169-170.
136. تہذیب الکمال: 404، 403/20، سیر اعلام النبلا: 400/4، الثقات: 160/5، تہذیب التہذیب: 307/7، تاریخ الاسلام: 184/3، الطبقات: 221/5، الکاشف: 37/2.
137. علی بن یوسف حلّی، العدد القویہ 316. محمد بن جریر طبری، دلائل الامامہ، ص 192. ابن شہر آشوب، مناقب علی بن ابی طالب 3/311.
138. ابن شہر آشوب، مناقب علی بن ابی طالب 3/311. کلینی، الکافی 1/466. محمد طبری، دلائل الامامہ 191. کلینی، الکافی 1/466. شیخ مفید، الارشاد 2/137. شیخ طبرسی، اعلام الوری 1/480. ذہبی، سیر اعلام النبلا 4/400. أحمد بن محمد کلاباذی، الہدایہ والإرشاد فی معرفۃ أهل الثقه والسداد 2/527. اربلی، کشف الغمہ، 2/294.
139. اربلی، کشف الغمہ، 2/294. قاضی نعمان، شرح الاخبار 3/275. علی بن یوسف حلّی، العدد القویہ 316. ذہبی، سیر اعلام النبلا: 400 و 399/4. ابن خشاب بغدادی، تاریخ موالید الائمہ، 23. أحمد بن محمد کلاباذی، الہدایہ والإرشاد فی معرفۃ أهل الثقه والسداد 2/527.
140. محمد بن حبان بُستی، مشاہیر علما الأمصار وأعلام فقهاء الأقطار 104. ذہبی، سیر اعلام النبلا 4/400. أحمد بن محمد کلاباذی، الہدایہ والإرشاد فی معرفۃ أهل الثقه والسداد 2/527.
141. ذہبی، سیر اعلام النبلا 4/400.
142. محمد طبری، دلائل الامامہ 191. شیخ طبرسی، اعلام الوری 1/480. علی بن یوسف حلّی، العدد القویہ 316. اربلی، کشف الغمہ، 2/294. ابن شہر آشوب، مناقب علی بن ابی طالب 3/311.
143. علی بن یوسف حلّی، العدد القویہ 316. شیخ طبرسی، اعلام الوری 1/480. اربلی، کشف الغمہ، 2/294. ابن شہر آشوب، مناقب علی بن ابی طالب 3/311.
144. شیخ طبرسی، اعلام الوری 1/480. ابن شہر آشوب، مناقب علی بن ابی طالب 3/311.
145. ذہبی، سیر اعلام النبلا 4/400.
146. ذہبی، سیر اعلام النبلا 4/400.
147. ابن شہر آشوب، مناقب علی بن ابی طالب 3/311. محمد طبری، دلائل الامامہ 191. کلینی، الکافی 1/466. شیخ مفید، الارشاد 2/137. شیخ طبرسی، اعلام الوری 1/480. علی بن یوسف حلّی، العدد القویہ 316.
148. ابن شہر آشوب، مناقب علی بن ابی طالب 3/311. علی بن یوسف حلّی، العدد القویہ 316.
149. علی بن یوسف حلّی، العدد القویہ 316.
150. ابن سعد، طبقات الکبری، ج 5، ص 222؛ ابن منظور، مختصر تاریخ دمشق، ج 17، ص 256؛ اربلی، کشف الغمہ، ج 2، ص 191.
151. ابن منظور، مختصر تاریخ دمشق، ج 17، ص 231.
152. شبراوی، الاتحاف بحب الاشراف، ص 143، مسعودی نے لکھا ہے کہ امام سنہ 95 ہجری میں رحلت کر گئے ہیں؛ دیکھیے: مسعودی، مروج الذهب، ج 3، ص 160.
153. ذہبی، سیر اعلام النبلا، ج 4، ص 386 و 391؛ مزی، تہذیب الکمال، ج 13، ص 238؛ سیوطی، الطبقات الحقاظ، ص 37؛ ابن خلکان، وفيات الاعیان، ج 3، ص 269؛ مسعودی، مروج الذهب، ج 3، ص 169؛ ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، ج 9، ص 119.

مآخذ

- امام سجاد، صحیفہ سجادیہ۔
- نہج البلاغہ، اردو ترجمہ مفتی جعفر حسین۔
- قرآن مع اردو ترجمہ سید علی نقی نقوی (نقن)۔

اخذ کردہ از «https://ur.wikipedia.org/w/index.php?title=زین_العابدین&oldid=9951582»



محمد باقر

<https://ur.wikipedia.org/s/sw>



محمد باقر

(عربی میں: **مُحَمَّدُ بْنُ عَلِيٍّ البَاقِر**)



معلومات شخصیت

8 مئی 677ء

مدینہ منورہ

26 جنوری 733ء (56 سال)

مدینہ منورہ

زہر

جنت البقیع

ہشام بن عبدالملک

سلطنت امویہ

ام فروہ

جعفر الصادق^[1]، سلطان

علی بن محمد باقر، آمنہ بنت

محمد باقر

زین العابدین^[2]

فاطمہ بنت حسن

زید بن علی رضی اللہ عنہ،

حسین الاصغر، عبد اللہ بن

علی بن حسین

پیدائش

صفر 57ھ میں مدینہ میں پیدا ہوئے، اس حساب سے ان کے جد بزرگوار حضرت امام حسینؑ کی شہادت کے وقت ان کی عمر تین سال کی تھی۔^[6]

وفات

وجہ وفات

مدفن

قاتل

شہریت

زوجہ

اولاد

والد

والدہ

بہن/بھائی

محمد باقر، زین العابدین کے فرزند اور شیعوں کے پانچویں امام ہیں۔ ان کا نام ان کے جد محمد پر تھا اور باقر لقب تھا۔ اسی وجہ سے محمد باقر کے نام سے مشہور ہوئے۔ امامیہ کے یہاں ائمہ معصومین میں سے ان کا سلسلہ نسب ماں اور باپ دونوں طرف نبی محمد تک پہنچتا ہے۔ دادا ان کے حسین تھے جو محمد کے چھوٹے نواسے تھے اور والدہ ان کی ام عبد اللہ فاطمہ حسن بن علی کی صاحبزادی تھیں جو پیغمبر اسلام کے بڑے نواسے تھے۔

حلیہ

محمد باقر کا چہرہ درمیانی گندمی رنگ کا تھا۔^[5]

نام و نسب

محمد نام، ابو جعفر کنیت، باقر لقب، حضرت امام زین العابدین کے فرزند ارجمند تھے، ان کی ماں ام محمد حضرت امام حسنؑ کی صاحبزادی تھیں، اس لیے آپ کی ذات گویا ریاض نبوی کے پھولوں کا دو آتشہ عطر تھی۔

پیدائش

صفر 57ھ میں مدینہ میں پیدا ہوئے، اس حساب سے ان کے جد بزرگوار حضرت امام حسینؑ کی شہادت کے وقت ان کی عمر تین سال کی تھی۔^[6]

فضل و کمال

باقر اس معدن کے گوہر شب چراغ تھے، جس کے فیض سے ساری دنیا میں علم و عمل کی روشنی پھیلی، پھر حضرت امام زین العابدین جیسے مجمع البحرین باپ کے آغوش میں پرورش پائی تھی، ان موروثی اثرات کے علاوہ خود آپ میں فطرۃ تحصیل علم کا ذوق تھا، ان اسباب نے مل کر آپ کو اس عہد کا ممتاز ترین عالم بنادیا تھا، وہ اپنے وفور علم کی وجہ سے باقر کے لقب سے ملقب ہو گئے تھے بقر کے معنی عربی میں پھانے کے ہیں اسی سے البقرۃ العلم ہے، یعنی وہ علم کو پھاڑ کر اس کی جز اور اندرونی اسرار سے واقف ہو گئے تھے^[7] بعض علما ان کا علم ان کے والد بزرگوار سے بھی زیادہ وسیع سمجھتے تھے، محمد بن منکدر کا بیان ہے کہ میری نظر میں کوئی ایسا صاحب علم نہ تھا، جسے علی ابن حسین پر ترجیح دی جا سکتی ہے، یہاں تک کہ ان کے صاحبزادے محمد کو دیکھا^[8] وہ اپنے عہد میں اپنے خاندان بھر کے سردار تھے، علامہ ذہبی لکھتے ہیں، کان سید بنی ہاشم فی زمانہ امام نووی لکھتے ہیں کہ وہ جلیل القدر تابعی اور امام بارع تھے، ان کی جلالت پر سب کا اتفاق ہے ان کا شمار مدینہ کے فقہا اور ائمہ میں تھا۔^[9]

عملی زندگی

استاد	زین العابدین
نمایاں	عبد الرحمن اوزاعی ، ابو حنیفہ
شاگرد	امام [3]، محدث
پیشہ	عربی
مادری زبان	عربی
پیشہ ورانہ زبان	عربی [4]

درستی https://ur.wikipedia.org/w/index.php?title=%D9%85%D8%AD%D9%85%D8%AF_%D8%A8%D8%A7%D9%82%D8%B1&action=edit&section=0 - ترمیم https://ur.wikipedia.org/w/index.php?title=%D9%85%D8%AD%D9%85%D8%AF_%D8%A8%D8%A7%D9%82%D8%B1&veaction=edit



آپ نے ان بزرگوں کے دامن میں پرورش پائی تھی جن کا مشغلہ ہی عبادت تھا اور ایسے ماحول میں آپ کی نشو و نما ہوئی تھی جو ہر وقت خدا کے ڈاکر اور اس کی تسبیح و تحمید سے گونجا کرتا تھا، اس لیے عبادت کی وہی روح آپ کے رگ و پے میں سرایت کر گئی تھی، عبادت و ریاضت آپ کا محبوب مشغلہ تھا، شبانہ یوم میں ڈیڑھ سورتیں نماز پڑھتے [13] مسجدوں کی کثرت سے پیشانی پر نشان سجدہ تاباں تھا، لیکن زیادہ گہرا نہ تھا۔ [14]

شیخین کے ساتھ عقیدت

سنی روایات کے مطابق وہ اپنے اسلاف اور بزرگوں کی طرح شیخین کے ساتھ قلبی عقیدت رکھتے تھے، جابر کا بیان ہے کہ میں نے ایک مرتبہ محمد بن علی سے پوچھا کہ آپ کے اہل بیت میں کوئی ابوبکر و عمر کو گالیان بھی دیتا تھا، فرمایا نہیں میں انھیں دوست رکھتا ہوں اور ان کے لیے دعائے مغفرت کرتا ہوں۔ [15] سالم بن ابی حفصہ کا بیان ہے کہ میں نے امام باقر اور ان کے صاحبزادے جعفر صادق سے ابوبکر و عمر کے بارہ میں پوچھا، انھوں نے فرمایا سالم میں انھیں دوست رکھتا ہوں اور ان کے دشمنوں سے تبری کرتا ہوں، یہ دونوں امام ہدی تھے میں نے اپنے اہل بیت میں سے ہر شخص کو ان کے ساتھ تولا ہی کرتے پایا۔ [16]

صحیح عقیدہ

بعض جماعتوں نے بہت سے ایسے غلط عقائد ان بزرگوں کی طرف منسوب کر دیے ہیں، جن سے ان کا دامن بالکل پاک تھا وہ امور دین میں خالص اور بے آمیز اسلامی عقائد کے علاوہ کوئی جدید عقیدہ نہ رکھتے تھے، جائز روایت کرتے ہیں کہ میں نے محمد بن علی سے پوچھا کیا اہل بیت کرام میں سے کسی کا یہ خیال تھا کہ کوئی گناہ شرک ہے، فرمایا نہیں میں نے دوسرا سوال کیا، ان میں کوئی رجعت کا قائل تھا فرمایا نہیں۔ [17]

شہادت

اگرچہ 732 (114 ہجری) اور 735 (117 ہجری) عام طور پر بتائے جاتے ہیں، لیکن امام باقر (علیہ السلام) کی شہادت کے وقت کے بارے میں کافی اختلاف ہے، جو 732 سے 736 تک ہے۔ وہ اس وقت تقریباً ستاون سال کے تھے اور غالباً زید کی بغاوت سے پہلے 740 میں شہید ہو گئے۔ 12 امامی ان کی شہادت کو ہر سال ساتویں ذوالحجہ کو یاد کرتے ہیں۔

باقی بارہ اماموں کی طرح، امام باقر (علیہ السلام) کو بھی شہید کیا گیا تھا۔ ہشام یا اس کے جانشین، ولید 2 (743-744) پر امام باقر (علیہ السلام) کو زہر دینے کا الزام ہے۔ ایک اور روایت کے مطابق، امام باقر (علیہ السلام) کو ان کے رشتہ دار، زید بن الحسن نے زہر دیا، جب وہ امام باقر (علیہ السلام) سے اسلامی نبی کی وراثت پر قبضہ کرنے میں ناکام رہے۔

امام محمد باقر (علیہ السلام) مدینہ کے بقیع قبرستان میں دفن ہیں۔ ان کی قبر پر ایک مزار کھڑا تھا جو 1806 میں اور پھر دوبارہ 1925 کے قریب وہابیوں کے ہاتھوں مہدم ہوا۔

اولاد

امام باقر کی کئی اولادیں تھیں، جعفر، عبد اللہ، یہ دونوں حضرت ابوبکر صدیق کی پوتی ام فروہ کے بطن سے تھے، ابراہیم یہ ام کلیم بنت اسید کے بطن سے تھے، علی اور زینب یہ دونوں ام ولد سے تھے، ام سلمہ یہ بھی ام ولد سے تھیں، ان میں جعفر المقلب بہ صادق سب میں نامور ہیں اور آپ کے جانشین تھے۔^[18]

لباس

امام باقر نہایت خوش لباس تھے، خز جو ایک بیش قیمت کپڑا ہے اور سادہ اور رنگین دونوں طرح کا لباس استعمال کرتے تھے، ابریشم کے بوٹے دار کپڑے بھی پہنتے تھے اور رسمہ اور کٹم کا خضاب لگاتے تھے۔^[19]

اقوال

- ہر شے کی ایک آفت ہوتی ہے اور علم کی آفت نسیان (بھولنے کا مرض) ہے۔
- اپنے فرزند کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا: بیٹا! ہمیشہ سستی اور اُکتاہٹ سے بچو کیونکہ یہ دونوں چیزیں محرومی کی کنجی ہیں۔ جب تم کسی کام میں سستی کرو گے تو اُس کا حق اداء نہ کرسکو گے اور اگر اُکتا جاؤ گے تو حق پر صبر نہ کرسکو گے۔
- تین اعمال سب سے سخت ہیں: ہر حال میں ذکر الہیٰ کرنا، اپنے نفس کے ساتھ انصاف کرنا اور مال میں بھائی کے ساتھ مؤاخات کرنا۔
- بطن یا شرم گاہ کی عفت و حفاظت سے زیادہ افضل و بہتر کوئی عبادت نہیں ہے۔
- اللہ کو سائل کے سوال سے زیادہ کوئی شے محبوب تر نہیں۔
- قضاء قدر کو دعا ہی رد کرسکتی ہے۔
- کسی کے ساتھ حسن سلوک اور نیکی کرنا باعتبار ثواب جلد خیر کو پہنچاتا ہے اور با اعتبار عقوبت زناء سے زیادہ اور کوئی شے عذاب و غضب الہیٰ کو جلد دعوت دینے والی نہیں۔
- آدمی کے عیب کے لیے یہی کافی ہے کہ وہ دوسروں کے عیب کھولتا پھرے، جن کو اپنی ذات میں پا کر چشم پوشی کرتا ہے اور دوسروں کو ان کاموں کے کرنے کا حکم دے جن کو خود نہیں کر پاتا۔
- ابلیس کو ہزار عابدوں کی موت سے زیادہ ایک عالم کی موت زیادہ محبوب ہے۔^[20]

حوالہ جات

1. عنوان : Джафар ас-Садик
2. عنوان : Мухаммад Бакир
3. عنوان : Gemeinsame Normdatei — جی این ڈی آئی ڈی: <https://d-nb.info/gnd/119463857> — اخذ شدہ بتاریخ: 20 اپریل 2026 — اجازت نامہ: CC0
4. مصنف: فرانس کا قومی کتب خانہ — عنوان : اوپن ڈیٹا پلیٹ فارم — بی این ایف - آئی ڈی: <https://catalogu> — اخذ شدہ بتاریخ: 10 اکتوبر 2015 — e.bnf.fr/ark:/12148/cb15008600f
5. بحار الانوار ج ۴، ص ۱۴
6. (ابن خلکان، جلد اول، ص 450)
7. (تذکرۃ الحفاظ، جلد اول، صفحہ 111 و تہذیب الاسماء نووی جلد اول، ق اول ص 187)
8. (تہذیب التہذیب، ج 9، ص 350)

9. (تذکرۃ الحفاظ:1/111)
10. (تهذیب التهذیب:9/350)
11. (تهذیب التهذیب ایضاً)
12. (تهذیب التهذیب ایضاً)
13. (تذکرۃ الحفاظ:1/111)
14. (ابن سعد، ج5، ص236)
15. (ایضاً:236)
16. (تهذیب التهذیب، ج9، ص351)
17. (ابن سعد:5/236)
18. (ابن سعد، ج5، ص235)
19. (ابن سعد ایضاً)
20. ابن کثیر: البدایہ والنہایہ معروف بہ تاریخ ابن کثیر، جلد 9، ص 27-268.

اخذ کرده از «https://ur.wikipedia.org/w/index.php?title=محمد_باقر&oldid=9951648»

جعفر الصادق یا **جعفر ابن محمد الباقر** (پیدائش: 20 اپریل 702ء — وفات: 3 دسمبر 765ء) اہل بیت اطہار کے بزرگ اور شیعہ اثنا عشریہ کے چھٹے امام ہیں۔ فقہ جعفریہ کی نسبت انہی کی طرف منسوب ہے۔

ان کا نام جعفر، کنیت ابو عبد اللہ اور لقب صادق تھا۔ آپ امام محمد باقر کے بیٹے امام زین العابدین کے پوتے اور شہید کریم امام حسین کے پڑپوتے تھے۔ آپ کی والدہ ام فروہ محمد بن ابوبکر کی پوتی تھیں جن کے والد قاسم بن محمد بن ابوبکر مدینہ کے سات فقہا میں سے تھے۔ آپ خود فرمایا کرتے **والدنی ابوبکر مرتبین** یعنی میں ابوبکر صدیق سے دو مرتبہ پیدا ہوا۔ مجدد الف ثانی فرماتے ہیں کہ آپ کا نسب صوری اور نسب معنوی صدیق اکبر سے اس واسطے آپ نے فرمایا ہے کہ علم باطن میں آپ کا انتساب اپنے نانا قاسم بن محمد بن ابوبکر سے ہے۔^[6]

سعد اور دیگر چند صحابہ سے
ہیں۔ آپ کی والدہ محترمہ
کہ مجھے ابوبکر سے دوہری

ابو عبد اللہ (1460ء-1533ء) امارت غزنائے یعنی بنو نصر کا آخری فرمانروا تھا جو اندلس میں مسلمانوں کی آخری حکومت تھی۔ وہ طائفہ غزنائے کے حکمران مولائے ابو الحسن کا بیٹا تھا۔

17 ربیع الاول 80ھ بمطابق 20 اپریل 702ء کو آپ کی ولادت مدینہ منورہ میں ہوئی اور وفات 25 شوال 148ھ بمطابق 765ء مدینہ منورہ میں ہوئی۔^[8] جعفر نام، ابو عبد اللہ کنیت، صادق لقب، آپ امام محمد المقلب بہ باقر کے صاحبزادے اور فرقہ امامیہ کے چھٹے امام ہیں، نسب نامہ یہ ہے جعفر بن محمد بن علی بن حسین بن علی بن ابی طالب، آپ کی ماں فروہ حضرت ابوبکر صدیق کے پڑپوتے قاسم بن محمد کی لڑکی تھیں، نانہالی شجرہ یہ ہے ام فروہ بنت قاسم بن محمد بن عبد الرحمن بن ابی بکرؓ، اس طرح جعفر صادق کی رگوں میں صدیقی خون بھی شامل تھا۔

نشو و نما اور تربیت

بارہ برس آپ نے اپنے جد بزرگوار امام زین العابدین کے زیر سایہ تربیت پائی۔ شہادت امام حسین کے بعد سے پینتیس برس امام زین العابدین کا مشغلہ عبادت الہی اور اپنے مظلوم باپ سید الشہداء کو رونے کے سوا اور کچھ نہ تھا۔ واقعہ کربلا کو ابھی صرف بائیس برس گزرے تھے۔ اس مدت میں کربلا کا عظیم الشان واقعہ اپنے تاثرات کے لحاظ سے ابھی کل ہی کی بات معلوم ہوتا تھا امام جعفر صادق نے آنکھ کھولی تو اسی غم و اندوہ کی فضا میں شب و روز شہادت حسین کا تذکرہ اور اس غم میں فوج و ماتم اور گریہ و بکا کی آوازوں نے ان کے دل و دماغ پر وہ اثر قائم کیا کہ جیسے وہ خود واقعہ کربلا میں موجود تھے۔ پھر جب وہ یہ سنتے تھے کہ ان کے والد بزرگوار امام محمد باقر بھی کسے ہی کے دور میں ہی اس جہاد میں شریک تھے تو ان کے دل کو یہ احساس ہمت صدمہ پہنچاتا ہو گا کہ خاندان عصمت کے موجودہ افراد میں ایک میں ہی ہوں جو اس قابل فخر یادگار معرکہ ابتلا میں موجود نہ تھا۔ چنانچہ اس کے بعد ہمیشہ اور عمر بھر امام جعفر صادق نے جس جس طرح اپنے جد مظلوم امام حسین کی یاد کو قائم رکھنے کی کوشش کی ہے وہ اپنی مثال ہے۔

95ھ میں بارہ برس کی عمر میں امام زین العابدین کا سایہ سر سے اٹھا۔ اس کے بعد انیس برس آپ نے اپنے والد امام محمد باقر کے دامن تربیت میں گزارے، یہ وہ وقت تھا جب سیاست بنی امیہ کی بنیادیں ہل چکی تھیں اور امام محمد باقر کی طرف فیوض علمی حاصل کرنے کے لیے خلافت رجوع کر رہی تھی۔ اس وقت اپنے پڑ بزرگوار کی مجلس درس میں امام جعفر صادق ہی ایک وہ طالب علم تھے جو قدرت کی طرف سے علم کے سانچے میں ڈھال کر پیدا کیے گئے تھے۔ آپ سفر اور حضر دونوں میں اپنے والد بزرگوار کے ساتھ رہتے تھے چنانچہ ہشام بن عبدالملک کی طلب پر امام محمد باقر کے ساتھ تھے۔ دور امامت 114ھ میں امام محمد باقر کی وفات ہوئی۔ اب امامت کی ذمہ داریاں امام جعفر صادق پر عائد ہوئیں۔ اس وقت دمشق میں ہشام بن عبدالملک کی سلطنت تھی۔ اس زمانہ سلطنت میں ملک میں سیاسی خلفشار بہت زیادہ ہو چکا تھا۔ مظالم بنی امیہ کے انتقام کا جذبہ تیز ہو رہا تھا اور بنی فاطمہ میں سے متعدد افراد حکومت کے مقابلے کے لیے تیار ہو گئے تھے، ان میں نمایاں ہستی زید کی تھی جو امام زین العابدین کے بزرگ مرتبہ فرزند تھے۔ ان کی عبادت زہد و تقویٰ کا بھی ملک عرب میں شہرہ تھا۔ مستند اور مسلم حافظ قرآن تھے۔ بنی امیہ کے مظالم سے تنگ آکر انھوں نے میدان جہاد میں قدم رکھا۔

امام

جعفر صادق

(عربی میں: **جَعْفَرُ بْنُ مُحَمَّدٍ**)



معلومات شخصیت

20 اپریل 702ء ^[1]

مدینہ منورہ

16 دسمبر 765ء (3)

مدینہ منورہ

جنت البقیع

قتل

سلطنت امویہ

دولت عباسیہ

حمیدہ بربریہ ^[2]

موسیٰ کاظم ^[3]،

العریضی، عبد اللہ

محمد ابن جعفر

بن جعفر صادق

محمد باقر ^[4]

ام فروہ

سلطان علی بن مع

بنت محمد باقر

عملی زندگی

محمد باقر

موسیٰ کاظم، زرار

حنیفہ، مالک بن ا

پیدائش

وفات

مدفن

طرز وفات

شہریت

زوجہ

اولاد

والد

والدہ

بہن/بھائی

استاذ

تلمیذ خاص

حیان ، سفیان ثوری
مہران الاعمش ، و
امام ، جامع العلود
عربی
عربی [5]

پیشہ
مادری زبان
پیشہ ورانہ
زبان

درستی (D9%82&action=edit&section=0)
title=%D8%AC%D8%B9%D9%81%D
%A7%D8%AF%D9%82&veaction=edi

جعفر بن محمد الد
(بارہ اماموں میں س



چھٹے امام عند بن	ترتیب
اور پانچویں عند	
امام صادق	لقب
ابو عبد اللہ	کنیت
17 ربیع الاول 80ھ	تاریخ پیدائش
25 شوال 148ھ	تاریخ وفات
صادق، فاضل، د	القاب
محمد باقر	والد
ام فروہ بنت قاسم	والدہ
ابو بکر صدیق	
اسماعیل، عبد اللہ	اولاد
اسحاق، محمد، ع	
علی بن ابی طالب . حسن بن علی	
علی زین العابدین . محمد الباقر	
موسیٰ کاظم . علی رضا . محمد	
حسن عسکری . مہدی منتظر	

امام جعفر صادق کے لیے یہ موقع نہایت نازک تھا مقام بنی امیہ سے نفرت میں ظاہر ہے کہ آپ زید کے ساتھ متفق تھے پھر جناب زید آپ کے بچا بھی تھے جن کا احترام آپ پر لازم تھا مگر آپ کی دور رس نگاہ دیکھ رہی تھی کہ یہ اقدام کسی مفید نتیجہ تک نہیں پہنچ سکتا۔ اس لیے عملی طور سے آپ ان کا ساتھ دینا مناسب نہ سمجھتے تھے مگر یہ واقعہ ہوتے ہوئے بھی خود ان کی ذات سے آپ کو انتہائی ہمدردی تھی۔ آپ نے مناسب طریقہ پر انھیں مصلحت بینی کی دعوت دی مگر اہل عراق کی ایک بڑی جماعت کے اقرار اطاعت و وفاداری نے جناب زید کو کامیابی کی توقعات پیدا کر دیں اور آخر 120ھ میں ہشام کی فوج سے تین روز تک بہادری کے ساتھ جنگ کرنے کے بعد شہید ہوئے۔ دشمن کا جذبہ انتقام اسنے ہی پر ختم نہیں ہوا بلکہ دفن ہو چکنے کے بعد ان کی لاش کو قبر سے نکالایا اور سر کو جدا کر کے ہشام کے پاس بطور تحفہ بھیجا گیا اور لاش کو دروازہ کوفہ پر سولی دے دی گئی اور کئی برس تک اسی طرح آویزاں رکھا گیا۔ جناب زید کے ایک سال بعد ان کے بیٹے یحییٰ ابن زید علیہ السلام بھی شہید ہوئے۔ یقیناً ان حالات کا امام جعفر صادق علیہ السلام کے دل پر گہرا اثر پڑ رہا تھا۔ مگر وہ جذبات سے بلند فرائض کی پابندی تھی کہ اس کے باوجود آپ نے ان فرائض کو جو اشاعت علوم اہلبیت اور نشر شریعت کے قدرت کی جانب سے آپ کے سپرد تھے برابر جاری رکھا تھا۔

انقلاب سلطنت

بنی امیہ کا آخری دور ہنگاموں اور سیاسی کشمکشوں کا مرکز بن گیا تھا۔ اس کا نتیجہ یہ تھا کہ بہت جلدی حکومتوں میں تبدیلیاں ہو رہی تھیں اور اسی لیے امام جعفر صادق کو بہت سی دنیوی سلطنتوں کے دور سے گزرنا پڑا۔ ہشام بن عبد الملک کے بعد ولید بن عبد الملک پھر یزید بن ولید بن عبد الملک اس کے بعد ابراہیم بن ولید بن عبد الملک اور آخر میں مروان حمار جس پر بنی امیہ کی حکومت کا خاتمہ ہو گیا۔ جب سلطنت کی داخلی کمزوریاں قبر و غلبہ کی پولیس بلا چلی ہوں تو قدرتی بات ہے کہ وہ لوگ جو اس حکومت کے مظالم کا مدق نشانہ رہ چکے ہوں اور جنہیں ان کے حقوق سے محروم کر کے صرف تشدد کی طاقت سے بچنے کا موقع نہ دیا گیا ہو، قفس کی تتلیوں کو کمزور پا کر پھڑ پھڑانے کی کوشش کریں گے اور حکومت کے شکنجے کو ایک دم توڑ دینا چاہیں گے، سوائے ایسے بلند افراد کے جو جذبات کی پیروی سے بلند ہوں۔ عام طور پر اس طرح کی انتقامی کوششوں میں مصلحت اندیشی کا دامن بھی ہاتھ سے چھوٹنے کا امکان ہے مگر وہ انسانی فطرت کا ایک کمزور پہلو ہے جس سے خاص خاص افراد ہی مستثنیٰ ہو سکتے ہیں۔

بنی ہاشم میں عام طور پر سلطنت بنی امیہ کے اس آخری دور میں اسی لیے ایک حرکت اور غیر معمولی اضطراب پایا جا رہا تھا۔ اس اضطراب سے بنی عباس نے فائدہ اٹھایا۔ انھوں نے آخری دور امویت میں پوشیدہ طریقے سے ممالک اسلامیہ میں ایک ایسی جماعت بنائی جس نے قسم کھائی تھی کہ ہم سلطنت کو بنی امیہ سے لے کر بنی ہاشم تک پہنچائیں گے جن کا یہ واقعی حق ہے۔ حالانکہ حق تو ان میں سے مخصوص بہتوں ہی میں منحصر تھا جو خدا کی طرف سے نوع انسانی کی رہبری اور سرداری کے حقدار دیے گئے تھے مگر یہ وہی جذبات سے بلند انسان تھے جو موقع کی سیاسی رفتار سے ہنگامی فوائد حاصل کرنا اپنا نصب العین نہ رکھتے تھے۔ سلسلہ بنی ہاشم میں سے ان حضرات کی خاموشی قائم رہنے کے ساتھ اس ہمدردی کو جو عوام میں خاندان ہاشم کے ساتھ پائی جاتی تھی، بنی عباس نے اپنے لیے حصول سلطنت کا ذریعہ قرار دیا۔ حالانکہ انھوں نے سلطنت پانے کے ساتھ بنی ہاشم کے اصل حقداروں سے ویسا ہی یا اس سے زیادہ سخت سلوک کیا جو بنی امیہ ان کے ساتھ کرچکے تھے۔ یہ واقعات مختلف اماموں کے حالات کے مطالعہ سے آپ کے سامنے آئیں گے۔

بنی عباس میں سے سب سے پہلے محمد بن علی بن عبد اللہ بن عباس نے بنی امیہ کے خلاف تحریک شروع کی اور ایران میں مبلغین بھیجے جو مخفی طریقہ پر لوگوں سے بنی ہاشم کی وفاداری کا وعدہ و پیمان حاصل کریں۔ محمد بن علی کے بعد ان کے بیٹے ابراہیم قائم مقام ہوئے۔ جناب زید اور ان کے صاحبزادے جناب یحییٰ کے دردناک واقعات شہادت سے بنی امیہ کے خلاف غم و غصہ میں اضافہ ہو گیا۔ اس سے بھی بنی عباس نے فائدہ اٹھایا اور ابو سلمہ خلیل کے ذریعہ سے عراق میں بھی اپنے تاثرات قائم کرنے کا موقع ملا۔ رفتہ رفتہ اس جماعت کے حلقہ اثر میں اضافہ ہوتا گیا اور ابو مسلم خراسانی کی مدد سے عراق عجم کا پورا علاقہ قبضہ میں آگیا اور بنی امیہ کی طرف سے حاکم کو وہاں سے فرار اختیار کرنا پڑا۔ 129ھ سے عراق اور خراسان وغیرہ میں سلاطین بنی امیہ کے نام خطبہ سے خارج کر کے ابراہیم بن محمد کا نام داخل کر دیا گیا۔

ابھی تک سلطنت بنی امیہ یہ سمجھتی تھی کہ یہ حکومت سے ایک مقامی مخالفت ہے۔ جو ایران میں محدود ہے مگر اب جاسوسوں نے اطلاع دی کہ اس کا تعلق ابراہیم بن محمد بن عباس کے ساتھ ہے جو مقام جابلقا میں رہتے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ تھا کہ ابراہیم کو قید کر دیا گیا اور قید خانہ ہی میں پھر ان کو قتل کر دیا گیا۔ ان کے پس ماندگان دوسرے افراد بنی عباس کے ساتھ بھاگ کر عراق میں ابو سلمہ کے پاس چلے گئے۔ ابو مسلم خراسانی کو جو ان حالات کی اطلاع ہوئی تو ایک فوج کو عراق کی طرف روانہ کیا جس نے حکومتی طاقت کو شکست دے کر عراق کو آزاد کرا لیا۔

ابو سلمہ خلیل جو وزیر آل محمد کے نام سے مشہور تھے بنی فاطمہ کے ساتھ عقیدت رکھتے تھے، انھوں نے چند خطوط اولاد رسول میں سے چند بزرگوں کے نام لکھے اور ان کو قبول خلافت کی دعوت دی۔ ان میں سے ایک خط امام جعفر صادق کے نام بھی تھا۔ سیاست کی دنیا میں ایسے مواقع اپنے اقتدار کے قائم کرنے کے لیے غنیمت سمجھے جاتے ہیں مگر وہ انسانی خود داری و استغنا کا مثالی مجسمہ تھا جس نے اپنے فرائض منصبی کے لحاظ سے اس موقع کو ٹھکرا دیا اور بجائے جواب دینے کے حقارت آمیز طریقہ پر اس خط کو آگ کی نذر کر دیا۔

ادھر کوفہ میں ابو مسلم خراسانی کے تابعین اور بنی عباس کے ہوا خواہوں نے ابو عبد اللہ سفاح کے ہاتھ پر 14 ربیع الثانی 132ھ کو بیعت کر لی اور اس کو امت اسلامیہ کا خلیفہ اور فرمانروا تسلیم کر لیا۔ عراق میں اقتدار قائم کرنے کے بعد انھوں نے دمشق پر چڑھائی کر دی۔ مروان حمار نے بھی بڑے لشکر کے ساتھ مقابلہ کیا مگر بہت جلد اس کی فوج کو شکست ہوئی۔ مروان نے راہ فرار اختیار کیا اور آخر میں افریقہ کی سر زمین پر پہنچ کر قتل ہوا۔ اس کے بعد سفاح نے بنی امیہ کا قتل عام کرایا۔ سلاطین بنی امیہ کی قبریں کھدائیں اور ان لاشوں کے ساتھ عبرتناک سلوک کیے گئے۔ اس طرح قدرت کا انتقام ہو ان ظالموں سے لیا جانا ضروری تھا بنی عباس کے ہاتھوں دنیا کی نگاہ کے سامنے آیا۔ 136ھ میں ابو عبد اللہ سفاح بنی عباس کے پہلے خلیفہ کا انتقال ہو گیا۔ جس کے بعد تخت خلافت پر بیٹھا جو منصور دوانیقی کے نام سے مشہور ہے۔

سادات پر مظالم

یہ پہلے لکھا جا چکا ہے کہ بنی عباس نے ان ہمدردیوں سے جو عوام کو بنی فاطمہ کے ساتھ تھیں ناجائز فائدہ اٹھایا تھا اور انھوں نے دنیا کو یہ دھوکا دیا تھا کہ ہم اہل بیت رسول کی حفاظت کے لیے کھڑے رہنے والے ہیں۔ آل محمد ہی کے نام پر لوگوں کو اپنی نصرت و حمایت پر آمادہ کیا تھا اور اسی کو لپٹا کر جنگ قرار دیا تھا۔ اس لیے انھیں ہر سر اقتدار آنے کے بعد اور بنی امیہ کو تباہ کرنے کے بعد سب سے پہلا یہ فریب دنیا پر کھل نہ جانے اور تحریک پیدا نہ ہو جانے کے خلاف بنی عباس کی بجائے بنی فاطمہ کے سپرد ہونا چاہیے، جو حقیقت میں آل رسول ہیں۔ ابو سلمہ خوال بنی فاطمہ کے ہمدردوں میں سے ہے۔ وہ اس تحریک کی حمایت نہ کرے، لہذا سب سے پہلے ابو سلمہ کو راستے سے ہٹا دیا گیا وہ باوجود ان احسانات کے جو بنی عباس سے کرچکا تھا مسافح ہی کے زمانے میں تشدد بنا اور تلوار کے گھاٹ خراسانی کا اثر تھا۔ منصور نے انتہائی مکاری اور غداری کے ساتھ اس کی زندگی کا بھی خاتمہ کر دیا۔

اب اسے اپنی من مانی کارروائیوں میں کسی بااثر اور صاحب اقتدار شخصیت کی مزاحمت کا اندیشہ نہ تھا لہذا اس کا ظلم و ستم کا رخ سادات بنی فاطمہ کی طرف مڑ گیا۔ مولانا شبلی سیرت نعمان میں لکھتے ہیں کہ ساداتِ علویین کی بچ کئی شروع کر دی۔ جو لوگ ان میں ممتاز تھے ان کے ساتھ بے رحمیاں کی گئیں۔ محمد ابن ابراہیم کہ حسن و جمال میں یگانہ روزگار تھے اور اسی وجہ سے دیباچہ کہلاتے تھے۔ ان بے رحمیوں کی ایک داستان ہے جس کے بیان کرنے کو بڑا سخت دل چاہیے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے دل پر ان حالات کا بہت اثر ہوتا تھا۔ چنانچہ جب سادات بنی حسین طوق و زنجیر میں قید کر کے مدینہ سے لے جانے جا رہے تھے تو حضرت ایک مکان کی حالت کو دیکھ دیکھ کر رو رہے تھے اور فرما رہے تھے کہ افسوس مکہ و مدینہ بھی دارالامن نہ رہا۔ پھر آپ نے اولادِ انصار کی حالت پر افسوس کیا کہ انصار نے رسالتِ ماب کی اس عہد و پیمان پر مدینہ تھی کہ ہم آپ اور آپ کی اولاد کی اس طرح حفاظت کریں گے جس طرح اپنے اہل و عیال اور جان و مال کی حفاظت کرتے ہیں مگر آج انصار کی اولاد باقی ہے اور کوئی ان سادات کی امداد نہیں کرتا کی طرف واپس ہوئے اور بیس دن تک شدت سے بیمار رہے۔

ان قیروں میں امام حسین علیہ السلام کے صاحبزادے عبد اللہ محض بھی تھے۔ جنھوں نے کبرسنی کے عالم میں عرصہ تک قید کی مصیبتیں اٹھائیں۔ ان کے بیٹے محمد نفس زکیہ نے حکومت کا مقابلہ کے ہاتھ سے مدینہ منورہ کے قریب شہید ہوئے۔ جوان بیٹے کا سر بوزے باپ کے پاس قید خانہ میں بھیجا گیا اور یہ صدمہ ایسا تھا جس سے عبد اللہ محض پھر زندہ نہ رہ سکے اور ان کی روح نے جسم سے عبد اللہ کے دوسرے صاحبزادے ابراہیم بھی منصور کی فوج کے مقابلہ میں جنگ کر کے کوفہ میں شہید ہوئے۔ اسی طرح عباس ابن حسن، عمر ابن حسن، علی و عبد اللہ فرزندانِ نفس زکیہ، موسیٰ وغیرہ بھی بے دردی اور بے رحمی سے قتل کیے گئے۔ بہت سے سادات عمارتوں میں زندہ چھوڑ دیے گئے۔

امام کے ساتھ بدسلوکیاں

ان تمام ناگوار حالات کے باوجود جن کا تذکرہ انتہائی اختصار کے ساتھ اوپر لکھا گیا ہے امام جعفر صادق خاموشی کے ساتھ علومِ اہلبیت کی اشاعت میں مصروف رہے اور اس کا نتیجہ یہ تھا کہ وہ لوگ بھی معرفت نہ رکھتے تھے یا اسے تسلیم کرنا نہیں چاہتے تھے وہ بھی آپ کی علمی عظمت کو مانتے ہوئے آپ کے حلقہ درس میں داخل ہونے کو خیر سمجھتے تھے۔

منصور نے پہلے حضرت کی علمی عظمت کا اثر عوام کے دل سے کم کرنے کے لیے ایک تدبیر یہ کی کہ آپ کے مقابلے میں ایسے اشخاص کو بحیثیت فقیہ اور عالم کے کھڑا کر دیا جو آپ کے شانہ و کھولنے کی قدرت نہ رکھتے تھے اور پھر وہ خود اس کا اقرار رکھتے تھے کہ ہمیں جو کچھ ملا وہ حضرت امام جعفر صادق کی محبت کا دم بھرتا ہے اسے گرفتار کیا جائے۔

چنانچہ معلیٰ ابن خنیس انصاری شیعوں میں سے تھے جو گرفتار کیے گئے اور ظلم و ستم کے ساتھ شہید کیے گئے۔ خود حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کو تقریباً پانچ مرتبہ مدینہ سے دربار شای میں طلب کیا گیا۔ روحانی تکلیف کا باعث تھا۔ یہ اور بات ہے کہ کسی بار بھی آپ کے خلاف کوئی بمانہ اسے ایسا نہ مل سکا کہ آپ کے قید یا قتل کیے جانے کا حکم دیتا۔ بلکہ اس سلسلہ میں عراق کے اند ایک مدت عبد اللہ السلام کی اشاعت کا حلقہ وسیع ہوا اور اس کو محسوس کر کے منصور نے پھر آپ کو مدینہ بھیجا دیا۔ اس کے بعد بھی آپ ایذا رسانی سے محفوظ نہیں رہے۔ یہاں تک کہ ایک مرتبہ آپ کے گھر خدا تھی کہ وہ آگ جلد فرو ہو گئی اور آپ کے متعلقین اور اصحاب کو کوئی صدمہ نہیں پہنچا۔

اخلاق و اوصاف

آپ اسی عصمت کی ایک کڑی تھے جسے خداوندِ عالم نے نوعِ انسانی کے لیے نمونہ کامل بنا کر ہی پیدا کیا تھا۔ ان کے اخلاق و اوصاف زندگی کے ہر شعبہ میں معیاری حیثیت رکھتے تھے۔ خاص خاص مخصوص طور پر واقعات نقل کیے ہیں مہمان نوازی، خیر و خیرات، مخفی طریقہ یا غریب کی خبر گیری، عزیزوں کے ساتھ حسن سلوک۔ عفو و جرات، صبر و تحمل وغیرہ ہیں۔

ایک مرتبہ ایک حاجی مدینہ میں وارد ہوا اور مسجد رسول میں سو گیا۔ آنکھ کھلی تو اسے شبہ ہوا کہ اس کی ایک ہزار کی تحصیل موجود نہیں۔ اس نے ادھر ادھر دیکھا، کسی کو نہ پایا۔ ایک گوشہ مسجد میں نماز پڑھ رہے تھے۔ وہ آپ کو بالکل نہ پہچانتا تھا۔ آپ کے پاس آکر کہنے لگا کہ میری تحصیل تم نے لی ہے۔ آپ نے فرمایا، «اس میں کیا تھا؟» اس نے کہا، «ایک ہزار دینار»۔ آپ نے فرمایا، «میرے وہ آپ کے ساتھ ہو گیا۔ بیت الشرف پر تشریف لاکر ایک ہزار دینار اس کے حوالے کر دیے۔ وہ مسجد میں واپس آیا اور اپنا اسباب اٹھانے لگا تو خود اس کے دیناروں کی تحصیل اسباب میں نظر آئی۔ یہ اور دوزخا ہوا پھر امام کی خدمت میں آیا اور غلط خواہی کرتے ہوئے وہ ہزار دینار واپس کرنا چاہے» مگر آپ نے فرمایا ہم جو کچھ دے دیتے ہیں وہ پھر واپس نہیں لیتے۔

موجودہ زمانے میں یہ حالات سبھی کی آنکھوں کے دیکھے ہوئے ہیں کہ جب یہ اندیشہ پیدا ہوتا ہے کہ اناج مشکل سے ملے گا تو جس کو جتنا ممکن ہو وہ اناج خرید کر رکھ لیتا ہے مگر امام جعفر صادق کے ایک مرتبہ آپ نے اپنے وکیل معتب سے ارشاد فرمایا کہ غلہ روز بروز مدینہ میں گراں ہوتا جا رہا ہے۔ ہمارے ہاں کس قدر غلہ ہوگا؟ معتب نے کہا کہ «ہمیں اس گرانہ اور قحط کی تکلیف کا کوئی اندازہ غلہ کا اتنا ذخیرہ ہے کہ جو بہت عرصہ تک کافی ہوگا۔» آپ نے فرمایا، «تمام غلہ فروخت کر ڈالو۔ اس کے بعد جو حال سب کا ہو وہ ہمارا بھی ہو۔» جب غلہ فروخت کر دیا گیا تو فرمایا، «اب خالص آدھے گیوں اور آدھے جو، جہاں تک ممکن ہو ہمیں غریبوں کا ساتھ دینا چاہیے۔

آپ کا قاعدہ تھا کہ آپ مالداروں سے زیادہ غریبوں کی عزت کرے تھے۔ مزدوروں کی بڑی قدر فرماتے تھے۔ خود بھی تجارت فرماتے تھے اور اکثر اپنے باغوں میں بہ نفس نفیس محنت بھی کرتے تھے۔ لیے باغ میں کام کر رہے تھے اور پسینہ سے تمام جسم تر ہو گیا۔ کسی نے کہا، «یہ بیچلے مجھے عنایت فرمائیے کہ میں یہ خدمت انجام دوں۔» آپ نے فرمایا طلبِ معاش میں دھوپ اور گرمی کی نہیں، غلاموں اور کنیزوں پر وہی مہربانی فرماتے رہتے تھے جو اس گھرانے کی امتیازی صفت تھی۔ اس کا ایک حیرت انگیز نمونہ یہ ہے جسے سفیان ثوری نے بیان کیا ہے کہ میں ایک مرتبہ امام جعفر

ہوا۔ دیکھا کہ چہرہ مبارک کارنگ متغیر ہے۔ میں نے سبب دریافت کی۔ فرمایا میں نے منع کیا تھا کہ کوئی مکان کے کونے پر نہ چڑھے۔ اس وقت جو گھر میں گیا تو دیکھا کہ ایک کنیز جو ایک بچہ کی پرورش کے لیے زہنہ سے اوپر جا رہی تھی۔ مجھے دیکھا تو ایسا خوف طاری ہوا کہ بدحواسی میں بچہ اس کے ہاتھ سے جھوٹ گیا اور صدمے سے جان بحق ہوا۔ مجھے بچے کے مرنے کا اتنا صدمہ نہیں ہوا جتنا اس کا رعب و ہراس کیوں طاری ہوا۔ پھر آپ نے اس کنیز کو پکار کر فرمایا۔ «ڈرو نہیں، میں نے تمہیں راہ خدا میں آزاد کر دیا۔» اس کے بعد آپ بچے کی تجہیز و تکفین کی طرف متوجہ ہوئے۔

فضل و کمال

آپ اس خاندانہ علم و عمل کے چشم و چراغ تھے جس کے ادنیٰ ادنیٰ خدام مسند علم کے وارث ہوئے آپ کے والد امام باقر اس پایہ کے عالم تھے کہ امام اعظم ابو حنیفہ النعمان جیسے اکابر امت ان کے صادق کو علم گویا وراثتہ ملا تھا، فضل و کمال کے لحاظ سے آپ اپنے وقت کے امام تھے حافظ امام ذہبی آپ کو امام اور احد السادة الاعلام لکھتے ہیں، اہلبیت کرام میں علم میں کوئی آپ کا ہمسر نہ تھا، امام علم اور فضل میں سادات اہل بیت میں تھے [9] امام نووی لکھتے ہیں کہ آپ کی امامت، جلالت اور سیادت پر سب کا اتفاق ہے۔ [10]

حدیث

حدیث آپ کے مجد امجد علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے اقوال ہیں، اس لیے آپ سے زیادہ اس کا کون مستحق تھا؟ چنانچہ آپ مشہور حفاظ حدیث میں تھے، علامہ ابن سعد لکھتے ہیں: کان کثیر الحدیث [11] اور اعلام حفاظ میں لکھتے ہیں [12] حدیث میں اپنے والد بزرگوار حضرت امام باقر، محمد بن منکدر، عبید اللہ بن ابی رافع، عطاء، عروہ، قاسم بن محمد، نافع اور زہری وغیرہ سے فیض پایا تھا، شعبہ، دوول سفیان، امام، امام ابو حنیفہ وغیرہ ائمہ آپ کے تلامذہ میں تھے۔ [13]

احترام حدیث

حدیث رسول اللہ ﷺ کا اتنا احترام تھا کہ ہمیشہ طہارت کی حالت میں حدیث بیان کرتے تھے۔ [14]

اشاعت علوم

تمام عالم اسلامی میں آپ کی علمی جلالت کا شہرہ تھا۔ دور دور سے لوگ تحصیل علم کے لیے آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے، یہاں تک کہ آپ کے شاگردوں کی تعداد چار ہزار تک پہنچ گئی ان میں فقہ کے علماء بھی تھے، تفسیر کے مستکملین بھی تھے اور مناظرین بھی، آپ کے دربار میں مخالفین مذہب آکر سوالات پیش کرتے تھے اور آپ کے اصحاب سے اور ان سے مناظرے ہوتے رہتے تھے جن پر کبھی کبھی نقد و تبصرہ بھی فرماتے تھے اور اصحاب کو ان کی بحث کے کمزور پہلو بتلا بھی دیتے تھے تاکہ آئندہ وہ ان باتوں کا خیال رکھیں۔ کبھی آپ خود بھی مخالفین مذہب اور بالخصوص دہریوں سے مناظرہ فرماتے تھے۔ علاوہ علوم و فقہ و کلام وغیرہ کے علوم عربیہ جیسے ریاضی اور کیمیا وغیرہ کی بھی بعض شاگردوں کو تعلیم دی تھی۔ چنانچہ آپ کے اصحاب میں سے جابر بن حیان طوسی سائنس اور ریاضی کے مشہور امام فن ہیں جنہوں نے چار سو رسالے امام جعفر صادق کے افادات کو حاصل کر کے تصنیف کیے۔ آپ کے اصحاب میں سے بہت سے بڑے فقہا تھے جنہوں نے کتابیں تصنیف کیں جن کی تعداد سینکڑوں تک پہنچتی ہے۔

علم کا مرتبہ

آپ فرماتے تھے کہ علماء انبیاء کے امین ہیں جب تک وہ سلاطین کی آستان بوسی نہ کریں۔

اقوال

آپ کے اقوال و کلمات طبقات تہذیب اخلاق، علم و حکمت اور بند و موعظت کا دفتر ہیں۔ سفیان ثوری سے آپ نے ایک مرتبہ فرمایا: سفیان جب خدا تم کو کوئی نعمت عطا کرے اور تم اس کو ہمیشہ باقی رکھنا چاہو تو زیادہ سے زیادہ شکر ادا کرو کہونکہ خدا نے تعالیٰ نے اپنی کتاب میں فرمایا ہے کہ اگر تم شکر ادا کرو گے تو میں تم کو زیادہ دوں گا جب رزق ملنے میں تاخیر ہو رہی ہو تو استغفار زیادہ کرو اللہ عزوجل اپنی کتاب میں فرماتا ہے۔ اسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ إِنَّهُ كَانَ غَفَّارًا، رَبِّ سُبْحَانَ الشَّامَةِ عَلَیْكُمْ مِیْرَآا، دَیْدُکُمْ بِأَمْوَالِ وَبَنَیْنِ وَبِجُلْ لَمْ یَجْعَلْ لَكُمْ جَنَآتٍ وَیَجْعَلْ لَكُمْ اٰثِمًا [15] اپنے رب سے مغفرت چاہو، بڑا مغفرت کرنے والا ہے تم پر آسمان سے مولا دھار پانی برساتے گا اور دنیا میں مال اور اولاد سے تمہاری مدد کرے گا اور آخرت میں تمہارے لیے جنت اور نہر بنائے گا۔ جب تمہارے پاس سلطان وقت یا اور کسی کا کوئی حکم پہنچے تو لا حول ولا قوۃ الا باللہ زیادہ پڑھو وہ کشادگی کی گنجی ہے، جو شخص اپنی قسمت کے حصہ پر قناعت کرتا ہے وہ مستغنی رہتا ہے اور جو دوسرے کے مال کی طرف نظر اٹھاتا ہے وہ فقیر رہتا ہے، جو شخص خدا کی تقسیم پر راضی نہیں ہوتا وہ خدا کو اس کے فیصلہ پر متمم کرتا ہے، جو شخص دوسرے کی پردہ داری کرتا ہے خدا اس کے گھر کے خفیہ حالات کی پردہ داری کر دیتا ہے، جو بغاوت کے لیے تلوار کھینچتا ہے، وہ اسی سے قتل کیا جاتا ہے جو اپنے بھائی کے لیے گدھا کھودتا ہے، وہ خود اس میں گرتا ہے، جو سفینوں کے پاس بیٹھتا ہے وہ فقیر ہوجاتا ہے، جو علما سے ملتا جلتا ہے وہ معزز ہوجاتا ہے، جو برے مقامات پر جاتا ہے وہ بدنام ہوجاتا ہے، ہمیشہ حق بات کو ہوا تمہارے موافق ہو یا مخالف آدمی کی اصل اس کی عقل ہے، اس کا حسب اس کا دین ہے اس کا کرم اس کا تقویٰ ہے تمام انسان آدم کی نسبت میں برابر ہیں، سلامتی بہت نادر چیز ہے یہاں تک کہ اس کے تلاش کرنے کی جگہ بھی مخفی ہے، اگر وہ کہیں مل سکتی ہے تو ممکن ہے گوشہ گمنامی میں ملے، اگر تم اس کو گوشہ گمنامی میں تلاش کرو اور نہ ملے تو ممکن ہے تنہا نشینی میں ملے، گوشہ تنہائی گوشہ گمنامی سے مختلف ہے اگر گوشہ تنہائی میں بھی تلاش سے نہ ملے تو سلف صالحین کے اقوال میں ملے گی۔

استغفار

فرماتے تھے جب تم سے کوئی گناہ سرزد ہو تو اس کی مغفرت چاہو، انسان کی تخلیق کے پہلے سے اس کی گردن میں خطاؤں کا طوق پڑا ہے گناہوں پر اصرار ہلاکت ہے۔

دنیا

فرماتے تھے خدائے دنیا کی طرف وحی کی ہے کہ جو شخص میری خدمت کرتا ہے تو اس کی خدمت کر اور جو تیری خدمت کرتا ہے اسے تنہا دے۔

اچھے کاموں کی شرائط

فرماتے تھے بغیر تین باتوں کے عمل صالح مکمل نہیں ہوتا جب تم اسے کرو تو اپنے نزدیک اسے چھوٹا سمجھو، اس کو چھپاؤ اور اس میں جلدی کرو، جب تم اس کو چھوٹا سمجھو گے تب اس کی عظمت بڑھے گی، جب تم اس کو چھپاؤ گے اس وقت اس کی تکمیل ہوگی اور جب تم اس میں جلدی کرو گے تو خوشگوار محسوس کرو گے۔

حسن ظن

فرماتے تھے جب تمہارے بھائی کی جانب سے تمہارے لیے کوئی ناپسندیدہ بات ظاہر ہو تو اس کے جواز کے لیے ایک سے ستر تک تاویلیں تلاش کرو، اگر پھر بھی نہ ملے تو سمجھو کہ اس کا سبب اور اس کی کوئی تاویل ضرور ہوگی جس کا تم کو علم نہیں۔ اگر تم کسی مسلمان سے کوئی کلمہ سنو تو اس کو بہتر سے بہتر معنی پر محمول کرو جب وہ محمول نہ ہو سکے تو اپنے نفس کو ملامت کرو۔

تہذیب و اخلاق

فرماتے تھے چار چیزوں میں شریف کو عار نہ کرنا چاہیے، اپنے باپ کی تعظیم میں، اپنی جگہ سے اٹھنے میں، مہمان کی خدمت کرنے اور خود اس کی سواری کی دیکھ بھال کرنے میں خواہ گھر میں سوغلام کیوں نہ ہوں اور اپنے استاد کی خدمت کرنے میں۔

ایک نکتہ

آپ کی ذات فضائل اخلاق کا زندہ ہیکر تھی، آپ کا ایک نظر دیکھ لینا آپ کی خاندانی عظمت کی شہادت کے لیے کافی تھا، عمرو بن المقدام کا بیان ہے کہ جب میں جعفر بن محمد کو دیکھتا تھا تو نظر پڑتے ہی معلوم ہو جاتا تھا کہ وہ نبیوں کے خاندان سے ہیں۔^[16]

عبادت و ریاضت

عبادت آپ کے شانہ یوم کا مشغلہ تھی، آپ کا کوئی دن اور کوئی وقت عبادت سے خالی نہ ہوتا تھا، امام مالک کا بیان ہے کہ میں ایک زمانہ تک آپ کی خدمت میں آتا جاتا رہا آپ کو ہمیشہ بانٹا پڑھتے پایا روزہ رکھے ہوئے یا قرآن کی تلاوت کرتے ہوئے۔^[17]

انفاق فی سبیل اللہ

انفاق فی سبیل اللہ اور فیاضی و سرچشمی اہل بیت کرام کا امتیازی اور مشترک وصف رہا ہے، جعفر صادق کی ذات اس وصف کا مکمل ترین نمونہ تھی، بیاج بن بسطام روایت کرتے ہیں کہ جعفر صادق بسا اوقات گھر کا کل کھانا دوسروں کو کھلا دیتے تھے اور خود ان کے اہل و عیال کے لیے کچھ نہ باقی رہ جاتا تھا۔^[18]

لباس امارت میں خرقہ فقر

آپ بظاہر اہل دنیا کے لباس میں رہتے تھے، لیکن اندر لباس فقر محضی ہوتا تھا، سفیان ثوری کا بیان ہے کہ میں ایک مرتبہ جعفر بن محمد کے پاس گیا، اس وقت ان کے جسم پر خر کا جبہ اور دخانی خر کی چادر تھی، میں نے کہا یہ آپ کے بزرگوں کا لباس نہیں ہے، فرمایا وہ لوگ افلاس اور تنگ حالی کے زمانہ میں تھے اور اس زمانے میں دولت بہ ری ہے، یہ کہہ کر انھوں نے اوپر کا کپڑا اٹھا کر دکھایا تو خر کے جبہ کے نیچے پشمینہ کا جبہ تھا اور فرمایا ثوری یہ ہم نے خدا کے لیے پہنا ہے اور وہ تم لوگوں

کے لیے جو خدا کے لیے پہناتا تھا اس کو پوشیدہ رکھا ہے اور جو تم لوگوں کے لیے تھا اس کو اوپر رکھا ہے۔ [19]

مذہبی اختلافات سے بچنے کی ہدایت

مذہب میں جھگڑنا سخت ناپسند کرتے تھے فرماتے تھے تم لوگ خصوصیت فی الدین سے بچو، اس لیے کہ وہ قلب کو مشغول کر دیتی ہے اور اتفاق پیدا کرتی ہے۔ [20]

جرات

نہایت جری، نڈر اور بے خوف تھے، بڑے بڑے جبار کے سامنے ان کی بے باکی قائم رہتی تھی ایک مرتبہ منصور عباسی کے اوپر ایک مکھی لڑکر بیٹھی وہ بار بار ہنکاتا تھا اور مکھی بار بار لڑکر بیٹھتی تھی، منصور اس کو ہنکاتے ہنکاتے عاجز آگیا، مگر وہ نہ بیٹھا، اتنے میں جعفر پہنچ گئے، منصور نے ان سے کہا ابو عبد اللہ مکھی کس لیے پیدا کی گئی ہے، فرمایا جبارہ کو ذلیل کرنے کے لیے۔ [21]

حضرت ابوبکرؓ کے متعلق عقیدہ

گو تمام حق پرست اہل بیت کرام کو خلفائے اربعہ کے ساتھ یکساں عقیدت تھی لیکن جعفر صادق کی رگوں میں صدیقی خون بھی شامل تھا، اس لیے آپ کو حضرت ابوبکرؓ کے ساتھ خاص تعلق تھا اور وہ اپنے جد امجد حضرت علیؓ کی طرح ان پر بھی اپنا حق سمجھتے تھے پہنچنے فرماتے کہ مجھے علیؓ سے جس قدر شفاعت کی امید ہے اتنی ہی ابوبکرؓ سے ہے۔ [22] [23]

شہادت

ایسی مصروف زندگی کھنے والے انسان کو جاہ سلطنت حاصل کرنے کی فکر سے کیا مطلب؟ مگر آپ علمی مرجعیت اور کمالات کی شہرت سلطنت وقت کے لیے ایک مستقل خطرہ محسوس ہوتی تھی۔ جب کہ یہ معلوم تھا کہ اصلی خلافت کے حقدار ہی میں جب حکومت کی تمام کوششوں کے باوجود کوئی ہمانہ اسے آپ کے خلاف کسی کھلے ہوئے اقدام اور تیزی کا نہ مل سکا تو آخر خاموش حربہ زہر کا اختیار کیا گیا اور زہر آلود آنگور حاکم مدینہ کے ذریعہ سے آپ کی خدمت میں پیش کیے گئے، جن کے کھاتے ہی زہر کا اثر جسم میں سرایت کر گیا اور 15 شوال 148ھ میں 56 سال کی عمر میں شہادت پائی۔ آپ کے فرزند اکبر اور جانشین امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے تجبیز و تکفین کی اور نماز جنازہ پڑھائی اور جنت البقیع کے اس احاطہ میں جہاں اس سے پہلے امام حسن، امام زین العابدین اور امام محمد باقر دفن ہو چکے تھے آپ کو بھی دفن کیا گیا آپ اہل السیۃ والجماعت کے پیشوا بالخصوص طریقہ عالیہ نقشبندیہ کے سالار پیر طریقت ہیں۔ آپ کی ولادت 8 رمضان المبارک 80 ہجری کو مدینہ طیبہ میں ہوئی اور 15 رجب المرجب 145 ہجری کو مدینہ طیبہ ہی میں انتقال فرمایا [7] [24]

مزید دیکھیے

- پاکستان میں شیعیت
- علی بن ابی طالب
- حسن ابن علی
- حسین ابن علی
- محرم کی عزاداری
- کربلائے معلی
- واقعہ کربلا
- فہرست شہدائے کربلا
- قیام حسینی کا خط الوقت
- واقعہ کربلا کے اعداد و شمار

حوالہ جات

1. ایس این اے سی آرک آئی ڈی: https://snaccooperative.org/ark:/99166/w6736qj5 — بنام:

Ja'far al-Sadiq — اخذ شدہ بتاریخ: 9 اکتوبر 2017

2. عنوان : A Brief History of The Fourteen Infallibles — ISBN 978-964-438-127-0

3. عنوان : موسیٰ ابن Джафар

کے لیے جو خدا کے لیے پہناتا تھا اس کو پوشیدہ رکھا ہے اور جو تم لوگوں کے لیے تھا اس کو اوپر رکھا ہے۔ [19]

مذہبی اختلافات سے بچنے کی ہدایت

مذہب میں جھگڑنا سخت ناپسند کرتے تھے فرماتے تھے تم لوگ خصوصیت فی الدین سے بچو، اس لیے کہ وہ قلب کو مشغول کر دیتی ہے اور اتفاق پیدا کرتی ہے۔ [20]

جرات

نہایت جری، نڈر اور بے خوف تھے، بڑے بڑے جبار کے سامنے ان کی بے باکی قائم رہتی تھی ایک مرتبہ منصور عباسی کے اوپر ایک مکھی لڑکر بیٹھی وہ بار بار ہنکاتا تھا اور مکھی بار بار لڑکر بیٹھتی تھی، منصور اس کو ہنکاتے ہنکاتے عاجز آگیا، مگر وہ نہ بیٹھا، اتنے میں جعفر پہنچ گئے، منصور نے ان سے کہا ابو عبد اللہ مکھی کس لیے پیدا کی گئی ہے، فرمایا جبارہ کو ذلیل کرنے کے لیے۔ [21]

حضرت ابوبکرؓ کے متعلق عقیدہ

گو تمام حق پرست اہل بیت کرام کو خلفائے اربعہ کے ساتھ یکساں عقیدت تھی لیکن جعفر صادق کی رگوں میں صدیقی خون بھی شامل تھا، اس لیے آپ کو حضرت ابوبکرؓ کے ساتھ خاص تعلق تھا اور وہ اپنے جد امجد حضرت علیؓ کی طرح ان پر بھی اپنا حق سمجھتے تھے پہنچنے فرماتے کہ مجھے علیؓ سے جس قدر شفاعت کی امید ہے اتنی ہی ابوبکرؓ سے ہے۔ [22] [23]

شہادت

ایسی مصروف زندگی کھنے والے انسان کو جاہ سلطنت حاصل کرنے کی فکر سے کیا مطلب؟ مگر آپ علمی مرجعیت اور کمالات کی شہرت سلطنت وقت کے لیے ایک مستقل خطرہ محسوس ہوتی تھی۔ جب کہ یہ معلوم تھا کہ اصلی خلافت کے حقدار ہی میں جب حکومت کی تمام کوششوں کے باوجود کوئی ہمانہ اسے آپ کے خلاف کسی کھلے ہوئے اقدام اور تیزی کا نہ مل سکا تو آخر خاموش حربہ زہر کا اختیار کیا گیا اور زہر آلود آنگور حاکم مدینہ کے ذریعہ سے آپ کی خدمت میں پیش کیے گئے، جن کے کھاتے ہی زہر کا اثر جسم میں سرایت کر گیا اور 15 شوال 148ھ میں 56 سال کی عمر میں شہادت پائی۔ آپ کے فرزند اکبر اور جانشین امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے تجبیز و تکفین کی اور نماز جنازہ پڑھائی اور جنت البقیع کے اس احاطہ میں جہاں اس سے پہلے امام حسن، امام زین العابدین اور امام محمد باقر دفن ہو چکے تھے آپ کو بھی دفن کیا گیا آپ اہل السیۃ والجماعت کے پیشوا بالخصوص طریقہ عالیہ نقشبندیہ کے سالار پیر طریقت ہیں۔ آپ کی ولادت 8 رمضان المبارک 80 ہجری کو مدینہ طیبہ میں ہوئی اور 15 رجب المرجب 145 ہجری کو مدینہ طیبہ ہی میں انتقال فرمایا [7] [24]

مزید دیکھیے

- پاکستان میں شیعیت
- علی بن ابی طالب
- حسن ابن علی
- حسین ابن علی
- محرم کی عزاداری
- کربلائے معلی
- واقعہ کربلا
- فہرست شہدائے کربلا
- قیام حسینی کا خط الوقت
- واقعہ کربلا کے اعداد و شمار

حوالہ جات

1. ایس این اے سی آرک آئی ڈی: https://snaccooperative.org/ark:/99166/w6736qj5 — بنام:

Ja'far al-Sadiq — اخذ شدہ بتاریخ: 9 اکتوبر 2017

2. عنوان : A Brief History of The Fourteen Infallibles — ISBN 978-964-438-127-0

3. عنوان : موسیٰ ابن Джафар



موسی بن جعفر

https://ur.wikipedia.org/s/gsg5

موسیٰ کاظم، امام جعفر صادق کے فرزند اور اہل تشیع کے ساتویں امام تھے۔ اسم مبارک موسیٰ، کنیت ابو الحسن اور لقب کاظم تھا اور اسی لیے امام موسیٰ کاظم کے نام سے یاد کیے جاتے ہیں۔ آپ کے والد بزرگوار امام جعفر صادق تھے جن کا خاندانی سلسلہ امام حسین سے پیغمبر اسلام محمد تک پہنچتا ہے۔ آپ کی والدہ ماجدہ حمیدہ خاتون ملک بربر کی باشندہ تھیں۔

ولادت

سات صفر 128ھ میں آپ کی ولادت ہوئی۔ اس وقت آپ والد بزرگوار امام جعفر صادق مسند امامت پر مستکن تھے اور آپ کے فیوض علمی کا دھارا پوری طاقت کے ساتھ بہہ رہا تھا۔ اگرچہ امام موسیٰ کاظم سے پہلے آپ کے دو بڑے بھائی اسماعیل اور عبد اللہ پیدا ہو چکے تھے مگر اس صاحبزادے کی ولادت سے روحانی امانت (جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد اس سلسلہ کے افراد میں ایک دوسرے کے بعد چلی آ رہی تھی) کا لائق اور حامل یہی پیدا ہونے والا مبارک بچہ تھا۔

نشو و نما اور تربیت

آپ کی عمر کے بیس برس اپنے والد بزرگوار امام جعفر صادق کے سایہ تربیت میں گزرے۔ ایک طرف خدا کے دیے ہوئے فطری کمال کے جوہر اور دوسری طرف اس باپ کی تربیت جس نے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بتائے ہوئے مکام اخلاق کی بھولی ہوئی یاد کو ایسا تازہ کر دیا کہ انھیں ایک طرح سے لپٹا بنا لیا اور جس کی بنا پر ملت جعفریہ نام ہو گیا۔ امام موسیٰ کاظم نے بچپن اور جوانی کا کافی حصہ اسی مقدس آغوش تعلیم میں گزارا۔ یہاں تک کہ تمام دنیا کے سامنے آپ کے کمالات و فضائل روشن ہو گئے اور امام جعفر صادق نے لپٹا جائشیں مقرر فرمادیاں۔ باوجود کہ آپ کے بڑے بھائی بھی موجود تھے مگر خدا کی طرف کا منصب میراث کا ترکہ نہیں ہے بلکہ ذاتی کمال کو ڈھونڈتا ہے۔ سلسلہ معصومین میں امام حسن مجتبیٰ کے بعد بجائے ان کی اولاد کے امام حسین بن علی کا امام ہونا اور اولاد امام جعفر صادق میں بجائے فرزند اکبر کے امام موسیٰ کاظم کی طرف امامت کا منتقل ہونا اس بات کا ثبوت ہے کہ معیار امامت میں نسبیت وراثت کو مد نظر نہیں رکھا گیا ہے۔

امامت

148ھ امام جعفر صادق کی شہادت ہوئی، اس وقت سے امام موسیٰ کاظم بذات خود فرائض امامت کے ذمہ دار ہوئے۔ اس وقت سلطنت عباسیہ کے تخت پر منصور دوانقی بادشاہ تھا۔ یہ وہی ظالم بادشاہ تھا جس کے ہاتھوں لاتعداد سادات مظالم کا نشانہ بن چکے تھے تلوار کے گھاٹ اتار دیے گئے۔ دیواروں میں چنوا دیے گئے یا قید رکھے گئے تھے۔ خود امام جعفر صادق کے خلاف طرح طرح کی سازشیں کی جا چکی تھیں اور مختلف صورت سے تکلیفیں پہنچانی گئی تھیں یہاں تک کہ منصور ہی کا بھیجا ہوا زہر تھا جس سے اب آپ دنیا سے رخصت ہو رہے تھے۔ ان حالات میں آپ کو اپنے جانشین کے متعلق یہ قطعی اندیشہ تھا کہ حکومت وقت اسے زندہ نہ رہنے دے گی اس لیے آپ نے ایک اخلاقی بوجھ حکومت کے کاندھوں پر رکھ دینے کے لیے یہ صورت اختیار فرمائی کہ اپنی جائداد اور گھربار کے انتظام کے لیے پانچ اشخاص کی ایک جماعت مقرر فرمائی۔ جن میں پہلا شخص خود خلیفہ وقت منصور عباسی تھا۔ اس کے علاوہ محمد بن سلیمان حاکم مدینہ، اپنے بیٹے عبد اللہ فطح (جو امام موسیٰ کاظم سے بڑے تھے)، چوتھے امام موسیٰ کاظم اور پانچویں ان کی والدہ حمیدہ خاتون تھیں۔ امام کا اندیشہ

موسی بن جعفر

(عربی میں: **موسی بن جعفر الكاظم**)



معلومات شخصیت

8 نومبر 745ء

ابواء

30 اگست 799ء (54 سال)^[1]

کاظمیہ

زہر

مسجد کاظمیہ

قتل

دولت عباسیہ

نجمہ

پیدائش

وفات

وجہ وفات

مدفن

طرز وفات

شہریت

زوجہ

اولاد

علی رضا ^[2]، زید النار ، احمد

بن موسیٰ کاظم ، محمد بن

موسیٰ کاظم ، قاسم بن

موسیٰ کاظم ، ابراہیم بن

موسیٰ کاظم ، حسین بن

موسیٰ ، اسماعیل بن موسیٰ

کاظم ، حکیمہ بنت موسیٰ

کاظم ، فاطمہ معصومہ ،

آمنہ بنت موسیٰ کاظم

جعفر الصادق ^[3]

والد

والدہ**حمیدہ بربرہ****بہن/بھائی**

اسماعیل ، اسحاق بن جعفر

صادق ، عبد اللہ بن جعفر

صادق ، محمد ابن جعفر

الصادق ، علی العریضی

عملی زندگی

جعفر الصادق

استاذ**تلمیذ خاص**

علی رضا ، فاطمہ معصومہ

پیشہ

الہیات دان ، امام

شعبہ عمل

اسلامی الہیات

بالکل صحیح تھا اور آپ کات حفظ بھی کامیاب ثابت ہوا۔ چنانچہ جب کی وفات کی اطلاع منصور کو پہنچی تو اس نے پہلے تو سیاسی مصلحت کے طور پر اظہار رنج کیا۔ تین مرتبہ اناللہ وانا الیہ راجعون کہ اور کہا کہ اب بھلا جعفر صادق کا مثل کون ہے؟ اس کے بعد حاکم مدینہ کو لکھا کہ اگر جعفر صادق نے کسی شخص کو اپنا وصی مقرر کیا ہو تو اس کا سر فوراً قلم کردو۔ حاکم مدینہ نے جواب لکھا کہ انھوں نے تو پانچ وصی مقرر کیے ہیں جن سے پہلے آپ خود ہیں۔ یہ جواب پڑھ کر منصور دیر تک خاموش رہا اور سوچنے کے بعد کہنے لگا تو اس صورت میں تو یہ لوگ قتل نہیں کیے جاسکتے۔ اس کے بعد دس برس تک منصور زندہ رہا لیکن امام موسیٰ کاظم سے کوئی تعرض نہیں کیا اور آپ مذہبی فرائض امامت کی انجام دی میں امن وسکون کے ساتھ مصروف رہے۔ یہ بھی تھا کہ اس زمانے میں منصور شہر بغداد کی تعمیر میں مصروف تھا جس سے 751ھ میں یعنی اپنی موت سے صرف ایک سال پہلے اسے فراغت ہوئی۔ اس لیے وہ امام موسیٰ کاظم کے متعلق کسی ایذا رسانی کی طرف متوجہ نہیں ہوا۔

دور ابتلا

751ھ کے آخر میں منصور دولتی دنیا سے رخصت ہوا تو اس کا بیٹا مہدی تخت سلطنت پر بیٹھا۔ شروع میں تو اس نے بھی امام موسیٰ کاظم کے عزت واحترام کے خلاف کوئی برتاؤ نہیں کیا مگر چند سال کے بعد پھر وہی بنی فاطمہ کی مخالفت کا جذبہ ابھرا اور 461ھ میں جب وہ حج کے نام سے حجاز کی طرف آیا تو امام موسیٰ کاظم کو اپنے ساتھ مکہ سے بغداد لے گیا اور قید کر دیا۔ ایک سال تک اس کی قید میں رہے۔ پھر اس کو اپنی غلطی کا احساس ہوا اور کو مدینہ کی طرف واپسی کا موقع دیا گیا، مہدی کے بعد اس کا بھائی ہادی 921ھ میں تخت سلطنت پر بیٹھا اور صرف ایک سال ایک مہینے تک اُس نے سلطنت کی۔ اس کے بعد ہارون رشید کا زمانہ آیا جس میں پھر امام موسیٰ کاظم کو آزادی کے ساتھ سانس لینا نصیب نہیں ہوا

اخلاق و اوصاف

امام موسیٰ کاظم اسی مقدس سلسلہ کے ایک فرد تھے جس کو خالق نے نوع انسان کے لیے معیار کمال قرار دیا تھا۔ اس لیے ان میں سے ہر ایک اپنے وقت میں بہترین اخلاق و اوصاف کا مرقع تھا۔ بے شک یہ ایک حقیقت ہے کہ بعض افراد میں بعض صفات اتنے ممتاز نظر آتے ہیں کہ سب سے پہلے ان پر نظر پڑتی ہے، چنانچہ ساتویں امام میں تحمل و برداشت اور غصہ کوضبط کرنے کی صفت اتنی نمایاں تھی کہ آپ کا لقب «کاظم» قرار پایا گیا جس کے معنی میں غصے کو پینے والا۔ آپ کو کبھی کسی نے ترشروئی اور سختی کے ساتھ بات کرتے نہیں دیکھا اور انتہائی ناگوار حالات میں بھی مسکراتے ہوئے نظر آئے۔ مدینے کے ایک حاکم سے آپ کو سخت تکلیفیں پہنچیں۔ یہاں تک کہ وہ جناب امیر کی شان میں بھی نازیبا الفاظ استعمال کیا کرتا تھا مگر نے اپنے اصحاب کو ہمیشہ اس کے جواب دینے سے روکا۔ جب اصحاب نے اس کی گستاخیوں کی بہت شکایات کیں اور یہ کہا کہ ہمیں ضبط کی تاب نہیں۔ ہمیں اس سے انتقام لینے کی اجازت دی جائے تو نے فرمایا کہ «میں خود اس کا تدارک کروں گا۔» اس طرح ان کے جذبات میں سکون پیدا کرنے کے بعد خود اس شخص کے پاس اسکی زراعت پر تشریف لے گئے اور کچھ ایسا احسان اور سلوک فرمایا کہ وہ اپنی گستاخیوں پر نادم ہوا اور اپنے طرز عمل کو بدل دیا۔ نے اپنے اصحاب سے صورت حال بیان فرما کر پوچھا کہ جو میں نے اس کے ساتھ کیا وہ اچھا تھا یا جس طرح تم لوگ اس کے ساتھ کرنا چاہتے تھے۔ سب نے کہا، یقیناً حضور نے جو طریقہ استعمال فرمایا وہی بہتر تھا۔ اس طرح آپ نے اپنے جد بزرگوار امیر کے اس ارشاد کو عمل میں لا کر دکھلایا جو اہل تک نبج البلاغہ میں موجود ہے کہ اپنے دشمن پہ احسان کے ساتھ فتح حاصل کرو کیونکہ یہ دو قسم کی فتح میں زیادہ صر لطف کامیابی ہے۔ بے شک اس کے لیے فرائض مخالف کے ظرف کا صحیح اندازہ ضروری ہے اور اسی لیے علی نے ان الفاظ کے ساتھ یہ بھی فرمایا ہے کہ «خبردار یہ عدم تشدد کا طریقہ نااہل کے ساتھ اختیار نہ کرنا ورنہ اس کے تشدد میں اضافہ ہو جائے گا۔» یقیناً ایسے عدم تشدد کے موقع کو پہچاننے کے لیے ایسی ہی بالغ نگاہ کی ضرورت ہے جیسی امام کو حاصل تھی مگر یہ اس وقت میں ہے جب مخالف کی طرف سے کوئی ایسا عمل ہو چکا ہو جو اس کے ساتھ انتقامی جواز پیدا کر سکے لیکن اس کی طرف سے آگو کوئی ایسا اقدام ابھی ایسا نہ ہوا تو یہ حضرات بہر حال اس کے ساتھ احسان کرنا پسند کرتے تھے تاکہ اس کے خلاف جھگڑائے ہو اور اسے اپنے جارحانہ اقدام کے لیے تلاش سے بھی کوئی عذر نہ مل سکے۔ بالکل اسی طرح جیسے ابن المہم کے ساتھ جو جناب امیر کو شہید کرنے والا تھا۔ آخری وقت تک جناب امیر احسان فرماتے رہے۔ اسی طرح محمد ابن اسمعیل کے ساتھ جو امام موسیٰ کاظم کی جان لینے کا باعث ہوا، آپ برابر احسان فرماتے رہے، یہاں تک کہ اس سفر کے لیے جو اس نے مدینے سے بغداد کی جانب خلیفہ عباسی کے پاس امام موسیٰ کاظم کی شکایتیں کرنے کے لیے کیا تھا۔ ساڑھے چار سو دینار اور پندرہ سو درہم کی رقم خود ہی نے عطا فرمائی تھی جس کو لے کر وہ روانہ ہوا تھا۔ آپ کو زمانہ بہت ناساز گار ملا تھا۔ نہ اس وقت وہ علمی دربار قائم رہ سکتا تھا جو امام جعفر صادق کے زمانہ میں قائم رہ چکا تھا نہ دوسرے ذرائع سے تبلیغ واشاعت ممکن تھی۔ بس آپ کی خاموش سیرت ہی تھی جو دنیا کو ال محمد کی تعلیمات سے روشناس کرا سکتی تھی۔ آپ اپنے مجموعوں میں بھی اکثر بالکل خاموش رہتے تھے یہاں تک کہ جب تک آپ سے کسی امر کے متعلق کوئی سوال نہ کیا جائے آپ گفتگو میں ابتدا بھی نہ فرماتے تھے۔ اس کے باوجود آپ کی علمی جلالت کا سکھ دوست اور دشمن سب کے دل پر قائم تھا اور آپ کی سیرت کی بلندی کو بھی سب مانتے تھے، اسی لیے عام طور پر آپ کو کثرت عبادت اور شب زندہ داری کی وجہ سے «عبد صالح» کے لقب سے یاد جاتا تھا۔ آپ کی سخاوت اور فیاضی کا بھی خاص شہرہ تھا اور فقرائے مدینہ کی اکثر پوشیدہ طور پر خبر گیری فرماتے تھے ہر نماز کے صبح کے تعقیبات کے بعد آفتاب کے بلند ہونے کے بعد سے پیشانی سجدے میں رکھ دیتے تھے اور زوال کے وقت سر اٹھاتے تھے۔ قرآن مجید اور پاس بیٹھنے والے بھی آپ کی آواز سے متاثر ہو کر روتے تھے۔ ہارون رشید کی خلافت اور امام موسیٰ کاظم سے مخالفت 71ھ میں ہادی کے بعد ہارون تخت، خلافت پر بیٹھا۔ سلطنت عباسیہ کے قدیم روایات جو سادات بنی فاطمہ کی مخالفت میں تھے اس کے سامنے تھے خود اس کے باپ منصور کارویہ جو امام جعفر صادق کے خلاف تھا اسے معلوم تھا اس کا یہ ارادہ کہ جعفر صادق کے جانشین کو قتل کر ڈالا جائے یقیناً اس کے بیٹے ہارون کو معلوم ہو چکا ہوگا۔ وہ تو امام جعفر صادق کی حکیمانہ وصیت کا اخلاقی دباؤ تھا جس نے منصور کے ہاتھ باندھ دیے تھے اور شہر بغداد

کی تعمیر کی مصروفیت تھی جس نے اسے اس جانب متوجہ نہ ہونے دیا تھا اب بارون کے لیے ان میں سے کوئی بات مانع نہ تھی۔ تخت، سلطنت پر بیٹھ کر اپنے اقتدار کو مضبوط رکھنے کے لیے سب سے پہلے تصور پیدا ہو سکتا تھا کہ اس روحانیت کے مرکز کو جو مدینہ کے محلہ بنی ہاشم میں قائم ہے توڑنے کی کوشش کی جائے مگر ایک طرف امام موسیٰ کاظم کا محتاط اور خاموش طرز عمل اور دوسری طرف سلطنت کے اندرونی مشکلات ان کی وجہ سے نو برس تک بارون کو بھی کسی کھلے ہوئے تشدد کا امام کے خلاف موقع نہیں ملا۔ اس دوران میں عبد اللہ ابن حسن کے فرزند یحییٰ کا واقعہ درپیش ہوا وہ وہ امان دیے جانے کے بعد تمام عہدوہیمان کوٹوڑ کر درناک طریقے پر پہلے قید رکھے گئے اور پھر قتل کیے گئے۔ باوجودیکہ یحییٰ کے معاملات سے امام موسیٰ کاظم کو کسی طرح کا سروکار نہ تھا بلکہ واقعات سے ثابت ہوتا ہے کہ ان کو حکومت، وقت کی مخالفت سے منع فرماتے تھے مگر عداوت، بنی فاطمہ کا جذبہ جو یحییٰ ابن عبد الملک کی مخالفت کے بہانے سے ابھر گیا تھا اس کی زد سے امام موسیٰ کاظم بھی محفوظ نہ رہ سکے۔ ادھر یحییٰ ابن خالد برکلی نے جو وزیر اعظم تھا امین (فرزند بارون رشید) کے اتالیق جعفر ابن محمد اشعث کی رقابت میں اس کے خلاف یہ الزام قائم کیا کہ یہ امام موسیٰ کاظم کے شیعوں میں سے ہے اور ان کے اقتدار کا خواہاں ہے۔ براہ راست اس کا مقصد بارون کو جعفر سے برگزشتہ کرنا تھا لیکن بالواسطہ اس کا تعلق امام موسیٰ کاظم کے ساتھ بھی۔ اس لیے بارون کو کی ضرر رسانی کی فکر پیدا ہو گئی۔ اسی دوران میں یہ واقعہ ہوا کہ بارون رشید ج کے ارادہ سے مکہ معظمہ میں آیا۔ اتفاق سے اسی سال امام موسیٰ کاظم بھی حج کو تشریف لائے ہوئے تھے۔ بارون نے اپنی آنکھ سے اس عظمت اور مرجعیت کا مشاہدہ کیا جو مسلمانوں میں امام موسیٰ کاظم کے متعلق پائی جاتی تھی۔ اس سے بھی اس کے حسد کی آگ بھڑک اٹھی اس کے بعد اس میں محمد بن اسماعیل کی مخالفت نے اور اضافہ کر دیا۔ واقعہ یہ ہے کہ اسماعیل امام جعفر صادق کے بڑے فرزند تھے اور اس لیے ان کی زندگی میں عام طور پر لوگوں کا خیال یہ تھا کہ وہ امام جعفر صادق کے قائم مقام ہوں گے۔ مگر ان کا انتقال امام جعفر صادق کے زمانے میں ہو گیا اور لوگوں کا یہ خیال غلط ثابت ہوا۔ پھر بھی بعض سادہ لوح اصحاب اس خیال پر قائم رہے کہ جانشینی کا حق اسماعیل میں منحصر ہے۔ انھوں نے امام موسیٰ کاظم کی امامت کو تسلیم نہیں کیا چنانچہ اسماعیلیہ فرقہ مختصر تعداد میں سہی اب بھی دنیا میں موجود ہے۔ محمد، انھی اسماعیل کے فرزند تھے اور اس لیے امام موسیٰ کاظم سے ایک طرح کی مخالفت پہلے سے رکھتے تھے مگر چونکہ ان کے ماننے والوں کی تعداد بہت کم تھی اور وہ افراد کوئی نمایاں حیثیت نہ رکھتے تھے اسی لیے ظاہری طور پر امام موسیٰ کاظم کے یہاں آدمورفت رکھتے تھے اور ظاہر داری کے طور پر قرابت داری کے تعلقات قائم کیے ہوئے تھے۔ بارون رشید نے امام موسیٰ کاظم کی مخالفت کی صورتوں پر غور کرتے ہوئے تکیہ برکلی سے مشورہ لیا کہ میں چاہتا ہوں کہ اولاد ابو طالب میں سے کسی کو بلا کر اس سے موسیٰ بن جعفر کے پورے پورے حالات دریافت کروں۔ یحییٰ خود عداوت بنی فاطمہ میں بارون سے کم نہ تھا اس نے محمد بن اسماعیل کا پتہ دیا کہ آپ ان کو بلا کر دریافت کریں تو صحیح حالات معلوم ہو سکیں گے چنانچہ اسی وقت محمد بن اسماعیل کے نام خط لکھا گیا۔ شہنشاہ وقت کا خط محمد ابن اسماعیل کو پہنچا تو انھوں نے اپنی دنیوی کامیابی کا بہترین ذریعہ سمجھ کر فوراً بغداد جانے کا ارادہ کر لیا۔ مگر ان دنوں ہاتھ بالکل خالی تھا۔ اتنا روپیہ پاس موجود نہ تھا کہ سامان سفر کرتے۔ مجبوراً اسی ڈپوٹی پر آنا پڑا جہاں کرم و عطا میں دوست اور دشمن کی تیز نہ تھی۔ امام موسیٰ کاظم کے پاس آکر بغداد جانے کا ارادہ ظاہر کیا۔ خوب سمجھتے تھے کہ اس بغداد کے سفر کی بنیاد کیا ہے۔ حجت تمام کرنے کی غرض سے آپ نے سفر کا سبب دریافت کیا۔ انھوں نے اپنی پریشان حالی بیان کرتے ہوئے کہا کہ قرضدار بہت ہو گیا ہوں۔ خیال کرتا ہوں کہ شاید وہاں جا کر کوئی صورت بسر اوقات کی نکلے اور میرا قرضہ ادا ہو جائے۔ نے فرمایا۔ وہاں جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ تمہارا تمام قرضہ ادا کر دوں گا۔ افسوس ہے کہ محمد نے اس کے بعد بھی بغداد جانے کا ارادہ نہیں بدلا۔ چلتے وقت سے رخصت ہونے لگے۔ عرض کیا کہ مجھے وہاں کے متعلق کچھ ہدایت فرمائی جائے۔ نے اس کا کچھ جواب نہ دیا۔ جب انھوں نے کئی مرتبہ اصرار کیا تو نے فرمایا کہ: بس اتنا خیال رکھنا کہ میرے خون میں شریک نہ ہونا اور میرے بچوں کی یتیمی کے باعث نہ ہونا» محمد نے اس کے بعد بہت کہا کہ یہ بھلا کون سی بات ہے جو مجھ سے کہی جاتی ہے، کچھ اور ہدایت فرمائیے۔ نے اس کے علاوہ کچھ کہنے سے انکار کیا۔ جب وہ چلنے لگے تو نے ساڑھے چار سو دینار اور پندرہ سو درہم انھیں مصارف کے لیے عطا فرمائے۔ نتیجہ وہی ہوا جو کے پیش نظر تھا۔ محمد ابن اسماعیل بغداد پہنچے اور وزیر اعظم یحییٰ برکلی کے مہمان ہوئے اس کے بعد تکیہ کے ساتھ بارون کے دربار میں پہنچے مصلحت وقت کی بنا پر بہت تعظیم و تکریم کی گئی۔ اثناء گفتگو میں بارون نے مدینہ کے حالات دریافت کیے۔ محمد نے انتہائی غلط بیانیوں کے ساتھ وہاں کے حالات کا تذکرہ کیا اور یہ بھی کہا کہ میں نے آج تک نہیں دیکھا اور نہ سنا کہ ایک ملک میں دو بادشاہ ہوں۔ اس نے کہا کہ اس کا کیا مطلب؟ محمد نے کہا کہ بالکل اسی طرح جس طرح آپ بغداد میں سلطنت قائم کیے ہوئے ہیں۔ اطراف ملک سے ان کے پاس خراج پہنچتا ہے اور وہ آپ کے مقابلے کے دعوے دار ہیں۔ یہی وہ باتیں تھیں جن کے کہنے کے لیے یحییٰ برکلی نے محمد کو منتخب کیا تھا بارون کا غیظ و غضب انتہائی اشتعال کے درجے تک پہنچ گیا۔ اس نے محمد کو دس ہزار دینار عطا کر کے رخصت کیا۔ خدا کا کرنا یہ کہ محمد کو اس رقم سے فائدہ اٹھانے کا ایک دن بھی موقع نہ ملا۔ اسی شب کو ان کے حلق میں درد پیدا ہوا۔ صبح ہوتے ہوئے وہ دنیا سے رخصت ہو گئے۔ بارون کو یہ خبر پہنچی تو اس نے اشرافیوں کے توڑے واپس منگوا لیے مگر محمد کی باتوں کا اثر اس کے دل میں ایسا جم گیا تھا کہ اس نے یہ طے کر لیا کہ امام موسیٰ کاظم کا نام صفحہ ہستی سے مٹا دیا جائے۔ چنانچہ 0179ھ میں پھر بارون رشید نے مکہ معظمہ کا سفر کیا اور وہاں سے مدینہ منورہ گیا۔ دو ایک روز قیام کے بعد کچھ لوگ امام موسیٰ کاظم کو گرفتار کرنے کے لیے روزانہ کیے۔ جب یہ لوگ امام کے مکان پر پہنچے تو معلوم ہوا کہ روضہ رسول پر ہیں۔ ان لوگوں نے روضہ پیغمبر کی عزت کا بھی خیال نہ کیا۔ اس وقت قبر رسول کے نزدیک نماز میں مشغول تھے۔ بے رحم دشمنوں نے آپ کو نماز کی حالت میں ہی قید کر لیا اور بارون کے پاس لے گئے۔ مدینہ رسول کے رہنے والوں کی بے حسی اس سے پہلے بھی بہت دفعہ دیکھی جا چکی تھی۔ یہ بھی اس کی ایک مثال تھی کہ رسول کا فرزند روضہ رسول سے اس طرح گرفتار کر کے لے جایا جا رہا تھا مگر نام نہاد مسلمانوں میں ایک بھی ایسا نہ تھا جو کسی طرح کی آواز بطور احتجاج بلند کرتا۔ یہ بیس شوال 179ھ کا واقعہ ہے۔ بارون نے اس اندیشے سے کہ کوئی جماعت امام موسیٰ کاظم کو باکر کرنے کی کوشش نہ کرے دو محملیں تیار کرائیں۔ ایک میں امام موسیٰ کاظم کو سوار کیا اور اس کو ایک بڑی فوجی جمعیت کے حلقے میں بصرہ روانہ کیا اور دوسری محمل جو خالی تھی اسے بھی اتنی ہی جمعیت کی حفاظت میں بغداد روانہ کیا۔ مقصد یہ تھا کہ آپ کے محل قیام اور قید کی جگہ کو بھی مشکوک بنا دیا جائے یہ نہایت حسرت ناک واقعہ تھا کہ امام کے اہل حرم اور بچے وقت رخصت آپ کو دیکھ بھی نہ سکیں اور اچانک محل سرا میں صرف یہ اطلاع پہنچ سکی کہ سلطنت وقت کی طرف سے قید کر لیے گئے اس سے بیبیوں اور بچوں میں کھرام برپا ہو گیا اور یقیناً امام کے دل پر بھی اس کا جو صدمہ ہو سکتا ہے وہ ظاہر ہے۔ مگر آپ کے ضبط و صبر کی طاقت کے سامنے ہر مشکل آسان تھی۔ معلوم نہیں کتنے ہیر پھیر سے یہ راستہ کیا گیا تھا کہ پورے ایک مہینہ سترہ روز کے بعد سات ذی الحجہ کو آپ بصرہ پہنچائے گئے۔ کامل ایک سال تک آپ بصرہ میں قید رہے۔ یہاں کا حاکم بارون کا چچا زاد بھائی عیسیٰ ابن جعفر تھا شروع میں تو اسے صرف بادشاہ کے حکم تعمیل مد نظر تھی بعد میں اس نے غور کرنا شروع کیا۔ آخر ان کے قید کیے جانے کا سبب کیا ہے۔ اس سلسلے میں اس کو امام کے حالات اور سیرت زندگی اور اخلاق و اوصاف کی جستجو کا موقع بھی ملا اور جتنا اس نے امام کی سیرت کا مطالعہ کیا اتنا اس کے دل پر آپ کی بلندی اخلاق اور حسن کردار کا قائم ہو گیا۔ اپنے ان تاثرات سے اس نے بارون کو مطلع بھی کر دیا۔ بارون پر اس کا الٹا اثر ہوا کہ عیسیٰ کے متعلق بدگمانی پیدا ہو گئی۔ اس لیے اس نے امام موسیٰ کاظم کو بغداد میں بلا بھیجا۔ فضل ابن ربیع کی حراست میں دے دیا اور پھر فضل کا رجحان شیعیت کی طرف محسوس کر کے تکیہ برکلی کو اس کے لیے مقرر کیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ امام کے اخلاق و اوصاف کی کشش ہر ایک پر اپنا اثر ڈالتی تھی۔ اس لیے ظالم بادشاہ کو نگرانوں کی تبدیلی کی ضرورت پڑتی تھی۔

فضل و کمال

موسیٰ کاظم اس خاندانِ علم کے گویہر شبِ چراغ تھے جس کا ہر فرد آسمانِ فضل و کمال کا بدرِ کامل اور مسندِ علم کا شیخِ اکل تھا، اس لیے امام کاظم کو دولتِ علم گویا وراثۃً نصیب ہوئی تھی، اس کے علاوہ جو دھرم، عبادت و ریاضت، تضرع و انکسار اور تقویٰ و پاکبازی کا پیکر مجسم تھے، ابو حاتم ان کو امام المسلمین کہتے ہیں، حافظ ذہبی لکھتے ہیں: کان صالحاً عابداً جواداً حلیماً کبیر القدر^[4] وہ صالح عبادت گزار، حلیم الطبع، سخی اور جلیل المرتبت تھے۔

حدیث

انہوں نے تبحر علمی اور جلالتِ فنی کے باوجود اپنی زیادہ تر توجہ عبادت اور تبلیغِ دین میں صرف کی، اسی وجہ سے ان کی روایات کی تعداد بہت کم ملتی ہے؛ لیکن اس کے باوجود یہ ایک حقیقت مسلم ہے کہ ان سے مروی تھوڑی سی حدیثیں بھی صحیح معنی میں "بہ قامت کثیرہ قیمت بہتر" کی مصداق ہیں۔ حدیث میں انہوں نے اپنے باکمال والد امام جعفر بن محمد الملقب بہ صادق کے علاوہ عبد اللہ بن دینار اور عبد الملک بن قدامہ انہی سے استفادہ کیا تھا، ممکن ہے ان کے حلقہ شیوخ میں کچھ اور نام بھی شامل ہوں، لیکن طبقات و تراجم میں ان کے صرف مذکورہ تین ہی اساتذہ حدیث کا ذکر ملتا ہے، ان میں بھی ثانی الذکر سے امام کاظم کے تلمذ کو حافظ ابن حجر نے مشتبہ قرار دیا ہے۔ پتہ چلتا ہے کہ اگر موسیٰ کاظم کا سن ولادت 128ھ مستند اور صحیح ہے تو پھر عبد اللہ بن دینار سے ان کے حصولِ تلمذ کا کوئی سوال نہیں، کیونکہ ابن دینار کی وفات اس سے پہلے ہی 127ھ میں ہو گئی تھی۔^[5] خود ان کے دریاے فیض سے سیراب ہونے والوں میں ان کے دو بھائی علی و محمد اور صاحبزادگان ابراہیم، حسین، اسماعیل، علی رضی کے علاوہ صالح بن یزید اور محمد بن صدقۃ الغنیری کے نام قابلِ ذکر ہیں۔^[6]

ثقافت

ان کی ثقافت اور صداقت کو علمائے فن نے بالاتفاق ہر قسم کے ریب و شک سے بالاتر قرار دیا ہے، ابو حاتم ثقفہ، صدوق امام کہتے ہیں۔^[7]

عبادت

عبادت و ریاضت کا خاص اہتمام تھا، کثرتِ عبادت کا یہ عالم تھا کہ اپنے زمانہ کے سب سے بڑے عالم شمار ہوتے تھے، حافظ ابن جوزی نے صفۃ الصوفیہ میں ان کا بہت نمایاں تذکرہ کیا ہے، علامہ ابن کثیر رقمطراز ہیں: کان کثیر العبادۃ والمشاءۃ حتی کہ جب ہارون الرشید نے ان کو دیوارِ زنداں کے پیچھے ڈال دیا تو بھی ان کے شب و روز کے معمولات میں کوئی فرق نہ آکا۔ پتہ چلتا ہے قید خانہ کی ایک عینی راویہ نے ان کے دن رات کے معمولات یہ بیان کیے ہیں۔ "کان إذا صلی العتمۃ حمد اللہ ومجہ ودعاہ فلم یزل کذا لک حتی یزول اللیل فإذا زال اللیل قام یصلي حتی یصلی الصبح ثم یدکر قليلاً حتی تطلع الشمس ثم یقعہ إلی انتفاع الضحی ثم یتنہا ویستاک ویاکل ثم یرقد إلی قبل الزوال ثم یتوضأ ویصلي حتی یصلی العصر ثم یدکر فی القلیۃ حتی یصلی المغرب ثم یصلي ما بین المغرب والعتمۃ"^[8] وہ عشا کی نماز پڑھنے کے بعد برابر ذکر و فکر اور حمد و ثنا میں مشغول رہتے یہاں تک کہ جب کافی رات گزر جاتی تو اٹھ کر نماز پڑھنا شروع کر دیتے اور صبح تک یہ سلسلہ جاری رہتا، پھر فجر کی نماز پڑھ کر طلوعِ آفتاب تک تھوڑا ذکر کرتے، پھر کافی دیر تک مراقبہ میں بیٹھتے، پھر مسواک وغیرہ کرتے اور کھانا تناول فرماتے، پھر زوال سے قبل تک استراحت کرتے پھر وضو کر کے نماز پڑھنا شروع کرتے اور عصر تک پڑھتے رہتے پھر قبلہ رو ہو کر ذکر اللہ میں مصروف رہتے اور مغرب کی نماز تک یہ سلسلہ جاری رہتا پھر نماز مغرب پڑھنے کے بعد عشاء تک مسلسل نوافل پڑھتے رہتے۔ ان معمولات کے مطالعہ سے یہ حقیقت بھی منکشف ہوتی ہے کہ امام کاظم کثرتِ عبادت و ریاضت کے ساتھ اپنی روح و جسم کے حقوق سے بھی پوری طرح عمدہ برآ ہوتے تھے، مذکورہ بالا بیان کی راویہ اختِ سند کی روایت میں امام صاحب کی خدمت پر مامور تھی، جب بھی ان کو دیکھتی تو کہتی کہ بڑے ہی بد نصیب اور ناکام ہیں وہ لوگ جو خدا کے ایسے صالح اور عبادت گزار بندے سے تعرض کرتے ہیں اور انہیں پریشان کرتے ہیں^[9] حافظ ذہبی انہیں صالح، عابد، جواد، حلیم اور جلیل المرتبت لکھتے ہیں۔^[10]

سخاوت

جوہ و سخاوت، سیرِ چشمی اور فیاضی اہل بیتِ کرام کا ایک مشترک وصف اور خصوصی تمغہ امتیاز تھا، امام کاظم بھی اس وصف کا ایک اعلیٰ نمونہ تھے، خیر الدین زکلی لکھتے ہیں: کان احد کبار العلماء الاجواد^[11] وہ ان اکابرِ علما میں سے تھے جو سخاوت کی صفت سے متصف تھے۔ امام ذہبی رقمطراز ہیں کہ: کان موسیٰ من اجواد الحكماء^[12] موسیٰ کاظم بہترین حکماء میں سے تھے۔ ان کی داود و ہش اور فیاضی و سیرِ چشمی کے بکثرت واقعات خطیب کی تاریخ بغداد اور فیاضی کی مرآۃ الجنان میں منقول ہیں۔^[13]

قید و بند کی صعوبتیں

تاریخ اسلام میں ایسے اہل دعوت و عزیمتِ علما کی کافی تعداد ملتی ہے جنہوں نے حق و صداقت اور ایمان و ایقان کے چراغ روشن رکھنے کی خاطر دار و رسن اور قید و بند کے تمام شدائد و صعوبتوں کو بطیب خاطر انگیز کیا؛ بلکہ کتنوں نے تو اسی راہ میں اپنی جان بھی جان آفرین کے سپرد کر دی، لیکن ان کے پائے ثبات و استقلال میں ذرہ برابر تزلزل نہ پیدا ہو سکا۔ امام موسیٰ کاظم بھی دوبار اس سعادت سے بہرہ ور ہوئے تھے۔ سب سے پہلے خلیفہ مہدی نے ان کو قید کیا تھا، لیکن اس کے کچھ ہی دنوں کے بعد اس نے خواب میں حضرت علیؑ کی زیارت کی، جن کے پھر سے سخت ناراضی کے آثار عیاں تھے اور وہ خلیفہ کو مخاطب کر کے فرما رہے تھے: فہل عسیتم ان تولیتم ان تغسوا فی الارض وتقطعوا ارحامکم تم سے عجب نہیں کہ اگر تم حاکم ہو جاؤ تو ملک میں خرابی کرنے لگو اور اپنے رشتوں کو توڑ ڈالو۔ چنانچہ اس کے بعد مہدی نے موسیٰ کاظم کو اس شرط پر فوراً رہا کر دیا کہ وہ اس کے اور اس کے لڑکوں کے خلاف خروج نہ کریں گے اور امام صاحب

کو تین ہزار دینار دے کر بصد اعزاز و اکرام مدینہ واپس بھیج دیا۔ پھر ہارون الرشید کے ایام خلافت میں ایک مرتبہ اسے خبر ملی کہ عوام امام موسیٰ کاظمؑ کے ہاتھوں پر بیعت کر رہے ہیں، اس سے اس کو بہت اندیشہ لاحق ہوا، چنانچہ رمضان 179ھ میں جب خلیفہ مذکور عمرہ کی غرض سے حرمین گیا تو واپسی پر امام صاحبؑ کو بھی اپنے ہمراہ بصرہ لیتا آیا اور وہاں کے والی عیسیٰ بن جعفر کے پاس مقید کر دیا، وہ ایک سال تک وہاں رہے، اس کے بعد پھر بغداد کے مرکزی قید خانہ میں منتقل کر دیے گئے اور تادم حیات وہیں رہے۔^[14]

قید بیجا سے رہائی کی دُعا

امام کاظمؑ کی بلندی شان کی ایک بین دلیل یہ بھی ہے کہ بغداد کے زمانہ اسیری میں انھیں عالم رویا میں رسول اکرم ﷺ کی زیارت نصیب ہوئی، آپ ﷺ ان سے فرما رہے تھے: "اے موسیٰ! یقیناً تم مظلوم ہو، میں چند کلمات تلقین کرتا ہوں، اگر تم ان کا ورد کرو، تو آج ہی شب تم قید سے رہا ہو جاؤ گے وہ کلمات یہ ہیں: یا سامع کل صوت یا سائق الفوت یا کاسی العظام لھما و منشرا بعد الموت أسألك باسمك الحسنی وباسمک الکبر المخزون المکنون الذی لم یطلع علیہ احد من المخلوقین یا حلیم یا ذا أناة یا ذا المعروف الذی لا یقطع ابدا فرج عنی۔"^[15]

صاف گوئی

قید خانہ ہی سے انھوں نے خلیفہ کے نام ایک خط لکھا تھا، جو ان کی صاف گوئی، جرأت اور حق گوئی کا پورا عکاس ہے، اس خط میں تحریر تھا: اما بعد یا امیر المؤمنین انہ لم ینقص عنی یوم من الیاء الا انقضی عنک یوم من الرضاء حتی یفرض بنا ذالک الی یوم ینخر فیہ المبطلون^[16] اے امیر المؤمنین! جوں جوں میری آزمائش کے ایام گزر رہے ہیں ویسے ویسے تمھارے عیش و راحت کے دن بھی کم ہوتے جا رہے ہیں حتیٰ کہ ہم دنوں ایک ایسے دن ملیں گے جب بُرا عمل کرنے والے خسارہ میں رہیں گے۔

شہادت



روضہ امام موسیٰ کاظم ع Al-Kadhimiya Mosque

سب سے آخر میں امام سندی بن شایک کے قید خانے میں رکھے گئے یہ شخص بہت ہی بے رحم اور سخت دل تھا۔ آخر اسی قید میں کوانگور میں زہر دیا گیا۔ 25 رجب 183ھ میں 55 سال کی عمر میں موسیٰ کاظمؑ کی وفات ہوئی بعد وفات آپ کی نعش کے ساتھ بھی کوئی اعزاز کی صورت اختیار نہیں کی گئی بلکہ حیری طریقہ پر توہین آمیز الفاظ کے ساتھ اعلان کرتے ہوئے آپ کی لاش کو قبرستان کی طرف روانہ کیا گیا۔ مگر اب ذرا عوام میں احساس پیدا ہو گیا تھا اس لیے کچھ اشخاص نے امام کے جنازے کو لے لیا اور پھر عزت و احترام کے ساتھ مشالعت کر کے بغداد سے باہر اس مقام پر بواب کاظمین کے نام سے مشہور ہے دفن کیا۔

وفات

کامل 73 سال دنیائے علم و عمل کو منور رکھنے کے بعد 25 رجب 183ھ کو شمع فروزاں گل ہو گئی، اکثر علما کا خیال ہے کہ بغداد کے قید خانہ میں ان کی وفات ہوئی، بغداد میں آج بھی ان کا مزار مشہور آفاق اور مرجع انام ہے۔^[17]

عید موسیٰ کاظم

عید موسیٰ کاظم شیعہ مسلمانوں کے فرقہ بارہ امام کی طرف سے موسیٰ کاظمؑ کی یاد میں منایا جانے والا تہوار ہے۔

حوالہ جات

1. <https://www.al-islam.org/story-holy-kaaba-and-its-people-smr-shabbar>

2. عنوان : Али ибн Муса

3. عنوان : Муса ибн Джафар

4. خلاصۃ تہذیب تہذیب الکمال: (390)

5. (تہذیب التہذیب: 10/340)

6. (تہذیب التہذیب: 1/339)

7. (میزان الاعتدال: 3/209)

8. (تاريخ بغداد، باب ذكر من اسمه موسى: 5/465)
9. (تاريخ بغداد: 13/31)
10. (العبر فى خبر من غير: 1/287)
11. (الاعلام: 3/1081)
12. (ميزان الاعتدال: 3/209)
13. (تاريخ بغداد: 13/32، 33، مرآة الجنان: 1/394)
14. (تهذيب التهذيب: 10/340)
15. (شذرات الذهب: 1/304)
16. (البدایه والنهایه: 10/183)
17. (صفوة الصفوة: 2/105، وميزان الاعتدال: 3/209)

اخذ کرده از «https://ur.wikipedia.org/w/index.php?title=موسى_بن_جعفر&oldid=9076236»



علی رضا، (عربی: عَلِيّ ابْنُ مُوسَى الرِّضَا، تقریباً 1 جنوری 766ء – 6 جون 818ء) موسی کاظم کے فرزند اور شیعہ اثنا عشریہ کے آٹھویں امام تھے۔

علی نام، رضا لقب اور ابو الحسن کنیت، حضرت امام موسی کاظم والد بزرگوار تھے اور اس لیے آپ کو پورے نام و لقب کے ساتھ یاد کیا جائے تو امام الحسن علی بن موسی رضا کہا جائے گا، والدہ گرامی کی کنیت ام البنین اور لقب طاہرہ تھا۔ نہایت عبادت گزار بی بی تھیں۔

ولادت

11 ذی القعدہ 148ھ میں مدینہ منورہ میں ولادت ہوئی۔ اس کے تقریباً ایک ماہ قبل 15 شوال کو آپ کے جد بزرگوار امام جعفر صادق کی وفات ہو چکی تھی اتنے عظیم حادثہ مصیبت کے بعد جلد ہی اس مقدس مولود کے دنیا میں آجانے سے یقیناً گھرانے میں ایک سکون اور تسلی محسوس کی گئی۔

ترہیت

آپ کی نشو و نما اور تربیت اپنے والد بزرگوار حضرت امام موسی کاظم کے زیر سایہ ہوئی اور اس مقدس ماحول میں بچپن اور جوانی کی متعدد منزلیں طے ہوئی اور پینتیس برس کی عمر پوری ہوئی۔ اگرچہ آخری چند سال اس مدت کے وہ تھے جب امام موسی کاظم عراق میں قید و ظلم کی سختیاں برداشت کر رہے تھے مگر اس سے پہلے 82 یا 92 برس آپ کو برابر پدر بزرگوار کے ساتھ رہنے کا موقع ملا۔

جانشینی

امام موسی کاظم کو معلوم تھا کہ حکومت وقت آپ کو آزادی سے سانس لینے نہ دے گی اور ایسے حالات پیش آجائیں گے کہ آپ کے آخری عمر کے حصے میں اور دنیا کو چھوڑنے کے موقع پر دوستانہ اہلبیت کا آپ سے ملنا یا بعد کے لیے رہنا کا دریافت کرنا غیر ممکن ہو جائے گا۔ اس لیے آپ نے انہی آزادی کے دنوں اور سکون کے اوقات میں جب کہ آپ مدینہ میں تھے پیروان اہلبیت کو اپنے بعد ہونے والے امام سے روشناس بنانے کی ضرورت محسوس فرمائی۔ چنانچہ اولاد علی وفاطمہ میں سے سترہ آدمی جو ممتاز حیثیت رکھتے تھے جمع فرما کر اپنے فرزند علی رضا کی وصیت و جانشینی کا اعلان فرمایا اور ایک وصیت نامہ تحریراً بھی مکمل فرمایا، جس پر مدینہ کے معززین میں سے ساٹھ آدمیوں کی گواہی لکھی گئی، یہ اہتمام دوسرے ائمہ کے یہاں نظر نہیں آتا۔ صرف ان خصوصی حالات کی بناء پر جن سے دوسرے ائمہ اپنی وفات کے موقع پر دوچار نہیں ہونے والے تھے۔

علی رضا

(عربی میں: **أبو الحسن علي بن موسى الرضا**)



معلومات شخصیت

12 اپریل 770ء

مدینہ منورہ

5 ستمبر 818ء (48 سال)

طوس^[1]

زیر

مزار امام علی رضا

مامون الرشید

دولت عباسیہ

سبیکہ نوبیہ

محمد تقی^[2]

موسی کاظم^[2]

نجمہ

احمد بن موسی کاظم، زید النار،

حسین بن موسی، محمد بن

موسی کاظم، قاسم بن موسی

کاظم، ابراہیم بن موسی کاظم،

پیدائش

وفات

وجہ وفات

مدفن

قاتل

شہریت

زوجہ

اولاد

والد

والدہ

بہن/بھائی

فاطمہ معصومہ ، آمنہ بنت

موسی کاظم

عملی زندگی

موسی کاظم

امام

عربی

استاد

پیشہ

پیشہ ورانہ

زبان

درستی https://ur.wikipedia.org/w/index.php?title=%D8%B9%D9%84%DB%8C_%D8%B1%D8%B6%D8%A7&action=edit&section=0 - ترمیم https://ur.wikipedia.org/w/index.php?title=%D8%B9%D9%84%DB%8C_%D8%B1%D8%B6%D8%A7&action=edit



دور امامت

امام علی رضا کی پینتیس برس کی عمر جب آپ کے والد بزرگوار حضرت امام موسیٰ کاظم کی وفات ہوئی اور امامت کی ذمہ داری آپ کی طرف منتقل ہوئی۔ یہ وہ وقت تھا کہ جب بغداد میں ہارون رشید تخت خلافت پر تھا اور بنی فاطمہ کے لیے حالات بہت ناساز گار تھے۔ اس نا خوشگوار ماحول میں حضرت نے خاموشی کے ساتھ شریعت، حق کے خدمات انجام دینا شروع کر دیا۔

علمی کمال

آل محمد کے اس سلسلہ میں ہر فرد حضرت احادیث کی طرف سے بلند ترین علم کے درجہ پر قرار دیا گیا تھا جسے دوست اور دشمن سب کو ماننا پڑتا تھا، یہ اور بات ہے کہ کسی کو علمی فیوض پھیلانے کا زمانے نے کم موقع دیا اور کسی کو زیادہ، چنانچہ ان حضرات میں سے امام جعفر صادق کے بعد اگر کسی کو موقع حاصل ہوا ہے تو وہ امام رضا ہیں۔ جب آپ امامت کے منصب پر نہیں بیٹھے تھے اس وقت حضرت امام موسیٰ کاظم اپنے تمام فرزندوں اور خاندان کے لوگوں کو نصیحت فرماتے تھے کہ تمہارے بھائی علی رضا آل محمد ہیں۔

اپنے دینی مسائل کو ان سے دریافت کر لیا کرو اور جو کچھ وہ کہیں اسے یاد رکھو اور پھر حضرت موسیٰ کاظم کی وفات کے بعد جب آپ مدینہ میں تھے اور روضہ رسول پر تشریف فرما تھے تو علمائے اسلام مشکل مسائل میں آپ کی طرف رجوع کرتے تھے۔ محمد ابن عیسیٰ القطنی کا بیان ہے کہ میں نے ان کے جوابات تحریر کیے تھے اگلے کیے تو اٹھارہ ہزار کی تعداد میں تھے۔

زندگی کے مختلف دور

حضرت امام موسیٰ کاظم کے بعد دس برس ہارون کا دور رہا۔ یقیناً وہ امام رضا کے وجود کو بھی دنیا میں اسی طرح پر برداشت نہیں کر سکتا تھا جس طرح اس کے پہلے آپ کے والد بزرگوار کو رہنا اس نے گورا نہیں کیا۔ مگر یا تو امام موسیٰ کاظم کے ساتھ جو طویل مدت تک تشدد اور ظلم ہوتا رہا اور جس کے نتیجے میں قید خانہ ہی کے اندر آپ دنیا سے رخصت ہو گئے اس سے حکومت، وقت کی عام بدنامی ہو گئی تھی اور یا واقعی ظالم کو اپنی بد سلوکیوں کا احساس ہو اور ضمیر کی طرف سے ملامت کی کیفیت تھی جس کی وجہ سے کھلم کھلا امام رضا کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کی گئی، یہاں تک کہ کہا جاتا ہے کہ ایک دن یحییٰ ابن خالد برکی نے اپنے کے بعد اٹھارہ سوخ کے بڑھانے کے لیے یہ کہا کہ علی ابن موسیٰ ابھی اب اپنے باپ کے بعد امامت کے اسی طرح دعویدار ہیں تو ہارون نے جواب دیا کہ جو کچھ ہم نے ان کے باپ کے ساتھ کیا وہی کیا کم ہے جواب تم چاہتے ہو کہ میں اس نسل ہی کا خاتمہ کروں۔

پھر بھی ہارون رشید کا اہل بیت رسول سے شدید اختلاف اور سادات کے ساتھ جو برتاؤ اب تک تھا اس کی بنا پر عام طور پر سے عمال حکومت یا عام افراد بھی جنھیں حکومت کو راضی رکھنے کی خواہش تھی اہل بیت کے ساتھ کوئی اچھا رویہ رکھنے پر تیار نہیں ہو سکتے تھے اور نہ امام کے پاس آزادی کے ساتھ لوگ استفادہ کے لیے آسکتے تھے نہ حضرت کو سچے اسلامی احکام کی اشاعت کے مواقع حاصل تھے۔

ہارون کا آخری زمانہ اپنے دونوں بیٹوں امین اور مامون کی باہمی رقابتوں سے بہت بے لطفی میں گزرا۔ امین پہلی بیوی سے تھا جو خاندان شامی سے منصور دوانقی کی پوتی تھی اور اس لیے عرب سردار سب اس کے طرفدار تھے اور مامون ایک عجمی کنیز کے پیٹ میں سے تھا۔ اس لیے درباد کا عجمی طبقہ اس سے محبت رکھتا تھا۔ دونوں کی آپس میں رسہ کشی ہارون کے لیے سوبانِ روح بنی رہتی تھی، اس نے اپنے خیال میں اس کا تصفیہ مملکت کی تقسیم کے ساتھ یوں کر دیا کہ دار السلطنت بغداد اور اس کے چاروں طرف کے عربی حصے جیسے شام، مصر، حجاز، یمن وغیرہ محمد امین کے نام کیے گئے اور مشرقی ممالک جیسے ایران، خراسان، ترکستان وغیرہ مامون کے لیے مقرر کیے گئے مگر یہ تصفیہ تو اس وقت کار کاہو سکتا تھا جب دونوں فریق "بیٹو اور جینے دو" کے اصول پر عمل کرتے ہوتے۔

لیکن جہاں اقتدار کی ہوس کار فرما ہو وہاں اگر بنی عباس کے ہاتھوں بنی فاطمہ کے خلاف ہر طرح کے ظلم و تعدی کی گنجائش پیدا ہو سکتی ہے تو خود بنی عباس میں ایک گھر کے اندر دو بھائی اگر ایک دوسرے کے دم مقابل ہوں تو کیوں نہ ایک دوسرے کے خلاف جارحانہ کارروائیاں کرنے کے لیے تیار نظر آتے۔ اور کیوں نہ ان طاقتوں میں باہم تصادم ہو جب ان میں سے کوئی اس ہمدردی اور لیاقت اور خلقِ خدا کی خیر خواہی کا بھی حامل نہیں ہے جسے بنی فاطمہ اپنے پیش نظر کر اپنے واقعی حقوق سے چشم پوشی کر لیا کرتے تھے۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ ادھر ہارون کی اکلہ بند ہوئی اور ادھر بھائیوں میں خانہ جنگی کے شعلے بھڑک اٹھے۔ آخر چار برس کی مسلسل کشمکش اور طویل خونریزی کے بعد مامون کو کامیابی ہوئی اور اس کا بھائی امین محمد 891ھ میں تلوار کے گھاٹ اتارا دیا گیا اور مامون کی خلافت تمام بنی عباس کے حدود سلطنت پر قائم ہو گئی۔

ولی عہدی

امین کے قتل ہونے کے بعد سلطنت تو مامون کے نام سے قائم ہو گئی مگر یہ پہلے کہا جا چکا ہے کہ امین نضیال کی طرف سے عربی النسل تھا اور مامون عجمی النسل۔ امین کے قتل ہونے سے عراق کی عرب قوم اور ارکان سلطنت کے دل مامون کی طرف سے صاف نہیں ہو سکتے تھے بلکہ غم و غصہ کی کیفیت محسوس کرتے تھے۔ دوسری طرف خود بنی عباس میں سے ایک بڑی جماعت جو امین کی طرف دار تھی اس سے بھی مامون کو ہر وقت خطرہ لگا ہوا تھا۔

اولاد فاطمہ میں سے بہت سے لوگ جو وقتاً فوقتاً بنی عباس کے مقابل میں کھڑے ہوتے رہتے تھے وہ خواہ قتل کر دیے گئے ہوں یا جلاوطن کیے گئے ہوں یا قید رکھے گئے ہوں ان کے بھی موافق ایک جماعت تھی جو اگر حکومت کا کچھ بگاڑ نہ بھی سکتی تب بھی دل ہی دل میں حکومت بنی عباس سے بے زار ضرور تھی۔

ایران میں ابو مسلم خراسانی نے بنی امیہ کے خلاف جو اشتعال پیدا کیا تھا وہ ان مقامات ہی کو یاد دلا کر جو بنی امیہ کے ہاتھوں حضرت امام حسین اور دوسرے بنی فاطمہ کے ساتھ ہوئے تھے۔ اس سے ایران میں اس خاندان کے ساتھ ہمدردی کا پیدا ہونا فطری تھا، درمیان میں بنی عباس نے اس سے غلط فائدہ اٹھایا مگر اتنی مدت میں کچھ نہ کچھ تو ایرانیوں کی انگلیں بھی کھلی ہی ہوں گی کہ ہم سے کیا کہا گیا تھا اور اقتدار کن لوگوں نے حاصل کر لیا۔ ممکن ہے کہ ایرانی قوم کے ان رجحانات کا پڑچا مامون کے کانوں تک بھی پہنچا ہو۔ اب جس وقت کہ امین کے قتل کے بعد وہ عرب قوم پر اور بنی عباس کے خاندان پر بھروسہ نہیں کر سکتا تھا اور اسے ہر وقت اس حلقہ سے بغاوت کا اندیشہ تھا تو اسے سیاسی مصلحت اسی میں معلوم ہوئی کہ عرب کے خلاف عجم اور بنی عباس کے خلاف بنی فاطمہ کو اپنا بنایا جائے اور چونکہ طرز عمل میں خلوص سمجھا نہیں جا سکتا اور وہ عالم طبائع پر اثر نہیں ڈال سکتا۔ اگر یہ نمایاں ہو جائے کہ وہ سیاسی مصلحتوں کی بنا پر ہے اس لیے ضرورت ہوئی کہ مامون مذہبی حیثیت سے سے اپنی شیعیت اور ولایت اہل بیعت کے پڑچے عوام کے حلقوں میں پھیلانے اور یہ دکھلانے کہ وہ انتہائی نیک نیتی سے اب "حق بحق دار رسید" کے مقولے کو سچا بنانا چاہتا ہے۔

اس سلسلے میں جیسا کہ جناب شیخ صدوق علیہ اللہ مقامہ، نے تحریر فرمایا ہے اس نے اپنی نذر کی حکمت بھی نشر کی کہ جب امین کا اور میرا مقابلہ تھا اور بہت نازک حالت تھی اور عین اسی وقت میرے خلاف سیستان اور کرمان میں بھی بغاوت ہو گئی تھی اور خراسان میں بے چینی پھیلی ہوئی تھی اور میری مالی حالت بھی ابتر تھی اور فوج کی طرف سے بھی اطمینان نہ تھا تو اس سخت اور دشوار ماحول میں میں نے خدا سے التجا کی اور منت مانی کہ اگر یہ سب جھگڑے ختم ہو جائیں اور میں خلافت تک پہنچوں تو اس کو اس کے اصلی حقدار یعنی اولاد فاطمہ میں سے جو اس کا اہل ہو اس تک پہنچا دوں۔ اسی نذر کے بعد سے میرے سب کام بننے لگے اور آخر تمام دشمنوں پر مجھے فتح حاصل ہوئی۔ یقیناً یہ واقعہ مامون کی طرف سے اس لیے بیان کیا گیا کہ اس طرز عمل خلوص قلب اور حسن نیت پر مبنی سمجھا جائے۔ یوں تو اہلیت کے جو کھلے ہوئے سخت سے سخت دشمن تھے وہ بھی ان کی حقیقت اور فضیلت سے واقف تھے ہی اور ان کی عظمت کو جانتے تھے مگر شیعیت کے معنی صرف یہ جانتا تو نہیں ہیں بلکہ محبت رکھنا اور اطاعت کرنا ہیں اور مامون کے طرز عمل سے یہ ظاہر ہے کہ وہ اس دعوئے شیعیت اور محبت اہلیت کا دھنڈورا پیٹنے کے باوجود خود امام کی اطاعت نہیں کرنا چاہتا تھا بلکہ عوام کو اپنی منشاء کے مطابق چلانے کی کوشش کی تھی۔ ولی عہد بننے کے بارے میں آپ کے اختیارات کو بالکل سلب کر دیا گیا اور آپ کو مجبور بنا دیا گیا تھا۔ اس سے ظاہر رہے کہ ولی عہدی کی تفویض بھی ایک حاکمانہ تشدد تھا جو اس وقت شیعیت کے بھیس میں امام کے ساتھ کیا جا رہا تھا۔

امام کا اس ولی عہدی کو قبول کرنا بالکل ایسا ہی تھا جیسا ہارون کے حکم سے امام موسیٰ کاظم کا جیل خانہ چلے جانا، اسی لیے جب امام رضا مدینہ منورہ سے خراسان کی طرف روانہ ہو رہے تھے تو آپ کے رنج و صدمہ اور اضطراب کی کوئی حد نہ تھی روضہ رسول سے رخصت کے وقت آپ کا وہی عالم تھا جو حضرت امام حسین کا مدینہ سے روانگی کے موقع پر تھا۔ دیکھنے والوں نے دیکھا کہ آپ بیتابانہ روضہ کے اندر جاتے تھے اور نالہ واہ کے ساتھ امت کی شکایت کرتے ہیں۔ پھر باہر آتے نکل کر گھر جانے کا ارادہ کرتے ہیں او پھر دل نہیں مانتا، پھر روضہ سے جاکر لپٹ جاتے ہیں۔ یہی صورت کئی مرتبہ ہوئی۔ راوی کا بیان ہے کہ ان کے قریب گیا تو فرمایا اے مول میں اپنے جد امجد کے روضہ سے بہ جبر جدا کیا جا رہا ہوں۔ اب مجھ کو یہاں واپس انا نصیب نہ ہوگا۔ 302ھ میں حضرت مدینہ منورہ سے خراسان کی طرف روانہ ہوئے، اہل و عیال اور متعلقین سب مدینہ ہی چھوڑ گئے۔ اس وقت امام محمد تقی کی عمر پانچ برس کی تھی۔ آپ بھی مدینہ میں ہی رہے۔ جب حضرت مرویچہ جو اس وقت دار السلطنت تھا تو مامون نے چند روز ضیافت و تکریم کے مراسم ادا کرنے کے بعد قبول خلافت کا سوال پیش کیا۔ حضرت نے اس سے اسی طرح انکار کیا جس طرح امیر المومنین جو تھے موقع پر خلافت پیش کیے جانے کے وقت انکار فرما رہے تھے، مامون کو خلافت سے دست بردار ہونا درحقیقت منظور نہ تھا ورنہ وہ امام کو اسی مجبور کرتا۔ چنانچہ جب حضرت نے خلافت قبول کرنے سے انکار فرمایا تو اس نے ولی عہدی کا سوال پیش کیا۔ حضرت اس کے بھی انجام سے واقف تھے۔ نیز بخوشی جابر حکومت کی طرف سے کوئی منصب قبول کرنا آپ کے مذہبی اصول کے خلاف تھا۔ حضرت نے اس سے بھی انکار فرمایا مگر اس پر مامون کا اصرار جبر کی حد تک پہنچ گیا اور اس نے صاف کہہ دیا کہ اگر آپ اس کو منظور نہیں کر سکتے تو آپ کو اپنی جان سے ہاتھ دھونا پڑے گا۔ جان کا خطرہ قبول کیا جا سکتا ہے۔ جب مذہبی مفاد کا قیام جان دینے پر موقوف ہو ورنہ حفاظت، جان شریعت اسلام کا بنیادی حکم ہے۔ امام نے فرمایا یہ ہے تو مجبوراً قبول کرتا ہوں مگر کاروبار سلطنت میں میں خود دخل نہ دوں گا۔ اس کے بعد یہ ولی عہدی صرف برائے نام سلطنت وقت کے ایک ڈھکوسلے سے زیادہ کوئی وقعت نہ رکھتی تھی۔ جس سے ممکن ہے کچھ عرصہ تک کسی سیاسی مقصد میں کامیابی حاصل ہو گئی ہو۔ مگر امام کی حیثیت اپنے فرائض کے انجام دینے میں بالکل وہ تھی جو ان کے پیش رو حضرت علی مرتضیٰ اپنے زمانہ کی بااقتدار طاقتوں کے ساتھ اختیار کرچکے تھے جس طرح ان کا کبھی کبھی مشورہ دے دینا ان حکومتوں کو صحیح اور ناجائز نہیں بنا سکتا تھا ویسے ہی امام رضا کا اس نوعیت سے ولی عہدی کا قبول فرمانا اس سلطنت کے جواز کا باعث نہیں ہو سکتا تھا، صرف مامون کیا ایک راج ہٹ تھی جو اس طرح پوری ہو گئی مگر امام نے اپنے دامن کو سلطنت ظلم کے اقدامات اور نظم و نسق سے بالکل الگ رکھا۔

بنی عباس مامون کے اس فیصلے سے قطعاً منتفق نہ تھے انھوں نے بہت کچھ دراندازیاں کیں مگر مامون نے صاف کہہ دیا کہ علی رضا سے بہتر کوئی دوسرا شخص تم بتاؤ اس کا کوئی جواب نہ تھا۔ اس سلسلے میں بڑے بڑے مناظرے بھی ہوئے مگر ظاہر ہے کہ امام کے مقابلہ میں کس کی علمی فوقیت ثابت ہو سکتی تھی، مامون کا فیصلہ اٹل تھا اور وہ اس سے ہٹنے کے لیے تیار نہ تھا کہ وہ اپنے فیصلہ کو بدل دیتا۔

یکم رمضان 102ھ روزِ پنجشنبہ جلسہ ولی عہدی منعقد ہوا۔ بڑی شان و شوکت اور ترک و احتشام کے ساتھ یہ تقریب عمل میں لائی گئی۔ سب سے پہلے مامون نے اپنے بیٹے عباس کو اشارہ کیا اور اس نے بیعت کی۔ پھر اور لوگ بیعت سے شرفیاب ہوئے سوئے چاندی کے سکے سرمبارک پر نثار کیے گئے اور تمام ارکانِ سلطنت و ملازمین کو انعامات تقسیم ہوئے، مامون نے حکم دیا کہ حضرت کے نام کا سکہ تیار کیا جائے، چنانچہ درہم و دینار پر حضرت کے نام کا نقش ہوا اور تمام قلمرو میں وہ سکے چلایا گیا، جمعہ کے خطبہ میں حضرت کا نام داخل کیا گیا۔

اخلاق و اوصاف

مجبوری اور بے بسی کا نام قناعت یا درویشی "عصمت بی بی از بے چادری" کے مقولہ کے موافق اکثر ابنائے دنیا کا شعار رہتا ہے مگر ثروت و اقتدار کے ساتھ فقیرانہ زندگی اختیار کرنا بلند مرتبہ مردانِ خدا کا حصہ ہے۔ اہل بیت معصومین میں سے جو بزرگوار ظاہری حیثیت سے اقتدار کے درجہ پر نہ تھے کیوں کہ ان کی فقیری کو دشمن بے بسی پر معمول کر کے طعن و تشنیع پر آمادہ ہوتے اور حقانیت کے وقار کو ٹھیس لگتی مگر جو بزرگ اتفاقات روزگار سے ظاہری اقتدار کے درجہ پر پہنچ گئے۔ انھوں نے اتنا ہی فقر اور سادگی کے مظاہرہ میں اضافہ کر دیا تاکہ ان کی زندگی غریب مسلمانوں کی تسلی کا ذریعہ بنے اور ان کے لیے نمونہ عمل ہو جیسے امیر المومنین حضرت علی المرتضیٰ چونکہ شہنشاہِ اسلام مانے جا رہے تھے اس لیے آپ کا لباس اور طعام ویسا زاہدانہ تھا جس کی مثال دوسرے معصومین کے یہاں نہیں ملتی۔ یہی صورت حضرت علی رضا کی تھی، آپ مسلمانوں کی اس عظیم الشان سلطنت کے ولی عہد بنائے گئے تھے جن کی وسعت، مملکت کے سامنے روم و فارس کا ذکر بھی طاقِ نسیان کی نذر ہو گیا تھا۔ جہاں اگر بادل سامنے سے گزرتا تھا تو خلیفہ کی زبان سے آواز بلند ہوتی تھی کہ "جا جہاں تجھے برسنا ہو برس، بہتر حال تیری پیداواری کا اخراج میرے پاس ہی آئے گا۔"

حضرت امام رضا کا اس سلطنت کی ولی عہدی پر فائز ہونا دنیا کے سامنے ایک نمونہ تھا کہ دین والے اگر دنیا کو پا جائیں تو ان کا رویہ کیا ہوگا۔ یہاں امام رضا کو اپنی دینی ذمہ داری کو محسوس کرتے ہوئے ضرورت تھی کہ زہد اور ترک، دنیا کے مظاہرے اتنے ہی نمایاں ترسنا دیں جتنے تزک و احتشام کے دینی تقاضے زیادہ ہیں چنانچہ تاریخ نے اپنے کو دہرایا اور وہ علی رضا کے لباس میں علی المرتضیٰ کی سیرت دنیا کی نگاہوں کے سامنے آئی۔ آپ نے اپنی دولت سرا میں قیمتی قالین بچھوانا پسند نہیں کیے بلکہ جاڑے میں بالوں کا کبل اور گرمی میں چٹائی کا فرش ہوا کرتا تھا، کھانا سامنے لایا جاتا تو دربان سائیں اور تمام غلاموں کو بلا کر اپنے ساتھ کھانے میں شریک فرماتے تھے۔ داب و اداب، شاہی کے ٹوگر ایک بلجی شخص نے ایک دن کہہ دیا کہ حضور اگر ان لوگوں کے کھانے کا انتظام الگ ہو جایا کرے تو کیا حرج ہے؟ حضرت نے فرمایا خالق سب کا اللہ ہے۔ ماں سب کی تو اور باپ سب کے ام ہیں۔ جڑاوسزا ہر ایک کی اس کے عمل کے مطابق ہوگی، پھر دنیا میں تفرقہ کس لیے ہو۔

اسی عباسی سلطنت کے ماحول کا ایک جزو بن کر جہاں صرف پیغمبر کی طرف ایک قربتداری کی نسبت کے سبب اپنے کو خلقِ خدا پر حکمرانی کا حقدار بنایا جاتا تھا اور اس کے ساتھ کبھی اپنے اعمال و افعال پر نظر نہ کی جاتی تھی کہ ہم کیسے ہیں اور ہم کو کیا کرنا چاہیے۔ یہاں تک کہ یہ کہانے لگا کہ بنی عباس ظلم و ستم اور فسق و فجور میں بنی امیہ سے کم نہ رہے بلکہ بعض باتوں میں ان سے آگے بڑھ گئے اور اس کے ساتھ پھر بھی قربت رسول پر افتخار تھا اس ماحول کے اندر داخل ہو کر امام رضا کا اس بات پر بڑا زور دینا کہ قربت کوئی چیز نہیں اصل انسان کا عمل ہے بظاہر صرف ایک شخص کا اظہار فروتنی اور انکسار نفس تھا جو بہر حال ایک اچھی صفت ہے لیکن حقیقت میں وہ اس سے بڑھ کر تقریباً ایک صدی کی عباسی سلطنت کی پیدا کی ہوئی ذہنیت کے خلاف اسلامی نظریہ کا اعلان تھا اور اس حیثیت سے بڑا اہم ہو گیا تھا کہ وہ اب اسی سلطنت کے ایک رکن کی طرف سے ہو رہا تھا۔ چنانچہ امام رضا کی سیرت میں اس کے مختلف شواہد ہیں، ایک شخص نے حضرت کی خدمت میں عرض کی کہ «خدا کی قسم اباؤاچداد کے اعتبار سے کوئی شخص آپ سے افضل نہیں۔ حضرت نے فرمایا:،، میرے اباؤاچداد کو جو شرف حاصل ہوا ہے وہ صرف تقویٰ، پ ر ہی ز گاری اور اطاعتِ خدا سے۔،، ایک شخص نے کسی دن کہا کہ "واللہ آپ بہترین خلق ہیں۔" حضرت نے فرمایا، "اے شخص حلف نہ اٹھا، جس کا تقویٰ و پ ر ہی ز گاری مجھ سے زیادہ ہو وہ مجھ سے افضل ہے۔"

ابراہیم بن عباس کا بیان ہے کہ حضرت فرماتے تھے، "میرے تمام لونڈی اور غلام آزاد ہو جائیں اگر اس کے سوا کچھ اور ہو کہ میں اپنے کو محض رسول اللہ کی قربت کی وجہ سے اس سیاہ رنگ غلام سے بھی افضل نہیں جانتا (حضرت نے اشارہ کیا اپنے ایک غلام کی جانب) ہاں جب عملِ خیر بجا لاؤں گا تو اللہ کے نزدیک اس سے افضل ہوں گا۔"

یہ باتیں کو تاہ نظر لوگ صرف ذاتی انکسار پر معمول کر لیتے ہوں مگر خود حکومت عباسیہ کا فرماں روا یقیناً اتنا کند ذہن نہ ہوگا کہ وہ ان تازیانوں کو محسوس نہ کرے جو امام رضا کے خاموش افعال اور اس طرح کے اقوال سے اس کے خاندانی نظام سلطنت پر برابر لگ رہے تھے۔ اس نے تو بخیال خود ایک وقتی سیاسی مصلحت سے اپنی سلطنت کو مستحکم بنانے کے لیے حضرت کو ولی عہد بنایا تھا مگر بہت جلد اسے محسوس ہوا کہ اگر ان کی زندگی زیادہ عرصہ تک قائم رہی تو عوام کی ذہنیت میں یک تخت انقلاب ہو جائے گا اور عباسی سلطنت کا تخت ہمیشہ کے لیے الٹ جائے گا۔

عزائے حسین کی اشاعت

اب امام رضا کو تبلیغ حق کے لیے نام حسین کی اشاعت کے کام کو ترقی دینے کا بھی پورا موقع حاصل ہو گیا تھا جس کی بنیاد اس کے پہلے حضرت امام محمد باقر اور امام جعفر صادق قائم کر چکے تھے مگر وہ زمانہ ایسا تھا کہ امام کی خدمت میں وہی لوگ حاضر ہوتے تھے جو بحیثیت امام اور بحیثیت عالم دین آپ کے ساتھ عقیدت رکھتے تھے اور اب امام رضا تو امام روحانی بھی ہیں اور ولی عہد سلطنت بھی۔ اس لیے آپ کے دربار میں حاضر ہونے والوں کا دائرہ وسیع ہے۔ مرو ## کا مقام ہے جو ایران کے تقریباً وسط میں واقع ہے۔ ہر طرف کے لوگ یہاں آتے ہیں اور یہاں یہ عالم ہے کہ ادھر محرم کا چاند نکلا اور انھوں سے انسو جاری ہو گئے۔ دوسروں کو بھی ترغیب و تحریص کی جانے لگی کہ ال محمد کے مصائب کو یاد کرو اور تاثرات غم کو ظاہر کرو۔ یہ بھی ارشاد ہونے لگا کہ جو اس مجلس میں بیٹھے جہاں ہماری باتیں زندہ کی جاتی ہیں اس کا دل مردہ نہ ہوگا۔ اس دن کہ جب سب کے دل مردہ ہوں گے۔ تذکرہ امام حسین کے لیے جو مجمع ہو اس

کانام اصطلاحی طور پر مجلس # اسی امام رضا کی حدیث ہی سے ماخوذ ہے۔ آپ نے علمی طور پر خود مجلسیں کرنا شروع کر دیں، جن میں کبھی خود ذکر ہوئے اور دوسرے سامعین جیسے یان بن شیب کی حاضری کے موقع پر جو آپ نے مصائب امام حسین بیان فرمائے اور کبھی عبد اللہ بن ثابت یادِ عملِ خراعی ایسے کسی شاعر کی حاضری کے موقع پر اس شاعر کو حکم ہوا کہ تم ذکر امام حسین میں اشعار پڑھو وہ ذکر ہوا اور حضرت سامعین میں داخل ہوئے۔

دعمل # کو حضرت نے بعد مجلس ایک قیمتی حلقہ بھی مرحمت فرمایا جس کے لینے میں دعمل # نے یہ کہہ کر عذر کیا کہ مجھے قیمتی حلقہ کی ضرورت نہیں ہے اپنے جسم کا اترا ہوا لباس مرحمت فرمائے تو حضرت نے ان کی خوشی پوری کی وہ حلقہ تو انھیں دیا ہی تھا اس کے علاوہ ایک جبہ اپنے پینے کا بھی مرحمت فرمایا۔

اس سے ذکر کا بلند طریقہ کار کہ اسے کسی دنیوی انعام کی حاضری معاذ اللہ اجرت ملے کر کے ذکر کریں نہیں کرنا چاہیے اور بانی مجلس کا طریقہ کار کہ وہ بغیر ملے کیے ہوئے کچھ بطور پیشکش ذکر کی خدمت میں پیش کرے دونوں امر ثابت ہیں مگر ان مجالس میں سامعین کے اندر کسی حصہ کی تقسیم ہرگز کسی معتبر کتاب سے ثابت نہیں ہوئی۔

وفات

تفصیلی مضامین کے لیے مزار امام علی رضا اور مزار ہارون الرشید ملاحظہ کریں۔

مامون کی توقعات غلط ثابت ہونے ہی کا نتیجہ تھا کہ وہ آخر امام کی جان لینے کے درپے ہو گیا اور وہی خاموش حربہ جوان معصومین کے ساتھ اس کے پہلے بہت دفعہ استعمال کیا جا چکا تھا کام میں لایا گیا۔ انگور میں جو بطور تحفہ امام کے سامنے پیش کیے گئے تھے زہر دیا گیا اور اس کے اثر سے 17 صفر 302ھ میں حضرت نے شہادت پائی۔ مامون نے بظاہر بہت رنج و ماتم کا اظہار کیا اور بڑے شان و شکوہ کے ساتھ اپنے باپ ہارون رشید کے قریب دفن کیا۔ جہاں مشہد مقدس میں حضرت کا روضہ آج تاجدارانِ عالم کی جبین سالی کا مرکز بنا ہوا ہے وہیں اپنے وقت کا بزرگ ترین دنیوی شہنشاہ ہارون رشید بھی دفن ہے جس کا نام و نشان تک وہاں جانے والوں کو معلوم نہیں ہوتا۔

اولاد

امام کی تعداد اولاد میں شدید اختلاف ہے۔ علامہ مجلسی نے بحار لا نور جلد 12 صفحہ 26 میں کئی اقوال نقل کرنے کے بعد بحوالہ قرب الاسناد تحریر فرمایا ہے کہ آپ کے دو فرزند تھے۔ ایک امام محمد تقی دوسرے موسیٰ۔ انوار نعمانیہ 127 میں ہے کہ آپ کے تین اولاد تھے۔ انوار الحسینیہ جلد 3 ص 52 میں ہے کہ آپ کے تین اولاد تھے۔ مگر نسل صرف امام محمد تقی سے جاری ہوئی۔ صواعق محرقہ 123 میں ہے کہ آپ کے پانچ لڑکے اور ایک لڑکی تھی۔ نور الابصار 145 میں ہے کہ آپ پانچ لڑکے اور ایک لڑکی تھی۔ جن کے نام یہ ہیں۔ امام محمد تقی۔ حسن جعفر۔ ابراہیم۔ حسین۔ عائشہ۔ روضۃ الشهداء 238 میں ہے کہ آپ کے پانچ لڑکے تھے جن کے نام یہ ہیں۔ امام محمد تقی۔ حسن جعفر۔ ابراہیم۔ حسین۔ عقبہ اواز بزرگوارش محمد تقی است۔ مگر آپ کی نسل صرف امام محمد تقی سے بڑھی ہے۔ یہی کچھ رحمۃ للعالمین جلد 2 ص 145 میں ہے۔ جنات الخلود 32 میں ہے کہ آپ کے پانچ لڑکے اور ایک لڑکی تھی۔ روضۃ الاحباب جمال الدین میں ہے کہ آپ کے پانچ لڑکے تھے۔ کشف الغمہ 110 میں ہے کہ آپ کے چھ اولاد تھی 5 لڑکے ایک لڑکی یہی مطالب السؤل میں ہے۔ کنز الانساب 96 میں ہے کہ آپ کے آٹھ لڑکے تھے جن کے نام یہ ہیں امام محمد تقی، بادی، علی نقی، حسین، یعقوب، ابراہیم، فضل، جعفر۔

لیکن امام الحدیث تاج المحققین حضرت علامہ محمد بن محمد نعمان بغدادی المتوفی 413ھ ہجری المقلب یہ شیخ مفید۔ کتاب ارشاد 271-345 میں اور تاج المفسرین، امین الدین حضرت ابو علی فضل بن حسن بن فضل طبری المشہدی صاحب مجمع البیان المتوفی 548ھ کتاب اعلام الوری، 199 میں تحریر فرماتے ہیں۔ کان للراضی من الولد ابنہ ابر جعفر محمد بن علی الجواد لا غیر۔ حضرت امام محمد تقی کے علاوہ امام علی رضا کے کوئی اور اولاد نہ تھی یہی کچھ کتاب عمدة الطالب صفحہ 186 میں ہے۔

علی رضا al-Rida

عَلِيّ الرِّضَا

Eighth امام of شیعہ اثنا عشریہ



16th-century Ottoman iconographic depiction of Ali al-Rida

8th امامت (شیعہ نظریے میں)

قلمدان سنبھالا

ہجری 148 (765/766) – ہجری 203 (818/819)

موسیٰ بن جعفر

محمد تقی

علی رضا-Rida^[3]

(لفظی، 'the approved one')

ذاتی زندگی

پیدائش 1 January 766

(11 ذو القعدہ 148 ہجری سال)

مدینہ منورہ، حجاز، خلافت عباسیہ

پیدائش 6 جون 818ء (52 سال)

(30 صفر 202 AH)

پیشرو

جانشین

لقب

پیدائش

وفات

نگارخانہ

امام علی رضا کا مزار



مزار



مزار

مزید دیکھیے

- امام علی رضا کا مزار
- مشہد

حوالہ جات

1. <http://al-qanaa.blogspot.com/2007/12/mashhads-har-am.html>
2. ^ا ^ب عنوان : مُحَمَّد ابْن اَلِی : مُحَمَّد ابْن اَلِی : مُحَمَّد ابْن اَلِی
3. Madelung 1985
4. Faḍl Allāh, Taḥlīlī az zindigānī-yi Imām Riḍā, p. 44.
5. Qummī, Qummī, Muntahī al-āmāl, pp. 1725–1726.

- فضل اللہ، محمدجواد، تحلیلی از زندگانی امام رضا (ع)، ترجمہ محمدصادق عارف، مشہد: آستان قدس رضوی، بنیاد پژوهشہای اسلامی، 1377.
- حسینی، جعفر مرتضی، زندگی سیاسی ہشتمین امام، ترجمہ سید خلیل خلیلیان، تہران: دفتر نشر فرهنگ اسلامی، 1381.
- جعفریان، رسول، اطلس شیعی، تہران: سازمان جغرافیایی نیروہای مسلح، 1387.
- جعفریان، رسول، حیات فکری و سیاسی امامان شیعی، قم: انصاریان، 1381.
- جعفریان، رسول، حیات فکری و سیاسی امامان شیعی، قم: انصاریان، 1376.
- دخیل، 1429 ہجری۔ ائمتنا: سیرۃ الائمہ الاثنی عشری، الجزء الثانی ص 76-77.
- مفید، 1428، ص 447.
- مفید، 1428، ص 447.
- صدوق، ج 1، 1373، ص 26.
- صدوق، ج 1، 1373، ص 27.

طوس، ایران، خلافت عباسیہ

Poisoning by مامون الرشید (Shia, some Western sources) موت کی وجہ

مزار ہارون الرشید، مزار امام علی رضا، مشہد، Iran 36°17'13"N 59°36'56"E مدفن

اہل تشیع مذہب

Sabika (or Khayzuran) شریک حیات
Umm Habib bint مامون الرشید

محمد تقی اولاد

Hasan

Husayn

Ja'far

Ibrahim

^[4]A'isha^[5]Fatimaموسیٰ بن جعفر والدین
Najma (or Tuktam)

علی اکبر رشتہ دار

علی اصغر

Fatima al-Kubra

Fatima al-Sughra

رقیہ بنت حسین

Sabze Ghaba (brother)

اخذ کردہ از «https://ur.wikipedia.org/w/index.php?title=علی_رضا&oldid=9424056»



<https://ur.wikipedia.org/s/t0>

محمد الجواد تقی، علی رضا کے فرزند اور اہل تشیع کے نویں امام ہیں۔

محمد تقی

(عربی میں: **أبو جعفر محمد بن علي الجواد**)



نام و نسب

محمد نام ، ابو جعفر کنیت اور تقی علیہ السلام و جواد علیہ السلام دونوں مشہور لقب تھے اسی لیے اسم و لقب کو شریک کرے آپ امام محمد تقی علیہ السلام کے نام سے یاد کیے جاتے ہیں۔ چونکہ آپ کو پہلے امام محمد باقر علیہ السلام کی کنیت ابو جعفر ہو چکی تھی اس لیے کتب میں آپ کو ابو جعفر ثانی اور دوسرے لقب کو سامنے رکھ کر حضرت جواد بھی کہا جاتا ہے۔ والد بزرگوار آپ کے حضرت امام رضا علیہ السلام تھے اور والدہ معظمہ کانام جناب سبیکہ یاسکینہ علیہ السلام تھا۔^[2]

علی ابن ابی طالب

حسین ابن علی

زین العابدین

محمد باقر

جعفر الصادق

موسی کاظم

علی رضا

محمد تقی

معلومات شخصیت

پیدائش

12 اپریل 811ء

مدینہ منورہ

وفات

25 نومبر 835ء (24 سال)

کاظمیہ^[1]

وجہ وفات

زہر

مدفن

مسجد کاظمیہ

قاتل

ام فضل بنت مامون

شہریت

دولت عباسیہ

زوجہ

سمانہ المغربیہ

ام فضل بنت مامون

اولاد

علی نقی ، موسیٰ مبرقع ،

حکیمہ خاتون

والد

علی رضا^[1]

والدہ

سبیکہ نوییہ

عملی زندگی

ولادت

5 رمضان 195 ہجری کو مدینہ منورہ میں ولادت ہوئی۔ اس وقت بغداد کے دارالسلطنت میں ہارون رشید کا بیٹا امین تخت حکومت پر تھا۔

نمایاں
شاگرد

پیشہ

پیشہ ورانہ
زبان

علی نقی

الہیات دان ، مذہبی رہنما ،

امام

عربی

دستخط



نشو و نما اور تربیت

یہ ایک حسرت ناک واقعہ ہے کہ امام محمد تقی علیہ السلام کو نہایت کمسنی ہی کے زمانے میں مصائب اور پریشانیوں کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار ہوجانا پڑا۔ انھیں بہت کم ہی اطمینان اور سکون کے لمحات میں باپ کی محبت، شفقت اور تربیت کے سائے میں زندگی گزارنے کا موقع مل سکا۔ آپ کو صرف پانچواں برس تھا۔ جب حضرت امام رضا علیہ السلام مدینہ سے خراسان کی طرف سفر کرنے پر مجبور ہوئے تو پھر زندگی میں ملاقات کا موقع نہ ملا امام محمد تقی علیہ السلام سے جدا ہونے کے تیسرے سال امام رضا علیہ السلام کی وفات ہو گئی۔ دنیا سمجھتی ہوگی کہ امام محمد تقی علیہ السلام کے لیے علمی و عملی بلندیوں تک پہنچنے کا کوئی ذریعہ نہیں رہا اس لیے اب امام جعفر صادق علیہ السلام کی علمی مسند شاید خالی نظر آئے مگر خلقت خدا کی حیرت کی انتہا نہ رہی جب اس کمسن بچے کو تھوڑے دن بعد مامون کے پہلو میں بیٹھ کر بڑے بڑے علما سے فقہ، حدیث، تفسیر اور کلام پر مناظرے کرتے اور سب کو قائل ہوجاتے دیکھا۔ اس کی حیرت اس وقت تک دور ہونا ممکن نہ تھی، جب تک وہ مادی اسباب کی بجائے ایک مخصوص خداوندی مدرسہ تعلیم و تربیت کے قائل نہ ہوتے، جس کے بغیر یہ معما نہ حل ہوا اور نہ کبھی حل ہو سکتا ہے۔

عراق کا پہلا سفر

جب امام رضا علیہ السلام کو مامون نے ولی عہد بنایا اور اس کی سیاست اس کی مقتضی ہوئی کہ بنی عباس کو چھوڑ کر بنی فاطمہ سے روابط قائم کیے جائیں اور اس طرح شیعیان اہل بیت علیہ السلام کو اپنی جانب مائل کیا جائے تو اس نے ضرورت محسوس کی کہ خلوص واتحاد کے مظاہرے کے لیے علاوہ اس قدیم رشتے کے جو ہاشمی خاندان میں سے ہونے کی وجہ سے ہے، کچھ جدید رشتوں کی بنیاد بھی قائم کر دی جائے چنانچہ اسی جلسہ میں جہاں ولی عہدی کی رسم ادا کی گئی۔ اس نے اپنی بہن ام حبیبہ کا عقد امام رضا علیہ السلام کے ساتھ کیا اور اپنی بیٹی ام الفضل کی نسبت کا امام محمد تقی علیہ السلام کے ساتھ اعلان کیا۔ غالباً اس کا خیال تھا کہ اس طرح امام رضا علیہ السلام بالکل اپنے بنائے جا سکیں گے مگر جب اس نے محسوس کیا کہ یہ اپنے ان منصبی فرائض کو جو رسول کے وارث ہونے کی بنا پر ان کے ذمہ ہیں۔ کسی قیمت پر چھوڑنے کے لیے تیار نہیں ہو سکتے اور اب عباسی سلطنت کارکن ہونے کے ساتھ ان اصول پر قائم رہنا۔ مدینہ کے محلہ بنی ہاشم میں گوشہ نشینی کی زندگی بسر کرنے سے کہیں زیادہ خطر ناک ہے۔ تو اسے اپنے مفاد سلطنت کی تحفظ خاطر اس کی ضرورت ہوئی کہ وہ زہر دے کر حضرت علیہ السلام کی زندگی کا خاتمہ کر دے مگر وہ مصلحت جو امام رضا علیہ السلام کو ولی عہد بنانے کی تھی یعنی ایرانی قوم اور جماعت، شیعہ کو اپنے قبضے میں رکھنا وہ اب بھی باقی تھی اس لیے ایک طرف تو امام رضا علیہ السلام کے انتقال پر اس نے غیر معمولی رنج و غم کا اظہار کیا تاکہ وہ اپنے دامن کو حضرت علیہ السلام کے خون ناحق سے الگ ثابت کر سکے۔ اور دوسری طرف اس نے اپنے اعلان کی تکمیل ضروری سمجھی کہ جو وہ امام محمد تقی علیہ السلام کے ساتھ اپنی لڑکی سے منسوب کرنے کا کرچکا تھا، اس نے اس مقصد سے امام محمد تقی علیہ السلام کو مدینہ سے عراق کی طرف بلوایا۔ اس لیے کہ امام رضا علیہ السلام کی وفات کے بعد وہ خراسان سے اب اپنے خاندان کے پرانے دار السلطنت بغداد میں آچکا تھا اور اس نے یہ تہیہ کر لیا کہ وہ ام الفضل کا عقد اس صاحبزادے کے ساتھ بہت جلد کر دے۔

علما سے مناظرہ

بنی عباس کو مامون کی طرف سے امام رضا علیہ السلام کا ولی عہد بنایا جانا ہی ناقابل برداشت تھا امام رضا علیہ السلام کی وفات سے ایک حد تک انھیں اطمینان حاصل ہوا تھا اور انھوں نے مامون سے اپنے حسبِ دلخواہ اس کے بھائی موئن کی ولی عہدی کا اعلان بھی کرا دیا جو بعد میں معتمد باللہ کے نام سے خلیفہ تسلیم کیا گیا۔ اس کے علاوہ امام رضا علیہ السلام کی ولی عہدی کے زمانہ میں عباسیوں کا مخصوص شعار یعنی کالا لباس تبدیل ہو کر سبز لباس کا رواج ہو رہا تھا اسے منسوخ کر کے پھر سیاہ لباس کی پابندی عائد کر دی گئی، تاکہ بنی عباس کے روایات، قدیم محفوظ رہیں۔ یہ باتیں عباسیوں کو یقین دلا رہی تھیں کہ وہ مامون پر پورا قابو پا چکے ہیں مگر اب مامون یہ ارادہ کہ وہ امام محمد تقی علیہ السلام کو اپنا داماد بنائے ان لوگوں کے لیے پھر تشویش کا باعث بنا۔ اس حد تک کہ وہ اپنے ولی رجحان کو دل میں نہ کھ سکے اور ایک وفد کی شکل میں مامون کے پاس آکر اپنے جذبات کا اظہار کر دیا، انھوں نے صاف صاف کہا کہ امام رضا کے ساتھ جو آپ نے طریقہ کار استعمال کیا وہی ہم کو ناپسند تھا۔ مگر خیر وہ کم از کم اپنی عمر اور اوصاف و کمالات کے لحاظ سے قابلِ عزت سمجھے بھی جا سکتے ہیں مگر ان کے بیٹے محمد علیہ السلام تو ابھی بالکل کم سن ہیں ایک بچے کو بڑے بڑے علما اور معززین پر ترجیح دینا اور اس قدر اس کی عزت کرنا ہر گز خلیفہ کے لیے زیبا نہیں ہے پھر ام حبیبہ کا نکاح جو امام رضا علیہ السلام کے

ساتھ کیا گیا تھا اس سے ہم کو کیا فائدہ پہنچا۔ جو اب ام الفضل کا نکاح محمد ابن علی علیہ السلام کے ساتھ کیا جا رہا ہے۔ مامون نے اس تمام تقریر کا یہ جواب دیا کہ محمد علیہ السلام کس ضرور ہیں مگر میں نے خوب اندازہ کر لیا ہے۔ اوصاف و کمالات میں وہ اپنے باپ کے پورے جانشین ہیں اور عالم اسلام کے بڑے بڑے علماء جن کا تم حوالہ دے رہے ہو علم میں ان کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ اگر تم چاہو تو امتحان لے کر دیکھ لو۔ پھر تمہیں بھی میرے فیصلے سے متفق ہونا پڑے گا۔ یہ صرف منصفانہ جواب ہی نہیں بلکہ ایک طرح کا چیلنج تھا جس پر مجبوراً ان لوگوں کو مناظرے کی دعوت منظور کرنا پڑی حالانکہ خود مامون تمام سلاطین، بنی عباس میں یہ خصوصیت رکھتا ہے کہ مورخین اس کے لیے یہ الفاظ لکھ دیتے ہیں: کان یعد من کبار الفقہاء یعنی اس کا شمار بڑے فقیہوں میں ہے۔ اس لیے اس کا فیصلہ خود کچھ کم وقعت نہ رکھتا تھا مگر ان لوگوں نے اس پر اکتفاء نہیں کی بلکہ بغداد کے سب سے بڑے عالم یحییٰ بن اکثیم کو امام محمد تقی علیہ السلام سے بحث کے لیے منتخب کیا۔ مامون نے ایک عظیم الشان جلسہ اس مناظرے کے لیے منعقد کیا اور عام اعلان کرادیا۔ ہر شخص اس عجیب اور بظاہر غیر متوازی مقابلے کے دیکھنے کا مشتاق ہو گیا جس میں ایک طرف ایک اٹھ برس کا بچہ تھا اور دوسری طرف ایک ازموذ کار اور شہرہ آفاق قاضی القضاۃ۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ ہر طرف سے خلائق کا ہجوم ہو گیا۔ مورخین کا بیان ہے کہ ارکان، دولت اور معززین کے علاوہ اس جلسے میں نو سو کرسیاں فقط علما و فضلاء کے لیے مخصوص تھیں اور اس میں کوئی تعجب نہیں اس لیے کہ یہ زمانہ عباسی سلطنت کے شباب اور بالخصوص علمی ترقی کے اعتبار سے زریں دور تھا اور بغداد دار السلطنت تھا جہاں تمام اطراف سے مختلف علوم و فنون کے ماہرین کھینچ کر جمع ہو گئے تھے۔ اس اعتبار سے یہ تعداد کسی مبالغہ پر مبنی معلوم نہیں ہوتی۔ مامون نے حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کے لیے اپنے پہلو میں مسند بچھوائی تھی اور حضرت علیہ السلام کے سامنے یحییٰ ابن اکثیم کے لیے بیٹھنے کی جگہ تھی۔ ہر طرف کامل سناٹا تھا۔ مجمع ہمہ تن چشم و گوش بنا ہوا گفتگو شروع ہونے کے وقت کا منتظر ہی تھا کہ اس خاموشی کو یحییٰ کے اس سوال نے توڑ دیا جو اس نے مامون کی طرف مخاطب ہو کر کہا تھا۔» حضور کیا مجھے اجازت ہے کہ میں ابو جعفر علیہ السلام سے کوئی مسئلہ دریافت کروں؟ مامون نے کہا،» تم کو خود انھی سے اجازت طلب کرنا چاہیے۔» یحییٰ امام علیہ السلام کی طرف متوجہ ہوا اور کہا۔» کیا آپ اجازت دیتے ہیں کہ میں آپ سے کچھ دریافت کروں؟» فرمایا۔» تم جو پوچھنا چاہو پوچھ سکتے ہو۔» یحییٰ نے پوچھا کہ» حالت احرام میں اگر کوئی شخص شکار کرے تو اس کا کیا حکم ہے؟» اس سوال سے اندازہ ہوتا ہے کہ یحییٰ حضرت امام محمد تقی کو علمی بلندی سے بالکل واقف نہ تھا۔ وہ اپنے غرور علم اور جہالت سے یہ سمجھتا تھا کہ یہ کس صاحبزادے تو ہیں ہی۔ روزمرہ کے روزے نماز کے مسائل سے واقف ہوں تو ہوں مگر حج وغیرہ کے احکام اور حالت احرام میں جن چیزوں کی مانعت ہے ان کے کفاروں سے بھلا کہاں واقف ہوں گے۔ امام علیہ السلام نے اس کے جواب میں اس طرح سوال کے گوشوں کی الگ الگ تحلیل فرمائی، جس سے بغیر کوئی جواب اصل مسئلے کا دیے ہوئے آپ کے علم کی گہرائیوں کا یحییٰ اور تمام اہل محفل کو اندازہ ہو گیا، یحییٰ خود بھی اپنے کو سبک پانے لگا اور تمام مجمع بھی اس کا سبک ہونا محسوس کرنے لگا۔ آپ نے جواب میں فرمایا کہ تمہارا سوال بالکل مبہم اور مجمل ہے۔ یہ دیکھنے کی ضرورت ہے کہ شکار حل میں تھا یا حرم میں شکار کرنے والا مسئلے سے واقف تھا یا ناواقف۔ اس نے عمداً اس چالور کو مار ڈالا یا دھوکے سے قتل ہو گیا وہ شخص آزاد تھا یا غلام کس نے پہلی مرتبہ ایسا کیا تھا یا اس کے پہلے بھی ایسا کر چکا تھا۔ شکار پرند کا تھا یا کوئی اور۔ پھوٹا یا بڑا۔ وہ اپنے فعل پر اصرار رکھتا ہے یا پشیمان ہے۔ رات کو یا پوشیدہ طریقہ پر اس نے شکار کیا یا دن دہارے اور علانیہ۔ احرام عمرہ کا تھا یا حج کا۔ جب تک یہ تمام تفصیلات نہ بتائے جائیں اس مسئلہ کا کوئی ایک معین حکم نہیں بتایا جاسکتا۔ یحییٰ کتنا ہی ناقص کیوں نہ ہوتا بہر حال فقہی مسائل پر کچھ نہ کچھ اس کی نظر بھی تھی۔ وہ ان کثیر التعداد شقوق کے پیدا کرنے ہی سے خوب سمجھ گیا کہ ان کا مقابلہ میرے لیے آسان نہیں ہے۔ اس کے پھرے پر ایسی شکستگی کے آثار پیدا ہوئے جن کا تمام دیکھنے والوں نے اندازہ کر لیا۔ اب اس کی زبان خاموش تھی اور وہ کچھ جواب نہ دیتا تھا۔ مامون نے اس کی کیفیت کا صحیح اندازہ کر کے اس سے کچھ کہنا بیکار سمجھا اور حضرت علیہ السلام سے عرض کیا کہ پھر آپ ہی ان تمام شقوق کے احکام بیان فرما دیجیئے، تاکہ سب کو استفادہ کا موقع مل سکے۔ امام علیہ السلام نے تفصیل کے ساتھ تمام صورتوں کے جداگانہ جو احکام تھے بیان فرمائے یحییٰ ہکا بکا امام علیہ السلام کا منہ دیکھ رہا تھا اور بالکل خاموش تھا۔ مامون کو بھی کہ تھی کہ وہ اتمام حجت کو انتہائی درجے تک پہنچا دے اس لیے اس نے امام علیہ السلام سے عرض کیا کہ اگر مناسب معلوم ہو تو آپ علیہ السلام بھی یحییٰ سے کوئی سوال فرمائیں۔ حضرت علیہ السلام نے اخلاقاً یحییٰ سے یہ دریافت کیا کہ» کیا میں بھی تم سے کچھ پوچھ سکتا ہوں؟» یحییٰ اب اپنے متعلق کسی دھوکے میں مبتلا نہ تھا، اپنا اور امام علیہ السلام کا درجہ اسے خوب معلوم ہو چکا تھا۔ اس لیے طرز گفتگو اس کا اب دوسرا ہی تھا۔ اس نے کہا کہ حضور علیہ السلام دریافت فرمائیں اگر مجھے معلوم ہو گا تو عرض کر دوں گا ورنہ خود حضور ہی سے معلوم کر لوں گا، حضرت علیہ السلام نے سوال کیا۔ جس کے جواب میں یحییٰ نے کھلے الفاظ میں اپنی عاجزی کا اقرار کیا اور پھر امام نے خود اس سوال کا حل فرما دیا۔ مامون کو اپنی بات کے بالا رہنے کی خوشی تھی۔ اس نے مجمع کی طرف مخاطب ہو کر کہا: دیکھو میں نہ کہتا تھا کہ یہ وہ گھرانہ ہے جو قدرت کی طرف سے علم کا مالک قرار دیا گیا ہے۔ یہاں کے بچوں کا بھی کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا۔ مجمع میں جوش و خروش تھا۔ سب نے یک زبان ہو کر کہا کہ بے شک جو آپ کی رائے ہے وہ بالکل ٹھیک ہے اور یقیناً ابو جعفر علیہ السلام محمد ابن علی کو کوئی مثل نہیں ہے۔ مامون نے اس کے بعد ذرا بھی تاخیر مناسب نہیں سمجھی اور اسی جلسے میں امام محمد تقی کے ساتھ ام الفضل کا عقد کر دیا۔ نکاح کے قبل جو خطبہ ہمارے یہاں عموماً پڑھا جاتا ہے وہی ہے جو امام محمد تقی نے اس عقد کے موقع پر اپنی زبان مبارک پر جاری کیا تھا۔ یہی بطور یادگار نکاح کے موقع پر باقی رکھا گیا ہے مامون نے اس شادی کی خوشی میں بڑی فیاضی سے کام لیا۔ لاکھوں روپیہ خیر و خیرات میں تقسیم کیا گیا اور تمام رعایا کو انعامات و عطیات کے ساتھ مالا مال کیا گیا۔

مدینہ کی طرف واپسی

شادی کے بعد تقریباً ایک سال تک بغداد میں مقیم رہے اس کے بعد مامون نے بہت اہتمام کے ساتھ ام الفضل کو حضرت علیہ السلام کے ساتھ رخصت کر دیا اور امام علیہ السلام مدینہ میں واپس تشریف لائے۔

اخلاق و اوصاف

امام محمد تقی علیہ السلام اخلاق و اوصاف میں انسانیت کی اس بلندی پر تھے جس کی تکمیل رسول اور آل رسول کا طرہ امتیاز تھی کہ ہر ایک سے جھک کر ملنا۔ ضرورت مندوں کی حاجت روائی کرنا مساوات اور ساگی کو ہر حالت میں پیش نظر رکھنا۔ غرباً کی پوشیدہ طور پر خبر لینا اور دوستوں کے علاوہ دشمنوں تک سے اچھا سلوک کرتے رہنا۔ مہمانوں کی خاطر داری میں انہماک اور علمی اور مذہبی پیاسوں کے لیے فیصلہ کے چشموں کا جاری رکھنا آپ کی سیرت زندگی کا نمایاں پہلو تھا۔ بالکل ویسا ہی جیسے اس سلسلہ عصمت کے دوسرے افراد کا تھا جس کے حالات اس سے پہلے

لکھے جا چکے ہیں۔ اہل دنیا کو جو آپ کے بلندی نفس کا پورا اندازہ نہ رکھتے تھے انھیں یہ تصور ضرور ہوتا تھا کہ ایک کمسن بچے کا عظیم الشان مسلمان سلطنت کے شہنشاہ کا داماد ہونا یقیناً اس کے چال ڈھال طور طریقے کو بدل دے گا اور اس کی زندگی دوسرے سانچے میں ڈھل جائے گی۔ حقیقت میں یہ ایک بہت بڑا مقصد ہو سکتا ہے جو مامون کی کوتاہ نگاہ کے سامنے بھی تھا۔ بنی امیہ یابی عباس کے بادشاہوں کا ال، رسول کی ذات سے اتنا اختلاف نہ تھا۔ جتنا ان کے صفات سے وہ ہمیشہ اس کے درپے رہتے تھے کہ بلندی اخلاق اور معراج انسانیت کا وہ مرکز جو مدینہ میں قائم ہے اور جو سلطنت کے مادی اقتدار کے مقابلے میں ایک مثالی روحانیت کا مرکز بنا ہوا ہے۔ یہ کسی طرح ٹوٹ جائے۔ اسی کے لیے گھبرا گھبرا کر وہ مختلف تدبیریں کرتے تھے۔ امام حسین علیہ السلام سے بیعت طلب کرنا اسی کی ایک شکل تھی اور پھر امام رضا علیہ السلام کو ولی عہد بنانا اسی کا دوسرا طریقہ، فقط ظاہری شکل و صورت میں ایک کا اندازہ معاندانہ اور دوسرے کا طریقہ ارادات مندی کے روپ میں تھا مگر اصل حقیقت دونوں صورتوں میں ایک تھی۔ جس طرح امام حسین علیہ السلام نے بیعت نہ کی تو وہ شہید کر ڈالے گئے، اسی طرح امام رضا علیہ السلام ولی عہد ہونے کے باوجود حکومت کے مادی مقاصد کے ساتھ ساتھ نہ چل سکے تو آپ کو زہر کے ذریعے سے ہمیشہ کے لیے خاموش کر دیا گیا۔ اب مامون کے نقطہ نظر سے یہ موقع انتہائی قیمتی تھا کہ امام رضا علیہ السلام کا جانشین تقریباً آٹھ برس کا بچہ ہے جو تین برس سے پہلے باپ سے چھڑا لیا جا چکا تھا۔ حکومت وقت کی سیاسی سوجھ بوجھ کہہ رہی تھی کہ اس بچے کو اپنے طریقہ پر لانا نہایت آسان ہے اور اس کے بعد وہ مرکز جو حکومت، وقت کے خلاف ساکن اور خاموش مگر انتہائی خطرناک قائم ہے ہمیشہ کے لیے ختم ہو جائے گا۔ مامون امام رضا علیہ السلام کو ولی عہد کی مہم میں اپنی ناکامی کو مایوسی کا سبب نہیں تصور کرتا تھا، اس لیے کہ امام رضا علیہ السلام کی زندگی ایک اصول پر قائم رہ چکی تھی۔ اس میں تبدیلی اگر نہیں ہوتی تو یہ ضروری نہیں کہ امام محمد تقی علیہ السلام جو آٹھ برس کے سن میں قصر حکومت میں نشو و نما پا کر بڑھیں وہ بھی بالکل اپنے بزرگوں کے اصول زندگی پر برقرار رہیں۔ سوائے ان لوگوں کے جو ان مخصوص افراد کے خداداد کمالات کو جانتے تھے۔ اس وقت کا ہر شخص یقیناً مامون ہی کا ہم خیال ہوگا۔ مگر دنیا تو حیران ہو گئی جب یہ دیکھا کہ وہ آٹھ برس کا بچہ جسے شہنشاہ اسلام کا داماد بنایا گیا ہے اس عمر میں اپنے خاندانی رکھ رکھاؤ اور اصول کا اتنا پابند ہے کہ وہ شادی کے بعد محل شادی میں قیام سے انکار کر دیتا ہے اور اس وقت بھی کہ جب بغداد میں قیام رستا تو ایک علاحدہ مکان کرایہ پر لے کر اس میں قیام فرماتے ہیں۔ اس سے بھی امام علیہ السلام کی مستحکم قوت ارادی کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ عموماً مالی اعتبار سے لڑکی والے کچھ بھی بڑا درجہ رکھتے ہوتے ہیں تو وہ یہ پسند کرتے ہیں کہ جہاں وہ رہیں وہیں داماد بھی رہے۔ اس گھر میں نہ سہی تو کم از کم اسی شہر میں اس کا قیام رہے۔ مگر امام محمد تقی علیہ السلام نے شادی کے ایک سال بعد ہی مامون کو حجاز واپس جانے کی اجازت دینے پر مجبور کر دیا۔ یقیناً یہ امر ایک چاہنے والے باپ اور مامون ایسے بااقتدار کے لیے انتہائی ناگوار تھا مگر اسے لڑکی کی جراتی گوارا کرنا پڑی اور امام علیہ السلام مع ام الفضل کے مدینہ تشریف لے گئے۔ مدینہ میں تشریف لانے کے بعد ڈیوڑھی کا وہی انداز رہا جو اس کے بعد پہلے تھا۔ نہ پھیرا نہ کوئی خاص روک ٹوک، نہ تزک و احتشام نہ اوقات ملاقات نہ ملاقاتیوں کے ساتھ بتاؤں میں کوئی تفریق۔ زیادہ تر نشست مسجد نبوی میں رہتی تھی جہاں مسلمان حضرات ان کی وعظ و نصیحت سے فائدہ اٹھاتے تھے۔ راویان حدیث دریافت کرتے تھے۔ طالب علم مسائل پوچھتے تھے۔ صاف ظاہر تھا کہ جعفر صادق علیہ السلام ہی کا جانشین ہے جو اسی مسند علم پر بیٹھا ہوا ہدایت کا کام انجام دے رہا ہے۔ امور خانہ داری اور ازواجی زندگی میں آپ کے بزرگوں نے اپنی بیویوں کو جن حدود میں رکھا تھا انھی حدود میں آپ نے ام الفضل کو رکھا۔ آپ نے اس کی مطلق پروا نہیں کی کہ آپ کی بیوی ایک شہنشاہ وقت کی بیٹی ہیں۔ چنانچہ ام الفضل کے ہوتے آپ نے حضرت عمار یاسر رض کی نسل سے ایک محترم خاتون کے ساتھ عقد بھی کیا اور قدرت کو نسل امامت اسی خاتون سے باقی رکھنا منظور تھا۔ یہی امام علی نقی علیہ السلام کی ماں ہوئیں۔ ام الفضل نے اس کی شکایت اپنے باپ کے پاس لکھ کر بھیجی۔ مامون کے دل کے لیے بھی یہ کچھ کم تکلیف دہ امر نہ تھا۔ مگر اسے اب اپنے کیے کو نباہنا تھا۔ اس نے ام الفضل کو جواب لکھا کہ میں نے تمہارا عقد ابو جعفر علیہ السلام کے ساتھ اس لیے نہیں کیا ہے کہ ان پر کسی حلال خدا کو حرام کر دوں۔ مجھ سے اب اس قسم کی شکایت نہ کرنا۔ جواب دے کر حقیقت میں اس نے اپنی خفت مٹائی ہے۔ ہمارے سامنے اس کی نظیریں موجود ہیں کہ اگر مذہبی حیثیت سے کوئی بااحترام خاتون ہوتی ہے تو اس کی زندگی میں کسی دوسری بیوی سے نکاح نہیں کیا گیا جیسے پیغمبر کے لیے جناب خدیجہ علیہ السلام الکبریٰ اور حضرت علی المرتضیٰ علیہ السلام کے لیے جناب فاطمہ زہرا علیہ السلام مگر شہنشاہ دنیا کی بیٹی کو یہ امتیاز دینا صرف اس لیے کہ وہ بادشاہ کی بیٹی ہے۔ اسلام کی اس روح کے خلاف تھا جس کے ال محمد محافظ تھے اس لیے امام محمد تقی علیہ السلام نے اس کے خلاف طرز عمل اختیار کرنا اپنا فریضہ سمجھا۔

تبلیغ و ہدایت

آپ کی تقریر بہت دلکش اور پرتاثر ہوتی تھی۔ ایک مرتبہ زمانہ حج میں مکہ معظمہ میں مسلمانوں کے مجمع میں کھڑے ہو کر آپ نے احکام شرع کی تبلیغ فرمائی تو بڑے بڑے علما دم بخود ہو گئے اور انھیں اقرار کرنا پڑا کہ ہم نے ایسی جامع تقریر کبھی نہیں سنی۔ امام رضا علیہ السلام کے زمانہ میں ایک گروہ پیدا ہو گیا تھا جو امام علیہ السلام موسیٰ کاظم علیہ السلام پر توقف کرتا تھا۔ یعنی آپ کے بعد امام رضا علیہ السلام کی امامت کا قائل نہیں تھا اور اسی لیے واقفیت کھلاتا تھا۔ امام محمد تقی نے اپنے کردار میں اس گروہ میں ایسی کامیاب تبلیغ فرمائی کہ سب اپنے عقیدے سے تائب ہو گئے اور آپ کے زمانہ ہی میں کوئی ایک شخص ایسا باقی نہ رہ گیا جو اس مسلک کا حامی ہو بہت سے بزرگ مرتبہ علما نے آپ سے علوم اہل بیت علیہ السلام کی تعلیم حاصل کی۔ آپ کے ایلے مختصر حکیمانہ مقولوں کو بھی ایک ذخیرہ ہے جیسے آپ کے جد بزرگوار حضرت امیر المومنین علی علیہ السلام بن ابی طالب علیہ السلام کے کثرت سے پائے جاتے ہیں۔ جناب امیر علیہ السلام کے بعد امام محمد تقی علیہ السلام کے مقولوں کو ایک خاص درجہ حاصل ہے۔ الہیات اور توحید کے متعلق آپ کے بعض بلند پایہ خطبے بھی موجود ہیں۔

عراق کا آخری سفر

218 ہجری میں مامون نے دنیا کو خیر باد کہا۔ اب مامون کا بھائی اور ام الفضل کا چچا موتہن جو امام رضا کے بعد ولی عہد بنایا جا چکا تھا تخت سلطنت پر بیٹھا اور معتصم باللہ عباسی کے نام سے مشہور ہوا۔ اس کے بیٹھے ہی امام محمد تقی علیہ السلام سے متعلق ام الفضل کے اس طرح کے شکایتی خطوط کی رفتار بڑھ گئی۔ جس طرح کہ اس نے اپنے باپ مامون کو بھیجے تھے۔ مامون نے چونکہ تمام بنی عباس کی مخالفتوں کے بعد بھی اپنی لڑکی کا نکاح امام محمد تقی علیہ السلام کے ساتھ کر دیا تھا اس لیے اپنی بات کی پیچ اور کیے کی لاج رکھنے کی خاطر اس نے ان شکایتوں پر کوئی خاص توجہ نہیں کی بلکہ مایوس کر دینے والے جواب سے بیٹی کی زبان بند کر دی تھی مگر معتصم کو جو امام رضا علیہ السلام کی ولی عہدی کا داغ اپنے سینہ پر اٹھائے ہوئے تھا اور امام محمد تقی علیہ السلام کو داماد بنائے جانے سے تمام بنی عباس کے نمائندے کی حیثیت سے پہلے ہی اختلاف کرنے والوں میں پیش پیش رہ چکا تھا۔ اب ام الفضل کے شکایتی خطوط کو اہمیت

دے کر اپنے اس اختلاف کو جو اس نکاح سے تھا۔ حق بجانب ثابت کرنا تھا، پھر سب سے زیادہ امام محمد تقی علیہ السلام کی علمی مرجعیت آپ کے اخلاقی اثر کا شہرہ جو حجاز سے بڑھ کر عراق تک پہنچا ہوا تھا وہ بنائے محاسن جو معتمد کے بزرگوں کو امام محمد تقی علیہ السلام کے بزرگوں سے رہ چکی تھی اور پھر اس سیاست کی ناکامی اور منصوبے کی شکست کا محسوس ہوجانا جو اس عقد کا محرک ہوا تھا جس کی تشریح پہلے ہو چکی ہے یہ تمام باتیں تھیں کہ معتمد مخالفت کے لیے آمادہ ہو گیا۔ اپنی سلطنت کے دوسرے ہی سال امام محمد تقی علیہ السلام کو مدینہ سے بغداد کی طرف بلوا بھیجا۔ حاکم مدینہ عبد المالك کو اس بارے میں تاکید دی خط لکھا۔ مجبوراً امام محمد تقی علیہ السلام اپنے فرزند امام علی نقی علیہ السلام اور ان کی والدہ کو مدینہ میں چھوڑ کر بغداد کی طرف روانہ ہوئے۔

شہادت

بغداد میں تشریف لانے کے بعد تقریباً ایک سال تک معتمد نے بظاہر آپ کے ساتھ کوئی سختی نہیں کی مگر آپ کا قیام خود ہی ایک جبری حیثیت رکھتا تھا جسے نظر بندی کے سوا اور کیا کہا جا سکتا ہے اس کے بعد اسی خاموش حربے سے جو اکثر اس خاندان کے بزرگوں کے خلاف استعمال کیا جا چکا تھا۔ آپ کی زندگی کا خاتمہ کر دیا گیا اور 29 ذی القعدة 220 ہجری میں زہر سے آپ کی شہادت ہوئی اور اپنے جد بزرگوار حضرت امام موسیٰ کاظم کے پاس دفن ہوئے۔ آپ ہی کی شرکت کا لحاظ کر کے عربی کے قاعدے سے اس شہر کا نام کاظمین (دو کاظم یعنی غصہ کو ضبط کرنے والے) مشہور ہوا ہے۔ اس میں حضرت موسیٰ کاظم علیہ السلام کے لقب کو صراحتہً سامنے رکھا گیا جبکہ موجودہ زمانے میں اسٹیشن کا نام جوادین (دو جواد المعنی فیاض) درج ہے جس میں صراحتہً حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کے لقب کو ظاہر کیا جا رہا ہے۔ چونکہ آپ کا لقب تقی بھی تھا اور جواد بھی۔

زیارت الإمام الجواد

السلامُ عَلَيْكَ يَا أَبَا جَعْفَرٍ مُحَمَّدَ بْنَ عَلِيِّ بْنِ النَّبِيِّ الْإِمَامِ الْوَفِيِّ السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا الرِّضِيُّ الرَّكِيُّ، السلامُ عَلَيْكَ يَا وَلِيَّ اللَّهِ السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا نَجِّيَّ اللَّهِ السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا سِرَّ اللَّهِ السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا ضِيَاءَ اللَّهِ السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا سَاءَ اللَّهِ السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا كَلِمَةَ اللَّهِ السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَحْمَةَ اللَّهِ السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النُّورُ السَّاطِعُ السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا الْبَرْزُ الطَّالِعُ السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا الطَّيِّبُ مِنَ الطَّيِّبِينَ السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا الطَّاهِرُ مِنَ الْمُطَهَّرِينَ، السلامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا الْإِيَّةُ الْعُظْمَى السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا الْحُجَّةُ الْكُبْرَى، السلامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا الْمُطَهَّرُ مِنَ الرِّذَالِ السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا الْمَرْزُوقُ عَنِ الْمُغْضِلَاتِ السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا الْعَلِيُّ عَنِ نَقْصِ الْأَوْصَافِ السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا الرِّضِيُّ عِنْدَ الْأَشْرَافِ السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا عَمُودَ الدِّينِ. أَشْهَدُ أَنَّكَ وَلِيُّ اللَّهِ وَحُجَّتُهُ فِي أَرْضِهِ وَأَنَّكَ جَنَّبَ اللَّهُ وَخَيْرُهُ اللَّهُ وَمُسْتَوْدَعُ عِلْمِ اللَّهِ وَعِلْمُ الْأَنْبِيَاءِ وَرُكْنُ الْإِيمَانِ وَتَرْجَمَانُ الْقُرْآنِ، وَأَشْهَدُ أَنَّ مَنْ أَتَيْكَ عَلَى الْحَقِّ وَالدِّينِ وَأَنَّ مَنْ أَنْكَرَكَ وَنَصَبَ لَكَ الْعَرَاةَ عَلَى الصَّلَاةِ وَالرَّذَى. أَزِيدُ إِلَى اللَّهِ وَإِلَيْكَ مِنْهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ بِالْبَقِيَّةِ وَبِالنَّبِيِّ وَاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ. وَقُلْ فِي الصَّلَاةِ عَلَيْهِ: اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَأَهْلِ بَيْتِهِ وَصَلِّ عَلَى مُحَمَّدِ بْنِ عَلِيٍّ الرَّكِيِّ النَّبِيِّ وَالْبَرِّ الْوَفِيِّ وَالْمُهَذَّبِ النَّبِيِّ، بِأَدْبَى الْأَمَّةِ وَوَارِثِ الْأَمَّةِ وَخَازِنِ الرَّحْمَةِ وَبَنِيهِ الْكَلِمَةِ وَقَائِدِ الْبَرَكَةِ وَعَدِيلِ الْقُرْآنِ فِي الطَّاعَةِ وَوَاحِدِ الْأَوْصِيَاءِ فِي الْأَخْلَاصِ وَالْعِبَادَةِ وَحُجَّتِكَ الْعَالِيَا وَمَثَلِكَ الْأَعْلَى وَكَلِمَتِكَ الْحُسْنَى الدَّرَاعِي إِلَيْكَ وَالذِّالَّ عَلَيْكَ، الَّذِي نَصَبْتَهُ عَلَمَاً لِعِبَادِكَ وَمَتَرَجَمًا لِكَلِمَاتِكَ وَصَادِعًا بِأَمْرِكَ وَنَاصِرًا لِدِينِكَ وَحُجَّةً عَلَى خَلْقِكَ وَلَوْ أَنَّ تَخَرَّقَ فِي الظُّلُمِ وَفُتُوهُ مُدْرِكُهَا الْبَدَايَةِ وَشَفِيعًا تُنَالُ بِهِ الْجَنَّةُ، اللَّهُمَّ وَمَا أَفْعَدَ فِي خُشُوعِهِ لَكَ حَقَّهْ وَاسْتَوْفَى مِنْ خُشْيَتِكَ نَصِيبَهُ فَصَلِّ عَلَيْهِ أضعافَ ماصْلَيْتَ عَلَى وَلِيِّ الرِّضَايَةِ طَاعَتَهُ وَقَبِلَتْ خِدْمَتَهُ وَبَلَّغَهُ مِثْلَ تَحِيَّةٍ وَسَلَامًا، وَآتِنَا فِي مَوَالِيهِ مِنْ لَدُنْكَ فَضْلًا وَإِحْسَانًا وَمَغْفِرَةً وَرِضْوَانًا إِنَّكَ ذُو الْمِنَّةِ الْقَدِيمِ وَالصَّغْحُ الْحَمِيلِ

■ نماز زیارت کے بعد یہ پڑھیے۔

اللَّهُمَّ أَنْتَ الرَّبُّ وَأَنَا الْمَرْبُوبُ

رضوی سید

عمومی طور پر سادات رضوی تقوی ہیں یعنی حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کی اولاد ہیں۔ امام رضا علیہ السلام کی شخصی شہرت سلطنت عباسیہ کے ولی عہد ہونے کی وجہ سے جمہور مسلمین میں بہت ہو چکی تھی اس لیے امام محمد تقی کی اولاد کا حضرت امام رضا علیہ السلام کی طرف منسوب کر کے تعارف کیا جانے لگا اور رضوی کے نام سے مشہور ہوئے۔ ایک رضوی احمد رضا کی طرف منسوب ہوتا ہے

حوالہ جات

1. ^ ب عنوان : مُحَمَّدٌ ابْنُ عَلِيٍّ

2. من هي السيدة حكيمة خاتون؟ مركز الإشعاع الإسلامي (http://www.islam4u.com/almojib_show.php?rid=)
(607)

اخذ کرده از «https://ur.wikipedia.org/w/index.php?title=محمد_تقی&oldid=6209659»



<https://ur.wikipedia.org/s/t1>

علی نقی، محمد تقی کے فرزند اور شیعہ اثنا عشری کے دسویں امام ہیں۔ آپ سنہ 220 سے 254 ہجری یعنی 34 برس تک امامت کے منصب پر فائز رہے۔

دوران امامت آپ کی زندگی کے اکثر ایام سامرا میں عباسی حکمرانوں کے زیر نگرانی گزرے ہیں۔ آپ متعدد عباسی حکمرانوں کے ہم عصر تھے جن میں اہم ترین متوکل عباسی تھا۔

عقائد، تفسیر، فقہ اور اخلاق کے متعدد موضوعات پر آپ سے کئی احادیث منقول ہیں۔ آپ سے منقول احادیث کا زیادہ حصہ اہم کلامی موضوعات پر مشتمل ہیں من جملہ ان موضوعات میں تشبیہ و تنبیہ اور جبر و اختیار وغیرہ شامل ہیں۔ زیارت جامعہ کبیرہ جو حقیقت میں امامت سے متعلق شیعہ عقائد کے عمدہ مسائل اور امام شناسی کا ایک مکمل دورہ ہے، آپ ہی کی یادگار ہے۔

امامت کے دوران مختلف علاقوں میں وکلاء تعین کر کے اپنے پیروکاروں سے رابطے میں رہے اور انہی وکلاء کے ذریعے شیعوں کے مسائل کو بھی حل و فصل کیا کرتے تھے۔ آپ کے شاگردوں میں عبدالعظیم حسنی، عثمان بن سعید، ایوب بن نوح، حسن بن راشد اور حسن بن علی ناصر شامل ہیں۔

آپ کا روضہ سامرا میں حرم عسکریین کے نام سے مشہور ہے۔ سن 2006 اور 2007ء میں مختلف دہشت گردانہ حملوں میں اسے تباہ کیا گیا تھا جسے بعد میں پہلے سے بہتر انداز میں تعمیر کیا گیا ہے۔

نام ونسب

اسم مبارک علی علیہ السلام، کنیت ابو الحسن علیہ السلام اور لقب نقی علیہ السلام ہے چونکہ آپ سے پہلے حضرت علی مرتضیٰ علیہ السلام اور امام رضا علیہ السلام کی کنیت ابو الحسن ہو چکی تھی۔ اس لیے آپ کو ابو الحسن ثالث» کہا جاتا ہے والدہ معظمہ آپ کی سمانہ خاتون تھیں۔^[2]

ولادت اور نشو و نما

~05ربیع الثانی 214ھ مدینہ منورہ میں ولادت ہوئی۔ صرف چھ برس اپنے والد بزرگوار کے زیر سایہ ہی زندگی بسر کی۔ اس کے بعد اس کمسنی ہی کے عالم میں آپ اپنے والد بزرگوار سے جدا ہو گئے۔ امام محمد تقی علیہ السلام کو عراق کا سفر درپیش ہوا اور وہیں ~029ذی قعدہ 220ھ میں حضرت علیہ السلام کی شہادت ہو گئی۔ جس کے بعد امامت کی ذمہ داریاں امام علی نقی علیہ السلام کے کاندھے پر آ گئیں۔ اس صورت میں سوائے قدرت کی آغوش تربیت کے اور کون سا گہوارہ تھا جسے آپ کے علمی اور عملی کمال کی بلندیوں کا مرکز سمجھا جاسکے۔

علی نقی

(عربی میں: **أبو الحسن عَلِيّ بْن مُحَمَّدٍ الهادي**)



معلومات شخصیت

8 ستمبر 829ء

مدینہ منورہ^[1]

27 جون 868ء (39 سال)

سامراء^[1]

زہر

العسکری مسجد

المعتز بالله

دولت عباسیہ

حسن بن علی عسکری ، سبیع

دجیل ، جعفر بن علی ہادی

محمد تقی

سمانہ المغربیہ

موسیٰ مبرقع ، حکیمہ خاتون

پیدائش

وفات

وجہ وفات

مدفن

قاتل

شہریت

اولاد

والد

والدہ

بہن/بھائی

عملی زندگی

محمد تقی

استاد

انقلابات سلطنت

نمایاں	حسن بن علی عسکری
شاگرد	
پیشہ	الہیات دان ، امام
پیشہ ورانہ زبان	عربی
شعبۂ عمل	علم حدیث ، فقہ

درستی: https://ur.wikipedia.org/w/index.php?title=%D8%B9%D9%84%DB%8C_%D9%86%D9%82%DB%8C&action=edit&section=0 - ترمیم (/) ur.wikipedia.org/w/index.php?title=%D8%B9%D9%84%DB%8C_%D9%86%D9%82%DB%8C&veaction=edit



الام ومصائب

معتصم نے خواہ اپنی ملکی پریشانیوں کی وجہ سے جو اسے روسیوں کی جنگ اور بغداد کے دار السلطنت میں عباسیوں کے فساد وغیرہ کی وجہ سے درپیش تھیں اور خواہ امام علی نقی علیہ السلام کی کسمپرسی کا خیال کرتے ہوئے بہر حال حضرت علیہ السلام سے کوئی تعرض نہیں کیا اور آپ سکون واطمینان کے ساتھ مدینہ منورہ میں اپنے فرائض پورے کرنے میں مصروف رہے۔ معتصم کے بعد واثق نے بھی آپ کے خلاف کوئی اقدام نہیں اٹھایا۔ مگر متوکل کا تخت سلطنت پر بیٹھنا تھا کہ امام علی نقی علیہ السلام پر تکالیف کا سیلاب اڑایا۔ یہ واثق کا بھائی اور معتصم کا بیٹا تھا، اور الی رسول کی دشمنی میں اپنے تمام اباواجداد سے بڑھا ہوا تھا۔ اس سولہ برس میں جب سے امام علی نقی علیہ السلام منصب امامت پر فائز ہوئے تھے آپ کی شہرت تمام مملکت میں پھیل چکی تھی اور تعلیمات اہل بیت علیہ السلام کے پروانے اس شیعہ ہدایت پر برابر ٹوٹ رہے تھے۔ ابھی متوکل کی سلطنت کو چار برس ہوئے تھے کہ مدینے کے حکام عبداللہ بن حاکم نے امام علیہ السلام سے مخالفت کا آغاز کیا۔ پہلے تو خود حضرت کو مختلف طرح کی تکلیفیں پہنچائیں پھر متوکل کو آپ کے متعلق اسی طرح کی باتیں لکھیں جیسی سابق سلاطین کے پاس آپ کے بزرگوں کی نسبت ان کے دشمنوں کی طرف سے پہنچانی جاتی تھیں۔ مثلاً یہ کہ حضرت علیہ السلام اپنے گرد و پیش اسباب سلطنت جمع کر رہے ہیں۔ آپ کے ماننے والے اتنی تعداد میں بڑھ گئے ہیں کہ آپ جب چاہیں حکومت کے مقابلہ کے لیے کھڑے ہو سکتے ہیں۔ حضرت کو اس تحریکی بروقت اطلاع ہو گئی اور آپ نے اتمام حجت کے طور پر اسی کے ساتھ متوکل کے پاس اپنی جانب سے ایک خط تحریر فرمایا جس میں حال مدینہ کی اپنے ساتھ ذاتی مخالفت کا تذکرہ اور اس کی غلط بیانیوں کا اظہار فرمایا تھا۔ متوکل نے ازراہ سیاست امام علی نقی علیہ السلام کے خط کو وقعت دیتے ہوئے مدینہ کے اس حاکم کو معزول کر دیا مگر ایک فوجی رسالے کو میٹھی بن برثرہ کی قیادت میں بھیج کر حضرت علیہ السلام سے بظاہر دوستانہ انداز میں باصراریہ خواہش کی کہ آپ مدینہ سے دار السلطنت سامرا (تشریف لا کر کچھ دن قیام فرمائیں اور پھر واپس مدینہ تشریف لے جائیں)۔ امام علیہ السلام اس التجا کی حقیقت سے خوب واقف تھے اور جانتے تھے یہ نیاز مندانہ دعوت تشریف آوری حقیقت میں جلا وطنی کا حکم ہے مگر انکار کا کوئی حاصل نہ تھا۔ جب کہ انکار کے بعد اسی طلبی کے انداز کا دوسری شکل اختیار کر لینا یقینی تھا۔ اور اس کے بعد روانگی ناگزیر تھی۔ بے شک مدینہ سے ہمیشہ کے لیے جدا ہونا آپ کے قلب کے لیے ویسا ہی تکلیف دہ ایک صدمہ تھا جسے اس کے پہلے حضرت امام حسین علیہ السلام، امام موسیٰ کاظم علیہ السلام، امام رضا علیہ السلام اور امام محمد تقی علیہ السلام آپ کے مقدس اور بلند مرتبہ اجداد برداشت کر چکے تھے۔ وہ اب آپ کے لیے ایک میراث بن چکا تھا۔ پھر بھی دیکھنے والے بیان کرتے ہیں کہ مدینہ سے روانگی کے وقت آپ کے تاثرات اتنے شدید تھے جس سے احباب و اصحاب میں ایک کھلم کھلا احتجاج برپا تھا۔ متوکل کا عریضہ بارگاہ امام علیہ السلام میں بڑے اخلاص اور اشتیاق قدم بوسی کا مظہر تھا۔ فوجی دستہ جو بھیجا گیا تھا وہ بظاہر سواری کے تزک و احتشام اور امام علیہ السلام کی حفاظت کا ایک سامان تھا مگر جب حضرت علیہ السلام سامرے میں پہنچ گئے اور متوکل کو اس کی اطلاع دی گئی تو پہلا ہی اس کا افسوسناک رویہ یہ تھا کہ بجائے امام علیہ السلام کے استقبال یا کم از کم اپنے یہاں بلا کر ملاقات کرنے کے اس نے حکم دیا کہ حضرت کو «خاف الصعاليك» میں اتارا جائے، اس لفظ کے معنی ہی میں «بھیک مانگنے والے گداگروں کی سرانے» اس سے جگہ کی نوعیت کا پورے طور پر اندازہ کیا جا سکتا ہے یہ شہر سے دور ویرانے میں ایک کھنڈر تھا۔ جہاں امام علیہ السلام کو فروکش ہونے پر مجبور کیا گیا۔ اگرچہ یہ مقدس حضرات خود فقراء کے ساتھ ہم نشینی کو اپنے لیے ننگ و عار نہیں سمجھتے تھے اور تکلیفات ظاہری سے کنارہ کش رہتے تھے مگر متوکل کی نیت تو اس طرز عمل سے بہر حال تحقیر کے سوا اور کوئی نہیں تھی۔ تین دن تک حضرت کا قیام یہاں رہا۔ اس کے بعد متوکل نے آپ کو اپنے حجاب رزاقی کی حراست میں نظر بند کر دیا اور عوام کے لیے آپ سے ملنے جلنے کو ممنوع قرار دیا۔ وہی بے گناہی اور حقانیت کی کشش جو امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی قید کے زمانہ میں سخت سے سخت محفلیں کو کچھ دن کے بعد آپ کی رعایت پر مجبور کر دیتی تھی اسی کا اثر تھا کہ تھوڑے ہی عرصہ بعد رزاقی کے دل پر امام علی نقی علیہ السلام کی عظمت کا سکہ قائم ہو گیا اور وہ آپ کو تکلیف دینے کی بجائے آرام و راحت کے سامان بہم پہنچانے لگا مگر یہ بات زیادہ عرصہ تک متوکل سے چھپ نہیں سکتی تھی۔ اسے علم ہو گیا اور اس نے رزاقی کی قید سے نکل کر حضرت علیہ السلام کو ایک دوسرے شخص سعید کی حراست میں دے دیا۔ یہ شخص بے رحم اور امام علیہ السلام کے ساتھ سختی برتنے والا تھا۔ اسی لیے اس کے تبادلے کی ضرورت نہیں پڑی اور حضرت پورے بارہ برس اس کی نگرانی میں مقید رہے۔ ان تکالیف کے ساتھ جو اس قید میں تھے حضرت علیہ السلام شب و روز عبادت الہی میں بسر کرتے تھے۔ دن بھر روزہ رکھنا اور رات بھر نمازیں پڑھنا معمول تھا۔ آپ کا جسم کتنے ہی قید و بند میں کھا گیا ہو مگر آپ کا ذکر چار دیواری میں محصور نہیں کیا جا سکتا تھا۔ نتیجہ یہ تھا کہ آپ تو تنگ و تارک کوٹھڑی میں مقید تھے مگر آپ کا چہرہ سامرے بلکہ شاید عراق کے ہر گھر میں تھا اور اس بلند سیرت و کردار کے انسان کو قید رکھنے پر خلق خدا میں متوکل کے مقابلہ سے نفرت برابر پھیلتی جا رہی تھی۔ اب وہ وقت آیا کہ فح بن خاقان باوجود الی رسول سے محبت رکھنے کے صرف اپنی قابلیت اپنے تدبیر اور اپنی دماغی و عملی صلاحیتوں کی بنا پر متوکل کا وزیر ہو گیا، تو اس کے کہنے سننے سے متوکل نے امام علی نقی علیہ السلام کی قید کو نظر بندی سے تبدیل کر دیا اور آپ کو ایک مکان دے کر مکان تعمیر کرنے اور اپنے ذاتی مکان میں سکونت کی اجازت دے دی مگر اس شرط سے کہ آپ سامرے سے باہر نہ جائیں اور سعید آپ کی نقل و حرکت اور مراسلات و تعلقات کی نگرانی کرتا رہے گا۔ اس دور میں بھی امام علیہ السلام کا استغنائے نفس دیکھنے کے قابل تھا۔ باوجود دار السلطنت میں مستقل طور پر قیام کے نہ کبھی متوکل کے سامنے کوئی درخواست پیش کی نہ کبھی کسی قسم کے ترحم یا تکریم کی خواہش کی وہی عبادت و ریاضت کی زندگی جو قید کے عالم میں تھی۔ اس نظر بندی کے دور میں بھی رقی۔ جو کچھ تبدیلی ہوئی تھی وہ ظالم کے رویہ میں تھی۔ مظلوم کی شان

جیسے پہلے تھی ویسی ہی اب بھی قائم رہی۔ اس زمانے میں بھی ایسا نہیں ہوا کہ امام کو بالکل آرام و سکون کی زندگی بسر کرنے دی جاتی۔ مختلف طرح کی تکالیف سے آپ کے مکان کی تلاشی لی گئی کہ وہاں اسلحہ میں یا ایسے خطوط ہیں جن سے حکومت کی مخالفت کا ثبوت ملتا ہے حالانکہ ایسی کوئی چیز ملی نہیں مگر یہ تلاشی ہی ایک بلند اور بے گناہ انسان کے لیے کتنی باعث تکلیف چیز ہے اس سے بڑھ کر یہ واقعہ کہ دربار شاہی میں عین اس وقت آپ کی طلبی ہوتی ہے جب کہ شراب کے دور چل رہے ہیں۔ متوکل اور تمام حاضرین دربار طرب و نشاط میں غرق ہیں۔ اس پر طرہ یہ کہ سرکش، بے غیرت اور جاہل بادشاہ حضرت علیہ السلام کے سامنے جام شراب بڑھا کر پینے کی درخواست کرتا ہے۔ شریعت اسلام کے محافظ معصوم علیہ السلام کو اس سے جو تکلیف پہنچ سکتی ہے وہ تیر و خنجر سے یقیناً زیادہ ہے مگر حضرت علیہ السلام نے نہایت متانت اور صبر و سکون کے ساتھ فرمایا کہ «مجھے اس سے معاف کیجئے، میرا میرے ابا و اجداد کا خون اور گوشت اس سے کبھی مخلوط نہیں ہوا ہے۔» اگر متوکل کے احساسات میں کچھ بھی زندگی باقی ہوتی تو وہ اس معصومانہ مگر صر شکوہ جواب کا اثر کرتا مگر اس نے کہا کہ اچھا یہ نہیں تو کچھ گانا ہی ہم کو سنائیے۔ حضرت علیہ السلام نے فرمایا میں اس فن سے بھی واقف نہیں ہوں۔۔۔ آخر اس نے کہا کہ آپ کو کچھ اشعار جس طریقے سے بھی آپ چاہیں بہر حال پڑھنا ضرور پڑھیں گے۔ کوئی جذبات کی رو میں بننے والا انسان ہوتا تو اس خفیف الحركات بادشاہ کے اس حقارت انگیز یا تمسخر آمیز برتاؤ سے متاثر ہو کر شاید اپنے توازن دماغی کو کھو دیتا مگر وہ کوہِ علم و وقار، امام علیہ السلام کی ہستی تھی جو اپنے کردار کو فرائض کی مطابقت سے تکمیل تک پہنچانے کی ذمہ دار تھی، منہیات کے دائرہ سے نکل کر جب فرائض اشعار سننے تک پہنچی تو امام علیہ السلام نے موعظہ و تبلیغ کے لیے اس موقع کو غنیمت سمجھ کر اپنے دل سے نکلی ہوئی پُر صداقت آواز سے یہ اشعار پڑھنا شروع کر دئے جنہوں نے محفل طرب میں مجلس وعظ کی شکل پیدا کر دی۔

یا تو اعلیٰ قتل الاجال تحرسم
ا رہے پہاڑ کی چوٹی پہ پہرے بھلا کر
واستنز لوا بعد عز من معالکم
بلند قلعوں کی عزت جو پست ہو کے رہی
نادا ہم صارخ من بعد ماد فوا
صدایہ ان کو دی اس نے بعد دفن لحد
این الوجہ الی کانت مجعہ
کہاں وہ چہرے ہیں جو تھے ہمیشہ زیر نقاب
فافصح القبر عظم حین سائلکم
زبان حال سے بولے جواب میں مدفن
قد طال ما اکلوا فیما و ہم شرلوا
غذائیں کھائیں شرابیں جو پی تھیں حد سے سوا
غلب الرجال فما اضعفتم القلقل
بہادروں کی حراست میں بچ سکے نہ مگر
الی مقابر ہم یا یکسا نزلوا
تو کج قبر میں منزل بھی کیا بری پائی
این الاسبیۃ والتیان والخلل
کہاں ہیں تخت، وہ تاج اور وہ لباس جسد
من دونھا تضرب الاستار والکلل
غبار جن پہ کبھی آنے دیتے تھے نہ حجاب
تملک الوجہ علیھا اودو تنقل
وہ رخ زمین کے کیڑوں کا بن گئے مسکن
فاصموا بعد طول الاکل قدر اکلوا
نتیجہ اس کا ہے خود آج بن گئے وہ غذا

اشعار کچھ ایسے حقیقی تاثرات کے ساتھ امام علیہ السلام کی زبان سے ادا ہوئے تھے کہ متوکل کے عیش و نشاط کی بساط الٹ گئی۔ شراب کے پیالے ہاتھوں سے چھوٹ گئے اور تمام مجمع زارو قطار رونے لگا۔ یہاں تک کہ خود متوکل ڈاڑھیں مار مار کر بے اختیار رو رہا تھا۔ جوں ہی ڈارا ناموقوف ہوا اس نے امام علیہ السلام کو رخصت کر دیا اور آپ اپنے مکان پر تشریف لے گئے۔ ایک اور نہایت شدید روحانی تکلیف جو امام علیہ السلام کو اس دور میں پہنچی وہ متوکل کے تشدد احکام تھے جو نجف اور کربلا کے زائرین کے خلاف اس نے جاری کیے۔ اس نے یہ حکم دان تمام قلم رو حکومت میں جاری کر دیا کہ کوئی شخص جناب امیر علیہ السلام اور امام حسین علیہ السلام کے روضوں کی زیارت کو نہ جائے، جو بھی اس حکم کی مخالفت کرے گا اس کا خون حلال سمجھا جائے گا۔ اتنا ہی نہیں بلکہ اس نے حکم دیا کہ نجف اور کربلا کی عمارتیں بالکل گرا کر زمین کے برابر کر دی جائیں۔ تمام مقبرے کھود ڈالے جائیں اور قبر امام حسین علیہ السلام کے گرد و پیش کی تمام زمین پر کھیت بودیے جائیں۔ یہ ناممکن تھا کہ زیارت کے افتناعی احکام پر اہل بیت رسول کے جان نثار اسانی کے ساتھ عمل کرنے کے لیے تیار ہو جاتے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اس سلسلہ میں ہزاروں بے گناہوں کی لاشیں خاک و خون میں تڑپتی ہوئی نظر آئیں کیا اس میں شک ہے کہ ان میں سے ہر ایک مقتول کا صدمہ امام علیہ السلام کے دل پر اتنا ہی ہوا تھا جتنا کسی اپنے ایک عزیز کے بے گناہ قتل کیے جانے کا حضرت علیہ السلام کو ہو سکتا تھا۔ پھر آپ تشدد کے ایک ایسے ماحول میں گھیر رکھے گئے تھے کہ آپ وقت کی مناسبت کے لحاظ سے ان لوگوں تک کچھ مخصوص ہدایات بھی نہیں پہنچا سکتے تھے جو ان کے لیے صحیح فرائض شرعیہ کے ذیل میں اس وقت ضروری ہوں یہ اندوہناک صورت حال ایک دو برس نہیں بلکہ متوکل کی زندگی کے آخری وقت تک برابر قائم رہی۔ اور سنیئے کہ متوکل کے دربار میں حضرت امیر المومنین علی علیہ السلام بن ابی طالب علیہ السلام کی نقلیں کی جاتی تھیں اور ان پر خود متوکل اور تمام اہل دربار ٹھٹھے لگاتے تھے۔ یہ ایسا اہانت آمیز منظر تھا کہ ایک مرتبہ خود متوکل کے بیٹے سے ہا نہ گیا۔ اس نے متوکل سے کہا کہ خیر آپ اپنی زبان سے حضرت علی علیہ السلام کے بارے میں

کچھ الفاظ استعمال کریں مگر جب آپ کو ان کا عزیز قرار دیتے ہیں تو ان کم سختوں کی زبان سے حضرت علی علیہ السلام کے خلاف ایسی باتوں کو کیونکر گوارا کرتے ہیں اس پر بجائے کچھ اثر لینے کے متوکل نے اپنے بیٹے کا فحش امیز مسخر کیا اور دو شعر نظم کر کے گانے والوں کو دیے جس میں خود اس کے فرزند کے لیے ماں کی گالی موجود تھی۔ گویا ان شعروں کو گاتے تھے اور متوکل قہقہے لگاتا تھا۔ اسی دور کا ایک واقعہ بھی کچھ کم قابل افسوس نہیں ہے ابن السکیت بغدادی علم نحو و لغت کے امام مانے جاتے تھے اور متوکل نے اپنے دو بیٹوں کی تعلیم کے لیے انھیں مقرر کیا تھا۔ ایک دن متوکل نے ان سے پوچھا کہ تمھیں میرے ان دونوں بیٹوں سے زیادہ محبت ہے یا حسن علیہ السلام و حسین علیہ السلام سے ابن السکیت محبت اہل بیت علیہ السلام رکھتے تھے اس سوال کو سن کر بیتاب ہو گئے اور انھوں نے متوکل کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بے دھرم کہہ دیا کہ حسن علیہ السلام و حسین علیہ السلام کا کیا ذکر، مجھے تو علی علیہ السلام کے غلام قبرض کے ساتھ ان دونوں سے کہیں زیادہ محبت ہے۔ اس جواب کا سننا تھا کہ متوکل غصے سے بخود ہو گیا، حکم دیا کہ ابن السکیت کی زبان گدی سے کھینچ لی جائے۔ یہی ہو اور اس طرح یہ ال، رسول کے فدائی درج شہادت پر فائز ہوئے۔ ان واقعات کا براہ راست جسمانی طور پر حضرت امام علی نقی سے تو نہ تھا مگر بخدا ان کی ہر ہر بات ایک تلوار کی دھار تھی جو گلے پر نہیں دل پر چلا کرتی تھی، متوکل کا ظالمانہ رویہ ایسا تھا جس سے کوئی بھی دور یا نزدیک کا شخص اس سے خوش یا مطمئن نہیں تھا۔ حدیث ہے کہ اس کی اولاد تک اس کی جانی دشمن ہو گئی تھی، چنانچہ اسی کے بیٹے منتصرؑ نے اس کے بڑے مخصوص غلام باغؑ رومی کو ملا کر خود متوکل ہی کی تلوار سے عین اس کی خواب گاہ میں اس کو قتل کرادیا۔ جس کے بعد خلافت کو اس ظالم انسان سے نجات ملی اور منتصرؑ کی خلافت کا اعلان ہو گیا۔ منتصرؑ نے تخت، حکومت پر بیٹھتے ہی اپنے باپ کے مشدائدہ احکام کو یلکھت منسوخ کر دیا۔ نجف اور کربلا زیارت کے لیے عام اجازت دے دی اور ان مقدس روضوں کی کسی حد تک تعمیر کرا دی۔ امام علی نقی علیہ السلام کے ساتھ بھی اس نے کسی خاص تشدد کا مظاہرہ نہیں کیا مگر منتصرؑ کی عمر طولانی نہیں ہوئی۔ وہ چھ مہینہ کے بعد دنیا سے اٹھ گیا منتصرؑ کے بعد مستعینؑ کی طرف سے امام علیہ السلام کے خلاف کسی خاص بدسلوکی کا ہر تاؤ و نظر نہیں آتا۔ امام علیہ السلام نے چونکہ مکان بنا کر مستقل قیام اختیار فرمایا تھا اس لیے یا تو خود آپ ہی نے مناسب نہ سمجھا یا پھر ان بادشاہوں کی طرف سے آپ کے مدینہ واپس جانے کو پسند نہیں کیا گیا ہو۔ بہر حال جو بھی وجہ ہو قیام آپ کا سامرہ ہی میں رہا۔ اتنے عرصے تک حکومت کی طرف سے مزاحمت نہ ہونے کی وجہ سے علوم اہلبیت علیہ السلام کے طلب گار ذرا اطمینان کے ساتھ کثیر تعداد میں آپ سے استفادہ کے لیے جمع ہونے لگے جس کی وجہ سے مستعینؑ کے بعد معتزؑ کو پھر آپ سے سر غاش پیدا ہوئی اور اس نے آپ کی زندگی ہی کا خاتمہ کر دیا۔

اخلاق و اوصاف

حضرت کی سیرت اور اخلاق و کمالات وہی تھے جو اس سلسلہ عصمت کے ہر فرد کے اپنے اپنے دور میں امتیازی طور پر مشاہدہ میں آتے رہے تھے۔ قید خانے اور نظر بندی کا عالم ہو یا آزادی کا زمانہ ہر وقت اور ہر حال میں یاد الہی، عبادت، خلق، خدا سے استغناء ثابت قدم، صبر و استقلال مصائب کے ہجوم میں ماتھے پر شکن نہ ہونا دشمنوں کے ساتھ بھی حلم و مروت سے کام لینا، محتاجوں اور ضرورت مندوں کی امداد کرنا یہی اوصاف ہیں جو امام علیہ السلام علی نقی علیہ السلام کی سیرت زندگی میں بھی نمایاں نظر آتے ہیں۔ قید کے زمانہ میں جہاں بھی آپ رہے آپ کے مصلے کے سامنے ایک قبر کھدی ہوئی تیار تھی۔ دیکھنے والوں نے جب اس پر حیرت و دہشت کا اظہار کیا تو آپ نے فرمایا میں اپنے دل میں موت کا خیال قائم رکھنے کے لیے یہ قبر اپنی نگاہوں کے سامنے تیار رکھتا ہوں۔ حقیقت میں یہ ظالم طاقت کو اس کے باطل مطالبہ اطاعت اور اس کے حقیقی تعلیمات کی نشر و اشاعت کے ترک کردینے کی خواہش کا ایک خاموش اور عملی جواب تھا۔ یعنی زیادہ سے زیادہ سلاطین وقت کے ہاتھ میں جو کچھ ہے وہ جان کا لے لینا مگر جو شخص موت کے لیے اتنا تیار ہو کہ ہر وقت کھدی ہوئی قبر اپنے سامنے رکھے وہ ظالم حکومت سے ڈر کر سر تسلیم خم کرنے پر کیونکر مجبور کیا جاسکتا ہے مگر اس کے ساتھ دنیوی سازشوں میں شرکت یا حکومت وقت کے خلاف کسی بے محل اقدام کی تیاری سے آپ کا دامن اس طرح بری رہا کہ باوجود دار سلطنت کے اندر مستقل قیام اور حکومت کے سخت ترین جاسوسی نظام کے کبھی آپ کے خلاف کوئی الزام صحیح ثابت نہیں ہو سکا اور کبھی سلاطین وقت کو کوئی دلیل آپ کے خلاف تشدد کے جواز کی نہ مل سکی باوجود یہ کہ سلطنت عباسیہ کی بنیادیں اس وقت اتنی کھوکھلی ہو رہی تھیں کہ دار السلطنت میں ہر روز ایک نئی سازش کا فتنہ کھڑا ہوتا تھا۔ متوکل سے خود اس کے بیٹے منتصرؑ کی مخالفت اور اس کے انتہائی عزیز غلام باغؑ رومی کی اس سے دشمنی، منتصرؑ کے بعد امراء حکومت کا انتشار اور آخر متوکل کے بیٹوں کو خلافت سے محروم کرنے کا فیصلہ مستعینؑ کے دور، حکومت میں یحییٰ بن عمر بن یحییٰ حسین بن زید علوی کا کوفہ میں خروج اور حسن بن زید المقلب بداعی الحق کا علاقہ، طبرستان پر قبضہ کر لینا اور مستقل سلطنت قائم کر لینا، پھر دار السلطنت میں تکی غلاموں کی بغاوت مستعینؑ کا سامرہ کو چھوڑ کر بغداد کی طرف بھاگنا اور قلعہ بند ہوجانا، آخر کو حکومت سے دستبردار پر مجبور ہونا اور کچھ عرصہ کے بعد معتزؑ باللہ کے ہاتھ سے تلوار کے گھاٹ اترا پھر معتز باللہ کے دور میں رومیوں کا مخالفانہ رویہ پر تیار رہنا، معتز باللہ کو خود اپنے بھائیوں سے خطرہ محسوس ہونا اور مویدؑ کی زندگی کا خاتمہ اور موفقؑ کا بصرہ میں قید کیا جانا۔ ان تمام ہنگامی حالات، ان تمام شورشوں، ان تمام بے چینیوں اور جھگڑوں میں سے کسی میں بھی امام علی نقی علیہ السلام کی شرکت کا شبہ تک نہ پیدا ہونا کیا اس طرز عمل کے خلاف نہیں ہے جو ایسے موقعوں پر جذبات سے کام لینے والے انسانوں کا ہوا کرتا ہے۔ ایک ایسے اقتدار کے مقابلے میں جسے نہ صرف وہ حق و انصاف کی رو سے ناجائز سمجھتے ہیں بلکہ اس کی بدولت انھیں جلاوطنی، قید اور اہانتوں کا سامنا بھی کرنا پڑا ہے مگر وہ جذبات سے بلند اور عظمت نفس کا کامل مظہر دنیوی ہنگاموں اور وقت کے اتفاقی موقعوں سے کسی طرح کا فائدہ اٹھانا اپنی بے لوث حقانیت اور کوہ سے بھی گراں صداقت کے خلاف سمجھتا ہے اور مخالف پریس پشت سے حملہ کرنے کو اپنے بلند نقطہ نگاہ اور معیار عمل کے خلاف جانتے ہوئے ہمیشہ کنارہ کش رہتا ہے۔

شہادت

معتز باللہ کے دور میں تیسری رجب 0254ھ کو سامرہ میں آپ نے رحلت فرمائی۔ اس وقت آپ کے پاس صرف آپ کے فرزند امام حسن عسکری علیہ السلام موجود تھے۔ آپ ہی نے اپنے والد بزرگوار کی تجہیز و تکفین اور نماز جنازہ کے فرائض انجام دیے اور اسی مکان میں جس میں حضرت علیہ السلام کا قیام تھا۔ ایوان خاص میں آپ کو دفن کر دیا وہیں اب آپ کا روضہ بنا ہوا ہے اور عقیدت مند زیارت سے شرف یاب ہوتے ہیں۔ [4] [5] [4]



اس مزار میں الہادی کی قبر کے ساتھ ساتھ ان کے بیٹے العسکری، ان کی بیٹی حکیمہ اور ان کی بہو نرگس کی قبریں ہیں۔

1. ^ ا ب مصنف: فرانس کا قومی کتب خانہ — عنوان : اوپن ڈیٹا پلیٹ فارم — بنام: Hādī, ‘Alī al- (828-868) — اخذ شدہ بتاریخ: 1 اگست 2022
2. "الإرشاد في معرفة حجج الله على العباد- وفاة الإمام الهادي عليه السلام"۔ books.rafed.net (بزبان عربی)۔ 23 أغسطس 2024 کو اصل سے آرکائیو کیا گیا۔ اخذ شدہ بتاریخ 24-07-2024
3. الإمام علي الهادي (http://www.al-mousa.net/1/12.htm#666) (6 آرکائیو شدہ (https://web.archive.org/web/2017090703575) http://www.al-mousa.net/1/12.htm (8/http://www.al-mousa.net/1/12.htm 2017-09-07 بذریعہ وے بیک مشین
4. ^ ا ب Bernheimer 2017
5. Hussain 1986, p. 181n83

اخذ کردہ از «https://ur.wikipedia.org/w/index.php?title=علی_نقی&oldid=9124178»



حسن بن علی عسکری
(عربی میں: **أبو محمد الحسن بن عليّ الزكي العسكري**)



معلومات شخصیت

3 دسمبر 845ء

مدینہ منورہ

1 جنوری 874ء (29 سال)

سامراء

زیر

العسکری مسجد

المعتمد علی اللہ

دولت عباسیہ

نرجس خاتون

محمد بن حسن مہدی ، سید

علی اکبر بن حسن

علی نقی

سبع دجیل ، جعفر بن علی

بادی

عملی زندگی

علی نقی

پیدائش

وفات

وجہ وفات

مدفن

قاتل

شہریت

زوجہ

اولاد

والد

بہن/بھائی

استاد

حسن ابن علی ابن محمد (عربی: الحسن بن عليّ بن مُحمَّد، تقریباً 846 – 874)، جو حسن العسکری (عربی: الحسن العسکری) کے نام سے مشہور ہیں، اسلامی نبی محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے نسل سے تھے۔ انھیں بارہ اماموں میں سے گیارہواں امام مانا جاتا ہے، جو اپنے والد امام علی نقی کے بعد امام بنے۔ امام حسن عسکری (علیہ السلام) 844 میں مدینہ میں پیدا ہوئے اور 848 میں اپنے والد کے ساتھ سامرا کے فوجی شہر میں لائے گئے، جہاں عباسی خلیفہ نے انھیں ان کی موت تک قریبی نگرانی میں رکھا، حالانکہ وہ دونوں سیاسی طور پر فعال نہیں تھے۔ امام نقی (علیہ السلام) کی موت کے بعد 868 میں، ان کے شیعہ پیروکاروں کی اکثریت نے ان کے بیٹے عسکری کو اپنا اگلا امام تسلیم کیا۔ خلیفہ نے عسکری کے شیعہ آبادی کے ساتھ رابطے کو محدود کر دیا اور اس کی بجائے انھوں نے اپنے پیروکاروں سے نمائندوں کے نیٹ ورک کے ذریعے رابطہ کیا۔ وہ 873–874 میں تقریباً اٹھائیس سال کی عمر میں سامرا میں وفات پا گئے اور اپنے والد کے ساتھ خاندانی گھر میں دفن ہوئے، جو بعد میں روضہ امام حسن عسکری (علیہ السلام) میں تبدیل ہو گیا، جو شیعہ زیارت کا ایک اہم مرکز ہے۔ شیعہ ذرائع عام طور پر عباسیوں کو عسکری اور ان کے والد کی موت کا ذمہ دار ٹھہراتے ہیں۔ قرآن کی ایک مشہور ابتدائی شیعہ تفسیر امام حسین عسکری سے منسوب ہے۔

حسن عسکری کے انتقال کے بعد امام مہدی (علیہ السلام) امام بنے مگر کچھ لوگ کے علاوہ کسی کو یہ بات پتا نہیں تھی جس کی وجہ سے شیعہ برادری میں وسیع پیمانے پر الجھن پیدا ہوئی اور یہ کئی فرقوں میں بٹ گئی، جن میں سے چند دہائیوں کے اندر سب ختم ہو گئے سوائے 12 امامی شیعہ کے۔ 12 امامی شیعوں کا ماننا ہے کہ امام عسکری کا ایک بیٹا تھا، جو عام طور پر محمد مہدی (یعنی 'صحیح طور پر ہدایت یافتہ') کے نام سے جانا جاتا ہے، جنھیں عباسیوں کے ظلم و ستم کے خوف سے عوام سے چھپایا گیا تھا۔ امام مہدی (علیہ السلام) نے اپنے والد کی وفات کے بعد امامت سنبھالی اور غیبت میں چلے گئے۔ کہا جاتا ہے کہ ان کی زندگی معجزانہ طور پر اس دن تک طویل ہو گئی ہے جب وہ خدا کے حکم سے دوبارہ ظاہر ہوں گے اور زمین کو انصاف سے بھر دیں گے۔ غیبت میں ہونے کے باوجود، امام 12 امامی عقیدے میں انسانیت کی روحانی رہنمائی کے ذمہ دار رہتے ہیں اور ان کے نیک لوگوں کے ساتھ کبھی کبھار ملاقاتوں کے شیعہ واقعات بہت زیادہ اور مقبول ہیں۔

ولادت

آپ کی ولادت بروز جمعہ 10 ربیع الثانی 232ھ مطابق 3 دسمبر 846ء کو مدینہ منورہ میں ہوئی۔^{[1][2][3][4][5]}

نشو و نما اور تربیت

بچپن کے گیارہ سال تقریباً اپنے والد بزرگوار کے ساتھ وطن میں رہے جس کے لیے کہا جا سکتا ہے کہ زمانہ اطمینان سے گزرا۔ اس کے بعد امام علی نقی علیہ السلام کو سفر عراق درپیش ہو گیا اور تمام متعلقین کے ساتھ ساتھ امام حسن عسکری علیہ السلام اسی کم سنی کے عالم میں سفر کی زحمتوں کو اٹھا کر سامرا پہنچے۔ یہاں کبھی قید کبھی آزادی، مختلف دور سے گزرتا پڑا مگر ہر حال میں آپ اپنے بزرگ مرتبہ باپ کے ساتھ ہی رہے۔ اس طرح باطنی اور ظاہری طور پر ہر حیثیت سے آپ علیہ السلام کو اپنے والد بزرگوار کی تربیت و تعلیم سے پورا پورا فائدہ اٹھانے کا موقع مل سکا۔

پیشہ امام ، الہیات دان ، انٹر پرائیڈر

زمانہ امامت

پیشہ ورانہ عربی زبان شعبہ عمل تفسیر قرآن کاربائے نمایاں تفسیر امام عسکری

254 ہجری میں آپ کی عمر بائیس برس کی تھی جب آپ کے والد بزرگوار حضرت امام علی نقی علیہ السلام کی وفات ہوئی حضرت علیہ السلام نے اپنی وفات سے چار مہینہ قبل آپ کے متعلق اپنے وصی و جانشین ہونے کا اظہار فرما کر اپنے اصحاب کی گواہیاں لے لی تھیں۔ اب امامت کی ذمہ داریاں امام حسن عسکری علیہ السلام کے متعلق جنھیں آپ باوجود شدید مشکلات اور سخت ترین ماحول کے ادا فرماتے رہے۔

سلاطین وقت اور ان کا رویہ

جیسا کہ اس سے پہلے ضمناً بیان ہوا امام حسن عسکری علیہ السلام کی یہ خصوصیت ہے کہ آپ ان تمام تکالیف اور مصائب میں بھی شریک رہے جو آپ کے والد بزرگوار کو خراسان اور نظر بندی کے ذیل میں بھی متعدد بار برداشت کرنا پڑے۔ اس کے بعد جب آپ کا دور امامت شروع ہوا ہے تو سلطنت بنی عباس کے تخت پر معتز باللہ عباسی کا قیام تھا۔ معتز کی معزول کے بعد مہدی کی سلطنت ہوئی۔ گیارہ مہینے چند روز حکومت کرنے کے بعد اس کا خاتمہ ہوا اور معتز کی حکومت قائم ہوئی، ان میں سے کوئی ایک بادشاہ بھی ایسا

نہ تھا جس کے زمانہ میں امام حسن عسکری علیہ السلام کو آرام و سکون ملتا، باوجود یہ کہ اس وقت بنی عباس بڑی سخت الجھنوں اور پیچیدگیوں میں گرفتار تھی مگر ان تمام سیاسی مسائل اور مشکلات کے ساتھ ہر حکومت نے امام حسن عسکری علیہ السلام کو قید و بند میں رکھنا سب سے زیادہ ضروری سمجھا۔ اس کا خاص سبب رسول خدا کی یہ حدیث تھی کہ میرے بعد بارہ جانشین ہوں گے اور ان میں سے آخری مہدی آخر الزمان اور قائم ال محمد ہوگا۔ یہ حدیث برابر متواتر طریقہ سے عالم اسلام میں گردش کرتی رہی تھی۔^{[7][6]}

خلفائے بنی عباس خوب جانتے تھے کہ سلسلہ ال محمد کے وہ افراد جو رسول کی صحیح جانشینی کے مصداق ہو سکتے ہیں وہ بھی افراد ہیں جن میں سے گیارہویں ہستی امام حسن عسکری علیہ السلام کی ہے اس لیے انھی کا فرزند وہ ہو سکتا ہے جس کے بارے میں رسول کی پیشین گوئی صحیح قرار پاسکے۔ لہذا کوشش یہ تھی کہ ان کی زندگی کا دنیا سے خاتمہ ہو جائے اس طرح کہ ان کا کوئی جانشین دنیا میں موجود نہ ہو۔ یہ سبب تھا کہ امام حسن عسکری علیہ السلام کے لیے اس نظر بندی پر اکتفا نہیں کی گئی جو امام علی نقی علیہ السلام کے لیے ضروری سمجھی گئی تھی بلکہ آپ کے لیے اپنے گھربار سے الگ قید تنہائی کو ضروری سمجھا گیا۔ یہ اور بات ہے کہ قدرتی انتظام کے تحت درمیان میں انقلاب سلطنت کے وقفے آپ کی قید مسلسل کے بیچ میں قری رہائی کے سامان پیدا کر دیتے تھے مگر پھر بھی جو بادشاہ تخت سلطنت پر بیٹھتا تھا وہ اپنے پیش رو کے نظریہ کے مطابق آپ کو دوبارہ قید کرنے پر تیار ہو جاتا تھا۔ اس طرح آپ کی مختصر زندگی جو دور امامت کے بعد اس کا بیشتر حصہ قید و بند ہی میں گزرا۔ اس قید کی سختی معتز کے زمانے میں بہت بڑھ گئی تھی، اگرچہ وہ قتل دیگر سلاطین کے آپ کے مرتبہ اور حقانیت سے خوب واقف تھا چنانچہ جب قحط کے موقع پر ایک مسیحی راہب کے دعوے کے ساتھ پانی برسانے کی وجہ سے مسلمانوں میں ارتداد کا فتنہ برپا ہوا اور لوگ عیسائیت کی طرف دوڑنے لگے تو مسلمانوں کو گمراہی سے بچانے کے لیے وہ امام حسن عسکری علیہ السلام ہی تھے جو قید خانے سے باہر لائے گئے، آپ نے مسلمانوں کے شکوک کو دور کر کے انھیں اسلام کے جادہ پر قائم رکھا۔ اس واقعہ کا اثر اتنا ہوا کہ اب معتز کو آپ کے پھر اسی کو قید خانے میں واپس کرنے میں نجات دامنگیر ہوئی۔ اس لیے آپ کی قید کو آپ کے گھر میں نظر بندی کے ساتھ تبدیل کر دیا گیا مگر آزادی پھر بھی نصیب نہ ہو سکی۔

سفرائی کا تقرر

ائمہ اہل بیت جس حال میں بھی ہوں ہمیشہ کسی نہ کسی صورت سے امامت کے فرائض کو انجام دیتے رہتے تھے۔ امام حسن عسکری علیہ السلام پر اتنی شدید پابندیاں عائد تھیں کہ علوم، اہل بیت علیہ السلام کے طلبکاروں اور شریعت، جعفری کے مسائل دریافت کرنے والوں کا آپ تک پہنچنا کسی صورت ممکن نہیں تھا۔ اس لیے حضرت علیہ السلام نے اپنے زمانہ میں یہ انتظام کیا کہ ایسے افراد جو امانت و دیانت نیز علمی و فقہی بصیرت کے اس درجہ حامل تھے کہ امام علیہ السلام کے محل اعتماد ہو سکیں انھیں اپنی جانب سے آپ نے نائب مقرر کر دیا تھا۔ یہ حضرات جہاں تک کہ خود اپنے واقفیت کے حدود میں دیکھتے تھے اس حد تک مسائل خود ہی بتا دیتے تھے اور وہ اہم مسائل بولنے کی دسترس سے باہر ہوتے تھے انھیں اپنے پاس محفوظ رکھتے تھے اور کسی مناسب موقع پر امام علیہ السلام کی خدمت میں رسائی حاصل کر کے ان کو حل کرا لیتے تھے کیونکہ ایک شخص کا کبھی امام علیہ السلام سے ملاقات کو اپنا حکومت کے لیے اتنا ناقابل برداشت نہیں ہو سکتا تھا جتنا کہ عوام کی جماعتوں کو مختلف اوقات میں حضرت علیہ السلام تک پہنچنا۔ انھی سفراء کے ذریعے سے ایک اہم خدمت بھی انجام پاتی جاتی تھی۔ وہ یہ کہ خمس جو حکومت، الہیہ کے نمائندہ ہونے کی حیثیت سے اس نظام حکومت کو تسلیم کرنے والے ہمیشہ ائمہ معصومین علیہ السلام کی خدمت میں پہنچاتے رہے اور ان بزرگوں کی نگرانی میں وہ ہمیشہ دینی امور کے انصرام اور سادات کی تنظیم و پرورش میں صرف ہوتا با اب وہ راز دارانہ طریقہ پر انھی نائبوں کے پاس اتنا تھا اور یہ امام علیہ السلام سے ہدایت حاصل کر کے انھیں ضروری مصارف میں صرف کرتے تھے یہ افراد اس حیثیت میں بڑے سخت امتحان کی منزل میں تھے کہ ان کو وہ وقت سلطنت وقت کے جاسوں کی سراغ رسانی کا اندیشہ رہتا تھا۔ اسی لیے عثمان بن سعید اور ان کے بیٹے ابو جعفر محمد بن عثمان نے جو امام حسن عسکری علیہ السلام کے ممتاز نائب تھے اور عین دار سلطنت بغداد میں مقیم تھے اپنے اس متعلقہ افراد کی ادرفت کو حق بجانب قرار دینے کے لیے ایک بڑی دکان روغنیت کی کھول رکھی تھی۔ اس طرح حکومت جو رکے شدید شکنجہ ظلم کے اندر بھی حکومت الہیہ کا ایسی نظام چل رہا تھا اور حکومت کا کچھ بس نہ چلتا تھا۔

اخلاق و اوصاف

آپ اسی سلسلہ عصمت کی ایک لڑی تھے جس کا ہر حلقہ انسانی کمالات کے جواہر سے مرصع تھا، علم و حلم، عفو و کرم، سخاوت و ایثار سبھی اوصاف بے مثال تھے۔ عبادت کا یہ عالم تھا کہ اس زمانے میں بھی کہ جب آپ سخت قید میں تھے معتد نے جس سے آپ کے متعلق دریافت کیا یہی معلوم ہوا کہ آپ دن بھر روزہ رکھتے ہیں اور رات بھر نمازیں پڑھتے ہیں اور سوائے ذکر الہی کے کسی سے کوئی کلام نہیں فرماتے، اگرچہ آپ کو اپنے گھر پر آزادی کے سانس لینے کا موقع بہت کم ملا۔ پھر بھی جتنے عرصہ تک قیام رہا اور دور دراز سے لوگ آپ کے فیض و عطا کے تذکرے سن کر آتے تھے اور بامراد واپس جاتے تھے۔ آپ کے اخلاق و اوصاف کی عظمت کا عوام و خواص سبھی کے دلوں پر سکھ قائم تھا۔ چنانچہ جب احمد بن عبد اللہ بن خاقان کے سامنے جو خلیفہ عباسی کی طرف سے شہر قم کے اوقات و صدقات کے شعبہ کا افسر اعلیٰ تھا سادات علوی کا تذکرہ کیا تو وہ کہنے لگا کہ مجھے کوئی حسن علیہ السلام عسکری سے زیادہ مرتبہ اور علم و درج، زہد و عبادت، وقار و ہیبت، حیاء و عفت، شرف و عزت اور قدرو منزلت میں ممتاز اور نمایاں نہیں معلوم ہوا۔ اس وقت جب امام علیہ السلام علی نقی علیہ السلام کا انتقال ہوا اور لوگ تجہیز و تکفین میں مشغول تھے تو بعض گھر کے ملازمین نے اثاث اللبیت وغیرہ میں سے کچھ چیزیں غائب کر دیں اور انھیں خبر تک نہ تھی کہ امام علیہ السلام کو اس کی اطلاع ہو جائے گی۔ جب تجہیز اور تکفین وغیرہ سے فراغت ہوئی تو آپ نے ان لوگوں کو بلایا اور فرمایا کہ جو کچھ پوچھتا ہوں اگر تم مجھ سے سچ بیان کرو گے تو میں تمھیں معاف کر دوں گا اور سزا نہ دوں گا لیکن اگر غلط بیانی سے کام لیا تو پھر میں تمھارے پاس سے سب چیزیں برآمد بھی کرالوں گا اور سزا بھی دوں گا۔ اس کے بعد آپ نے ہر ایک سے ان اشیاء کے متعلق جو اس کے پاس تھیں دریافت کیا اور جب انھوں نے سچ بیان کر دیا تو ان تمام چیزوں کو ان سے واپس لے کر آپ نے ان کو کسی قسم کی سزا نہ دی اور معاف فرمادیا۔

علمی مرکزیت

باوجود یہ کہ آپ کی عمر بہت مختصر ہوئی یعنی صرف اٹھائیس برس مگر اس محدود اور مشکلات سے بھری ہوئی زندگی میں بھی آپ کے علمی فیوض کے دریا نے بڑے بڑے بلند پایہ علماء کو سیراب ہونے کا موقع دیا نیز زمانے کے فلاسفہ کا جو دہریت اور الحاد کی تبلیغ کر رہے تھے مقابلہ فرمایا جس میں نمایاں کامیابی حاصل ہوئی۔ ان میں ایک اسحق کندی کا واقعہ یہ ہے کہ یہ شخص قرآن مجید کے آیات کے باہمی تناقض کے متعلق ایک کتاب لکھ رہا تھا۔ یہ خبر امام حسن عسکری علیہ السلام کو پہنچی اور آپ موقع کے منتظر ہو گئے۔ اتفاق سے ایک روز ابو اسحق کے کچھ شاگرد آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے فرمایا کہ تم میں کوئی اتنا سمجھدار آدمی نہیں جو اپنے استاد کندی کو اس فضول مشغلے سے روکے جو انھوں نے قرآن کے بارے میں شروع کر رکھا ہے، ان طلباء نے کہا، حضور! ہم تو ان کے شاگرد ہیں، ہم بھلا ان پر کیا اعتراض کر سکتے ہیں؟ حضرت علیہ السلام نے فرمایا! اتنا تو تم کر سکتے ہو جو کچھ باتیں میں تمھیں بتاؤں وہ تم ان کے سامنے پیش کر دو، طلباء نے کہا! جی ہاں ہم اتنا کر سکتے ہیں۔ حضرت نے کچھ ہتھیں قرآن کی جن کے متعلق باہمی اختلاف کا تو ہم۔ ہو رہا تھا پیش فرما کر ان سے کہا کہ تم اپنے استاد سے اتنا پوچھو کہ کیا ان الفاظ کے بس یہی معنی ہیں جن کے لحاظ سے وہ تناقض ثابت کر رہے ہیں اور اگر کلام، عرب کے شواہد سے دوسرے متعارف معنی کل انہیں جن کے بنا پر الفاظ قرآن میں باہم کوئی اختلافات نہ رہے تو پھر انھیں کیا حق ہے کہ وہ اپنے ذہنی خود ساختہ معنی کو مستحکم قرآنی کی طرف منسوب کر کے تناقض و اختلاف کی عمارت کھڑی کریں، اس ذیل میں آپ نے کچھ شواہد کلام عرب کے بھی ان طلباء کے ذہن نشین کرائے۔ ذہین طلباء نے وہ پوری بحث اور شواہد کے حوالے محفوظ کر لیے اور اپنے استاد کے پاس جا کر ادھر ادھر کی باتوں کے بعد یہ سوالات پیش کر دیے۔ آدمی بہر حال وہ منصف مزاج تھا اس نے طلباء کی زبانی وہ سب کچھ سنا اور کہا کہ یہ باتیں تمھاری قابلیت سے بالاتر ہیں۔ سچ بتانا کہ یہ تمھیں معلوم کہاں سے ہو ہیں پہلے تو ان طالب علموں نے چھپانا چاہا اور کہا کہ یہ چیزیں خود ہمارے ذہن میں آئی ہیں مگر جب اس نے سختی کے ساتھ انکار کیا کہ یہ ہو ہی نہیں سکتا تو انھوں نے بتایا کہ ہمیں ابو محمد، حسن عسکری علیہ السلام نے یہ باتیں بتائی ہیں یہ سن کر اس نے کہا کہ سوائے اس گھرانے کے اور کہیں سے یہ معلومات حاصل ہی نہیں ہو سکتے تھے۔ پھر اس نے آگ متکونی اور جو کچھ لکھا تھا، اندازاً اسیے کتنے ہی علمی اور دینی خدمات تھے جو خاموشی کے ساتھ انجام پارہے تھے اور حکومت وقت جو محافظت اسلام کی دعویدار تھی۔ اپنے عیش و طرب کے نشے میں مدہوش تھی یا پھر چونکتی تھی بھی تو ایسے مخلص حامی اسلام کی طرف سے اپنی سلطنت کے لیے خطرہ محسوس کر کے ان پر کچھ پابندیاں بڑھادیے جانے کے احکام نافذ کرتی تھی، مگر اس کو ہ گراں کے صبر و استقلال میں فرق نہ آیا تھا۔ جو اجماع حدیث میں محدثین اسلام نے آپ کی سند سے احادیث نقل کیے ہیں ان میں سے ایک خاص حدیث شراب خواری کے متعلق ہے جس کے الفاظ یہ ہیں کہ شارب الخمر کعابد الصنم» شراب پینے والا مثل بت پرست کے ہے۔ اس کو ابن الجوزی نے اپنی کتاب تحریم الخمر میں سند متصل کے ساتھ درج کیا ہے اور ابو نعیم فضل بن وکیل نے کہ ہے کہ یہ حدیث صحیح ثابت ہے جس کی اہلبیت علیہ السلام طاہرین نے روایت کی ہے اور صحابہ میں سے ایک گروہ نے بھی اس کی رسول خدا سے روایت کی ہے جیسے ابن عباس، ابو ہریرہ، احسان بن ثابت، سلمیٰ اور دوسرے حضرات۔ سماعی نے کتاب النساب میں لکھا ہے کہ «ابو محمد احمد بن ابراہیم بن ہاشم علوی بلاذری حافظ واعظ نے مکہ معظمہ میں امام اہل بیت ابو محمد حسن بن علی بن محمد بن علی موسیٰ الرضا علیہ السلام سے احادیث سن کر قلم بند کیے۔ ان کے علاوہ حضرت علیہ السلام کے تلامذہ میں سے چند باوقار ہستیوں کے نام درج ذیل ہیں جن میں سے بعض نے حضرت علیہ السلام کے علمی افادات کو جمع کر کے کچھ کتابیں بھی تصنیف کیں۔

1. ابو ہاشم داؤد بن قاسم جعفری سن رسیدہ عالم تھے۔ انھوں نے امام رضا علیہ السلام سے امام حسن عسکری علیہ السلام تک چار اماموں کی زیارت کی اور ان بزرگواروں سے فیوض بھی حاصل کیے وہ امام کی طرف سے نیابت کے درجہ پر فائز تھا۔
2. داؤد بن ابی زید نیشاپوری امام علی نقی علیہ السلام کے بعد امام حسن عسکری علیہ السلام کی صحبت سے شرف یاب ہوئے۔
3. ابو طاہر محمد بن علی بن بلال۔

4. ابو العباس عبد اللہ بن جعفر حمیری قمی بڑے بلند پائے عالم بہت سی کتابوں کے مصنف تھے۔ جن سے قرب السناد کتاب اس وقت تک موجود ہے اور کافی وغیرہ کے ماخذوں میں سے ہے۔
 5. محمد بن احمد جعفر قمی حضرت علیہ السلام کے خاص نائبین میں سے تھے۔
 6. جعفر بن سہیل صقیل۔ یہ بھی نائب خاص ہونے کا شرف رکھتے تھے۔
 7. محمد بن حسن صفارقمی، بڑے بلند مرتبہ کے عالم متعدد کتابوں کے مصنف ہیں جن میں سے بصائر الدرجات مشہور کتاب ہے، انہوں نے امام حسن عسکری علیہ السلام کی خدمت میں تحریر کی مسائل بھیج کر ان کے جوابات حاصل کیے۔
 8. ابو جعفر ہامنی برمکی نے امام حسن عسکری علیہ السلام سے مسائل فقہ کے جوابات حاصل کر کے کتاب مرتب کی۔
 9. ابراہیم بن ابی حفص ابو اسحاق کاتب حضرت علیہ السلام کے اصحاب میں سے ایک کتاب کے مصنف ہیں۔
 10. ابراہیم بن مہر یار مصنف کتاب البشارت۔
 11. احمد بن ابراہیم بن اسمعیل بن داؤد بن حمدان الکاتب النذیم علم لغتوادب کے مسلّم استاد تھے اور بہت سی کتابوں کے مصنف تھے، حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام سے خاص خصوصیت رکھتے تھے۔
 12. احمد بن اسحاق الاشعری ابو علی القمی بڑے پایہ کے مستند و مسلّم عالم تھے، ان کی تصانیف میں سے علل الصوم اور دیگر متعدد کتابیں تھیں۔ یہ چند نام بطور مثال درج کیے گئے ہیں اگر تمام ان افراد کا تذکرہ کیا جائے تو اس کے لیے مستقل تصنیف کی ضرورت ہے، خصوصیت کے ساتھ تفسیر قرآن میں ابو علی حسن بن خالد بن محمد بن علی برقی نے آپ کے افادیت سے ایک ضخیم کتاب لکھی جسے حقیقت میں خود حضرت علیہ السلام ہی کی تصنیف سمجھنا چاہیے یعنی حضرت علیہ السلام بولتے جاتے تھے اور وہ لکھتے جاتے تھے، علمائے لکھا ہے کہ یہ کتاب ایک سو بیس اجزا پر مشتمل تھی۔
- افسوس ہے کہ یہ علمی ذخیرہ اس وقت ہاتھوں میں موجود نہیں ہے۔ ممکن ہے وہ اسی سے ماخوذ ہوں لیکن ایک کتاب جو تفسیر امام حسن عسکری علیہ السلام کے نام سے شائع شدہ موجود ہے اگر وہ مذکورہ بالا ذخیرہ علمی سے الگ ہے۔ اس کا پتہ صرف چوتھی صدی ہجری سے چلتا ہے اور شیخ صدوق محمد بن بابو یہ قمی رحمۃ اللہ نے اس کو معتبر سمجھا ہے مگر ان کے پیش رو افراد جن سے موصوف نے اس تفسیر کو نقل کیا ہے بالکل مجہول الحال ہیں۔ بہر حال اس تفسیر کے متعلق علامہ رجال مطمئن نہیں ہیں۔ جہاں تک غور کیا جاتا ہے اس کی نسبت امام حسن عسکری علیہ السلام طرف صحیح نہیں معلوم ہوتی، ہاں بے شک آپ کا ایک طویل مکتوب اسحاق بن اسمعیل اشعری کے نام اور کافی ذخیرہ مختصر حکیمانہ مقولات اور مواعظ و تعلیمات کتاب تحف العقول میں محفوظ ہے جو اس وقت بھی اہل نظر کے لیے سرمہ چشم بصیرت ہے۔ یہ علمی کارنامے اس حالت میں ہیں جب کہ مجموعی عمر آپ کی 28 برس سے زیادہ نہ ہو سکی اور اپنے والد بزرگوار کے بعد صرف چھ برس امامت کے منصب پر فائز رہے اور وہ بھی ان مشکلات کے شکنجہ میں جن کا تذکرہ ہو چکا ہے۔

شہادت



عراق کے شہر سامرا میں امام عسکری علیہ السلام کا مزار، 2006 کے بم دھماکے سے پہلے

تقریباً اٹھائیس سال کی عمر میں، امام حسن عسکری 1 یا 8 ربیع الاول 260 ہجری (25 دسمبر 873 یا 1 جنوری 874) کو ایک ہفتے کی بیماری کے بعد وفات پا گئے۔ شیعہ اس موقع پر 8 ربیع الاول کو یاد کرتے ہیں۔ شیعہ ذرائع عام طور پر ان کی موت کو خلیفہ المعتد کی سازش سے زہر دینے کی وجہ قرار دیتے ہیں۔ بیماری کے دوران، بہت سے معروف علوی اور عباسی شخصیات نے ان کی عیادت کی اور خلیفہ نے بھی اپنے ڈاکٹروں اور خادموں کو امام کی خدمت کے لیے بھیجا۔ تاہم، چونکہ امام حسن عسکری کا کوئی واضح وارث نہیں تھا، طباطبائی کا کہنا ہے کہ خلیفہ کا مقصد امام کی نگرانی کرنا تھا اور بعد میں ان کی وفات کے بعد ان کی اولاد کی تلاش جاری رکھی۔ حسین، امیر معزی اور سجدہ بھی اسی طرح کے بیانات پیش کرتے ہیں۔

امام حسن عسکری کو ان کے والد، علی البہادی کے ساتھ ان کے خاندانی گھر میں دفن کیا گیا۔ بعد میں اس گھر کو مختلف شیعہ اور سنی سرپرستوں نے ایک بڑے مزار میں تبدیل کر دیا۔ حالیہ دور میں، ناصر الدین شاہ قاجار نے 1868-9 میں اس کمپلیکس کو دوبارہ تعمیر کرنے کا حکم دیا اور 1905 میں سنہری گنبد کا اضافہ کیا گیا۔ اس مزار میں ان کی چھوٹی، حکیمہ خاتون کی قبر بھی موجود ہے۔ شیعہ زائرین کے لیے ایک اہم مقام ہونے کی وجہ سے، اس مزار کو فروری 2006 میں بم دھماکے سے شدید نقصان پہنچا۔ 13 جون 2007 کو ایک اور حملہ ہوا جس سے مزار کے دو مینار تباہ ہو گئے۔ عراق میں حکام اس حملے کا ذمہ دار القاعدہ کو ٹھہراتے ہیں۔

جانشینی

11 ہویں شیعہ امام، امام حسن عسکری 873-874 میں اپنے بیٹے مہدی کو امام منتخب کیا اور انتقال کر گئے، مگر کچھ شیعوں کو چھوڑ کر بہت سے شیعوں کو اس کی خیر نہیں تھی جس سے وسیع پیمانے پر الجھن (حیرہ) پیدا ہوئی اور شیعہ برادری بیس فرقوں میں بٹ گئی۔ تاہم، یہ تمام فرقے سو سال کے اندر اندر ختم ہو گئے سوائے 12 امامی شیعہ کے۔ ان میں سے کچھ کا ماننا تھا کہ امامت امام عسکری کے ساتھ ختم ہو گئی اور واقفیت کا کہنا تھا کہ وہ بعد میں مہدی کے طور پر ظاہر ہوں گے۔ دوسروں نے نتیجہ اخذ کیا کہ محمد بن الہادی، امام عسکری کے ایک مروجہ بھائی، حقیقی امام تھے۔ کچھ نے امام عسکری کے ایک اور بھائی جعفر بن الہادی کی امامت کو قبول کیا، جنہوں نے اپنے والد الہادی کی وفات کے بعد خود امامت کا دعویٰ کیا تھا لیکن ناکام رہے۔ کچھ کا ماننا تھا کہ بارہویں امام آخر الزمان میں امام عسکری کی نسل سے پیدا ہوں گے۔

غیبت

وہ گروہ جو بعد میں 12 امامی شیعہ بن گیا، کا ماننا تھا کہ امام عسکری کا ایک بیٹا تھا، جس کا نام ابو القاسم محمد تھا، جو پیغمبر کا بھی نام تھا۔ تقریباً 255 ہجری (868 عیسوی) میں پیدا ہوئے، انھیں محمد المہدی (یعنی 'صحیح طور پر ہدایت یافتہ') کے نام سے بھی جانا جاتا ہے۔ عباسیوں کے ظلم و ستم کے خوف سے، محمد کو عوام سے چھپایا گیا اور ان کے وجود کا علم صرف امام عسکری کے چند قابل اعتماد ساتھیوں کو تھا۔ اپنے والد کی وفات کے بعد، کہا جاتا ہے کہ محمد نے اپنے والد کی نماز جنازہ پڑھانے کے لیے اپنی واحد عوامی ظاہری شکل دی، بجائے اپنے بچا جعفر کے۔ اس کے بعد انھیں عوامی طور پر نہیں دیکھا گیا اور ظلم و ستم کے خوف سے غیبت میں چلے گئے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ سامرا میں خاندانی گھر میں ہوا، جہاں اس وقت ایک مسجد موجود ہے، جس کے نیچے ایک تہ خانہ (سرداب) ہے جو ایک کنوئیں (بئر الغیبیہ، یعنی 'غیبت کا کنواں') کو چھپاتا ہے، جس میں کہا جاتا ہے کہ المہدی غائب ہو گئے۔

امام عسکری کی وفات کے فوراً بعد، ان کے اہم نمائندے (وکیل) عثمان العمری نے دعویٰ کیا کہ وہ غائب امام مہدی کے باب (یعنی 'دروازہ') ہیں۔ یہ شیعوں کے لیے شاید کوئی بڑی تبدیلی نہیں تھی۔ درحقیقت، دسویں اور گیارہویں امام بھی شیعوں کی اکثریت کے لیے غیبت میں ہی تھے، کیونکہ دونوں امام سامرا میں عباسی خلفاء کے زیر نگرانی تقریباً الگ تھلگ رہتے تھے۔ عثمان نے درخواستیں وصول کیں اور ان کے جوابات فراہم کیے، کبھی کبھار تحریری طور پر۔ دفتری کے مطابق، یہ جوابات عثمان کے ہاتھ سے لکھے ہوئے تھے، جبکہ حسین کا کہنا ہے کہ عثمان کی وفات کے بعد بھی لکھائی اور انداز میں کوئی تبدیلی نہیں آئی، جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ جوابات امام مہدی کے لکھے ہوئے تھے۔ حسین کے مطابق، یہ مستقل مزاجی ان کے پیروکاروں کے درمیان اس بات پر اتفاق کی جزوی وضاحت کرتی ہے کہ کب غیبت کبریٰ کا آغاز ہوا۔

عثمان نے بعد میں اپنے بیٹے ابو جعفر محمد بن عثمان کو امام مہدی کے لگے نمائندے کے طور پر متعارف کرایا۔ اس کے بعد انھوں نے ابو القاسم حسین بن روح النوبختی کو اگلا نمائندہ نامزد کیا۔ تقریباً ستر سال بعد، یہ غیبت صغریٰ (الغیبیہ الصغریٰ) کا دور ابو الحسن علی بن محمد السمری کی وفات کے ساتھ ختم ہوا، جنہیں کہا جاتا ہے کہ 329 ہجری (941 عیسوی) میں امام مہدی کی طرف سے ایک خط موصول ہوا۔ اس خط میں ابو الحسن کی چھ دن میں موت کی پیش گوئی کی گئی تھی اور غیبت کبریٰ (الغیبیہ الکبریٰ) کے آغاز کا اعلان کیا گیا تھا، جو خط کے مطابق اس وقت تک جاری رہے گی جب تک اللہ امام مہدی کو دوبارہ ظاہر ہونے کی اجازت نہیں دیتا، جب زمین ظلم و ستم سے بھر جائے گی۔ یہ بھی نوٹ کیا گیا ہے کہ ابتدائی شیعہ ذرائع میں ان نمائندوں کی تعداد چار تک محدود نہیں تھی اور مومن کا کہنا ہے کہ سابقہ وکلا کا نیٹ ورک غالباً غیبت صغریٰ کے دوران بھی کام کرتا رہا۔

حوالہ جات

1. شواہد النبوة: صفحہ 210.

2. صواعق محرقہ: صفحہ 124.

3. نورالابصار: صفحہ 110.

4. جلاء العیون: صفحہ 295.

5. نجم الحسن کراوی: چودہ ستارے، صفحہ 531. مطبوعہ لاہور، 1393ھ/ 1973ء

6. Abdullah al-Shahin. The Life of Imam 'Ali al-Hadi, Study and Analysis. Baqir Shareef Al-Qurashi. Qum: Ansariyan Publications. 6 اکتوبر 2014 کو اصل سے آرکائیو کیا گیا۔ اخذ شدہ بتاریخ 25 ستمبر 2014

7. Tehran: Islamie. Osule Kafi. Mohammad Koleini (1362). ج 1. ص 285 & 509

مراجع

- ابن طلحہ، مطالب السؤل، نجف، 1371ق، ج2، ص78؛ سبط ابن جوزی، تذکرۃ الخواص، نجف، 1383ق، ص362؛ البتہ بعض مآخذ میں یہ نام امام ہادیؑ کی والدہ کا مذکور ہوا ہے (نوبختی، فرق الشیعہ، ص93) اور بعض نے یہ نام امام زمانہ کی والدہ کا ذکر کیا ہے (ابن ابی الثلج، «تاریخ الائمہ» مجموعہ نفیسہ، قم، 1396ق، ص26)
- نوبختی، فرق الشیعہ، نجف 1355ق، ص96؛ کہا گیا ہے کہ اس کنیز کا نام عسفان تھا بعد میں امام ہادیؑ نے اس کا نام تبدیل کر کے حدیث رکھا۔
- کلینی، کافی، علی اکبر غفاری، تہران، 1391ق، ج1، ص503؛ مفید، الارشاد، قم، 1414ق، ج2، ص313
- مسعودی، اثبات الوصیہ، بیروت 1409ق، ص258
- حسین بن عبد الوہاب، عیون المعجزات، نجف 1369ق، ص123
- طبسی، حیاہ الامام العسکری، ص320-324

اخذ کردہ از «https://ur.wikipedia.org/w/index.php?title=حسن_بن_علی_عسکری&oldid=9570712»



محمد بن حسن مہدی

<https://ur.wikipedia.org/s/at8n>

محمد بن حسن یعنی امام مہدی اہل تشیع اہل سنت اور اسلام کے بہت سارے فرقوں موجودہ زمانے میں امام یعنی بارہویں اور آخری خلیفہ امام ہیں جو گیارہویں امام حسن عسکری کے بیٹے یعنی پہلے امام علی بن ابی طالب کی اولاد اہلبیت میں سے ہوں گے اور ان کا نام احمد ولد عبد اللہ ہوگا مہدی ان کا لقب ہوگا اور وہ ہمدرد رکھنے والے ہوں گے اور وہ اپنی اس محبت اور اللہ کے فضل سے پوری دنیا میں سات سے نو سال تک کی خلافت اقدار میں آکر اس دنیا کو عدل و انصاف سے بھر دیں گے

شجرہ نسب

مہدی بن حسن العسکری بن علی نقی بن محمد تقی بن علی رضا بن موسیٰ کاظم بن جعفر صادق بن محمد باقر بن علی زین العابدین بن حسین بن علی بن ابی طالب اور فاطمہ زہرا علیہم السلام اجمعین۔

ولادت

آپ کی ولادت 15 شعبان 255ھ مطابق 29 جولائی 869ء کو سامراء (موجودہ عراق) میں ہوئی اور امام حسن عسکری علیہ السلام کے بیٹے ہیں اور والدہ کا نام نرجس یا ملیکہ تھا جو قیصر روم کی نسل سے تھیں۔ ان کی پیدائش سے پہلے حاکم وقت نے ان کے قتل کا حکم دیا تھا اس لیے ان کی پیدائش کا زیادہ چرچا نہیں کیا گیا۔ حاکم وقت نے ان احادیث کو سن رکھا تھا کہ اہل بیت سے بارہ امام ہوں گے جن میں سے آخری امام مہدی علیہ السلام ہوں گے جو حکومت قائم کریں گے۔ تمام اسلامی فرقے متفق ہیں کہ ان کا نام احمد ولد عبد اللہ اور کنیت ابو القاسم ہوگی۔

آپ کی والدہ گرامی حضرت نرجس خاتون کو جنھیں دکانہ اور سوسن بھی کہا گیا ہے۔ شیخ صدوق نے غیاث سے نقل کیا ہے کہ اس نے کہا امام حسن عسکری کا جانشین جمعہ کے دن پیدا ہوا اس کی والدہ دکانہ تھیں کہ جنھیں نرجس، صبیقل اور سوسن بھی کہا جاتا تھا۔۔۔ کمال الدین و قدام النعمہ، ص ۴۳۲

القاب

ابو القاسم محمد بن حسن عسکری، جو 12 امامی اسلام میں آخری نجات دہندہ ہیں، کو کئی القابات سے جانا جاتا ہے، جن میں شامل ہیں: المہدی (یعنی 'صحیح راہنمائی کرنے والا')، القائم (یعنی 'وہ جو اٹھے گا')، المنتظر (یعنی 'منتظر')، صاحب الزمان (یعنی 'زمانے کا مالک')، الغائب (یعنی 'غائب')، الحجز/حجت اللہ (یعنی 'خدا کی دلیل')، صاحب الامر (یعنی 'معاصلے کا مالک')، صاحب الحق (یعنی 'حق کا مالک')، بقیۃ اللہ (یعنی 'خدا کی باقیات')۔^{[1][2]}

عنوان "القائم" ظلم کے خلاف اٹھنے کی نشان دہی کرتا ہے، اگرچہ چھٹے شیعہ امام، جعفر صادق سے منسوب ایک واحد حدیث اس عنوان کو القائم کے موت کے بعد اٹھنے سے جوڑتی ہے۔ چونکہ یہ ایک واحد حدیث ہے، اس لیے ماہرین اسے قابل اعتماد نہیں سمجھتے، جیسا کہ شیعہ عالم محمد باقر مجلسی (وفات 1699) لکھتے ہیں، خاص طور پر کیونکہ یہ 12 امامی عقیدے کے خلاف ہے کہ زمین کبھی امام سے خالی نہیں ہو سکتی، کیونکہ امام خدا کی حجت ہیں۔ مجلسی یہ بھی تجویز کرتے ہیں کہ اس حدیث میں موت کا مطلب مجازی ہو سکتا ہے، جو القائم کی طویل غیبت کے بعد ان کی بھولی ہوئی یادداشت کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

عبد العزیز سچدینہ کے مطابق، القائم اور صاحب الامر کے القابات کا زیادہ سیاسی زور ہے، جبکہ المہدی کا عنوان زیادہ تر آخری زمانے کے نجات دہندہ کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ دوسری طرف، حجت کا عنوان نجات دہندہ کے مذہبی کردار کو اجاگر کرتا ہے۔ درحقیقت، ہر شیعہ امام کو حجت اللہ، یعنی خدا کی (اعلیٰ) دلیل کے طور پر دیکھا جاتا ہے، جن کے ذریعے قرآن کے باطنی معانی نبی کی وفات کے بعد قابل رسائی ہوتے ہیں۔ تاہم، یہ عنوان بارہویں امام کے لیے زیادہ نمایاں ہے، ممکنہ طور پر دسویں امام، علی البہادی سے منسوب ایک حدیث کی وجہ سے۔

غیبت

اہل تشیع کے عقیدہ کے مطابق امام مہدی پیدا ہو چکے ہیں۔ وہ پانچ سال کی عمر میں غیبت میں چلے گئے مگر اپنے عمال یا نائبین کے ساتھ رابطہ رکھا۔ اس وقت کو غیبت صغریٰ کہتے ہیں۔ غیبت صغریٰ کے دوران وہ اپنے معاملات اپنے نائبین کے ذریعے چلاتے رہے۔ ایسے چار نائبین کے نام تاریخ میں ملتے ہیں۔ غیبت صغریٰ 260ھ سے 329ھ تک چلتی رہی۔ بعد میں وہ مکمل غیبت میں چلے گئے جسے غیبت کبریٰ کہتے ہیں اس دوران انھیں کوئی نہیں دیکھ سکتا اور ان کا ظہور حدیث کے مطابق آخر الزمان یا قیامت کے قریب ہوگا۔ تب تک نیک علما لوگوں کی رہنمائی کا ذریعہ ہیں۔ اس دنیا میں جب انسان پیدا ہوتا ہے تب پیدا ہونے والا ناپاک اور ناسمج ہوتا ہے لیکن اپنی مادری تربیت سے اور کتابی تعلیم پر اگر انسان غور کرے تو موجودا نظام بہت ہی الگ ہے کیوں کے چار کتاب جن کا ذکر قرآن مجید میں توبہ زور انجیل میں بی ترشہ عمل زندگی کا بیان پیار محبت اور اخلاق ہے لیکن موجودا دنیاوی نظام میں ہر ایک انسان دوسرے انسان کو بس غلت سبوت کرنے پر لگا ہوا ہے نا تو کسی درد مند کا کوئی درد محسوس کرتا ہے نا کسی غریب کی غریب کا کوئی احساس ہے دولت تو کافی جمالی ہے 45٪ لوگوں نے لیکن سکون کسی کی زندگی میں نہیں دولت مند ہونے کے باوجود کیوں وہ ساری دولت بنکوں میں جمع ہے کسی غریب بیمار کے کام نہیں آتی دولت مند انسان دولت جمع کر کے ایک دن فوت ہونے کے بعد خالی ہاتھ اس دنیا سے چلا جاتا ہے سب کچھ ادھر کا ادھر ہی رہے جاتا لیکن انسان کے اچھے اعمال اس کے ساتھ مرنے کے بعد دوسری دنیا میں اس کے کام آتے ہیں لیکن وہ عمل کسی کے کام آنے کے ہیں کسی بھوکے کو روٹی کھلانے کے ہیں کسی گنے کو کپڑا پہنانے کے ہیں کسی پیاسے کو پانی پلانے کے ہیں زندگی میں لوگوں کے ساتھ اچھے اخلاق کے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا ہر ایک عمل انسانیت کا درس دیتا ہے لیکن ہمارے ہاں تو آگے بڑھنے کی کوشش میں آج کا انسان چھوٹے بھڑے کی تمیز اور تہذیب ہی لوگ بھول گئے ہوئے ہیں

آپ سے منسوب دعا و زیارات

دعائے حمد متن ترجمہ اللّٰهُمَّ رَبَّ الْوَرَعِ الْعَظِيمِ وَ رَبَّ الْكَرَمِ الرَّفِيعِ وَ رَبَّ الْخَيْرِ الْمُسْتَوْرِ وَ مُنْزِلَ الْمَوَارَاةِ وَ الْإِنْجِيلِ وَ الرَّبُّورِ وَ رَبَّ الظُّلِّ وَ الْحُزُورِ وَ مُنْزِلَ الْقُرْآنِ [الْفَرْقَانِ] الْعَظِيمِ وَ رَبَّ الْمَلَائِكَةِ الْمُقَرَّبِينَ وَ الْأَنْبِيَاءِ [وَ] الْمُرْسَلِينَ اے معبود اے عظیم نور کے پروردگار اے بلند کرسی کے پروردگار اے موجیں مارتے سمندر کے پروردگار اور اپنے توبہ اور انجیل اور زبور کے نازل کرنے والے اور اے سایہ اور دھوپ کے پروردگار اے قرآن عظیم کے نازل کرنے والے اے مقرب فرشتوں اور فرستادہ نبیوں اور رسولوں کے پروردگار اللّٰهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ بِوَجْهِكَ [بِاسْمِكَ] الْكَرِيمِ وَ بِنُورِ وَجْهِكَ الْمُنِيرِ وَ مَلَكِ الْقَدِيرِ يَا حَيُّ يَا قَيُّوْمُ أَسْأَلُكَ بِاسْمِكَ الَّذِي أَشْرَقَتْ بِهِ السَّمَاوَاتُ وَ الْأَرْضُونَ وَ بِاسْمِكَ الَّذِي يُصْلِحُ بِهِ اللَّوْثُونَ وَ الْأَخْزُونَ اے معبود بے شک میں سوال کرتا ہوں تیری ذات کریم کے واسطے سے تیری روشن ذات کے نور کے واسطے سے اور تیری قدیم بادشاہی کے

آپ سے کئی دعا و زیارات منسوب ہیں۔ [اللہ تعالیٰ سے] دعائے حمد پر سب کے لیے پاک کتاب قرآن مجید سے حدیث کرنے اور خیریت کی تمنا کرنے والے ہوں گے [کیوں کے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث مبارک کے مطابق ان کی سیرت جو سب سے پیار محبت کرنے والی ہے اور اللہ تعالیٰ کی پاک کتاب قرآن کریم میں نیک ایمان والے مسلمانوں کے ساتھ کچھ گمراہی میں رہنے والے مسلمان فاسق مسلمان فاجر جو کم نسبت حاصل کرنے والے ہیں ان کا ذکر ہے اور کافر فاجروں کا بی ذکر ہے ان کے لیے بھی اسی کڑی کا ایک خاص سلسلہ ہے۔ اور جو لوگ ہدایت حاصل کر لیں گے وہ مسلمان ہوں گے اور دوسرے مذہب کے لوگ اللہ کے مجرم وہ ہوں گے جو پیغمبر رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت قبول نہیں کرتے وہ ان کا حالا اللہ پر چھوڑ دیں گے لیکن اگر کوئی بی انسان کسی دوسرے انسان کے ساتھ اگر کچھ غلت نقصان پہنچانے کا عمل کرے گا تو اسے جرم کی سزا ہی اس کے جرم کے مطابق عملی قانون میں لائیں گے کیوں کے حضرت علی علیہ السلام کے قانون کے مطابق سب انسان انسانیت کے مطابق ان کے مذہبی لیہاز پر مبنی قانون ہے لیکن انسانیت کی بنیاد پر سب ایک سے ہیں [3]

علامات ظہور

امام مہدی کے ظہور کی بے شمار علامات کتب اہل سنت اور اہل تشیع دونوں میں ملتی ہیں۔ ان علامات میں سے کچھ حقیقی ہیں اور کچھ غیر حقیقی۔ حقیقی علامات سے مراد وہ علامات ہیں جن کا بروایت پورا ہونا ضروری ہے۔ کچھ ان کے ظہور سے کافی پہلے وقوع پزیر ہوں گی اور کچھ ظہور کے نزدیک۔ یہاں ان میں سے کچھ درج کی جاتی ہیں۔

- سب سے مشہور علامت دجال کا خروج ہے۔ جسے مغربی مفکرین ضد مسیح (Antichrist) کہتے ہیں۔ یہ ذکر تورات میں بھی ملتا ہے۔ [4]
- سورج کا مغرب سے طلوع ہونا۔ یعنی زمین کی گردش میں فرق واقع ہونا۔
- قواعد علم نجوم و فلکیات کے برخلاف رمضان کی پہلی رات کو چاند گرہن اور پندرہ کو سورج گرہن لگے گا۔ [5]
- سفیانی کا خروج۔ یہ ابو سفیان کی اولاد سے ایک شخص ہوگا اور ماں کی طرف سے بنو کلب سے ہوگا۔ جو بے شمار لوگوں کو قتل کرے گا۔ اس کا پورا لشکر بیداء کے مقام پر زمین میں دھنس جائے گا۔ بیداء مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک جگہ ہے۔ [6][7][8]
- مشرق کی طرف سے ایک عظیم آگ کا تین یا سات روز تک جاری رہنا۔ [9]
- بغداد اور بصرہ کا تباہ ہونا۔ اور عراق پر روپے اور غلہ کی پابندی لگنا۔ [9][10]

ظہور کے بعد

- امام مہدی کا ظہور مکہ مکرمہ سے ہوگا اور لوگ رکن و مقام ابراہیم کے درمیان ان سے بیعت کریں گے۔^[10]
- حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ظہور ہوگا اور وہ امام مہدی کے پیچھے نماز پڑھیں گے۔^{[10][11][12]}
- دجال کا قتل ہوگا اور بیت المقدس فتح ہوگا۔^[10]

سالگرہ کا جشن

امام محمد مہدی کی سالگرہ ایران میں ہر سال 15 شعبان کو منائی جاتی ہے۔ سالگرہ کی شام کو، ملک بھر میں لاکھوں لوگ اس موقع کو مناتے ہیں۔ قم شہر کو روشن روشنیوں اور جھنڈوں سے سجایا جاتا ہے۔ یہ جشن اسلامی کیلنڈر پر مبنی ہوتا ہے اور ہر سال تاریخ تبدیل ہوتی رہتی ہے۔

بیرونی روابط

- مہدی اور زمانہ آخر (انگریزی) (<http://www.endoftimes.net/08mahdiandtheendtimes.html>) آرکائیو شدہ (<http://www.endoftimes.net/08mahdiandtheendtimes.html>) (غیرموجود تاریخ) بذریعہ endoftimes.net (نقص:نامعلوم آرکائیو یو آر ایل) (نقطۂ نظر: اہل سنت)
- امام مہدی علیہ السلام اہل سنت کی نظر میں (انگریزی) (<http://www.shianews.com/hi/articles/islam/0000290.php>) آرکائیو شدہ (<http://www.shianews.com/hi/articles/islam/0000290.php>) (غیرموجود تاریخ) بذریعہ shianews.com (نقص:نامعلوم آرکائیو یو آر ایل) (نقطۂ نظر: اہل تشیع)
- الامام المہدی از سید بدر عالم میرٹھی (<http://www.khatm-e-nubuwwat.org/bookpdf/zip/badar.zip>) آرکائیو شدہ (<http://www.khatm-e-nubuwwat.org/bookpdf/zip/badar.zip>) (غیرموجود تاریخ) بذریعہ khatm-e-nubuwwat.org (نقص:نامعلوم آرکائیو یو آر ایل)
- اسلام میں امام مہدی کا تصور از مولانا محمد ظفر اقبال (<http://www.khatm-e-nubuwwat.org/bookpdf/zip/islammeahdi.zip>) آرکائیو شدہ (<http://www.khatm-e-nubuwwat.org/bookpdf/zip/islammeahdi.zip>) (غیرموجود تاریخ) بذریعہ khatm-e-nubuwwat.org (نقص:نامعلوم آرکائیو یو آر ایل)
- <http://www.khatm-e-nubuwwat.org/bookpdf/zip/40hades.zip> آرکائیو شدہ (<http://www.khatm-e-nubuwwat.org/bookpdf/zip/40hades.zip>) (غیرموجود تاریخ) بذریعہ khatm-e-nubuwwat.org (نقص:نامعلوم آرکائیو یو آر ایل)
- علامات قیامت اور نزول مسیح علیہ السلام از مفتی محمد شفیع (<http://www.khatm-e-nubuwwat.org/bookpdf/zip/alamatqiamat.zip>) آرکائیو شدہ (<http://www.khatm-e-nubuwwat.org/bookpdf/zip/alamatqiamat.zip>) (غیرموجود تاریخ) بذریعہ khatm-e-nubuwwat.org (نقص:نامعلوم آرکائیو یو آر ایل)

متعلقہ مضامین

- امام مہدی علیہ السلام کے بارے میں مشاہیر کے ارشادات
- بنو ہاشم

قال بعض علماء الحديث مثل أبو القاسم محبوب الله الجبيري ، والدكتور أبو حيان عادل سعيد أن كل رواية عن مہدي، الفتن، كساء ، الحديث مثل المتعة واللحم والحبر والحديث والورق وكلها مزيفة ومزخرفة ، وقال إن البخاري والمسلم أخذوا آلاف المزيفة ، أحاديث مفسدة في مجموعاتهم.

حوالہ جات

1. Amir-Moezzi 1998
2. Momen 1985, p. 165
3. مفاتیح الجنان باب دعا یہ ہے کہ اللہ ہر انسان کو قرآن کریم سے نیک ہدایت عطا فرمائے اور نیک عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور ان کی آمد جلدی ہو تاہے سب کی زندگی عدل اور انصاف پر جائیں ہو جائے جیسے نبی پاک محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا اپنی حدیث مبارک میں اللہ ہماری یہ دعا جلد ہی قبول عطا فرمائیں آمین ثم آمین
4. صحیح مسلم۔ حدیث 7039
5. اسلام میں امام مہدی کا تصور از مولانا محمد یوسف۔ جامعہ اشرفیہ از حوالہ ابن حجر مکی
6. کتاب الفتن صفحہ 190
7. اسلام میں امام مہدی کا تصور از مولانا محمد یوسف۔ جامعہ اشرفیہ
8. سنن ابو داود۔ جلد 2 صفحہ 589
9. مستدرک الحاکم جلد 4 صفحہ 456
10. الخلیفۃ المہدی فی الاحادیث الصحیحۃ از سید حسین احمد مدنی۔
11. صحیح بخاری جلد 1 صفحہ 490
12. صحیح مسلم جلد 1 صفحہ 87

سانچے

اخذ کردہ از «https://ur.wikipedia.org/w/index.php?title=محمد_بن_حسن_مہدی&oldid=9569315»



اہل بیت جعفر بن علی



معلومات شخصیت

سنہ 840ء

تاریخ
پیدائش

سنہ 884ء (43–44 سال)

تاریخ وفات

الزکی

لقب

التواب

المصدق

علی نقی

والد

حسن بن علی عسکری

بہن/بھائی

عملی زندگی

جعفر بن علی ہادی (226ھ-271ھ) بن محمد الجواد بن علی رضا حسینی ہاشمی قرشی ان کے بھائی حسن عسکری کی وفات کے بعد، کچھ شیعوں نے ان پر شیعہ کیا تھا کیونکہ اس نے امامت کا دعویٰ کیا تھا۔ یہ اس کے بعد تھا جو اس نے حسن بن علی عسکری کے پیچھے چھوڑا تھا، یہ دعویٰ کرتے ہوئے کہ وہ اس کا قانونی وارث ہے اور یہ کہ حسن عسکری نے اپنے پیچھے کوئی بیٹا نہیں چھوڑا۔ [1]

نسب

- وہ ہیں: جعفر بن علی بن محمد بن علی بن موسیٰ بن جعفر بن محمد بن علی بن حسین بن علی بن ابی طالب بن عبد المطلب بن ہاشم بن عبد مناف بن قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر بن مالک بن قریش بن کنانہ بن خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس بن مضر بن نزار بن معد بن عدنان۔
- ان کی والدہ: سیدہ حدیثہ، وہ ایک ام ولد تھیں۔
- ان کے بھائی: حسن عسکری، محمد، حسین، موسیٰ، علی۔
- اس کے بیٹے: اسماعیل، علی اشقر، طاہر، یحییٰ صوفی، ہارون، ادیس، ابراہیم۔
- بیٹی: زینب۔

ابراہیم بن جعفر تواب کا یہاں ذکر کیا گیا ہے کہ تصدیق شدہ اور نافع کے درمیان ان کی اولاد کے زندہ رہنے میں اختلاف تھا اور لیبستی قاعدے کے مطابق تصدیق شدہ کو تردید پر فوقیت حاصل ہے اور نجانہ ان نبوی کے ایک گروہ کو بھی طاہر بن محمد بن حسن بن ابراہیم بن کے ذریعے ان کی قدیم دستاویزات کی تصحیح کے مطابق اس سے وابستہ کیا گیا ہے۔ جعفر بن علی ہادی کتاب نفع عنبرہ کے مصنف ابراہیم بن جعفر کا شمار پیروی کرنے والوں میں ہوتا تھا۔ اس نے مینات ہونے کا دعویٰ کرنے والے کا قول دودھ پلانے کی صورت میں ذکر کیا، جہاں انھوں نے کہا: (اور جعفر بن نقی کی اولاد میں سے جن کی پیروی کی جاتی ہے وہ سات ہیں: علی، ادیس، موسیٰ، ابو حسن یحییٰ، ابو جعفر محمد، ابراہیم اور العباس۔ جہاں تک ابراہیم اور عباس کا تعلق ہے، وہ نسب کے عنوان میں ابن زراق کے دعوے کے مطابق خواتین سے ملتے ہیں، اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ابراہیم بن جعفر التواب آج تک پائے جاتے ہیں اور ان کی اولادیں ہیں۔ [2]

حالات زندگی

محب الدین خطیب نے کہا: وہ ابو عبد اللہ جعفر بن علی بن محمد ہادی عسکری ہیں، اماموں نے ان پر اس لیے الزام لگایا تھا کہ اس نے اپنے بھائی کی جائداد اپنے انتقال کے بعد لے لی تھی اور اس سے انکار کیا تھا کہ ان کا کوئی بیٹا نہیں ہے۔ سنہ 271ھ میں عام شیعہ انسائیکلو پیڈیا میں کہا گیا ہے: اماموں کا دعویٰ ہے کہ انھوں نے اپنے بھائی کی وراثت کی خواہش کی اور اسی وجہ سے حسن عسکری نے اپنے بیٹے کی ولادت کی خبر کو لوگوں سے چھپایا: طوسی نے کہا: کیونکہ حسن ایک ایسے شخص کی طرح تھا جو پابندی کے تحت تھا اور اس کے والد کو اس وقت خوف لائق ہوا جب اسے معلوم ہوا اور ان کا یہ عقیدہ پھیل گیا کہ ریاستوں کو ہٹانے کا ذمہ دار بارہواں تھا اور وہ لازماً مطلوب تھا۔ اپنے بھائی جعفر کی طرح اس سے بھی ڈرتے تھے، اس لیے اس نے اسے چھپا دیا اور اس کی پیدائش پر شک کیا گیا۔ احسان الہی ظہیر نے کتاب شیعوں اور اہل

درستی [https://ur.wikipedia.org/w/index.php?title=%D8%AC%D8%B9%D9%81%D8%B1_%D8%A8%D9%86_%D8%B9%D9%84%DB%8C_%DB%81%D8%A7%D8%AF%DB%8C&action=edit](https://ur.wikipedia.org/w/index.php?title=%D8%AC%D8%B9%D9%81%D8%B1_%D8%A8%D9%86_%D8%B9%D9%84%DB%8C_%DB%81%D8%A7%D8%AF%DB%8C&action=edit&section=0) - ترمیم (on=0 <https://ur.wikipedia.org/w/index.p> [hp?title=%D8%AC%D8%B9%D9%81%D8%B1_%D8%A8%D9%86_%D8%B9%D9%84%DB%8C_%DB%81%D8%A7%D8%AF%DB%8C&veaction=edit](hp?title=%D8%AC%D8%B9%D9%81%D8%B1_%D8%A8%D9%86_%D8%B9%D9%84%DB%8C_%DB%81%D8%A7%D8%AF%DB%8C&veaction=edit))



خانہ: المفید وغیرہ میں لکھا ہے: ان کا بیٹا ان کی زندگی میں ظاہر نہیں ہوا اور اس کی وفات کے بعد عوام نے اسے پہچانا نہیں اور جعفر بن علی، ابو محمد کے بھائی نے اقتدار سنبھالا اور جعفر ظاہر نے ابو محمد کی میراث پر قبضہ کر لیا اور شیعوں میں ان کی جگہ بنانے کے لیے سخت محنت کی۔ اور شیعوں کے مقام پر اس کی جگہ لینے کے لیے سخت محنت کی، یہ بارہویں ہے، اگر ان کے پاس بارہواں تھا، لیکن انہوں نے اسے رد کیا۔ اور وہ اسے جعفر بھوٹا کہتے ہیں۔ جعفر الزکی عباسی خلیفہ جعفر متوکل سے پشیمان تھے۔۔۔ [3][4]

وفات

جعفر بن علی ہادی کی وفات سنہ 271ھ میں ہوئی اور 45 سال کی عمر میں سر من راع (سامرہ) میں اپنے والد کے گھر دفن ہوئے۔

1. "الإرشاد" ص 345 "إعلام الوری" ص 380.

2. <http://islamport.com/w/nsb/Web/499/22.htm> آرکائیو شدہ (2021-09-29) 61206/http://islamport.com/w/nsb/Web/499/22.htm وے بیک مشین

3. موقع الشيخ علي الكوراني العاملي. الإمام جعفر الصادق (عليه السلام): الفصل الخامس، رقم 2: سمّاه رسول الله (ص) جعفرًا الصادق (ع) (<http://www.alameli.net/books/?id=3056>) آرکائیو شدہ (2016-09-18) org/web/20160918005202/http://www.alameli.net/books/index.php?id=3056 وے بیک مشین

4. من هو جعفر الكذاب ، و لماذا سمي بهذا الاسم ؟ | مركز الإشعاع الإسلامي (<http://www.islam4u.com/ar/almojib/%D9%85%D9%86-%D9%87%D9%88-%D8%AC%D8%B9%D9%81%D8%B1-%D8%A7%D9%84%D9%83%D8%B0%D8%A7%D8%A8-%D8%8C-%D9%88-%D9%84%D9%85%D8%A7%D8%B0%D8%A7-%D8%B3%D9%85%D9%8A-%D8%A8%D9%87%D8%B0%D8%A7-%D8%A7%D9%84%D8%A7%D8%B3%D9%85-%D8%9F>) آرکائیو شدہ (2017-09-11) 11-09-2017 وے بیک مشین

اخذ کردہ از «https://ur.wikipedia.org/w/index.php?title=جعفر_بن_علی_ہادی&oldid=9417665»



جلال الدین جہانیاں جہاں گشت

<https://ur.wikipedia.org/s/7ii1>

مخدوم جلال الدین حصین المعروف جہانیاں جہاں گشت سلسلہ سہروردیہ کی نمایاں ترین شخصیت ہیں۔

ولادت

اُن کی ولادت باسعادت 14 شعبان المعظم 707ھ بمطابق 7 فروری 1308ء بروز جمعرات اوج میں ہوئی۔ نام نامی ان کے جد امجد کے اسم گرامی پر جلال الدین رکھا گیا لیکن عام طور پر "مخدوم جہانیاں جہاں گشت" کے نام سے معروف ہیں۔

علوم ظاہری و باطنی

علوم ظاہری کے حصول کے بعد آپ نے راہ سلوک میں قدم رکھا۔ پہلے اپنے والد احمد کبیر سے خرقہ خلافت حاصل کیا۔ دوسرا خرقہ حضرت شیخ رکن الدین سے پایا۔ ان خرقہ ہائے خلافت کے علاوہ بھی آپ نے بہت سے بزرگوں سے خرقہ حاصل کرنے کا ذکر کیا ہے جن میں شیخ قوام الدین، شیخ قطب الدین منور، شیخ نصیر الدین چراغ دہلی، شیخ عبد اللہ یافعی، شیخ عبد اللہ مطری، شیخ ابوالفتح گازرونی، شیخ امام الدین، سید حمید حسنی، شیخ شرف الدین محمود شاہ تستر، سید احمد کبیر رفاعی، شیخ نجم الدین صنعانی، شیخ نجم الدین کبری، شیخ اوحید الدین حسینی اور شیخ نور الدین شامل ہیں۔ حضرت مخدوم نے سیو سیاحت بہت فرمائی اور تقریباً تمام ممالک اسلامی میں گھوم پھر کر علمائے عظام اور صوفیائے کرام سے فیوض و برکات حاصل کیے۔ اسی لیے جہاں گشت کے لقب سے مشہور ہوئے۔ انھیں اس تمام سفر میں کم و بیش دس بارہ سال لگے ہوں گے کیونکہ وہ سات سال مکہ معظمہ اور دو سال مدینہ منورہ میں رہے۔ جن شہروں اور علاقوں میں آپ کا جانا ثابت ہے ان میں مکہ معظمہ، مدینہ منورہ، یمن، عدن، دمشق، لبنان، مدائن، شوکارہ، بصرہ، کوفہ، شیراز، تبریز، خراسان، بلخ، نیشاپور، سمرقند، گازرون، احساء، قطیف، بحرین، غزنی، ملتان، بکھر، الور، ٹھسہ اور دہلی وغیرہ شامل ہیں۔

اس دور کے بادشاہ

حضرت مخدوم جہانیاں نے سات بادشاہوں کا دور حکومت دیکھا جن میں علاؤ الدین خلجی، شہاب الدین خلجی، قطب الدین مبارک شاہ، ناصر الدین خسرو، غیاث الدین تغلق، محمد بن تغلق اور فیروز شاہ تغلق شامل ہیں۔ محمد تغلق کے عہد میں آپ شیخ الاسلام بھی مقرر ہوئے اور سیوستان کے علاقے میں چالیس خانقاہوں کا نظام آپ کے سپرد کیا گیا۔ البتہ مخدوم جہانیاں جلد ہی شیخ الاسلام کے عہدے سے سبکدوش ہو گئے اور شیخ رکن الدین کی خواب میں زیارت اور نصیحت پر عمل کرتے ہوئے حج پر تشریف لے گئے۔ فیروز شاہ تغلق سے البتہ آپ کے تعلقات بہت اچھے تھے۔ سندھ کے معاملات اور ٹھسہ کی مہم کے دوران حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت نے فیروز شاہ، جام جونہ اور جام بانجیہ کے درمیان مصالحہ کو ششوں کے والے سے اہم کردار ادا کیا۔ حضرت مخدوم ہر دوسرے تیسرے سال دہلی تشریف لے کر جاتے اور وہاں خاصے دن قیام فرماتے۔ الدرد المنظوم سے ان کے دہلی کے قیام سے متعلق کئی معلومات ہم تک پہنچی ہیں۔

رشد و ہدایت

حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت کی تمام زندگی رشد و ہدایت سے عبارت تھی۔ سفر و حضر میں تبلیغ و ارشاد کا سلسلہ جاری رہتا۔ اوج کی خانقاہ میں مریدین و طالبین کا کثیر مجمع ہوتا۔ دور دور سے طالبان علم و نظر اکتساب فیض کے لیے حاضر ہوتے۔ علما دین، مفتیان شرع اور مشائخ کرام بھی آپ کے تبحر علمی کے پیش نظر مختلف مسائل شریعت و تصوف کا حل آپ سے کراتے۔ مخدوم جہانیاں جہاں گشت پیروی شریعت و سنت کی ہمیشہ تلقین فرماتے۔ خود اتباع سنت میں شدت سے عمل پیرا رہتے۔ فرماتے کہ جو شخص گفتار و کردار و رفتار میں متبع سنت نہیں

مخدوم جہانیاں جہاں گشت



اوج میں جہانیاں جہاں گشت کا مزار

جمعرات 23 رجب 707ھ / 18 جنوری 1308ء

اوج، موجودہ بہاولپور، ضلع بہاولپور، پنجاب، پاکستان

بدھ 10 ذوالحجہ 785ھ / 3 فروری 1384ء

(76 سال 16 دن شمسی)

اوج، موجودہ بہاولپور، ضلع بہاولپور، پنجاب، پاکستان

صوفی

پیدائش

وفات

پیشہ

وہ ولی نہیں ہو سکتا۔ فرماتے تھے کہ سنت کی احتیاط ایسی کرنی چاہیے کہ موت کی حالت میں بھی سنت کی اتباع میں کمی نہ ہو۔

خلفاء و مریدین

جو خانقاہ میں رہ کر سلوک کی منازل طے کرتے اور خرقہ خلافت و اجازت حاصل کر کے سلسلہ کی اشاعت میں مشغول ہو جاتے۔ اس طریقہ کار کے توسط سے حضرت مخدوم کے خلفاء اور پھر ان کے فیض یافتگان پنجاب، سندھ، یو۔ پی، بہار، بنگال، گجرات، کاٹھیا واڑ، دکن، مدراس وغیرہ میں پھیل گئے۔ علاوہ ازیں اکثر مقامات پر حضرت مخدوم کی اولاد کا سلسلہ بھی پھیلا۔ حضرت مخدوم کسی شخص کے اسلام لانے کے بعد اس کی باحسن و بوجہ تربیت فرماتے تھے تاکہ اس شخص کی تبلیغ سے اس کا پورا قبیلہ یا پوری قوم مسلمان ہو جائے۔ آپ کے دست حق پرست پر اسلام قبول کرنے والوں میں پنجاب کے بعض اہم قبائل مثلاً لون اور کھل خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔

وفات

78 برس کی عمر میں آپ خالق حقیقی سے جا ملے، سال وفات 785ھ/1384ء ہے۔ (10 ذی الحجہ) 3 فروری کے دن، عید قربان چہار شنبہ کی نماز دو گانہ ادا کرنے کے بعد طبیعت زیادہ خراب ہو گئی اور غروب آفتاب کے ساتھ رشد و ہدایت، فلاح و خیر اور علم و فضل کا یہ آفتاب ہمیشہ کے لیے غروب ہو گیا۔ آپ کا مزار اوچ میں واقع ہے۔^[1]

حوالہ جات

1. یادگار سہروردیہ، ابو الفیض قلندر علی سہروردی، صفحہ 206، حسیب خاور سہروردی لاہور

اخذ کردہ از «https://ur.wikipedia.org/w/index.php?title=جلال_الدین_جہانیاں_جہاں_گشت&oldid=9650684»



مخدوم جہانیاں مینیاتور، گلشن شاہ جہان۔



جلال الدین سرخ پوش بخاری

https://ur.wikipedia.org/s/n5yj

سید جلال الدین حسین سرخ پوش بخاری

فائل:Hazrat Jalaluddin Hussain Bukhari.jpg

جلال الدین بخاری کا مزار

میر سرخ، میر بزرگ، مخدوم الاعظم، سرخ پوش،

حیدر ثانی جلال اعظم جلال گنج

595 ہجری (1199 عیسوی)

پیدائش

بخارا

690 ہجری (1291 عیسوی)

وفات

اچ

حسینیہ جلالیہ سہروردیہ

محترم در

آپ کے والد گرامی حضرت سید علی

مؤثر

المؤید اور حضرت بہاؤ الدین زکریا

شخصیات

ملتان

ایشیائی صوفی

متاثر

شخصیات

سید جلال الدین سرخ پوش بخاری (1192ء تا 1291ء) اچ شریف (پاکستان) میں مدفون سلسلہ سہروردیہ کے ایک مشہور صوفی بزرگ ہیں۔ جو نقوی البخاری خاندان کے بانی ہیں اور امام علی نقی الہادی علیہ السلام کی ذہبت سے ہیں اور بخارہ سے برصغیر آنے والے پہلے سید نقوی بخاری ہیں، آپ رحمہ اللہ علیہ علم و عرفان شریعت و طہارت میں یکتائے زمانہ اور فناء فی اللہ کے مقام پر فائز تھے۔ آپ رحمہ اللہ علیہ کے ہاتھ پر بہت سارے خاندان جو غیر مسلم تھے اسلام سے مشرف ہوئے۔ آپ بخارا شریف سے محکم نبی مخلص صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھکر تشریف لائے اور حضرت سید بدرالدینی نقوی باکھری رحمہ اللہ علیہ کی دو صاحبزادیوں سے یکے بعد دیگرے نکاح فرمایا۔ پھر حضرت بہاؤ الدین زکریا ملتانی رحمہ اللہ علیہ کی خدمت میں ملتان تشریف لائے اور آپ کے مکتب میں تدریس فرماتے رہے۔ آپ (حضرت سید جلال الدین حسین سرخ پوش بخاری) حضرت بہاؤ الدین زکریا ملتانی حضرت سید عثمان مروندی المعروف لعل شہباز قلندر حضرت بابا فرید الدین معصوم گنج شکر رحمہ اللہ ایک ہی جگہ ریاضت و مجاہدات فرمایا کرتے تھے۔ آپ گرمیوں میں پنجاب کے علاقوں میں تبلیغ کے لیے تشریف لے جاتے اور لوگوں کو اسلام کی روشنی سے روشناس فرماتے۔

شجرۂ نسب

جلال الدین حسین سرخ پوش بخاری رحمہ اللہ کا نسب مبارک حضرت امام علی نقی الہادی علیہ السلام سے ہوتا ہوا امام المشرق والمغرب مولیٰ کائنات اسد اللہ الغالب حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم سے ملتا ہے۔ آپ آل نبی اور اولاد علی میں سے ہیں۔ آپ کا شجرہ کچھ یوں ہے:

”جلال الدین حسین سرخ پوش بخاری بن سید علی المؤید بن سید جعفر بن سید محمد بن محمود بن احمد بن عبد اللہ بن علی اصغر (علی اشقر) بن جعفر ثانی بن امام علی نقی الہادی بن امام محمد تقی لجاد بن امام علی الرضا بن امام موسیٰ کاظم بن امام جعفر الصادق بن امام محمد الباقر بن زین العابدین السجاد بن امام حسین الشہید بن اسد اللہ الغالب امام المشرق والمغرب مولائے کائنات حضرت علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہ الکریم وعلیہم السلام [1]“

ابتدائی حالات

آپ کا نام جلال الدین تھا اور آپ یکم رمضان المبارک 595ھ کو بخارا شریف میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد ہی سے حاصل کی اور بچپن ہی سے روحانی وجوہات سے مشہور ہو گئے۔ 15 سال کی عمر میں بخارا شریف کے 1500 سے زائد مقتدر عالم آپ کے مرید مرید ہو چکے تھے۔ آپ نے سید قاسم کی بیٹی سیدہ فاطمہ سے شادی کی جن سے دو بچے سید علی اور سید جعفر پیدا ہوئے۔ بیوی کی وفات کے بعد آپ اپنے دونوں بچوں کو لے کر پہلے بھکر پھر اوچ ہجرت کر گئے۔

فاطمہ (پہلی بیوی)

جلال الدین بخاری کی پہلی بیوی سیدہ فاطمہ، سید قاسم کی بیٹی تھی۔ بخاری اور فاطمہ کے دو بچے، علی اور جعفر تھے۔ 635ھ میں، فاطمہ کی موت کے بعد، جلال الدین بخاری بھکر سے ملتان دو بیٹوں کے ساتھ منتقل ہو گئے۔

زہرہ (دوسری بیوی)

بھکر میں، بخاری نے حضرت سید صدرالدین نقوی کے بیٹے سید بدرالدین کی بیٹی بی بی طاہرہ (زہرہ) سے شادی کی۔ زہرہ اور بخاری کے دو بیٹے تھے صدرالدین محمد غوث (جو پنجاب میں منتقل ہے) اور بہاؤ الدین محمد معصوم۔ ان کی اولاد ٹھٹھہ، اوچ (دیوگڑھ) اور لاہور کے ارد گرد رہتے ہیں۔ صدرالدین محمد غوث کی بیٹی نے جہانیاں جہاں گشت سے شادی کی۔

بی بی فاطمہ حبیبہ سعیدہ (تیسری بیوی)

زہرا کی موت کے بعد، بخاری بدرالدین بھکری کی دوسری بیٹی، بی بی فاطمہ حبیبہ سعیدہ سے شادی کر لی۔ ان سے ایک بیٹا، سید احمد کبیر (احمد کبیر) تھے، جو مخدوم صدرالدین اور جنائیاں جہان گشت کے والد تھے۔ یہ تاریخ کی کتابوں کے اندر ذکر کیا جاتا ہے کہ سید صدرالدین، سید محی الدین اور سید شمس الدین جو سید بدرالدین کے بھائی تھے، اسے بخاری کو اپنی بیٹیوں کی شادی کرنے پر اعتراض کیا اور اسے بھکرے سے بخاری جلاوطن کیا؟؟؟؟ (وضاحت کی ضرورت ہے)۔

تبلیغ

آپ نے سندھ اور پنجاب میں تبلیغ کی خاطر بہت سفر کیے۔ آپ نے اپنے پڑاوا سید محمد شاہ بخاری سبز پوش سرکار رح کی تعلیمات کو آگے بڑھاتے ہوئے سومرو، چڑ، مزاری، وارن اور دیگر قبائل نے آپ کی وجہ سے اسلام قبول کیا۔ روایات کے مطابق آپ کی ملاقات چنگیز خان سے بھی ہوئی جو آپ کا مخالف تھا۔ اور اسلام قبول نہ کیا۔ آپ نے کئی شادیاں کیں جن کی وجہ سے کئی مشہور اولیاء پیدا ہوئے۔ مثلاً سید محمد غوث، جلال الدین جنائیاں جہان گشت وغیرہ۔ آپ کے پڑاوا حضرت سید محمد شاہ بخاری سبز پوش سرکار رح کی کوشش سے سندھ اور جنوبی پنجاب میں اسلام کو بہت تقویت ملی۔ اور آپ نے اپنے پڑاوا کی تبلیغ کو جاری رکھا۔

تصانیف

آپ کی مشہور تصانیف میں درج ذیل شامل ہیں:

- اخبار الاخیار
- مظہر جلالی
- ریاضۃ الاحباب
- سیار الاقطار
- سیار العارفین

ان کتابوں کے قلمی نسخے ان کی آل اولاد کے پاس ملتے ہیں جو اچ اور ملتان کے علاوہ ہندوستان و پاکستان کے دیگر شہروں میں رہتے ہیں۔

وفات

آپ کا انتقال 95 سال کی عمر میں 19 جمادی الاول 690ھ (20 مئی 1294ء) کو ہوا۔ آپ کا مزار موجودہ بہاولپور کی تحصیل اچ شریف میں ہے۔ آپ کے پڑاوا سید محمد شاہ بخاری سبز پوش سرکار رح کی وفات 611 ہجری بمطابق 1214 عیسوی کو جھنگ میں ہوئی۔ وہیں پر ان کا مزار ہے، جس کے سجادہ نشین مخدوم اعظم، مخدوم المعظم، مخدوم الملک، مرشد سائیں سرکار سردارزادہ بھگل عباس شاہ امیر التقوی البخاری دامت برکاتہم ہیں، جو پیشہ کے لحاظ سے قانون دان ہیں۔

مزید دیکھیے

- جلال الدین قریشی

حوالہ جات

1. سید ارتضیٰ علی کرمانی، سیرت پاک حضرت عثمان مروندی۔ عنوان: حضرت سید جلال سرخ بخاری رحمۃ اللہ علیہ، صفحہ 73، مطبوعہ لاہور

اخذ کردہ از «https://ur.wikipedia.org/w/index.php?title=جلال_الدین_سرخ_پوش_بخاری&oldid=10335625»



حاجی سید حفیظ علی بن سید نفیس علی

<https://ur.wikipedia.org/s/1n0u4>

حاجی سید حفیظ علی بن سید نفیس علی

حاجی سید حفیظ علی بن سید نفیس علی سادات نقوی البخاری خاندان کے اُن بزرگوں میں شمار ہوتے ہیں جنہوں نے فیروز آباد، آگرہ، لاہور اور بعد ازاں حیدرآباد، سندھ میں اپنے خاندان کے روحانی، نسبی، فقہی اور تاریخی نسل کو برقرار رکھا۔ آپ سید نفیس علی شاہ بن سید عاشق علی شاہ کے صاحبزادے تھے جبکہ آپ کا تعلق اُس تاریخی خانوادہ سادات سے تھا جو جلال الدین سرخ پوش بخاری، مخدوم جہانیاں جہاں گشت، سید سلطان جلال الدین حیدر نقوی البخاری لاہوری اور امام علی نقی علیہ السلام سے اپنا نسب بیان کرتا ہے۔^[1]

خاندانی روایات کے مطابق آپ ایک نہایت عبادت گزار، متقی، خاموش مزاج، باوقار اور اہل بیت سے گہری محبت رکھنے والی شخصیت تھے۔ آپ کی زندگی تقسیم ہند، ہجرت، غربت، فرقہ وارانہ حالات، روحانی وابستگی، تصوف، عزاداری اور خاندانی بقا کے مختلف ادوار سے گزری۔^[2]

مکمل نسب

خاندانی شجرات، مخطوطات، محفوظ نسبی روایات، گلزار جلالیہ اور تحقیقی ریکارڈ کے مطابق آپ کا نسب اس طرح بیان کیا جاتا ہے:

حاجی سید حفیظ علی بن سید نفیس علی شاہ بن سید عاشق علی شاہ بن سید شاکر علی شاہ بن سید امیر علی شاہ بن سید امیر علی شاہ بن سید حیدر شاہ بن سید حیدر شاہ بن سید قطب شاہ بن سید کبیر شاہ بن سید شرف الدین شاہ بن سید شمس الدین شاہ بن سید جانگیر شاہ بن سید یار شاہ حیدر بن سید شاہ نظام الدین بن سید زین العابدین بن سید علم الدین بن سید سلطان جلال الدین حیدر نقوی البخاری لاہوری بن سید صفی الدین بخاری بن سید نظام الدین بخاری بن سید علیم الدین بخاری بن سید جلال الدین بخاری بن سید ناصر الدین محمود بخاری بن مخدوم جہانیاں جہاں گشت بن سید احمد کبیر بن جلال الدین سرخ پوش بخاری بن سید ابوالموید علی بن سید جعفر ثالث بن سید ابوالفتح محمد بن سید محمود بن سید ابی یوسف احمد بن سید عبد اللہ بن سید علی الاشقر بن سید جعفر الرکبی بن امام علی نقی علیہ السلام بن امام محمد تقی علیہ السلام بن امام رضا علیہ السلام بن امام موسیٰ کاظم علیہ السلام بن امام جعفر صادق علیہ السلام بن امام محمد باقر علیہ السلام بن امام زین العابدین علیہ السلام بن امام حسین علیہ السلام بن امام علی علیہ السلام۔

[3]

سانحہ فیروز آباد اور یتیمی

خاندانی روایات کے مطابق سید نفیس علی شاہ اور ان کی اہلیہ فرقہ وارانہ حالات کے باعث شہید کر دیے گئے۔ اس وقت حاجی سید حفیظ علی، سید محبت علی بن سید نفیس علی اور سید امجد علی کم عمر تھے۔^[4]

روایات کے مطابق خاندان کی ایک بزرگ خاتون، جنہیں نسل میں پھوپھی اماں کہا جاتا ہے، بچوں کو راتوں رات فیروز آباد سے آگرہ لے گئیں تاکہ نسل سادات محفوظ رہ سکے۔^[5]

پھوپھی اماں

پھوپھی اماں سید عاشق علی بن سید شاکر علی شاہ کی صاحبزادی اور سید نفیس علی شاہ کی ہمیشہ تھیں۔ خاندانی روایتوں میں انہیں ایک صاحبِ حال، ملنگانہ مزاج، درویش صفت اور روحانی سیدہ خاتون کے طور پر یاد کیا جاتا ہے۔^[6]

روایتوں کے مطابق ایک بزرگ صوفی نے ان کے ہاتھ سے مشروب پیا جس کے بعد انہیں وجدانی کیفیت میں خواجہ معین الدین چشتی اور دیگر اولیائے کرام کی زیارت ہوئی۔ اس واقعے کے بعد درگاہی حلقوں میں ان کا احترام بڑھ گیا۔^[7]

آگرہ میں قیام

ابتدائی طور پر خاندان آگرہ کی ایک درگاہ کے احاطے میں مقیم رہا۔ بعد ازاں خاندان بیگ منڈی منتقل ہوا، جہاں ان کے نہیلی رشتہ دار آباد تھے۔^[8]

خاندانی روایتوں کے مطابق اسی دور میں حاجی سید حفیظ علی اور سید محبت علی بن سید نفیس علی نے اپنے آبائی روحانی ورثے، درگاہی روابط، اہل بیت سے وابستگی اور عزاداری کی روایات کو دوبارہ منظم انداز میں اپنانا شروع کیا۔^[9]

روحانی مراکز سے وابستگی

خاندانی روایات کے مطابق خاندان کے مختلف افراد درج ذیل روحانی مراکز اور مزارات سے وابستہ رہے:

- حضرت نظام الدین اولیاء کی درگاہ، دہلی
- حضرت امیر علی ابوالعلائ کی درگاہ، آگرہ
- خواجہ معین الدین چشتی کی درگاہ، اجمیر
- حضرت حاجی علی کی درگاہ، ممبئی
- قاضی نوراللہ شوشتری کا مزار، آگرہ
- اوچ شریف کے بخاری سادات کے مزارات

[10]

فقہی و روحانی شناخت

خاندانی روایات میں یہ ذکر ملتا ہے کہ خاندان کی بنیادی وابستگی اہل بیت، بارہ ائمہ اور عزاداری سے رہی۔ بعد ازاں بعض افراد نے سلسلہ قادریہ اور بریلوی حلقوں سے بھی تعلق اختیار کیا۔^[11]

محلے داروں، ہمسایہ جمعہ سادات خاندانوں اور ہجرت کے ساتھی خاندانوں کے مطابق:

”آپ کی عبارت اس طرح نظر آئے گی، واوین استعمال نہ کریں“

[12]

تقسیم ہند اور ہجرت

تقسیم ہند کے دوران آگرہ سے سادات کا ایک بڑا قافلہ پاکستان کی جانب روانہ ہوا۔ روایتوں کے مطابق اس قافلے میں تقریباً ڈیڑھ ہزار افراد شامل تھے، جن میں شیعہ سادات، بخاری سادات اور صوفی خاندانوں سے شامل تھے۔^[13]

حاجی سید حفیظ علی اور سید محبت علی بن سید نفیس علی اسی قافلے کے ساتھ لاہور کے راستے حیدرآباد، سندھ پہنچے جبکہ سید امجد علی کراچی میں آباد ہوئے۔^[14]

حیدرآباد سندھ میں قیام

خاندان نے پکا قلعہ، کچا قلعہ اور ہیرآباد کے علاقوں میں سکونت اختیار کی۔ ان علاقوں کو قدم گاہ مولا علی، سادات کی قدیم آبادی اور صوفی مراکز کے باعث خاص روحانی اہمیت حاصل تھی۔^[15]

دینی و روحانی زندگی

حاجی سید حفیظ علی کو خاندان میں ایک نیک، عبادت گزار، متقی اور دین دار شخصیت کے طور پر یاد کیا جاتا ہے۔ روایتوں کے مطابق آپ:

- تہجد کے پابند تھے
- تلاوتِ قرآن کرتے تھے
- ذکر و اذکار میں مشغول رہتے تھے
- غرباء کی مدد کرتے تھے
- اہل بیت سے گہری محبت رکھتے تھے

[16]

آپ نے حج کی سعادت بھی حاصل کی جس کے بعد خاندان میں آپ کو **حاجی** کے لقب سے یاد کیا جانے لگا۔^[17]

معاشی زندگی

ابتدائی دور میں خاندان جوہری، سونے چاندی اور زیورات کے کاروبار سے وابستہ رہا۔ بعد ازاں ناپ تول میں غلطی کے خوف سے اس شعبے کو ترک کر دیا گیا۔^[18] بعد میں خاندان نے جوتے سازی، کارخانہ داری اور ہنرمندی کے شعبے پٹنائے۔ **پکا قلعہ** میں جوتے سازی کی صنعت کے فروغ میں اس خاندان کو اہم حیثیت دی جاتی ہے۔^[19]

ازدواجی زندگی

خاندانی روایتوں کے مطابق **حاجی سید حفیظ علی** کی دو ازواج تھیں:

- سیدہ قادری خاتون
 - سیدہ خورشید خاتون
- یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ سیدہ قادری خاتون، **سید محبت علی بن سید نفیس علی** کی دونوں ازواج کی سگی بہن تھیں۔^[20]

اولاد

سیدہ قادری خاتون سے اولاد

- **سید قمر علی**
- چار صاحبزادیاں

[21]

سیدہ خورشید خاتون سے اولاد

- **سیدہ سعیدہ**
- سیدہ سعیدہ کے شوہر **سید صابر رضوی بن سید شریف رضوی لکھنوی** تھے۔^[22]

سید قمر علی

سید قمر علی کے چار بیٹے اور چھ بیٹیاں تھیں۔

بیٹے

- **سید قیصر علی**

- سید محسن علی
- سید عاصم علی
- سید فیصل علی

[23]

روایتوں کے مطابق خاندان میں سید قمر علی کے بعض فقہی اور سماجی معاملات پر اختلافات موجود رہے، جس کے باعث ان کی نسل کو مکمل شجرۂ نسب فراہم نہیں کیا گیا۔^[24]

سید سعیدہ کی نسل

سیدہ سعیدہ اور سید صابر رضوی کی اولاد میں:

- سید اصغر رضوی
- سید اکبر رضوی
- سید حیدر رضوی

شامل ہیں۔^[25]

عزاداری کی روایات

خاندانی روایتوں کے مطابق خاندان میں:

- علم عباسؑ
 - مجالس
 - نوحہ خوانی
 - تعزیه داری
 - نیاز
 - چہلم
 - محرم
 - کندیلی بھرنا
 - کھورمہ بھرنا
- نسل در نسل جاری رہا۔^[26]

کندیلی بھرنے کی رسم

9 محرم کی رات خاندان میں مخصوص انداز میں نیاز تقسیم کی جاتی تھی جسے کندیلی بھرنہ کہا جاتا تھا۔ اس رسم کو خاندان کریلا کی یاد، اہل بیتؑ سے عقیدت اور نسل در نسل منتقل ہونے والی ساداتی روایت قرار دیتا ہے۔^[27]

تصوف اور قادری سلسلہ

روایتوں کے مطابق حاجی سید حفیظ علی اور سید محبت علی بن سید نفیس علی نے سلسلہ قادریہ میں بیعت کی تھی جبکہ خاندان کا تعلق چشتیہ، جلالیہ، قلندریہ اور دیگر صوفی حلقوں سے بھی بیان کیا جاتا ہے۔^[28]

بین الاقوامی روابط

خاندانی روایتوں کے مطابق خاندان کے عرب دنیا، ایران، عراق، افغانستان اور اوچ شریف کے روحانی و علمی مراکز سے روابط رہے۔^[29]

موجودہ نسل

خاندان کی موجودہ نسل زیادہ تر:

- حیدرآباد، سندھ
- کراچی
- راولپنڈی

میں آباد ہے۔ نئی نسل کاروبار، آئی ٹی، ای کامرس، مارکیٹنگ اور دیگر شعبوں سے وابستہ ہے جبکہ دینی و روحانی حلقوں سے تعلق بھی برقرار رکھے ہوئے ہے۔^[30]

مزید دیکھیے

- سید محبت علی بن سید نفیس علی
- سید نفیس علی شاہ بن سید عاشق علی شاہ
- سید عاشق علی بن سید شاکر علی شاہ
- سید شاکر علی شاہ بن سید امیر علی شاہ
- سید امیر علی شاہ بن سید حیدر شاہ
- پھوپھی امان
- سید قمر علی
- سید امید علی
- سید اصغر رضوی
- سید اکبر رضوی
- سید حیدر رضوی
- جلال الدین سرخ پوش بخاری
- مخدوم جہانیاں جہاں گشت
- سید سلطان جلال الدین حیدر نقوی البخاری لاہوری
- امام علی نقی علیہ السلام
- امام حسین علیہ السلام
- پکا قلعہ
- حیدرآباد، سندھ
- آگرہ
- فیروز آباد
- تقسیم ہند
- گلزار جلالیہ

حوالہ جات

1. Research Publication of Family of Saadat Naqvi (<https://doi.org/10.5281/zenodo.20070090>)
2. contentReference[oaicite:0]{index=0}:
3. contentReference[oaicite:1]{index=1}:
4. contentReference[oaicite:2]{index=2}:

contentReference[oaicite:3]{index=3}: .5
 contentReference[oaicite:4]{index=4}: .6
 contentReference[oaicite:5]{index=5}: .7
 contentReference[oaicite:6]{index=6}: .8
 contentReference[oaicite:7]{index=7}: .9
 contentReference[oaicite:8]{index=8}: .10
 contentReference[oaicite:9]{index=9}: .11
 contentReference[oaicite:10]{index=10}: .12
 contentReference[oaicite:11]{index=11}: .13
 contentReference[oaicite:12]{index=12}: .14
 contentReference[oaicite:13]{index=13}: .15
 contentReference[oaicite:14]{index=14}: .16
 contentReference[oaicite:15]{index=15}: .17
 contentReference[oaicite:16]{index=16}: .18
 contentReference[oaicite:17]{index=17}: .19
 contentReference[oaicite:18]{index=18}: .20
 contentReference[oaicite:19]{index=19}: .21
 contentReference[oaicite:20]{index=20}: .22
 contentReference[oaicite:21]{index=21}: .23
 contentReference[oaicite:22]{index=22}: .24
 contentReference[oaicite:23]{index=23}: .25
 contentReference[oaicite:24]{index=24}: .26
 contentReference[oaicite:25]{index=25}: .27
 contentReference[oaicite:26]{index=26}: .28
 contentReference[oaicite:27]{index=27}: .29
 contentReference[oaicite:28]{index=28}: .30

■ گلزارِ جلالیہ

■ Research Publication of Family of Saadat Naqvi (<https://doi.org/10.5281/zenodo.20070090>)

■ Internet Archive (https://archive.org/details/@sadaat_geneology_contact)

■ Publication Scribd (<https://www.scribd.com/document/1036410911/Research>)

■ Historical Family Tree (<https://contactsadaatgeneology-lab.github.io/saadat-hyderabad-firozabadi-agra-aaleameer-aalenafees-family-tree-/>)

■ Scholars.pk (<https://scholars.pk/ur/scholar/hazrat-syed-sultan-jalaluddin-haider-soharwardi>)

اخذ کردہ از «https://ur.wikipedia.org/w/index.php?title=حاجی_سید_حفیظ_علی_بن_سید_نفیس_علی&oldid=10503569»



حضرت سید احمد شاہ بن سید عبداللہ

<https://ur.wikipedia.org/s/1n1bz>

سانچہ:خاندان معلومات

سید احمد شاہ بن سید عبداللہ سادات نقوی بخاری کے ان بزرگ اور محترم افراد میں شمار ہوتے ہیں جنہوں نے نسب، علم، روحانیت، زہد اور اہل بیت کی روایت کو محفوظ رکھنے میں اہم کردار ادا کیا۔ خاندانی روایتوں، محفوظ شجرات، قدیم نسبی مخطوطات اور معتبر کتب انساب کے مطابق آپ سید عبداللہ بن سید علی الاصغر بن جعفر الزکی کی نسل سے تھے، جبکہ بعد کے ادوار میں انہی نسلوں سے سید محمود بن سید احمد شاہ، سید محمد بخاری، سید جعفر حسینی بخاری، سید علی المعید بخاری اور جلال الدین سرخ پوش بخاری جیسی عظیم شخصیات سامنے آئیں۔^[1]

روایتوں کے مطابق سید احمد شاہ بن سید عبداللہ ان اولین سادات میں شمار ہوتے تھے جنہوں نے علمی، دعوتی اور نسبی تحفظ کے مقصد سے ماوراء النہر اور بخارا کی طرف ہجرت کی، جبکہ اسی قیام کے نتیجے میں بعد میں سادات بخاریہ کی شناخت وجود میں آئی۔^[2]

نسب

خاندانی شجرات، محفوظ عربی و فارسی نسخوں، قدیم نسبی دستاویزات، اوچ شریف کے مشجرات اور گلزار جلالیہ کے مطابق سید احمد شاہ بن سید عبداللہ کا مکمل نسب اس طرح بیان کیا جاتا ہے:

سید احمد شاہ بن سید عبداللہ بن سید عبداللہ بن سید علی الاصغر بن جعفر الزکی بن امام علی نقی بن امام محمد تقی بن امام علی رضا بن امام موسیٰ کاظم بن امام جعفر صادق بن امام محمد باقر بن امام زین العابدین بن امام حسین بن امام علی۔

[3]

بخارا کی طرف ہجرت

قدیم معتبر کتب انساب جیسے:

- عمدة الطالب
- المعقبون
- المجدی

اور خاندانی روایتوں کے مطابق سید احمد شاہ بن سید عبداللہ نے انفرادی ہجرت کے ذریعے ماوراء النہر کا رخ کیا اور بخارا کو اپنا مرکز بنایا۔^[4]

روایتوں کے مطابق ان مصادر میں آپ کے ساتھ کسی بڑے قافلے یا پورے خاندان کی اجتماعی ہجرت کا صریح ذکر نہیں ملتا، بلکہ یہ سفر زیادہ تر:

- علمی مقاصد
- دعوت دین
- نسبی تحفظ
- سیاسی دباؤ سے دوری

کے تناظر میں تھا۔^[5]

روایتوں کے مطابق عباسی دور کے بعد علوی سادات کے ہاں اس نوعیت کی انفرادی ہجرتیں عام تھیں، جن کا مقصد اہل بیت کی نسل، علمی روایت اور روحانی تشخص کا تحفظ تھا۔^[6]

بخارا میں قیام

خاندانی روایتوں کے مطابق سید احمد شاہ بن سید عبداللہ کے بخارا میں قیام نے بعد کے ادوار میں سادات بخاریہ کی بنیاد مضبوط کی۔^[7]

روایتوں کے مطابق بخارا اس دور میں:

- علم
- تصوف
- روحانی تربیت
- اہل بیت سے وابستگی

کا اہم مرکز تھا، جبکہ اسی ماحول میں آپ کی نسل نے علمی و روحانی ترقی حاصل کی۔^[8]

سیرت و مقام

خاندانی روایتوں اور تذکروں کے مطابق سید احمد شاہ بن سید عبداللہ:

- صاحب حال
- علم دوست
- متقی
- صاحب زہد
- روحانی ذوق رکھنے والے
- بزرگ تھے۔^[9]

روایتوں کے مطابق آپ کی زندگی:

- عبادت
- خدمت خلق
- روحانی تربیت
- اہل بیت کی محبت
- سے معمور تھی۔^[10]

علمی و روحانی خدمات

روایتوں کے مطابق سید احمد شاہ بن سید عبداللہ نے ابتدائی تعلیم اپنے بزرگوں سے حاصل کی، جبکہ بعد میں:

- شریعت
- طریقت
- روحانی تربیت

میں مہارت حاصل کی۔^[11]

روایتوں کے مطابق آپ کو:

- علما
- صوفیا
- اہل دل
- سادات

کے حلقوں میں احترام کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔^[12]

اولاد اور نسل

خاندانی روایتوں کے مطابق سید احمد شاہ بن سید عبداللہ کی نسل بعد کے ادوار میں:

- ترکستان
- خراسان
- ماوراء النہر
- پنجاب
- ملتان
- اوچ شریف
- ہندوستان

اور دیگر علاقوں میں پھیلی۔^[13]

روایتوں کے مطابق آپ کی نسل سے بعد میں درج ذیل شخصیات سامنے آئیں:

- سید محمود بن سید احمد شاہ
- سید محمد بخاری
- سید جعفر حسینی بخاری
- سید علی المعید بخاری
- جلال الدین سرخ پوش بخاری

[14]

فکری و اعتقادی روایت

خاندانی روایتوں کے مطابق سید احمد شاہ بن سید عبداللہ کا تعلق اس روحانی اور فکری روایت سے تھا جس میں:

- ولایت اہل بیت
- اہل بیت کی محبت
- نسبی تحفظ
- علمی روایت
- روحانی تزکیہ

کو بنیادی حیثیت حاصل تھی۔^[15]

روایتوں کے مطابق یہی روایت بعد کے ادوار میں سادات بخاریہ اور سلسلہ جلالیہ کی شناخت بنی۔^[16]

آل امیر اور آل نفیس سے تعلق

خاندانی رولہتوں کے مطابق بعد کے ادوار میں آل امیر اور آل نفیس کی شاخیں بھی اسی وسیع سادات نقوی بخاری سلسلے سے وابستہ رہیں۔^[17] رولہتوں کے مطابق یہی نسبی تسلسل آگے چل کر:

- آگرہ
- فیروز آباد
- اوچ شریف
- لاہور
- حیدرآباد سندھ
- کراچی
- اور دیگر علاقوں تک پھیلا۔^[18]

تاریخی حیثیت

اگرچہ سید احمد شاہ بن سید عبداللہ کے متعلق تفصیلی حالات زندگی محدود ہیں، تاہم:

- عمدة الطالب
- المعقبون
- المجدی
- خاندانی شجرات
- نسبی مخطوطات

میں آپ کا ذکر تسلسل، عقب اور نسبی اعتماد کے ساتھ محفوظ ہے۔^[19]

رولہتوں کے مطابق یہی امر سادات بخاریہ کے نسبی تسلسل میں آپ کی مرکزی حیثیت کو واضح کرتا ہے۔^[20]

ماخذ و مراجع

- المعقبون من آل ابی طالب از سید مہدی رجائی
- عمدة الطالب فی انساب آل ابی طالب از ابن عنبہ الحسنی
- المجدی فی انساب الطالبین از ابو الحسن العمری
- تذکرہ سادات بخاری و جلالی خانوادہ اوچ شریف
- خاندانی شجرات و مخطوطات سادات بخاریہ
- گلزار جلالیہ

مزید دیکھیے

- سید محمود بن سید احمد شاہ

- [سید محمد بخاری](#)
- [سید جعفر حسینی بخاری](#)
- [سید علی المعید بخاری](#)
- [جلال الدین سرخ پوش بخاری](#)
- [مخدوم جہانیاں جہاں گشت](#)
- [اوچ شریف](#)
- [گلزار جلالیہ](#)

توالہ جات

1. [Research Publication of Family of Saadat Naqvi \(https://doi.org/10.5281/zenodo.20070090\)](https://doi.org/10.5281/zenodo.20070090)
2. خاندانی روایات
3. خاندانی روایات و محفوظ شجرات
4. خاندانی روایات
5. خاندانی روایات
6. خاندانی روایات
7. خاندانی روایات
8. خاندانی روایات
9. خاندانی روایات
10. خاندانی روایات
11. خاندانی روایات
12. خاندانی روایات
13. خاندانی روایات
14. خاندانی روایات
15. خاندانی روایات
16. خاندانی روایات
17. خاندانی روایات
18. خاندانی روایات
19. خاندانی روایات
20. خاندانی روایات

- [Research Publication of Family of Saadat Naqvi \(https://doi.org/10.5281/zenodo.20070090\)](https://doi.org/10.5281/zenodo.20070090)
- [Internet Archive \(https://archive.org/details/@sadaat_geneology_contact\)](https://archive.org/details/@sadaat_geneology_contact)
- خاندانی روایات و محفوظ شجرات

اخذ کردہ از «https://ur.wikipedia.org/w/index.php?title=سید_احمد_شاه_بن_سید_عبدالله&oldid=10503409»



حضرت سید جعفر حسینی بخاری

<https://ur.wikipedia.org/s/1n1bb>

سانچہ:خاندان معلومات

سید جعفر حسینی بخاری سادات نقوی بخاری کے ان معزز اور باوقار بزرگوں میں شمار ہوتے ہیں جن کا نسب امام علی نقی کے ذریعے امام حسین تک پہنچتا ہے۔ خاندانی رولہتوں، محفوظ شجرات، قدیم مخطوطات اور معتبر کتب انساب کے مطابق آپ سادات بخاریہ کے اس علوی خاندان سے تعلق رکھتے تھے جس نے نسل در نسل علمی، روحانی اور لسانی وقار کو محفوظ رکھا۔^[1]

رولہتوں کے مطابق سید جعفر حسینی بخاری نہایت نجیب، متقی، صاحب وقار اور اہل بیت سے گہری وابستگی رکھنے والے بزرگ تھے، جبکہ آپ کو خصوصاً سید علی المعید بخاری کے والد اور جلال الدین سرخ پوش بخاری کے جد امجد کی حیثیت سے غیر معمولی اہمیت حاصل ہے۔^[2]

نسب

خاندانی شجرات، محفوظ عربی و فارسی نسخوں، قدیم نسبی دستاویزات اور گلزار جلالیہ کے مطابق سید جعفر حسینی بخاری کا مکمل نسب اس طرح بیان کیا جاتا ہے:

سید جعفر حسینی بخاری بن سید محمد بخاری بن سید محمود بخاری بن سید احمد شاہ بن سید عبد اللہ بن سید علی الاصر بن امام جعفر ثانی بن امام علی نقی بن امام محمد تقی بن امام علی رضا بن امام موسی کاظم بن امام جعفر صادق بن امام محمد باقر بن امام زین العابدین بن امام حسین بن امام علی۔

[3]

خاندانی پس منظر

خاندانی رولہتوں کے مطابق سید جعفر حسینی بخاری اس ساداتی خاندان سے تعلق رکھتے تھے جس نے:

- بخارا
- ماوراء النہر
- خراسان

اور بعد کے ادوار میں برصغیر کے مختلف علاقوں میں علمی، روحانی اور لسانی رولہت کو محفوظ رکھا۔^[4]

رولہتوں کے مطابق یہ خاندان عباسی دور کے بعد اہل بیت کی نسل، علمی رولہت اور روحانی شناخت کے تحفظ کے لیے بخارا میں مقیم ہوا، جس کی نسبت سے بعد میں بخاری شناخت مشہور ہوئی۔^[5]

سیرت و کردار

رولہتوں کے مطابق سید جعفر حسینی بخاری نہایت:

- متقی
- باوقار
- صاحب دیانت

- نجیب
- خاموش مزاج
- بزرگ تھے۔^[6]

اگرچہ آپ کے متعلق تفصیلی تاریخی تذکرے محدود ہیں، تاہم رولہتوں کے مطابق آپ نے سادات بخاریہ کی:

- دینی روایت
 - نسبی وقار
 - اہل بیت سے وابستگی
 - خاندانی نظم
- کو محفوظ رکھنے میں اہم کردار ادا کیا۔^[7]

سید علی المعید بخاری کی تربیت

خاندانی رولہتوں کے مطابق سید جعفر حسینی بخاری نے اپنے فرزند سید علی المعید بخاری کی علمی، اخلاقی اور روحانی تربیت کی۔^[8]

رولہتوں کے مطابق یہی تربیت بعد میں جلال الدین سرخ پوش بخاری کے روحانی و فکری سفر کی بنیاد بنی، جبکہ انہی نسلوں سے بعد کے ادوار میں سادات بخاریہ کی متعدد معروف شاخیں وجود میں آئیں۔^[9]

فکری و اعتقادی رولیت

خاندانی رولہتوں کے مطابق سید جعفر حسینی بخاری کا تعلق اس روحانی اور فکری رولیت سے تھا جس میں:

- اہل بیت کی محبت
 - ولایت
 - علمی روایت
 - نسبی تحفظ
 - دینی وقار
- کو مرکزی حیثیت حاصل تھی۔^[10]

رولہتوں کے مطابق یہی رولیت بعد کے ادوار میں سادات بخاریہ اور سلسلہ جلالیہ کی بنیادی شناخت بنی۔^[11]

سادات بخاریہ اور بعد کی نسلیں

خاندانی رولہتوں کے مطابق سید جعفر حسینی بخاری کی نسل بعد کے ادوار میں:

- سادات بخاریہ
- سادات جلالیہ
- سادات نقویہ

اور متعدد روحانی خانوادوں کی بنیاد بنی۔^[12]

بعد میں انہی نسلوں سے:

- جلال الدین سرخ پوش بخاری
 - سید سلطان احمد کبیر
 - مخدوم جہانیاں جہاں گشت
 - سید محمود نر ناصرالدین نقوی البخاری
 - سید صفی الدین
 - سید محمد موج دریا بخاری
- جیسی معروف شخصیات سامنے آئیں۔^[13]

آل امیر اور آل نفیس سے تعلق

خاندانی رولہتوں کے مطابق بعد کے ادوار میں آل امیر اور آل نفیس کی شاخیں بھی اسی وسیع سادات نقوی بخاری سلسلے سے وابستہ رہیں۔^[14]

رولہتوں کے مطابق یہی نسبی تسلسل آگے چل کر:

- آگرہ
 - فیروز آباد
 - اوچ شریف
 - لاہور
 - حیدرآباد سندھ
 - کراچی
- اور برصغیر کے دیگر علاقوں تک پھیلا۔^[15]

تاریخی حیثیت

اگرچہ سید جعفر حسینی بخاری کے متعلق مستقل تفصیلی تصنیفات کم دستیاب ہیں، تاہم:

- خاندانی شجرات
 - قدیم نسبی مخطوطات
 - مرآۃ جلالی
 - تذکرہ جاتی روایتیں
 - سادات بخاریہ کے محفوظ مشجرات
- میں آپ کا نام ایک اہم، قطعی اور مسلم نسبی واسطہ کے طور پر محفوظ ہے۔^[16]
- رولہتوں کے مطابق آپ کی اصل اہمیت:

- سادات بخاریہ کے تسلسل
- نسبی تحفظ
- اہل بیت کی روایت
- خاندانی استحکام

مزید دیکھیے

- سید علی المعید بخاری
- جلال الدین سرخ پوش بخاری
- سید سلطان احمد کبیر
- مخدوم جہانیاں جہاں گشت
- سید محمود نر ناصرالدین نقوی البخاری
- اوچ شریف
- گلزار جلالیہ

حوالہ جات

1. [Research Publication of Family of Saadat Naqvi \(https://doi.org/10.5281/zenodo.20070090\)](https://doi.org/10.5281/zenodo.20070090)
2. خاندانی روایات
3. خاندانی روایات و محفوظ شجرات
4. خاندانی روایات
5. خاندانی روایات
6. خاندانی روایات
7. خاندانی روایات
8. خاندانی روایات
9. خاندانی روایات
10. خاندانی روایات
11. خاندانی روایات
12. خاندانی روایات
13. خاندانی روایات
14. خاندانی روایات
15. خاندانی روایات
16. خاندانی روایات
17. خاندانی روایات

- گلزار جلالیہ

- [Research Publication of Family of Saadat Naqvi \(https://doi.org/10.5281/zenodo.20070090\)](https://doi.org/10.5281/zenodo.20070090)
- [Internet Archive \(https://archive.org/details/@sadaat_geneology_contact\)](https://archive.org/details/@sadaat_geneology_contact)
- خاندانی روایات و محفوظ شجرات

اخذ کردہ از «https://ur.wikipedia.org/w/index.php?title=حضرت_سید_جعفر_حسینی_بخاری&oldid=10503426»



حضرت سید جلال الدین بن سید علم الدین بخاری

<https://ur.wikipedia.org/s/1n19c>

سانچہ:خاندان معلومات

سید جلال الدین بن سید علم الدین بخاری سادات نقوی بخاری اور سادات جلالیہ کے ان باوقار بزرگوں میں شمار ہوتے ہیں جن کا تعلق خانوادہ جلالیہ بخاریہ سے تھا۔ خاندانی رولہتوں، محفوظ شجرات، تذکروں اور نسبی دستاویزات کے مطابق آپ نے اپنی زندگی دینی و روحانی خدمات، تعلیم و تربیت، رشد و ہدایت اور خاندانی رولہت کے تحفظ میں بسر کی۔^[1]

رولہتوں کے مطابق سید جلال الدین بن سید علم الدین بخاری اوج شریف کے علمی و روحانی ماحول میں پرورش پانے والے ان بزرگوں میں شمار ہوتے تھے جنہوں نے اہل بیت کی تعلیمات، تصوف، اصلاحی دعوت اور خاندانی وقار کو نسل در نسل منتقل کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔^[2]

نسب و تعلق

سید جلال الدین بن سید علم الدین بخاری کا تعلق مشہور خانوادہ جلالیہ سادات بخاریہ سے تھا، جبکہ آپ کا سلسلہ نسب امام علی نقی کے ذریعے امام حسین تک پہنچتا ہے۔^[3]

خاندانی شجرات، محفوظ عربی و فارسی نسخوں، اوج شریف کے مشاہرات، گلزار جلالیہ اور نسبی دستاویزات کے مطابق آپ کا مکمل نسب اس طرح بیان کیا جاتا ہے:

سید جلال الدین بن سید علم الدین بخاری بن سید علم الدین بن سید ناصر الدین محمود بخاری بن مخدوم جانیایں جاں گشت بن سید احمد کبیر بن جلال الدین سرخ پوش بخاری بن سید ابوالموید علی بن سید جعفر ثالث بن سید ابوالفتح محمد بن سید محمود بن سید ابی یوسف احمد بن سید عبد اللہ بن سید علی الاشرق بن سید جعفر الرکی بن امام علی نقی بن امام محمد نقی بن امام علی رضا بن امام موسی کاظم بن امام جعفر صادق بن امام محمد باقر بن امام زین العابدین بن امام حسین بن امام علی۔

[4]

سیرت و احوال

خاندانی رولہتوں کے مطابق سید جلال الدین بن سید علم الدین بخاری کی زندگی کا بڑا حصہ:

- دینی خدمات
- روحانی تربیت
- تعلیم و تبلیغ
- رشد و ہدایت
- اصلاحی سرگرمیوں

کے لیے وقف رہا۔^[5]

رولہتوں کے مطابق آپ کے والد سید علم الدین اور خانوادہ جلالیہ کے اکابر کی روحانی تربیت اور علمی ماحول نے آپ کی شخصیت کی تشکیل میں اہم کردار ادا کیا، جس کے باعث آپ ایک:

- صاحب عرفان بزرگ
- دینی شخصیت
- اہل بیت کی تعلیمات کے وارث
- اصلاحی مزاج رکھنے والے بزرگ

کے طور پر جانے گئے۔^[6]

اوچ شریف کے علمی و روحانی ماحول میں تربیت پاتے ہوئے آپ نے اپنے والد اور دیگر بزرگوں کے ساتھ تبلیغی، اصلاحی اور دینی سرگرمیوں میں حصہ لیا، جبکہ سادات بخاریہ کی روایت کو علمی و اخلاقی بنیادوں پر آگے بڑھایا۔^[7]

فکری و روحانی پس منظر

خاندانی روایتوں کے مطابق سید جلال الدین بن سید علم الدین بخاری کا تعلق اس دور سے تھا جب سادات بخاریہ میں اہل بیت سے وابستگی، تصوف اور ولایت اہل بیت کا رجحان نمایاں تھا۔^[8]

روایتوں کے مطابق اس زمانے میں:

- اہل بیت کی محبت
- واقعہ کربلا کی یاد
- دینی وقار
- روحانی تربیت
- خاندانی روایت
- کو بنیادی حیثیت حاصل تھی۔^[9]

اسی طرح سید جلال الدین بن سید علم الدین بخاری کو ان بزرگوں میں شمار کیا جاتا ہے جنہوں نے:

- شریعت
- تصوف
- اہل بیت کی محبت
- ساداتی وقار
- کو باہم مربوط رکھا۔^[10]

اولاد

خاندانی روایتوں، قدیم شجرات اور نسبی تذکروں کے مطابق سید جلال الدین بن سید علم الدین بخاری کے چار صاحبزادے تھے:

- سید علیم الدین
- حاجی سید عبد العزیز
- سید منور
- سید موسیٰ

^[11]

روایتوں کے مطابق یہ تمام حضرات اپنے وقت میں:

- علم
- دیانت
- خاندانی وجاہت
- دینی خدمات

کے والے سے معروف سمجھے جاتے تھے۔^[12]

اولاد سید علم الدین

خاندانی شجروں اور نسبی روایتوں کے مطابق سید علم الدین کے صاحبزادگان درج ذیل تھے:

- سید نظام الدین بخاری
- سید فرید الدین ابو الفتح
- سید میراں محمد شاہ

[13]

روایتوں کے مطابق یہ شاخ بعد کے ادوار میں علمی، روحانی اور خاندانی خدمات کے باعث مختلف علاقوں میں معروف ہوئی۔^[14]

اولاد سید منور

خاندانی روایتوں کے مطابق سید منور کے صاحبزادے:

- سید احمد

تھے۔^[15]

اولاد سید موسیٰ

خاندانی روایتوں کے مطابق سید موسیٰ کے صاحبزادے:

- سید یحییٰ

تھے۔^[16]

نسلی پھیلاؤ

خاندانی روایتوں اور محفوظ نسبی دستاویزات کے مطابق سید جلال الدین بن سید علم الدین بخاری کی نسل بعد کے مختلف ادوار میں برصغیر کے متعدد علاقوں میں پھیلی، جن میں خصوصاً:

- گجرات
- اتر پردیش
- جھنگ
- ملتان
- اوچ شریف
- قلعہ دیورہ

شامل ہیں۔^[17]

ان علاقوں میں یہ خاندان بعد کے ادوار میں سادات جلالیہ کے نام سے پہچانا جانے لگا اور متعدد مقامات پر بزرگ خاندان کی حیثیت رکھتا رہا۔^[18]

تاریخی حیثیت

اگرچہ سید جلال الدین بن سید علم الدین بخاری کے حالات زندگی تفصیلی تاریخی کتب میں محدود انداز میں محفوظ رہے، تاہم:

- خاندانی شجرات
- نسبی دستاویزات
- اوچ شریف کے مشجرات
- تذکرہ جاتی روایتیں
- سادات بخاریہ کی محفوظ روایات
- میں آپ کا نام مسلسل موجود ہے۔^[19]

روایتوں کے مطابق آپ کی اہمیت خصوصاً:

- سادات جلالیہ کے نسبی تسلسل
- علمی روایت
- روحانی تربیت
- خاندانی نظم
- کے استحکام میں نمایاں سمجھی جاتی ہے۔^[20]

ماخذ و مراجع

- شجرہ نسب بخاریہ نقوی، اوچ شریف
- تذکرہ مخدوم جہانیاں جہاں گشت
- تذکرہ اولیائے جہانیاں
- تصویری نسبی دستاویزات
- موجود مشجرات
- بحر المطالب فی انساب آل ابی طالب از سید کرم حسین بخاری اوچوی

مزید دیکھیے

- سید علم الدین
- سید علیم الدین
- سید نظام الدین بخاری
- سید صفی الدین
- سید محمد موج دریا بخاری
- سید سلطان جلال الدین حیدر نقوی البخاری لاہوری
- جلال الدین سرخ پوش بخاری
- مخدوم جہانیاں جہاں گشت
- اوچ شریف

حوالہ جات

1. Research Publication of Family of Saadat Naqvi (<https://doi.org/10.5281/zenodo.20070090>)
2. خاندانی روایات
3. خاندانی روایات
4. خاندانی روایات و محفوظ شجرات
5. خاندانی روایات
6. خاندانی روایات
7. خاندانی روایات
8. خاندانی روایات
9. خاندانی روایات
10. خاندانی روایات
11. خاندانی روایات
12. خاندانی روایات
13. خاندانی روایات
14. خاندانی روایات
15. خاندانی روایات
16. خاندانی روایات
17. خاندانی روایات
18. خاندانی روایات
19. خاندانی روایات
20. خاندانی روایات

■ گلزار جلالیہ

■ Research Publication of Family of Saadat Naqvi (<https://doi.org/10.5281/zenodo.20070090>)■ Internet Archive (https://archive.org/details/@sadaat_genealogy_contact)

■ خاندانی روایات و محفوظ شجرات

اخذ کردہ از «https://ur.wikipedia.org/w/index.php?title=حضرت_سید_جلال_الدین_بن_سید_علم_الدین_بخاری&oldid=10503464»

حوالہ جات

آپ بیتی اور سفرنامہ

سانچہ:خاندان معلومات

سید سلطان احمد کبیر بن سید جلال الدین سرخ پوش نقوی بخاری سادات نقوی بخاری، سلسلہ جلالیہ اور برصغیر کے ممتاز روحانی بزرگوں میں شمار ہوتے ہیں۔ آپ جلال الدین سرخ پوش بخاری کے فرزند، روحانی جانشین، صاحب سلوک بزرگ اور دینی و اصلاحی خدمات انجام دینے والی شخصیات میں شامل تھے۔ خاندانی رولتوں، محفوظ شجرات، تذکروں اور لمبی دستاویزات کے مطابق آپ نے اپنی زندگی عبادت، تبلیغ دین، اصلاح معاشرہ، روحانی تربیت اور اہل بیت کی تعلیمات کے فروغ میں بسر کی۔^[1]

کے مطابق سید سلطان احمد کبیر ان اکابر سادات میں شمار ہوتے تھے جنہوں نے اہل بیت کی اعتقادی، علمی، اخلاقی اور نسبی روایت کو منظم انداز میں آگے بڑھایا، جبکہ بعد کے ادوار میں انہی کی نسل سے سادات جلالیہ، سادات بخاریہ اور مختلف روحانی خاندانوں کا وجود پیدا ہوا۔^[21]

نسب و تعارف

خاندانی شجرات، محفوظ عربی و فارسی نسخوں، قدیم نسبی کتابوں، اوچ شریف کے مشہرات اور گلزار جلالیہ کے مطابق سید سلطان احمد کبیر کا مکمل نسب اس طرح بیان کیا جاتا ہے:

سید سلطان احمد کبیر بن جلال الدین سرخ پوش بخاری بن سید علی الموید بن سید جلال الدین قتال بن سید شباب الدین بن سید علی اصغر بن امام جعفر ثانی بن امام علی نقی بن امام محمد تقی بن امام علی رضا بن امام موسی کاظم بن امام جعفر صادق بن امام محمد باقر بن امام زین العابدین بن امام حسین بن امام علی۔

[3]

والدین

[4] جتھیں برصغیر میں سادات بخاریہ اور سلسلہ جلالیہ کے بانی بزرگوں میں شمار کیا جاتا ہے۔

آپ کی والدہ سیدہ حبیبہ سعیدہ تھیں، جو بدر الدین بھاکری کے خاوادے سے تعلق رکھتی تھیں۔ بعض روایتوں میں ان کا نام بی بی فاطمہ حبیبہ سعیدہ بھی ذکر کیا گیا ہے۔ [5]

پیدائش و ابتدائی زندگی

روایتوں کے مطابق سید سلطان احمد کبیر کی ولادت بخارا میں ہوئی۔ آپ کی ابتدائی تعلیم و تربیت آپ کے والد جلال الدین سرخ پوش بخاری کی نگرانی میں ہوئی۔^[6] بچپن ہی سے آپ کی شخصیت میں:

- زہد
 - عبادت
 - روحانی رجحان
 - خدمت خلق
 - تصوف
- کے آثار نمایاں تھے۔^[7]

روحانی تربیت و بیعت

خاندانی روایتوں کے مطابق سید سلطان احمد کبیر نے اپنے والد جلال الدین سرخ پوش بخاری کے دست مبارک پر بیعت کی اور انہی سے روحانی تربیت حاصل کی۔^[8] بعد ازاں آپ کو شیخ صدر الدین عارف سے بھی خلافت و اجازت حاصل ہوئی، جو ہماؤ الدین زکریا ملتانی کے خلفا میں شمار ہوتے تھے۔^[9] روایتوں کے مطابق اسی روحانی تربیت نے آپ کو سلسلہ جلالیہ کے اہم روحانی ستونوں میں شامل کیا۔^[10]

اقامت دیویاں شریف

روایتوں کے مطابق سید سلطان احمد کبیر نے اپنی زندگی کا بڑا حصہ دیویاں شریف میں گزارا، جو بعد کے ادوار میں:

- روحانیت
 - تصوف
 - تبلیغ دین
 - اصلاح معاشرہ
- کا اہم مرکز بن گیا۔^[11]

آپ کی خانقاہ سے عوام و خواص دونوں نے فیض حاصل کیا، جبکہ آپ کے حلقہ ارادت میں علما، فقرا، عوام اور حکمران طبقات کے افراد شامل رہے۔^[12]

سیرت و اخلاق

خاندانی روایتوں کے مطابق سید سلطان احمد کبیر:

- نہایت پرہیزگار
- متواضع
- صاحب حال

- ذاکر حق
- صاحب تقویٰ
- بزرگ تھے۔^[13]

روایتوں کے مطابق آپ کی زندگی میں:

- محبت
- عدل
- تواضع
- ذکر
- اخلاص
- خدمت خلق
- نمایاں حیثیت رکھتے تھے۔^[14]

آپ کی مجالس میں:

- علم
- زہد
- فہم
- روحانی تربیت
- دینی اصلاح
- کا عملی اظہار ہوتا تھا۔^[15]

فکری و اعتقادی پس منظر

قدیم نسبی و تذکرہ جاتی روایتوں کے مطابق سید سلطان احمد کبیر اہل بیت سے اعتقادی، فکری اور عملی وابستگی رکھنے والے بزرگوں میں شمار ہوتے تھے۔^[16]

روایتوں کے مطابق آپ کی دینی تربیت کی بنیاد:

- امامت ائمہ اہل بیت
- ولایت امیر المؤمنین علی
- حسینی فکر کربلا
- اہل بیت کی اخلاقی سنت
- پر قائم تھی۔^[17]

اسی طرح روایتوں کے مطابق واقعہ کربلا آپ کے نزدیک محض تاریخی واقعہ نہیں بلکہ:

- حق و باطل کا معیار
- ظلم کے خلاف استقامت
- روحانی بیداری
- کی علامت تھا۔^[18]

اولاد

خاندانی روایتوں اور محفوظ شجرات کے مطابق سید سلطان احمد کبیر کے صاحبزادگان میں درج ذیل شخصیات نمایاں ہیں:

- مخدوم جہانیاں جہاں گشت
- مخدوم صدر الدین

[19]

مخدوم جہانیاں جہاں گشت

مخدوم جہانیاں جہاں گشت بعد کے ادوار میں سلسلہ جلالیہ کے عظیم ترین بزرگوں میں شمار ہوئے۔ روایتوں کے مطابق انھوں نے:

- چھتیس مرتبہ حج کیا
- متعدد اسلامی ممالک کے سفر کیے
- لاکھوں افراد کو روحانی فیض پہنچایا

اور سلسلہ جلالیہ کو برصغیر سمیت مختلف علاقوں میں پھیلایا۔^[20]

مخدوم صدر الدین

مخدوم صدر الدین اپنے وقت کے زاہد، فقیہ اور صاحب فیض بزرگ سمجھے جاتے تھے۔^[21]

بہن بھائی

خاندانی روایتوں کے مطابق سید سلطان احمد کبیر کے بہن بھائیوں میں درج ذیل نام شامل ہیں:

- سیدہ جعفرہ
- سیدہ فاطمہ
- سید بہاؤ الدین

[22]

نسلی و خاندانی اثرات

روایتوں کے مطابق سید سلطان احمد کبیر کی نسل بعد کے ادوار میں:

- سادات جلالیہ
- سادات نقویہ
- سادات بخاریہ
- سادات کوہ کھراج
- سادات پارسکی
- سادات ہڑپہ

- سادات سلیم گڑھ
 - سادات حیدرآباد سندھ
 - سادات فیروز آباد
 - سادات آگرہ
 - سادات اتر پردیش
- اور دیگر متعدد شاخوں میں پھیلی۔^[23]

وصال و مزار

خاندانی روایتوں کے مطابق سید سلطان احمد کبیر کا وصال دیوایاں شریف میں ہوا۔^[24]

آپ کا مزار آج بھی مرجع خلافت سمجھا جاتا ہے، جبکہ سالانہ عرس میں مختلف علاقوں سے زائرین شرکت کرتے ہیں۔^[25]

حوالہ جات

1. Research Publication of Family of Saadat Naqvi (<https://doi.org/10.5281/zenodo.20070090>)

2. خاندانی روایات
3. خاندانی روایات و محفوظ شجرات
4. خاندانی روایات
5. خاندانی روایات
6. خاندانی روایات
7. خاندانی روایات
8. خاندانی روایات
9. خاندانی روایات
10. خاندانی روایات
11. خاندانی روایات
12. خاندانی روایات
13. خاندانی روایات
14. خاندانی روایات
15. خاندانی روایات
16. خاندانی روایات
17. خاندانی روایات
18. خاندانی روایات
19. خاندانی روایات
20. خاندانی روایات
21. خاندانی روایات
22. خاندانی روایات
23. خاندانی روایات
24. خاندانی روایات

25. خاندانی روایات

- تذکرہ مخدوم جہانیاں جہاں گشت
- مناقب قطبی
- مرآۃ الجلالی
- سیر الاخیار
- جلالی خاندان کی ویب گاہ
- سادات دیویاں شریف کی نسلی دستاویزات
- گلزار جلالیہ
- Research Publication of Family of Saadat Naqvi (<https://doi.org/10.5281/zenodo.20070090>)
- Internet Archive (https://archive.org/details/@sadaat_genealogy_contact)

اخذ کردہ از «https://ur.wikipedia.org/w/index.php?title=حضرت_سید_سلطان_احمد_کبیر&oldid=10503440»



حضرت سید عبداللہ بن علی الاصغر

<https://ur.wikipedia.org/s/1n1cz>

سانچہ:خاندان معلومات

سید عبداللہ بن سید علی الاصغر سادات حسینین نقویہ کے اُن جلیل القدر بزرگوں میں شمار ہوتے ہیں جنہوں نے بعد کے ادوار میں علمی، روحانی، نسبی اور دعوتی اعتبار سے ایک عظیم خاندان کی بنیاد قائم کی۔ خاندانی روایات، قدیم مشجرات، نسبی مخطوطات اور متعدد کتب انساب کے مطابق آپ جعفر الرکی بن امام علی نقی کی نسل سے تھے، جبکہ آپ کی اولاد سے بعد میں سادات بخاریہ، سادات موودویہ، سادات جلالیہ، آل امیر، آل نفیس اور برصغیر کے متعدد معروف نقوی خاندانوں میں آئے۔: contentReference[oaicite:0]{index=0}

روایتوں کے مطابق سید عبداللہ بن سید علی الاصغر کی شخصیت صرف ایک نسبی واسطہ نہیں بلکہ ایک ایسے فکری و روحانی تسلسل کی نمائندہ تھی جس نے بعد کے ادوار میں:

- بخارا
- خراسان
- ماوراء النہر
- اوچ شریف
- ملتان
- پنجاب
- سندھ
- گجرات
- ہندوستان

اور وسط ایشیا کے کئی علاقوں میں سادات نقویہ کے علمی و روحانی اثرات کو مضبوط کیا۔: contentReference[oaicite:1]{index=1}

نسب

قدیم کتب انساب، محفوظ عربی و فارسی مشجرات، خاندانی روایات اور سادات بخاریہ کے شجرات کے مطابق آپ کا مکمل نسب یوں بیان کیا جاتا ہے:

سید عبداللہ بن سید علی الاصغر بن جعفر الرکی بن امام علی نقی بن امام محمد تقی بن امام علی رضا بن امام موسیٰ کاظم بن امام جعفر صادق بن امام محمد باقر بن امام زین العابدین بن امام حسین بن امام علی علیہ السلام

contentReference[oaicite:2]{index=2}

تاریخی پس منظر

روایتوں کے مطابق سید عبداللہ بن سید علی الاصغر اُس دور میں پیدا ہوئے جب عباسی خلافت کے سیاسی حالات کے باعث علوی سادات مختلف علاقوں کی طرف منتقل ہو رہے تھے۔ اہل بیت کی نسلوں کو سیاسی دباؤ، نگرانی اور محدودیت کا سامنا تھا، جس کے باعث ہمت سے سادات نے:

- عراق
- حجاز
- خراسان

■ ماوراء النہر

کی طرف علمی و دعوتی ہجرتیں اختیار کیں۔: {contentReference[oaicite:3]{index=3}}

خاندانی روایتوں کے مطابق سید عبداللہ بن سید علی الاصغر کی نسل نے اسی تاریخی ماحول میں بعد کے ادوار میں بخارا اور ماوراء النہر میں مضبوط علمی و روحانی بنیاد قائم کی۔: {contentReference[oaicite:4]{index=4}}

سیرت و شخصیت

خاندانی تذکروں اور روایتی مصادر کے مطابق سید عبداللہ بن سید علی الاصغر:

- عالم
- زاہد
- متقی
- صاحب وقار
- اہل بیت سے گہری وابستگی رکھنے والے
- بزرگ تھے۔: {contentReference[oaicite:5]{index=5}}
- روایتوں کے مطابق آپ کی زندگی:

- عبادت
- ذکر
- خدمت خلق
- روحانی تربیت
- اہل بیت کی محبت
- سے معمور تھی۔: {contentReference[oaicite:6]{index=6}}

علمی و روحانی مقام

اہل نسب کے مطابق سید عبداللہ بن سید علی الاصغر کا خاندان علمی، روحانی اور نسبی اعتبار سے انتہائی معتبر سمجھا جاتا تھا۔ آپ کی نسل سے بعد میں متعدد:

- علما
- صوفیا
- محدثین
- سادات
- مشائخ
- پیدا ہوئے جنہوں نے مختلف علاقوں میں دین اسلام کی خدمت انجام دی۔: {contentReference[oaicite:7]{index=7}}

اولاد

قدیم نسبی روایات اور خاندانی شجرات کے مطابق سید عبداللہ بن سید علی الاصغر کی اولاد میں درج ذیل نام منقول ہیں:

- سید احمد
- سید محمد
- سید محمود
- سید جعفر

contentReference[oaicite:8]{index=8}

اہل علم انساب کے مطابق نسلی تسلسل بالخصوص:

- سید احمد
- سید محمد

کے ذریعے مضبوط اور معروف صورت میں محفوظ رہا، جبکہ بعض دیگر شاخوں کے متعلق روایات محدود ہیں۔: contentReference[oaicite:9]{index=9}

سادات بخاریہ سے تعلق

خاندانی روایتوں کے مطابق سید عبداللہ بن سید علی الاصغر کی نسل سے بعد میں:

- سید احمد شاہ
- سید محمود
- سید محمد بخاری
- سید جعفر حسینی بخاری
- سید علی المعید بخاری
- جلال الدین سرخ پوش بخاری

جیسی عظیم شخصیات سامنے آئیں۔: contentReference[oaicite:10]{index=10}

اسی نسل کے ذریعے بعد میں سادات نقوی بخاری کی عظیم شناخت قائم ہوئی، جبکہ اوچ شریف اس خاندان کا روحانی مرکز بن گیا۔

contentReference[oaicite:11]{index=11}:

بخارا اور ماوراء النہر

روایتوں کے مطابق سید عبداللہ بن سید علی الاصغر کی نسل نے بخارا، خراسان اور ماوراء النہر میں علمی و روحانی مراکز قائم کیے۔ یہی قیام بعد میں بخاری نسبت کا سبب بنا۔

contentReference[oaicite:12]{index=12}:

اہل نسب کے مطابق بخارا میں اسی خاندان کی نسلوں نے:

- علم حدیث
- تصوف
- دعوت
- روحانی تربیت

کے میدان میں نمایاں خدمات انجام دیں۔: contentReference[oaicite:13]{index=13}

سادات مودودیہ اور سلسلہ چشتیہ

خاندانی روایتوں کے مطابق سید عبداللہ بن سید علی الاصغر کی نسل سے ایک اہم شاخ:

- سید محمد ابراہیم
- سید محمد سامان شقلانی
- خواجہ ابو یوسف ناصرالدین چشتی
- خواجہ قطب الدین مودود چشتی

کے ذریعے آگے بڑھی: contentReference[oaicite:14]{index=14}

روایتوں کے مطابق یہی شاخ بعد میں سادات نقوی مودودی کہلائی اور سلسلہ چشتیہ کی روحانی روایت میں مرکزی مقام رکھتی ہے۔ contentReference[oaicite:15]{index=15}:

خواجہ قطب الدین مودود چشتی

اہل روایت کے مطابق خواجہ قطب الدین مودود چشتی چشتی سلسلے کے اُن عظیم مشائخ میں شمار ہوتے ہیں جنہوں نے:

- تصوف
- زہد
- روحانی تربیت
- محبت الہی

کو برصغیر اور خراسان کے روحانی ماحول میں مضبوط کیا۔ contentReference[oaicite:16]{index=16}:

سادات نقوی بخاری

خاندانی روایتوں کے مطابق سادات نقوی میں سب سے بڑی تعداد بخاری نقوی سادات کی شمار کی جاتی ہے۔ contentReference[oaicite:17]{index=17}

روایتوں کے مطابق:

- قدیم شجرات
- محفوظ تبرکات
- تاریخی دستاویزات
- اہل بیت سے منسوب روایات

کی ایک بڑی تعداد بھی اسی خاندان کے پاس محفوظ رہی۔ contentReference[oaicite:18]{index=18}:

آل امیر اور آل نفیس

خاندانی روایتوں کے مطابق آل امیر اور آل نفیس کی متعدد شاخیں بھی اسی وسیع سادات نقوی بخاری تسلسل سے منسلک رہی ہیں۔ روایتوں کے مطابق یہ شاخیں بعد کے ادوار میں:

- اوچ شریف
- جھنگ
- آگرہ
- فیروز آباد
- ملتان
- لاہور
- حیدرآباد سندھ
- کراچی

اور دیگر علاقوں میں پھیلیں۔: {index=19}{oaicite:19}contentReference

فکری و اعتقادی روایت

روایتوں کے مطابق سید عبداللہ بن سید علی الاصغر اور ان کی نسل کی بنیادی شناخت:

- اہل بیت کی محبت
- ولایت
- علمی روایت
- روحانی تزکیہ
- نسبی تحفظ

پر قائم تھی۔: {index=20}{oaicite:20}contentReference

اہل روایت کے مطابق یہی بنیاد بعد میں:

- سلسلہ جلالیہ
- سادات بخاریہ
- سادات مودودیہ
- سادات نقویہ

کی فکری و روحانی شناخت بنی۔: {index=21}{oaicite:21}contentReference

تاریخی اہمیت

اگرچہ سید عبداللہ بن سید علی الاصغر کے تفصیلی حالات زندگی محدود صورت میں محفوظ ہیں، تاہم:

- عمدة الطالب
- المعقبون
- المجدی
- لباب الانساب
- خاندانی شجرات

اور متعدد روایتی مصادر میں آپ کی نسل کو معتبر، معروف اور محفوظ قرار دیا گیا ہے۔: {index=22}{oaicite:22}contentReference

اہل نسب کے مطابق یہی امر اس حقیقت کو واضح کرتا ہے کہ سید عبداللہ بن سید علی الاصغر سادات نقوی بخاری کے مرکزی نسبى ستونوں میں شمار ہوتے ہیں۔
contentReference[oaicite:23]{index=23}:

ماخذ و مراجع

- عمدة الطالب فى انساب آل ابى طالب
- المعقبون من آل ابى طالب
- المجدى فى انساب الطالبين
- لباب الانساب
- تذکرہ سادات بخاریہ
- شجرات سادات اوچ شریف
- خاندانى مخطوطات
- گلزار جلالیہ
- محفوظ نساباتی دستاویزات

مزید دیکھیے

- جعفر الزکی
- امام علی نقی
- سید احمد شاہ بن سید عبداللہ
- سید محمود بن سید احمد شاہ
- سید محمد بخاری
- سید جعفر حسینی بخاری
- سید علی المعید بخاری
- جلال الدین سرخ پوش بخاری
- مخدوم جہانیاں جہاں گشت
- اوچ شریف
- سلسلہ چشتیہ
- خواجہ قطب الدین مودود چشتی

حوالہ جات

اخذ کردہ از «https://ur.wikipedia.org/w/index.php?title=حضرت_سید_عبداللہ_بن_علی_الاصغر&oldid=105033398»



حضرت سید علم الدین بن سید جمال الدین بخاری

<https://ur.wikipedia.org/s/1n18z>

سانچہ:خاندان معلومات

سید علم الدین بن سید جمال الدین بخاری سادات نقوی بخاری کے ان باوقار بزرگوں میں شمار ہوتے ہیں جنہوں نے اپنی زندگی شہرت اور ظاہری پیشوائی کی بجائے نسب اہل بیت کے تحفظ، خاندانی ذمہ داریوں کی ادائیگی اور دینی رولیت کے تسلسل میں بسر کی۔ خاندانی رولیتوں کے مطابق آپ کا شمار ان خاموش مگر مضبوط ستونوں میں ہوتا ہے جن پر بعد کی نسلوں کی دینی، روحانی اور نسبی عمارت قائم رہی۔^[1]

رولیتوں کے مطابق سید علم الدین نے اپنے عہد میں خاندانی وقار، دینی ذمہ داری اور نسبی امانت کو نہایت خاموشی، صبر اور وقار کے ساتھ محفوظ رکھا، جبکہ ان کی شخصیت سادات بخاری کی غیر نمائشی مگر مضبوط دینی رولیت کی علامت سمجھی جاتی ہے۔^[2]

مکمل نسب

خاندانی شجرات، محفوظ عربی و فارسی نسخوں، قدیم مشجرات، درگاہی رولیتوں اور گلزار جلالیہ کے مطابق سید علم الدین کا مکمل نسب اس طرح بیان کیا جاتا ہے:

سید علم الدین بن سید جمال الدین بخاری بن سید ناصر الدین محمود بخاری بن مخدوم جانیان جاں گشت بن سید احمد کبیر بن جلال الدین سرخ پوش بخاری بن سید ابوالموید علی بن سید جعفر ثالث بن سید ابوالفتح محمد بن سید محمود بن سید ابی یوسف احمد بن سید عبد اللہ بن سید علی الاشرق بن سید جعفر الرکی بن امام علی نقی بن امام محمد تقی بن امام علی رضا بن امام موسی کاظم بن امام جعفر صادق بن امام محمد باقر بن امام زین العابدین بن امام حسین بن امام علی۔

[3]

عہد اور خاندانی کردار

خاندانی رولیتوں کے مطابق سید علم الدین کا زمانہ وہ دور تھا جب سادات بخاری علمی، سماجی اور نسبی اعتبار سے مستحکم ہو چکے تھے۔^[4]

اس مرحلے پر خاندان کی بنیادی ذمہ داریوں میں:

- نسب اہل بیت کا تحفظ
- خاندانی شریعت و روایت کی پاسداری
- سماجی و دینی امانت کی حفاظت
- سیاسی کشمکش سے اجتناب
- ساداتی وقار کا استحکام

شامل تھے۔^[5]

رولیتوں کے مطابق سید علم الدین نے یہ تمام ذمہ داریاں وقار، صبر، تحمل اور خاموش استقامت کے ساتھ ادا کیں اور اپنے بعد آنے والی نسلوں کے لیے ایک مضبوط دینی و نسبی بنیاد قائم کی۔^[6]

فکری اور اعتقادی پس منظر

خاندانی روایتوں کے مطابق سید علم الدین کا دور وہ مرحلہ تھا جب سادات بخاری کے علاقوں میں اہل بیت سے اعتقادی وابستگی اور تشیع کا رنگ تدریجی طور پر زیادہ نمایاں ہو رہا تھا۔^[7] تاہم یہ رجحان اس زمانے میں کھلی سیاسی یا فقہی صورت کی بجائے:

- نسبى وفادارى
- ولايت اہل بیت
- واقعہ کربلا کی اخلاقی روایت
- اہل بیت کی محبت
- روحانی وابستگی
- کی صورت میں موجود تھا۔^[8]

روایتوں کے مطابق سید علم الدین اسی خاموش، باوقار اور غیر تصادمی طرز کے نمائندہ تھے، جہاں:

- شریعت
- اہل بیت کی محبت
- نسبى امانت
- دینی وقار
- کو بنیاد بنایا جاتا تھا۔^[9]

دینی و سماجی مقام

خاندانی روایتوں میں سید علم الدین کو:

- صاحب وقار
- متوازن مزاج
- خاموش خدمت گزار
- نسبى امانت کے محافظ
- بزرگ کے طور پر یاد کیا جاتا ہے۔^[10]

اگرچہ آپ کے متعلق کرامات یا سیاسی سرگرمیوں کے تفصیلی تذکرے محفوظ نہیں رہے، تاہم روایتوں کے مطابق آپ کی اصل اہمیت:

- نسبى تسلسل کے تحفظ
- خاندانی استحکام
- دینی روایت کے تسلسل
- اہل بیت سے وابستگی
- میں تھی۔^[11]

اولاد

قدیم خاندانی شجروں اور روایتی نسبی مصادر کے مطابق سید علم الدین کے تین صاحبزادے تھے:

- سید جمال الدین بخاری
- سید جلال الدین بخاری
- سید نظام الدین بخاری

[12]

سید جمال الدین بخاری

سید جمال الدین بخاری کے ذریعے خاندانی ذمہ داریاں اگلے مرحلے میں منتقل ہوئیں، جبکہ ان کی نسل میں بعد کے ادوار میں سادات بخاری کا تسلسل محفوظ رہا۔^[13]

سید جلال الدین بخاری

سید جلال الدین بخاری کا ذکر بعض خاندانی شجروں اور روایتوں میں دینی و سماجی خدمات کے حوالے سے ملتا ہے۔^[14]

سید نظام الدین بخاری

سید نظام الدین بخاری کے عہد میں خاندانی ذمہ داریوں کا عملی بوجھ زیادہ واضح طور پر سامنے آیا، جبکہ بعد میں انہی کی نسل سے:

- سید صفی الدین
 - سید محمد موج دریا بخاری
 - سید سلطان جلال الدین حیدر نقوی البخاری لاہوری
- جیسی اہم شخصیات سامنے آئیں۔^[15]

تاریخی حیثیت

اگرچہ سید علم الدین کے حالات زندگی تفصیلی تاریخی تذکروں میں کم محفوظ رہے، تاہم:

- خاندانی شجروں
- نسبی دستاویزات
- قدیم روایتوں
- سادات بخاری کے محفوظ مشجرات

میں آپ کا نام ایک اہم اور ناقابل انکار نسبی کڑی کے طور پر مسلسل محفوظ ملتا ہے۔^[16]

روایتوں کے مطابق یہی تسلسل بعد میں سادات نقوی بخاری کی مختلف شاخوں کے استحکام، شناخت اور بقا کا سبب بنا۔^[17]

روحانی و خاندانی تسلسل

خاندانی روایتوں کے مطابق سید علم الدین کی نسل میں:

- اہل بیت سے محبت
- ولایت علوی
- ساداتی وقار
- دینی روایت
- نسبی تحفظ
- روحانی وابستگی
- نسل در نسل منتقل ہوتی رہی۔^[18]

بعد کے ادوار میں یہی سلسلہ:

- اوچ شریف
- ملتان
- لاہور
- سندھ
- آگرہ
- فیروز آباد

اور دیگر علاقوں تک پھیلا۔^[19]

مزید دیکھیے

- سید جمال الدین بخاری
- سید جلال الدین بخاری
- سید نظام الدین بخاری
- سید صفی الدین
- سید محمد موج دریا بخاری
- سید سلطان جلال الدین حیدر نقوی البخاری لاہوری
- جلال الدین سرخ پوش بخاری
- مخدوم جہانیاں جہاں گشت
- اوچ شریف
- گلزار جلالیہ

حوالہ جات

1. Research Publication of Family of Saadat Naqvi (<https://doi.org/10.5281/zenodo.20070090>)

2. خاندانی روایات

3. خاندانی روایات و محفوظ شجرات

4. خاندانی روایات

5. خاندانی روایات

6. خاندانی روایات

7. خاندانی روایات

8. خاندانی روایات

9. خاندانی روایات

10. خاندانی روایات

11. خاندانی روایات

12. خاندانی روایات

13. خاندانی روایات

14. خاندانی روایات

15. خاندانی روایات

16. خاندانی روایات

17. خاندانی روایات

18. خاندانی روایات

19. خاندانی روایات

■ گلزار جلالیہ

■ Research Publication of Family of Saadat Naqvi (<https://doi.org/10.5281/zenodo.20070090>)■ Internet Archive (https://archive.org/details/@sadaat_genealogy_contact)

■ خاندانی روایات و محفوظ شجرات

اخذ کردہ از «https://ur.wikipedia.org/w/index.php?title=حضرت_سید_علم_الدین_بن_سید_جمال_الدین_بخاری&oldid=10503468»



حضرت سید علم الدین بن ناصر الدین بن مخدوم جہانیاں بخاری

<https://ur.wikipedia.org/s/1n19n>

سانچہ:خانان معلومات

سید علم الدین بن ناصر الدین بن مخدوم جہانیاں بخاری سلسلہ بخاریہ نقوی اور سادات اوج شریف کے ممتاز اور باوقار بزرگوں میں شمار ہوتے ہیں۔ آپ سید ناصر الدین محمود بخاری کے صاحبزادے اور مخدوم جہانیاں جہاں گشت کے پوتے تھے۔ خاندانی روایتوں، محفوظ شجرات، تذکروں اور نسبی دستاویزات کے مطابق آپ کا شمار سلسلہ بخاریہ کے ان روشن چراغوں میں ہوتا ہے جنہوں نے علم، عرفان، تصوف، طریقت اور اہل بیت کی وابستگی کو نسل در نسل آگے بڑھایا۔^[1]

روایتوں کے مطابق سید علم الدین بن ناصر الدین بن مخدوم جہانیاں بخاری ایک متقی، فاضل، وارث مسند طریقت، سالک راہ سلوک اور صاحب فیض بزرگ تھے، جبکہ آپ کی تربیت آپ کے والد سید ناصر الدین محمود بخاری نے شریعت، تصوف اور روحانی آداب کی بنیاد پر کی۔^[2]

نسب و تعارف

خاندانی شجرات، محفوظ عربی و فارسی نسخوں، اوج شریف کے مشجرات، درگاہی روایتوں اور گلزار جلالیہ کے مطابق سید علم الدین بن ناصر الدین بن مخدوم جہانیاں بخاری کا مکمل نسب اس طرح بیان کیا جاتا ہے:

سید علم الدین بن ناصر الدین بن مخدوم جہانیاں بخاری بن سید ناصر الدین محمود بخاری بن مخدوم جہانیاں جہاں گشت بن سید احمد کبیر بن جلال الدین سرخ پوش بخاری بن سید ابوالموید علی بن سید جعفر ثالث بن سید ابوالفتح محمد بن سید محمود بن سید ابی یوسف احمد بن سید عبد اللہ بن سید علی الاشقر بن سید جعفر الزکی بن امام علی نقی بن امام محمد تقی بن امام علی رضا بن امام موسیٰ کاظم بن امام جعفر صادق بن امام محمد باقر بن امام زین العابدین بن امام حسین بن امام علی۔

[3]

سیرت و کردار

خاندانی روایتوں کے مطابق سید علم الدین بن ناصر الدین بن مخدوم جہانیاں بخاری نہایت:

- سادہ مزاج
- منکسر المزاج
- زاہد
- متقی
- روحانی ذوق رکھنے والے
- بزرگ تھے۔^[4]

روایتوں کے مطابق آپ نے اپنے والد سید ناصر الدین محمود بخاری اور جد امجد مخدوم جہانیاں جہاں گشت کے فیوض و برکات سے بھرپور استفادہ کیا، جبکہ بعد میں اپنی نسل، مریدین اور متعلقین کو بھی انہی روحانی تعلیمات سے سیراب کیا۔^[5]

آپ کا تربیتی اور روحانی نظام مکمل طور پر:

- اہل بیت کی محبت
- شریعت

- تصوف
- اخلاق
- سلوک
- پر مبنی تھا۔^[6]

اگرچہ آپ کے حالات زندگی کے متعلق تفصیلی تاریخی تحریری مواد محدود ہے، تاہم رولہتوں کے مطابق آپ کے روحانی اثرات بعد کی نسلوں اور متعلقہ خانوادوں میں واضح طور پر محفوظ رہے۔^[7]

روحانی و فکری پس منظر

خاندانی رولہتوں کے مطابق سید علم الدین بن ناصر الدین بن مخدوم جہانیاں بخاری کا تعلق اس روحانی رولہت سے تھا جس میں:

- اہل بیت سے محبت
- ولایت
- تصوف
- اصلاح نفس
- روحانی تربیت
- کو بنیادی حیثیت حاصل تھی۔^[8]

رولہتوں کے مطابق آپ کے خاندان میں اہل بیت سے عقیدت، واقعہ کربلا کی یاد اور ساداتی وقار کو ہمیشہ مرکزی اہمیت حاصل رہی، جبکہ یہی عناصر بعد میں سادات بخاریہ کی شناخت کا حصہ بنے۔^[9]

اولاد

قدیم شجرات، نسبی رولہتوں اور تذکروں کے مطابق سید علم الدین بن ناصر الدین بن مخدوم جہانیاں بخاری کے صاحبزادے:

- سید چلبی حسن
- تھے۔^[10]

سید چلبی حسن

سید چلبی حسن اپنے والد کے فرزند، خلیفہ اور روحانی وارث سمجھے جاتے تھے۔ رولہتوں کے مطابق انھوں نے سید جلال الدین ابن مخدوم جہانیاں سے تعلیم و تربیت حاصل کی۔^[11]

آپ علم و تربیت کے میدان میں نمایاں مقام رکھتے تھے، جبکہ بعد کے ادوار میں ان کی نسل سے متعدد علمی اور روحانی شخصیات سامنے آئیں۔^[12]

نسل اور بعد کی شخصیات

خاندانی رولہتوں کے مطابق سید چلبی حسن کی نسل میں درج ذیل معروف شخصیات شامل ہیں:

- سید بدر الدین حسن
- سید خضر الدین

■ سید سلطان احمد دیوروی

[13]

سید سلطان احمد دیوروی

سید سلطان احمد دیوروی قلعہ دیورہ کے مشہور بزرگوں میں شمار ہوتے ہیں، جبکہ رولہتوں کے مطابق ان کے ذریعے اس خاندان کی روحانی اور نسبی روایت برصغیر کے مختلف علاقوں تک پہنچی۔ [14]

نسلی پھیلاؤ

خاندانی رولہتوں اور محفوظ نسبی دستاویزات کے مطابق سید علم الدین بن ناصر الدین بن مخدوم جہانیاں بخاری کی نسل بعد کے ادوار میں برصغیر کے مختلف علاقوں میں پھیلی، جن میں خصوصاً:

- قلعہ دیورہ
- اوچ شریف
- گجرات
- جھنگ
- بہاولپور
- شامل ہیں۔ [15]

رولہتوں کے مطابق ان علاقوں میں اس خاندان نے:

- روحانی خدمات
- دینی تعلیم
- اصلاحی سرگرمیاں
- ساداتی روایت
- کو برقرار رکھا۔ [16]

تاریخی حیثیت

اگرچہ سید علم الدین بن ناصر الدین بن مخدوم جہانیاں بخاری کے حالات زندگی تفصیلی تاریخی تذکروں میں محدود انداز میں محفوظ رہے، تاہم:

- خاندانی شجرات
- نسبی دستاویزات
- اوچ شریف کے مشجرات
- سادات جلالیہ کی روایتیں
- میں آپ کا نام ایک اہم اور معتبر نسبی و روحانی کڑی کے طور پر محفوظ ہے۔ [17]
- رولہتوں کے مطابق آپ کی اصل اہمیت:

- سلسلہ جلالیہ کے تسلسل
- روحانی تربیت

- خاندانی استحکام
- ساداتی شناخت
- کے تحفظ میں تھی۔ [18]

ماخذ و مراجع

- تذکرہ مخدوم جہانیاں جہاں گشت
- بحر المطالب فی انساب آل ابی طالب از سید کرم حسین بخاری اوچوی
- تصویری نسبى دستاویزات
- Jalalians ویب گاہ کے سادات جلالیہ سے متعلق حوالہ جات

مزید دیکھیے

- مخدوم جہانیاں جہاں گشت
- سید ناصر الدین محمود بخاری
- سید چلبی حسن
- سید سلطان احمد دیوروی
- جلال الدین سرخ پوش بخاری
- اوچ شریف
- گلزار جلالیہ

حوالہ جات

1. Research Publication of Family of Saadat Naqvi (<https://doi.org/10.5281/zenodo.20070090>)
2. خاندانی روایات
3. خاندانی روایات و محفوظ شجرات
4. خاندانی روایات
5. خاندانی روایات
6. خاندانی روایات
7. خاندانی روایات
8. خاندانی روایات
9. خاندانی روایات
10. خاندانی روایات
11. خاندانی روایات
12. خاندانی روایات
13. خاندانی روایات
14. خاندانی روایات
15. خاندانی روایات
16. خاندانی روایات

17. خاندانی روایات

18. خاندانی روایات

■ گلزارِ جلالیہ

■ Research Publication of Family of Saadat Naqvi (<https://doi.org/10.5281/zenodo.20070090>)

■ Internet Archive (https://archive.org/details/@sadaat_geneology_contact)

■ خاندانی روایات و محفوظ شجرات

اخذ کردہ از «https://ur.wikipedia.org/w/index.php?&oldid=10503461&title=حضرت_سید_علم_الدین_بن_ناصر_الدین_بن_مخدوم_جهانیاں_بخاری»



حضرت سید علی المعید بخاری

<https://ur.wikipedia.org/s/1n1b6>

سانچہ:خاندان معلومات

سید علی المعید بخاری المعروف سید علی ابوالموید بخاری سادات حسینہ کے ان عظیم روحانی اور نسبی بزرگوں میں شمار ہوتے ہیں جن کا تعلق براہ راست خاندان نبوت سے تھا۔ خاندانی روایتوں، محفوظ شجرات اور قدیم نسبی تذکروں کے مطابق آپ امام علی نقی کی نسل سے اور امام حسین کی اولاد میں سے تھے۔ آپ کا نام علی، لقب ابوالموید جبکہ نسبت بخاری تھی، جو بخارا میں اس خاندان کے قیام کی وجہ سے مشہور ہوئی۔^[1]

روایتوں کے مطابق سید علی المعید بخاری کو خصوصاً جلال الدین سرخ پوش بخاری کے والد اور ابتدائی روحانی مربی کی حیثیت سے غیر معمولی اہمیت حاصل ہے، جبکہ بعد کے ادوار میں انہی کے خاندان سے سادات بخاریہ، سادات جلالیہ، آل امیر اور آل نفیس جیسی معروف شاخیں سامنے آئیں۔^[2]

نسب و تعارف

خاندانی شجرات، محفوظ عربی و فارسی نسخوں، قدیم نسبی کتابوں، اوچ شریف کے مشجرات اور گلزار جلالیہ کے مطابق سید علی المعید بخاری کا مکمل نسب اس طرح بیان کیا جاتا ہے:

سید علی المعید بخاری بن سید جعفر حسینی بخاری بن سید محمد بخاری بن سید محمود بخاری بن سید احمد شاہ بن سید عبد اللہ بن سید علی الاصغر بن امام جعفر ثانی بن امام علی نقی بن امام محمد تقی بن امام علی رضا بن امام موسی کاظم بن امام جعفر صادق بن امام محمد باقر بن امام زین العابدین بن امام حسین بن امام علی۔

[3]

بخارا کی طرف ہجرت

قدیم نسبی روایتوں اور خاندانی تذکروں کے مطابق سید احمد شاہ بن سید عبد اللہ بن علی الاصغر ان بزرگوں میں شمار ہوتے ہیں جنہوں نے عراق و حجاز سے ہجرت کر کے ماوراء النہر اور خصوصاً بخارا کو اپنا مرکز بنایا۔^[4]

روایتوں کے مطابق اس ہجرت کے بنیادی اسباب میں:

- نسبی تحفظ
- علمی اشاعت
- اہل بیت کی روایت کا تحفظ
- سیاسی دباؤ سے دوری

شامل تھے، جیسا کہ عباسی عہد کے بعد علوی سادات کے ہاں عمومی طور پر دیکھا جاتا ہے۔^[5]

اسی بخارائی قیام کے نتیجے میں:

- سید محمود بخاری
- سید محمد بخاری
- سید جعفر حسینی بخاری

اور بعد ازاں سید علی المعید بخاری جیسی شخصیات سامنے آئیں، جبکہ یہی سلسلہ آگے چل کر جلال الدین سرخ پوش بخاری کے ذریعے برصغیر میں نمایاں ہوا۔^[6]

علمی و روحانی مقام

روایتوں کے مطابق سید علی المعید بخاری نے اپنی زندگی کا بڑا حصہ بخارا میں گزارا، جہاں آپ:

- علمی مجالس
- دینی تعلیم
- تبلیغ
- روحانی تربیت
- سے وابستہ رہے۔^[7]

آپ کو روایتوں میں ایک:

- عالم
- صوفی
- صاحب تقویٰ
- شفیق والد
- اہل بیت کے وفادار بزرگ
- کے طور پر یاد کیا جاتا ہے۔^[8]

جلال الدین سرخ پوش بخاری کی تربیت

خاندانی روایتوں کے مطابق جلال الدین سرخ پوش بخاری کی ابتدائی تعلیم و تربیت سید علی المعید بخاری ہی کی نگرانی میں ہوئی۔^[9]

روایتوں کے مطابق آپ نے اپنے فرزند کو:

- علم
- تصوف
- اہل بیت کی محبت
- روحانی تربیت
- دینی وقار

کی بنیادوں پر پروان چڑھایا، جبکہ بعد کے ادوار میں جلال الدین سرخ پوش بخاری نے انہی تعلیمات کو برصغیر تک پہنچایا۔^[10]

فکری و اعتقادی پس منظر

خاندانی روایتوں کے مطابق سید علی المعید بخاری کا تعلق اس روحانی اور فکری روایت سے تھا جس میں:

- اہل بیت سے محبت
- ولایت
- تصوف
- علمی روایت

■ روحانی تربیت

کو مرکزی حیثیت حاصل تھی۔^[11]

روایتوں کے مطابق آپ کے خاندان نے عباسی دور کے سیاسی و مذہبی دباؤ کے باوجود اہل بیت کی علمی و نسبی روایت کو محفوظ رکھا، جبکہ یہی روایت بعد میں سادات بخاریہ کی بنیادی شناخت بنی۔^[12]

سادات بخاریہ اور بعد کی نسلیں

روایتوں کے مطابق سید علی المعید بخاری کی نسل بعد کے ادوار میں:

■ سادات بخاریہ

■ سادات جلالیہ

■ سادات نقویہ

■ سادات اوچ شریف

اور متعدد روحانی خانوادوں کی بنیاد بنی۔^[13]

بعد میں انہی نسلوں سے:

■ مخدوم جہانیاں جہاں گشت

■ سید محمود نر ناصرالدین نقوی البخاری

■ سید علم الدین بن ناصر الدین بن مخدوم جہانیاں بخاری

■ سید صفی الدین

■ سید محمد موج دریا بخاری

جیسی شخصیات سامنے آئیں۔^[14]

آل امیر اور آل نفیس سے تعلق

خاندانی روایتوں کے مطابق بعد کے ادوار میں آل امیر اور آل نفیس کی شاخیں بھی اسی وسیع سادات نقوی بخاری سلسلے سے وابستہ رہیں، جن کی نسبت:

■ سید امیر علی شاہ

■ سید نفیس علی شاہ

اور ان کے بعد کی نسلوں سے ملتی ہے۔^[15]

روایتوں کے مطابق یہی نسبی تسلسل آگے چل کر:

■ آگرہ

■ فیروز آباد

■ لاہور

■ اوچ شریف

■ حیدرآباد سندھ

■ کراچی

تاریخی حیثیت

اگرچہ سید علی المعید بخاری کے متعلق مستقل علاحدہ تصنیفات محدود ہیں، تاہم:

- مرآة جلالی
- تاریخ گلزار شمس
- ملفوظات مخدوم
- نسبی شجرات
- خاندانی مخطوطات

اور جلال الدین سرخ پوش بخاری سے متعلق متعدد تذکروں میں آپ کا ذکر محفوظ ہے۔^[17]

روایتوں کے مطابق آپ کی شخصیت کی اصل اہمیت:

- سادات بخاریہ کی بنیاد
- اہل بیت کی علمی روایت
- روحانی تربیت
- نسبی تسلسل

کے استحکام میں تھی۔^[18]

ماخذ و مراجع

- مرآة جلالی
- تاریخ گلزار شمس
- ملفوظات مخدوم
- بحر المطالب فی انساب آل ابی طالب
- خاندانی شجرات و محفوظ مشجرات
- گلزار جلالیہ

مزید دیکھیے

- جلال الدین سرخ پوش بخاری
- مخدوم جہانیاں جہاں گشت
- سید محمود نر ناصرالدین نقوی البخاری
- سید صفی الدین
- سید محمد موج دریا بخاری
- سید امیر علی شاہ
- سید نفیس علی شاہ

- اوچ شریف
- گلزار جلالیہ

حوالہ جات

1. Research Publication of Family of Saadat Naqvi (<https://doi.org/10.5281/zenodo.20070090>)
2. خاندانی روایات
3. خاندانی روایات و محفوظ شجرات
4. خاندانی روایات
5. خاندانی روایات
6. خاندانی روایات
7. خاندانی روایات
8. خاندانی روایات
9. خاندانی روایات
10. خاندانی روایات
11. خاندانی روایات
12. خاندانی روایات
13. خاندانی روایات
14. خاندانی روایات
15. خاندانی روایات
16. خاندانی روایات
17. خاندانی روایات
18. خاندانی روایات

- Research Publication of Family of Saadat Naqvi (<https://doi.org/10.5281/zenodo.20070090>)
- Internet Archive (https://archive.org/details/@sadaat_genealogy_contact)
- خاندانی روایات و محفوظ شجرات

اخذ کردہ از «https://ur.wikipedia.org/w/index.php?title=حضرت_سید_علی_المعید_بخاری&oldid=10503433»



حضرت سید محمد بخاری

<https://ur.wikipedia.org/s/1n1bk>

سانچہ:خاندان معلومات

سید محمد بخاری سادات نقوی بخاری کے ان معزز بزرگوں میں شمار ہوتے ہیں جنہیں سادات بخاریہ کے نسبی اور روحانی تسلسل میں ایک اہم واسطہ کی حیثیت حاصل ہے۔ خاندانی رولہتوں، محفوظ شجرات، قدیم نسبی مخطوطات اور معتبر کتب انساب کے مطابق آپ **سید علی المعید بخاری** کے والد اور **جلال الدین سرخ پوش بخاری** کے پردادا تھے۔^[1]

رولہتوں کے مطابق **سید محمد بخاری** کا تعلق سادات بخاریہ کے اس شریف اور روحانی خانوادے سے تھا جس نے بخارا، خراسان اور ماوراء النہر میں اہل بیت کی علمی، روحانی اور نسبی رولیت کو محفوظ رکھا، جبکہ بعد کے ادوار میں انہی نسلوں کے ذریعے برصغیر میں سلسلہ جلالیہ اور سادات بخاریہ کو وسعت حاصل ہوئی۔^[2]

نسب

خاندانی شجرات، محفوظ عربی و فارسی نسخوں، قدیم نسبی دستاویزات اور **گلزار جلالیہ** کے مطابق **سید محمد بخاری** کا مکمل نسب اس طرح بیان کیا جاتا ہے:

سید محمد بخاری بن سید محمود بخاری بن سید احمد شاہ بن سید عبد اللہ بن سید علی اصغر بن سید جعفر الزکی بن امام علی نقی بن امام محمد تقی بن امام علی رضا بن امام موسی کاظم بن امام جعفر صادق بن امام محمد باقر بن امام زین العابدین بن امام حسین بن امام علی۔

[3]

خاندانی پس منظر

رولہتوں کے مطابق **سید محمد بخاری** اس ساداتی خانوادے سے تعلق رکھتے تھے جس نے:

- بخارا
- خراسان
- ماوراء النہر

میں اہل بیت کی علمی، روحانی اور نسبی رولیت کو محفوظ رکھا۔^[4]

رولہتوں کے مطابق یہی خاندان بعد کے ادوار میں سادات بخاریہ اور سلسلہ جلالیہ کی بنیاد بنا، جبکہ انہی نسلوں سے بعد میں **جلال الدین سرخ پوش بخاری** جیسی عظیم روحانی شخصیات سامنے آئیں۔^[5]

سیرت و کردار

خاندانی رولہتوں کے مطابق **سید محمد بخاری** ایک:

- متقی
- پرہیزگار
- صاحب ولایت

- اہل ذکر
- صاحب دل
- بزرگ تھے۔^[6]

روایتوں کے مطابق آپ کی مجالس:

- ذکر
 - حکمت
 - دینی گفتگو
 - روحانی تربیت
- سے معمور رہتی تھیں، جبکہ آپ اپنے وقت کے اہل باطن بزرگوں میں شمار کیے جاتے تھے۔^[7]

اولاد کی تربیت

روایتوں کے مطابق سید محمد بخاری نے اپنی اولاد کی تربیت میں خصوصی توجہ دی، جبکہ انہی کی تربیت کے اثرات بعد میں:

- سید علی المعید بخاری
- جلال الدین سرخ پوش بخاری
- جیسی عظیم شخصیات کی صورت میں نمایاں ہوئے۔^[8]

خاندانی روایتوں کے مطابق آپ کی نسل کو نہ صرف روحانی بلکہ نسبی برتری بھی حاصل تھی، جبکہ انہی نسلوں کے ذریعے سلسلہ جلالیہ اور سادات بخاریہ کو دوام حاصل ہوا۔^[9]

بخارا اور ماوراء النہر

اہل انساب اور خاندانی روایتوں کے مطابق سید محمد بخاری کا قیام بخارا اور ماوراء النہر کے علمی و روحانی ماحول میں رہا، جہاں سادات کی نسبی اور دینی رولیت محفوظ رہی۔^[10]

روایتوں کے مطابق اسی ماحول نے بعد کی نسلوں میں:

- علم
- تصوف
- اہل بیت کی محبت
- دینی وقار

کو مضبوط کیا۔^[11]

فکری و روحانی رولیت

خاندانی روایتوں کے مطابق سید محمد بخاری کا تعلق اس روحانی رولیت سے تھا جس میں:

- ولایت اہل بیت
- علمی روایت
- روحانی تربیت

- نسبى تحفظ
- اہل بیت کی محبت
- کو بنیادی حیثیت حاصل تھی۔^[12]

روایتوں کے مطابق یہی روایت بعد کے ادوار میں سادات بخاریہ اور سادات جلالیہ کی بنیادی شناخت بنی۔^[13]

سادات بخاریہ اور بعد کی نسلیں

روایتوں کے مطابق سید محمد بخاری کی نسل بعد کے ادوار میں:

- سادات بخاریہ
- سادات جلالیہ
- سادات نقویہ

اور مختلف روحانی خاندانوں کی بنیاد بنی۔^[14]

بعد میں انہی نسلوں سے:

- جلال الدین سرخ پوش بخاری
- سید سلطان احمد کبیر
- مخدوم جہانیاں جہاں گشت
- سید محمود نر ناصرالدین نقوی البخاری
- سید صفی الدین
- سید محمد موج دریا بخاری
- جیسی معروف شخصیات سامنے آئیں۔^[15]

آل امیر اور آل نفیس سے تعلق

خاندانی روایتوں کے مطابق بعد کے ادوار میں آل امیر اور آل نفیس کی شاخیں بھی اسی وسیع سادات نقوی بخاری سلسلے سے وابستہ رہیں۔^[16]

روایتوں کے مطابق یہی نسبی تسلسل آگے چل کر:

- آگرہ
- فیروز آباد
- اوچ شریف
- لاہور
- حیدرآباد سندھ
- کراچی

اور دیگر علاقوں تک پھیلا۔^[17]

تاریخی حیثیت

اگرچہ سید محمد بخاری کے حالات زندگی تفصیل کے ساتھ محفوظ نہیں، تاہم:

- معتبر کتب انساب
- خاندانی شجرات
- قدیم مخطوطات
- سادات بخاریہ کے محفوظ مشجرات
- میں آپ کا ذکر نسبی اعتماد اور تسلسل کے ساتھ موجود ہے۔^[18]

روایتوں کے مطابق یہی امر آپ کی تاریخی حیثیت، نسبی اہمیت اور سادات بخاریہ کے تسلسل میں آپ کے مقام کو واضح کرتا ہے۔^[19]

مزید دیکھیے

- سید علی المعید بخاری
- جلال الدین سرخ پوش بخاری
- سید سلطان احمد کبیر
- مخدوم جہانیاں جہاں گشت
- اوچ شریف
- گلزار جلالیہ

حوالہ جات

1. Research Publication of Family of Saadat Naqvi (<https://doi.org/10.5281/zenodo.20070090>)
2. خاندانی روایات
3. خاندانی روایات و محفوظ شجرات
4. خاندانی روایات
5. خاندانی روایات
6. خاندانی روایات
7. خاندانی روایات
8. خاندانی روایات
9. خاندانی روایات
10. خاندانی روایات
11. خاندانی روایات
12. خاندانی روایات
13. خاندانی روایات
14. خاندانی روایات
15. خاندانی روایات
16. خاندانی روایات

17. خاندانی روایات

18. خاندانی روایات

19. خاندانی روایات

■ گلزارِ جلالیہ

■ Research Publication of Family of Saadat Naqvi (<https://doi.org/10.5281/zenodo.20070090>)

■ Internet Archive (https://archive.org/details/@sadaat_genealogy_contact)

■ خاندانی روایات و محفوظ شجرات

اخذ کردہ از «https://ur.wikipedia.org/w/index.php?title=حضرت_سید_محمد_بخاری&oldid=10503418»

<https://ur.wikipedia.org/s/1n1bw>

سانچہ:خاندان معلومات

سید محمود بن سید احمد شاہ سادات نقوی بخاری کے ان جلیل القدر بزرگوں میں شمار ہوتے ہیں جنہیں سادات بخاریہ کے نسبی، روحانی اور علمی تسلسل میں ایک مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ خاندانی رولیتوں، محفوظ شجرات، قدیم نسبی مخطوطات اور معتبر کتب انساب کے مطابق آپ اولاد جعفر الزکی بن امام علی نقی میں سے تھے اور انہی نسلوں سے بعد میں سید علی المعید بخاری اور جلال الدین سرخ پوش بخاری جیسی عظیم شخصیات سامنے آئیں۔^[1]

رولیتوں کے مطابق سید محمود بن سید احمد شاہ نہ صرف نسبی اعتبار سے ممتاز تھے بلکہ علم، زہد، تصوف اور روحانی وقار میں بھی نمایاں مقام رکھتے تھے۔^[2]

نسب

خاندانی شجرات، محفوظ عربی و فارسی نسخوں، قدیم نسبی دستاویزات اور گلزار جلالیہ کے مطابق سید محمود بن سید احمد شاہ کا مکمل نسب اس طرح بیان کیا جاتا ہے:

سید محمود بن سید احمد شاہ بن سید احمد شاہ بن سید عبد اللہ بن سید علی الاصفہ بن جعفر الزکی بن امام علی نقی بن امام محمد تقی بن امام علی رضا بن امام موسیٰ کاظم بن امام جعفر صادق بن امام محمد باقر بن امام زین العابدین بن امام حسین بن امام علی۔

[3]

خاندانی پس منظر

رولیتوں کے مطابق سید محمود بن سید احمد شاہ اس علوی اور حسینی خاندان سے تعلق رکھتے تھے جس نے:

- بخارا
- ماوراء النہر
- خراسان

میں اہل بیت کی علمی، روحانی اور نسبی رولیت کو محفوظ رکھا۔^[4]

رولیتوں کے مطابق یہی خاندان بعد کے ادوار میں سادات بخاریہ کے نام سے معروف ہوا، جبکہ انہی نسلوں سے سلسلہ جلالیہ اور مختلف روحانی خانوادے وجود میں آئے۔^[5]

مقام و مرتبہ

قدیم خاندانی رولیتوں اور تذکروں کے مطابق سید محمود بن سید احمد شاہ ایک:

- عارف
- متواضع
- صاحب زہد
- صاحب تقویٰ

▪ روحانی ذوق رکھنے والے

بزرگ تھے۔^[6]

روایتوں کے مطابق آپ کی شخصیت میں:

- صوفیانہ سکون
 - درویشی
 - قرب الہی
 - خاموش عبادت
- نمایاں تھی۔^[7]

مجالس اور تربیت

خاندانی روایتوں کے مطابق سید محمود بن سید احمد شاہ کی مجالس میں:

- ذکر
 - اذکار
 - حکمت
 - اخلاقی تربیت
 - روحانی اصلاح
- کا ماحول رہتا تھا۔^[8]

روایتوں کے مطابق آپ کی روحانی تربیت کا اثر آپ کی نسل میں بھی منتقل ہوا، جبکہ بعد کے ادوار میں انہی نسلوں سے:

- سید علی المعید بخاری
- جلال الدین سرخ پوش بخاری
- جیسی عظیم روحانی شخصیات سامنے آئیں۔^[9]

فکری و روحانی روایت

خاندانی روایتوں کے مطابق سید محمود بن سید احمد شاہ کا تعلق اس روحانی روایت سے تھا جس میں:

- ولایت اہل بیت
 - روحانی تزکیہ
 - اہل بیت کی محبت
 - نسبی تحفظ
 - دینی وقار
- کو بنیادی اہمیت حاصل تھی۔^[10]

روایتوں کے مطابق یہی فکری روایت بعد میں سادات بخاریہ اور سلسلہ جلالیہ کی شناخت بنی۔^[11]

سادات بخاریہ اور بعد کی نسلیں

روایتوں کے مطابق سید محمود بن سید احمد شاہ کی نسل بعد کے ادوار میں:

- سادات بخاریہ
- سادات جلالیہ
- سادات نقویہ

اور متعدد روحانی خاندانوں کی بنیاد بنی۔^[12]

بعد میں انہی نسلوں سے:

- جلال الدین سرخ پوش بخاری
- سید سلطان احمد کبیر
- مخدوم جہانیاں جہاں گشت
- سید محمود نر ناصرالدین نقوی البخاری
- سید صفی الدین
- سید محمد موج دریا بخاری

جیسی شخصیات سامنے آئیں۔^[13]

آل امیر اور آل نفیس سے تعلق

خاندانی روایتوں کے مطابق بعد کے ادوار میں آل امیر اور آل نفیس کی شاخیں بھی اسی وسیع سادات نقوی بخاری سلسلے سے وابستہ رہیں۔^[14]

روایتوں کے مطابق یہی نسبی تسلسل آگے چل کر:

- آگرہ
- فیروز آباد
- اوچ شریف
- لاہور
- حیدرآباد سندھ
- کراچی

اور برصغیر کے مختلف علاقوں تک پھیلا۔^[15]

وصال و مدفن

قدیم روایتوں اور خاندانی تذکروں کے مطابق سید محمود بن سید احمد شاہ کا وصال انیس ربیع الآخر کو ہوا۔^[16]

روایتوں کے مطابق آپ کا مزار بخارا یا اس کے نواحی علاقے میں واقع ہے، جہاں اہل دل حاضری دیتے ہیں۔^[17]

تاریخی حیثیت

اگرچہ سید محمود بن سید احمد شاہ کے متعلق تفصیلی تاریخی مواد محدود ہے، تاہم:

- معتبر کتب انساب
- خاندانی مشجرات
- قدیم مخطوطات
- سادات بخاریہ کی روایتیں

میں آپ کا ذکر ایک اہم نسبی اور روحانی واسطہ کے طور پر محفوظ ہے۔^[18]

روایتوں کے مطابق آپ کی اصل اہمیت:

- سادات بخاریہ کے نسبی استحکام
- روحانی روایت
- اہل بیت کی وابستگی
- خاندانی تسلسل

کے تحفظ میں تھی۔^[19]

ماخذ و مراجع

- عمدة الطالب از ابن عنہ
- المعقبون از سید مہدی رجائی
- لباب الانساب از ابن فندق بیہقی
- تذکرہ سادات بخاریہ
- قدیم خاندانی مشجرات اوچ و بخارا
- گلزار جلالیہ

مزید دیکھیے

- سید محمد بخاری
- سید علی المعید بخاری
- جلال الدین سرخ پوش بخاری
- سید سلطان احمد کبیر
- مخدوم جہانیاں جہاں گشت
- اوچ شریف
- گلزار جلالیہ

حوالہ جات

1. [Research Publication of Family of Saadat Naqvi \(https://doi.org/10.5281/zenodo.20070090\)](https://doi.org/10.5281/zenodo.20070090)

2. خاندانی روایات
3. خاندانی روایات و محفوظ شجرات
4. خاندانی روایات
5. خاندانی روایات
6. خاندانی روایات
7. خاندانی روایات
8. خاندانی روایات
9. خاندانی روایات
10. خاندانی روایات
11. خاندانی روایات
12. خاندانی روایات
13. خاندانی روایات
14. خاندانی روایات
15. خاندانی روایات
16. خاندانی روایات
17. خاندانی روایات
18. خاندانی روایات
19. خاندانی روایات

- [Research Publication of Family of Saadat Naqvi \(https://doi.org/10.5281/zenodo.20070090\)](https://doi.org/10.5281/zenodo.20070090)
- [Internet Archive \(https://archive.org/details/@sadaat_genealogy_contact\)](https://archive.org/details/@sadaat_genealogy_contact)
- خاندانی روایات و محفوظ شجرات

اخذ کردہ از «https://ur.wikipedia.org/w/index.php?title=حضرت_سید_محمود&oldid=10503413»



حضرت سید محمود نر ناصرالدین نقوی البخاری

<https://ur.wikipedia.org/s/1n19v>

سانچہ:خاندان معلومات

سید محمود نر ناصرالدین نقوی البخاری سلسلہ جلالیہ اور سادات نقوی بخاری کے ان عظیم بزرگوں میں شمار ہوتے ہیں جنہیں برصغیر، بخارا، خراسان اور وسط ایشیا میں سادات بخاریہ کی متعدد معروف شاخوں کا اہم جد امجد تسلیم کیا جاتا ہے۔ آپ مخدوم جہانیاں جہاں گشت کے صاحبزادے تھے اور خاندانی روایتوں، نسبی شجرات اور تذکروں کے مطابق شریعت، طریقت، معرفت، حقیقت اور روحانی تربیت کے جامع بزرگ سمجھے جاتے تھے۔^[1]

روایتوں کے مطابق ہندوستان، گجرات، اتر پردیش، سندھ، پنجاب، بخارا اور خراسان کے ہزاروں سادات و مشائخ کی متعدد شاخیں آپ ہی کی نسل سے پھیلیں، جبکہ آپ کی اولاد نے برصغیر کے مختلف علاقوں میں علمی، روحانی اور سماجی اثرات قائم کیے۔^[2]

نسب و تعارف

خاندانی شجرات، محفوظ عربی و فارسی نسخوں، اوچ شریف کے مشجرات، درگاہی روایتوں، گلزار جلالیہ اور مختلف نسبی مصادر کے مطابق سید محمود نر ناصرالدین نقوی البخاری کا مکمل نسب اس طرح بیان کیا جاتا ہے:

سید محمود نر ناصرالدین نقوی البخاری بن مخدوم جہانیاں جہاں گشت بن سید احمد کبیر بن جلال الدین سرخ پوش بخاری بن سید ابوالموید علی بن سید جعفر ثالث بن سید ابوالفتح محمد بن سید محمود بن سید ابی یوسف احمد بن سید عبد اللہ بن سید علی الاشرق بن سید جعفر الرکی بن امام علی نقی بن امام محمد تقی بن امام علی رضا بن امام موسیٰ کاظم بن امام جعفر صادق بن امام محمد باقر بن امام زین العابدین بن امام حسین بن امام علی۔

[3]

روحانی مقام

خاندانی روایتوں کے مطابق سید محمود نر ناصرالدین نقوی البخاری اپنے والد مخدوم جہانیاں جہاں گشت کی طرح:

- جامع شریعت
- صاحب طریقت
- صاحب معرفت
- اہل تصوف
- صاحب فیض

بزرگ تھے۔^[4]

روایتوں کے مطابق آپ نے اپنے والد کے روحانی فیضان اور تربیتی نظام کو آگے بڑھایا، جبکہ آپ کے ذریعے سادات بخاریہ کی متعدد روحانی و نسبی شاخیں وجود میں آئیں۔^[5]

لقب "نر"

خاندانی اور نسبی روایتوں کے مطابق نر کا لقب بندی نسبین نے سید محمود نر ناصرالدین نقوی البخاری کو ان کی کثیر الاولاد نسل کے باعث دیا۔^[6]

رولہتوں کے مطابق آپ کی نسل غیر معمولی طور پر وسیع ہوئی اور بعد کے ادوار میں برصغیر کی متعدد ساداتی شاخیں آپ ہی سے منسوب ہوئیں۔^[7]

مقام و مزار

رولہتوں کے مطابق سید محمود نر ناصر الدین نقوی البخاری کا روضہ اقدس اوج شریف ضلع بہاولپور میں واقع ہے، جو سادات بخاریہ اور سلسلہ جلالیہ کے قدیم روحانی مراکز میں شمار کیا جاتا ہے۔^[8]

ازدواج اور کثرت نسل

خاندانی شجرات اور رولہتوں کے مطابق سید محمود نر ناصر الدین نقوی البخاری کے چار نکاح ہوئے، جن سے آپ کے ستائیس فرزند پیدا ہوئے۔^[9]

رولہتوں کے مطابق ان میں سے کم از کم پچودہ صاحبزادے صاحب اولاد ہوئے اور انہی کے ذریعے مختلف ساداتی سلسلے آگے بڑھے، جبکہ بعض صاحبزادگان کی نسل منقطع ہو گئی۔^[10]

معروف صاحب اولاد بیٹے

خاندانی رولہتوں اور نسبی مصادر کے مطابق سید محمود نر ناصر الدین نقوی البخاری کے معروف صاحب اولاد بیٹوں میں درج ذیل نام شامل ہیں:

1. سید اسماعیل وجیہ الدین باکروری
2. سید علاء الدین
3. سید شہاب الدین
4. سید شرف الدین
5. سید علم الدین بن ناصر الدین بن مخدوم جہانیاں بخاری
6. سید عبد الحق
7. سید عبد الرزاق
8. سید فیض اللہ
9. سید عیسیٰ
10. سید سراج الدین
11. سید طیفور
12. سید بہاؤ الدین
13. مخدوم کبیر شمس الدین
14. سید برہان الدین قطب عالم

[11]

سید شہاب الدین

رولہتوں کے مطابق سید شہاب الدین کو قاضی القضاۃ ہند کے لقب سے یاد کیا جاتا تھا اور وہ علمی و عدالتی خدمات کے باعث معروف ہوئے۔^[12]

سید فیض اللہ

رولہتوں کے مطابق سید فیض اللہ کے صاحبزادے سید عبدالدین بخاری احمد آبادی تھے، جن کے ذریعے احمد آباد کی بعض بخاری شاخیں آگے بڑھیں۔^[13]

مخدوم کبیر شمس الدین

مخدوم کبیر شمس الدین کو بعض روایتوں میں صاحب دستار کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔^[14]

سید برہان الدین قطب عالم

سید برہان الدین قطب عالم گجرات اور احمد آباد کے معروف بزرگوں میں شمار ہوتے ہیں۔ روایتوں کے مطابق ان کا اصل نام عبد اللہ جبکہ کنیت ابو عبد اللہ تھی۔^[15]

دیگر اولاد

خاندانی شجرات کے مطابق سید محمود نر ناصر الدین نقوی البخاری کے دیگر صاحبزادگان میں درج ذیل نام شامل ہیں:

1. سید قطب الدین
2. سید کمال الدین
3. سید جلال الدین
4. سید حسام الدین
5. سید جمال الدین
6. سید قیوم اللہ
7. سید زین العابدین
8. سید عبد الوہاب
9. سید اسد اللہ
10. سید صلاح الدین
11. سید اسلام شاہ
12. سید جہانگیر شاہ
13. سید عبد الباقی

[16]

نسلی و خاندانی اثرات

خاندانی روایتوں کے مطابق سید محمود نر ناصر الدین نقوی البخاری کی نسل نے بعد کے ادوار میں برصغیر کے مختلف علاقوں میں متعدد روحانی، علمی اور سماجی مراکز قائم کیے۔^[17]

ان علاقوں میں خصوصاً:

- اوچ شریف
- احمد آباد
- تونسہ
- باکرور
- جھنگ
- سیالکوٹ
- بخارا
- گجرات

■ جنوبی ہند

شامل ہیں۔^[18]

روایتوں کے مطابق آپ کی نسل سے وابستہ متعدد افراد:

■ مشائخ

■ علما

■ قضاة

■ صوفیا

■ محدثین

■ مفسرین

کے طور پر معروف ہوئے۔^[19]

متعلقہ ساداتی شاخیں

خاندانی روایتوں اور نسبی دستاویزات کے مطابق درج ذیل ساداتی شاخیں اپنی نسبت سید محمود نر ناصرالدین نقوی البخاری سے جوڑتی ہیں:

■ سادات ناصری

■ سادات جہانگیری

■ سادات قطب عالمی

■ سادات شمس الدینی

■ سادات آل امیر

■ سادات احمد آبادی

^[20]

تاریخی حیثیت

روایتوں کے مطابق سید محمود نر ناصرالدین نقوی البخاری کی ذات سادات بخاریہ کے ان مرکزی بزرگوں میں شمار ہوتی ہے جنہوں نے:

■ سادات بخاریہ کے نسبی تسلسل

■ روحانی روایت

■ علمی خدمات

■ تصوف

■ اہل بیت سے وابستگی

کو وسیع جغرافیائی دائرے میں پھیلایا۔^[21]

آپ کی نسل آج بھی:

■ پاکستان

■ ہندوستان

■ ایران

- عراق
- وسط ایشیا

کے مختلف علاقوں میں موجود ہے، جبکہ نقوی بخاری شناخت انہی سے منسوب سمجھی جاتی ہے۔^[22]

اہم ماخذ

- بحر المطالب فی انساب آل ابی طالب از سید کرم حسین بخاری اوچوی
- تذکرہ مخدوم جہانیاں جہاں گشت
- یادگار سہروردیہ
- انسائیکلو پیڈیا اولیائے کرام
- شجرات نسب بخاریہ اوچ شریف
- Jalalians.com
- مخطوطہ تذکرہ ناصرالدین از خدام آستانہ اوچ شریف

مزید دیکھیے

- مخدوم جہانیاں جہاں گشت
- سید علم الدین بن ناصر الدین بن مخدوم جہانیاں بخاری
- سید برہان الدین قطب عالم
- جلال الدین سرخ پوش بخاری
- اوچ شریف
- گلزار جلالیہ

حوالہ جات

1. Research Publication of Family of Saadat Naqvi (<https://doi.org/10.5281/zenodo.20070090>)
2. خاندانی روایات
3. خاندانی روایات و محفوظ شجرات
4. خاندانی روایات
5. خاندانی روایات
6. خاندانی روایات
7. خاندانی روایات
8. خاندانی روایات
9. خاندانی روایات
10. خاندانی روایات
11. خاندانی روایات
12. خاندانی روایات
13. خاندانی روایات

14. خاندانی روایات
15. خاندانی روایات
16. خاندانی روایات
17. خاندانی روایات
18. خاندانی روایات
19. خاندانی روایات
20. خاندانی روایات
21. خاندانی روایات
22. خاندانی روایات

■ گلزارِ جلالیہ

■ Research Publication of Family of Saadat Naqvi (<https://doi.org/10.5281/zenodo.20070090>)

■ Internet Archive (https://archive.org/details/@sadaat_genealogy_contact)

■ خاندانی روایات و محفوظ شجرات

اخذ کردہ از «https://ur.wikipedia.org/w/index.php?title=حضرت_سید_محمود_نر_ناصرالدین_نقوی_البخاری&oldid=10503448»



حضرت سید نظام الدین بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرزند حضرت سید جلال الدین بن سید علم الدین بخاری رحمۃ اللہ علیہ

<https://ur.wikipedia.org/s/1n18m>

سانچہ:خاندان معلومات

سید نظام الدین بخاری سادات نقوی بخاری کے ان جلیل القدر بزرگوں میں شمار ہوتے ہیں جن کے حالات زندگی پر تفصیلی تاریخی مواد کم دستیاب ہے، تاہم خاندانی شجرہ جات، قدیم نسبی روایات، محفوظ مشجرات اور سادات بخاریہ کی زبانی روایتوں میں آپ کا ذکر ایک ذمہ دار، باوقار، صاحب دیانت اور خاندانی امانت کے امین بزرگ کے طور پر محفوظ ہے۔ روایتوں کے مطابق آپ نے اپنی زندگی زیادہ تر خاموش خدمت، دینی ذمہ داری، نسبی تحفظ اور خاندانی وقار کی حفاظت میں بسر کی، جو آپ کے اسلاف کی روایت کا تسلسل تھا۔^[1]

خاندانی روایتوں کے مطابق سید نظام الدین بخاری اس دور کے بزرگوں میں شمار ہوتے تھے جنہوں نے بغیر ظاہری شہرت یا سیاسی وابستگی کے سادات نقوی بخاری کے نسبی، دینی اور سماجی نظام کو برقرار رکھا۔^[2]

مکمل نسب

خاندانی شجرات، محفوظ عربی و فارسی نسخوں، درگاہی روایتوں، اوچ شریف کے مشاجرات اور گلزار جلالیہ کے مطابق سید نظام الدین بخاری کا مکمل نسب اس طرح بیان کیا جاتا ہے:

سید نظام الدین بخاری بن سید جلال الدین بخاری بن سید علم الدین بن سید ناصر الدین محمود بخاری بن مخدوم جانیان جاں گشت بن سید احمد کبیر بن جلال الدین سرخ پوش بخاری بن سید ابوالمؤید علی بن سید جعفر ثالث بن سید ابوالفتح محمد بن سید محمود بن سید ابی یوسف احمد بن سید عبد اللہ بن سید علی الاشقر بن سید جعفر الزکی بن امام علی نقی بن امام محمد تقی بن امام علی رضا بن امام موسی کاظم بن امام جعفر صادق بن امام محمد باقر بن امام زین العابدین بن امام حسین بن امام علی۔

[3]

خاندانی و تاریخی پس منظر

سید نظام الدین بخاری کا تعلق سادات نقوی بخاری کے اس معزز خاندان سے تھا جس نے صدیوں تک:

- اوچ شریف
- ملتان
- پنجاب
- سندھ

اور برصغیر کے دیگر علاقوں میں علمی، روحانی اور نسبی اثر قائم رکھا۔^[4]

روایتوں کے مطابق آپ کے دور تک سادات بخاریہ مختلف علاقوں میں آباد ہو چکے تھے اور ان پر متعدد دینی، سماجی اور نسبی ذمہ داریاں عائد تھیں۔^[5]

ان ذمہ داریوں میں خصوصاً:

- سادات خاندان کے معاملات کی نگرانی
- نسب اہل بیت کا تحفظ
- خاندانی روایت دیانت اور وقار کا تسلسل

- مذہبی شناخت کی حفاظت
 - عوام میں باوقار اور غیر نمائشی دینی کردار
- شامل تھے۔^[6]

رولہتوں کے مطابق سید نظام الدین بخاری نے یہ تمام ذمہ داریاں نہایت سنجیدگی، خاموشی اور امانت کے ساتھ ادا کیں اور اپنی شخصیت کو خاندانی نظم و وقار کے تحفظ کے لیے وقف رکھا۔^[7]

دینی اور سماجی کردار

خاندانی رولہتوں میں سید نظام الدین بخاری کو:

- صاحب دیانت
 - متوازن مزاج
 - خاموش خدمت گزار
 - خاندانی نظم کے محافظ
- بزرگ کے طور پر یاد کیا جاتا ہے۔^[8]

اگرچہ آپ کے متعلق کرامات یا سیاسی سرگرمیوں کے نمایاں تذکرے محفوظ نہیں رہے، تاہم رولہتوں کے مطابق آپ کی اصل اہمیت:

- نسبی تسلسل کے تحفظ
 - ساداتی شناخت کی بقا
 - خاندانی نظم کی حفاظت
 - روحانی روایت کے استحکام
- میں تھی۔^[9]

اعتقادی و فکری پس منظر

خاندانی رولہتوں کے مطابق سید نظام الدین بخاری کا دور وہ مرحلہ تھا جب بخاری سادات کے حلقوں میں اہل بیت سے وابستگی اور اثنا عشری تشیع کا رنگ تدریجی طور پر زیادہ نمایاں ہو رہا تھا۔^[10]

رولہتوں کے مطابق اس زمانے میں یہ وابستگی زیادہ تر:

- خاموش
- علمی
- روحانی
- نسبی وفاداری

کی صورت میں موجود تھی، جبکہ اہل بیت کی مظلومیت اور واقعہ کربلا کو خاندانی رولہت میں مرکزی مقام حاصل تھا۔^[11]

اسی طرح:

- ائمہ اہل بیت کی امامت کا احترام
- ولایتی شعور
- اہل بیت کی اخلاقی سنت

■ ساداتی وقار

نسل در نسل منتقل ہو رہا تھا۔^[12]

اولاد

خاندانی شجرات اور محفوظ روایات کے مطابق سید نظام الدین بخاری کے دو صاحبزادے تھے:

■ سید صفی الدین

■ سید عمر بخاری

^[13]

سید صفی الدین

سید صفی الدین بعد کے ادوار میں سادات نقوی بخاری کی اجتماعی اور روحانی قیادت کے اہم ترین ستون کے طور پر سامنے آئے۔^[14]

روایتوں کے مطابق آپ ہی کے ذریعے بعد میں:

■ سید محمد موج دریا بخاری

■ سید سلطان جلال الدین حیدر نقوی البخاری لاہوری

جیسی عظیم شخصیات سامنے آئیں۔^[15]

سید عمر بخاری

قدیم خاندانی شجروں اور روایتی نسبی مصادر کے مطابق سید عمر بخاری کے دو صاحبزادے تھے:

■ سید قطب شاہ

■ سید عبد الجلیل شاہ

^[16]

سید قطب شاہ

روایتوں کے مطابق سید قطب شاہ کا شمار سادات بخاری کے ان افراد میں ہوتا ہے جنہوں نے:

■ دینی خدمات

■ سماجی کردار

■ خاندانی وقار

■ نسبی روایت

کو برقرار رکھا۔^[17]

سید عبد الجلیل شاہ

سید عبد الجلیل شاہ کی نسل بعض علاقوں میں علاحدہ شناخت کے ساتھ آگے بڑھی اور بعد کے ادوار میں سادات بخاری کے تسلسل میں اہم کردار ادا کرتی رہی۔^[18]

ذمہ داریوں کی منتقلی

خاندانی روایتوں کے مطابق سید نظام الدین بخاری کے بعد خاندانی، روحانی اور سماجی ذمہ داریاں سید صفی الدین کو منتقل ہوئیں۔^[19]

یہ منتقلی اس بات کی علامت سمجھی جاتی ہے کہ سادات بخاریہ میں قیادت:

- اہلیت
- تقویٰ
- خاندانی اعتماد
- روحانی وقار
- کی بنیاد پر منتقل ہوتی تھی۔^[20]

روحانی و خاندانی تسلسل

روایتوں کے مطابق سید نظام الدین بخاری کی نسل میں:

- اہل بیت سے محبت
- نسبی تحفظ
- روحانی روایت
- تصوف
- ساداتی وقار
- شجرات نسب کی حفاظت
- نسل در نسل منتقل ہوتی رہی۔^[21]

بعد کے ادوار میں یہی سلسلہ:

- اوچ شریف
- لاہور
- ملتان
- آگرہ
- فیروز آباد
- حیدرآباد سندھ
- اور دیگر علاقوں تک پھیلا۔^[22]

مزید دیکھیے

- سید صفی الدین

- سید محمد موج دریا بخاری
- سید سلطان جلال الدین حیدر نقوی البخاری لاہوری
- سید علم الدین
- جلال الدین سرخ پوش بخاری
- مخدوم جہانیاں جہاں گشت
- اوچ شریف
- گلزار جلالیہ

توالہ جات

1. Research Publication of Family of Saadat Naqvi (https://doi.org/10.5281/zenodo.20070090)
2. خاندانی روایات
3. خاندانی روایات و محفوظ شجرات
4. خاندانی روایات
5. خاندانی روایات
6. خاندانی روایات
7. خاندانی روایات
8. خاندانی روایات
9. خاندانی روایات
10. خاندانی روایات
11. خاندانی روایات
12. خاندانی روایات
13. خاندانی روایات
14. خاندانی روایات
15. خاندانی روایات
16. خاندانی روایات
17. خاندانی روایات
18. خاندانی روایات
19. خاندانی روایات
20. خاندانی روایات
21. خاندانی روایات
22. خاندانی روایات

- گلزار جلالیہ

■ Research Publication of Family of Saadat Naqvi (https://doi.org/10.5281/zenodo.20070090)

■ Internet Archive (https://archive.org/details/@sadaat_geneology_contact)

- خاندانی روایات و محفوظ شجرات

اخذ کردہ از «<https://ur.wikipedia.org/w/index.php?oldid=10503472>

[حضرت سید نظام الدین بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرزند حضرت سید جلال الدین بن سید علم الدین بخاری رحمۃ اللہ علیہ](https://ur.wikipedia.org/wiki/حضرت_سید_نظام_الدین_بخاری_رحمت_اللہ_علیہ_فرزند_حضرت_سید_جلال_الدین_بن_سید_علم_الدین_بخاری_رحمت_اللہ_علیہ)



حضرت علی الاصغر بن جعفر الزکی

<https://ur.wikipedia.org/s/1n1da>

سانچہ:خاندان معلومات

حضرت سید علی الاصغر بن جعفر الزکی ساداتِ حسینِ نقویہ کے اُن ممتاز بزرگوں میں شمار ہوتے ہیں جن کی نسل نے بعد کے ادوار میں عالمِ اسلام خصوصاً بخارا، ماوراء النہر، خراسان، ایران، افغانستان اور برصغیر میں علمی، روحانی، دعوتی اور نسبی اثرات قائم کیے۔ قدیم مخطوطات، شجراتِ سادات، کتبِ انساب، خاندانی روایتوں، ڈیجیٹل جینیالوجیکل محفوظات، DOI تحقیقی مطبوعات اور جدید نسبی مطالعات کے مطابق آپ جعفر الزکی بن امام علی نقی علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے جبکہ بعد کے معروف ساداتِ بخاریہ، ساداتِ جلالیہ، آل امیر، آل نفیس اور متعدد نقوی بخاری خاوندے آپ ہی کی نسل سے منسلک سمجھے جاتے ہیں۔: contentReference[oaicite:0]{index=0}

اہلِ انساب کے مطابق بعد کے بخاری، جلالی، نقوی اور سہروردی سادات کے متعدد تاریخی سلسلے اسی نسبی تسلسل سے وابستہ ہوئے جن سے آگے چل کر:

- جلال الدین سرخ پوش بخاری
 - مخدوم جہانیاں جہاں گشت
 - حضرت سید سلطان احمد کبیر
 - حضرت سید محمود ناصرالدین نقوی بخاری
- اور دیگر معروف روحانی و علمی شخصیات سامنے آئیں۔

نسب

قدیم کتبِ انساب اور محفوظ شجرات کے مطابق آپ کا سلسلہ نسب یوں بیان کیا جاتا ہے:

حضرت سید علی الاصغر بن جعفر الزکی بن امام علی نقی بن امام محمد تقی بن امام علی رضا بن امام موسیٰ کاظم بن امام جعفر صادق بن امام محمد باقر بن امام زین العابدین بن امام حسین بن امام علی علیہم السلام

contentReference[oaicite:1]{index=1}

اہلِ نسب کے مطابق آپ کی کنیت ابو الحسن تھی جبکہ بعض تاریخی روایات میں آپ کو:

- نقیب بغداد
 - نقیب مشہد رضوی
- بھی قرار دیا گیا ہے۔ یہ القابات آپ کے علمی، سماجی اور نسبی مقام کی علامت سمجھے جاتے ہیں۔

تاریخی پس منظر

حضرت سید علی الاصغر بن جعفر الزکی اُس دور میں گزرے جب عباسی خلافت کے سیاسی حالات کے باعث علوی سادات مختلف علاقوں میں منتشر ہو رہے تھے۔ اہل بیت علیہم السلام کی متعدد نسلوں نے:

- عراق
- خراسان

- ماوراء النہر
- بخارا
- ترکستان

اور بعد ازاں:

- سندھ
- ملتان
- اوچ شریف
- لاہور
- دہلی
- کشمیر
- آگرہ
- فیروز آباد

کی طرف ہجرتیں اختیار کیں۔: {contentReference[oaicite:2]{index=2}}

اہلِ انساب اور خاندانی رولیتوں کے مطابق بعد کے بخاری نقوی سادات کی بڑی شاخیں اسی تاریخی ہجرتی سلسلے سے وابستہ ہوئیں۔

سادات بخاریہ سے تعلق

اہلِ نسب کے مطابق سادات بخاریہ کی بنیادی نسب شاخ حضرت سید علی الاصغر بن جعفر الزکی ہی کی نسل سے وابستہ قرار دی جاتی ہے۔ رولیتوں کے مطابق بخارا میں قیام کی نسبت سے بعد میں یہ خاندان بخاری کہلایا۔: {contentReference[oaicite:3]{index=3}}

بعد کے ادوار میں یہی نسل:

- اوچ شریف
- ملتان
- بہاولپور
- جھنگ
- لاہور
- دہلی
- جالندھر
- کشمیر
- سندھ
- حیدرآباد سندھ
- کراچی
- آگرہ
- فیروز آباد
- اور دیگر علاقوں میں پھیلی۔

علمی و روحانی اثرات

خاندانی روایات، محفوظ شجرات اور جدید تحقیقی مطالعات کے مطابق حضرت سید علی الاصغر بن جعفر الزکی کی نسل کے متعدد افراد نے:

- تصوف
- دعوت
- شجرہ نویسی
- مخطوطات کے تحفظ
- ساداتی روایت
- خانقاہی نظام
- روحانی تربیت

کے میدانوں میں نمایاں کردار ادا کیا۔: {contentReference[oaicite:4]{index=4}}

بعد کے ادوار میں اسی سلسلے سے:

- جلال الدین سرخ پوش بخاری
- مخدوم جہانیاں جہاں گشت

جیسی معروف روحانی شخصیات سامنے آئیں جن کا اثر پورے برصغیر میں پھیلا۔

اولاد و نسل

اہل نسب کے مطابق حضرت سید علی الاصغر بن جعفر الزکی کی نسل سے تعلق رکھنے والی متعدد معروف شخصیات بعد میں سامنے آئیں، جن میں:

- حضرت سید عبداللہ بن علی الاصغر
- حضرت سید احمد شاہ
- حضرت سید محمود
- حضرت سید محمد بخاری
- حضرت سید جعفر حسینی بخاری
- حضرت سید علی المعید بخاری

شامل ہیں۔: {contentReference[oaicite:5]{index=5}}

بعد ازاں انہی نسلوں سے:

- حضرت سید سلطان احمد کبیر
- حضرت سید محمود ناصرالدین نقوی بخاری
- حضرت سید علم الدین بخاری
- حضرت سید جلال الدین بخاری
- حضرت سید نظام الدین بخاری
- سید صفی الدین
- سید علم الدین لاہوری

- سید زین العابدین
 - سید شاہ نظام
 - سید یار شاہ حیدر
 - سید جہانگیر شاہ
 - سید شمس الدین شاہ
 - سید شرف الدین شاہ
 - سید کبیر شاہ
 - سید قطب شاہ
 - سید حیدر شاہ
 - سید امیر علی شاہ
 - سید شاکر علی شاہ
 - سید عاشق علی شاہ
 - سید نفیس علی شاہ
 - حاجی سید حفیظ علی
 - سید محبت علی
 - سید امید علی
 - سید قدیر علی نقوی
- جیسے خاندانوں اور شخصیات سامنے آئیں۔

آل امیر اور آل نفیس

خاندانی روایتوں، نسبی مطالعات اور جدید تحقیقی مطبوعات کے مطابق آل امیر اور آل نفیس کی متعدد شاخیں بھی اسی وسیع نقوی بخاری نسبی تسلسل سے وابستہ رہی ہیں۔ اہل رولیت کے مطابق ان خاندانوں نے:

- علمی خدمات
 - روحانی تربیت
 - تصوف
 - دعوت
 - شجرہ نویسی
 - مخطوطات کے تحفظ
- اور ساداتی رولیت کے فروغ میں اہم کردار ادا کیا۔

معقب اور غیر معقب اولاد

علمائے فہم انساب کے مطابق حضرت سید علی الاصغر بن جعفر الزکی کی بعض اولاد کی عقبہ واضح اور محفوظ رہی جبکہ بعض نام ایسے بھی منقول ہوئے جن کی نسل قطعی طور پر ثابت نہ ہو سکی۔ اسی وجہ سے اہل نسب نے ان کی اولاد کو:

- معقب
- غیر معقب

کی تقسیم کے ساتھ بیان کیا۔: contentReference[oaicite:6]{index=6}

ڈیجیٹل جینیالوجیکل محفوظات

حضرت سید علی الاصغر بن جعفر الزکی اور ان سے منسلک سادات نقویہ بخاریہ کا نسبی تسلسل متعدد جدید ڈیجیٹل جینیالوجیکل منصوبوں، DOI تحقیقی مطبوعات، GEDCOM نسبی ڈیٹا سیٹس، آرکائیوڈ محفوظات، GitHub صفحات، Scribd محفوظات، Slideshare تحقیقی مواد، Ancestry خاندانی درختوں اور Archive.org آرکائیوز میں بھی محفوظ کیا گیا ہے۔

یہ تحقیقی و نسبی مواد خصوصاً:

- Aal-e-Zahra (S.A)
 - Research Publication of Family of Saadat Naqvi
 - Historical and Genealogical Study of a Naqvi Bukhari Saadat Family of Pak o Hind
- جیسی مطبوعات میں تفصیل سے موجود ہے۔

DOI تحقیقی مطبوعات

- DOI: <https://doi.org/10.5281/zenodo.20070090>
- DOI: <https://doi.org/10.5281/zenodo.20199191>
- DOI: <https://doi.org/10.5281/zenodo.19451925>

متعلقہ شخصیات

- امام علی
- امام حسین
- امام زین العابدین
- امام محمد باقر
- امام جعفر صادق
- امام موسیٰ کاظم
- امام علی رضا
- امام محمد تقی
- امام علی نقی
- جعفر الزکی
- جلال الدین سرخ پوش بخاری
- مخدوم جہانیاں جہاں گشت

ویکیپیڈیا و ویکی شیعہ

- https://ur.wikipedia.org/wiki/حضرت_علی_الاصغر_بن_جعفر_الزکی
- https://ur.wikishia.net/view/امام_علی_نقی_علیه_السلام
- https://en.wikishia.net/wiki/Ali_al-Hadi
- https://ur.wikishia.net/view/سید_جلال_الدین_سر_خ_پوش_بخاری
- https://en.wikishia.net/wiki/Sayyid_Jalal_al-Din_Surkh-Push_Bukhari
- https://ur.wikipedia.org/wiki/جلال_الدین_سر_خ_پوش_بخاری
- https://en.wikipedia.org/wiki/Jalaluddin_Surkh-Posh_Bukhari
- https://en.wikipedia.org/wiki/Shrine_of_Jalaluddin_Bukhari
- https://pnb.wikipedia.org/wiki/سید_جلال_الدین_سر_خ_بخاری

DOI و تحقیقی مطبوعات

- <https://doi.org/10.5281/zenodo.20070090>
- <https://doi.org/10.5281/zenodo.20199191>
- <https://doi.org/10.5281/zenodo.19451925>

آرکائیوز و ڈیجیٹل محفوظات

- https://archive.org/details/@sadaat_genealogy_contact
- https://archive.org/details/Aal_e_zahra_s.a
- <https://archive.org/details/name-by-name-shajra-sadaat>
- <https://archive.org/details/full-shajra-video>
- <https://archive.org/details/all-links-for-about-saadat-naqvi-bukhari-firozabadi-hyderabad-aal-e-a-meer-aal-e-nafees>

Scribd

- <https://www.scribd.com/document/1036410911/Research-Publication-of-Family-of-Saadat-Naqvi-DOI-10-5281-zenodo-20070090>
- <https://www.scribd.com/document/1040365011/Aal-e-Zahra-S-A-Ancient-Naqvi-Bukhari-Sadat-Genealogy>
- <https://www.scribd.com/document/1040370023/All-Links-for-About-Saadat-Naqvi-Bukhari-Firozabadi-Hyderabad-Aal-e-Ameer-Aal-e-Nafees>

Slideshare

- <https://www.slideshare.net/slideshow/research-publication-of-family-of-saadat-naqvi-bukhari-pak-o-hind-naqvi-syed-genealogy-ahl-al-bayt-history-doi-archive/287467322>
- <https://www.slideshare.net/slideshow/aal-e-zahra-s-a-ancient-manuscript-of-naqvi-bukhari-sadat-genealogy-and-ahl-al-bayt-heritage/287565793>
- <https://www.slideshare.net/slideshow/comprehensive-genealogical-and-historical-study-of-naqvi-bukhari-saadat-families/287566085>

GitHub و جینیالوجیکل ویب سائٹس

- <https://contactsadaatgenealogy-lab.github.io/saadat-hyderabad-firozabadi-agra-aaleameer-aalen/-afees-family-tree>
- <https://sites.google.com/view/ansaabesadaat/home>
- <https://www.ancestry.com/family-tree/tree/210443711?cfpid=412779994347>

Medium

- <https://medium.com/@contact.sadaatgenealogy/research-publication-of-family-of-saadat-naqvi-doi-10-5281-zenodo-20070090-3982f2f14f94>
- <https://medium.com/@contact.sadaatgenealogy/history-of-saadat-sayyeds-f76bd5eee1a6>
- <https://medium.com/@contact.sadaatgenealogy/a-historical-and-genealogical-study-of-a-naqvi-bukhari-sadaat-family-contents-1-a276def684ea>

یوٹیوب

- https://www.youtube.com/watch?v=qn_Trnq2eCk
- <https://www.youtube.com/@GenealogyofSadaat>

بلاگس

- <https://shajra-nasab-sadaat-naqvi-albukhari.blogspot.com/2026/05/gulzar-e-jalalia-gulzar-e-jalaliya.html>
- <https://gulzarejalaliya.blogspot.com>

علمی پورٹلز

- <https://scholars.pk/ur/scholar/hazrat-syed-sultan-jalaluddin-haider-soharwardi>
- <https://scholar.ziaetaiba.com/ur/scholar/hazrat-syed-sultan-jalaluddin-haider-soharwardi>

ماخذ و مراجع

- المعقبون من آل ابی طالب
- عمدة الطالب فی انساب آل ابی طالب
- لباب الانساب
- المجدی فی انساب الطالبین
- مدرک الطالب فی نسب آل ابی طالب
- شجرات سادات بخاریہ
- تذکرہ جلالیہ
- گلزارِ جلالیہ
- Aal-e-Zahra (S.A)
- Historical and Genealogical Study of a Naqvi Bukhari Saadat Family of Pak o Hind
- محفوظ مخطوطاتِ سادات
- قدیم قلمی شجراتِ نسب
- DOI تحقیقی مطبوعات
- ڈیجیٹل جینیالوجیکل آرکائیوز

توالہ جات

اخذ کردہ از «https://ur.wikipedia.org/w/index.php?title=حضرت_علی_الاصغر_بن_جعفر_الزکی&oldid=10503097»



سید امید علی بن سید محبت علی

<https://ur.wikipedia.org/s/1n0x2>

سید امید علی بن سید محبت علی

سید امید علی بن سید محبت علی سادات نقوی البخاری خاندان کے اُن بزرگوں میں شمار ہوتے ہیں جنہوں نے حیدرآباد، سندھ میں خاندان کے نسبی، روحانی، تاریخی اور سماجی تسلسل کو برقرار رکھنے میں اہم کردار ادا کیا۔ آپ سید محبت علی بن سید نفیس علی کے بڑے صاحبزادے تھے جبکہ آپ کا تعلق اُس تاریخی سلسلہ سادات سے تھا جو جلال الدین سرخ پوش بخاری، مخدوم جانیوں جہاں گشت، سید سلطان جلال الدین حیدر نقوی البخاری لاہوری اور امام علی نقی علیہ السلام سے اپنا نسب بیان کرتا ہے۔^[1]

خاندانی روایتوں کے مطابق سید امید علی نرم مزاج، خاموش طبیعت، درویش صفت، خاندانی روایات کے محافظ اور اہل بیت سے عقیدت رکھنے والے فرد تھے۔ اگرچہ انہوں نے مذہبی پیشوائی، گدی نشینی یا روحانی قیادت کو اختیار نہیں کیا، تاہم خاندان کی تاریخی یادداشت، نسبی روایات اور بزرگوں کے واقعات کو محفوظ رکھنے میں ان کا کردار اہم سمجھا جاتا ہے۔

contentReference[oaicite:0]{index=0}:

مکمل نسب

خاندانی شجرات، عربی و فارسی مخطوطات، دگاہی ریکارڈ، گلزار جلالیہ، اوچ شریف کے تصدیقی شجرات اور محفوظ روایات کے مطابق آپ کا نسب اس طرح بیان کیا جاتا ہے:

سید امید علی بن سید محبت علی بن سید محبت علی بن سید نفیس علی بن سید نفیس علی شاہ بن سید عاشق علی شاہ بن سید عاشق علی بن سید شاکر علی شاہ بن سید شاکر علی شاہ بن سید امیر علی شاہ بن سید امیر علی شاہ بن سید حیدر شاہ بن سید قطب شاہ بن سید کبیر شاہ بن سید شرف الدین شاہ بن سید شمس الدین شاہ بن سید جانگیر شاہ بن سید یار شاہ حیدر بن سید شاہ نظام الدین بن سید زین العابدین بن سید علم الدین بن سید سلطان جلال الدین حیدر نقوی البخاری لاہوری بن سید صفی الدین بخاری بن سید نظام الدین بخاری بن سید علیم الدین بخاری بن سید جلال الدین بخاری بن سید ناصر الدین محمود بخاری بن مخدوم جانیوں جہاں گشت بن سید احمد کبیر بن جلال الدین سرخ پوش بخاری بن سید ابوالموید علی بن سید جعفر ثالث بن سید ابوالفتح محمد بن سید محمود بن سید ابی یوسف احمد بن سید عبد اللہ بن سید علی الاشقر بن سید جعفر الکی بن امام علی نقی علیہ السلام بن امام محمد تقی علیہ السلام بن امام علی رضا علیہ السلام بن امام موسیٰ کاظم علیہ السلام بن امام جعفر صادق علیہ السلام بن امام محمد باقر علیہ السلام بن امام زین العابدین علیہ السلام بن امام حسین علیہ السلام بن امام علی علیہ السلام۔

دینی و روحانی پس منظر

خاندانی روایتوں کے مطابق سید امید علی کا مذہب میں کوئی باقاعدہ نمایاں یا پیشوائی کردار نہیں تھا اور وہ ایک عام روایتی مسلمان کی طرح زندگی بسر کرتے تھے۔ اگرچہ وہ سلسلہ قادریہ میں بیعت یافتہ تھے، مگر انہوں نے کبھی گدی نشینی، روحانی قیادت یا مذہبی شہرت کو اختیار نہیں کیا۔:contentReference[oaicite:1]{index=1}

روایتوں کے مطابق ان کا طرز زندگی سادگی، خاموشی، عزت نفس اور خاندان سے وفاداری پر مبنی تھا۔ وہ مذہبی معاملات کو ذاتی عقیدت اور روحانی وابستگی تک محدود رکھتے تھے۔

contentReference[oaicite:2]{index=2}:

خاندان کی گمشدہ تاریخ اور شجرات

خاندانی روایتوں کے مطابق سید امید علی اُن افراد میں شامل تھے جنہوں نے خاندان کے منتشر تاریخی ریکارڈ، شجرات نسب، قدیم مخطوطات، فارسی نسخوں اور ہجرتی تاریخ کو محفوظ رکھنے کی کوشش کی۔:contentReference[oaicite:3]{index=3}

روایتوں کے مطابق خاندان کی کئی تاریخی دستاویزات:

- ہجرتوں
- چوریوں
- خاندانی جھگڑوں
- اور وقت کے ضیاع

کی وجہ سے ختم ہو گئیں۔ خاص طور پر سید محبت علی بن سید نفیس علی کے انتقال کے بعد ہونے والی ایک پوری میں:

- قدیم شجرات
 - فارسی نسخے
 - تاریخی دستاویزات
 - تبرکات
 - خاندان کی تاریخ سے متعلق مسودات
- ضائع ہو گئے۔: contentReference[oaicite:4]{index=4}

فارسی شجرہ کا واقعہ

خاندانی روایتوں کے مطابق ایک مرتبہ حکیم سید فروخ حسین نامی رشتہ دار نے سید امید علی سے فارسی شجرہ نسب مانگا تاکہ اس کی نقل تیار کی جا سکے۔ روایتوں کے مطابق سید امید علی نے اعتماد کرتے ہوئے وہ نسخہ ان کے حوالے کر دیا، مگر بعد میں وہ خاندان کراچی منتقل ہو گیا اور شجرہ واپس نہ آ سکا۔: contentReference[oaicite:5]{index=5}

اس واقعے کے بعد خاندان کے پاس صرف محدود اردو نسخے اور چند زبانی روایات باقی رہ گئیں۔: contentReference[oaicite:6]{index=6}

تقسیم ہند اور ہجرت کی روایات

خاندانی روایتوں کے مطابق سید امید علی نے اپنے خاندان سے بارہا ذکر کیا کہ تقسیم ہند کے وقت آگرہ، فیروز آباد، لکھنؤ اور دیگر علاقوں سے سادات خاندانوں کا ایک بڑا قافلہ پاکستان منتقل ہوا تھا۔: contentReference[oaicite:7]{index=7}

روایتوں کے مطابق:

- قافلہ لاہور بارڈر سے داخل ہوا
- کچھ عرصہ بہاولپور اور عزیز آباد میں قیام کیا
- بعد ازاں اوچ شریف کی زیارت کی
- پھر حیدرآباد، سندھ میں مستقل سکونت اختیار کی

contentReference[oaicite:8]{index=8}

خاندانی روایات کے مطابق مولا علی قدم گاہ اور پکا قلعہ کے علاقوں میں اس وقت بڑی تعداد میں سادات خاندان آباد ہوئے تھے۔: contentReference[oaicite:9]{index=9}

تقیہ اور فقہی تبدیلیاں

خاندانی روایتوں کے مطابق سید محبت علی بن سید نفیس علی، حاجی سید حفیظ علی بن سید نفیس علی اور ان کے قریبی خاندانوں نے بعض ادوار میں تقیہ اختیار کیا تھا۔: contentReference[oaicite:10]{index=10}

یہ روایت بعد کی نسلوں میں سید امید علی نے اپنے بیٹوں اور قریبی رشتہ داروں کو بیان کی۔ بعد میں:

- سید قدیر علی
- سید ساجد علی
- سید اصغر رضوی
- سید اکبر رضوی
- سید حیدر رضوی

اور دیگر خاندانوں نے بھی انہی روایات کی تائید کی۔: contentReference[oaicite:11]{index=11}

روایتوں کے مطابق خاندان کی ابتدائی وابستگی اثنا عشری تشیع سے تھی، تاہم بعد کے ادوار میں بعض خاندانوں نے تصوف یا بریلوی شناخت اختیار کر لی۔
contentReference[oaicite:12]{index=12}:

روحانی روایت

خاندانی روایتوں کے مطابق سید امید علی کی زوجہ مغل نسل سے تعلق رکھتی تھیں اور ان سے بعض روحانی واقعات منسوب کیے جاتے ہیں۔
contentReference[oaicite:13]{index=13}:

ایک روایت کے مطابق انھوں نے ایک نوجوان کے متعلق پیش گوئی کی کہ:

” آپ کی عبارت اس طرح نظر آئے گی، واوین استعمال نہ کریں “

بعد ازاں روایت کے مطابق وہ شخص واقعی قید ہوا اور بعد میں پاکستان کی ایک سیاسی جماعت کا اہم رکن اور اسمبلی کا رکن بنا۔: contentReference[oaicite:14]{index=14}

اولاد

خاندانی روایتوں کے مطابق سید امید علی کی اولاد میں درج ذیل نام شامل ہیں:

صاحبزادگان

- سید قدیر علی
- سید امیر علی نقوی
- سید ماجد علی نقوی
- سید ساجد علی نقوی
- سید ذویب علی نقوی

contentReference[oaicite:15]{index=15}

سید قدیر علی

سید قدیر علی خاندان کی جدید نسل کے اہم افراد میں شمار ہوتے ہیں۔ رولیتوں کے مطابق انھوں نے اپنی اولاد کی دینی، اخلاقی اور نسبی تربیت میں اہم کردار ادا کیا۔
contentReference[oaicite:16]{index=16}:

سید قدیر علی کی اولاد

- سید شاہ زیب علی
- حافظ سید شاہ زین علی
- سید شارق علی
- سید یوشع علی

contentReference[oaicite:17]{index=17}

حافظ سید شاہ زین علی

رولیتوں کے مطابق حافظ سید شاہ زین علی کو خاندان میں حفظ قرآن کی سعادت حاصل ہوئی۔ انھوں نے امامت، اذان، ناظرہ اور حفظ کی تعلیم سے وابستگی رکھی، مگر مذہبی خدمات کو ذریعہ معاش نہیں بنایا۔
contentReference[oaicite:18]{index=18}:

سید شاہ زیب علی

سید شاہ زیب علی خاندان کی جدید نسل میں انساب سادات، تاریخ اہل بیت، شجرات نسب، فرقہ جاتی تاریخ اور نقوی بخاری سادات کے تحقیقی کاموں کے حوالے سے معروف ہیں۔ رولیتوں کے مطابق انھوں نے خاندان کے منتشر تاریخی مواد، زبانی روایات، فارسی شجرات اور قدیم نسخوں کو یکجا کرنے میں کردار ادا کیا۔
contentReference[oaicite:19]{index=19}

ایصال ثواب اور دینی ماحول

خاندانی رولیتوں کے مطابق سید قدیر علی کی زوجہ، جنھیں "ہنّت محراب شج" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، خاندان کی دینی و اخلاقی تربیت میں اہم کردار رکھتی تھیں۔
contentReference[oaicite:20]{index=20}:

رولیتوں کے مطابق:

- قرآن خوانی
- ایصال ثواب
- مدارس میں قرآن خوانی
- خواتین کے دینی حلقے
- مرحومین کے لیے دعا

کا اہتمام مستقل طور پر کیا جاتا تھا۔
contentReference[oaicite:21]{index=21}:

سادات نقوی بخاری روایت

خاندانی روایتوں اور تحقیقی مواد کے مطابق سید امید علی کا خاندان سادات نقوی بخاری کی اُس شاخ سے تعلق رکھتا تھا جس کی نسبت اوچ شریف، بخارا، ملتان، فیروز آباد، آگرہ اور حیدرآباد، سندھ سے بیان کی جاتی ہے۔ -contentReference[oaicite:22]{index=22}

مزید دیکھیے

- سید محبت علی بن سید نفیس علی
- حاجی سید حفیظ علی بن سید نفیس علی
- سید نفیس علی شاہ بن سید عاشق علی شاہ
- سید عاشق علی بن سید شاکر علی شاہ
- سید شاکر علی شاہ بن سید امیر علی شاہ
- سید امیر علی شاہ بن سید حیدر شاہ
- سید قدیر علی
- سید شاہ زیب علی
- حافظ سید شاہ زین علی
- سید اصغر رضوی
- سید اکبر رضوی
- سید حیدر رضوی
- اوچ شریف
- پکا قلعہ
- قدم گاہ مولا علی
- گلزار جلالیہ

حوالہ جات

1. Research Publication of Family of Saadat Naqvi (<https://doi.org/10.5281/zenodo.20070090>)

- گلزار جلالیہ
- Research Publication of Family of Saadat Naqvi (<https://doi.org/10.5281/zenodo.20070090>)
- Internet Archive (https://archive.org/details/@sadaat_geneology_contact)
- Historical Family Tree (<https://contactsadaatgeneology-lab.github.io/saadat-hyderabad-firozabadi-gra-aaleameer-aalenafees-family-tree/>)
- غلام رسول مہر، سیرت سید جلال الدین سرخ پوش بخاری
- تاریخ اوچ شریف

اخذ کردہ از «https://ur.wikipedia.org/w/index.php?title=سید_امید_علی_بن_سید_محبت_علی&oldid=10503558»



سید زین العابدین بن سید علم الدین

<https://ur.wikipedia.org/s/1n16h>

سانچہ:خاندان معلومات

سید زین العابدین سادات نقوی البخاری خاندان کی اُن قدیم نسلوں میں شمار ہوتے ہیں جن کا ذکر خاندانی شجرات نسب، عربی و فارسی مخطوطات، محفوظ روایتوں اور زبانی تاریخ میں تسلسل کے ساتھ پایا جاتا ہے۔ آپ سید علم الدین کے صاحبزادے تھے جبکہ آپ کا تعلق اُس تاریخی حسینی سادات سلسلے سے تھا جو امام علی نقی علیہ السلام، جلال الدین سرخ پوش بخاری، مخدوم جہانیاں جہاں گشت اور سید سلطان جلال الدین حیدر نقوی البخاری لاہوری سے اپنا نسب بیان کرتا ہے۔^[1]

خاندانی روایتوں کے مطابق اگرچہ سید زین العابدین کی زندگی کی تفصیلی تاریخی معلومات محفوظ نہیں رہ سکیں، تاہم مختلف شجرات نسب، عربی و فارسی نسخوں اور خاندانی روایتوں میں ان کا نام مسلسل درج ملتا ہے، جو اس امر کی علامت سمجھا جاتا ہے کہ انھوں نے خاندانی نسبت، ساداتی وقار اور روحانی روایت کو محفوظ رکھا۔^[2]

مکمل نسب

خاندانی شجرات، محفوظ عربی و فارسی نسخوں، اوج شریف کے مشاجرات، درگاہی ریکارڈ، گلزار جلالیہ اور خاندانی روایتوں کے مطابق سید زین العابدین کا مکمل نسب اس طرح بیان کیا جاتا ہے:

سید زین العابدین بن سید علم الدین بن سید سلطان جلال الدین حیدر نقوی البخاری لاہوری بن سید صفی الدین بخاری بن سید نظام الدین بخاری بن سید علیم الدین بخاری بن سید جلال الدین بخاری بن سید ناصر الدین محمود بخاری بن مخدوم جہانیاں جہاں گشت بن سید احمد کبیر بن جلال الدین سرخ پوش بخاری بن سید ابوالموید علی بن سید جعفر ثالث بن سید ابوالفتح محمد بن سید محمود بن سید ابی یوسف احمد بن سید عبد اللہ بن سید علی الاشقر بن سید جعفر الرکعی بن امام علی نقی علیہ السلام بن امام محمد تقی علیہ السلام بن امام علی رضا علیہ السلام بن امام موسیٰ کاظم علیہ السلام بن امام جعفر صادق علیہ السلام بن امام محمد باقر علیہ السلام بن امام زین العابدین علیہ السلام بن امام حسین علیہ السلام بن امام علی علیہ السلام۔

[3]

تاریخی و نسبی حیثیت

خاندانی روایتوں کے مطابق سید زین العابدین خاندان کی اُس نسل سے تعلق رکھتے تھے جس نے بعد کے ادوار میں سادات نقوی البخاری خاندان کے نسبی تسلسل کو محفوظ رکھنے میں اہم کردار ادا کیا۔^[4]

اگرچہ ان کے عہد کی تفصیلی تاریخی معلومات محدود ہیں، تاہم محفوظ شجرات نسب میں ان کا نام مستقل طور پر موجود ہے۔ روایتوں کے مطابق یہی تسلسل بعد کی نسلوں میں خاندان کی شناخت، شاخوں اور نسبی ترتیب کے استحکام کا ذریعہ بنا۔^[5]

خاندانی روایتوں کے مطابق سید زین العابدین کی نسل میں بعد کے ادوار میں:

- روحانیت
- تصوف
- ساداتی روایت
- اہل بیت سے وابستگی
- شجرات نسب کا تحفظ
- نسل در نسل منتقل ہوتا رہا۔^[6]

اولاد

خاندانی روایتوں اور محفوظ شجراتِ نسب کے مطابق سید زین العابدین کے صاحبزادے:

▪ سید شاہ نظام الدین

تھے۔^[7]

روایتوں کے مطابق سید شاہ نظام الدین کے ذریعے خاندان کی کئی شاخیں واضح صورت میں سامنے آئیں۔^[8]

سید شاہ نظام الدین

سید شاہ نظام الدین خاندان کے نسبی تسلسل میں ایک باوقار اور اہم کردی کی حیثیت رکھتے ہیں۔^[9]

روایتوں کے مطابق ان کے صاحبزادے:

▪ سید یار شاہ حیدر

تھے۔^[10]

سید یار شاہ حیدر کی نسل

سید یار شاہ حیدر کے صاحبزادگان میں:

▪ سید نبی شاہ

▪ سید کبیر شاہ

▪ سید جہانگیر شاہ

شامل تھے۔^[11]

سید جہانگیر شاہ کی نسل

سید جہانگیر شاہ کے صاحبزادگان میں:

▪ سید مالی شاہ

▪ سید شمس الدین شاہ

شامل تھے۔^[12]

سید شمس الدین شاہ کی نسل

سید شمس الدین شاہ کے صاحبزادگان میں:

▪ سید صدر الدین شاہ

▪ سید شرف الدین شاہ

▪ سید قطب شاہ

سید شرف الدین شاہ کی نسل

سید شرف الدین شاہ کے صاحبزادے سید کبیر شاہ تھے، جن کی نسل سے بعد میں متعدد شاخیں وجود میں آئیں۔ [14]

سید قطب شاہ کی نسل

سید قطب شاہ کے صاحبزادے سید حیدر شاہ تھے، جن کی نسل سے بعد میں:

- سید امیر علی شاہ بن سید حیدر شاہ
- سید شاکر علی شاہ بن سید امیر علی شاہ
- سید عاشق علی بن سید شاکر علی شاہ
- سید نفیس علی شاہ بن سید عاشق علی شاہ
- سید محبت علی بن سید نفیس علی
- سید امید علی بن سید محبت علی
- سید قدیر علی

اور دیگر شخصیات سامنے آئیں۔ [15]

مختلف علاقوں میں پھیلاؤ

خاندانی روایتوں کے مطابق سید زین العابدین کی نسل بعد کے ادوار میں:

- اوچ شریف
- ملتان
- فیروز آباد
- آگرہ
- لاہور
- حیدرآباد، سندھ

اور دیگر علاقوں میں پھیل گئی۔ [16]

روحانی روایت

خاندانی روایتوں کے مطابق سید زین العابدین کی نسل میں:

- اہل بیت سے محبت
- تصوف
- ولایت علوی
- ساداتی روایت
- عزاداری
- درگاہی وابستگیاں

■ شجراتِ نسب کا تحفظ

نسل در نسل منتقل ہوتا رہا۔^[17]

خاندانی روایتوں کے مطابق سادات نقوی البخاری جلالی خاندان کے بزرگوں کی روحانی وابستگی اہل بیت اطہار اور ائمہ اہل بیت سے تھی، جبکہ ان کی تعلیمات اور روایات میں ولایتِ علویٰ اور اہل بیت کی محبت نمایاں سمجھی جاتی تھی۔^[18]

مزید دیکھیے

- سید علم الدین
- سید شاہ نظام الدین
- سید یار شاہ حیدر
- سید جہانگیر شاہ
- سید شمس الدین شاہ
- سید شرف الدین شاہ
- سید کبیر شاہ
- سید قطب شاہ
- سید حیدر شاہ
- سید امیر علی شاہ بن سید حیدر شاہ
- جلال الدین سرخ پوش بخاری
- مخدوم جہانیاں جہاں گشت
- اوچ شریف
- گلزار جلالیہ

حوالہ جات

1. Research Publication of Family of Saadat Naqvi (<https://doi.org/10.5281/zenodo.20070090>)
2. خاندانی روایات
3. خاندانی روایات
4. خاندانی روایات
5. خاندانی روایات
6. خاندانی روایات
7. خاندانی روایات
8. خاندانی روایات
9. خاندانی روایات
10. خاندانی روایات
11. خاندانی روایات
12. خاندانی روایات
13. خاندانی روایات
14. خاندانی روایات

- 15. خاندانی روایات
- 16. خاندانی روایات
- 17. خاندانی روایات
- 18. خاندانی روایات

■ گلزار جلالیہ

■ Research Publication of Family of Saadat Naqvi (<https://doi.org/10.5281/zenodo.20070090>)

■ Internet Archive (https://archive.org/details/@sadaat_genealogy_contact)

■ خاندانی روایات و محفوظ شجرات

اخذ کردہ از «https://ur.wikipedia.org/w/index.php?title=سید_زین_العابدین_بن_سید_علم_الدین&oldid=10503493»



سید سلطان جلال الدین حیدر نقوی البخاری لاہوری

<https://ur.wikipedia.org/s/1mn9s>

سید سلطان جلال الدین حیدر نقوی البخاری لاہوری برصغیر کے ایک صوفی بزرگ تھے جن کا تعلق سادات نقویہ اور خانوادۂ بخاریہ سے ہے۔ آپ حضرت میراں محمد شاہ المعروف موج دریا بخاری کے حقیقی بھائی تھے جبکہ آپ کے والد سید صفی الدین بخاری اوج شریف کے سجادہ نشین تھے۔^[1]

بعض تذکروں میں انھیں علوم ظاہری و باطنی سے وابستہ، زاہد اور عبادت گزار شخصیت کے طور پر بیان کیا گیا ہے۔ روایات کے مطابق آپ مغل دور میں اپنے بھائی کے بعد لاہور تشریف لائے تاہم آپ نے شاہی جاگیر قبول نہیں کی اور سادہ طرز زندگی اختیار کی۔^[2]

سید سلطان جلال الدین حیدر نقوی البخاری لاہوری برصغیر کے ایک بزرگ اور خانوادۂ بخاریہ سے وابستہ شخصیت تھے جنھیں بعض تذکروں میں سلسلہ سہروردیہ سے بھی منسلک کیا گیا ہے۔ مختلف خاندانی روایات کے مطابق آپ حضرت میراں محمد شاہ المعروف موج دریا بخاری کے حقیقی بھائی تھے جبکہ آپ کے والد سید صفی الدین بخاری اوج شریف کے سجادہ نشین تھے۔ روایات میں آپ کو علوم ظاہری و باطنی، زہد، عبادت اور تجرید سے وابستہ شخصیت کے طور پر بیان کیا گیا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ حضرت موج دریا بخاری کی لاہور آمد اور مغل دربار سے وابستہ جاگیر عطا ہونے کے بعد آپ بھی لاہور تشریف لائے، تاہم آپ نے شاہی جاگیر قبول نہیں کی اور سادہ طرز زندگی اختیار کیا۔ بعض خاندانی و نسبی روایات میں آپ کی نسبت سادات نقویہ اور اہل بیت سے وابستہ روحانی ولایت سے بھی بیان کی جاتی ہے، جبکہ بعد کے ادوار میں لاہور میں آپ کی شناخت زیادہ تر سہروردی بزرگ کے طور پر معروف ہوئی۔ روایات کے مطابق آپ کا وصال 1016ھ میں عہد نور الدین جہانگیر میں لاہور میں ہوا اور آپ کو بی بی پکدامن کے احاطہ کے قریب دفن کیا گیا جہاں آپ کا مزار موجود بتایا جاتا ہے۔^[3]

روایات کے مطابق آپ کا وصال 1016ھ بمطابق 1607ء عہد نور الدین جہانگیر میں لاہور میں ہوا۔ آپ کو بی بی پکدامن کے احاطہ، واقع محمد نگر لاہور میں سپرد خاک کیا گیا جہاں آپ کا مزار ایک گنبد کے نیچے واقع بتایا جاتا ہے۔ مقامی روایات کے مطابق احاطہ مزار میں بی بی باج اور بی بی تاج سے منسوب قبور بھی موجود ہیں اور عوام میں آپ کو ان بزرگ خواتین کے استاد کے طور پر بھی یاد کیا جاتا ہے۔ خاندانی روایات کے مطابق آپ کی اولاد بعد میں بھوگیوال اور باغبانپورہ کے علاقوں میں آباد ہوئی، جبکہ احاطہ مزار میں آپ کے فرزند سید علم الدین اور نمبرہ زین العابدین سے منسوب قبور کا بھی ذکر ملتا ہے۔^[4]

نسب

خاندانی روایات اور شجرۂ نسب کے مطابق سید سلطان جلال الدین حیدر نقوی البخاری لاہوری کا سلسلہ نسب حضرت امام علی نقی علیہ السلام کے واسطے سے حضرت علی بن ابی طالب علیہ السلام تک پہنچتا ہے۔ بیان کردہ نسب کے مطابق آپ سید سلطان جلال الدین حیدر بن سید صفی الدین بخاری بن سید نظام الدین بن سید علیم الدین بن سید جلال الدین بخاری بن سید ناصر الدین محمود بن سید مخدوم جہانیاں جہاں گشت بخاری بن سید احمد کبیر بن سید جلال الدین سرخ پوش بخاری بن سید ابوالموید علی بن سید جعفر ثالث بن سید ابوالفتح محمد بن سید محمود بن سید ابی یوسف احمد بن سید عبد اللہ بن سید علی الاشقر بن سید جعفر الزکی بن حضرت امام علی نقی علیہ السلام بن حضرت امام محمد تقی علیہ السلام بن حضرت امام علی رضا علیہ السلام بن حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام بن حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام بن حضرت امام محمد باقر علیہ السلام بن حضرت امام زین العابدین علیہ السلام بن حضرت امام حسین علیہ السلام بن حضرت علی بن ابی طالب علیہ السلام تھے۔^[5]

لاہور آمد

بعض تاریخی تذکروں کے مطابق حضرت موج دریا بخاری کی لاہور آمد کے بعد آپ بھی لاہور منتقل ہوئے جہاں آپ نے عبادت، تدریس اور روحانی خدمات میں وقت گزارا۔^[6]

وفات و مزار

روایات کے مطابق آپ کا وصال مغل شہنشاہ نور الدین جہانگیر کے دور میں 1016ھ میں لاہور میں ہوا۔ آپ کا مزار لاہور میں بی بی پکدامن کے احاطہ کے قریب واقع بتایا جاتا ہے۔^[7]

بعد کی نسل اور ہجرت

خاندانی روایات اور بعض نسبی و تحقیقی مطبوعات کے مطابق سید سلطان جلال الدین حیدر نقوی البخاری لاہوری کی نسل کے بعض افراد بعد کے ادوار میں مغلیہ دار الحکومت دہلی اور دیگر علاقوں کی طرف منتقل ہوئے۔ انہی روایات کے مطابق خاندان کے بعض افراد نے حجاز، مکہ، مدینہ، شام، عراق اور ایران کی جانب سفر کیے جہاں انھوں نے دینی تعلیم، تبلیغ اور زیارات سے وابستہ سرگرمیوں میں حصہ لیا۔ بعد ازاں مغلیہ سلطنت کے عروج کے زمانے میں خاندان کے بعض افراد دوبارہ برصغیر واپس آئے اور آگرہ کے نواحی علاقوں میں آباد ہوئے۔^[8]

خاندانی و تحقیقی روایات میں سید امیر علی کی نسل کا ذکر بھی ملتا ہے جن کی اولاد بعد میں آگرہ سے ہجرت کر کے موجودہ ریاست اتر پردیش کے شہر فیروز آباد میں آباد ہوئی۔ ان روایات میں سید ذاکر علی اور سید شاکر علی کے نام بھی مذکور ہیں جبکہ فیروز آباد میں ان سے منسوب بعض قبور اور مزارات کا ذکر کیا جاتا ہے۔^[9]

تقسیم ہند کے دوران خاندانی روایات کے مطابق سید شاکر علی کی نسل سے تعلق رکھنے والے بعض افراد، جن میں سید حفیظ علی اور سید محبت علی کے نام بیان کیے جاتے ہیں، اپنے اہل خانہ اور دیگر سادات خاندانوں کے ہمراہ پاکستان منتقل ہوئے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ یہ قافلہ لاہور کے راستے اوچ شریف پہنچا اور بعد ازاں سندھ کی جانب روانہ ہوا جہاں آخر کار حیدر آباد سندھ کے علاقے پکا قلعہ کے قریب سکونت اختیار کی گئی۔ بعد کے ادوار میں اس خاندان کی شاخیں کراچی اور سندھ کے دیگر علاقوں تک پھیل گئیں۔^[10]

خاندانی روایات اور محفوظ نسبی مخطوطات کے مطابق اس سلسلہ نسب کی ایک شاخ حضرت سید سلطان جلال الدین حیدر نقوی البخاری لاہوری سے آگے اس طرح بیان کی جاتی ہے:^[11]

سید شاہ زین علی نقوی بن سید قدیر علی نقوی بن سید امید علی بن سید محبت علی بن سید نفیس علی بن سید عاشق علی بن سید شاکر علی بن سید امیر علی شاہ۔ "حافظ سید شاہ زین علی نقوی" بن سید قدیر علی نقوی بن سید امید علی بن سید محبت علی بن سید نفیس علی بن سید عاشق علی بن سید شاکر علی بن سید امیر علی شاہ۔ سید شارق علی نقوی" بن سید قدیر علی نقوی بن سید امید علی بن سید محبت علی بن سید نفیس علی بن سید عاشق علی بن سید شاکر علی بن سید امیر علی شاہ۔ "سید یوشع علی نقوی" بن سید قدیر علی نقوی بن سید امید علی بن سید محبت علی بن سید نفیس علی بن سید عاشق علی بن سید شاکر علی بن سید امیر علی شاہ۔^[12]

سید حفیظ علی شاہ بن سید نفیس علی شاہ بن سید محبت علی شاہ بن سید عاشق علی شاہ بن سید شاکر علی شاہ بن سید امیر علی شاہ بن سید حیدر شاہ بن سید قطب شاہ بن سید کبیر شاہ بن سید شمس الدین شاہ بن سید جاگیر شاہ بن سید یار شاہ حیدر بن سید شاہ نظام الدین بن سید زین العابدین بن سید علم الدین بن سید سلطان جلال الدین حیدر نقوی البخاری لاہوری بن سید صفی الدین بخاری بن سید نظام الدین بن سید علیم الدین بن سید جلال الدین بخاری بن سید ناصر الدین محمود بخاری بن سید محمود جانیان جاگشت بخاری بن سید احمد کبیر بن سید جلال الدین سرخ پوش بخاری بن سید ابوالموید علی بن سید جعفر ثالث بن سید ابوالفتح محمد بن سید محمود بن سید ابی یوسف احمد بن سید عبد اللہ بن سید علی الاشرق بن سید جعفر الرکب بن حضرت امام علی نقی علیہ السلام بن حضرت امام محمد تقی الجواد علیہ السلام بن حضرت امام علی رضا علیہ السلام بن حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام بن حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام بن حضرت امام محمد باقر علیہ السلام بن حضرت امام زین العابدین علیہ السلام بن حضرت امام حسین علیہ السلام بن حضرت امام علی بن ابی طالب علیہ السلام۔^[13]

ان ہجرتوں اور خاندانی روایات کا ذکر بعض نسبی و تحقیقی مطبوعات، از جملہ گلزارِ جلالیہ، Research Publication of Family of Saadat Naqvi، آلِ زہرا، گلزارِ نقی اور آلِ رسول ﷺ میں بھی کیا گیا ہے۔^[14]

حوالہ جات

1. Hazrat Syed Sultan Jalaluddin Haider Soharwardi | Scholars | I. T. Department of Zia-e-Taiba
 2. 13-05-2026. scholars.pk - "Islamic | Encyclopedia | Book Libraray | Articles | Blogs
https://www.amazon.in/%E2%80%AB%DA%AF%D9%84%D8%B2%D8%A7%D8%B1%D9%90-%D8%AC%D9%84%D8%A7%D9%84%DB%8C%DB%81-Gulzar-Jalalia-Al-Bukhari-ebook/dp/B0GX2YFVYX/ref=sr_1_38?dib=eyJ2IjoiMSJ9.vwTm8oD9AWIOFWU7hfyhjBUE8JDTDxg-zwupPg1etFiwULQfO6SJVhJygrhWYGBewbW8OnJHON9kd852zLWLigJ_TcBWejMMr65orotvpK0nk5WeUL0HQV-azl0z3wnd5SJOoKmFHRlGYQToZ8jkyo-poR97668Dn91RhzoKgSjWb-UwlqJfMtRoEI0TqtpKyR1EH2YAdD8tfndVeqacGkVsKGaPm09MSsv4Elil1m8.UMmknYq_F5z_24tdxoldhSxZy6eIT81X-PjTVi8kxS8&dib_tag=se&qid=1778503370&refinements=p_27%3AMuhammad+lqbal&s=books
- {{حوالہ کتاب}}: پیرامیٹر |title= غیر موجود یا خالی (معاونت)

3. Hazrat Syed Sultan Jalaluddin Haider Soharwardi | Scholars | "I. T. Department of Zia-e-Taiba
scholars.pk. "Islamic | Encyclopedia | Book Libraray | Articles | Blogs
13-05-2026 اخذ شدہ بتاریخ
4. Hazrat Syed Sultan Jalaluddin Haider Soharwardi | Scholars | "I. T. Department of Zia-e-Taiba
scholars.pk. "Islamic | Encyclopedia | Book Libraray | Articles | Blogs
13-05-2026 اخذ شدہ بتاریخ
5. Hazrat Syed Sultan Jalaluddin Haider Soharwardi | Scholars | "I. T. Department of Zia-e-Taiba
scholars.pk. "Islamic | Encyclopedia | Book Libraray | Articles | Blogs
13-05-2026 اخذ شدہ بتاریخ
6. Hazrat Syed Sultan Jalaluddin Haider Soharwardi | Scholars | "I. T. Department of Zia-e-Taiba
scholars.pk. "Islamic | Encyclopedia | Book Libraray | Articles | Blogs
13-05-2026 اخذ شدہ بتاریخ
7. Hazrat Syed Sultan Jalaluddin Haider Soharwardi | Scholars | "I. T. Department of Zia-e-Taiba
scholars.pk. "Islamic | Encyclopedia | Book Libraray | Articles | Blogs
13-05-2026 اخذ شدہ بتاریخ
8. "Client Challenge". www.scribd.com. اخذ شدہ بتاریخ 13-05-2026
9. "Internet Archive: Digital Library of Free & Borrowable Texts, Movies, Music & Wayback Machine".
archive.org. اخذ شدہ بتاریخ 13-05-2026
10. "History of Naqvi Bukhari Saadat | Genealogical Archive". contactsadaatgenealogy-lab.github.io.
(بزبان انگریزی). Retrieved 2026-05-13.
11. "Geneology of Sadaat | سادات کا شجرہ نسب". YouTube. Retrieved 2026-05-13.
12. Syed Saleem Raza Bukhari (january 2026). گلزارِ جلالیہ [Gulzar E Jalaliya] (بزبان Urdu) (1 ایڈیشن).
Pakistan, Multan, Uch Shareef, Shrine of Hazrat Surkh Posh Bukhari R.A: مدینۃ السادات (30 ایڈیشن).
ص 356. B0GX2YFVYX ASN:ISBN. {{حوالہ کتاب}}: تآکد من صحة | isbn=القيمة: نادرست حروف
(معاونت)
13. "Client Challenge". www.scribd.com. اخذ شدہ بتاریخ 13-05-2026
14. "Sadaat Naqvi Bukhari Genealogy". sites.google.com. اخذ شدہ بتاریخ 13-05-2026
- "Research Publication of Family of Saadat Naqvi". Zenodo. CERN Data Centre. اخذ شدہ بتاریخ
13-05-2026
- "Research Publication of Family of Saadat Naqvi Archive Collection". Internet Archive. اخذ شدہ
بتاریخ 13-05-2026
- "حضرت سید سلطان جلال الدین حیدر سہروردی لاہوری". Scholars.pk. اخذ شدہ بتاریخ 13-05-2026
- بخاری، سید سلیم رضا۔ گلزارِ جلالیہ۔ اوچ شریف: مدینۃ السادات، 2026ء۔
- گیلانی، سید علی عباس۔ حقیقۃ الزہراء۔ 2026ء۔
- نقوی، سید مقصود۔ ریاض الانساب / گلزارِ نقی۔ لاہور۔
- نقوی البخاری، سید ضمیر الحسن۔ نسب نامہ آلِ رسول ﷺ، جلد دوم۔
- بخاری حسامی، سید خلیل احمد۔ مراتِ جلالی۔ الہ آباد: اسرارِ کریمی پریس، 1918ء۔
- دہلوی، عبد الحق محدث۔ اخبار الاخیار۔
- دہلوی، حمید بن فضل اللہ جمالی۔ سیر العارفین۔
- چشتی، شیخ اللہ دیا۔ سیر الاقطاب۔
- "گلزارِ جلالیہ". Blogspot. اخذ شدہ بتاریخ 13-05-2026
- "انسابِ سادات". Google Sites. اخذ شدہ بتاریخ 13-05-2026
- "Research Publication of Family of Saadat Naqvi". SlideShare. اخذ شدہ بتاریخ 13-05-2026
- "Research Publication of Family of Saadat Naqvi". Scribd. اخذ شدہ بتاریخ 13-05-2026
- "گلزارِ جلالیہ اور شجرۂ نسب سادات نقوی البخاری". Blogspot. اخذ شدہ بتاریخ 13-05-2026

- "Saadat Hyderabad Firozabadi Agra Family Tree Archive". GitHub Pages. اخذ شدہ بتاریخ 13-05-2026
- "Genealogy of Saadat – Historical Presentation". YouTube. اخذ شدہ بتاریخ 13-05-2026
- "Genealogy of Sadaat". YouTube. اخذ شدہ بتاریخ 13-05-2026
- "Naqvi Bukhari Family Tree". Ancestry. اخذ شدہ بتاریخ 13-05-2026
- "گلزارِ جلالیہ". Amazon Kindle. اخذ شدہ بتاریخ 13-05-2026

1. ماخذات و مراجع

اس تحقیقی کام کی تیاری میں درج ذیل نسبی و تاریخی ماخذات سے استفادہ کیا گیا، جو سادات کے سلسلہ نسب کے ساتھ ساتھ شیعہ، سنی اور صوفی علمی روایات سے بھی متعلق ہیں: [11]

بخاری، سید سلیم رضا۔ گلزارِ جلالیہ۔

مصنف: سید سلیم رضا بخاری، شجرہ نویس، مدینۃ السادات اوچ شریف۔

اشاعت: جنوری 2026ء، اوچ شریف، درگاہ حضرت سید جلال الدین سرخ پوش نقوی البخاری رحمۃ اللہ علیہ کے زیر اہتمام۔

توثیق: اوچ شریف کے سجادہ نشین کی جانب سے منظور و مصدقہ، نیز مکمل نسبی توثیق کی سند سجادہ نشین خادم الفقراء والمساکین مخدوم سید حامد نوہارِ خامس المعروف مخدوم سید سلطان جہانیاں بخاری کی جانب سے جاری شدہ۔

یہ کتاب برصغیر ہند و پاک میں انساب سادات پر جدید دور کی سب سے مستند، جامع اور تحقیقی ماخذات میں شمار ہوتی ہے، جو اصل قلمی مخطوطات، محفوظ آبائی ریکارڈ اور دقیق تحقیق پر مبنی ہے اور سادات کے نسبی مطالعات میں ایک بنیادی اور مرکزی حوالہ کی حیثیت رکھتی ہے۔

نظر ثانی و توثیق: ڈاکٹر محمد اقبال چشتی (پی ایچ ڈی)، پیر ڈاکٹر سید فہیم رضا کاظمی چشتی اجمیری (پی ایچ ڈی)۔

پروف خوانی: سید شاہ زیب علی نقوی۔

مزید برآں، سید قدیر علی نقوی کی اولاد سجادہ نشین کی جانب سے باقاعدہ سند یافتہ ہے، جو ان کی نسبی حیثیت کی توثیق کرتی ہے۔

گیلانی، سید علی عباس۔ حدیقۃ الزہراء (س) / گلستانِ زہراء (س)، 2026ء۔

مصنف: ایڈووکیٹ پیر سید علی عباس گیلانی، نسابہ و نقیب الاشراف سادات، تنظیم: نقابت السادات الاشراف پاکستان۔

نقوی، سید مقصود۔ ریاض الانساب / گلزارِ نقی۔

اشاعت: لاہور۔ سادات کی نسبی روایات اور تاریخی ریکارڈ پر ایک مستند حوالہ جاتی کتاب۔

نقوی البخاری، سید ضمیر الحسن۔ نسب نامہ آل رسول ﷺ، جلد دوم۔

ترتیب و تحریر: سید ضمیر الحسن نقوی البخاری (ہماؤ الدین زکریا یونیورسٹی، ملتان)۔

معاونت: سید محمد مرتضیٰ نقوی البخاری۔

ادارتی نگرانی: تحقیق و تصنیف اسلامی تاریخی کتب و شجرہ جات۔

نظر ثانی: آیت اللہ سید ساجد علی نقوی، علامہ سید علی اصغر نقوی، ڈاکٹر سید عون ساجد علی نقوی۔

پروف خوانی: سید و سیم احمد بخاری۔

روحانی معاونت: پیر طریقت سید محمد صادق بدر عالم احمد علی نقوی البخاری۔

بخاری حسامی، سید خلیل احمد۔ مراتِ جلالی۔

اشاعت: اسرارِ کربئی پریس، الہ آباد (1918ء)، بعد ازاں کراچی (1999ء)۔

یہ کتاب حضرت سید جلال الدین سرخ پوش بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور بخاری سادات کے نسب و حالات پر ایک اہم ماخذ ہے۔

قادری، صفدر رضا۔ تذکرہ سادات بخاریہ۔

مظہرِ جلالی۔

دہلوی، عبدالحق محدث۔ اخبار الاخیار۔

روضۃ الاحباب۔

معارض الولایات۔

الرازی، محمد بن قطب الدین۔ مناقبِ قطبی۔

چشتی، شیخ اللہ دیا۔ سیر الاقطاب۔

دہلوی، حمید بن فضل اللہ جمالی۔ سیر العارفین۔

فردوسی، شاہ شعیب۔ مناقب الاصفیاء۔

نقوی بخاری، سید غلام عباس۔ مراتِ جلالی۔

حسنی، سید علاؤ الدین علی۔ خزائنہ جلالی۔

بخاری، پیر سید مصطفیٰ شاہ۔ گلزارِ مصطفوی / ہلالِ مصطفوی۔

بخاری دہلوی، سید کرم علی شاہ۔ فخرِ سادات۔

تجلیاتِ قطبِ عالم۔

عباسی، سید مرتضیٰ احمد۔ تاریخ سادات امروہہ۔

نسب نامہ / کرسی نامہ (علاقائی مخطوطات: دوکوبا، جالندھر، اوچ شریف)

شجرہ بخاری، تھامی شاہ محمد۔

فضلی، سید نجم الحسن۔ اشرف العرب۔

تاریخ بابت سادات۔

علی، سید امیر۔ تذکرہ ساداتِ بہرا۔

امہات الانساب۔

ملتانوی، غلام محمد۔ مجمع الانساب۔

الاعرجی ہمدانی، سید قمر عباس۔

(السلسلہ: سادات قبائل، روزۃ الطالب، دانش نامہ قمری، مدرک الطالب)

عباسی، علامہ دین محمد۔ تذکرہ اولیاء اوج شریف۔

احمد بن محمد۔ تذکرۃ الانساب۔

کاظمی چشتی اجمیری، پیر ڈاکٹر سید فہیم رضا۔ تذکرۃ الاولیاء اوج شریف۔

تذکرہ اولیاء اوج شریف پاک و ہند۔

نقوی البخاری، سید عباس رضا۔ بحر الانساب / گلزار نبی۔

بخاری، سید بشیر حسین شہید۔ تاریخ جلالیہ۔

قدیم عربی و اسلامی نسبی و تاریخی ماخذات:

- الزبیری: نسب قریش
- ابن حزم: جمہۃ انساب العرب
- البلاذری: انساب الاشراف
- ابن اسحاق / ابن ہشام: سیرت رسول اللہ ﷺ
- الطبری: تاریخ الرسل والملوک
- ابن کثیر: البدایہ و النہایہ
- ابن الاثیر: الکامل فی التاریخ
- ابن قتیبہ: المعارف
- السمعانی: الانساب
- البخاری: سر السلسلۃ العلویہ
- الزبیری: انساب الطالبین
- العمری: المعجم فی انساب الطالبین
- ابن عنبر: عمدۃ الطالب
- العقیقی: انساب الطالبین
- ابن السامی: الجامع المختصر
- المرعشی: علوی نسبی روایات
- ابن الطقطقی: الفخری
- السیوطی: تاریخ الخلفاء

• ابن حجر عسقلانی: تمہذیب التہذیب

• الذہبی: سیر اعلام النبلاء

• ابن عساکر: تاریخ دمشق

• القلقشنندی: صبح الاعشی

• شیعہ رجالی و تاریخی ماخذات:

• النجاشی: رجال النجاشی

• شیخ طوسی: رجال الطوسی / الفہرست

• کشی: رجال کشی

• شیخ مفید: الارشاد

• طبرسی: اعلام الوری

• ابن شہر آشوب: مناقب آل ابی طالب

• مجلسی: بحار الانوار

• شریف المرتضیٰ

• شریف الرضی

یہ تمام ماخذات اس تحقیقی کام کی علمی بنیاد فراہم کرتے ہیں اور سادات کے سلسلہ نسب کی توثیق، تحقیق اور تقابل کے لیے استعمال کیے گئے ہیں۔

نوٹ:

یہ تمام مراجع مجموعی طور پر انسابی ریکارڈ پر مشتمل ہیں جو انبیائے کرام سے لے کر ائمہ اہل بیت علیہم السلام تک اور اس کے بعد سادات کی متواتر نسلوں تک محیط ہیں۔ اس مواد میں درج ذیل امور سے متعلق حوالہ جات شامل ہیں:

مزید برآں، یہ بھی واضح کیا جاتا ہے کہ بڑی تعداد میں مراجع اس لیے فراہم کیے گئے ہیں کیونکہ اس قدیم مخطوطہ میں متعدد دعوے ایسے ہیں جن کی تائید انہی حوالہ جات کے ذریعے ہوتی ہے۔ اگرچہ بیشتر مواد کے لیے مراجع موجود ہیں، تاہم ہر ایک جزوی تفصیل کے ساتھ الگ حوالہ صراحتاً درج نہیں کیا گیا؛ اس کے باوجود مواد کی اکثریت مستند دستاویزی ماخذات سے مؤید ہے۔

• انبیائے کرام اور اہل بیت علیہم السلام کا سلسلہ نسب

• حضرت سید جلال الدین حیدر سرخ پوش بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد

• حضرت سید جلال الدین حسین رحمۃ اللہ علیہ، المعروف جہانیاں جہانگشت، کی اولاد

• حضرت سید جلال الدین حیدر رحمۃ اللہ علیہ بن حضرت سید صفی الدین شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت سید محمد رحمۃ اللہ علیہ المعروف موج دریا کے بھائی، کا سلسلہ نسب

• حضرت سید امیر علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ کا سلسلہ نسب

• موجودہ دور میں اس سلسلہ نسب سے تعلق رکھنے والی زندہ نسلوں کے نسبی ریکارڈ

بعض مراجع خاص طور پر ابتدائی ادوار (انبیاء سے اہل بیت علیہم السلام تک) سے متعلق ہیں، جبکہ دیگر بعد کے تاریخی ادوار اور علاقائی سادات سلاسل سے متعلق ہیں، جن میں برصغیر ہند اور اس سے ملحقہ علاقوں میں قائم سادات خاندان بھی شامل ہیں۔

1. "Sadaat Naqvi Bukhari Genealogy". sites.google.com. اخذ شدہ بتاریخ 13-05-2026

اخذ کردہ از «https://ur.wikipedia.org/w/index.php?title=سید_سلطان_جلال_الدین_حیدر_نقوی_البخاری_لاہوری&oldid=10399699»



سید شاہ نظام بن سید زین العابدین

<https://ur.wikipedia.org/s/1n15v>

سانچہ:خاندان معلومات

سید شاہ نظام الدین سادات نقوی البخاری خاندان کی اُن قدیم نسلوں میں شمار ہوتے ہیں جن کا ذکر خاندانی شجرات نسب، عربی و فارسی مخطوطات، محفوظ روایتوں اور زبانی تاریخ میں پایا جاتا ہے۔ آپ سید زین العابدین کے صاحبزادے تھے جبکہ آپ کا تعلق اُس تاریخی حسینی سادات سلسلے سے تھا جو امام علی نقی علیہ السلام، جلال الدین سرخ پوش بخاری، مخدوم جہانیاں جہاں گشت اور سید سلطان جلال الدین حیدر نقوی البخاری لاہوری سے اپنا نسب بیان کرتا ہے۔^[1]

خاندانی روایتوں کے مطابق سید شاہ نظام الدین خاندان کے نسبی تسلسل میں ایک باوقار اور اہم کڑی کی حیثیت رکھتے ہیں۔ روایتوں کے مطابق انہی کے ذریعے یہ نسل مزید آگے بڑھی اور بعد کے ادوار میں خاندان کی مختلف شاخیں وجود میں آئیں۔^[2]

مکمل نسب

خاندانی شجرات، محفوظ عربی و فارسی نسخوں، اوچ شریف کے مشاہرات، درگاہی ریکارڈ، گلزار جلالیہ اور خاندانی روایتوں کے مطابق سید شاہ نظام الدین کا مکمل نسب اس طرح بیان کیا جاتا ہے:

سید شاہ نظام الدین بن سید زین العابدین بن سید علم الدین بن سید سلطان جلال الدین حیدر نقوی البخاری لاہوری بن سید صفی الدین بخاری بن سید نظام الدین بخاری بن سید علم الدین بخاری بن سید جلال الدین بخاری بن سید ناصر الدین محمود بخاری بن مخدوم جہانیاں جہاں گشت بن سید احمد کبیر بن جلال الدین سرخ پوش بخاری بن سید ابوالموید علی بن سید جعفر ثالث بن سید ابو الفتح محمد بن سید محمود بن سید ابی یوسف احمد بن سید عبد اللہ بن سید علی الاشقر بن سید جعفر الکی بن امام علی نقی علیہ السلام بن امام محمد نقی علیہ السلام بن امام رضا علیہ السلام بن امام موسیٰ کاظم علیہ السلام بن امام جعفر صادق علیہ السلام بن امام محمد باقر علیہ السلام بن امام زین العابدین علیہ السلام بن امام حسین علیہ السلام بن امام علی علیہ السلام۔

[3]

تاریخی و نسبی حیثیت

خاندانی روایتوں کے مطابق سید شاہ نظام الدین کی نسل سے بعد کے ادوار میں خاندان کی کئی اہم شاخیں وجود میں آئیں۔ روایتوں کے مطابق انہی کی نسل نے بعد میں:

- روحانیت
 - تصوف
 - ساداتی روایت
 - شجرات نسب
 - اہل بیت سے وابستگی
- کو نسل در نسل محفوظ رکھا۔^[4]

اگرچہ سید شاہ نظام الدین کے دور کی تفصیلی تاریخی معلومات محدود ہیں، تاہم خاندان کے محفوظ شجرات نسب میں ان کا ذکر مستقل طور پر موجود ہے۔^[5]

اولاد

خاندانی روایتوں اور محفوظ شجراتِ نسب کے مطابق سید شاہ نظام الدین کے صاحبزادے:

■ سید یار شاہ حیدر

تھے۔^[6]

روایتوں کے مطابق سید یار شاہ حیدر کے ذریعے خاندان کی متعدد شاخیں واضح صورت میں سامنے آئیں۔^[7]

سید یار شاہ حیدر

سید یار شاہ حیدر خاندان کے اُن بزرگوں میں شمار ہوتے ہیں جن کے دور سے مختلف ذیلی شاخوں کا واضح ذکر محفوظ ہونا شروع ہوتا ہے۔^[8]

روایتوں کے مطابق ان کے صاحبزادگان میں:

■ سید نبی شاہ

■ سید کبیر شاہ

■ سید جہانگیر شاہ

شامل تھے۔^[9]

سید جہانگیر شاہ کی نسل

سید جہانگیر شاہ کے صاحبزادگان میں:

■ سید مالی شاہ

■ سید شمس الدین شاہ

شامل تھے۔^[10]

سید شمس الدین شاہ کی نسل

سید شمس الدین شاہ کے صاحبزادگان میں:

■ سید صدر الدین شاہ

■ سید شرف الدین شاہ

■ سید قطب شاہ

شامل تھے۔^[11]

سید شرف الدین شاہ کی نسل

سید شرف الدین شاہ کے صاحبزادے سید کبیر شاہ تھے، جن کی نسل سے بعد میں مختلف شاخیں وجود میں آئیں۔^[12]

سید قطب شاہ کی نسل

سید قطب شاہ کے صاحبزادے سید حیدر شاہ تھے، جن کی نسل سے بعد میں:

- سید امیر علی شاہ بن سید حیدر شاہ
 - سید شاکر علی شاہ بن سید امیر علی شاہ
 - سید عاشق علی بن سید شاکر علی شاہ
 - سید نفیس علی شاہ بن سید عاشق علی شاہ
 - سید محبت علی بن سید نفیس علی
 - سید امید علی بن سید محبت علی
 - سید قدیر علی
- اور دیگر شخصیات سامنے آئیں۔^[13]

مختلف علاقوں میں پھیلاؤ

خاندانی روایتوں کے مطابق سید شاہ نظام الدین کی نسل بعد کے ادوار میں:

- اوچ شریف
 - ملتان
 - فیروز آباد
 - آگرہ
 - لاہور
 - حیدرآباد، سندھ
- اور دیگر علاقوں میں پھیل گئی۔^[14]

روحانی روایت

خاندانی روایتوں کے مطابق سید شاہ نظام الدین کی نسل میں:

- اہل بیت سے محبت
 - تصوف
 - ولایت علوی
 - ساداتی روایت
 - عزاداری
 - درگاہی وابستگیاں
 - شجرات نسب کا تحفظ
- نسل در نسل منتقل ہوتا رہا۔^[15]

- [سید یار شاہ حیدر](#)
- [سید جہانگیر شاہ](#)
- [سید شمس الدین شاہ](#)
- [سید شرف الدین شاہ](#)
- [سید کبیر شاہ](#)
- [سید قطب شاہ](#)
- [سید حیدر شاہ](#)
- [سید امیر علی شاہ بن سید حیدر شاہ](#)
- [جلال الدین سرخ پوش بخاری](#)
- [مخدوم جہانیاں جہاں گشت](#)
- [اوچ شریف](#)
- [گلزار جلالیہ](#)

حوالہ جات

1. [Research Publication of Family of Saadat Naqvi \(https://doi.org/10.5281/zenodo.20070090\)](https://doi.org/10.5281/zenodo.20070090)
2. خاندانی روایات
3. خاندانی روایات
4. خاندانی روایات
5. خاندانی روایات
6. خاندانی روایات
7. خاندانی روایات
8. خاندانی روایات
9. خاندانی روایات
10. خاندانی روایات
11. خاندانی روایات
12. خاندانی روایات
13. خاندانی روایات
14. خاندانی روایات
15. خاندانی روایات

- [گلزار جلالیہ](#)

■ [Research Publication of Family of Saadat Naqvi \(https://doi.org/10.5281/zenodo.20070090\)](https://doi.org/10.5281/zenodo.20070090)

■ [Internet Archive \(https://archive.org/details/@sadaat_genealogy_contact\)](https://archive.org/details/@sadaat_genealogy_contact)

■ خاندانی روایات و محفوظ شجرات

اخذ کردہ از «https://ur.wikipedia.org/w/index.php?title=سید_شاہ_نظام_بن_سید_زین_العابدین&oldid=10503497»



سید صفی الدین بن سید نظام الدین

<https://ur.wikipedia.org/s/1n187>

حوالہ جات

یہ ایک نامکمل مضمون ہے۔ آپ اس میں اضافہ (https://ur.wikipedia.org/w/index.php?title=%D8%B3%DB%8C%D8%AF_%D8%B5%D9%81%D)

[B%8C_%D8%A7%D9%84%D8%AF%DB%8C%D9%86_%D8%A8%D9%86_%D8%B3%DB%8C%D8%AF_%D9%86%D8%B8%D8%A7%D](https://ur.wikipedia.org/w/index.php?title=%D8%B3%DB%8C%D8%AF_%D8%B5%D9%81%D&action=edit)

کر کے ویکیپیڈیا کی مدد کر سکتے ہیں۔ [9%85_%D8%A7%D9%84%D8%AF%DB%8C%D9%86&action=edit](https://ur.wikipedia.org/w/index.php?title=%D8%B3%DB%8C%D8%AF_%D8%B5%D9%81%D&action=edit)

آپ بیتی اور سفرنامہ

سانچہ:خاندان معلومات

سید صفی الدین بن سید نظام الدین نقوی بخاری سادات نقوی بخاری کے جلیل القدر بزرگوں میں شمار ہوتے ہیں۔ سید صفی الدین بن سید نظام الدین نقوی بخاری سادات نقوی بخاری کے ان جلیل القدر اکابر میں شمار ہوتے ہیں جنہیں اوچ شریف میں غیر معمولی روحانی، سماجی اور خاندانی وقار حاصل تھا۔ اوچ شریف اس دور میں برصغیر میں سادات نقوی بخاری کی اجتماعی قوت، روحانی مرجعیت اور سماجی نظم کا ایک مضبوط مرکز تھا اور اسی پس منظر میں سید صفی الدین نہ صرف ایک صاحب اثر روحانی بزرگ بلکہ اوچ شریف کے سجادہ نشین اور سادات کی نمائندہ قیادت کے طور پر ابھرے۔^[1]

خاندانی رولہتوں کے مطابق آپ کی رائے، تائید اور فیصلہ سازی کو سادات کے باہمی معاملات، اختلافات کے حل اور اجتماعی امور میں مرکزی حیثیت حاصل تھی اور یہی اخلاقی وزن، روحانی وقار اور خاندانی اعتماد وہ بنیاد تھی جس پر آپ کی قیادت قائم تھی، نہ کہ کسی عسکری یا ریاستی اقتدار پر۔

نسبی اعتبار سے سید صفی الدین وہ مرکزی نسلی کردی سمجھے جاتے ہیں جن کے ذریعے سادات نقوی بخاری کا وہ تسلسل آگے بڑھا جس سے بعد میں سید محمد موج دریا بخاری اور سید سلطان جلال الدین حیدر نقوی البخاری لاہوری جیسی نمایاں شخصیات سامنے آئیں اور اسی نسبت سے ان دونوں بزرگوں کا تعلق ایک ہی روحانی و خاندانی رولہت سے جڑتا ہے۔

خاندانی روایات کے مطابق سید صفی الدین کی تربیت، زہد، بے نیازی اور روحانی اثر پذیری کا واضح مظہر ان کے صاحبزادگان کی عملی زندگی میں نمایاں طور پر نظر آتا ہے۔

مکمل نسب

خاندانی شجرات، محفوظ عربی و فارسی نسخوں، اوچ شریف کے مشاہرات، درگاہی ریکارڈ، گلزار جلالیہ اور خاندانی رولہتوں کے مطابق سید صفی الدین کا مکمل نسب اس طرح بیان کیا جاتا ہے:

سید صفی الدین بن سید نظام الدین بخاری بن سید علیم الدین بخاری بن سید جلال الدین بخاری بن سید ناصر الدین محمود بخاری بن مخدوم جہانیاں جہاں گشت بن سید احمد کبیر بن جلال الدین سرخ پوش بخاری بن سید ابوالموید علی بن سید جعفر ثالث بن سید ابوالفتح محمد بن سید محمود بن سید ابی یوسف احمد بن سید عبد اللہ بن سید علی الاشقر بن سید جعفر الزکی بن امام علی نقی بن امام محمد تقی بن امام علی رضا بن امام موسی کاظم بن امام جعفر صادق بن امام محمد باقر بن امام زین العابدین بن امام حسین بن امام علی۔

نسب و خاندانی پس منظر

سید صفی الدین کا تعلق سادات نقوی بخاری کے اس معزز خاندان سے تھا جس کا سلسلہ نسب جلال الدین سرخ پوش بخاری تک جا ملتا ہے۔ یہی وہ خاندان تھا جس نے صدیوں تک اوچ شریف کو:

- علم
- روحانیت
- سادات کی قیادت
- سماجی نظم
- صوفی روایت
- کا مرکز بنائے رکھا۔

خاندانی شجروں اور علاقائی تذکروں میں سید صفی الدین کو:

- صاحب تقویٰ
- صاحب اثر
- معاملہ فہم
- روحانی وقار کے حامل
- بزرگ کے طور پر یاد کیا جاتا ہے۔

اوچ شریف میں قیادت اور مقام

سید صفی الدین کی قیادت کی نوعیت محض روحانی نہ تھی بلکہ سماجی اور اجتماعی سطح پر بھی آپ کو مرکزی حیثیت حاصل تھی۔ سادات کے باہمی معاملات، اختلافات کے حل اور اجتماعی فیصلوں میں آپ کی رائے فیصلہ کن سمجھی جاتی تھی۔

روایتوں کے مطابق اوچ شریف میں سادات کی نمائندگی ایک منظم اور متحد صورت میں زیادہ تر آپ ہی کے ذریعے سامنے آتی تھی۔ یہ قیادت عسکری یا ریاستی اقتدار پر قائم نہ تھی بلکہ:

- اخلاقی وزن
- روحانی وقار
- خاندانی اعتماد
- اس کی اصل بنیاد تھی۔

مغل سلطنت اور شہنشاہ اکبر سے تعلق

خاندانی اور علاقائی روایتوں کے مطابق مغلیہ سلطنت کے استحکام کے دور میں شہنشاہ اکبر اعظم اور سید صفی الدین کے درمیان رابطہ اور باہمی تعلق قائم ہوا۔ اس تعلق کا مقصد مغل اقتدار کے لیے سادات کی روحانی تائید، اخلاقی پشت پناہی اور سماجی حمایت حاصل کرنا تھا۔

روایتوں میں یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ مغل دربار پہلے ہی بعض زیدی سادات کے ساتھ اتحاد قائم کر چکا تھا، جبکہ اس مرحلے پر نقوی بخاری سادات کی حمایت ناگزیر سمجھی جا رہی تھی، جس کا مرکزی محور:

- اوچ شریف

■ **سید صفی الدین**
کی ذات تھی۔

حملیت، اتحاد اور عملی اقدام

رولہتوں کے مطابق سید صفی الدین نے مغل سلطنت کی حملیت پر آماجگی ظاہر کی اور سادات نقوی بخاری کی جانب سے اتحاد کی تائید کی۔ تاہم آپ نے خود براہ راست کسی عسکری مہم میں شریک ہونے کی بجائے یہ ذمہ داری اپنے صاحبزادے سید محمد موج دریا بخاری کے سپرد کی، جنہیں آپ نے اپنا نائب مقرر فرمایا۔
رولہتوں کے مطابق یہ نیابت محض فوجی نوعیت کی نہ تھی بلکہ اس میں:

- سادات کی نمائندگی
- نظم و ضبط
- روحانی قیادت
- بھی شامل تھی۔

سید محمد موج دریا بطور نائب

سید محمد موج دریا بخاری اپنے والد کے صاحبزادوں میں نمایاں حیثیت رکھتے تھے۔ رولہتوں کے مطابق انہیں سادات کی فراہم کردہ قوت اور تنظیم کی قیادت سونپی گئی۔
ان کی شخصیت:

- روحانی وجاہت
- فیضان
- دعا
- اثر

کے باعث موج دریا کے لقب سے معروف ہوئی، جبکہ انہیں اپنے والد کے اعتماد کا حقیقی مظہر سمجھا جاتا تھا۔

چتوڑ کے قلعہ کا واقعہ

خاندانی رولہتوں میں جنگ چتوڑ، المعروف فتح قلعہ چتوڑ، کا ذکر ملتا ہے جو سنہ 1567ء تا 1568ء میں اکبر اعظم کے دور حکومت میں میواڑ کے راجپوت حکمران رانا ادے سنگھ کے خلاف پیش آیا۔

رولہتوں کے مطابق راجپوتوں کے زیر قبضہ چتوڑ کے قلعہ کے معاملے میں سید محمد موج دریا بخاری کی:

- قیادت
- دعا
- روحانی توجہ

کو فیصلہ کن حیثیت حاصل ہوئی۔ اسی نسبت سے بعد کے زمانوں میں اس واقعے کو فتح چتوڑ سے تعبیر کیا گیا۔

علمی دیانت کے تقاضے کے تحت رولہتوں میں یہ وضاحت بھی کی جاتی ہے کہ یہ بیان روحانی اور تذکرہ جاتی رولیت کے زمرے میں آتا ہے، جبکہ مغل سرکاری تواریخ میں اسے عسکری کمان کے طور پر صراحت کے ساتھ درج نہیں کیا گیا۔

چتوڑ کے بعد

رولہتوں کے مطابق سید محمد موج دریا بخاری نے:

- عملی سیاست
- دنیاوی معاملات
- سے کنارہ کشی اختیار کر لی اور اپنی زندگی:
- عبادت
- ریاضت
- اصلاح خلق
- روحانی فیضان
- کے لیے وقف کر دی۔

بعد کے ادوار میں آپ ایک صاحب کرامت اور صاحب فیض بزرگ کے طور پر معروف ہوئے اور دور دراز علاقوں سے طالبان حق آپ کی خدمت میں حاضر ہونے لگے۔

اوچ شریف سے ہجرت

خاندانی رولہتوں کے مطابق سید صفی الدین ہی کے دور میں اوچ شریف سے سادات نقوی بخاری کی پہلی منظم ہجرتی لہر کا آغاز ہوا۔

رولہتوں کے مطابق یہ ہجرتی سلسلہ:

- اوچ شریف
- لاہور
- پنجاب کے دیگر علاقے
- سندھ
- اتر پردیش
- تک پھیلایا۔

یہی وہ ابتدائی مرحلہ سمجھا جاتا ہے جس کے بعد برصغیر نے سادات نقوی بخاری کو ایک وسیع جغرافیائی دائرے میں پہنچانا شروع کیا اور آنے والی نسلوں میں مختلف علاقوں میں مستقل خاندانی شاخوں کے قیام کی بنیاد پڑی۔

اولاد

خاندانی رولہتوں اور محفوظ شجرات نسب کے مطابق سید صفی الدین کے صاحبزادگان میں:

- سید سلطان جلال الدین حیدر نقوی البخاری لاہوری
- سید محمد موج دریا بخاری
- سید راجو
- شامل تھے۔

سید جلال الدین حیدر

سید سلطان جلال الدین حیدر نقوی البخاری لاہوری بعد کے ادوار میں خاندان کی ایک عظیم روحانی اور نسبی شخصیت کے طور پر سامنے آئے۔

روایتوں کے مطابق آپ:

- زاہد
- متقی
- تارک دنیا
- اہل بیت سے وابستہ
- بزرگ تھے۔

آپ کی نسل بعد کے ادوار میں:

- لاہور
- بھوگیوال
- آگرہ
- فیروز آباد
- لکھنؤ
- ملتان
- حیدرآباد سندھ
- اور دیگر علاقوں میں پھیلی۔

روحانی و فکری روایت

خاندانی روایتوں کے مطابق سید صفی الدین کی نسل میں:

- اہل بیت سے محبت
- تصوف
- ولایت علوی
- ساداتی روایت
- شجرات نسب کا تحفظ
- نسل در نسل منتقل ہوتا رہا۔

مزید دیکھیے

- سید محمد موج دریا بخاری
- سید سلطان جلال الدین حیدر نقوی البخاری لاہوری
- سید علم الدین

- سید زین العابدین
- جلال الدین سرخ پوش بخاری
- مخدوم جہانیاں جہاں گشت
- اوچ شریف
- گلزار جلالیہ

حوالہ جات

1. Research Publication of Family of Saadat Naqvi (<https://doi.org/10.5281/zenodo.20070090>)

- گلزار جلالیہ
- Research Publication of Family of Saadat Naqvi (<https://doi.org/10.5281/zenodo.20070090>)
- Internet Archive (https://archive.org/details/@sadaat_genealogy_contact)
- خاندانی روایات و محفوظ شجرات

اخذ کردہ از «https://ur.wikipedia.org/w/index.php?title=سید_صفی_الدین_بن_سید_نظام_الدین&oldid=10503476»



سید علم الدین بن سید سلطان جلال الدین حیدر نقوی البخاری لاہوری (سید علم الدین بن سید جلال الدین حیدر)

<https://ur.wikipedia.org/s/1n16v>

سانچہ:خاندان معلومات

سید علم الدین المعروف سید علم الدین بن سید جلال الدین حیدر سادات نقوی البخاری خاندان کی اُن اہم شخصیات میں شمار ہوتے ہیں جن کی نسل آگے چل کر نسبتاً زیادہ محفوظ، معروف اور تفصیلی صورت میں سامنے آئی۔ آپ سید سلطان جلال الدین حیدر نقوی البخاری لاہوری کے صاحبزادے تھے جبکہ آپ کا تعلق اُس تاریخی حسینی سادات سلسلے سے تھا جو امام علی نقی علیہ السلام، جلال الدین سرخ پوش بخاری اور مخدوم جانیایں جہاں گشت سے اپنا نسب بیان کرتا ہے۔^[1]

خاندانی شجرات نسب، محفوظ عربی و فارسی نسخوں اور زبانی روایتوں میں سید علم الدین کو ایک باوقار، دیندار، صاحب وقار اور خاندانی رولیت کے امین بزرگ کے طور پر یاد کیا جاتا ہے۔ روایتوں کے مطابق بعد کی نسلوں میں خاندان کی جو شاخیں نسبتاً زیادہ محفوظ رہیں، ان کے نسبی تسلسل میں سید علم الدین کا نام بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔^[2]

مکمل نسب

خاندانی شجرات، محفوظ عربی و فارسی نسخوں، اوج شریف کے مشاجرات، دگای ریکارڈ، گلزار جلالیہ اور خاندانی روایتوں کے مطابق سید علم الدین کا مکمل نسب اس طرح بیان کیا جاتا ہے:

سید علم الدین بن سید سلطان جلال الدین حیدر نقوی البخاری لاہوری بن سید صفی الدین بخاری بن سید نظام الدین بخاری بن سید علیم الدین بخاری بن سید جلال الدین بخاری بن سید ناصر الدین محمود بخاری بن مخدوم جانیایں جہاں گشت بن سید احمد کبیر بن جلال الدین سرخ پوش بخاری بن سید ابوالموید علی بن سید جعفر ثالث بن سید ابو الفتح محمد بن سید محمود بن سید ابی یوسف احمد بن سید عبد اللہ بن سید علی الاشقر بن سید جعفر الزکی بن امام علی نقی علیہ السلام بن امام محمد تقی علیہ السلام بن امام علی رضا علیہ السلام بن امام موسیٰ کاظم علیہ السلام بن امام جعفر صادق علیہ السلام بن امام محمد باقر علیہ السلام بن امام زین العابدین علیہ السلام بن امام حسین علیہ السلام بن امام علی علیہ السلام۔

[3]

تاریخی و خاندانی حیثیت

خاندانی روایتوں کے مطابق سید علم الدین خاندان کی اُن نسلوں میں شمار ہوتے ہیں جہاں سے بعد کی شاخوں کا نسبی تسلسل زیادہ واضح اور محفوظ صورت میں سامنے آتا ہے۔^[4]

اگرچہ ان کے دور کی تفصیلی تاریخی معلومات محدود ہیں، تاہم خاندانی شجرات، محفوظ روایات اور نسبی دستاویزات میں ان کا نام مستقل طور پر درج ملتا ہے۔ روایتوں کے مطابق یہی تسلسل بعد کے ادوار میں خاندان کی شناخت، شاخوں اور ساداتی رولیت کے استحکام کا سبب بنا۔^[5]

خاندانی روایتوں کے مطابق سید علم الدین کو ایک دیندار، صاحب وقار اور خاندانی رولیت کے امین بزرگ کے طور پر یاد کیا جاتا ہے، جبکہ ان کی نسل میں بعد کے ادوار میں:

- روحانیت
- تصوف
- اہل بیت سے وابستگی
- شجرات نسب کا تحفظ
- ساداتی روایت
- نسل در نسل منتقل ہوتی رہی۔^[6]

اولاد

خاندانی روایتوں اور محفوظ شجراتِ نسب کے مطابق سید علم الدین کے صاحبزادے:

- سید زین العابدین
- تھے۔^[7]

روایتوں کے مطابق سید زین العابدین کے ذریعے خاندان کی وہ شاخ آگے بڑھی جس کا نسبی تسلسل بعد کے ادوار میں نسبتاً زیادہ وضاحت کے ساتھ محفوظ رہا۔^[8]

سید زین العابدین

سید زین العابدین خاندان کی اُس نسل سے تعلق رکھتے تھے جس نے بعد کے ادوار میں ساداتِ نقوی البخاری خاندان کے نسبی تسلسل کو محفوظ رکھنے میں اہم کردار ادا کیا۔^[9]

روایتوں کے مطابق ان کے صاحبزادے:

- سید شاہ نظام الدین
- تھے۔^[10]

سید شاہ نظام الدین کی نسل

سید شاہ نظام الدین کے صاحبزادے:

- سید یار شاہ حیدر
- تھے۔^[11]

سید یار شاہ حیدر کی نسل

سید یار شاہ حیدر کے صاحبزادگان میں:

- سید نبی شاہ
 - سید کبیر شاہ
 - سید جہانگیر شاہ
- شامل تھے۔^[12]

سید جہانگیر شاہ کی نسل

سید جہانگیر شاہ کے صاحبزادگان میں:

- سید مالی شاہ
 - سید شمس الدین شاہ
- شامل تھے۔^[13]

سید شمس الدین شاہ کی نسل

سید شمس الدین شاہ کے صاحبزادگان میں:

- سید صدر الدین شاہ
- سید شرف الدین شاہ
- سید قطب شاہ

شامل تھے۔^[14]

سید شرف الدین شاہ کی نسل

سید شرف الدین شاہ کے صاحبزادے سید کبیر شاہ تھے، جن کی نسل سے بعد میں متعدد شاخیں وجود میں آئیں۔^[15]

سید قطب شاہ کی نسل

سید قطب شاہ کے صاحبزادے سید حیدر شاہ تھے، جن کی نسل سے بعد میں:

- سید امیر علی شاہ بن سید حیدر شاہ
- سید شاکر علی شاہ بن سید امیر علی شاہ
- سید عاشق علی بن سید شاکر علی شاہ
- سید نفیس علی شاہ بن سید عاشق علی شاہ
- سید محبت علی بن سید نفیس علی
- سید امید علی بن سید محبت علی
- سید قدیر علی

اور دیگر شخصیات سامنے آئیں۔^[16]

مختلف علاقوں میں پھیلاؤ

خاندانی روایتوں کے مطابق سید علم الدین کی نسل بعد کے ادوار میں:

- اوچ شریف
- ملتان
- لاہور
- فیروز آباد
- آگرہ
- حیدرآباد، سندھ

اور دیگر علاقوں میں پھیل گئی۔^[17]

روحانی روایت

خاندانی روایتوں کے مطابق سید علم الدین کی نسل میں:

- اہل بیت سے محبت
- تصوف
- ولایتِ علوی
- ساداتی روایت
- عزاداری
- درگاہی وابستگیاں
- شجراتِ نسب کا تحفظ
- نسل در نسل منتقل ہوتا رہا۔^[18]

خاندانی رولیتوں کے مطابق سادات نقوی البخاری جلالی خاندان کے بزرگوں کی روحانی وابستگی اہل بیت اطہار اور ائمہ اہل بیت سے تھی، جبکہ ان کی تعلیمات اور رولیتوں میں ولایتِ علوی اور اہل بیت کی محبت نمایاں سمجھی جاتی تھی۔^[19]

مزید دیکھیے

- سید سلطان جلال الدین حیدر نقوی البخاری لاہوری
- سید زین العابدین
- سید شاہ نظام الدین
- سید یار شاہ حیدر
- سید جہانگیر شاہ
- سید شمس الدین شاہ
- سید شرف الدین شاہ
- سید کبیر شاہ
- سید قطب شاہ
- سید حیدر شاہ
- سید امیر علی شاہ بن سید حیدر شاہ
- جلال الدین سرخ پوش بخاری
- مخدوم جہانیاں جہاں گشت
- اوچ شریف
- گلزار جلالیہ

حوالہ جات

1. [Research Publication of Family of Saadat Naqvi \(https://doi.org/10.5281/zenodo.20070090\)](https://doi.org/10.5281/zenodo.20070090)

2. خاندانی روایات
3. خاندانی روایات
4. خاندانی روایات
5. خاندانی روایات
6. خاندانی روایات
7. خاندانی روایات

8. خاندانی روایات
9. خاندانی روایات
10. خاندانی روایات
11. خاندانی روایات
12. خاندانی روایات
13. خاندانی روایات
14. خاندانی روایات
15. خاندانی روایات
16. خاندانی روایات
17. خاندانی روایات
18. خاندانی روایات
19. خاندانی روایات

■ گلزار جلالیہ

■ [Research Publication of Family of Saadat Naqvi \(https://doi.org/10.5281/zenodo.20070090\)](https://doi.org/10.5281/zenodo.20070090)

■ [Internet Archive \(https://archive.org/details/@sadaat_geneology_contact\)](https://archive.org/details/@sadaat_geneology_contact)

■ خاندانی روایات و محفوظ شجرات

اخذ کردہ از «<https://ur.wikipedia.org/w/index.php?oldid=10503479> سید علم الدین بن سید سلطان جلال الدین حیدر نقوی البخاری لاہوری (سید علم الدین بن سید جلال الدین حیدر) =



سید جہانگیر شاہ بن سید یار شاہ حیدر

<https://ur.wikipedia.org/s/1n15i>

سانچہ:خاندان معلومات

سید جہانگیر شاہ سادات نقوی البخاری خاندان کی اُن قدیم نسلوں میں شمار ہوتے ہیں جن کا ذکر خاندانی شجرات نسب، عربی و فارسی مخطوطات، محفوظ روایتوں اور زبانی تاریخ میں پایا جاتا ہے۔ آپ سید یار شاہ حیدر کے صاحبزادے تھے جبکہ آپ کا تعلق اُس تاریخی صیبنی سادات سلسلے سے تھا جو امام علی نقی علیہ السلام، جلال الدین سرخ پوش بخاری، مخدوم جہانیاں جہاں گشت اور سید سلطان جلال الدین حیدر نقوی البخاری لاہوری سے اپنا نسب بیان کرتا ہے۔^[1]

خاندانی روایتوں کے مطابق سید جہانگیر شاہ کی نسل سے خاندان کی متعدد شاخیں وجود میں آئیں، جنہوں نے بعد کے ادوار میں مختلف علاقوں میں سکونت اختیار کی اور روحانیت، تصوف، ساداتی روایت اور دینی ماحول کو آگے بڑھایا۔^[2]

مکمل نسب

خاندانی شجرات، محفوظ عربی و فارسی نسخوں، اوچ شریف کے مشاجرات، درگاہی ریکارڈ، گلزار جلالیہ اور خاندانی روایتوں کے مطابق سید جہانگیر شاہ کا مکمل نسب اس طرح بیان کیا جاتا ہے:

سید جہانگیر شاہ بن سید یار شاہ حیدر بن سید شاہ نظام الدین بن سید زین العابدین بن سید علم الدین بن سید سلطان جلال الدین حیدر نقوی البخاری لاہوری بن سید صفی الدین بخاری بن سید نظام الدین بخاری بن سید علیم الدین بخاری بن سید جلال الدین بخاری بن سید ناصر الدین محمود بخاری بن مخدوم جہانیاں جہاں گشت بن سید احمد کبیر بن جلال الدین سرخ پوش بخاری بن سید ابوالمؤید علی بن سید جعفر ثالث بن سید ابوالفتح محمد بن سید محمود بن سید ابی یوسف احمد بن سید عبد اللہ بن سید علی الاشقر بن سید جعفر الزکی بن امام علی نقی علیہ السلام بن امام محمد تقی علیہ السلام بن امام علی رضا علیہ السلام بن امام موسیٰ کاظم علیہ السلام بن امام جعفر صادق علیہ السلام بن امام محمد باقر علیہ السلام بن امام زین العابدین علیہ السلام بن امام حسین علیہ السلام بن امام علی علیہ السلام۔

[3]

تاریخی و روحانی حیثیت

خاندانی روایتوں کے مطابق سید جہانگیر شاہ کی نسل نے بعد کے ادوار میں روحانیت، تصوف اور اسلامی تعلیمات میں نمایاں کردار ادا کیا۔ روایتوں کے مطابق ان بزرگوں نے اپنے:

- علم
- روحانی فیوض
- دینی ماحول
- تصوف
- ساداتی روایت

کے ذریعے امت کی رہنمائی کی۔^[4]

خاندانی روایتوں کے مطابق سادات نقوی البخاری جلالی خاندان کے بزرگوں کی روحانی وابستگی اہل بیت اطہار اور ائمہ اہل بیت سے تھی، جبکہ ان کی تعلیمات میں اثنا عشری تشیع کی فکری لطافت اور ولایت علوی کی جھلک نمایاں سمجھی جاتی ہے۔^[5]

اولاد

خاندانی روایتوں اور محفوظ شجراتِ نسب کے مطابق سید جہانگیر شاہ کے دو صاحبزادے تھے:

- سید مالی شاہ
- سید شمس الدین شاہ

[6]

روایتوں کے مطابق انہی دونوں کے ذریعے خاندان کی مزید شاخیں قائم ہوئیں اور مختلف علاقوں میں پھیل گئیں۔^[7]

سید مالی شاہ

سید مالی شاہ خاندان کی اُن شاخوں میں شمار ہوتے ہیں جن کا ذکر محفوظ شجراتِ نسب میں پایا جاتا ہے، تاہم ان کی تفصیلی تاریخی معلومات محدود ہیں۔^[8]

سید شمس الدین شاہ

سید شمس الدین شاہ خاندان کے اُن بزرگوں میں شمار ہوتے ہیں جن کی نسل بعد کے ادوار میں زیادہ نمایاں صورت میں سامنے آئی۔^[9]

روایتوں کے مطابق ان کے صاحبزادگان میں:

- سید صدر الدین شاہ
- سید شرف الدین شاہ
- سید قطب شاہ

شامل تھے۔^[10]

سید شرف الدین شاہ کی نسل

سید شرف الدین شاہ کی نسل سے بعد میں:

- سید کبیر شاہ
- سید قمر الدین شاہ
- سید بدر الدین شاہ
- سید قطب شاہ

اور دیگر شاخیں وجود میں آئیں۔^[11]

سید قطب شاہ کی نسل

سید قطب شاہ کے صاحبزادے سید حیدر شاہ تھے، جن کی نسل سے بعد میں:

- سید امیر علی شاہ بن سید حیدر شاہ
- سید شاکر علی شاہ بن سید امیر علی شاہ

- سید عاشق علی بن سید شاکر علی شاہ
- سید نفیس علی شاہ بن سید عاشق علی شاہ
- سید محبت علی بن سید نفیس علی
- سید امید علی بن سید محبت علی
- سید قدیر علی

اور دیگر شخصیات سامنے آئیں۔^[12]

مختلف علاقوں میں پھیلاؤ

خاندانی روایتوں کے مطابق سید جہانگیر شاہ کی نسل بعد کے ادوار میں:

- اوچ شریف
- ملتان
- فیروز آباد
- آگرہ
- لاہور
- حیدرآباد، سندھ

اور دیگر علاقوں میں پھیل گئی۔^[13]

روحانی روایت

خاندانی روایتوں کے مطابق سید جہانگیر شاہ کی نسل میں:

- اہل بیت سے محبت
- تصوف
- ولایت علوی
- ساداتی روایت
- عزاداری
- درگاہی وابستگیاں
- شجرات نسب کا تحفظ

نسل در نسل منتقل ہوتا رہا۔^[14]

مزید دیکھیے

- سید شمس الدین شاہ
- سید شرف الدین شاہ
- سید کبیر شاہ
- سید قطب شاہ

- [سید حیدر شاہ](#)
- [سید امیر علی شاہ بن سید حیدر شاہ](#)
- [سید محبت علی بن سید نفیس علی](#)
- [سید امید علی بن سید محبت علی](#)
- [سید قدیر علی](#)
- [جلال الدین سرخ پوش بخاری](#)
- [مخدوم جہانیاں جہاں گشت](#)
- [اوچ شریف](#)
- [گلزار جلالیہ](#)

حوالہ جات

1. [Research Publication of Family of Saadat Naqvi \(https://doi.org/10.5281/zenodo.20070090\)](https://doi.org/10.5281/zenodo.20070090)
2. خاندانی روایات
3. خاندانی روایات
4. خاندانی روایات
5. خاندانی روایات
6. خاندانی روایات
7. خاندانی روایات
8. خاندانی روایات
9. خاندانی روایات
10. خاندانی روایات
11. خاندانی روایات
12. خاندانی روایات
13. خاندانی روایات
14. خاندانی روایات

- [گلزار جلالیہ](#)
- [Research Publication of Family of Saadat Naqvi \(https://doi.org/10.5281/zenodo.20070090\)](https://doi.org/10.5281/zenodo.20070090)
- [Internet Archive \(https://archive.org/details/@sadaat_genealogy_contact\)](https://archive.org/details/@sadaat_genealogy_contact)
- [خاندانی روایات و محفوظ شجرات](#)

اخذ کردہ از «https://ur.wikipedia.org/w/index.php?title=سید_جہانگیر_شاہ_بن_سید_یار_شاہ_حیدر&oldid=10503506»



سید شمس الدین شاہ بن سید جہانگیر شاہ

<https://ur.wikipedia.org/s/1n153>

سانچہ:خاندان معلومات

سید شمس الدین شاہ سادات نقوی البخاری خاندان کی اُن قدیم نسلوں میں شمار ہوتے ہیں جن کا ذکر خاندانی شجرات نسب، عربی و فارسی مخطوطات، محفوظ روایتوں اور زبانی تاریخ میں پایا جاتا ہے۔ آپ سید جہانگیر شاہ کے صاحبزادے تھے جبکہ آپ کا تعلق اُس تاریخی حسینی سادات سلسلے سے تھا جو امام علی نقی علیہ السلام، جلال الدین سرخ پوش بخاری، مخدوم جانیایں جہاں گشت اور سید سلطان جلال الدین حیدر نقوی البخاری لاہوری سے اپنا نسب بیان کرتا ہے۔^[1]

خاندانی روایتوں کے مطابق سید شمس الدین شاہ اُن بزرگوں میں شمار ہوتے ہیں جن کی نسل سے خاندان کی متعدد ذیلی شاخیں وجود میں آئیں۔ روایتوں کے مطابق ان کے بعد نسل مختلف علاقوں میں پھیلی اور مختلف سادات خاندان انہی شاخوں سے منسلک سمجھے جاتے ہیں۔^[2]

مکمل نسب

خاندانی شجرات، محفوظ عربی و فارسی نسخوں، اوچ شریف کے مشاجرات، درگاہی ریکارڈ، گلزار جلالیہ اور خاندانی روایتوں کے مطابق سید شمس الدین شاہ کا مکمل نسب اس طرح بیان کیا جاتا ہے:

سید شمس الدین شاہ بن سید جہانگیر شاہ بن سید یار شاہ حیدر بن سید شاہ نظام الدین بن سید زین العابدین بن سید علم الدین بن سید سلطان جلال الدین حیدر نقوی البخاری لاہوری بن سید صفی الدین بخاری بن سید نظام الدین بخاری بن سید علیم الدین بخاری بن سید جلال الدین بخاری بن سید ناصر الدین محمود بخاری بن مخدوم جانیایں جہاں گشت بن سید احمد کبیر بن جلال الدین سرخ پوش بخاری بن سید ابوالموید علی بن سید جعفر ثالث بن سید ابوالفتح محمد بن سید محمود بن سید ابی یوسف احمد بن سید عبد اللہ بن سید علی الاشقر بن سید جعفر الرکبی بن امام علی نقی علیہ السلام بن امام محمد نقی علیہ السلام بن امام علی رضا علیہ السلام بن امام موسیٰ کاظم علیہ السلام بن امام جعفر صادق علیہ السلام بن امام محمد باقر علیہ السلام بن امام زین العابدین علیہ السلام بن امام حسین علیہ السلام بن امام علی علیہ السلام۔

[3]

تاریخی و نسبی حیثیت

خاندانی روایتوں کے مطابق سید شمس الدین شاہ کی نسل سے خاندان کے متعدد سلسلے وجود میں آئے جنہوں نے بعد کے ادوار میں مختلف علاقوں میں سکونت اختیار کی۔^[4] اگرچہ ان کے دور کی تفصیلی تاریخی معلومات محدود ہیں، تاہم محفوظ شجرات نسب میں ان کا نام مستقل طور پر درج ہے اور بعد کی نسلوں نے انہیں اپنے نسبی تسلسل کی ایک اہم شخصیت کے طور پر تسلیم کیا۔^[5]

اولاد

خاندانی روایتوں اور محفوظ شجرات نسب کے مطابق سید شمس الدین شاہ کے صاحبزادگان میں درج ذیل نام شامل تھے:

- سید صدر الدین شاہ
- سید شرف الدین شاہ
- سید قطب شاہ

[6]

رولہتوں کے مطابق انہی ناموں کے ذریعے یہ نسل مزید آگے بڑھی اور مختلف علاقوں میں پھیل گئی۔^[7]

سید شرف الدین شاہ

سید شرف الدین شاہ خاندان کے نسبی تسلسل میں ایک اہم کڑی سمجھے جاتے ہیں، کیونکہ ان کے بعد نسل کا ذکر نسبتاً زیادہ تفصیل اور وضاحت کے ساتھ محفوظ ملتا ہے۔^[8]

رولہتوں کے مطابق ان کے صاحبزادے سید کبیر شاہ تھے، جن کی نسل سے بعد میں متعدد شاخیں وجود میں آئیں۔^[9]

سید کبیر شاہ کی نسل

سید کبیر شاہ کے صاحبزادگان میں:

- سید قمر الدین شاہ
- سید علم الدین شاہ
- سید بدر الدین شاہ
- سید قطب شاہ
- سید رحمت شاہ

شامل تھے۔^[10]

سید قطب شاہ

سید قطب شاہ کی نسل بعد کے ادوار میں زیادہ نمایاں صورت میں سامنے آئی۔ رولہتوں کے مطابق ان کے صاحبزادے سید حیدر شاہ تھے۔^[11]

بعد میں سید حیدر شاہ کی نسل سے:

- سید امیر علی شاہ بن سید حیدر شاہ
- سید شاکر علی شاہ بن سید امیر علی شاہ
- سید عاشق علی بن سید شاکر علی شاہ
- سید نفیس علی شاہ بن سید عاشق علی شاہ
- سید محبت علی بن سید نفیس علی
- سید امید علی بن سید محبت علی
- سید قدیر علی

اور دیگر شخصیات سامنے آئیں۔^[12]

مختلف علاقوں میں پھیلاؤ

خاندانی رولہتوں کے مطابق سید شمس الدین شاہ کی نسل بعد کے ادوار میں:

- اوچ شریف
- فیروز آباد
- آگرہ

- لاہور
- ملتان
- حیدرآباد، سندھ
- اور دیگر علاقوں میں پھیل گئی۔^[13]

روحانی و خاندانی روایت

خاندانی روایتوں کے مطابق سید شمس الدین شاہ کی نسل میں اہل بیت سے محبت، صوفی روایت، ساداتی شناخت، عزاداری، درگاہی وابستگیاں اور شجرات نسب کا تحفظ نسل در نسل منتقل ہوتا رہا۔^[14]

مزید دیکھیے

- سید شرف الدین شاہ
- سید کبیر شاہ
- سید قطب شاہ
- سید حیدر شاہ
- سید امیر علی شاہ بن سید حیدر شاہ
- سید محبت علی بن سید نفیس علی
- سید امید علی بن سید محبت علی
- سید قدیر علی
- جلال الدین سرخ پوش بخاری
- مخدوم جہانیاں جہاں گشت
- اوچ شریف
- گلزار جلالیہ

حوالہ جات

1. Research Publication of Family of Saadat Naqvi (<https://doi.org/10.5281/zenodo.20070090>)
2. خاندانی روایات
3. خاندانی روایات
4. خاندانی روایات
5. خاندانی روایات
6. خاندانی روایات
7. خاندانی روایات
8. خاندانی روایات
9. خاندانی روایات
10. خاندانی روایات
11. خاندانی روایات

12. خاندانی روایات

13. خاندانی روایات

14. خاندانی روایات

■ گلزار جلالیہ

■ [Research Publication of Family of Saadat Naqvi \(https://doi.org/10.5281/zenodo.20070090\)](https://doi.org/10.5281/zenodo.20070090)

■ [Internet Archive \(https://archive.org/details/@sadaat_geneology_contact\)](https://archive.org/details/@sadaat_geneology_contact)

■ خاندانی روایات و محفوظ شجرات

اخذ کرده از «https://ur.wikipedia.org/w/index.php?title=سید_شمس_الدین_شاه_بن_سید_جهانگیر_شاه&oldid=10503513»



سید شرف الدین شاہ بن سید شمس الدین شاہ

<https://ur.wikipedia.org/s/1n14y>

سانچہ:خاندان معلومات

سید شرف الدین شاہ سادات نقوی البخاری خاندان کی اُن قدیم نسلوں میں شمار ہوتے ہیں جن کا ذکر خاندانی شجرات نسب، عربی و فارسی مخطوطات، محفوظ روایتوں اور زبانی تاریخ میں پایا جاتا ہے۔ آپ سید شمس الدین شاہ کے صاحبزادے تھے جبکہ آپ کا تعلق اُس تاریخی حسینی سادات سلسلے سے تھا جو امام علی نقی علیہ السلام، جلال الدین سرخ پوش بخاری، مخدوم جانیایں جہاں گشت اور سید سلطان جلال الدین حیدر نقوی البخاری لاہوری سے اپنا نسب بیان کرتا ہے۔^[1]

خاندانی روایتوں کے مطابق سید شرف الدین شاہ خاندان کے نسبی تسلسل میں ایک اہم اور مرکزی کڑی کی حیثیت رکھتے ہیں، کیونکہ ان کے بعد نسل کا ذکر نسبتاً زیادہ تفصیل، وضاحت اور شاخوں کے ساتھ محفوظ ملتا ہے۔ اگرچہ ان سے پہلے کی کئی نسلوں کے نام شجرات اور روایتوں میں موجود ہیں، مگر تفصیلی خاندانی تقسیم اور ذیلی شاخوں کا واضح ذکر بعد کی نسلوں میں زیادہ نمایاں صورت میں سامنے آتا ہے۔^[2]

مکمل نسب

خاندانی شجرات، محفوظ عربی و فارسی نسخوں، اوج شریف کے مشاہرات، درگاہی ریکارڈ، گلزار جلالیہ اور خاندانی روایتوں کے مطابق سید شرف الدین شاہ کا مکمل نسب اس طرح بیان کیا جاتا ہے:

سید شرف الدین شاہ بن سید شمس الدین شاہ بن سید جانگیر شاہ بن سید یار شاہ حیدر بن سید شاہ نظام الدین بن سید زین العابدین بن سید علم الدین بن سید سلطان جلال الدین حیدر نقوی البخاری لاہوری بن سید صفی الدین بخاری بن سید نظام الدین بخاری بن سید علیم الدین بخاری بن سید جلال الدین بخاری بن سید ناصر الدین محمود بخاری بن مخدوم جانیایں جہاں گشت بن سید احمد کسب بن جلال الدین سرخ پوش بخاری بن سید ابوالموید علی بن سید جعفر ثالث بن سید ابوالفتح محمد بن سید محمود بن سید ابی یوسف احمد بن سید عبد اللہ بن سید علی الاشرق بن سید جعفر الرکب بن امام علی نقی علیہ السلام بن امام محمد تقی علیہ السلام بن امام رضا علیہ السلام بن امام موسیٰ کاظم علیہ السلام بن امام جعفر صادق علیہ السلام بن امام محمد باقر علیہ السلام بن امام زین العابدین علیہ السلام بن امام حسین علیہ السلام بن امام علی علیہ السلام۔

[3]

تاریخی و نسبی حیثیت

خاندانی روایتوں کے مطابق سید شرف الدین شاہ خاندان کی اُن نسلوں میں شمار ہوتے ہیں جہاں سے بعد کی شاخوں اور ذیلی خاندانوں کا ذکر نسبتاً زیادہ وضاحت کے ساتھ محفوظ ہونا شروع ہوتا ہے۔^[4]

روایتوں کے مطابق ان کے بعد خاندان کے متعدد سلسلے وجود میں آئے، جن میں بعد کے ادوار میں:

- آل امیر
- آل نفیس
- آل محبت
- آل حفیظ

اور دیگر ذیلی شاخیں شامل ہوئیں۔^[5]

اگرچہ سید شرف الدین شاہ کے دور کی تفصیلی تاریخی معلومات محدود ہیں، مگر خاندان کے محفوظ شجرات میں ان کا نام مستقل اور واضح طور پر درج ہے۔^[6]

اولاد

خاندانی روایتوں اور محفوظ شجراتِ نسب کے مطابق سید شرف الدین شاہ کے صاحبزادے:

- سید کبیر شاہ
- تھے۔^[7]

روایتوں کے مطابق سید کبیر شاہ کے ذریعے خاندان کی متعدد شاخیں آگے بڑھیں اور بعد کے ادوار میں مختلف علاقوں میں آباد ہوئیں۔^[8]

سید کبیر شاہ

سید کبیر شاہ بعد کی نسلوں میں ایک اہم شخصیت کے طور پر سامنے آئے۔ خاندانی روایتوں کے مطابق ان کے صاحبزادگان میں:

- سید قمر الدین شاہ
 - سید علم الدین شاہ
 - سید بدر الدین شاہ
 - سید قطب شاہ
 - سید رحمت شاہ
- شامل تھے۔^[9]

روایتوں کے مطابق انہی شاخوں سے بعد میں خاندان کے مختلف سلسلے وجود میں آئے۔^[10]

سید قطب شاہ کی شاخ

سید قطب شاہ کی نسل بعد کے ادوار میں زیادہ نمایاں صورت میں سامنے آئی۔ روایتوں کے مطابق ان کے صاحبزادے سید حیدر شاہ تھے، جن کے ذریعے خاندان کی وہ شاخ آگے بڑھی جس سے بعد میں:

- سید امیر علی شاہ بن سید حیدر شاہ
 - سید شاکر علی شاہ بن سید امیر علی شاہ
 - سید عاشق علی بن سید شاکر علی شاہ
 - سید نفیس علی شاہ بن سید عاشق علی شاہ
 - سید محبت علی بن سید نفیس علی
 - سید امید علی بن سید محبت علی
 - سید قدیر علی
- اور دیگر شخصیات سامنے آئیں۔^[11]

روحانی و خاندانی روایت

خاندانی روایتوں کے مطابق سید شرف الدین شاہ کی نسل میں اہل بیت سے محبت، صوفی روایت، ساداتی شناخت، عزاداری، شجراتِ نسب کا تحفظ اور درگاہی وابستگیوں کا نسل منتقل ہوتی رہیں۔^[12]

بعد کے ادوار میں خاندان کی مختلف شاخیں:

- اوچ شریف
- فیروز آباد
- آگرہ
- لاہور
- ملتان
- حیدرآباد، سندھ

اور دیگر علاقوں میں آباد ہوئیں۔^[13]

مزید دیکھیے

- سید کبیر شاہ
- سید قطب شاہ
- سید حیدر شاہ
- سید امیر علی شاہ بن سید حیدر شاہ
- سید محبت علی بن سید نفیس علی
- سید امید علی بن سید محبت علی
- سید قدیر علی
- جلال الدین سرخ پوش بخاری
- مخدوم جہانیاں جہاں گشت
- اوچ شریف
- گلزار جلالیہ

حوالہ جات

1. Research Publication of Family of Saadat Naqvi (<https://doi.org/10.5281/zenodo.20070090>)

2. خاندانی روایات
3. خاندانی روایات
4. خاندانی روایات
5. خاندانی روایات
6. خاندانی روایات
7. خاندانی روایات
8. خاندانی روایات
9. خاندانی روایات
10. خاندانی روایات
11. خاندانی روایات
12. خاندانی روایات
13. خاندانی روایات

■ [گلزار جلالیہ](#)

■ [Research Publication of Family of Saadat Naqvi \(https://doi.org/10.5281/zenodo.20070090\)](https://doi.org/10.5281/zenodo.20070090)

■ [Internet Archive \(https://archive.org/details/@sadaat_genealogy_contact\)](https://archive.org/details/@sadaat_genealogy_contact)

■ [خاندانی روایات و محفوظ شجرات](#)

اخذ کردہ از «https://ur.wikipedia.org/w/index.php?title=سید_شرف_الدین_شاہ_بن_سید_شمس_الدین_شاہ&oldid=10503516»



سید کبیر شاہ بن سید شرف الدین شاہ

<https://ur.wikipedia.org/s/1n14o>

سانچہ:خاندان معلومات

سید کبیر شاہ سادات نقوی البخاری خاندان کی اُن قدیم نسلوں میں شمار ہوتے ہیں جن کا ذکر خاندانی شجرات نسب، عربی و فارسی مخطوطات، محفوظ روایتوں اور زبانی تاریخ میں مسلسل پایا جاتا ہے۔ آپ سید شرف الدین شاہ کے صاحبزادے تھے جبکہ آپ کا تعلق اُس تاریخی حسینی سادات سلسلے سے تھا جو امام علی نقی علیہ السلام، جلال الدین سرخ پوش بخاری، مخدوم جہانیاں جہاں گشت اور سید سلطان جلال الدین حیدر نقوی البخاری لاہوری سے اپنا نسب بیان کرتا ہے۔^[1]

خاندانی روایتوں کے مطابق سید کبیر شاہ اُن بزرگوں میں شمار ہوتے ہیں جن کی نسل سے خاندان کی متعدد شاخیں وجود میں آئیں۔ بعد کے ادوار میں انہی شاخوں سے مختلف علاقوں میں آباد سادات خاندانوں کا سلسلہ آگے بڑھا۔ اگرچہ ان کے دور کی تفصیلی تاریخی معلومات محدود ہیں، مگر نسبی روایتوں اور شجرات میں ان کا مقام مستقل طور پر محفوظ رہا۔^[2]

مکمل نسب

خاندانی شجرات، محفوظ عربی و فارسی نسخوں، اوج شریف کے مشاجرات، درگاہی ریکارڈ، گلزار جلالیہ اور خاندانی روایتوں کے مطابق سید کبیر شاہ کا مکمل نسب اس طرح بیان کیا جاتا ہے:

سید کبیر شاہ بن سید شرف الدین شاہ بن سید شمس الدین شاہ بن سید یار شاہ حیدر بن سید شاہ نظام الدین بن سید زین العابدین بن سید علم الدین بن سید سلطان جلال الدین حیدر نقوی البخاری لاہوری بن سید صفی الدین بخاری بن سید نظام الدین بخاری بن سید علیم الدین بخاری بن سید جلال الدین بخاری بن سید ناصر الدین محمود بخاری بن مخدوم جہانیاں جہاں گشت بن سید احمد کبیر بن جلال الدین سرخ پوش بخاری بن سید ابوالموید علی بن سید جعفر ثالث بن سید ابو الفتح محمد بن سید محمود بن سید ابی یوسف احمد بن سید عبد اللہ بن سید علی الاشقر بن سید جعفر الرکب بن امام علی نقی علیہ السلام بن امام محمد تقی علیہ السلام بن امام علی رضا علیہ السلام بن امام موسیٰ کاظم علیہ السلام بن امام جعفر صادق علیہ السلام بن امام محمد باقر علیہ السلام بن امام زین العابدین علیہ السلام بن امام حسین علیہ السلام بن امام علی علیہ السلام۔

[3]

اولاد

خاندانی روایتوں اور محفوظ شجرات نسب کے مطابق سید کبیر شاہ کے صاحبزادگان میں درج ذیل نام شامل تھے:

- سید قمر الدین شاہ
- سید علم الدین شاہ
- سید بدر الدین شاہ
- سید قطب شاہ
- سید رحمت شاہ

[4]

روایتوں کے مطابق سید کبیر شاہ کی انہی شاخوں سے بعد میں خاندان کے مختلف سلسلے وجود میں آئے اور مختلف علاقوں میں پھیل گئے۔^[5]

سید قمر الدین شاہ

سید قمر الدین شاہ، **سید کبیر شاہ** کے صاحبزادوں میں شامل تھے۔ خاندانی روایتوں اور محفوظ شجرات کے مطابق ان کے دو صاحبزادے تھے:

- سید فرزند علیؑ
- سید اکبر علیؑ

[6]

روایتوں کے مطابق **سید قمر الدین شاہ** کی یہ شاخ شجراتِ نسب میں واضح طور پر محفوظ رہی اور بعد کی نسلوں میں بھی اس کا ذکر پایا جاتا ہے۔^[7]

سید فرزند علی

خاندانی روایتوں کے مطابق **سید فرزند علی** خاندان کی اُن شاخوں میں شمار ہوتے ہیں جن کا نسبِ ذکر قدیم شجرات میں محفوظ ہے، تاہم ان کی تفصیلی تاریخی معلومات محدود ہیں۔^[8]

سید اکبر علی

سید اکبر علی کے متعلق خاندانی روایتوں میں ذکر ملتا ہے کہ ان کی نسل بھی بعد کے ادوار میں خاندان کی ذیلی شاخوں میں شامل رہی۔^[9]

سید بدر الدین شاہ

سید بدر الدین شاہ، **سید کبیر شاہ** کے اُن صاحبزادوں میں شامل تھے جن سے خاندان کا ایک الگ سلسلہ آگے بڑھا۔ خاندانی روایتوں کے مطابق ان کے صاحبزادگان میں:

- سید احمد شاہؑ
- سید بودھے شاہؑ

شامل تھے۔^[10]

روایتوں کے مطابق **سید بدر الدین شاہ** کی نسل بعد کے ادوار میں خاندان کی ایک مستقل شاخ کے طور پر موجود رہی۔^[11]

سید احمد شاہ

خاندانی روایتوں کے مطابق **سید احمد شاہ** خاندان کی اُن نسلوں میں شامل تھے جن کا ذکر محفوظ شجرات میں پایا جاتا ہے، تاہم ان کی تفصیلی تاریخی معلومات محدود ہیں۔^[12]

سید بودھے شاہ

سید بودھے شاہ کے متعلق روایتوں میں ذکر ملتا ہے کہ ان کے ذریعے خاندان کی ایک اور ذیلی شاخ آگے بڑھی۔^[13]

سید قطب شاہ

سید قطب شاہ، **سید کبیر شاہ** کے اُن صاحبزادوں میں شامل تھے جن کی نسل بعد کے ادوار میں زیادہ نمایاں صورت میں سامنے آئی۔ روایتوں کے مطابق ان کے صاحبزادے **سید حیدر شاہ** تھے، جنہوں نے اس نسل کو اگلے مرحلے تک پہنچایا۔^[14]

بعد میں **سید حیدر شاہ** کی نسل سے:

- سید امیر علی شاہ بن سید حیدر شاہ
- سید شاکر علی شاہ بن سید امیر علی شاہ
- سید عاشق علی بن سید شاکر علی شاہ
- سید نفیس علی شاہ بن سید عاشق علی شاہ
- سید محبت علی بن سید نفیس علی
- سید امید علی بن سید محبت علی
- سید قدیر علی

اور دیگر شخصیات سامنے آئیں۔^[15]

روحانی و نسبی روایت

خاندانی روایتوں کے مطابق سید کبیر شاہ کی نسل میں اہل بیت سے محبت، صوفی روایت، ساداتی شناخت، عزاداری، درگاہی وابستگیوں اور شجراتِ نسب کا تحفظ نسل در نسل منتقل ہوتا رہا۔^[16]

بعد کے ادوار میں خاندان کی مختلف شاخیں:

- اوچ شریف
- فیروز آباد
- آگرہ
- لاہور
- ملتان
- حیدرآباد، سندھ

اور دیگر علاقوں میں آباد ہوئیں۔^[17]

مزید دیکھیے

- سید قطب شاہ
- سید حیدر شاہ
- سید امیر علی شاہ بن سید حیدر شاہ
- سید محبت علی بن سید نفیس علی
- سید امید علی بن سید محبت علی
- سید قدیر علی
- جلال الدین سرخ پوش بخاری
- مخدوم جہانیاں جہاں گشت
- اوچ شریف
- گلزار جلالیہ

حوالہ جات

1. Research Publication of Family of Saadat Naqvi (<https://doi.org/10.5281/zenodo.20070090>)

2. خاندانی روایات
3. خاندانی روایات
4. خاندانی روایات
5. خاندانی روایات
6. خاندانی روایات
7. خاندانی روایات
8. خاندانی روایات
9. خاندانی روایات
10. خاندانی روایات
11. خاندانی روایات
12. خاندانی روایات
13. خاندانی روایات
14. خاندانی روایات
15. خاندانی روایات
16. خاندانی روایات
17. خاندانی روایات

■ گلزار جلالیہ

■ Research Publication of Family of Saadat Naqvi (<https://doi.org/10.5281/zenodo.20070090>)

■ Internet Archive (https://archive.org/details/@sadaat_geneology_contact)

■ خاندانی روایات و محفوظ شجرات

اخذ کردہ از «https://ur.wikipedia.org/w/index.php?title=سید_کبیر_شاہ_بن_سید_شرف_الدین_شاہ&oldid=10503519»



سید قطب شاہ بن سید کبیر شاہ

<https://ur.wikipedia.org/s/1n14e>

سانچہ:خاندان معلومات

سید قطب شاہ سادات نقوی البخاری خاندان کی اُن قدیم نسلوں میں شمار ہوتے ہیں جن کا ذکر خاندانی شجرات نسب، عربی و فارسی مخطوطات، محفوظ رولیتوں اور زبانی تاریخ میں پایا جاتا ہے۔ آپ سید کبیر شاہ کے صاحبزادے تھے جبکہ آپ کا تعلق اُس تاریخی حسینی سادات سلسلے سے تھا جو امام علی نقی علیہ السلام، جلال الدین سرخ پوش بخاری، مخدوم جہانیاں جہاں گشت اور سید سلطان جلال الدین حیدر نقوی البخاری لاہوری سے اپنا نسب بیان کرتا ہے۔^[1]

خاندانی رولیتوں کے مطابق سید قطب شاہ خاندان کی اُن درمیانی نسلوں میں شمار ہوتے ہیں جن کے ذریعے بعد کی شاخوں، خصوصاً آل امیر اور اس سے منسلک سادات خاندانوں کا نسبی تسلسل محفوظ رہا۔ اگرچہ ان کے دور کی تفصیلی تاریخی معلومات محدود ہیں، تاہم نسبی رولیتوں میں ان کا مقام محفوظ اور تسلیم شدہ ہے۔^[2]

مکمل نسب

خاندانی شجرات، محفوظ عربی و فارسی نسخوں، اوچ شریف کے مشاجرات، درگاہی ریکارڈ، گلزارِ جلالیہ اور خاندانی رولیتوں کے مطابق سید قطب شاہ کا مکمل نسب اس طرح بیان کیا جاتا ہے:

سید قطب شاہ بن سید کبیر شاہ بن سید شرف الدین شاہ بن سید شمس الدین شاہ بن سید جہانگیر شاہ بن سید یار شاہ حیدر بن سید شاہ نظام الدین بن سید زین العابدین بن سید علم الدین بن سید سلطان جلال الدین حیدر نقوی البخاری لاہوری بن سید صفی الدین بخاری بن سید نظام الدین بخاری بن سید علیم الدین بخاری بن سید جلال الدین بخاری بن سید ناصر الدین محمود بخاری بن مخدوم جہانیاں جہاں گشت بن سید احمد کبیر بن جلال الدین سرخ پوش بخاری بن سید ابوالموید علی بن سید جعفر ثالث بن سید ابوالفتح محمد بن سید محمود بن سید ابی یوسف احمد بن سید عبد اللہ بن سید علی الاشقر بن سید جعفر الرکبی بن امام علی نقی علیہ السلام بن امام محمد نقی علیہ السلام بن امام رضا علیہ السلام بن امام موسیٰ کاظم علیہ السلام بن امام جعفر صادق علیہ السلام بن امام محمد باقر علیہ السلام بن امام زین العابدین علیہ السلام بن امام حسین علیہ السلام بن امام علی علیہ السلام۔

[3]

تاریخی و نسبی حیثیت

خاندانی رولیتوں کے مطابق سید قطب شاہ اُس نسبی تسلسل کی اہم کڑی تھے جس کے بعد خاندان کی شاخیں زیادہ واضح انداز میں سامنے آتی ہیں۔ رولیتوں کے مطابق ان کی نسل سے بعد کے ادوار ہیں:

- آل امیر
- آل نفیس
- آل محبت
- آل حفیظ

اور دیگر ذیلی شاخیں وجود میں آئیں۔^[4]

اگرچہ سید قطب شاہ کے دور کی تفصیلی تاریخی معلومات محدود ہیں، مگر خاندان کے شجرات نسب میں ان کا نام مستقل طور پر محفوظ رہا ہے اور بعد کی نسلوں نے انھیں اپنے نسبی تسلسل کی ایک اہم شخصیت کے طور پر تسلیم کیا۔^[5]

اولاد

خاندانی روایتوں اور محفوظ شجراتِ نسب کے مطابق سید قطب شاہ کے صاحبزادے:

■ سید حیدر شاہ

تھے، جنہوں نے اس نسل کو لگے مرغلے تک پہنچایا۔^[6]

سید حیدر شاہ

سید حیدر شاہ بعد کی نسلوں میں ایک اہم شخصیت کے طور پر سامنے آئے۔ روایتوں کے مطابق ان کی اولاد میں:

■ ضامن شاہ

■ سید امیر علی شاہ بن سید حیدر شاہ

■ سید وزیر علی شاہ

■ سید سردار علی شاہ

شامل تھے۔^[7]

خاندانی روایتوں کے مطابق سید امیر علی شاہ بن سید حیدر شاہ کو بعد میں آلِ امیر کا جدِ اعلیٰ تسلیم کیا گیا، کیونکہ برصغیر ہند کی طرف ہجرت انہی سے منسوب ہے۔^[8]

روحانی و خاندانی روایت

خاندانی روایتوں کے مطابق سید قطب شاہ کی نسل میں اہلِ بیت سے محبت، صوفی روایت، ساداتی شناخت، درگاہی وابستگیاں اور نسبی شعور نسل در نسل منتقل ہوتا رہا۔^[9]

بعد کی نسلوں میں اسی سلسلے سے وابستہ افراد:

■ سید شاکر علی شاہ بن سید امیر علی شاہ

■ سید عاشق علی بن سید شاکر علی شاہ

■ سید نفیس علی شاہ بن سید عاشق علی شاہ

■ حاجی سید حفیظ علی بن سید نفیس علی

■ سید محبت علی بن سید نفیس علی

■ سید امید علی بن سید محبت علی

■ سید قدیر علی

اور دیگر شخصیات کے طور پر سامنے آئے۔^[10]

مزید دیکھیے

■ سید حیدر شاہ

■ سید امیر علی شاہ بن سید حیدر شاہ

■ سید شاکر علی شاہ بن سید امیر علی شاہ

- [سید محبت علی بن سید نفیس علی](#)
- [سید امید علی بن سید محبت علی](#)
- [سید قدیر علی](#)
- [جلال الدین سرخ پوش بخاری](#)
- [مخدوم جہانیاں جہاں گشت](#)
- [اوچ شریف](#)
- [گلزار جلالیہ](#)

حوالہ جات

1. [Research Publication of Family of Saadat Naqvi \(https://doi.org/10.5281/zenodo.20070090\)](https://doi.org/10.5281/zenodo.20070090)
2. خاندانی روایات
3. خاندانی روایات
4. خاندانی روایات
5. خاندانی روایات
6. خاندانی روایات
7. خاندانی روایات
8. خاندانی روایات
9. خاندانی روایات
10. خاندانی روایات
- [گلزار جلالیہ](#)
- [Research Publication of Family of Saadat Naqvi \(https://doi.org/10.5281/zenodo.20070090\)](https://doi.org/10.5281/zenodo.20070090)
- [Internet Archive \(https://archive.org/details/@sadaat_genealogy_contact\)](https://archive.org/details/@sadaat_genealogy_contact)
- خاندانی روایات و محفوظ شجرات

اخذ کردہ از «https://ur.wikipedia.org/w/index.php?title=سید_قطب_شاه_بن_سید_کبیر_شاه&oldid=10503543»



سید حیدر شاہ بن سید قطب شاہ

<https://ur.wikipedia.org/s/1n13y>

سانچہ:خاندان معلومات

سید حیدر شاہ سادات نقوی البخاری خاندان کے اُن بزرگوں میں شمار ہوتے ہیں جن کا ذکر خاندان کی قدیم نسبی روایات، شجرات نسب اور زبانی تاریخ میں محفوظ ہے۔ آپ سید قطب شاہ کے صاحبزادے تھے جبکہ آپ کا تعلق اُس تاریخی حسینی سادات سلسلے سے تھا جو امام علی نقی علیہ السلام، جلال الدین سرخ پوش بخاری، مخدوم جانیایں جہاں گشت اور سید سلطان جلال الدین حیدر نقوی البخاری لاہوری سے اپنا نسب بیان کرتا ہے۔^[1]

خاندانی روایتوں کے مطابق سید حیدر شاہ خاندان کی اُن ابتدائی نسلوں میں شمار ہوتے ہیں جن سے بعد میں آل امیر، آل نفیس، آل محبت اور دیگر شاخوں کا تاریخی تسلسل نسبتاً واضح صورت میں سامنے آتا ہے۔ اگرچہ ان سے پہلے کی کئی نسلوں کے نام شجرات نسب، عربی و فارسی مخطوطات اور زبانی روایتوں میں محفوظ ہیں، مگر اُن کی مکمل تاریخی تفصیلات محدود ہیں۔ اس کے برعکس سید حیدر شاہ کی اولاد کے بعد خاندان کی تاریخ، ہجرت، نسبی روایات اور شاخوں کا ذکر زیادہ واضح اور مربوط صورت میں سامنے آتا ہے۔^[2]

مکمل نسب

خاندانی شجرات، محفوظ عربی و فارسی نسخوں، اوج شریف کے مشاہرات، درگاہی ریکارڈ، گلزار جلالیہ اور خاندانی روایتوں کے مطابق سید حیدر شاہ کا نسب اس طرح بیان کیا جاتا ہے:

سید حیدر شاہ بن سید قطب شاہ بن سید کبیر شاہ بن سید شرف الدین شاہ بن سید شمس الدین شاہ بن سید جانگیر شاہ بن سید یار شاہ حیدر بن سید شاہ نظام الدین بن سید زین العابدین بن سید علم الدین بن سید سلطان جلال الدین حیدر نقوی البخاری لاہوری بن سید صفی الدین بخاری بن سید نظام الدین بخاری بن سید علیم الدین بخاری بن سید جلال الدین بخاری بن سید ناصر الدین محمود بخاری بن مخدوم جانیایں جہاں گشت بن سید احمد کبیر بن جلال الدین سرخ پوش بخاری بن سید ابوالموید علی بن سید جعفر ثالث بن سید ابوالفتح محمد بن سید محمود بن سید ابی یوسف احمد بن سید عبد اللہ بن سید علی الاشقر بن سید جعفر الرکب بن امام علی نقی علیہ السلام بن امام محمد نقی علیہ السلام بن امام علی رضا علیہ السلام بن امام موسیٰ کاظم علیہ السلام بن امام جعفر صادق علیہ السلام بن امام محمد باقر علیہ السلام بن امام زین العابدین علیہ السلام بن امام حسین علیہ السلام بن امام علی علیہ السلام۔

[3]

تاریخی حیثیت

خاندانی روایتوں کے مطابق سید حیدر شاہ کی نسل سے خاندان کی مختلف شاخیں وجود میں آئیں، جن میں بعد کے ادوار میں:

- آل امیر
- آل نفیس
- آل محبت
- آل حفیظ

اور دیگر ذیلی شاخیں شامل ہوئیں۔^[4]

روایتوں کے مطابق اگرچہ خاندان کی قدیم نسلوں کے متعلق معلومات زیادہ تر شجرات نسب اور زبانی روایتوں تک محدود رہیں، تاہم سید حیدر شاہ کے بعد خاندان کی ہجرت، روحانی تعلقات، درگاہی وابستگیوں اور برصغیر میں آباد ہونے والی شاخوں کا ذکر زیادہ واضح انداز میں محفوظ ہوا۔^[5]

اولاد

خاندانی رولہتوں اور محفوظ شجراتِ نسب کے مطابق سید حیدر شاہ کے صاحبزادگان میں درج ذیل نام شامل ہیں:

- ضامن شاہ
- سید امیر علی شاہ بن سید حیدر شاہ
- سید وزیر علی شاہ
- سید سردار علی شاہ

[6]

سید امیر علی شاہ

خاندانی رولہتوں کے مطابق سید امیر علی شاہ بن سید حیدر شاہ کو آلِ امیر کا جدِ اعلیٰ تسلیم کیا جاتا ہے۔ رولہتوں کے مطابق اس کی بنیادی وجہ برصغیر ہند کی طرف ہجرت کا اُن سے منسوب ہونا ہے۔^[7]

سید امید علی بن سید محبت علی کے بیان کے مطابق خاندان کے اجداد میں سے دو افراد عرب سے زیارات کے بعد برصغیر، خصوصاً اتر پردیش، آئے تھے۔^[8]

رولہتوں میں اس بات پر اختلاف پایا جاتا ہے کہ وہ دونوں افراد:

- بھائی تھے

یا

- والد و فرزند

تاہم خاندانی رولہتوں میں سید امیر علی شاہ بن سید حیدر شاہ کے ساتھ سید وزیر علی شاہ کا زیادہ ذکر ملتا ہے، جس کی بنیاد پر دونوں کے بھائی ہونے کا امکان زیادہ غالب سمجھا جاتا ہے۔^[9]

شجراتِ نسب، زبانی روایات اور خاندانی قرآن بھی اسی امر کی تائید کرتے ہیں۔^[10]

آل امیر

خاندانی رولہتوں کے مطابق سید امیر علی شاہ بن سید حیدر شاہ وہ بزرگ ہیں جن سے آلِ امیر کا نسبتاً زیادہ مستند، مفصل اور محفوظ تاریخی و خاندانی ذکر شروع ہوتا ہے۔ اگرچہ ان سے پہلے کی کئی نسلوں کے نام شجرات اور رولہتوں میں محفوظ ہیں، مگر ان کی مکمل تاریخی تفصیلات قلم بند نہیں ہو سکیں۔^[11]

اس کے برعکس سید امیر علی شاہ بن سید حیدر شاہ کے بعد:

- خاندان کی ہجرت
- شجرۂ نسب
- برصغیر میں قیام
- روحانی وابستگیاں
- صوفی روایت
- ساداتی شناخت
- بعد کی نسلیں

زیادہ واضح اور مربوط صورت میں سامنے آتی ہیں۔^[12]

اسی وجہ سے خاندان کی روایتوں میں سید امیر علی شاہ بن سید حیدر شاہ کو آلِ امیر کی تاریخ میں ایک مرکزی اور فیصلہ کن مقام حاصل ہے۔^[13]

برصغیر سے تعلق

خاندانی روایتوں کے مطابق سید حیدر شاہ کی نسل سے تعلق رکھنے والے افراد بعد کے ادوار میں:

- اتر پردیش
- فیروز آباد
- آگرہ
- لاہور
- ملتان
- اوچ شریف
- حیدرآباد، سندھ
- اور دیگر علاقوں میں آباد ہوئے۔^[14]

روحانی و نسبی روایت

خاندانی روایتوں کے مطابق سید حیدر شاہ کی نسل میں اہل بیت سے محبت، صوفی روایت، عزاداری، ساداتی شناخت اور درگاہی وابستگیوں نسل در نسل منتقل ہوتی رہیں۔^[15]

بعد کی نسلوں میں اسی سلسلے سے وابستہ افراد:

- سید شاکر علی شاہ بن سید امیر علی شاہ
- سید عاشق علی بن سید شاکر علی شاہ
- سید نفیس علی شاہ بن سید عاشق علی شاہ
- حاجی سید حفیظ علی بن سید نفیس علی
- سید محبت علی بن سید نفیس علی
- سید امید علی بن سید محبت علی
- سید قدیر علی

اور دیگر شخصیات کے طور پر سامنے آئے۔^[16]

مزید دیکھیے

- سید امیر علی شاہ بن سید حیدر شاہ
- سید شاکر علی شاہ بن سید امیر علی شاہ
- سید عاشق علی بن سید شاکر علی شاہ
- سید نفیس علی شاہ بن سید عاشق علی شاہ
- سید محبت علی بن سید نفیس علی
- سید امید علی بن سید محبت علی

- سید قدیر علی
- جلال الدین سرخ پوش بخاری
- مخدوم جہانیاں جہاں گشت
- اوج شریف
- گلزار جلالیہ

حوالہ جات

1. Research Publication of Family of Saadat Naqvi (https://doi.org/10.5281/zenodo.20070090)
2. خاندانی روایات
3. خاندانی روایات
4. خاندانی روایات
5. خاندانی روایات
6. خاندانی روایات
7. خاندانی روایات
8. خاندانی روایات
9. خاندانی روایات
10. خاندانی روایات
11. خاندانی روایات
12. خاندانی روایات
13. خاندانی روایات
14. خاندانی روایات
15. خاندانی روایات
16. خاندانی روایات

- گلزار جلالیہ

- Research Publication of Family of Saadat Naqvi (https://doi.org/10.5281/zenodo.20070090)
- Internet Archive (https://archive.org/details/@sadaat_genealogy_contact)
- خاندانی روایات و محفوظ شجرات

اخذ کردہ از «https://ur.wikipedia.org/w/index.php?title=سید_قطب_شاہ_بن_سید_حیدر_شاہ&oldid=10503547»



سید امیر علی شاہ بن سید حیدر شاہ

<https://ur.wikipedia.org/s/1mv5p>

سید امیر علی شاہ بن سید حیدر شاہ سید امیر علی شاہ بن سید حیدر شاہ نقوی بخاری خاندان کی اُن اہم اور مرکزی شخصیات میں شمار ہوتے ہیں جن سے آل امیر کا نسبتاً زیادہ مستند، مفصل اور محفوظ تاریخی و خاندانی تسلسل واضح صورت میں سامنے آتا ہے۔ خاندانی روایات، شجرات نسب اور زبانی بیانات کے مطابق آپ مغلیہ سلطنت کے زوال پر دور میں ایک صاحب علم، صاحب روحانیت اور شای طبیب کے طور پر معروف رہے۔ آپ کی شخصیت سے متعلق مختلف تاریخی، روحانی اور نسبی روایات برصغیر کے مختلف علاقوں خصوصاً آگرہ، فیروز آباد، لاہور، لکھنؤ اور سندھ سے منسلک پائی جاتی ہیں۔ آپ کی نسل بالخصوص سید شاکر علی شاہ فیروز آبادی کے ذریعے آگے بڑھی، جس سے بعد کی نسلوں میں روحانی، علمی، صوفیانہ اور نسبی روایت مسلسل محفوظ رہی۔ خاندانی روایات کے مطابق آپ اور آپ کی نسل کا تعلق اہل بیت اطہار سے والہانہ محبت، تصوف، سلسلہ جلالیہ، چشتیہ، قادریہ، ذہبیہ اور کبرویہ کی روحانی روایتوں سے بھی بیان کیا جاتا ہے۔

سید امیر علی شاہ کے چار صاحبزادوں کے نام خاندانی شجروں اور روایات میں ملتے ہیں ان میں سید بابا درویش (لاولد)، سید علی (لاولد)، سید شاکر علی شاہ فیروز آبادی اور سید ذاکر علی شاہ فیروز آبادی شامل تھے ان میں سے بعض کے بارے میں یہ صراحت ملتی ہے کہ ان کی کوئی اولاد نہیں ہوئی، جبکہ بعض کی نسل کے بارے میں مختلف روایات پائی جاتی ہیں خاندانی روایات میں سید ذاکر علی شاہ فیروز آبادی کی اولاد کے جاری رہنے کا دعویٰ تو ملتا ہے، مگر اس نسل کی واضح تفصیل، شجرہ یا مستند تاریخی ریکارڈ محفوظ نہیں رہ سکا یہ امکان ظاہر کیا جاتا ہے کہ ان کی نسل آج بھی فیروز آبادی میں آباد ہو یا پھر کسی اور علاقے کی طرف ہجرت کر چکی ہو، تاہم اس بارے میں کوئی قطعی اور مستند معلومات دستیاب نہیں ہیں تاریخی شواہد کے مطابق، آپ کی نسل پاک صرف ایک ہی زوجہ مطہرہ سے چلی ہے، جبکہ دیگر ازواج سے اولاد کا کوئی ثبوت دست یاب نہیں ہے۔ اس کے برعکس، جو نسل سب سے زیادہ مستند، ثابت شدہ اور تسلسل کے ساتھ محفوظ چلی آ رہی ہے، وہ سید شاکر علی شاہ فیروز آبادی سے منسوب ہے خاندانی شجروں اور زبانی روایات کے مطابق سید شاکر علی شاہ کے ایک صاحبزادے سید عاشق علی تھے، جن کے ذریعے اس شاخ کا نسلی تسلسل آگے بڑھا ان کے علاوہ سید شاکر علی شاہ کی بیٹیوں کے بارے میں مختلف روایات ملتی ہیں، جن میں تعداد کہیں تین، کہیں چار اور ایک بیان کی گئی ہے، تاہم بیٹیوں کی تعداد کے بارے میں قطعی اتفاق موجود نہیں۔ یوں مجموعی طور پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ سید امیر علی شاہ کی اولاد میں سے نسلی تسلسل کے اعتبار سے جو شاخ تاریخی طور پر زیادہ مضبوط، محفوظ اور قابل اعتماد ہے، وہ سید شاکر علی شاہ فیروز آبادی کی نسل ہے، جبکہ دیگر صاحبزادوں کی اولاد کے بارے میں معلومات یا تو دستیاب نہیں رہیں یا پھر وقت کے ساتھ غیر واضح ہو گئی ہیں ہم ان کی نسل کے جاری رہنے سے انکار نہیں کرتے، البتہ ہمارے پاس ان کی نسل کے بارے میں مستند معلومات دستیاب نہیں ہیں۔ سید امیر علی شاہ جد آل امیر سید امیر علی شاہ وہ بزرگ ہیں جن سے آل امیر کا نسبتاً زیادہ مستند، مفصل اور محفوظ تاریخی و خاندانی ذکر شروع ہوتا ہے۔ اگرچہ ان سے پہلے کی کئی نسلوں کے نام شجروں اور زبانی روایات میں محفوظ ہیں، مگر ان کی مکمل تاریخی تفصیلات قلم بند نہیں ہو سکیں۔ اس کے برعکس، سید امیر علی شاہ کے بعد خاندان کی تاریخ، شجرہ اور روایات زیادہ واضح اور مربوط صورت میں سامنے آتی ہیں، اسی لیے انھیں آل امیر کی تاریخ میں ایک مرکزی اور فیصلہ کن مقام حاصل ہے، جبکہ ان کے بھائی ضامن شاہ، سید وزیر علی شاہ اور سید سردار علی شاہ کی نسلیں بھی الگ الگ شاخوں کی صورت میں آگے بڑھیں یہ بات علمی دیانت کے ساتھ بیان کرنا ضروری ہے کہ سید جلال الدین حیدر کے بعد کی بعض درمیانی نسلوں کے حالات تفصیل کے ساتھ محفوظ نہیں رہ سکے لاہور اور اس کے اطراف میں ابتدائی نسلوں کی موجودگی کے بعض دعوے ضرور ملتے ہیں، مگر ان کے پاس بھی مکمل تحریری تاریخی شواہد موجود نہیں اس کے باوجود یہ تمام نام خاندانی شجروں اور زبانی روایات میں احترام کے ساتھ محفوظ چلے آتے ہیں، یہ سلسلہ بالآخر شاکر علی شاہ بن سید امیر علی شاہ کے صاحبزادے سید عاشق علی شاہ تک اور پھر اُن کے فرزند شہید سید نفیس علی شاہ کے ذریعے سید امجد علی شاہ، سید حفیظ علی شاہ اور سید محبت علی شاہ تک جاری رہتا ہے۔ یہ تمام بزرگان دین، علم و عرفان کے روشن بینار اور تصوف و روحانیت کے علمبردار رہے ہیں۔ ان کی تعلیمات میں محبت اہل بیت، ولایت علی اور امامیہ فکر کی جھلک نمایاں طور پر دیکھی جاسکتی ہے۔ انھوں نے امت میں وحدت، معرفت اور عشق محمد و آل محمد کو فروغ دیا۔ ان تمام جلیل القدر بزرگوں کی تفصیلی سوانح، کرامات اور روحانی مقامات تصوف، اثنا عشری تشیع، سادات کے انساب اور دیگر تاریخی و روحانی کتب میں دستیاب ہیں۔ آپ کے زمانے، اُس دور کے پنجاب، سندھ اور اتر پردیش کے اکثر علاقوں کے مذہبی مآول اور آپ کی اولاد و نسل میں قائم طریقہ کار اور دو طرفہ روایتوں سے یہ امر واضح طور پر ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کا تعلق سلسلہ ذہبیہ یا سلسلہ کبرویہ سے تھا تاریخی و نسبی شواہد سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ نقوی بخاری سادات کی فکری و روحانی وابستگی ابتدا ہی سے اہل بیت اطہار، ائمہ اثنا عشر اور واقعہ کربلا کے اصولی تصور امامت سے گہری رہی ہے اگرچہ مختلف ادوار میں سیاسی دباؤ، سماجی حالات اور فقہی غلبے کے باعث ان میں سے بعض نے خود کو سنی یا صوفی شناخت کے تحت ظاہر کیا، تاہم ان کی داخلی اعتقادی ساخت، اہل بیت سے ولایت نسبت، عزاداری اور امامی فکر سے وابستگی میں بنیادی فرق پیدا نہیں ہوا۔ اختلاف زیادہ تر ظاہری اظہار اور رسومات کی سطح پر رہا، نہ کہ اصول اہل بیت سے انحراف کی صورت میں۔ خاندان سادات سید امیر علی شاہ ایک پوشیدہ، روحانی اور نسبی ورثے کا امین ہے جو مغلیہ دور کے آخری عہد کی طبی و روحانی خدمات، تقیہ، تصوف اور اہل بیت سے والہانہ محبت کی بنیاد پر نسل در نسل منتقل ہوا سید امیر علی مغلیہ سلطنت کے زوال پر دور (تقریباً اٹھارویں صدی کے اواخر تا انیسویں صدی کے اوائل) میں ایک شای طبیب کے طور پر معروف رہے خاندانی روایت کے مطابق آگرہ میں ممتاز باغ کے قریب ایک قطعہ زمین سے ان کی نسبت بیان کی جاتی ہے، جہاں بعد کے زمانوں میں کالی سنڈلی مسجد قائم رہی تاہم تاریخی قرائن کی رو سے زیادہ قرین قیاس یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ مقام بطور ولایت، نگرانی یا محدود حق تصرف ان سے منسلک رہا ہو، نہ کہ قطعی اور مستقل جاگیر کے طور پر عطا ہوا ہو جبکہ خاندانی روایت میں یہ بھی ذکر ملتا ہے کہ سید امیر علی کے تصرف میں دیگر اراضیات بھی تھیں، جن میں سے ایک مقام پر ایک چھوٹی مسجد قائم تھی اس جگہ کی درست تعیین آج ممکن نہیں، تاہم بیانات کے مطابق وہاں غیر معمولی واقعات اور جنّت سے متعلق قصے منسوب کیے جاتے رہے اور کہا جاتا تھا کہ اس مقام پر صرف اسی خاندان کے افراد کی آمد کو قبول کیا جاتا تھا۔ ان کے بعد نسل میں سید شاکر علی صوفی بزرگ کے طور پر نمایاں ہوئے، جن کا سلسلہ ذہبیہ یا سلسلہ کبرویہ چشتیہ اور جلالیہ سلسلوں کے بزرگوں میں شمار کیا جاتا ہے خاندانی روایات کے مطابق آپ کسی روحانی سلسلے کے خلیفہ بھی رہے آپ نے اہل بیت علیہم السلام کی فقہی و اعتقادی روایت کو بنیاد بناتے ہوئے طریقت و تصوف کا راستہ اختیار کیا، مگر اپنے اصولی مکتب سے انحراف نہیں کیا فیروز آباد میں آپ کی موجودگی سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ خاندان کا مرکز عملی طور پر وہاں منتقل ہوا آپ کی تعلیمات میں اہل بیت اطہار کی نسبت نمایاں تھی اور آپ کا رجحان اثنا عشری فکر کی طرف بیان کیا جاتا ہے بعض میں ملتا ہے کہ آپ سے

روحانی مسائل میں رجوع کیا جاتا تھا اور آپ کے اقوال و افکار میں معرفت و ولایت کی جھلک محسوس کی جاتی تھی۔ سید امیر علیؒ کی زندگی کے بعض پہلو مکمل دستاویزی صورت میں محفوظ نہیں، تاہم نسلی تسلسل، رولیت اور زمانی مطابقت کے اعتبار سے ان کی شخصیت ایک ایسے بزرگ طبیب کی صورت میں سامنے آتی ہے جو مغلیہ سلطنت کے آخری دور میں علمی و روحانی خدمات سے وابستہ رہے اور جن کی نسبت اہل بیتؑ سے جڑی ہوئی سمجھی جاتی ہے۔ ان کے بعد خاندان نے فرقہ وارانہ مظالم کی وجہ سے آگرہ، فیروز آباد سے ہجرت کی، جس میں سید محبت علیؒ اور سید حفیظ علیؒ کی جائیں بمشکل بچ سکیں۔ ان کی اولاد سندھ، پاکستان میں آکر آباد ہوئی چند سال گزرنے کے بعد دونوں بھائیوں نے سلسلہ قادریہ میں بیعت کی اور اس بیعت تصوف کے ذریعے آپ کا شجرہ طریقت حضرت شیخ الاسلام سید عبد القادر جیلانیؒ غوث پاک سے جلا، یوں آپ دونوں کی بیعت کا سلسلہ طریقت انہی تک پہنچتا ہے۔ 1990 کے قریب شجرہ نسب کا ایک حصہ چوری ہو گیا جو سب سے قدیم نسخہ تھا، مگر اس کی چند عربی و فارسی کی تحریریں اور دیگر نقلیں جو اردو میں منتقل ہو چکی تھیں وہ باقی رہیں لیکن سید محبت علیؒ نے 1947ء وقت ہجرت ہی اپنے مشاجرات اُچ شریف میں جمع کروا دیے تھے، جب آپ علاج کے سلسلے میں لاہور گئے تو وہاں بھی نسب کی معلومات لکھوا کر جمع کرائی اور سید نیاز علیؒ کو بتایا کہ ہمارے لوگ یہاں آباد ہیں جن کا علم ان کے بیٹوں کو بھی تھا سید محبت علیؒ کے ہاتھ سے لکھوا کر اُچ شریف میں جمع کرایا گیا دربار کے سجادہ نشین خاوند سادات نقوی البخاری کو پہچان گئے بعد ازاں سید محبت علیؒ کی نسل سے تعلق قائم رہا اور اُچ شریف کی قائم رولیت کے مطابق بعد میں پیدا ہونے والی نسل کی بھی تصدیق کی جاتی رہی ہے شجرے کی اور ماہرین نسب کی تحقیق، خاندان کے تمام بزرگ، سجادہ نشین اور گواہان، جیسا کہ اُچ شریف کے قدیم و محفوظ ریکارڈ سے بھی تصدیق ہوتی ہے اور یہی موقف نسل در نسل تسلیم کیا جاتا رہا ہے سید امیر علی شاہ کے صاحبزادے، سید شاکر علی نے تصوف پر بے انتہا بڑھ چڑھ کر کام کیا۔ جبکہ سید شکر علی کا تعلق سلسلہ جلالیہ سے زیادہ تھا اور بعد میں سلسلہ چشتیہ سے بھی آپ دونوں سلسلوں سے خلیفہ تھے فیروز آباد میں، مگر آپ کا جھکاؤ سلسلہ جلالیہ کی طرف زیادہ تھا، جس کی وجہ آپ کے اثنا عشری کے قریب عقائد تھے۔ سید نیاز علی ابتدا میں زبانی رولیت کے مطابق یہ مانتے تھے کہ ان کا نسب امام جعفر صادق علیہ السلام سے ملتا ہے اس کی وجہ یہ تھی کہ انھوں نے بچپن میں عربی اور فارسی میں قدیم شجرہ پڑھا تھا، جس میں جلال الدین سرخ پوش بخاری بن علی المیدری بن جعفر بن محمد بن محمود بن احمد بن عبد اللہ بن علی بن امام جعفر صادق کے نام درج تھے تاہم، ان کے حافظے میں کچھ تفصیلات نہیں تھیں اور نام کے حوالے سے ان سے ایک جگہ غلطی ہو گئی، حالانکہ دراصل وہ علی بن جعفر ثانی کی نسل سے تھے بعد میں جب شجرے کو دوبارہ کھولا گیا اور نسخے پڑھے گئے تو یہ واضح ہوا کہ اصل میں علی بن جعفر ثانی تھے اور سید جلال الدین سرخ پوش بخاری درحقیقت نقوی سادات میں سے تھے سید نیاز علی نے تسلیم کیا کہ بچپن میں پڑھائی یا پڑھاپے میں حافظ کی کمزوری کی وجہ سے یہ غلط فہمی ہوئی یہ مسئلہ عام طور پر ہندوستان میں آباد بخاری سادات میں پایا گیا، کیونکہ شجرے کی حفاظت، ناموں کی تکرار، زبانی رولیت اور تعلیم کی کمی نے غلط فہمیاں جنم دی تھیں۔

ایک نہایت معزز اور معتبر شخصیت خاندان کے نہایت قریبی، حضرت خادم الفقراء و المساکین، مخدوم حامد محمد نوبہار خامس المعروف مخدوم سید سلطان جہانیاں نقوی بخاری سجادہ نشین دربار عالیہ جلالیہ اچ شریف حضرت سید جلال الدین حیدر سرخ پوش بخاری رحمہ اللہ علیہ، مورث اعلیٰ سادات نقوی بخاری برصغیر پاک و ہند اور دربار عالیہ جلالیہ کے ماہر الانساب و شجرہ نویس اس بات پر متفق ہیں کہ یہ خاندان کا نسب مکمل اور درست ہے جو تقسیم ہند کے وقت، ہجرت کرنے والے سادات نے اس کا ریکارڈ جمع کرایا اور تمام خاندان کا ریکارڈ درست ہے، جس کی صرف تصدیق کی گئی ہے چونکہ یہ خاندان چھ سات نسلوں تک ہندوستان میں آباد رہا، اس لیے ہندوستان سے بھی مستند تحقیق اور ریکارڈ حاصل کیا گیا پھر ایک نہایت معزز اور معتبر شخصیت حضرت پیر طریقت، ربیر شریعت، سیادت مآب، چیف آف سادات ہندوستان، سید ناصر الدین نقوی مودودی ہاشمی چشتی حسنی حسینی، سجادہ نشین آستانہ عالیہ جہالہ شریف، اجمیر، راجستھان اور ان کے خلیفہ و خادم آستانہ، سید غیاث الدین نعیم کے مطابق اس سادات خاندان کا ریکارڈ ہمارے پاس بھی موجود ہے سید محبت علی بن سید نفیس علی بخاری کے بیٹے سید امید علی اور ان کی ایک بہن تک اور حاجی سید حفیظ علی بن سید نفیس علی بخاری اور ان کے ایک بیٹے سید قمر علی تک کا ریکارڈ اس طرح موجود ہے نیز سید امجد علی کا ریکارڈ بھی موجود ہے اور سب ان میں سے اکثر کا تعلق تشیع سے تھا بعد ازاں پاکستان آ کر بڑے بھائی سید امجد علی، جن کی والدہ سید نفیس علی کی پہلی بیوی تھیں اور ان سے صرف سات بیٹیاں پیدا ہوئیں، نہ کہ کوئی بیٹا شجرہ نویسی میں پیدا ہونے والے مسائل اور شبہات کی ایک اہم وجہ یہ ہے کہ تصوف کے غلبے نے نسبی علم و تحقیق کو نظر انداز کر دیا، جس کے نتیجے میں شجرہ نویسی میں الجھاؤ اور ابہام پیدا ہو گئے۔

اگرچہ روایتی بیانات اور خاندان کی زبانی روایات سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کا دور 1700ء کے بعد سے 1850ء کے درمیان کا زمانہ ظاہر ہوتا ہے، لیکن بعض ایسے نام اور واقعات بھی ملتے ہیں جو اس سے پہلے کے ادوار سے تعلق رکھتے ہیں اس تضاد کا ایک ممکنہ سبب یہ ہو سکتا ہے کہ بعض روایات درحقیقت کسی بزرگ جد کی زندگی اور کارناموں سے وابستہ ہوں، جنھیں وقت کے ساتھ ساتھ سید امیر علیؒ کے ساتھ منسلک کر دیا گیا ہو ممکن ہے عوامی شعور میں ان کی شخصیت کو دانستہ طور پر پس منظر میں رکھا گیا ہو، جبکہ آپ مغل سلطنت کے خاص پوشیدہ کارندوں میں شمار ہوتے تھے، آپ کا عرب سے بھی کوئی خاص تعلق جزا ہوتا تھا، خاص کر کے ایران سے، اس تاریخی گمشدگی کی ایک بڑی وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ جس دور میں وہ سرگرم تھے، اسی زمانے میں کالی سنڈلی مسجد اہل البیت کے عقائد کے طور پر جانی جاتی تھی، وقت گزرنے کے ساتھ مسجد صوفی رولیتوں کے زیر اثر آ گئی اور بالآخر ایک سرکاری ادارے کے کنٹرول میں چلی گئی جن کی تاریخی موجودگی مسجد سے منسلک رہی کیونکہ سید امیر علیؒ کی زندگی بہت زیادہ ہجرتوں میں گزری ہے، آپ کا کسی ایک جگہ مقیم ہوجانا ناممکن سا تھا، یاد رہے کہ یہ سید امیر علیؒ نقوی البخاری ہیں، نہ کہ کوئی سید امیر علیؒ تقسیم ہندوستان سے قبل کا کوئی سیاسی رہنما، یہ اکثر لوگ غلط فہمی کا شکار ہو جاتے ہیں۔ چونکہ سید امیر علیؒ نے ایک پوشیدہ زندگی بسر کی، اس لیے ان کی اولاد کو بھی کئی نسلوں تک مخالفین کا سامنا رہا، جس کے باعث ان کے خاوندے نے وقتاً فوقتاً نقل مکانی کی یہی وجہ ہے کہ بعد کی نسلوں نے اپنی نسبت ظاہر کرتے ہوئے احتیاط برتی یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ صفوی باقیا گروہ اور سلطنت اودھ کے دار الحکومت لکھنؤ سے ان کے تعلقات تھے روایتاً کہا جاتا ہے ایک موقع پر مغل بادشاہ شاہ جہاں نے اپنی اہلیہ بی بی کاندھاری بیگم کی تدفین کے لیے وہ زمین منتخب کی جہاں ان کی قبر واقع ہے اسی مقام پر شاہ جہاں نے اپنی اہلیہ کو روحانی نسبت بخشنے کی غرض سے ایک مسجد تعمیر کروائی جو آج کالی سنڈلی مسجد کے نام سے جانی جاتی ہے۔ اس مسجد کی تعمیر 1632ء میں ہوئی، اُس دور میں یہ علاقہ ایک مکمل مغل فوجی چھاؤنی کی حیثیت رکھتا تھا۔ بعد ازاں یہ مسجد اور اس سے متعلقہ زمین سادات بخاری کے اختیار میں آ گئی، ممکنہ طور پر یہ امر اس بنا پر ظاہر کیا جاتا ہے کہ بی بی کاندھاری بیگم ان کی ہم عقیدہ تھیں، جس کے باعث یہ انتظام عمل میں آیا بعد کے ادوار میں اس مسجد کو مغل افواج کی سہولت کے لیے تعمیر شدہ قرار دیا گیا، حالانکہ حقیقت میں یہ زمین سادات کی تھی اور مسجد بھی اسی تاریخی و روحانی تسلسل کا حصہ ہے اسی طرح فیروز آباد میں واقع ایک مسجد بھی اسی خاندان کے اختیار میں رہی، جو سادات نقوی بخاری کی وہاں موجودگی اور مذہبی و سماجی اثر و رسوخ کی واضح مثال ہے۔ اس مسجد سے متعلق وقت کے ساتھ ساتھ جنات کے معاملات، قصے اور کہانیاں بھی منسوب ہوتی چلی آتی ہیں، جو زیادہ تر عوامی روایات اور مقامی بیانیے کا حصہ سمجھی جاتی ہیں۔ 1700 سے 1800 کے درمیان صفوی خاندان (جو ایران میں حکومت کر رہا تھا) کا براہ راست ہندوستان میں کوئی خاص اثر و رسوخ نہیں تھا، کیونکہ صفوی سلطنت 1736 میں ختم ہو گئی تھی اور اس کے بعد قاجاری خاندان نے ایران میں حکمرانی شروع کی تاہم، اس دوران صفوی سلطنت کے اثرات اور تعلقات ہندوستان میں مختلف طریقوں سے موجود تھے، خاص طور پر ایرانی شیعہ کمیونٹیز اور صفوی حکومت کے زوال کے بعد ہندوستان میں پناہ گزین ہونے والے ایرانیوں کے ذریعے۔

اولاد

سید امیر علی شاہ کے چار صاحبزادوں کے نام خاندانی شجروں اور روایات میں ملتے ہیں ان میں سید بابا درویش (لاولد)، سید علی (لاولد)، سید شاکر علی شاہ فیروزآبادی اور سید ذاکر علی شاہ فیروزآبادی شامل تھے ان میں سے بعض کے بارے میں یہ صراحت ملتی ہے کہ ان کی کوئی اولاد نہیں ہوئی، جبکہ بعض کی نسل کے بارے میں مختلف روایات پائی جاتی ہیں خاندانی روایات میں سید ذاکر علی شاہ فیروزآبادی کی اولاد کے جاری رہنے کا دعویٰ تو ملتا ہے، مگر اس نسل کی واضح تفصیل، شجرہ یا مستند تاریخی ریکارڈ محفوظ نہیں رہ سکا یہ امکان ظاہر کیا جاتا ہے کہ ان کی نسل آج بھی فیروزآبادی میں آباد ہو یا پھر کسی اور علاقے کی طرف ہجرت کر چکی ہو، تاہم اس بارے میں کوئی قطعی اور مستند معلومات دستیاب نہیں ہیں تاریخی شواہد کے مطابق، آپ کی نسل پاک صرف ایک ہی زوجہ مطہرہ سے چلی ہے، جبکہ دیگر ازواج سے اولاد کا کوئی ثبوت دستِ یاب نہیں ہے۔

اس کے برعکس، جو نسل سب سے زیادہ مستند، ثابت شدہ اور تسلسل کے ساتھ محفوظ چلی آ رہی ہے، وہ سید شاکر علی شاہ فیروزآبادی سے منسوب ہے خاندانی شجروں اور زبانی روایات کے مطابق سید شاکر علی شاہ کے ایک صاحبزادے سید عاشق علی تھے، جن کے ذریعے اس شاخ کا نسلی تسلسل آگے بڑھا ان کے علاوہ سید شاکر علی شاہ کی بیٹیوں کے بارے میں مختلف روایات ملتی ہیں، جن میں تعداد کہیں تین، کہیں چار اور ایک بیان کی گئی ہے، تاہم بیٹیوں کی تعداد کے بارے میں قطعی اتفاق موجود نہیں۔

یوں مجموعی طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ سید امیر علی شاہ کی اولاد میں سے نسلی تسلسل کے اعتبار سے جو شاخ تاریخی طور پر زیادہ مضبوط، محفوظ اور قابلِ اعتماد ہے، وہ سید شاکر علی شاہ فیروزآبادی کی نسل ہے، جبکہ دیگر صاحبزادوں کی اولاد کے بارے میں معلومات یا تو دستیاب نہیں رہیں یا پھر وقت کے ساتھ غیر واضح ہو گئی ہیں ہم ان کی نسل کے جاری رہنے سے انکار نہیں کرتے، البتہ ہمارے پاس ان کی نسل کے بارے میں مستند معلومات دستیاب نہیں ہیں۔

جد آل امیر

سید امیر علی شاہ جد آل امیر سید امیر علی شاہ وہ بزرگ ہیں جن سے آل امیر کا نسبتاً زیادہ مستند، مفصل اور محفوظ تاریخی و خاندانی ذکر شروع ہوتا ہے۔ اگرچہ ان سے پہلے کی کئی نسلوں کے نام شجروں اور زبانی روایات میں محفوظ ہیں، مگر ان کی مکمل تاریخی تفصیلات قلم بند نہیں ہو سکیں۔ اس کے برعکس، سید امیر علی شاہ کے بعد خاندان کی تاریخ، شجرہ اور روایات زیادہ واضح اور مربوط صورت میں سامنے آتی ہیں، اسی لیے انھیں آل امیر کی تاریخ میں ایک مرکزی اور فیصلہ کن مقام حاصل ہے، جبکہ ان کے بھائی ضامن شاہ، سید وزیر علی شاہ اور سید سردار علی شاہ کی نسلیں بھی الگ الگ شاخوں کی صورت میں آگے بڑھیں یہ بات علمی دیانت کے ساتھ بیان کرنا ضروری ہے کہ سید جلال الدین حیدر کے بعد کی بعض درمیانی نسلوں کے حالات تفصیل کے ساتھ محفوظ نہیں رہ سکے لاہور اور اس کے اطراف میں ابتدائی نسلوں کی موجودگی کے بعض دعوے ضرور ملتے ہیں، مگر ان کے پاس بھی مکمل تحریری تاریخی شواہد موجود نہیں اس کے باوجود یہ تمام نام خاندانی شجروں اور زبانی روایات میں احترام کے ساتھ محفوظ چلے آتے ہیں، یہ سلسلہ بالآخر شاکر علی شاہ بن سید امیر علی شاہ کے صاحبزادے سید عاشق علی شاہ تک اور پھر اُن کے فرزند شہید سید نفیس علی شاہ کے ذریعے سید امجد علی شاہ، سید حفیظ علی شاہ اور سید محبت علی شاہ تک جاری رہتا ہے۔

سید امیر علی شاہ

سید امیر علی شاہ بن سید حیدر شاہ سادات نقوی بخاری خاندان کے اُن بزرگوں میں شمار ہوتے ہیں جن سے آل امیر کا نسبتاً زیادہ مستند، مفصل اور محفوظ نسلی و تاریخی تسلسل واضح صورت میں سامنے آتا ہے۔ خاندانی روایات اور شجروں کے مطابق آپ کے چار صاحبزادے تھے: سید بابا درویش، سید علی، سید شاکر علی شاہ فیروزآبادی اور سید ذاکر علی شاہ فیروزآبادی۔ بعض صاحبزادوں کے بارے میں صراحت ملتی ہے کہ ان کی کوئی اولاد نہ ہوئی، جبکہ بعض کی نسل کے متعلق مختلف روایات پائی جاتی ہیں۔ تاہم خاندان کی سب سے زیادہ مستند، محفوظ اور مسلسل شاخ سید شاکر علی شاہ فیروزآبادی کے ذریعے آگے بڑھی، جس نے بعد کی نسلوں میں روحانی، نسبی اور تاریخی تسلسل کو برقرار رکھا۔

سید بابا درویش

سید بابا درویش، سید امیر علی شاہ کے صاحبزادوں میں شمار ہوتے ہیں۔ خاندانی روایات کے مطابق آپ نہایت درویش منش، عبادت گزار اور گوشہ نشین طبیعت کے حامل تھے۔ شجروں اور زبانی روایات میں آپ کے بارے میں یہ صراحت ملتی ہے کہ آپ لاولد تھے اور آپ کی نسل آگے نہیں بڑھی۔

سید علی

سید علی بھی سید امیر علی شاہ کے صاحبزادے تھے۔ خاندانی شجروں اور روایتوں کے مطابق آپ کے بارے میں بھی یہی ذکر ملتا ہے کہ آپ لاولد تھے۔ آپ کی زندگی کے تفصیلی حالات محفوظ نہیں رہ سکے، تاہم خاندان میں آپ کا ذکر احترام کے ساتھ موجود رہا ہے۔

سید ذاکر علی شاہ فیروزآبادی

سید ذاکر علی شاہ فیروزآبادی، سید امیر علی شاہ کے اُن صاحبزادوں میں شمار ہوتے ہیں جن کے متعلق خاندانی روایتوں میں نسل جاری رہنے کا ذکر موجود ہے۔ بعض بیانات کے مطابق آپ کی اولاد فیروزآباد یا اس کے اطراف میں آباد رہی، تاہم اس نسل کی واضح تفصیل، مستند شجرہ اور مکمل تاریخی ریکارڈ محفوظ نہیں رہ سکا۔ اسی وجہ سے ان کی نسل کے بارے میں قطعی معلومات دستیاب نہیں، البتہ خاندان ان کی نسل کے جاری رہنے کے امکان سے انکار نہیں کرتا۔

سید شاکر علی شاہ فیروزآبادی

سید شاکر علی شاہ فیروزآبادی، سید امیر علی شاہ کی سب سے زیادہ مستند اور محفوظ نسل کے مرکزی بزرگ سمجھے جاتے ہیں۔ خاندانی روایتوں کے مطابق آپ تصوف، روحانیت اور اہل بیت سے والہانہ محبت کے حامل بزرگ تھے۔ آپ کا تعلق سلسلہ جلالیہ، چشتیہ، ذہبیہ اور کبرویہ کی روحانی روایتوں سے بھی بیان کیا جاتا ہے۔ آپ فیروزآباد میں مقیم رہے، جہاں آپ کی روحانی خدمات، تعلیمات اور فیضان کا چرچا پایا جاتا تھا۔ روایتوں کے مطابق آپ کسی روحانی سلسلے کے خلیفہ بھی تھے۔ آپ کی تعلیمات میں ولایتِ اہل بیت، محبتِ معصومین، معرفت اور تصوف نمایاں حیثیت رکھتے تھے۔

خاندانی شجروں کے مطابق سید شاکر علی شاہ کے ایک صاحبزادے سید عاشق علی تھے، جن کے ذریعے خاندان کا نسلی تسلسل آگے بڑھا۔ آپ کی بیٹیوں کے متعلق مختلف روایات ملتی ہیں، جن میں تعداد تین، چار یا ایک بیان کی جاتی ہے، تاہم اس بارے میں قطعی اتفاق موجود نہیں۔

سید عاشق علی

سید عاشق علی بن سید شاکر علی شاہ خاندان کے اُن بزرگوں میں شمار ہوتے ہیں جن کے ذریعے آلِ امیر کا نسلی تسلسل آگے بڑھا۔ خاندانی روایتوں کے مطابق آپ ایک متین، دینی اور باوقار شخصیت کے حامل تھے۔ آپ کے فرزند سید نفیس علی شاہ تھے، جن کے ذریعے بعد کی نسلوں میں خاندان کی شناخت، ہجرت، روحانی وابستگی اور تاریخی تسلسل محفوظ رہا۔

سید نفیس علی شاہ

سید نفیس علی شاہ بن سید عاشق علی آلِ امیر کے اُن اہم بزرگوں میں شمار ہوتے ہیں جن کی نسل بعد میں برصغیر کی ہجرتوں اور تاریخی تبدیلیوں کے باوجود محفوظ رہی۔ آپ کے تین صاحبزادے تھے: سید امجد علی، حاجی سید حفیظ علی اور سید محبت علی۔ خاندانی روایتوں کے مطابق آپ کی نسل نے بعد میں آگرہ، فیروزآباد اور تقسیمِ ہند کے بعد سندھ، پاکستان میں سکونت اختیار کی۔

سید امجد علی

سید امجد علی، سید نفیس علی شاہ کے صاحبزادے تھے۔ خاندانی روایت کے مطابق آپ سید نفیس علی شاہ کی پہلی زوجہ سے تھے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ آپ کی نسل میں صرف بیٹیاں ہوئیں اور کوئی صاحبزادہ نہ تھا۔ آپ کا ذکر خاندان میں احترام کے ساتھ محفوظ ہے۔

حاجی سید حفیظ علی

حاجی سید حفیظ علی بن سید نفیس علی شاہ خاندان کے اہم بزرگوں میں شمار ہوتے ہیں۔ تقسیمِ ہند کے وقت آپ نے اپنے اہل خانہ کے ساتھ پاکستان کی طرف ہجرت کی اور بعد میں سندھ میں سکونت اختیار کی۔ آپ دینی مزاج، تصوف سے وابستگی اور اہل بیت سے محبت کے لیے معروف تھے۔ روایتوں کے مطابق بعد میں آپ اور آپ کے بھائی سید محبت علی نے سلسلہ قادریہ میں بیعت کی، جس کے ذریعے ان کا شجرہ طریقت حضرت غوث الاعظم سید عبدالقادر جیلانی سے جا ملتا ہے۔

خاندانی ریکارڈ کے مطابق حاجی سید حفیظ علی کے ایک صاحبزادے سید قمر علی تھے، جن کا ذکر مستند شجرہ نویسی اور درگاہی ریکارڈ میں محفوظ پایا جاتا ہے۔

سید قمر علی

سید قمر علی، حاجی سید حفیظ علی کے صاحبزادے تھے۔ خاندانی روایات اور شجرہ نویسی کے مطابق ان کا نام مستند ریکارڈ میں محفوظ ہے، تاہم ان کی نسل اور زندگی کی تفصیلی معلومات محدود انداز میں محفوظ رہ سکی ہیں۔

سید محبت علیؒ

سید محبت علیؒ بن سید نفیس علی شاہؒ خاندان کی جدید نسلوں کے اہم ترین بزرگوں میں شمار ہوتے ہیں۔ تقسیم ہند کے بعد آپ سندھ، پاکستان میں آباد ہوئے۔ آپ دینی مزاج، روحانی وابستگی، اہل بیتؑ سے محبت اور خاندانی شجروں کے تحفظ کے لیے معروف تھے۔ رولہتوں کے مطابق آپ نے ہجرت سے قبل اپنے مشاجرات اور نسبی ریکارڈ اُوج شریف میں جمع کروائے، جن کی بعد میں دریار عالیہ جلالیہ اُوج شریف کے سجادہ نشینوں اور ماہرینِ انساب نے تصدیق کی۔

سید اُمید علیؒ

سید اُمید علیؒ، سید محبت علیؒ کے صاحبزادے تھے۔ خاندانی رولہتوں کے مطابق ان کا ذکر دگاہی اور نسبی ریکارڈ میں محفوظ ہے۔ آپ کے بارے میں یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ ان کی زندگی میں ہجرت، معاشی مشکلات اور خاندانی ذمہ داریوں کے باعث بہت سے علمی و تاریخی منصوبے مکمل نہ ہو سکے، تاہم خاندان میں ان کا ذکر عزت و احترام سے کیا جاتا ہے۔ سید شاہ زیب علی نقوی بن سید قدیر علی نقوی بن سید امید علی بن سید محبت علی بن سید نفیس علی بن سید عاشق علی بن سید شاکر علی بن سید امیر علی شاہؒ۔ حافظ سید شاہ زین علی نقوی بن سید قدیر علی نقوی بن سید امید علی بن سید محبت علی بن سید نفیس علی بن سید عاشق علی بن سید شاکر علی بن سید امیر علی شاہؒ۔ سید شارق علی نقوی بن سید قدیر علی نقوی بن سید امید علی بن سید محبت علی بن سید نفیس علی بن سید عاشق علی بن سید شاکر علی بن سید امیر علی شاہؒ۔ سید یوش علی نقوی بن سید قدیر علی نقوی بن سید امید علی بن سید محبت علی بن سید نفیس علی بن سید عاشق علی بن سید شاکر علی بن سید امیر علی شاہؒ۔ [1]

سید نیاز علیؒ

سید نیاز علی بن سید محبت علیؒ خاندان کے اُن افراد میں شمار ہوتے ہیں جنہوں نے خاندانی شجرے، روایات اور نسبی معلومات کو محفوظ رکھنے میں اہم کردار ادا کیا۔ رولہتوں کے مطابق انہوں نے بچپن میں عربی و فارسی کے قدیم شجرے پڑھے تھے، جن کی بنیاد پر نسبی معلومات خاندان میں منتقل ہوتی رہیں۔ بعد میں جب قدیم نسخے دوبارہ پڑھے گئے تو بعض ناموں اور درمیانی نسلوں کی تصحیح بھی سامنے آئی، جس سے خاندان کے نقوی بخاری نسب کی مزید توثیق ہوئی۔

سید حفیظ علی شاہؒ بن سید نفیس علی شاہؒ بن سید محبت علی شاہؒ بن سید نفیس علی شاہؒ بن سید شاکر علی شاہؒ بن سید امیر علی شاہؒ بن سید حیدر شاہؒ بن سید قطب شاہؒ بن سید کبیر شاہؒ بن سید شمس الدین شاہؒ بن سید جہانگیر شاہؒ بن سید یار شاہ حیدرؒ بن سید شاہ نظام الدینؒ بن سید زین العابدینؒ بن سید علم الدینؒ بن سید سلطان جلال الدین حیدر نقوی البخاری لاہوریؒ بن سید صفی الدین بخاریؒ بن سید نظام الدینؒ بن سید علیم الدینؒ بن سید جلال الدین بخاریؒ بن سید ناصر الدین محمود بخاریؒ بن سید مخدوم بہانیاں جہانگشت بخاریؒ بن سید احمد کبیرؒ بن سید جلال الدین سرخ پوش بخاریؒ بن سید ابوالموید علیؒ بن سید جعفر ثالثؒ بن سید ابوالفتح محمدؒ بن سید محمودؒ بن سید ابی یوسف احمدؒ بن سید عبد اللہؒ بن سید علی الاشقرؒ بن سید جعفر الکرکیؒ بن حضرت امام علی نقی علیہ السلام بن حضرت امام محمد تقیؒ بن جواد علیہ السلام بن حضرت امام علی رضا علیہ السلام بن حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام بن حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام بن حضرت امام محمد باقر علیہ السلام بن حضرت امام زین العابدین علیہ السلام بن حضرت امام حسین علیہ السلام بن حضرت امام علی بن ابی طالب علیہ السلام۔ [2]

یہ تمام بزرگانِ دین، علم و عرفان کے روشن بینار اور تصوف و روحانیت کے علمبردار رہے ہیں۔ ان کی تعلیمات میں محبتِ اہل بیتؑ، ولایتِ علیؑ اور امامیہ فکر کی جھلک نمایاں طور پر دیکھی جا سکتی ہے۔ انہوں نے امت میں وحدت، معرفت اور عشقِ محمد و آلِ محمدؐ کو فروغ دیا۔

ان تمام جلیل القدر بزرگوں کی تفصیلی سوانح، کرامات اور روحانی مقامات تصوف، اثنا عشری تشیع، سادات کے انساب اور دیگر تاریخی و روحانی کتب میں دستیاب ہیں۔

روحانی وابستگی

آپ کے زمانے، اُس دور کے پنجاب، سندھ اور اتر پردیش کے اکثر علاقوں کے مذہبی ماحول اور آپ کی اولاد و نسل میں قائم طریقہ کار اور دو طرفہ رولہتوں سے یہ امر واضح طور پر ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کا تعلق سلسلہ ذہبیہ یا سلسلہ کبرویہ سے تھا تاریخی و نسبی شواہد سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ نقوی بخاری سادات کی فکری و روحانی وابستگی ابتدا ہی سے اہل بیت اطہارؑ، ائمہ اثنا عشرہؑ اور واقعہ کربلا کے اصولی تصورِ امامت سے گہری رہی ہے اگرچہ مختلف ادوار میں سیاسی دباؤ، سماجی حالات اور فقہی غلبے کے باعث ان میں سے بعض نے خود کو سنی یا صوفی شناخت کے تحت ظاہر کیا، تاہم ان کی داخلی اعتقادی ساخت، اہل بیتؑ سے ولایتِ نسبت، عزاداری اور امامی فکر سے وابستگی میں بنیادی فرق پیدا نہیں ہوا۔ اختلاف زیادہ تر ظاہری اظہار اور رسومات کی سطح پر رہا، نہ کہ اصولِ اہل بیتؑ سے انحراف کی صورت میں۔

خاندانی و تاریخی پس منظر

خاندان سادات سید امیر علی شاہ ایک پوشیدہ، روحانی اور نسبی ورثے کا امین ہے جو مغلیہ دور کے آخری عہد کی طبی و روحانی خدمات، تقیہ، تصوف اور اہل بیت سے والہانہ محبت کی بنیاد پر نسل در نسل منتقل ہوا سید امیر علی مغلیہ سلطنت کے زوال پزیر دور (تقریباً اٹھارویں صدی کے اواخر تا انیسویں صدی کے اوائل) میں ایک شاہی طبیب کے طور پر معروف رہے خاندانی روایت کے مطابق آگرہ میں ممتاز باغ کے قریب ایک قطعہ زمین سے ان کی نسبت بیان کی جاتی ہے، جہاں بعد کے زمانوں میں کالی سنلی مسجد قائم رہی تاہم تاریخی قرائن کی رو سے زیادہ قرین قیاس یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ مقام بطور تولیت، نگرانی یا محدود حق تصرف ان سے منسلک رہا ہو، نہ کہ قطعی اور مستقل جاگیر کے طور پر عطا ہوا ہو جبکہ خاندانی روایت میں یہ بھی ذکر ملتا ہے کہ سید امیر علی کے تصرف میں دیگر اراضیات بھی تھیں، جن میں سے ایک مقام پر ایک چھوٹی مسجد قائم تھی اس جگہ کی درست تعیین آج ممکن نہیں، تاہم بیانات کے مطابق وہاں غیر معمولی واقعات اور جنتاں سے متعلق قصے منسوب کیے جاتے رہے اور کہا جاتا تھا کہ اس مقام پر صرف اسی خاندان کے افراد کی آمد کو قبول کیا جاتا تھا۔ ان کے بعد نسل میں سید شاکر علی صوفی بزرگ کے طور پر نمایاں ہوئے، جن کا سلسلہ ذہبیہ یا سلسلہ کبرویہ چشتیہ اور جلالیہ سلسلوں کے بزرگوں میں شمار کیا جاتا ہے خاندانی روایات کے مطابق آپ کسی روحانی سلسلے کے خلیفہ بھی رہے آپ نے اہل بیت علیہم السلام کی فقہی و اعتقادی روایت کو بنیاد بناتے ہوئے طریقت و تصوف کا راستہ اختیار کیا، مگر اپنے اصولی مکتب سے انحراف نہیں کیا فیروزآباد میں آپ کی موجودگی سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ خاندان کا مرکز عملی طور پر وہاں منتقل ہوا آپ کی تعلیمات میں اہل بیت اطہار کی نسبت نمایاں تھی اور آپ کا رجحان اثنا عشری فکر کی طرف بیان کیا جاتا ہے بعض میں ملتا ہے کہ آپ سے روحانی مسائل میں رجوع کیا جاتا تھا اور آپ کے اقوال و افکار میں معرفت و ولایت کی جھلک محسوس کی جاتی تھی۔

سید امیر علی کی زندگی کے بعض پہلو مکمل دستاویزی صورت میں محفوظ نہیں، تاہم نسلی تسلسل، روایت اور زمانی مطابقت کے اعتبار سے ان کی شخصیت ایک ایسے بزرگ طبیب کی صورت میں سامنے آتی ہے جو مغلیہ سلطنت کے آخری دور میں علمی و روحانی خدمات سے وابستہ رہے اور جن کی نسبت اہل بیت سے جڑی ہوئی سمجھی جاتی ہے۔

ہجرت

ان کے بعد خاندان نے فرقہ وارانہ مظالم کی وجہ سے آگرہ، فیروزآباد سے ہجرت کی، جس میں سید محبت علی اور سید حفیظ علی کی جانیں بمشکل بچ سکیں۔ ان کی اولاد سندھ، پاکستان میں آکر آباد ہوئی چند سال گزرنے کے بعد دونوں بھائیوں نے سلسلہ قادریہ میں بیعت کی اور اس بیعت تصوف کے ذریعے آپ کا شجرہ طریقت حضرت شیخ الاسلام سید عبد القادر جیلانی غوث پاک سے جا ملا، یوں آپ دونوں کی بیعت کا سلسلہ طریقت انہی تک پہنچتا ہے۔

1990 کے قریب شجرہ نسب کا ایک حصہ پوری ہو گیا جو سب سے قدیم نسخہ تھا، مگر اس کی چند عربی و فارسی کی تحریریں اور دیگر نقلیں جو اردو میں منتقل ہو چکی تھیں وہ باقی رہیں لیکن سید محبت علی نے 1947ء وقت ہجرت ہی اپنے مشاجرات اُوج شریف میں جمع کروا دیے تھے، جب آپ علاج کے سلسلے میں لاہور گئے تو وہاں بھی نسب کی معلومات لکھوا کر جمع کرائی اور سید نیاز علی کو بتایا کہ ہمارے لوگ یہاں آباد ہیں جن کا علم ان کے بیٹوں کو بھی تھا سید محبت علی کے ہاتھ سے لکھوا کر اُوج شریف میں جمع کرایا گیا دربار کے سجادہ نشین خاندان سادات نقوی البخاری کو پہچان گئے بعد ازاں سید محبت علی کی نسل سے تعلق قائم رہا اور اُوج شریف کی قائم روایت کے مطابق بعد میں پیدا ہونے والی نسل کی بھی تصدیق کی جاتی رہی ہے شجرے کی اور ماہرین نسب کی تحقیق، خاندان کے تمام بزرگ، سجادہ نشین اور گواہان، جیسا کہ اُوج شریف کے قدیم و محفوظ ریکارڈ سے بھی تصدیق ہوتی ہے اور یہی موقف نسل در نسل تسلیم کیا جاتا رہا ہے سید امیر علی شاہ کے صاحبزادے، سید شاکر علی نے تصوف پر بے انتہا بڑھ چڑھ کر کام کیا۔

حوالہ جات

"حضرت سید سلطان جلال الدین حیدر سہروردی لاہوری" - Scholars.pk۔ اخذ شدہ بتاریخ 13-05-2026

"Research Publication of Family of Saadat Naqvi" - Zenodo۔ اخذ شدہ بتاریخ 13-05-2026

"Research Publication of Family of Saadat Naqvi Archive Collection" - Internet Archive۔ اخذ شدہ بتاریخ 13-05-2026

"History of Naqvi Bukhari Saadat" - GitHub Pages۔ اخذ شدہ بتاریخ 13-05-2026

"انساب سادات" - Google Sites۔ اخذ شدہ بتاریخ 13-05-2026

"نگارِ جلالیہ" - Blogspot۔ اخذ شدہ بتاریخ 13-05-2026

"Geneology of Sadaat" - YouTube - اخذ شدہ بتاریخ 13-05-2026

سید سلیم رضا بخاری (2026)۔ گلزارِ جلالیہ۔ اوج شریف: مدینۃ السادات

سید ضمیر الحسن نقوی البخاری۔ نسب نامہ آلِ رسول ﷺ ج دوم

سید خلیل احمد بخاری حامی (1918)۔ مراتِ جلالی۔ الہ آباد

عبدالحق محدث دہلوی۔ اخبار الاخیار

شیخ اللہ دیابشتی۔ سیر الاقطاب

اخذ کردہ از «https://ur.wikipedia.org/w/index.php?title=سید_امیر_علی_شاه_بن_سید_حیدر_شاه&oldid=10446503»



سید شاکر علی شاہ بن سید امیر علی شاہ

<https://ur.wikipedia.org/s/1mv5t>

سید شاکر علی شاہ بن سید امیر علی شاہ سادات نقوی بخاری خاندان کے اُن روحانی بزرگوں میں شمار ہوتے ہیں جنہوں نے فیروز آباد میں تبلیغ دین، تصوف اور محبت اہل بیت کے فروغ میں اہم کردار ادا کیا۔ خاندانی روایات اور تاریخی بیانات کے مطابق آپ سلسلہ جلالیہ، چشتیہ اور بعض فکری و روحانی اثرات کے اعتبار سے سلسلہ ذہبیہ یا نعمت الہی رولیت سے بھی منسلک سمجھے جاتے تھے۔ آپ کی شخصیت عبادت، روحانیت، ساگی، خلوت نشینی اور اہل بیت سے والہانہ وابستگی کے باعث معروف رہی۔ آپ کی نسل سید عاشق علی اور سید نفیس علی شاہ کے ذریعے آگے بڑھی، جبکہ آپ کی درگاہ فیروز آباد میں ایک معروف روحانی مرکز کے طور پر بیان کی جاتی ہے جہاں مختلف مکاتب فکر اور مذاہب سے تعلق رکھنے والے عقیدت مند حاضری دیتے رہے ہیں۔

contentReference[oaicite:0]{index=0}:

فیروز آباد میں دینی و روحانی خدمات

سید شاکر علی شاہ نے فیروز آباد میں تبلیغ دین اور اہل بیت کی محبت کو عام کرنے کا کام جاری رکھا۔ ان کا دینی پیغام تمام مکاتب فکر کے لیے تھا اور وہ فرقہ واریت سے بالاتر ہو کر اسلام کی حقیقی روح کو پھیلانے کے قابل تھے ان کی تبلیغ میں محبت اہل بیت کا رنگ نمایاں تھا اور ان کا جھکاؤ سلسلہ چشتیہ بعض فکری اشاروں سے سلسلہ ذہبیہ یا نعمت الہی کے اثرات بھی نمایاں طور پر ظاہر ہوتے ہیں۔

contentReference[oaicite:1]{index=1}:

نسب

سید شاکر علی شاہ بن سید امیر علی شاہ سید حیدر شاہ بن سید قطب شاہ بن سید کبیر شاہ بن سید شرف الدین شاہ بن سید شمس الدین شاہ بن سید جہانگیر شاہ بن سید یار شاہ حیدر بن سید شاہ نظام بن سید زین العابدین بن سید علم الدین بن سید جلال الدین حیدر بن سید صفی الدین بن سید نظام الدین بن سید علیم الدین بن سید جلال الدین بن سید علم الدین بخاری بن سید محمود ناصر الدین بن سید جلال الدین حصین المعروف مخدوم جانیان جاگشت بن سید سلطان احمد کبیر بن سید قطب کمال حضرت سخی سید جلال الدین سرخ پوش بخاری۔

contentReference[oaicite:2]{index=2}:

سید شاکر علی: تاریخی اختلافات

تاریخی حوالے اس بات کو مکمل طور پر ثابت نہیں کرتے کہ سید شاکر علی کس فقہ سے تھے، لیکن درج ذیل نکات کو مد نظر رکھا جا سکتا ہے:

سید شاکر علی سلسلہ چشتیہ و جلالیہ سے وابستہ تھے سلسلہ جلالیہ برصغیر کی صوفیانہ تاریخ کا ایک مستند، معتبر اور جامع روحانی سلسلہ ہے، جس کا آغاز 13ویں صدی عیسوی میں سید شاکر علی کے جد عظیم بزرگ حضرت سید جلال الدین سرخ پوش بخاری متوفی 1295ء سے اوچ شریف میں ہوا اس سلسلے کی بنیاد اگرچہ سروردی سلسلے کی روحانی رولیت پر رکھی گئی، تاہم اس کی تشکیل و ارتقا میں چشتی سلسلے کی روحانی لطافت، جذب کی کیفیت اور فقر و محبت پر مبنی باطنی طرز عمل نے بھی گہرا اثر ڈالا۔ حضرت سید جلال الدین سرخ پوش بخاری کی شخصیت ان دونوں سلاسل کے امتزاج کا مظہر تھی جہاں سروردی نظم و ضبط اور شریعت پسندی موجود تھی، وہیں چشتی رنگ میں ڈوبا ہوا عشق الہی، توکل، خدمت خلق اور وجدانی کیفیات بھی ان کے انداز تربیت کا حصہ تھیں۔ ان کی تعلیمات میں روحانیت اور عرفان دونوں کی جھلک نمایاں تھی ایک طرف تزکیہ نفس، ذکر و فکر اور مجاہدہ اور دوسری جانب باطنی معرفت، سلوک کی راہ اور حقیقت تک رسائی کے رموز می ہم آہنگی اور فکری توازن اس سلسلے کو ایک منفرد پہچان عطا کرتے ہیں یوں سلسلہ جلالیہ، سروردی اور چشتی دونوں سلاسل کے روحانی اثرات کو یکجا کرتے ہوئے، برصغیر میں ایک مستحکم، بااثر اور ہمہ جہت سلسلے کے طور پر قائم ہوا، جو آج تک صوفیانہ رولیت کا روشن حصہ ہے بعد ازاں، سلسلہ جلالیہ اور سلسلہ قلندریہ کے درمیان روحانی قربت اور باطنی میلان پیدا ہوا، جو بعض فکری و سلوکی پہلوؤں میں نمایاں طور پر محسوس کیا جا سکتا ہے۔ جبکہ آپ کا تعلق تشیع صوفی سلاسل سے بھی محسوس ہوتا ہے، جیسے ذہبیہ، نعمت الہی یا صفویوں کے باقی رہ جانے والے صوفی حلقوں سے ظاہر ہوتا ہے وہ ائمہ اہل بیت کے پیروکار تھے اور ان کے عقائد اہل تشیع کے بنیادی نظریات سے ہم آہنگ سنے گئے تھے ان کی تصوف پر مبنی تعلیمات سنی عقائد کی مکمل ترجمانی کرتی ہیں اور ان کے مکتب فکر کی سنی حیثیت کو ثابت کرتی ہیں، لیکن چشتیہ سلسلے میں بھی سادات صوفی بزرگ آئمہ اہل بیت علیم السلام کی تعلیمات پر عمل کرتے لہذا، ان کے کسی عقیدے پر ہونے کو مکمل طور پر رد نہیں کیا جا سکتا۔

contentReference[oaicite:3]{index=3}:

فیروزآباد کے بعض مقامی افراد کا خیال تھا کہ چند سادات اسماعیلی نسب کے افراد ان کی درگاہ سے عقیدت رکھتے تھے، لیکن اس کا کوئی مستند تاریخی ثبوت موجود نہیں سید شاکر علی یا ان کی اولاد کا اس عقیدے سے کوئی تعلق نہیں تھا، بلکہ وہ تصوف اور اہل بیت کے پیروکار تھے اور اس مکمل نسل نے اب تک پودہ معصومین ہی کی پیروی کی ہے اور آئندہ بھی اس نسل کے لیے یہی نصیحت اور تلقین رہی ہے۔ یاد رہے کہ اختلاف صرف اس بات پر ہے کہ اصل درگاہ یہی ہے یا وہ جو سید جاوید علی نے کسی محلے میں چھوٹی درگاہ بتائی تھی آپ کے خلیفہ اور مرید کے طور پر صرف ایک نام معلوم ہوتا ہے، وہ حضرت حیدر علاؤ الدین چشتی کا ہے۔: {contentReference[oaicite:4]{index=4}}

سید شاکر علی اور ان کے روحانی جانشین حضرت حیدر علاؤ الدین چشتی

سید شاکر علی کی زندگی انتہائی مختصر مگر اثر انگیز تھی وہ زیادہ تر عام لوگوں سے دور رہے اور اپنی زندگی عبادت، روحانی ریاضت اور دینی تبلیغ میں بسر کی وہ طب، روحانیت، ولایت اور قضا (عدل و انصاف) کے علم سے بہرہ مند تھے اور ان کے وجود میں وہی حکمت اور روحانی تاثیر نظر موجود تھی جو ان کے والد سید امیر علی میں پائی جاتی تھی ان کی زندگی کا ایک اور پہلو اہل بیت کی محبت اور سلسلہ چشتیہ سے گہری وابستگی تھا انھوں نے کسی مخصوص فرقے کی ترویج کی بجائے تصوف اور محبت اہل بیت کو فروغ دیا، جبکہ یہ بات صاف ظاہر ہے کہ ان کے خونی رشتوں میں اکثریت اٹنا عشریہ کی رہی ہے یہی وجہ تھی کہ ان کے پیروکار ان کے قریب رہے، مگر وہ اپنی طبیعت کے باعث زیادہ تر خلوت نشین رہے۔: {contentReference[oaicite:5]{index=5}}

سید شاکر علی کے خاص مریدین اور چہیتے شاگردوں میں حضرت حیدر علاؤ الدین چشتی ایک نمایاں شخصیت تھے وہ آخری وقت تک سید شاکر علی کے ساتھ رہے اور ان کی تعلیمات کو زندہ رکھا اور یہی وہ شخصیت تھے جنھوں نے سید شاکر علی کی قبر کو درگاہ تک کے سفر میں گامزن کر دیا تھا، جبکہ سید شاکر علی کے بیٹے، سید عاشق علی بھی اس موقع پر موجود تھے۔: {contentReference[oaicite:6]{index=6}}

سید شاکر علی کی وفات کے بعد ان کے عقیدت مندوں کی آمد و رفت کے نتیجے میں ان کی درگاہ کا قیام عمل میں آیا۔ ان کی قبر پر اہل محبت کا آنا جانا جاری رہا اور یوں یہ مقام ایک روحانی مرکز کی صورت اختیار کر گیا۔ حضرت حیدر علاؤ الدین چشتی اپنے مرشد کے نقش قدم پر قائم رہے اور ان کے انتقال کے بعد انھیں سید شاکر علی کے مزار کے قریب دفن کیا گیا۔ آج دونوں کی قبریں ایک دوسرے کے قریب موجود ہیں جو ان کے باہمی روحانی تعلق کی علامت سمجھی جاتی ہیں۔ مزید برآں سید شاکر علی کی قبر کے ساتھ ان کے بھائی سید ذاکر علی کی قبر بھی واقع ہے۔: {contentReference[oaicite:7]{index=7}}

درگاہ کی موجودہ حیثیت اور بین المذاہب عقیدت

سید شاکر علی اور سید ذاکر علی کی درگاہ فیروزآباد میں نہر یا دریا کے قریب واقع بتائی جاتی ہے یہ ایک مقدس روحانی مقام بن چکی ہے، جہاں نہ صرف مختلف مکاتب فکر کے مسلمان بلکہ دیگر مذاہب سے تعلق رکھنے والے عقیدت مند بھی احترام کے ساتھ آتے ہیں یہ درگاہ ایک بین المذاہب روحانی مرکز ہے، جہاں لوگ اپنی مرادیں مانگنے، روحانی فیض حاصل کرنے اور تصوف کی برکتوں سے مستفید ہونے کے لیے حاضر ہوتے ہیں اس درگاہ کی خاص بات یہ ہے کہ یہاں فرقہ وادیت کی بجائے محبت، امن اور صوفی تعلیمات کی روشنی عام کی جاتی ہے ہر سال عرس کا انعقاد ہوتا ہے، عرس کے موقع پر ایک میلہ بھی لگتا ہے، جہاں زائرین کی ایک بڑی تعداد شرکت کرتی ہے اس عرس کی سب سے اہم روایت قولی ہے، جو چشتیہ سلسلے کی قدیم روایت کا حصہ ہے صوفیانہ کلام، اللہ اور رسول ﷺ کی مدح اور اہل بیت کی محبت پر مبنی قولی کے ذریعے درگاہ میں روحانی کیف اور وجدانی کیفیت پیدا ہوتی ہے چشتیہ سلسلے کا ہمیشہ سے قولی اور صوفی موسیقی سے گہرا تعلق رہا ہے اور یہی روایت آج بھی اس درگاہ میں قائم ہے۔: {contentReference[oaicite:8]{index=8}}

اولاد و نسل

خاندانی روایات اور بعض نسبی و تحقیقی مطبوعات کے مطابق سید سلطان جلال الدین حیدر نقوی البخاری لاہوری کی نسل کے بعض افراد بعد کے ادوار میں مغلیہ دار الحکومت دہلی اور دیگر علاقوں کی طرف منتقل ہوئے۔ انہی روایات کے مطابق خاندان کے بعض افراد نے حجاز، مکہ، مدینہ، شام، عراق اور ایران کی جانب سفر کیے جہاں انھوں نے دینی تعلیم، تبلیغ اور زیارات سے وابستہ سرگرمیوں میں حصہ لیا۔ بعد ازاں مغلیہ سلطنت کے عروج کے زمانے میں خاندان کے بعض افراد دوبارہ برصغیر واپس آئے اور آگرہ کے نواحی علاقوں میں آباد ہوئے۔^[1]

خاندانی و تحقیقی روایات میں سید امیر علی کی نسل کا ذکر بھی ملتا ہے جن کی اولاد بعد میں آگرہ سے ہجرت کر کے موجودہ ریاست اتر پردیش کے شہر فیروز آباد میں آباد ہوئی۔ ان روایات میں سید ذاکر علی اور سید شاکر علی کے نام بھی مذکور ہیں جبکہ فیروز آباد میں ان سے منسوب بعض قبور اور مزارات کا ذکر کیا جاتا ہے۔^[2]

تقسیم ہند کے دوران خاندانی روایات کے مطابق سید شاکر علی کی نسل سے تعلق رکھنے والے بعض افراد، جن میں سید حفیظ علی اور سید محبت علی کے نام بیان کیے جاتے ہیں، اپنے اہل خانہ اور دیگر سادات خاندانوں کے ہمراہ پاکستان منتقل ہوئے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ یہ قافلہ لاہور کے راستے اوج شریف پہنچا اور بعد ازاں سندھ کی جانب روانہ ہوا جہاں آخر کار حیدرآباد سندھ کے علاقے پکا قلعہ کے قریب سکونت اختیار کی گئی۔ بعد کے ادوار میں اس خاندان کی شاخیں کراچی اور سندھ کے دیگر علاقوں تک پھیل گئیں۔^[3]

خاندانی روایات اور محفوظ نسبی مخطوطات کے مطابق اس سلسلہ نسب کی ایک شاخ حضرت سید سلطان جلال الدین حیدر نقوی البخاری لاہوری سے آگے اس طرح بیان کی جاتی ہے: [4]

- سید شاہ زیب علی نقوی بن سید قدیر علی نقوی بن سید امید علی بن سید محبت علی بن سید نفیس علی بن سید عاشق علی بن سید شاکر علی بن سید امیر علی شاہ۔
- حافظ سید شاہ زین علی نقوی بن سید قدیر علی نقوی بن سید امید علی بن سید محبت علی بن سید نفیس علی بن سید عاشق علی بن سید شاکر علی بن سید امیر علی شاہ۔
- سید شارق علی نقوی بن سید قدیر علی نقوی بن سید امید علی بن سید محبت علی بن سید نفیس علی بن سید عاشق علی بن سید شاکر علی بن سید امیر علی شاہ۔
- سید یوشع علی نقوی بن سید قدیر علی نقوی بن سید امید علی بن سید محبت علی بن سید نفیس علی بن سید عاشق علی بن سید شاکر علی بن سید امیر علی شاہ۔ [5]

سید حفیظ علی شاہ بن سید نفیس علی شاہ بن سید محبت علی شاہ بن سید نفیس علی شاہ بن سید شاکر علی شاہ بن سید حیدر شاہ بن سید قطب شاہ بن سید کبیر شاہ بن سید شمس الدین شاہ بن سید جاگیر شاہ بن سید یار شاہ حیدر بن سید شاہ نظام الدین بن سید زین العابدین بن سید علم الدین بن سید سلطان جلال الدین حیدر نقوی البخاری لاہوری بن سید صفی الدین بخاری بن سید نظام الدین بن سید علیم الدین بن سید جلال الدین بخاری بن سید ناصر الدین محمود بخاری بن سید مخدوم بہانیاں جہانگشت بخاری بن سید احمد کبیر بن سید جلال الدین سرخ پوش بخاری بن سید ابوالموید علی بن سید جعفر ثالث بن سید ابوالفتح محمد بن سید محمود بن سید ابی یوسف احمد بن سید عبد اللہ بن سید علی الاشرق بن سید جعفر الکرک بن حضرت امام علی نقی علیہ السلام بن حضرت امام محمد تقی الجواد علیہ السلام بن حضرت امام رضا علیہ السلام بن حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام بن حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام بن حضرت امام محمد باقر علیہ السلام بن حضرت امام زین العابدین علیہ السلام بن حضرت امام حسین علیہ السلام بن حضرت امام علی بن ابی طالب علیہ السلام۔ [6]

ان ہجرتوں اور خاندانی روایات کا ذکر بعض نسبی و تحقیقی مطبوعات، از جملہ گلزارِ جلالیہ، Research Publication of Family of Saadat Naqvi، آلِ زہرا، گلزارِ نقی اور آلِ رسول ﷺ میں بھی کیا گیا ہے۔ [7]

حوالہ جات

"Research Publication of Family of Saadat Naqvi" - Zenodo۔ اخذ شدہ بتاریخ 13-05-2026

"Research Publication of Family of Saadat Naqvi Archive Collection" - Internet Archive۔ اخذ شدہ بتاریخ 13-05-2026

"History of Naqvi Bukhari Saadat" - GitHub Pages۔ اخذ شدہ بتاریخ 13-05-2026

"انسابِ سادات" - Google Sites۔ اخذ شدہ بتاریخ 13-05-2026

"گلزارِ جلالیہ" - Blogspot۔ اخذ شدہ بتاریخ 13-05-2026

"Geneology of Sadaat" - YouTube۔ اخذ شدہ بتاریخ 13-05-2026

"حضرت سید سلطان جلال الدین حیدر سہروردی لاہوری" - Scholars.pk۔ اخذ شدہ بتاریخ 13-05-2026

سید سلیم رضا بخاری (2026)۔ گلزارِ جلالیہ۔ اوچ شریف: مدینۃ السادات

سید ضمیر الحسن نقوی البخاری۔ نسب نامہ آلِ رسول ﷺ

آلِ زہرا

گلزارِ نقی

سید خلیل احمد بخاری حسامی (1918)۔ مراتِ جلالی۔ الہ آباد

عبدالحمید محبت دہلوی۔ اخبار الاخیار

شیخ اللہ دیاچشتی۔ سیر الاقطاب

1. Research Publication of Family of Saadat Naqvi, DOI:10.5281/zenodo.20070090

2. گلزارِ جلالیہ، سید سلیم رضا بخاری

3. خاندانی محفوظ مشاجرات و نسبی مخطوطات

4. Research Publication of Family of Saadat Naqvi

5. آلِ رسول ﷺ، نسبی ریکارڈ

6. گلزارِ نقی، آلِ زہراً، آلِ رسول ﷺ

7. Research Publication of Family of Saadat Naqvi | DOI:10.5281/zenodo.20070090

اخذ کردہ از «https://ur.wikipedia.org/w/index.php?title=سید_شاکر_علی_شاه_بن_سید_امیر_علی_شاه&oldid=10446491»



سید عاشق علی بن سید شاکر علی شاہ

<https://ur.wikipedia.org/s/1n0u0>

سید عاشق علی بن سید شاکر علی شاہ

سید عاشق علی بن سید شاکر علی شاہ سادات نقوی البخاری خاندان کی اُن روحانی، دینی اور خاندانی شخصیات میں شمار ہوتے ہیں جنہوں نے فیروز آباد میں اہل بیت علیہم السلام کی محبت، روحانی وابستگی، سادگی، تقویٰ اور خاندانی دینی رولیت کو برقرار رکھا۔ آپ سید شاکر علی شاہ بن سید امیر علی شاہ کے فرزند تھے جبکہ آپ کا تعلق اُس تاریخی و روحانی سلسلہ سادات سے بیان کیا جاتا ہے جو اوج شریف، لاہور، فیروز آباد، آگرہ، حیدرآباد، سندھ اور کرلہجی تک پھیلا ہوا تھا۔^{[1][2]}

خاندانی روایات، شجرات نسب، نسبی دستاویزات اور مختلف تحقیقی و روحانی مطبوعات کے مطابق آپ کا خاندان جلال الدین سرخ پوش بخاری، مخدوم جہانیاں جہاں گشت اور سید سلطان جلال الدین حیدر نقوی البخاری لاہوری کے سلسلہ نسب اور روحانی رولیت سے وابستہ سمجھا جاتا ہے۔^{[3][4]}

خاندانی و روحانی پس منظر

خاندانی روایات کے مطابق سادات نقوی البخاری کی یہ شاخ اوج شریف کے روحانی و علمی مرکز سے وابستہ رہی، جہاں جلال الدین سرخ پوش بخاری اور بعد ازاں مخدوم جہانیاں جہاں گشت کے سلسل روحانیت کا اثر موجود رہا۔ بعد کی نسلوں میں سید سلطان جلال الدین حیدر نقوی البخاری لاہوری کے ذریعے خاندان لاہور منتقل ہوا۔^[5]

اسی خاندانی تسلسل میں بعد ازاں سید امیر علی شاہ بن سید حیدر شاہ کا نام نمایاں طور پر سامنے آتا ہے، جنہیں آلِ امیر کا جدِ امجد اور خاندان کی نسبتاً زیادہ محفوظ و مستند شاخ کا مرکزی بزرگ بیان کیا جاتا ہے۔ خاندانی روایات کے مطابق آپ مغلیہ سلطنت کے زوال پزیر دور میں صاحبِ علم، صاحبِ روحانیت اور شاہی طبیب کے طور پر معروف رہے۔^[6]

ان کے بعد سید شاکر علی شاہ بن سید امیر علی شاہ نے فیروز آباد میں تبلیغ دین، تصوف، محبت اہل بیت اور روحانی خدمات کو فروغ دیا۔ روایات کے مطابق آپ کا تعلق جلالیہ، سلسلہ پشینیہ، سلسلہ قادریہ، سلسلہ ذہبیہ اور سلسلہ کبرویہ کی روحانی روایات سے بھی بیان کیا جاتا ہے۔^[7]

نسب

خاندانی شجرۂ نسب، نسبی مخطوطات، تحقیقی اشاعتوں اور گلزار جلالیہ میں درج روایات کے مطابق سید عاشق علی کا سلسلہ نسب اس طرح بیان کیا جاتا ہے:

سید عاشق علی بن سید شاکر علی شاہ بن سید امیر علی شاہ بن سید حیدر شاہ بن سید قطب شاہ بن سید کبیر شاہ بن سید شرف الدین شاہ بن سید شمس الدین شاہ بن سید جہانگیر شاہ بن سید یار شاہ حیدر بن سید شاہ نظام بن سید زین العابدین بن سید علم الدین بن سید سلطان جلال الدین حیدر نقوی البخاری لاہوری بن سید صفی الدین بخاری بن سید نظام الدین بخاری بن سید علیم الدین بخاری بن سید جلال الدین بخاری بن سید ناصر الدین محمود بخاری بن مخدوم جہانیاں جہاں گشت بن سید احمد کبیر بن جلال الدین سرخ پوش بخاری بن سید ابوالموید علی بن سید جعفر ثالث بن سید ابوالفتح محمد بن سید محمود بن سید ابی یوسف احمد بن سید عبد اللہ بن سید علی الاشقر بن سید جعفر الزکی بن امام علی نقی علیہ السلام بن امام محمد تقی علیہ السلام بن امام علی رضا علیہ السلام بن امام موسیٰ کاظم علیہ السلام بن امام جعفر صادق علیہ السلام بن امام محمد باقر علیہ السلام بن امام زین العابدین علیہ السلام بن امام حسین علیہ السلام بن امام علی علیہ السلام۔

[8] [9]

سادگی، تقویٰ اور روحانی وابستگی

سید عاشق علی ایک سادہ نہایت دین دار شخصیت کے حامل تھے۔ وہ ہمیشہ اہل بیت علیہم السلام کی تعلیمات سے جڑے رہے اور ان کی محبت کو اپنی زندگی کا محور بنایا۔ نہایت متقی، پریہ نگار اور نیک سیرت انسان تھے، جو ہر حال میں دیانت، شریعت اور روحانی اصولوں پر قائم رہے۔ آپ سید شاکر علی شاہ بن سید امیر علی شاہ کے فرزند تھے اور آپ کے اندر بھی ایک پاکیزہ کردار کی وہ خوبی موجود تھی جو اللہ کی طرف سے ایک عطیہ تھی۔ آپ نے آلِ محمد سے ہونے کے فرض کو بہترین طریقے سے نبھایا اور ہمیشہ ان کی تعلیمات پر کاندہ رہے۔^[10]

چونکہ آپ حسین نقوی البخاری سید تھے اور آپ کا شجرۂ نسب امام حسین علیہ السلام سے جاملتا تھا، اس لیے آپ میں بھی سادگی، تواضع اور روحانی خلوص پایا گیا جو اہل بیت کی میراث تھی۔ خاندانی روایات کے مطابق اُس وقت درگاہ صرف ایک بزرگ کی قبر کے طور پر جانی جاتی تھی۔ ممکن ہے کہ سید شاکر علی شاہؒ بن سید امیر علی شاہؒ کے چاہنے والوں نے سید عاشق علی سے روحانی فیض حاصل کرنا شروع کر دیا ہو، مگر اس حوالے سے خاص شواہد موجود نہیں۔ تاہم یہ بات بیان کی جاتی ہے کہ آپ ایک دین دار، سادہ اور نیک سیرت انسان تھے، جو سادات کے دیگر خاندانوں سے بھی قریبی تعلق رکھتے تھے۔^[11]

وہ ہمیشہ محبت اہل بیتؑ، روحانی تعلیمات اور حق کی جستجو کو عام کرنے کے لیے کوشاں رہے۔ ان کی سیرت میں علمی حکمت، سادگی اور اخلاص جھلکتا تھا۔ وہ صبر و استقامت، چودہ معصومین علیہم السلام کی محبت اور آئمہ اہل بیتؑ سے وابستگی اور پیروی کے ساتھ زندگی بسر کرتے اور ہمیشہ روحانی پاکیزگی کی راہ پر گامزن رہے۔^[12]

خاندانی تسلسل

خاندانی روایات کے مطابق سید امیر علی شاہ بن سید حیدر شاہ کے چار صاحبزادوں کے نام بیان کیے جاتے ہیں:

- سید بابا درویشؒ
 - سید علیؒ
 - سید شاکر علی شاہؒ بن سید امیر علی شاہؒ
 - سید ذاکر علی شاہؒ فیروزآبادی
- ان میں سے سب سے زیادہ محفوظ، مستند اور مسلسل نسلی شاخ سید شاکر علی شاہؒ بن سید امیر علی شاہؒ کے ذریعے آگے بڑھی، جس کا تسلسل بعد میں سید عاشق علی، سید نفیس علی شاہ، سید حفیظ علی، سید محبت علی، سید امید علی اور سید نیاز علی تک پہنچتا ہے۔^{[13][14]}

ازدواج

خاندانی روایت کے مطابق سید عاشق علی کی تین اہلیہ تھیں:

- سیدہ زکیہ زیدی
 - سیدہ آمنہ بخاری
 - تیسری اہلیہ، جن کا نام محفوظ نہیں رہ سکا
- اگرچہ خواتین کے ناموں اور تعداد کے بارے میں مختلف روایات پائی جاتی ہیں، تاہم مذکورہ نام خاندانی بیانیوں میں بیان کیے جاتے ہیں۔^[15]

اولاد

خاندانی روایات اور شجرات نسب کے مطابق سید عاشق علی کی اولاد درج ذیل بیان کی جاتی ہے:

صاحبزادگان

- سید نفیس علی شاہ
- آپ ہی کے ذریعے خاندان کا نسلی تسلسل آگے بڑھا
- بعد کی نسل میں سید امجد علی، حاجی سید حفیظ علی، سید محبت علی، سید امید علی اور سید نیاز علی شامل ہوئے
- خاندانی روایات میں ان کی نسل کو حیدرآباد، سندھ منتقل ہونے والی شاخوں میں شمار کیا جاتا ہے

صاحبزادیاں

- ایک صاحبزادی جنہیں خاندان میں **پھوپھی اماں** کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے

- خاندانی روایات میں انہیں ایک غیر معمولی روحانی اور باوقار خاتون کے طور پر بیان کیا جاتا ہے
- خاندان میں خواتین کی روحانی روایت اور پردے کے احترام سے ان کی نسبت جوڑی جاتی ہے

[16]

ہجرت اور بعد کی نسل

خاندانی روایات اور تحقیقی مطبوعات کے مطابق بعد کی نسلوں نے فیروز آباد اور آگرہ سے ہجرت کر کے حیدرآباد، سندھ اور کراچی میں سکونت اختیار کی۔ بعض بیانات میں فرقہ وارانہ حالات، معاشی مشکلات اور تاریخی تبدیلیوں کو ہجرت کی وجوہات میں شمار کیا گیا ہے۔^[17]

خاندان کے بعض افراد بعد میں سلسلہ قادریہ سے بھی وابستہ ہوئے اور ان کی بیعت کا سلسلہ عبدالقادر جیلانی تک پہنچایا جاتا ہے۔^[18]

وفات

خاندانی روایت کے مطابق سید عاشق علی کی وفات فیروز آباد میں ہوئی، جہاں آپ نے اپنی زندگی عبادت، روحانی وابستگی، سادگی اور اہل بیت علیہم السلام کی محبت کے ساتھ گزاری۔^[19]

شخصیت و اثرات

ان کی زندگی سادگی اور وقار کا نمونہ تھی اور وہ ہر خاص و عام کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آتے تھے۔ ان کی شخصیت اپنے کردار، اخلاق اور اہل بیت علیہم السلام سے گہری عقیدت کی وجہ سے یاد کی جاتی ہے۔ خاندانی روایات کے مطابق آپ نے اپنی اولاد میں محبت اہل بیت، دینی وابستگی، روحانی مزاج اور نسبی شعور کو محفوظ رکھنے میں اہم کردار ادا کیا۔^[20]

مزید دیکھیے

- گلزار جلالیہ
- سادات نقوی البخاری
- سید امیر علی شاہ بن سید حیدر شاہ
- سید شاکر علی شاہ بن سید امیر علی شاہ
- سید سلطان جلال الدین حیدر نقوی البخاری لاہوری
- جلال الدین سرخ پوش بخاری
- مخدوم جہانیاں جہاں گشت
- سید نفیس علی شاہ
- سید امجد علی
- حاجی سید حفیظ علی
- سید محبت علی
- سید امید علی
- سید نیاز علی
- پھوپھی امان
- اوچ شریف
- لاہور
- فیروز آباد
- آگرہ
- حیدرآباد، سندھ

- کراچی
- امام علی نقی علیہ السلام
- امام حسین علیہ السلام
- تقسیم ہند

حوالہ جات

1. گلزار جلالیہ
2. Research Publication of Family of Saadat Naqvi (<https://doi.org/10.5281/zenodo.20070090>)
3. Scholars.pk (<https://scholars.pk/ur/scholar/hazrat-syed-sultan-jalaluddin-haider-soharwardi>)
4. ضیائے طیبہ (<https://scholar.ziaetaiba.com/ur/scholar/hazrat-syed-sultan-jalaluddin-haider-soharwar>)
5. contentReference[oaicite:0]{index=0}:
6. contentReference[oaicite:1]{index=1}:
7. contentReference[oaicite:2]{index=2}:
8. contentReference[oaicite:3]{index=3}:
9. contentReference[oaicite:4]{index=4}:
10. contentReference[oaicite:5]{index=5}:
11. contentReference[oaicite:6]{index=6}:
12. contentReference[oaicite:7]{index=7}:
13. contentReference[oaicite:8]{index=8}:
14. contentReference[oaicite:9]{index=9}:
15. contentReference[oaicite:10]{index=10}:
16. contentReference[oaicite:11]{index=11}:
17. contentReference[oaicite:12]{index=12}:
18. contentReference[oaicite:13]{index=13}:
19. contentReference[oaicite:14]{index=14}:
20. contentReference[oaicite:15]{index=15}:
- گلزار جلالیہ، سید سلیم رضا بخاری
- Research Publication of Family of Saadat Naqvi (<https://doi.org/10.5281/zenodo.20070090>)
- Internet Archive — Research Publication of Family of Saadat Naqvi (https://archive.org/details/@saadat_genealogy_contact)
- Scribd Publication (<https://www.scribd.com/document/1036410911/Research-Publication-of-Family-of-Saadat-Naqvi-DOI-10-5281-zenodo-20070090>)
- SlideShare Publication (<https://www.slideshare.net/slideshow/research-publication-of-family-of-saadat-naqvi-bukhari-pak-o-hind-naqvi-syed-genealogy-ahl-al-bayt-history-doi-archive/28746732>)
- Historical Family Tree Website (<https://contactsadaatgenealogy-lab.github.io/saadat-hyderabad-firozabadi-agra-aaleameer-aalenafees-family-tree/>)
- انساب سادات (<https://sites.google.com/view/ansaabesadaat/home>)

- [گلزارِ جلالیہ بلاگ \(https://gulzarejalaliya.blogspot.com/\)](https://gulzarejalaliya.blogspot.com/)
- [Scholars.pk \(https://scholars.pk/ur/scholar/hazrat-syed-sultan-jalaluddin-haider-soharwardi\)](https://scholars.pk/ur/scholar/hazrat-syed-sultan-jalaluddin-haider-soharwardi)
- [ضیائے طیبہ \(https://scholar.ziaetaiba.com/ur/scholar/hazrat-syed-sultan-jalaluddin-haider-soharwar\)](https://scholar.ziaetaiba.com/ur/scholar/hazrat-syed-sultan-jalaluddin-haider-soharwar)
- [\(di](#)
- [سید امیر علی شاہ بن سید حیدر شاہ](#)
- [گلزارِ جلالیہ](#)

اخذ کردہ از «https://ur.wikipedia.org/w/index.php?title=سید_عاشق_علی_بن_سید_شاکر_علی_شاہ&oldid=10503577»



سید نفیس علی شاہ بن سید عاشق علی شاہ

<https://ur.wikipedia.org/s/1n0u2>

سید نفیس علی شاہ بن سید عاشق علی شاہ

سید نفیس علی شاہ بن سید عاشق علی شاہ سادات نقوی البخاری خاندان کے اُن اہم بزرگوں میں شمار ہوتے ہیں جن کے ذریعے آل امیر کا نسلی، روحانی اور تاریخی تسلسل بعد کی نسلوں تک محفوظ رہا۔ آپ سید عاشق علی بن سید شاکر علی شاہ کے فرزند تھے جبکہ آپ کا تعلق اُس تاریخی سلسلہ سادات سے بیان کیا جاتا ہے جو اوچ شریف، لاہور، فیروز آباد، آگرہ، حیدرآباد، سندھ اور کراچی تک پھیلا ہوا تھا۔ خاندانی روایات کے مطابق آپ اہل بیتِ علیم السلام سے گہری عقیدت، روحانی وابستگی، صبر، خاموش مزاجی اور دینی طرزِ حیات کے حامل تھے۔^{[1][2]}

آپ کی شخصیت خاندان کی اُن نسلوں میں شمار کی جاتی ہے جنہوں نے شدید سماجی، مذہبی اور تاریخی حالات کے باوجود اہل بیت سے وابستگی، خاندانی تشخص اور روحانی ولایت کو محفوظ رکھا۔ خاندانی روایتوں میں آپ کا ذکر ایک ایسے فرد کے طور پر ملتا ہے جن کی زندگی مختصر مگر باوقار رہی اور جن کی نسل بعد میں برصغیر کی ہجرتوں، تقسیم ہند اور تاریخی تغیرات کے باوجود محفوظ رہی۔^[3]

خاندانی پس منظر

سید نفیس علی شاہ کا تعلق سادات نقوی البخاری کی اُس شاخ سے بیان کیا جاتا ہے جس کی نسبت جلال الدین سرخ پوش بخاری، مخدوم جانیان جہاں گشت اور سید سلطان جلال الدین حیدر نقوی البخاری لاہوری سے ملانی جاتی ہے۔^[4]

خاندانی شجرات اور روایات کے مطابق آپ کے جد امجد سید امیر علی شاہ بن سید حیدر شاہ تھے، جنہیں آل امیر کا مرکزی بزرگ تصور کیا جاتا ہے۔ بعد ازاں ان کے صاحبزادے سید شاکر علی شاہ بن سید امیر علی شاہ نے فیروز آباد میں روحانی، دینی اور تصوف سے وابستہ خدمات انجام دیں۔ ان کے بعد سید عاشق علی بن سید شاکر علی شاہ کے ذریعے خاندان کا نسلی تسلسل آگے بڑھا اور انہی کے فرزند سید نفیس علی شاہ تھے۔^[5]

نسب

خاندانی شجرہ نسب، نسبی مخطوطات، درگاہی ریکارڈ، تحقیقی مطبوعات اور گلزارِ جلالیہ میں درج روایات کے مطابق سید نفیس علی شاہ کا سلسلہ نسب اس طرح بیان کیا جاتا ہے:

سید نفیس علی شاہ بن سید عاشق علی بن سید شاکر علی شاہ بن سید شاکر علی شاہ بن سید امیر علی شاہ بن سید حیدر شاہ بن سید حیدر شاہ بن سید قطب شاہ بن سید کبیر شاہ بن سید شرف الدین شاہ بن سید شمس الدین شاہ بن سید جانیگہ شاہ بن سید یار شاہ حیدر بن سید شاہ نظام الدین بن سید زین العابدین بن سید علم الدین بن سید سلطان جلال الدین حیدر نقوی البخاری لاہوری بن سید صفی الدین بخاری بن سید نظام الدین بخاری بن سید علیم الدین بخاری بن سید جلال الدین بخاری بن سید ناصر الدین محمود بخاری بن مخدوم جانیان جہاں گشت بن سید احمد کبیر بن جلال الدین سرخ پوش بخاری بن سید ابوالموید علی بن سید جعفر ثالث بن سید ابوالفتح محمد بن سید محمود بن سید ابی یوسف احمد بن سید عبد اللہ بن سید علی الاشقر بن سید جعفر الرکئی بن امام علی نقی علیہ السلام بن امام محمد تقی علیہ السلام بن امام علی رضا علیہ السلام بن امام موسیٰ کاظم علیہ السلام بن امام جعفر صادق علیہ السلام بن امام محمد باقر علیہ السلام بن امام زین العابدین علیہ السلام بن امام حسین علیہ السلام بن امام علی علیہ السلام۔

[6]

دین اور محبتِ اہل بیت کے راہرو

سید نفیس علی شاہ نے اپنے آبا و اجداد کے روحانی ورثے کو نہایت اخلاص کے ساتھ آگے بڑھایا۔ آپ فیروز آباد میں پیدا ہوئے، جہاں خاندان کی مذہبی، روحانی اور اہل بیت سے وابستہ روایتیں پہلے ہی موجود تھیں۔ آپ کے والد سید عاشق علی بن سید شاکر علی شاہ اہل بیت کی محبت، بارہ آئمہ سے عقیدت اور روحانی وابستگی کے قائل و عامل تھے اور اسی ماحول میں سید نفیس علی شاہ کی تربیت ہوئی۔^[7]

خاندانی روایات کے مطابق آپ کی زندگی مختصر مگر باوقار تھی۔ آپ نہایت خاموش مزاج، دین دار، متین اور روحانی رجحان رکھنے والے فرد تھے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ آپ محبتِ اہل بیت، عزاداری، روحانی ادب، ولایتِ اہل بیت اور دینی روایات سے گہری وابستگی رکھتے تھے۔^[8]

شہادت اور سانحہ فیروز آباد

خاندانی روایتوں کے مطابق فرقہ وارانہ حالات کے باعث سید نفیس علی شاہ اور ان کی اہلیہ دونوں شدید کر دیے گئے۔ اس سانحہ کے بعد ان کے کمسن بیٹے سید امجد علی، حاجی سید حفیظ علی اور سید محبت علی یتیم ہو گئے، جبکہ خاندان کے دیگر افراد کو بھی شدید خطرات لاحق ہو گئے۔^[9]

روایات کے مطابق اُس وقت خاندان کی ایک بزرگ خاتون، جنہیں نسل میں چھو بھی اماں کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، نے غیر معمولی ہمت، تدبیر اور قربانی کا مظاہرہ کیا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ وہ راتوں رات بچوں کو فیروز آباد سے لے کر آگرہ منتقل ہوئیں تاکہ ان کی جائیں محفوظ رہ سکیں۔^[10]

آگرہ کی ہجرت

خاندانی روایتوں کے مطابق آگرہ پہنچنے پر خاندان کے پاس نہ مستقل رہائش تھی اور نہ معاشی وسائل۔ ابتدائی زمانے میں خاندان کے بعض افراد آگرہ کی ایک مشہور درگاہ کے احاطے میں مقیم رہے، جہاں انہیں وقتی تحفظ اور روحانی سہارا حاصل ہوا۔^[11]

کچھ عرصے بعد خاندان کا رابطہ آگرہ کی بینگ منڈی میں مقیم چند رشتہ داروں سے ہوا۔ روایات کے مطابق یہ تعلق حاجی سید حفیظ علی اور سید محبت علی کی نانی کے خاندان سے تھا، جو غیر سادات خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ بعد ازاں خاندان نے وہیں سکونت اختیار کی اور ایک نئے دور کا آغاز ہوا۔^[12]

خاندانی روایتوں میں اس واقعے کو صرف ایک خاندان کی ہجرت یا سانحہ نہیں، بلکہ اہل بیت کی محبت پر قائم رہنے والے ایک خانوادے کی استقامت، قربانی اور حق پرستی کی داستان کے طور پر بیان کیا جاتا ہے۔^[13]

اولاد

خاندانی شجرات، نسبی ریکارڈ اور زبانی روایات کے مطابق سید نفیس علی شاہ کے تین صاحبزادے تھے:

- سید امجد علی
- حاجی سید حفیظ علی
- سید محبت علی

[14]

سید امجد علی

سید امجد علی، سید نفیس علی شاہ کی پہلی زوجہ سے تھے۔ خاندانی روایتوں کے مطابق ان کی پانچ بیٹیاں تھیں۔ بیان کیا جاتا ہے کہ ہجرت کے بعد ان کی نسل کرہچی میں آباد ہوئی، جبکہ ان کے عقد زیادہ تر سادات خاندانوں میں کیے گئے۔ بعد کی نسلوں میں بعض رشتے دوبارہ خاندان کے اندر بھی ہوئے۔^[15]

روایتوں میں یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ سانحہ فیروز آباد کے موقع پر سید امجد علی کا ذکر بعض تفصیلات میں موجود نہیں ملتا، جس کے باعث ان کی ابتدائی زندگی کے بعض پہلو مکمل طور پر واضح نہیں رہ سکے۔^[16]

حاجی سید حفیظ علی

حاجی سید حفیظ علی خاندان کے اہم بزرگوں میں شمار ہوتے ہیں۔ تقسیم ہند کے بعد آپ پاکستان منتقل ہوئے اور بعد میں سندھ میں آباد ہوئے۔ خاندانی روایتوں کے مطابق آپ تصوف، اہل بیت سے محبت اور دینی وابستگی کے لیے معروف تھے۔^[17]

بیان کیا جاتا ہے کہ بعد میں آپ اور آپ کے بھائی سید محبت علی نے سلسلہ قادریہ میں بیعت کی، جس کے ذریعے ان کا شجرۂ طریقت عبدالقادر جیلانی تک پہنچایا جاتا ہے۔^[18]

خاندانی ریکارڈ کے مطابق حاجی سید حفیظ علی کے ایک صاحبزادے سید قمر علی تھے، جن کا ذکر مستند شجرات اور درگاہی ریکارڈ میں محفوظ ہے۔^[19]

سید محبت علی

سید محبت علی خاندان کی جدید نسلوں کے اہم بزرگوں میں شمار ہوتے ہیں۔ تقسیم ہند کے بعد آپ سندھ، پاکستان میں آباد ہوئے۔ آپ دینی مزاج، روحانی وابستگی، اہل بیت سے محبت اور خاندانی شجروں کے تحفظ کے لیے معروف تھے۔^[20]

روایتوں کے مطابق آپ نے ہجرت سے قبل اپنے مشاجرات اور نسبی ریکارڈ اوچ شریف میں جمع کروائے، جن کی بعد میں دربار عالیہ جلالیہ اوچ شریف کے سجادہ نشینوں اور ماہرین انساب نے تصدیق کی۔^[21]

روحانی وابستگی

خاندانی اور تاریخی روایات کے مطابق سادات نقوی البخاری کی فکری اور روحانی وابستگی ابتدا ہی سے اہل بیت اطہار، ائمہ اثنا عشر اور واقعہ کربلا کے اصولی تصور امامت سے گہری رہی ہے۔ اگرچہ مختلف ادوار میں سیاسی، سماجی اور فقہی حالات کے باعث خاندان کے بعض افراد نے خود کو سنی یا صوفی شناخت کے تحت ظاہر کیا، تاہم ان کی داخلی اعتقادی وابستگی اہل بیت سے جڑی رہی۔^[22]

خاندانی روایتوں کے مطابق خاندان کے بعض بزرگوں کا تعلق سلسلہ ذہبیہ، سلسلہ کبرویہ، سلسلہ چشتیہ اور جلالیہ سے بھی بیان کیا جاتا ہے۔^[23]

ہجرت، شجرات اور نسبی ریکارڈ

خاندانی روایتوں کے مطابق تقسیم ہند اور اس سے قبل کے فرقہ وارانہ حالات کے دوران خاندان نے فیروز آباد، آگرہ اور دیگر علاقوں سے ہجرت کی۔ بعد کی نسلوں نے سندھ، حیدرآباد، سندھ اور کراچی میں سکونت اختیار کی۔^[24]

بیان کیا جاتا ہے کہ 1990ء کے قریب خاندان کے قدیم شجرات نسب کا ایک حصہ ضائع یا چوری ہو گیا، تاہم عربی، فارسی اور اردو میں محفوظ بعض نقلیں باقی رہیں۔ روایتوں کے مطابق سید محبت علی نے 1947ء کے زمانہ ہجرت میں اپنے مشاجرات اوچ شریف میں جمع کروائے تھے، جن کی بعد میں دربار عالیہ جلالیہ کے سجادہ نشینوں اور ماہرین نسب نے توثیق کی۔^[25]

شخصیت و اثرات

خاندانی روایتوں میں سید نفیس علی شاہ کا ذکر ایک ایسے فرد کے طور پر کیا جاتا ہے جنہوں نے مختصر زندگی کے باوجود اپنی نسل میں اہل بیت کی محبت، دینی وابستگی، روحانی شعور اور خاندانی شناخت کو محفوظ رکھنے میں اہم کردار ادا کیا۔ ان کی شہادت، ہجرت اور بعد کی نسلوں کی جدوجہد کو خاندان کی اجتماعی تاریخ کا اہم باب سمجھا جاتا ہے۔^[26]

مزید دیکھیے

- سید عاشق علی بن سید شاکر علی شاہ
- سید شاکر علی شاہ بن سید امیر علی شاہ
- سید امیر علی شاہ بن سید حیدر شاہ
- سید امجد علی
- حاجی سید حفیظ علی
- سید محبت علی
- سید قمر علی
- پھوپھی اماں
- سادات نقوی البخاری
- گلزار جلالیہ
- اوچ شریف
- فیروز آباد
- آگرہ

- [حیدرآباد، سندھ](#)
- [کراچی](#)
- [تقسیم ہند](#)
- [جلال الدین سرخ پوش بخاری](#)
- [مخدوم جہانیاں جہاں گشت](#)
- [سید سلطان جلال الدین حیدر نقوی البخاری لاہوری](#)
- [امام علی نقی علیہ السلام](#)
- [امام حسین علیہ السلام](#)

حوالہ جات

1. [گلزار جلالیہ](#)
2. Research Publication of Family of Saadat Naqvi (<https://doi.org/10.5281/zenodo.20070090>)
3. contentReference[oaicite:0]{index=0}:
4. [Scholars.pk](#) (<https://scholars.pk/ur/scholar/hazrat-syed-sultan-jalaluddin-haider-soharwardi>)
5. contentReference[oaicite:1]{index=1}:
6. contentReference[oaicite:2]{index=2}:
7. contentReference[oaicite:3]{index=3}:
8. contentReference[oaicite:4]{index=4}:
9. contentReference[oaicite:5]{index=5}:
10. contentReference[oaicite:6]{index=6}:
11. contentReference[oaicite:7]{index=7}:
12. contentReference[oaicite:8]{index=8}:
13. contentReference[oaicite:9]{index=9}:
14. contentReference[oaicite:10]{index=10}:
15. contentReference[oaicite:11]{index=11}:
16. contentReference[oaicite:12]{index=12}:
17. contentReference[oaicite:13]{index=13}:
18. contentReference[oaicite:14]{index=14}:
19. contentReference[oaicite:15]{index=15}:
20. contentReference[oaicite:16]{index=16}:
21. contentReference[oaicite:17]{index=17}:
22. contentReference[oaicite:18]{index=18}:
23. contentReference[oaicite:19]{index=19}:
24. contentReference[oaicite:20]{index=20}:
25. contentReference[oaicite:21]{index=21}:
26. contentReference[oaicite:22]{index=22}:

- [گلزار جلالیہ](#)
- Research Publication of Family of Saadat Naqvi (<https://doi.org/10.5281/zenodo.20070090>)

- [Internet Archive — Research Publication of Family of Saadat Naqvi \(https://archive.org/details/@saadat_genealogy_contact\)](https://archive.org/details/@saadat_genealogy_contact)
- [Scribd Publication \(https://www.scribd.com/document/1036410911/Research-Publication-of-Family-of-Saadat-Naqvi-DOI-10-5281-zenodo-20070090\)](https://www.scribd.com/document/1036410911/Research-Publication-of-Family-of-Saadat-Naqvi-DOI-10-5281-zenodo-20070090)
- [SlideShare Publication \(https://www.slideshare.net/slideshow/research-publication-of-family-of-saadat-naqvi-bukhari-pak-o-hind-naqvi-syed-genealogy-ahl-al-bayt-history-doi-archive/287467322\)](https://www.slideshare.net/slideshow/research-publication-of-family-of-saadat-naqvi-bukhari-pak-o-hind-naqvi-syed-genealogy-ahl-al-bayt-history-doi-archive/287467322)
- [Historical Family Tree Website \(https://contactsadaatgenealogy-lab.github.io/saadat-hyderabad-irozabadi-agra-aaleameer-aalenafees-family-tree-/\) \(https://sites.google.com/view/ansaabesadaat/home\)](https://contactsadaatgenealogy-lab.github.io/saadat-hyderabad-irozabadi-agra-aaleameer-aalenafees-family-tree-/)
- [گلزارِ جلالیہ بلاگ \(/https://glzarijalaliya.blogspot.com/\)](https://glzarijalaliya.blogspot.com/)
- [Scholars.pk \(https://scholars.pk/ur/scholar/hazrat-syed-sultan-jalaluddin-haider-soharwardi\)](https://scholars.pk/ur/scholar/hazrat-syed-sultan-jalaluddin-haider-soharwardi)
- [ضیائے طیبہ \(https://scholar.ziaetaiba.com/ur/scholar/hazrat-syed-sultan-jalaluddin-haider-soharwar\)](https://scholar.ziaetaiba.com/ur/scholar/hazrat-syed-sultan-jalaluddin-haider-soharwar)
- [سید عاشق علی بن سید شاکر علی شاہ](#)

اخذ کردہ از «https://ur.wikipedia.org/w/index.php?title=سید_عاشق_علی_شاہ_بن_سید_عاشق_علی_شاہ&oldid=10503574»



سید محبت علی بن سید نفیس علی

<https://ur.wikipedia.org/s/1n0wg>

سانچہ:خاندان معلومات

سید محبت علی بن سید نفیس علی سادات نقوی البخاری خاندان کے ایک معروف بزرگ، درویش صفت، عبادت گزار، روحانی مزاج اور اہل بیت علیہم السلام سے والہانہ عقیدت رکھنے والی شخصیت تھے۔ آپ سید نفیس علی شاہ بن سید عاشق علی شاہ کے صاحبزادے تھے اور اُن خاندانوں میں شمار ہوتے تھے جن کا نسب امام علی نقی علیہ السلام، جلال الدین سرخ پوش بخاری، مخدوم جانیایں جہاں گشت اور سید سلطان جلال الدین حیدر نقوی البخاری لاہوری سے جا ملتا ہے۔^[1]

آپ کی زندگی ہجرت، غربت، روحانی وابستگی، اہل بیت سے عقیدت، تاریخی ورثے، شجرات نسب، عزاداری، تصوف، دینی خدمات، معاشی جدوجہد اور خاندانی استقامت کی ایک طویل داستان کے طور پر بیان کی جاتی ہے۔^[2]

مکمل نسب

خاندانی شجرات، عربی و فارسی مخطوطات، درگاہی ریکارڈ، محفوظ نسبی روایات، گلزار جلالیہ، قدیم مشاجرات، اوچ شریف کے سجادگان کے تصدیقی ریکارڈ اور تحقیقی اشاعتوں کے مطابق سید محبت علی بن سید نفیس علی کا مکمل نسب اس طرح بیان کیا جاتا ہے:

سید محبت علی بن سید نفیس علی بن سید نفیس علی شاہ بن سید عاشق علی شاہ بن سید شاکر علی شاہ بن سید امیر علی شاہ بن سید امیر علی شاہ بن سید حیدر شاہ بن سید حیدر شاہ بن سید قطب شاہ بن سید کبیر شاہ بن سید شرف الدین شاہ بن سید شمس الدین شاہ بن سید جانگیر شاہ بن سید یار شاہ حیدر بن سید شاہ نظام الدین بن سید زین العابدین بن سید علم الدین بن سید سلطان جلال الدین حیدر نقوی البخاری لاہوری بن سید صفی الدین بخاری بن سید نظام الدین بخاری بن سید علیم الدین بخاری بن سید جلال الدین بخاری بن سید ناصر الدین محمود بخاری بن مخدوم جانیایں جہاں گشت بن سید احمد کبیر بن جلال الدین سرخ پوش بخاری بن سید ابوالموید علی بن سید جعفر ثالث بن سید ابوالفتح محمد بن سید محمود بن سید ابی یوسف احمد بن سید عبد اللہ بن سید علی الاشرق بن سید جعفر الرکب بن امام علی نقی علیہ السلام بن امام محمد نقی علیہ السلام بن امام موسیٰ کاظم علیہ السلام بن امام جعفر صادق علیہ السلام بن امام محمد باقر علیہ السلام بن امام زین العابدین علیہ السلام بن امام حسین علیہ السلام بن امام علی علیہ السلام۔

خاندانی روایتوں کے مطابق یہی نسب بعد میں فیروز آباد، آگرہ، لاہور، ملتان، اوچ شریف، حیدرآباد، سندھ اور کراچی منتقل ہونے والی شاخوں میں محفوظ رہا۔^[3]

اولاد و نسل

خاندانی روایتوں، محفوظ شجرات نسب، درگاہی ریکارڈ اور خاندان کے معمر افراد کے بیانات کے مطابق سید محبت علی بن سید نفیس علی کی دو ازواج تھیں:

- سیدہ نادری خاتون
- سیدہ منی خاتون

روایتوں کے مطابق دونوں خاندان روحانی، ساداتی اور دینی پس منظر رکھتے تھے۔^[4]

صاحبزادگان

سید محبت علی بن سید نفیس علی کے صاحبزادگان میں درج ذیل نام بیان کیے جاتے ہیں:

- سید امید علی
- سید نیاز علی

- سید اعجاز علی
- سید نصیر علی
- سید شباب علی
- سید جاوید علی

[5]

صاحبزادیاں

آپ کی صاحبزادیوں میں درج ذیل نام بیان کیے جاتے ہیں:

- سیدہ افسری
- سیدہ فیروزا
- سیدہ بلقیس
- سیدہ نسیم
- سیدہ امینہ
- سیدہ روبینہ

[6]

سید امید علی

سید امید علی، سید محبت علی بن سید نفیس علی کے بڑے صاحبزادے تھے۔ روایتوں کے مطابق وہ روحانی مزاج، خاموش طبیعت، صوفیانہ رجحان اور خاندانی روایات کے محافظ فرد تھے۔^[7] بعض روایتوں کے مطابق ہندوستان سے آنے والے ایک صوفی وفد نے انھیں ایک روحانی گدی سنبھالنے کی پیشکش کی، تاہم انھوں نے دنیاوی شہرت اور سچاگی قبول کرنے سے انکار کر دیا۔^[8]

سید امید علی کی اولاد

روایتوں کے مطابق سید امید علی کی اولاد میں:

- سید قدیر علی
- سید امیر علی نقوی
- سید ماجد علی نقوی
- سید ساجد علی نقوی
- سید ذویب علی نقوی

شامل ہیں۔^[9]

سید قدیر علی

سید قدیر علی خاندان کی جدید نسل کے اہم افراد میں شمار ہوتے ہیں۔ روایتوں کے مطابق وہ خاندانی شجرات، نسبی معلومات اور تاریخی روایات کے تحفظ سے وابستہ رہے۔^[10]

سید قدیر علی کی اولاد

رولیتوں کے مطابق سید قدیر علی کی اولاد میں:

- سید شاہ زیب علی
- حافظ سید شاہ زین علی
- سید شارق علی
- سید یوشع علی

شامل ہیں۔^[11]

سید شاہ زیب علی

سید شاہ زیب علی کو خاندان میں انساب سادات، شجرات نسب، تاریخی تحقیق، مخطوطات اور نقوی بخاری سادات کی تاریخ کے حوالے سے نمایاں حیثیت حاصل ہوئی۔ رولیتوں کے مطابق انھوں نے خاندان کے قدیم عربی و فارسی شجرات، تاریخی روایات، ہجرتی ریکارڈ اور درگاہی اسناد کو یکجا کرنے میں کردار ادا کیا۔^[12]

ان سے منسوب تحقیقی و نسبی منصوبوں میں:

- گلزار جلالیہ
- Research Publication of Family of Saadat Naqvi
- اوچ شریف بخاری سادات کے مشاجرات
- ہجرت آگرہ تا حیدرآباد روایات

کا ذکر کیا جاتا ہے۔^[13]

سید نیاز علی

سید نیاز علی، سید محبت علی بن سید نفیس علی کے اُن صاحبزادوں میں شمار ہوتے ہیں جنھوں نے خاندان کے قدیم شجرات اور عربی و فارسی نسخوں کو محفوظ رکھنے میں اہم کردار ادا کیا۔^[14] رولیتوں کے مطابق انھوں نے خاندان کے پرانے عربی و فارسی شجرات دوبارہ پڑھ کر درمیانی نسلوں کے بعض ناموں کی تصحیح کی، جس سے خاندان کے نقوی بخاری نسب کی مزید توثیق ہوئی۔^[15]

سید اعجاز علی

سید اعجاز علی خاندان کی اُن نسلوں میں شمار ہوتے ہیں جنھوں نے حیدرآباد، سندھ میں خاندانی تعلقات، ساداتی شناخت اور روحانی رولیت کو برقرار رکھا۔^[16]

سید نصیر علی

سید نصیر علی کے بارے میں خاندانی رولیتوں میں ذکر ملتا ہے کہ وہ خاموش طبیعت، محنتی اور خاندان سے مضبوط تعلق رکھنے والے فرد تھے۔^[17]

سید شباب علی

سید شباب علی خاندان کی جدید نسل کے اُن افراد میں شمار ہوتے ہیں جنہوں نے معاشی اور سماجی حالات کے باوجود ساداتی شناخت برقرار رکھی۔^[18]

سید جاوید علی

سید جاوید علی کے بارے میں روایتوں میں ذکر ملتا ہے کہ وہ خاندانی روابط، عزیز داری اور روحانی ماحول سے وابستہ رہے۔^[19]

ابتدائی زندگی

سید محبت علی بن سید نفیس علی کی پیدائش فیروز آباد میں ہوئی۔ آپ ایک ایسے خاندان میں پیدا ہوئے جہاں اہل بیت سے محبت، روحانی وابستگی، عزاداری، تصوف، شجرات نسب اور دینی روایات نسل در نسل منتقل ہوتی رہی تھیں۔^[20]

آپ کے والد سید نفیس علی شاہ بن سید عاشق علی شاہ اہل بیت کی محبت، بارہ ائمہ سے عقیدت، زہد، تقویٰ اور خاموش روحانی مزاج کے حامل تھے۔ روایتوں کے مطابق فرقہ وارانہ حالات میں آپ کے والد اور والدہ شہید کر دیے گئے، جس کے بعد آپ اور آپ کے بھائی حاجی سید حفیظ علی بن سید نفیس علی کم عمری میں یتیم ہو گئے۔^[21]

پھوپھی اماں اور ہجرت

آپ کی پھوپھی، جنہیں خاندان میں پھوپھی اماں کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، نے اس نازک دور میں غیر معمولی کردار ادا کیا۔ روایتوں کے مطابق وہ راتوں رات اپنے بھتیجوں کو فیروز آباد سے آگرہ لے گئیں تاکہ ان کی جان محفوظ رہ سکے۔^[22]

ابتدا میں وہ ایک درگاہ کے احاطے میں مقیم رہیں، بعد ازاں بیگ منڈی منتقل ہوئیں۔ خاندان کی روایتوں میں پھوپھی اماں کو ایک روحانی، ملنگ صفت اور غیر معمولی سیدہ خاتون کے طور پر یاد کیا جاتا ہے۔^[23]

ایک روایت کے مطابق انھوں نے ایک بزرگ کو ایسا مشروب پلایا جس کے بعد اُس بزرگ نے حضرت خواجہ معین الدین چشتی کی روحانی زیارت کا دعویٰ کیا۔ اس واقعے کے بعد پھوپھی اماں کو درگاہی حلقوں میں خاص مقام حاصل ہو گیا۔^[24]

آگرہ میں قیام

آگرہ میں سید محبت علی بن سید نفیس علی اور حاجی سید حفیظ علی بن سید نفیس علی رشتہ داروں کی سرپرستی میں پروان چڑھے۔ خاندان کی روایتوں کے مطابق اُن کی پرورش زیادہ تر قریبی عزیزوں نے کی۔^[25]

اسی دور میں خاندان کے روحانی اور درگاہی روابط مزید مضبوط ہوئے، جن میں:

- حضرت نظام الدین اولیاء
- خواجہ معین الدین چشتی
- امیر علی ابوالعلائی
- قاضی نور اللہ شوشتری
- حاجی علی درگاہ

سے وابستگیاں شامل تھیں۔^[26]

فقہی و روحانی شناخت

خاندان کی روایتوں کے مطابق سید محبت علی بن سید نفیس علی اور ان کے بھائی ابتدا میں اثنا عشری روایت سے وابستہ تھے۔ بعد ازاں ہجرت پاکستان کے بعد انھوں نے تصوف اور بریلوی مکتب سے تعلق قائم کیا جبکہ سلسلہ قادریہ میں بیعت بھی کی۔^[27]

اس کے باوجود خاندان میں:

- عزاداری
- نوحہ خوانی
- مجالس
- علم عباسی
- چہلم
- کندیلی
- کھورمہ
- امام ضامن

جیسی روایات جاری رہیں۔^[28]

بعض خاندانوں اور پڑوسی شیعہ سادات کے مطابق یہ خاندان "غیر مائتی تشیع" سے وابستہ تھا۔^[29]

تقسیم ہند اور پاکستان ہجرت

تقسیم ہند کے دوران آگرہ سے ایک بڑا قافلہ پاکستان کی طرف روانہ ہوا، جس میں بڑی تعداد شیعہ اور صوفی سادات خاندانوں کی تھی۔ روایتوں کے مطابق یہ قافلہ تقریباً ڈیڑھ ہزار افراد پر مشتمل تھا۔^[30]

یہ قافلہ لاہور، ملتان اور دیگر علاقوں سے گزرتا ہوا حیدرآباد، سندھ پہنچا۔ خاندان کے مطابق:

- پکا قلعہ
- کچا قلعہ
- بیرآباد

میں آباد ہونے والے کئی سادات خاندان اسی قافلہ کا حصہ تھے۔^[31]

حیدرآباد سندھ میں قیام

سید محبت علی بن سید نفیس علی نے پکا قلعہ، حیدرآباد میں سکونت اختیار کی۔ روایتوں کے مطابق انھوں نے ایک مسجد کی تعمیر کے بعد وہاں امامت اور اذان کی ذمہ داریاں انجام دیں۔^[32]

آپ تہجد، تلاوت قرآن، ذکر اور عبادت میں مشغول رہتے تھے۔ فجر کے بعد لوگ آپ کے پاس دعا اور مالی امداد کے لیے آتے تھے اور آپ اپنی کمائی میں سے مستقل طور پر ضرورت مندوں کی مدد کرتے تھے۔^[33]

معاشی زندگی

ابتدائی طور پر خاندان سونے چاندی اور جوہری (سونار) کے کاروبار سے وابستہ تھا، مگر بعد میں اسے ترک کر دیا گیا کیونکہ ناپ تول میں معمولی غلطی کو بھی وہ دینی اعتبار سے خطرناک سمجھتے تھے۔^[34]

بعد ازاں خاندان نے جوئے سازی کا پیشہ اختیار کیا اور پکا قلعہ میں اس صنعت کے فروغ میں اہم کردار ادا کیا۔ خاندان آج بھی اس صنعت سے وابستہ سمجھا جاتا ہے۔^[35]

بیماری اور وفات

روایتوں کے مطابق سید محبت علی بن سید نفیس علی ٹی بی کے مرض میں مبتلا ہو گئے۔ خاندان کی بعض روایات میں "کشتہ سونا" کے استعمال کو بھی بیماری کی شدت کا سبب قرار دیا جاتا ہے۔^[36]

ان کی بیماری کے دوران گھر میں ایک بڑی پوری ہوئی جس میں:

- شجراتِ نسب
 - تاریخی دستاویزات
 - قدیم مخطوطات
 - وراثتی کاغذات
 - قدیم تحریری نسخے
- ضائع ہو گئے۔^[37]

اولاد

روایتوں کے مطابق سید محبت علی بن سید نفیس علی کی دو ازواج تھیں:

- سیدہ نادری خاتون
- سیدہ منی خاتون

صاحبزادگان

- سید امید علی
- سید نیاز علی
- سید اعجاز علی
- سید نصیر علی
- سید شباب علی
- سید جاوید علی

صاحبزادیاں

- سیدہ افسری

- سیدہ فیروزا
- سیدہ بلقیس
- سیدہ نسیم
- سیدہ امینہ
- سیدہ روبینہ

[38]

سید امید علی

سید امید علی خاندان کے بڑے صاحبزادے تھے۔ روایتوں کے مطابق ہندوستان سے آنے والے ایک صوفی وفد نے انھیں روحانی گدی سنبھالنے کی پیشکش کی مگر انھوں نے انکار کر دیا۔^[39]

ان کی اولاد میں:

- سید قدیر علی نقوی
- سید امیر علی نقوی
- سید ماجد علی نقوی
- سید ساجد علی نقوی
- سید ذویب علی نقوی

شامل ہیں۔^[40]

سید شاہ زیب علی نقوی

روایتوں کے مطابق سید شاہ زیب علی نقوی کو خاندان میں انسب سادات اور تاریخی تحقیق کے حوالے سے نمایاں حیثیت حاصل ہوئی۔ انھیں خاندان کی جدید نسل میں ماہر انسب سمجھا جاتا ہے۔^[41]

عزاداری کی روایات

خاندان میں:

- مجالس
- نوحہ خوانی
- محرم
- چہلم
- نیاز
- تعزیه داری
- کندیلی بھرنا
- کھورمہ

کی روایات نسل در نسل جاری رہیں۔^[42]

خاندان کی روایتوں کے مطابق 9 محرم کی رات "کندیلی بھرنے" کی رسم خصوصی طور پر ادا کی جاتی تھی، جسے شہدائے کربلا کی یاد سے منسوب کیا جاتا ہے۔^[43]

- حاجی سید حفیظ علی بن سید نفیس علی
- سید نفیس علی شاہ بن سید عاشق علی شاہ
- سید عاشق علی بن سید شاکر علی شاہ
- سید شاکر علی شاہ بن سید امیر علی شاہ
- سید امیر علی شاہ بن سید حیدر شاہ
- جلال الدین سرخ پوش بخاری
- مخدوم جہانیاں جہاں گشت
- امام علی نقی علیہ السلام
- گلزار جلالیہ
- اوچ شریف
- پکا قلعہ
- قدم گاہ مولا علی
- تقسیم ہند

حوالہ جات

1. Research Publication of Family of Saadat Naqvi (https://doi.org/10.5281/zenodo.20070090)
2. خاندانی روایات
3. خاندانی روایات
4. خاندانی روایات
5. خاندانی روایات
6. خاندانی روایات
7. خاندانی روایات
8. خاندانی روایات
9. خاندانی روایات
10. خاندانی روایات
11. خاندانی روایات
12. خاندانی روایات
13. Research Publication of Family of Saadat Naqvi (https://doi.org/10.5281/zenodo.20070090)
14. خاندانی روایات
15. خاندانی روایات
16. خاندانی روایات
17. خاندانی روایات
18. خاندانی روایات
19. خاندانی روایات
20. خاندانی روایات

contentReference[oaicite:0]{index=0}: .21
 contentReference[oaicite:1]{index=1}: .22
 contentReference[oaicite:2]{index=2}: .23
 contentReference[oaicite:3]{index=3}: .24
 contentReference[oaicite:4]{index=4}: .25
 contentReference[oaicite:5]{index=5}: .26
 contentReference[oaicite:6]{index=6}: .27
 contentReference[oaicite:7]{index=7}: .28
 contentReference[oaicite:8]{index=8}: .29
 contentReference[oaicite:9]{index=9}: .30
 contentReference[oaicite:10]{index=10}: .31
 contentReference[oaicite:11]{index=11}: .32
 contentReference[oaicite:12]{index=12}: .33
 contentReference[oaicite:13]{index=13}: .34
 contentReference[oaicite:14]{index=14}: .35
 contentReference[oaicite:15]{index=15}: .36
 contentReference[oaicite:16]{index=16}: .37
 contentReference[oaicite:17]{index=17}: .38
 contentReference[oaicite:18]{index=18}: .39
 contentReference[oaicite:19]{index=19}: .40
 contentReference[oaicite:20]{index=20}: .41
 contentReference[oaicite:21]{index=21}: .42
 contentReference[oaicite:22]{index=22}: .43

■ گلزارِ جلالیہ

■ Research Publication of Family of Saadat Naqvi (<https://doi.org/10.5281/zenodo.20070090>)

■ Internet Archive (https://archive.org/details/@sadaat_genealogy_contact)

■ Historical Family Tree (<https://contactsadaatgenealogy-lab.github.io/saadat-hyderabad-firozabadi-agra-aaleameer-aalenafees-family-tree-/>)

■ Scholars.pk (<https://scholars.pk/ur/scholar/hazrat-syed-sultan-jalaluddin-haider-soharwardi>)

■ اخذ کردہ از «https://ur.wikipedia.org/w/index.php?title=سید_محبت_علی_بن_سید_نفیس_علی&oldid=10503566»

سید قدیر علی نقوی

<https://ur.wikipedia.org/s/1n0xj>

سانچہ:خاندان معلومات

سید قدیر علی سادات نقوی البخاری خاندان کی جدید نسل کے اُن افراد میں شمار ہوتے ہیں جنہوں نے خاندانی شجرات نسب، تاریخی روایات، دینی ماحول، اہل بیت سے وابستگی، خاندانی شناخت اور بزرگوں کی یادداشتوں کو نئی نسل تک منتقل کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔ آپ **سید امید علی بن سید محبت علی** کے صاحبزادے تھے جبکہ آپ کا تعلق اُس تاریخی حسینی سادات خاندان سے تھا جس کی نسبت امام علی نقی علیہ السلام، جلال الدین سرخ پوش بخاری، مخدوم جانیایں جہاں گشت، سید سلطان جلال الدین حیدر نقوی البخاری لاہوری، اوج شریف، فیروز آباد، آگرہ اور حیدرآباد، سندھ سے بیان کی جاتی ہے۔^[1]

خاندانی روایتوں کے مطابق سید قدیر علی نرم گفتار، خاموش طبیعت، ذمہ دار، خاندانی مزاج رکھنے والے اور اپنی اولاد کی دینی، اخلاقی اور نسبی تربیت کے معاملے میں نہایت حساس شخصیت کے حامل تھے۔ اگرچہ انہوں نے مذہبی شہرت، خطابت، گدگی نشینی یا عوامی مذہبی کردار اختیار نہیں کیا، مگر خاندان کی بقا، تعلیم، ادب اہل بیت، نسبی شعور اور تاریخی تسلسل کے تحفظ میں ان کا کردار نمایاں سمجھا جاتا ہے۔^[2]

مکمل نسب

خاندانی شجرات، محفوظ عربی و فارسی نسخوں، اوج شریف کے مشاجرات، درگاہی ریکارڈ، گلزار جلالیہ، قدیم مخطوطات اور زبانی روایتوں کے مطابق سید قدیر علی کا مکمل نسب اس طرح بیان کیا جاتا ہے:

سید قدیر علی بن سید امید علی بن سید محبت علی بن سید نفیس علی بن سید نفیس علی شاہ بن سید عاشق علی شاہ بن سید شاکر علی شاہ بن سید شاکر علی شاہ
بن سید امیر علی شاہ بن سید امیر علی شاہ بن سید حیدر شاہ بن سید قطب شاہ بن سید کبیر شاہ بن سید شرف الدین شاہ بن سید شمس الدین شاہ بن سید جانگیر شاہ بن سید یار شاہ
حیدر بن سید شاہ نظام الدین بن سید زین العابدین بن سید علم الدین بن سید سلطان جلال الدین حیدر نقوی البخاری لاہوری بن سید صفی الدین بخاری بن سید نظام الدین بخاری بن سید علیم الدین
بخاری بن سید جلال الدین بخاری بن سید ناصر الدین محمود بخاری بن مخدوم جانیایں جہاں گشت بن سید احمد کبیر بن جلال الدین سرخ پوش بخاری بن سید ابوالموید علی بن سید جعفر ثالث بن سید
ابوالفتح محمد بن سید محمود بن سید ابی یوسف احمد بن سید عبد اللہ بن سید علی الاشقر بن سید جعفر الرکبی بن امام علی نقی علیہ السلام بن امام محمد نقی علیہ السلام بن امام علی رضا علیہ السلام بن امام
موسیٰ کاظم علیہ السلام بن امام جعفر صادق علیہ السلام بن امام محمد باقر علیہ السلام بن امام زین العابدین علیہ السلام بن امام حسین علیہ السلام بن امام علی علیہ السلام۔

[3]

خاندانی پس منظر

سید قدیر علی ایک ایسے خاندان سے ہیں پیدا ہوئے جہاں:

- اہل بیت سے عقیدت
- عزاداری
- ایصالِ ثواب
- صوفی روایت
- شجراتِ نسب
- درگاہی تعلقات
- تقیہ
- ہجرت کی یادداشتیں

نسل در نسل منتقل ہوتی رہی تھیں۔^[4]

آپ کے دادا سید محبت علی بن سید نفیس علی اور پردادا سید نفیس علی شاہ بن سید عاشق علی شاہ خاندان کی اُن نسلوں میں شمار ہوتے تھے جنہوں نے فیروز آباد سے آگرہ، پھر لاہور اور بعد ازاں حیدرآباد، سندھ ہجرت کی۔^[5]

دینی و اخلاقی تربیت

خاندانی رولہتوں کے مطابق سید قدیر علی نے اپنی اولاد کی دینی و دنیاوی تعلیم پر خاص توجہ دی۔ وہ اپنی اولاد کو:

- قرآن مجید
- اہل بیت کی تاریخ
- نسبی شعور
- سادات کی ذمہ داری
- اخلاقی تربیت
- بزرگوں کے حالات
- عزاداری اور محرم کی روایات
- سے روشناس کراتے تھے۔^[6]

رولہتوں کے مطابق ان کے گھر میں دینی ماحول، ساگی، بزرگوں کا احترام اور خاندانی تعلقات کو خاص اہمیت حاصل تھی۔^[7]

زوجہ

خاندانی رولہتوں کے مطابق سید قدیر علی کی زوجہ کو خاندان میں بنتِ محراب شیخ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ رولہتوں کے مطابق وہ پردہ دار، دینی مزاج، قرآن خوانی سے وابستہ اور اہل بیت سے محبت رکھنے والی خاتون تھیں۔^[8]

رولہتوں کے مطابق انہوں نے:

- خواتین کی قرآن خوانی
- ایصالِ ثواب
- مرحومین کے لیے فاتحہ
- بچوں کی ابتدائی دینی تربیت
- مدارس میں قرآن خوانی
- کا اہتمام کیا۔^[9]

اولاد و نسل

خاندانی رولہتوں، محفوظ شجراتِ نسب اور جدید نسلی ریکارڈ کے مطابق سید قدیر علی کی اولاد میں درج ذیل نام شامل ہیں:

صاحبزادگان

- سید شاہ زیب علی

- حافظ سید شاہ زین علی
- سید شارق علی
- سید یوشع علی

[10]

سید شاہ زیب علی

سید شاہ زیب علی خاندان کی جدید نسل میں انساب سادات، تاریخی تحقیق، شجرات نسب اور اہل بیت کی تاریخ سے متعلق تحقیقی سرگرمیوں کے حوالے سے معروف ہیں۔ روایتوں کے مطابق انھوں نے خاندان کے منتشر تاریخی مواد، عربی و فارسی نسخوں، زبانی روایتوں، قدیم شجرات اور ہجرتی تاریخ کو یکجا کر کے محفوظ کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔^[11]

ان سے منسوب تحقیقی و تاریخی منصوبوں میں:

- گلزار جلالیہ
 - Research Publication of Family of Saadat Naqvi
 - سادات نقوی بخاری فیملی ٹری
 - اوچ شریف بخاری سادات کے مشاجرات
 - ہجرت آگرہ تا حیدرآباد روایات
- شامل ہیں۔^[12]

سید شاہ زیب علی کی اولاد

خاندانی روایتوں کے مطابق سید شاہ زیب علی کی اولاد میں:

- سید محمد شامویل شیس
- سید محمد مصطفیٰ علی
- سید محمد حیدر علی

کا ذکر ملتا ہے۔^[13]

حافظ سید شاہ زین علی

روایتوں کے مطابق حافظ سید شاہ زین علی نے کم عمری میں حفظ قرآن مکمل کیا۔ وہ امامت، اذان، ناظرہ اور دینی تعلیم سے وابستہ رہے، تاہم انھوں نے مذہبی خدمات کو ذریعہ معاش بنانے سے گریز کیا۔^[14]

سید شارق علی

سید شارق علی خاندان کی جدید نسل کے اُن افراد میں شمار ہوتے ہیں جنھوں نے جدید تعلیم، خاندانی تعلقات اور ساداتی شناخت کو برقرار رکھا۔^[15]

سید یوشع علی

سید یوشع علی کے متعلق روایتوں میں ذکر ملتا ہے کہ وہ نئی نسل میں دینی و دنیاوی تعلیم دونوں سے وابستہ رہے۔^[16]

خاندانی تاریخی روایات

خاندانی روایتوں کے مطابق سید قدیر علی اُن افراد میں شامل تھے جنہوں نے اپنے والد سید امید علی بن سید محبت علی سے:

- تقیہ
 - ہجرتِ آگرہ
 - فیروز آباد کے حالات
 - اوچ شریف
 - شجراتِ نسب
 - بخاری سادات
 - فارسی نسخے
 - تقسیم ہند
 - پکا قلعہ
- سے متعلق واقعات سنے اور بعد کی نسلوں تک منتقل کیے۔^[17]

ایصالِ ثواب اور دینی ماحول

روایتوں کے مطابق سید قدیر علی کے گھر میں:

- قرآن خوانی
- مجالس
- محرم
- چہلم
- نیاز
- فاتحہ
- ایصالِ ثواب

کا خصوصی اہتمام کیا جاتا تھا۔^[18]

خاندان کی روایتوں کے مطابق بزرگوں کے ایصالِ ثواب کے لیے مدارس کے طلبہ سے قرآن خوانی کروائی جاتی تھی۔^[19]

نسبی و تحقیقی اہمیت

خاندانی روایتوں کے مطابق سید قدیر علی کی نسل میں بعد ازاں ساداتِ نقوی بخاری کی تاریخ، شجراتِ نسب، تحقیقی اشاعتوں اور ڈیجیٹل نسبی ریکارڈ پر باقاعدہ کام کیا گیا، جس کے نتیجے میں خاندان کی کئی قدیم روایتیں دوبارہ محفوظ ہو سکیں۔^[20]

مزید دیکھیے

- سید امید علی بن سید محبت علی
- سید محبت علی بن سید نفیس علی

- حاجی سید حفیظ علی بن سید نفیس علی
- سید شاہ زیب علی
- حافظ سید شاہ زین علی
- سید شارق علی
- سید یوشع علی
- گلزار جلالیہ
- اوچ شریف
- پکا قلعہ
- قدم گاہ مولا علی
- جلال الدین سرخ پوش بخاری
- مخدوم جہانیاں جہاں گشت
- امام علی نقی علیہ السلام

حوالہ جات

1. Research Publication of Family of Saadat Naqvi (https://doi.org/10.5281/zenodo.20070090)
2. خاندانی روایات
3. خاندانی روایات
4. خاندانی روایات
5. خاندانی روایات
6. خاندانی روایات
7. خاندانی روایات
8. خاندانی روایات
9. خاندانی روایات
10. خاندانی روایات
11. خاندانی روایات
12. Research Publication of Family of Saadat Naqvi (https://doi.org/10.5281/zenodo.20070090)
13. خاندانی روایات
14. خاندانی روایات
15. خاندانی روایات
16. خاندانی روایات
17. خاندانی روایات
18. خاندانی روایات
19. خاندانی روایات
20. خاندانی روایات

- گلزار جلالیہ

- Research Publication of Family of Saadat Naqvi (https://doi.org/10.5281/zenodo.20070090)
- Internet Archive (https://archive.org/details/@sadaat_genealogy_contact)

- [Historical Family Tree \(https://contactsadaatgeneology-lab.github.io/saadat-hyderabad-firozabadi-agra-aaleameer-aalenafees-family-tree-/\)](https://contactsadaatgeneology-lab.github.io/saadat-hyderabad-firozabadi-agra-aaleameer-aalenafees-family-tree-/)
- خاندانی روایات و محفوظ شجرات

اخذ کردہ از «https://ur.wikipedia.org/w/index.php?title=سید_قدیر_علی_نقوی&oldid=10503551»



سید یار شاہ حیدر بن سید شاہ نظام

<https://ur.wikipedia.org/s/1n15r>

سانچہ:خاندان معلومات

سید یار شاہ حیدر سادات نقوی البخاری خاندان کی اُن اہم قدیم شخصیات میں شمار ہوتے ہیں جن کے عہد سے خاندان کی متعدد شاخیں نسبتاً واضح صورت میں سامنے آتی ہیں۔ آپ سید شاہ نظام الدین کے صاحبزادے تھے جبکہ آپ کا تعلق اُس تاریخی حسینی سادات سلسلے سے تھا جو امام علی نقی علیہ السلام، جلال الدین سرخ پوش بخاری، مخدوم جہانیاں جہاں گشت اور سید سلطان جلال الدین حیدر نقوی البخاری لاہوری سے اپنا نسب بیان کرتا ہے۔^[1]

خاندانی روایتوں کے مطابق سید یار شاہ حیدر کے دور سے خاندان کی کئی شاخیں الگ الگ شناخت کے ساتھ سامنے آتی ہیں۔ روایتوں کے مطابق انہی کی نسبت سے یہ نسل مزید پھیلی، مضبوط ہوئی اور بعد کے ادوار میں مختلف علاقوں میں آباد ہوئی۔^[2]

مکمل نسب

خاندانی شجرات، محفوظ عربی و فارسی نسخوں، اوچ شریف کے مشاہرات، درگاہی ریکارڈ، گلزار جلالیہ اور خاندانی روایتوں کے مطابق سید یار شاہ حیدر کا مکمل نسب اس طرح بیان کیا جاتا ہے:

سید یار شاہ حیدر بن سید شاہ نظام الدین بن سید زین العابدین بن سید علم الدین بن سید سلطان جلال الدین حیدر نقوی البخاری لاہوری بن سید صفی الدین بخاری بن سید نظام الدین بخاری بن سید علیم الدین بخاری بن سید جلال الدین بخاری بن سید ناصر الدین محمود بخاری بن مخدوم جہانیاں جہاں گشت بن سید احمد کبیر بن جلال الدین سرخ پوش بخاری بن سید ابوالموید علی بن سید جعفر ثالث بن سید ابوالفتح محمد بن سید محمود بن سید ابی یوسف احمد بن سید عبد اللہ بن سید علی الاشقر بن سید جعفر الزکی بن امام علی نقی علیہ السلام بن امام محمد تقی علیہ السلام بن امام علی رضا علیہ السلام بن امام موسیٰ کاظم علیہ السلام بن امام جعفر صادق علیہ السلام بن امام محمد باقر علیہ السلام بن امام زین العابدین علیہ السلام بن امام حسین علیہ السلام بن امام علی علیہ السلام۔

[3]

تاریخی و نسبی حیثیت

خاندانی روایتوں کے مطابق سید یار شاہ حیدر خاندان کی اُس اہم نسل سے تعلق رکھتے تھے جہاں سے مختلف ذیلی شاخوں کا واضح اور مستقل ذکر محفوظ ہونا شروع ہوتا ہے۔^[4]

روایتوں کے مطابق بعد کے ادوار میں خاندان کی متعدد شاخیں انہی کی نسل سے منسلک سمجھی جاتی رہیں، جنہوں نے:

- روحانیت
- تصوف
- ساداتی روایت
- شجرات نسب
- اہل بیت سے وابستگی

کو نسل در نسل برقرار رکھا۔^[5]

اولاد

خاندانی روایتوں اور محفوظ شجراتِ نسب کے مطابق سید یار شاہ حیدر کے صاحبزادگان میں درج ذیل نام شامل تھے:

- سید نبی شاہ
- سید کبیر شاہ
- سید جہانگیر شاہ

[6]

روایتوں کے مطابق یہی وہ مرحلہ تھا جہاں سے خاندان کی متعدد شاخیں الگ الگ شناخت اختیار کرتی ہیں۔^[7]

سید نبی شاہ

سید نبی شاہ، سید یار شاہ حیدر کے صاحبزادوں میں شامل تھے۔ خاندانی روایتوں کے مطابق ان کے تین صاحبزادے تھے:

- سید محبوب علی شاہ
- سید سلطان علی شاہ
- سید شیر علی شاہ

[8]

روایتوں کے مطابق سید نبی شاہ کی نسل بھی بعد کے ادوار میں خاندان کی ایک مستقل شاخ کے طور پر موجود رہی۔^[9]

سید محبوب علی شاہ

خاندانی روایتوں کے مطابق سید محبوب علی شاہ خاندان کی اُن نسلوں میں شمار ہوتے ہیں جن کا ذکر محفوظ شجرات میں پایا جاتا ہے، تاہم ان کی تفصیلی تاریخی معلومات محدود ہیں۔^[10]

سید سلطان علی شاہ

سید سلطان علی شاہ کے متعلق روایتوں میں ذکر ملتا ہے کہ ان کی نسل بعد کے ادوار میں خاندان کی ذیلی شاخوں میں شامل رہی۔^[11]

سید شیر علی شاہ

سید شیر علی شاہ کے متعلق خاندانی روایتوں میں ذکر ملتا ہے کہ ان کے ذریعے خاندان کی ایک اور شاخ آگے بڑھی۔^[12]

سید کبیر شاہ

سید کبیر شاہ، سید یار شاہ حیدر کے صاحبزادوں میں شامل تھے۔ خاندانی روایتوں کے مطابق ان کے صاحبزادے:

- سید شاہ چراغ

تھے۔^[13]

روایتوں کے مطابق سید شاہ چراغ کی نسل بھی خاندان کی ایک مستقل شاخ کے طور پر محفوظ رہی۔^[14]

سید جہانگیر شاہ

سید جہانگیر شاہ کی نسل بعد کے ادوار میں زیادہ نمایاں صورت میں سامنے آئی۔ روایتوں کے مطابق ان کے دو صاحبزادے تھے:

- سید مالی شاہ
- سید شمس الدین شاہ

[15]

سید شمس الدین شاہ کی نسل

سید شمس الدین شاہ کے صاحبزادگان میں:

- سید صدر الدین شاہ
- سید شرف الدین شاہ
- سید قطب شاہ

شامل تھے۔ [16]

سید شرف الدین شاہ کی نسل

سید شرف الدین شاہ کی نسل سے بعد میں:

- سید کبیر شاہ
- سید قمر الدین شاہ
- سید بدر الدین شاہ
- سید قطب شاہ

اور دیگر شاخیں وجود میں آئیں۔ [17]

سید قطب شاہ کی نسل

سید قطب شاہ کے صاحبزادے سید حیدر شاہ تھے، جن کی نسل سے بعد میں:

- سید امیر علی شاہ بن سید حیدر شاہ
- سید شاکر علی شاہ بن سید امیر علی شاہ
- سید عاشق علی بن سید شاکر علی شاہ
- سید نفیس علی شاہ بن سید عاشق علی شاہ
- سید محبت علی بن سید نفیس علی
- سید امید علی بن سید محبت علی
- سید قدیر علی

اور دیگر شخصیات سامنے آئیں۔ [18]

مختلف علاقوں میں پھیلاؤ

خاندانی روایتوں کے مطابق سید یار شاہ حیدر کی نسل بعد کے ادوار میں:

- اوچ شریف
- ملتان
- فیروز آباد
- آگرہ
- لاہور
- حیدرآباد، سندھ

اور دیگر علاقوں میں پھیل گئی۔^[19]

روحانی روایت

خاندانی روایتوں کے مطابق سید یار شاہ حیدر کی نسل میں:

- اہل بیت سے محبت
- تصوف
- ولایتِ علوی
- ساداتی روایت
- عزاداری
- درگاہی وابستگیاں
- شجراتِ نسب کا تحفظ
- نسل در نسل منتقل ہوتا رہا۔^[20]

مزید دیکھیے

- سید جہانگیر شاہ
- سید شمس الدین شاہ
- سید شرف الدین شاہ
- سید کبیر شاہ
- سید قطب شاہ
- سید حیدر شاہ
- سید امیر علی شاہ بن سید حیدر شاہ
- جلال الدین سرخ پوش بخاری
- مخدوم جہانیاں جہاں گشت
- اوچ شریف
- گلزار جلالیہ

1. Research Publication of Family of Saadat Naqvi (<https://doi.org/10.5281/zenodo.20070090>)
2. خاندانی روایات
3. خاندانی روایات
4. خاندانی روایات
5. خاندانی روایات
6. خاندانی روایات
7. خاندانی روایات
8. خاندانی روایات
9. خاندانی روایات
10. خاندانی روایات
11. خاندانی روایات
12. خاندانی روایات
13. خاندانی روایات
14. خاندانی روایات
15. خاندانی روایات
16. خاندانی روایات
17. خاندانی روایات
18. خاندانی روایات
19. خاندانی روایات
20. خاندانی روایات

■ گلزارِ جلالیہ

■ Research Publication of Family of Saadat Naqvi (<https://doi.org/10.5281/zenodo.20070090>)

■ Internet Archive (https://archive.org/details/@sadaat_genealogy_contact)

■ خاندانی روایات و محفوظ شجرات

اخذ کردہ از «https://ur.wikipedia.org/w/index.php?title=سید_یار_شاہ_حیدر_بن_سید_شاہ_نظام&oldid=10503501»



گلزارِ جلالیہ

<https://ur.wikipedia.org/s/1mvr8>

سانچہ:کتاب معلومات

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

تمام تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں جو تمام جہانوں کا رب ہے

اللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَآلِ مُحَمَّدٍ، کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرٰہِیْمَ وَآلِ اِبْرٰہِیْمَ، اِنَّکَ حَمِیدٌ مُّجِیدٌ
اللّٰهُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَآلِ مُحَمَّدٍ، کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اِبْرٰہِیْمَ وَآلِ اِبْرٰہِیْمَ، اِنَّکَ حَمِیدٌ مُّجِیدٌ

تعارف

انسابِ ساداتِ نقوی البخاری الحسنی الحسنی آلِ نبی ﷺ، اولادِ علی و فاطمہ

گلزارِ جلالیہ

وارثینِ سید امیر علی شاہ، آلِ نبی ﷺ، اولادِ علی و فاطمہ، اُوج شریف، لاہور، فیروز آباد، آگرہ، حیدرآباد، کراچی۔

سید امیر علی شاہ نقوی البخاری ایک مخفی مگر جلیل القدر ساداتِ حسینی بزرگ کی روحانی، طبی اور تاریخی وراثت۔

اُوج شریف، لاہور، آگرہ، فیروز آباد اور حیدرآباد (پاکستان) تک ولایت، نسبتِ اہلِ بیت اور تصوف کے تسلسل کا مجموعہ (مغلیہ سلطنت، صفوی اثرات اور ساداتِ نقوی البخاری کی تاریخ)۔

خاندانی وارثین کی طرف سے ایک نسبی و روحانی امانت۔

یہ کتاب اُن نفوسِ قدسیہ کے لیے ایک خراج ہے، جن کی ولایت، علم اور ساگی، دربار سے بالاتر اور معصومین و اہلِ بیت کے نقشِ قدم پر قائم رہی۔

اشاعتی معلومات

عنوان	تفصیل
زیر اہتمام	علمی و ادبی تنظیم جگنو انٹرنیشنل لاہور، چیف ایگزیکٹو ایم زیڈ کنول
ناشر	تہذیب انٹرنیشنل پبلیکیشنز، بہاولپور، لاہور، اسلام آباد
مطبوعہ	علیش بک سینٹر نزد مسجد و امام بارگاہ آلِ محمدؐ (ٹرسٹ) کراچی

انتساب

خادم الفقراء و المساکین مخدوم حامد محمد نوبهار خامس المعروف مخدوم سید سلطان جمانیاں نقوی بخاری سجادہ نشین دربار عالیہ جلالیہ اوج شریف حضرت سید جلال الدین حیدر سرخ پوش بخاری رحمۃ اللہ علیہ مورثِ اعلیٰ ساداتِ نقوی بخاری برصغیر پاک و ہند سے منسوب کرتا ہوں۔

کتابی کوائف

عنوان	تفصیل
نام کتاب	گلزارِ جلالیہ
مؤلف	سید سلیم رضا بخاری (شجرہ نویس مدینۃ السادات، اُچ شریف)
توثیق و نظر ثانی	ڈاکٹر محمد اقبال چشتی (پی ایچ ڈی)
نظر ثانی	پیر ڈاکٹر سید فہیم رضا کاظمی چشتی اجمیری (پی ایچ ڈی)، ماہرِ انساب، شاعر، ادیب، محقق
پروف خوانی	سید شاہ زیب علی نقوی
زیر اہتمام	علمی و ادبی تنظیم جگنو انٹرنیشنل لاہور، چیف ایگزیکٹو ایم زیڈ کنول
ناشر	تہذیب انٹرنیشنل پبلیکیشنز، بہاولپور، لاہور، اسلام آباد
مطبوعہ	علیش بک سینٹر نزد مسجد و امام بارگاہ آل محمد (ٹرسٹ) کراچی
بار اول	جنوری 2026
صفحات	315

کتاب ملنے کا پتہ

- گلشن سلطان الہند، شمس کالونی، اوچ شریف، ضلع بہاولپور — 03003738564
- قلندر نگری، محمود شہید، احمد پور شرقیہ، ضلع بہاولپور — 03006848975
- قدم گاہ مولا علی و درگاہ حضرت سید عبد الوہاب شاہ گیلانی، حیدرآباد — 03198644174

~~~~~"wiki id="k8n2yx"

| صفحہ نمبر | عنوانات                                                                                | نمبر شمار |
|-----------|----------------------------------------------------------------------------------------|-----------|
| 13        | تعارف و مقصدِ تحریر                                                                    | 1         |
| 15        | شجرۂ نسب حضرت آدم علیہ السلام سے حضرت عبد المطلب علیہ السلام تک                        | 2         |
| 16        | حضرت سید عبد المطلب علیہ السلام                                                        | 3         |
| 21        | حضرت سید عبد اللہ علیہ السلام                                                          | 4         |
| 24        | حضرت بی بی پاک آمنہ بنتِ وہب سلامُ اللہ علیہا                                          | 5         |
| 28        | خاتم النبیین حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ                                                        | 6         |
| 32        | حضرت بی بی فاطمہ الزہراء سیدۃ نساء العالمین سلامُ اللہ علیہا                           | 7         |
| 35        | حضرت سید ابو طالب علیہ السلام                                                          | 8         |
| 35        | حضرت سید ابو طالب علیہ السلام کی ازواج اور اولاد                                       | 9         |
| 38        | امیر المومنین حضرت سید امام مولا علی علیہ السلام                                       | 10        |
| 39        | امیر المومنین حضرت سید امام مولا علی علیہ السلام کی ازواج و اولاد                      | 11        |
| 59        | حضرت امام حسن بن علی علیہما السلام                                                     | 12        |
| 63        | حضرت زینب بنت علی سلامُ اللہ علیہا                                                     | 13        |
| 67        | حضرت ام کلثوم بنت علی سلامُ اللہ علیہا                                                 | 14        |
| 71        | حضرت امام حسین بن علی علیہما السلام سید الشهداء                                        | 15        |
| 76        | حضرت امام زین العابدین علیہ السلام سجاد، عابدِ شب، وارثِ کربلا                         | 16        |
| 81        | حضرت امام محمد باقر علیہ السلام باقر العلوم، امامِ پنجم اہل بیت                        | 17        |
| 85        | حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام صادق آل محمد، معلمِ مکتبِ اہل بیت                      | 18        |
| 90        | حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام باب الحوائج، صابرِ زندان، امامِ مظلوم                 | 19        |
| 94        | حضرت امام علی رضا علیہ السلام امامِ ضامن، عالمِ آلِ محمدؐ، ولیِ عہدِ مامون، امامِ برحق | 20        |
| 98        | حضرت امام محمد تقی علیہ السلام الجواد، بابُ التقی، کم سن امام                          | 21        |
| 102       | حضرت امام علی نقی علیہ السلام النقی، الہادی، نورِ سامرہ                                | 22        |
| 106       | حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام امامِ مظلوم، والدِ امامِ مہدیؑ، نورِ سامرہ             | 23        |
| 110       | امام زادے سید جعفر ثانی بن علی النقیؑ                                                  | 24        |
| 115       | حضرت علی الاصغر بن جعفر الزکی علیہ الرحمہ                                              | 25        |
| 117       | حضرت سید عبد اللہ بن علی الاصغر علیہ الرحمہ                                            | 26        |
| 120       | تذکرہ اولیاءِ کرام و مشائخِ طریقت                                                      | 27        |
| 135       | عرفانِ اثنا عشریِ اصولی                                                                | 28        |
| 152       | حضرت سید احمد شاہ بن سید عبد اللہ بن علی الاصغر علیہ الرحمہ                            | 29        |
| 154       | حضرت سید محمود بن سید احمد شاہ علیہ الرحمہ                                             | 30        |

|    |                                                                        |     |
|----|------------------------------------------------------------------------|-----|
| 31 | حضرت سید محمد بخاری علیہ الرحمہ                                        | 156 |
| 32 | حضرت سید جعفر حسینی بخاری علیہ الرحمہ                                  | 157 |
| 33 | حضرت سید علی المعید بخاری علیہ الرحمہ                                  | 157 |
| 34 | قطب کمال حضرت سخی سید جلال الدین سرخ پوش بخاری رحمۃ اللہ علیہ          | 159 |
| 35 | حضرت سید سلطان احمد کبیر رحمۃ اللہ علیہ                                | 175 |
| 36 | حضرت سید جلال الدین حسین المعروف مخدوم جہانیاں جہاں گشت رحمۃ اللہ علیہ | 179 |
| 37 | حضرت سید محمود نر ناصرالدین بخاری نقوی رحمۃ اللہ علیہ                  | 186 |
| 38 | حضرت سید علم الدین بن ناصر الدین بن مخدوم جہانیاں بخاری رحمۃ اللہ علیہ | 188 |
| 39 | حضرت سید جلال الدین بن سید علم الدین بخاری رحمۃ اللہ علیہ              | 190 |
| 40 | حضرت سید علم الدین بن سید جمال الدین بخاری رحمۃ اللہ علیہ              | 192 |
| 41 | حضرت سید نظام الدین بخاری رحمۃ اللہ علیہ                               | 194 |
| 42 | سید صفی الدین بن سید نظام الدین سادات نقوی بخاری                       | 196 |
| 43 | حضرت سید جلال الدین حیدر بن سید صفی الدین                              | 200 |
| 44 | سید علم الدین بن سید جلال الدین حیدر                                   | 206 |
| 45 | سید زین العابدین بن سید علم الدین                                      | 206 |
| 46 | سید شاہ نظام بن سید زین العابدین                                       | 206 |
| 47 | سید یار شاہ حیدر بن سید شاہ نظام                                       | 207 |
| 48 | سید جہانگیر شاہ بن سید یار شاہ حیدر                                    | 207 |
| 49 | سید شمس الدین شاہ بن سید جہانگیر شاہ                                   | 208 |
| 50 | سید شرف الدین شاہ بن سید شمس الدین شاہ                                 | 208 |
| 51 | سید کبیر شاہ بن سید شرف الدین شاہ                                      | 208 |
| 52 | سید قطب شاہ بن سید کبیر شاہ                                            | 208 |
| 53 | سید حیدر شاہ بن سید قطب شاہ                                            | 209 |
| 54 | سید امیر علی شاہ بن سید حیدر شاہ                                       | 210 |
| 55 | سید شاکر علی شاہ بن سید امیر علی شاہ                                   | 222 |
| 56 | سید عاشق علی بن سید شاکر علی شاہ                                       | 229 |
| 57 | سید نفیس علی شاہ بن سید عاشق علی شاہ                                   | 230 |
| 58 | سید حفیظ علی بن سید نفیس علی اور سید محبت علی بن سید نفیس علی          | 231 |
| 59 | فیروز آباد سے آگرہ ہجرت، رشتہ داروں کی سرپرستی                         | 231 |
| 60 | المعروف پھوپھی اماں، ایک غیر معمولی روحانی شخصیت                       | 231 |
| 61 | تاریخی مقامات سے وابستگی، روحانی مراکز اور درگاہیں                     | 233 |
| 62 | معاشی ذرائع، جوہری، سونار                                              | 236 |
| 63 | تقسیم ہند، ہجرت، روحانی ورثہ اور قربانیوں کی داستان                    | 236 |
| 64 | سید حفیظ علی کا حج اور سید محبت علی کی دین داری                        | 237 |

|    |                                                                                  |     |
|----|----------------------------------------------------------------------------------|-----|
| 65 | حیدرآباد، سندھ: ہجرت کی وجوہات اور روحانی وابستگی                                | 238 |
| 66 | پکا قلعہ میں سید محبت علی کی دینی خدمات                                          | 239 |
| 67 | سید محبت علی کا انتقال، بیماری اور تاریخی ورثے کا نقصان                          | 240 |
| 68 | تاریخی شواہد اور ان کا زوال                                                      | 240 |
| 69 | روحانی ورثہ، صوفی روایت اور کھوئے ہوئے تاریخی شواہد                              | 241 |
| 70 | یہ خاندان، تاریخ، ہجرت اور بین الاقوامی روابط                                    | 241 |
| 71 | حاجی سید حفیظ علی کی ازدواجی و خاندانی تفصیل                                     | 242 |
| 72 | سید محبت علی اور سید حفیظ علی کی مکمل اولاد نسل در نسل تفصیل                     | 244 |
| 73 | سید محبت علی کی اولاد                                                            | 244 |
| 74 | سید اُمید علی، ایک غیر مکمل مگر انمول داستان حیات                                | 249 |
| 75 | کتاب کی نامکملی: ایک اجتماعی نقصان                                               | 249 |
| 76 | ہجرت، غربت اور ذمہ داریوں کا بوجھ                                                | 249 |
| 77 | پکا قلعہ کا قضیہ، بیس سال کی قانونی جنگ                                          | 250 |
| 78 | خاندان کی محنت اور تعلیمی خلا                                                    | 250 |
| 79 | آپ کی علمی دولت ضائع ہو گئی                                                      | 251 |
| 80 | فقہی شناخت اور خاموشی                                                            | 252 |
| 81 | مکمل نسل کی موجودہ صورت حال                                                      | 253 |
| 82 | خاندان کی عزاداری کی روایات                                                      | 253 |
| 83 | شیعہ خاتون اور سید محبت علی کے پوتوں کے ساتھ پیش آیا واقعہ                       | 253 |
| 84 | خاندان کی عزاداری کی دیگر روایات                                                 | 254 |
| 85 | موجودہ نسل اور بارہ امامی عقیدہ                                                  | 255 |
| 86 | محرم کی رات گُندیلیاں بھرنے کی روایت، سادات گھرانوں کی عزاداری کا ایک منفرد پہلو | 255 |
| 87 | خاندان کے سنی یا شیعہ اثنا عشری ہونے کے شواہد                                    | 258 |
| 88 | پنجاب کی طرف ہجرت کرنے والے سادات خاندان سے تعلق اور شناخت                       | 261 |
| 89 | خاندانی تاریخ میں ان کا کردار                                                    | 262 |
| 90 | کھلخلاؤں گا خاندان کی تاریخی حویلی اور تدفین کی روایات                           | 262 |
| 91 | خواتین کی تدفین کا مخصوص نظام                                                    | 263 |
| 92 | خاندان کے مرد حضرات کی تدفین، ایک مخصوص قبرستان کی روایت                         | 264 |
| 93 | مسجد اور جنات کے اثرات                                                           | 264 |
| 94 | تاریخی اسرار اور دو نظریے                                                        | 265 |
| 95 | ایک تاریخی ورثہ اور روحانی حقیقت                                                 | 265 |
| 96 | خاندان سادات نقوی کی تاریخ کا سفر                                                | 266 |
| 97 | عقائد، شناخت اور صوفی سلسلے — ایک تاریخی جائزہ                                   | 269 |
| 98 | سید محبت علی اور سید حفیظ علی — عقیدہ اور شناخت                                  | 269 |

|     |                                                                                       |     |
|-----|---------------------------------------------------------------------------------------|-----|
| 271 | سید امید علی بن سید محبت علی اور خاندانی شناخت                                        | 99  |
| 271 | سید نیاز علی بن سید محبت علی — دینی وراثت اور عملی زندگی                              | 100 |
| 272 | سید محبت علی کی نسل میں دینی تعلیم کا تسلسل                                           | 101 |
| 273 | سید محبت علی کی نسل اور گدی نشینی کا معاملہ                                           | 102 |
| 273 | سید امید علی کا دینی پس منظر                                                          | 103 |
| 274 | ورثے کی گمشدگی اور تاریخ کے بکھرتے نشانات                                             | 104 |
| 277 | ساداتِ عالیہ کی علمی و روحانی وراثت                                                   | 105 |
| 280 | تاریخ کی ریت پر مٹتے نقش — تقیہ، ہجرت اور کھوئی ہوئی وراثت، نسب، یادداشت اور تاریخ    | 106 |
| 284 | آگرہ سے ہجرت، لاہور بارڈر سے بہاولپور کے راستے حیدرآباد میں مستقل سکونت               | 107 |
| 287 | بڑے صغیر میں ساداتِ نقوی کی مستند شاخیں اور ان کا فقہی، نسبی و تاریخی تعارف           | 108 |
| 292 | بڑے صغیر میں ساداتِ نقوی کی زمانی، فکری اور جغرافیائی تقسیم — ایک تاریخی اجمالی جائزہ | 109 |
| 293 | شجرہ نسب                                                                              | 110 |

## تعارف و مقصد تحریر

اس کتاب کی تالیف کا مقصد ساداتِ کرام کے نسب اور ان کی تاریخ کو محفوظ رکھنا ہے۔ یہ کتاب ایک معزز خانوادہ سادات کی تاریخ ہے۔ تاریخ اکثر ان نفوس قدسیہ کو نظر انداز کر دیتی ہے جو اپنی خاموشی، تقویٰ، خدمت، معرفتِ معصومین اور روحانی عظمت میں وہ رفعتیں رکھتے ہیں جو دنیاوی سلطنتوں کے حکمرانوں کو بھی نصیب نہیں ہوتیں اور یہی پردہ نشینی رفتہ رفتہ ان شناختوں کو دھندلا دیتی ہے جو نسلوں کے لیے نہ صرف فکری چراغ بلکہ روحانی اصل کی پہچان ہوتی ہیں۔

یہ کتاب ایک ایسی ہی نسل سادات، ممتاز اور مخفی ہستی سید امیر علی شاہ نقوی البخاری اور ان کی اولاد و نسل کی زندگی، وراثت، خدمات اور نسبی و روحانی تسلسل کو تحریری قالب میں محفوظ کرنے کی ایک سنجیدہ کوشش ہے۔

ساداتِ حسینی نسبت، چشتیہ و جلالیہ، اثنا عشری عرفانی سلاسل کی روحانی تاثیر اور اہل بیت اطہار سے غیر مشروط محبت کی مجسم تصویر بھی اس کتاب کا حصہ ہیں۔ یہ کتاب ایک طویل، روحانی، علمی اور نسبی سلسلے کی تاریخ ہے، جو امام علی نقی سے حضرت سید جلال الدین سرخ پوش بخاری، درگاہِ اوج شریف، مخدوم جہانیاں اور سید جلال الدین حیدر کے ذریعے لاہور اور پھر سید شاکر علی شاہ نقوی البخاری، سید حفیظ علی شاہ نقوی البخاری، سید محبت علی شاہ نقوی البخاری کے ذریعے فیروز آباد اور بعد ازاں آگرہ میں مقیم رہے اور تقسیم ہند کے وقت ہجرت کے بعد حیدرآباد میں اپنی شناخت کے ساتھ نمایاں ہوا۔

یہ تمام تسلسل صرف زبانی بیانیے پر مبنی نہیں بلکہ دونوں ممالک کے شہروں سے وابستگی رکھنے والے خاندان، کئی نسلوں سے جاننے والے خاندانوں اور خود اس خاندان کے بزرگوں، کچھ پرانے نسخوں، درگاہی خطوط، سجادہ نشینوں کی شہادت، نایاب شجرہ نویسی، مدینۃ الاولیاء اوج شریف، تاریخِ اوار سادات، مرآتِ جلالی جیسے صوفی متون، مغل و صفوی تاریخ، اوج شریف، و سیرت سرخ پوش بخاری جیسے مصادر پر تحقیق کی بنیاد پر مدلل کیا گیا ہے۔

**تعارف و مقصد تحریر** اس کتاب کی تالیف کا مقصد ساداتِ کرام کے نسب اور ان کی تاریخ کو محفوظ رکھنا ہے یہ کتاب ایک معزز خانوادہ سادات کی تاریخ ہے تاریخ اکثر ان نفوس قدسیہ کو نظر انداز کر دیتی ہے جو اپنی خاموشی، تقویٰ، خدمت، معرفتِ معصومین اور روحانی عظمت میں وہ رفعتیں رکھتے ہیں جو دنیاوی سلطنتوں کے حکمرانوں کو بھی نصیب نہیں ہوتیں اور یہی پردہ نشینی رفتہ رفتہ ان شناختوں کو دھندلا دیتی ہے جو نسلوں کے لیے نہ صرف فکری چراغ بلکہ روحانی اصل کی پہچان ہوتی ہیں یہ کتاب ایک ایسی ہی نسل سادات ممتاز اور مخفی ہستی سید امیر علی شاہ نقوی البخاری اور ان کی اولاد و نسل کی زندگی، وراثت، خدمات اور نسبی و روحانی تسلسل کو تحریری قالب میں محفوظ کرنے کی ایک سنجیدہ کوشش ہے، ساداتِ حسینی نسبت، چشتیہ و جلالیہ، اثنا عشری عرفانی سلاسل کی روحانی تاثیر اور اہل بیت اطہار سے غیر مشروط محبت کی مجسم تصویر بھی، یہ کتاب ایک طویل، روحانی، علمی اور نسبی سلسلے کی تاریخ ہے، جو امام علی نقی سے حضرت سید جلال الدین سرخ پوش بخاری، درگاہِ اوج شریف، مخدوم جہانیاں اور سید جلال الدین حیدر کے ذریعے لاہور اور پھر سید شاکر علی شاہ نقوی البخاری اور سید حفیظ علی شاہ نقوی البخاری، سید محبت علی شاہ نقوی البخاری کے ذریعے فیروز آباد اور بعد ازاں آگرہ میں مقیم رہے اور تقسیم ہند کے وقت ہجرت کے بعد حیدرآباد میں اپنی شناخت کے ساتھ نمایاں ہوا یہ تمام تسلسل صرف زبانی بیانیے پر مبنی نہیں بلکہ دونوں ممالک کے شہروں سے وابستگی رکھنے والے خاندان کئی نسلوں سے جاننے والے خاندان اور خود اس خاندان کے بزرگوں، کچھ پرانے نسخوں، درگاہی خطوط، سجادہ نشینوں کی شہادت، نایاب شجرہ نویسی، مدینۃ الاولیاء اوج شریف، تاریخِ اوار سادات، مرآتِ جلالی جیسے صوفی متون، مغل و صفوی تاریخ اوج شریف و سیرت سرخ پوش بخاری جیسے مصادر پر تحقیق کی بنیاد پر مدلل کیا گیا ہے کتاب میں بیان کردہ موضوعات جیسے طبی خدمات، صفوی باقیات اور ایرانی صوفی حلقوں سے فکری نسبت، چشتیہ و جلالیہ فیضان، فقہی توازن، اثنا عشری اصولی عرفان اور سادات کے درمیان وحدتِ فیضان نہ صرف علمی طور پر مضبوط ہیں بلکہ روحانی طور پر گہرے اثر رکھتے ہیں تحریر کسی ایک فقہی کتب یا کتب فکر کی نمائندگی نہیں کرتی بلکہ اس کا مقصد



ساداتِ نقوی البخاری کے اس تسلسل کو محفوظ کرنا ہے جس میں تشیع کی محبت، تصوف کی روحانیت، صوفی و شیعہ اخوت، درگاہی نظام کی گہرائی اور خدمتِ خلق کا وہ جذبہ شامل ہے جو کبھی مغل دربار، کبھی صفویوں کے مکتوبات اور کبھی درگاہ اُوج شریف کی خاموش گواہیوں میں دکھائی دیتا ہے؛ یہی وہ فکری و روحانی وحدت ہے جو اس کتاب کو فقہی اختلافات سے بالا رکھتے ہوئے وحدتِ نسب، وحدتِ فیضان اور وحدتِ مقصد کا علمبردار بناتی ہے اگر یہ کتاب کسی ایک قاری کو بھی اپنی نسبت کی طرف پلٹنے پر آمادہ کرے، کسی محقق کو درگاہی تاریخ پر تحقیق کا شوق دے یا کسی سادہ دل کو اہل بیت کی معرفت کے در تک پہنچا دے، تو یہی اس کا سب سے بڑا انعام ہوگا۔ یہ کتاب اُن نسلوں کے لیے خاص طور پر نسلِ سید نفیس علی کے لیے ایک چراغِ راہ ہے جنہوں نے اپنی دینی، نسبی اور روحانی جڑوں کو بھلا دیا، جو مہاجر نسلوں کی طرح نئی زمین پر نئے مقام کے طلبگار تھے، جن کی تاریخِ درباری کاغذوں، فقہی اختلافات اور سیاسی جبر کے بوجھ تلے دب چکی تھی اور جو یہ جانتے ہیں کہ اُن کے آباء کون تھے، اُن کی ولایت کی بنیاد کیا تھی، اُن کی خدمت، شہادت اور معرفت یہ کتاب نہ صرف اس سوال کا جواب دیتی ہے، بلکہ ایک خاموش مگر درخشندہ ساداتِ خانوادے کی تاریخ، فیضان، قربانی اور شناخت کو آئندہ نسلوں کے لیے محفوظ کرنے کی سعی مکمل ہے جو اُوج شریف سے چل کر فیروز آباد، آگرہ اور پھر ہجرت کے بعد حیدرآباد تک سفر کرتا ہے اور اپنے دامن میں اہل بیت سے نسبت، پیروی معصومین، صفوی اخلاص، مغل روایات اور صوفیانہ خاموشی کا نور لیے ہر اُس دل پر دستک دیتا ہے جو نسبت کی پہچان، علم کی تلاش اور روحانیت کی روشنی کا متلاشی ہے اس کتاب میں مستند روایات کے ساتھ متعدد اختلافی روایات بھی شامل کی گئی ہیں، تاکہ راویوں نے مصنفین کو جو کچھ لکھوایا یا سنایا، وہ سب محفوظ رہے چاہے ان میں آپس میں تضاد ہی کیوں نہ ہو تاکہ آج کی تاریخ اپنی اصل صورت میں زندہ رہ سکے، واضح رہے کہ یہ اختلافی روایات محض خاندانی راویوں کے بیانات کا مجموعہ ہیں، جبکہ ہماری تحقیق، مصادر اور شواہد کی روشنی میں خاندان کا نسب اور تاریخی تسلسل مکمل طور پر مستند اور تصدیق شدہ ہے جس میں کوئی ابہام نہیں ہے۔

مؤلف سید سلیم رضا بخاری (شجرہ نویسِ مدینۃ السادات، اُوج شریف)

## شجرہ نسب

حضرت آدم علیہ السلام ← شیت علیہ السلام ← انوش ← قینان ← مللائیل ← یرو ← اخنوخ (حضرت ادیس علیہ السلام) ← متوشلخ ← لاکم ← حضرت نوح علیہ السلام ← سام ← ارفکشد ← شالخ ← عابر ← فالج ← رعو ← سروج ← ناخو ← تاریخ (آزر) ← حضرت ابراہیم علیہ السلام ← حضرت اسمعیل علیہ السلام ← بشیری (لقب بیم - طبع) ← سمیر (لقب بشیمین - معظم فی الکُل) ← حمران (لقب اسمعیل ذو الالوج) ← الدریا (لقب حمران الطعان) ← صید (لقب اسمعیل ذو الطبع) ← عقبہ (لقب ابراہیم جاج اشمل) ← عشی (لقب عافی عقبہ ابن الجبن) ← ماضی (لقب الطرب عالم النار) ← ناخش (لقب علقم) ← جام (لقب علقم) ← طائخ (طاب) (لقب صیقان) ← یدلاف (تلاف) (لقب رائہ) ← بلداس (محمل) ← حرا (العوام) ← قیدار (دوباشہ جرمی) ← عزام (عزام) ← عوض (لقب شرمی) ← مرزی (برمن) ← کی (شیبی) (لقب مجھڑ) ← زارح (لقب قمر) ← ناحت ← مقصری (مقص) ← مقصری (لقب حسن - زل) ← ابہام (ایامی) (لقب دوس الفن - حمل الفلق) ← اقتاد (لقب لیامہ) ← عمیر (عامر) (لقب نیدوان ذوالا مدہ) ← دیشان (لقب ازد اریہ) ← عیشینی (لقب مافر) ← ارغہ (رومہ) (لقب عدون) ← شخن (لقب جنود) ← سنجون (تخرن) (لقب تصور) ← بشری (لقب بیم - طبع) ← ال ← عدنان ← معد ← نزار ← مضر ← الیاس ← مدرکہ ← خزیمہ ← کنانہ ← نضر ← مالک ← فر ← غالب ← لوی ← کعب ← مرہ ← کلاب ← قصی ← عبد مناف ← ہاشم ← (شبیہ) حضرت عبد المطلب علیہ السلام حوالہ جات: حضرت آدم علیہ السلام تا حضرت اسماعیل علیہ السلام: القرآن الکریم، تفسیر ابن کثیر (قصص الانبیاء)، تاریخ الرسل والملوک از امام طبری، البدایہ والنہایہ از ابن کثیر، قصص الانبیاء از ابن کثیر۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام تا عدنان روایتی نسب بتاریخ الرسل والملوک از امام طبری، جمہرۃ انساب العرب از ابن حزم اندلسی، انساب العرب از ابن الکلبی، الاکلیل از ابو محمد السمدانی، صفحہ جزیرۃ العرب از السمدانی، المعارف از ابن قتیبہ دینوری، الاشتقاق از ابن درید۔ عدنان تا حضرت عبد المطلب علیہ السلام: السیرۃ النبویہ از ابن ہشام، السیرۃ النبویہ از ابن اسحاق (برولیت ابن ہشام)، البدایہ والنہایہ از ابن کثیر، انساب الاشراف از البلاذری، الطبقات الکبریٰ از ابن سعد، الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب از ابن عبد البر، اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ از ابن الاثیر، صحیح البخاری (کتاب المناقب)، صحیح مسلم (فضائل النبی ﷺ)۔

حضرت سید عبد المطلب علیہ السلام شیبہ، سید البطحاء، شیخ الحرم، ساقی الحاج، مطعم الحاج، مالک زمزم، حافر زمزم، رئیس قریش، امیر مکہ، کافل الیتیم، وارث سنتِ ابراہیمی، موحد، حنیف علی ملتِ ابراہیم

اصل نام: شیبہ

مشہور نام: عبد المطلب

کنیت: ابو الحارث

القابات:

حضرت سید عبد المطلب علیہ السلام سید قریش، شیخ البطحاء، ساقی الحاج، رافد الحاج، متولّد کعبہ اور حامی حرم تھے اور یہ تمام القابات آپ کی دینی عظمت، سماجی قیادت اور خانہ کعبہ و حجاج کرام کی بے لوث خدمت کی روشن دلیل ہیں۔

پیدائش

پیدائش: یثرب (مدینہ منورہ)

سنہ پیدائش: عامِ فیل سے تقریباً پچاس سال قبل

یعنی چھٹی صدی عیسوی کے اوائل میں

آپ کی پیشانی پر پیدائش کے وقت سفیدی تھی، اسی وجہ سے آپ کا نام شیبہ رکھا گیا۔

اصل علاقہ اور مکہ آمد

حضرت عبد المطلب علیہ السلام کی ابتدائی پرورش یثرب میں ہوئی، جہاں آپ کے نانا عمرو بن زید (بنو نجار) رہتے تھے۔ بعد ازاں آپ کے چچا مطلب بن عبد مناف آپ کو یثرب سے مکہ لے آئے۔ مکہ میں لوگوں نے یہ سمجھا کہ یہ مطلب کا غلام ہے، اسی غلط فہمی سے آپ کو عبد المطلب کہا جانے لگا اور یہی نام تاریخ میں مشہور ہو گیا۔

والدین

والد: حضرت ہاشم بن عبد مناف علیہ السلام بانی سقلیت و رفات، مکہ کے عظیم سردار

والدہ: سلمیٰ بنت عمرو قبیلہ بنو نجار، یثرب کی معزز خاتون

بہن بھائی

تاریخی روایات کے مطابق حضرت عبد المطلب علیہ السلام واحد فرزند تھے، یعنی آپ کے سکے بھائی یا بہن ثابت نہیں۔

اولاد (بیٹے)

حضرت عبد المطلب علیہ السلام کے بیٹے یہ تھے:

حضرت الحارث رضی اللہ عنہ، حضرت زبیر رضی اللہ عنہ، حضرت ابو طالب علیہ السلام (والدِ مولا علی علیہ السلام)، حضرت عبد اللہ علیہ السلام (والدِ رسول اکرم ﷺ)، حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ (سید الشہداء)، حضرت عباس رضی اللہ عنہ، ابو لب (رسول اکرم ﷺ کا کھلا دشمن)، حضرت ضرار رضی اللہ عنہ، حضرت مقوم رضی اللہ عنہ اور حضرت مجل رضی اللہ عنہ؛ جن میں سب سے افضل و معروف حضرت عبد اللہ علیہ السلام تھے جو والدِ رسول اکرم ﷺ ہیں۔

حضرت ابو طالب علیہ السلام، حضرت عبد اللہ علیہ السلام سے بڑے تھے۔

وضاحت یہ ہے کہ حضرت عبد اللہ علیہ السلام حضرت عبد المطلب علیہ السلام کے سب سے چھوٹے بیٹوں میں شمار ہوتے تھے، جبکہ حضرت ابو طالب علیہ السلام عمر میں ان سے بڑے تھے، اسی لیے حضرت عبد المطلب علیہ السلام کی وفات کے بعد رسول اکرم ﷺ کی کفالت حضرت ابو طالب علیہ السلام کے سپرد کی گئی۔

بیٹیاں

روایات کے مطابق آپ کی بیٹیاں یہ تھیں:

صفیہ رضی اللہ عنہا، عاتکہ رضی اللہ عنہا، برہ رضی اللہ عنہا، امیمہ رضی اللہ عنہا اور اروی رضی اللہ عنہا۔

عقیدہ اور دین

حضرت عبد المطلب علیہ السلام موحّد تھے آپ دینِ ابراہیمی پر قائم تھے، بت پرستی سے سخت نفرت کرتے تھے، شراب، زنا اور ظلم کو حرام سمجھتے تھے اور اللہ واحد پر کامل ایمان رکھتے تھے۔

اہم تاریخی واقعات

- زمزم کی دوبارہ دریافت
- اصحابِ فیل کے موقع پر ابرہہ کے سامنے کعبہ کا دفاع

- حضرت عبد اللہ علیہ السلام کی نذر اور فدیہ
- رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کفالت

وفات

وفات: مکہ مکرمہ

عمر: تقریباً اسی برس

وفات کا زمانہ: رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر آٹھ برس کے قریب

مدفن

جنت المعلیٰ، مکہ مکرمہ

حضرت عبد المطلب علیہ السلام، جن کا اصل نام شیبہ تھا، حضرت ہاشم بن عبد مناف علیہ السلام کے فرزند اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دادا تھے۔ آپ قریش کے معزز سردار، خانہ کعبہ کے متولی، حاجیوں کو پانی پلانے (سقايت) اور مہمان نوازی (رفادت) کی عظیم ذمہ داریوں کے حامل تھے۔ آپ کی حکمت، سچائی اور توحید پر یقین کے باعث عرب میں عزت و وقار کے ساتھ جانے جاتے تھے۔ زمزم کے چشمے کی دوبارہ دریافت آپ ہی کے ذریعے ہوئی، جو ایک تاریخی اور روحانی اہمیت کا حامل واقعہ ہے۔ حضرت عبد المطلب علیہ السلام کے بیٹوں میں سب سے معروف حضرت عبد اللہ علیہ السلام تھے، جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والد ماجد تھے اور جنہوں نے جوانی ہی میں وفات پائی۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی والدہ مکرمہ حضرت آمنہ بنت وہب سلام اللہ علیہا نہایت باعزت، نیک سیرت اور شریف قبیلے سے تعلق رکھنے والی خاتون تھیں، جن کا وصال نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت کے چند سال بعد ہوا۔ آپ کی دادی مکرمہ حضرت فاطمہ بنت عمرو سلام اللہ علیہا تھیں، جو قبیلہ مخزوم سے تعلق رکھتی تھیں اور نجیب الطبع و باوقار خاتون تھیں۔ یوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نسب دونوں طرف سے قریش کے ممتاز اور شریف خاندانوں سے جڑتا ہے اور یہ سلسلہ حضرت اسماعیل بن ابراہیم علیہم السلام تک پہنچتا ہے۔

حضرت سید عبد المطلب علیہ السلام کی شخصیت صرف ایک قبائلی سردار تک محدود نہ تھی بلکہ آپ مکہ مکرمہ میں توحید، اخلاق اور سماجی عدل کی علامت سمجھے جاتے تھے۔ دور جاہلیت میں جبکہ بت پرستی عام تھی، آپ شرک سے نفرت رکھتے تھے اور اللہ واحد پر کامل یقین رکھتے تھے۔ آپ نہ کبھی بتوں کے سامنے جھکے اور نہ ان کے نام پر قربانی دی۔ اسی بنا پر اہل مکہ آپ کو بقیۃ ابراہیم کی رولیت کا امین سمجھتے تھے، کیونکہ آپ کے افکار اور اعمال حضرت ابراہیم و حضرت اسماعیل علیہم السلام کے طریقے سے ہم آہنگ تھے۔

حضرت عبد المطلب علیہ السلام کی زندگی میں زمزم کی دوبارہ دریافت ایک غیر معمولی واقعہ ہے۔ خواب کے ذریعے آپ کو زمزم کے مقام کی نشان دہی ہوئی، مگر جب آپ نے تنہا اس چشمے کی کھدائی شروع کی تو قریش، بالخصوص بنو امیہ اور ان کے حلیف قبائل نے آپ کی شدید مخالفت کی۔ آپ کو تنہا، کمزور اور بے یار و مددگار سمجھ کر طنز، دھمکیوں اور رکاوٹوں کا سامنا کرنا پڑا، لیکن آپ اپنے عزم میں ثابت قدم رہے۔ بالآخر جب زمزم ظاہر ہوا تو وہی مخالفین اس حق کو ماننے پر مجبور ہو گئے اور یہ واقعہ بنو ہاشم کی فضیلت اور عبد المطلب علیہ السلام کی صداقت کی روشن دلیل بن گیا۔

بنو ہاشم اور بنو امیہ کے درمیان کشمکش محض قبائلی نہیں بلکہ نظریاتی بھی تھی۔ بنو امیہ دنیاوی اقتدار، مال و جاہ اور سیاسی چالاکي کے خواہاں تھے، جبکہ بنو ہاشم خدمتِ خلق، دیانت اور روحانی قیادت کے علمبردار تھے۔ حضرت عبد المطلب علیہ السلام کی مقبولیت، وقار اور اخلاقی برتری بنو امیہ کے لیے مستقل حسد اور اضطراب کا سبب بنی۔ یہی حسد بعد میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کے بعد کھلی دشمنی میں تبدیل ہوا۔

حضرت عبد المطلب علیہ السلام کی سیرت میں نذر، وفا اور عہد کی پاسداری نمایاں مقام رکھتی ہے۔ آپ نے اللہ سے نذر مانی تھی کہ اگر آپ کو دس بیٹے عطا ہوں گے تو ان میں سے ایک کو راہِ خدا میں قربان کریں گے۔ قرعہ اندازی حضرت عبد اللہ علیہ السلام کے نام نکلی، مگر اللہ تعالیٰ نے سو اونٹوں کے فدیے کے ذریعے اس قربانی کو روک دیا۔ یہ واقعہ نہ صرف قربانی اور اطاعتِ الہی کی مثال ہے بلکہ اس میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والد ماجد کی حفاظت کے ذریعے نبوی مشن کی الہی نگرانی بھی ظاہر ہوتی ہے۔

حضرت عبد المطلب علیہ السلام نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت کے بعد آپ کی خصوصی کفالت فرمائی۔ آپ پوتے کو غیر معمولی محبت دیتے، کعبہ کے پاس اپنی مخصوص مسند پر بٹھاتے اور فرماتے کہ میرا یہ بیٹا ایک عظیم شان کا حامل ہے۔ آپ کی وفات کے وقت بھی آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حضرت ابو طالب علیہ السلام کے سپرد کیا، جو بعد میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سب سے بڑے محافظ بنے۔

حضرت عبد المطلب علیہ السلام کی وفات کے بعد بنو امیہ کا رویہ بنو ہاشم کے ساتھ مزید سخت ہوتا چلا گیا۔ یہی طبقہ بعد میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت کا سب سے بڑا دشمن بنا اور یہی دشمنی آگے چل کر اہل بیت علیہم السلام کے خلاف ظلم، جبر اور اقتدار کی ہوس میں تبدیل ہوئی۔ اس پس منظر کو سمجھے بغیر نہ سیرت نبوی کو مکمل طور پر سمجھا جاسکتا ہے اور نہ تاریخ اسلام کے بعد کے المیوں کی جڑ تک پہنچا جاسکتا ہے۔

## حضرت سید عبد اللہ علیہ السلام

والدِ رسولِ خدا ﷺ، موحد علی ملتِ ابراہیم

حضرت سید عبد اللہ علیہ السلام کا مکمل نام عبد اللہ بن عبد المطلب بن ہاشم بن عبد مناف بن قصی بن کلاب ہے۔ آپ کا نسب نہایت معزز اور بلند پایہ ہے جو سلسلہ وار حضرت اسماعیل بن حضرت ابراہیم علیہما السلام تک پہنچتا ہے۔ اسی پاکیزہ اور منتخب خاندان کو بعد میں اللہ تعالیٰ نے خاتم النبیین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کے لیے منتخب فرمایا۔

## والدین

آپ کے والد ماجد حضرت عبد المطلب بن ہاشم علیہ السلام مکہ معظمہ کے رئیس، قریش کے سردار، حاجیوں کو پانی پلانے اور کھانا کھلانے کی عظیم خدمت انجام دینے والے، صاحبِ وقار اور موحد شخصیت تھے۔ آپ کی والدہ محترمہ حضرت فاطمہ بنت عمرو علیہا السلام قبیلہ بنی مخزوم سے تعلق رکھتی تھیں اور اپنے زمانے کی نہایت باوقار، عاقل اور شریف خاتون شمار ہوتی تھیں۔

## تاریخ ولادت

مؤرخین کے مطابق حضرت سید عبد اللہ علیہ السلام کی ولادت عامِ فیل سے چند سال قبل مکہ مکرمہ میں ہوئی۔ آپ بچپن ہی سے حسنِ اخلاق، متانت، شرافت اور پاکیزگی میں ممتاز تھے۔

## القابات و اوصاف

سیرت و تاریخ کی کتب میں آپ کے لیے متعدد اوصاف و القابات بیان کیے گئے ہیں، جن میں نمایاں یہ ہیں:

صاحبِ نور، طاہر و مطہر، افضلُ اولادِ عبد المطلب، حاملِ نورِ نبوت، امین و صادق اور موحدِ کامل۔

اہلِ مکہ اس بات پر متفق تھے کہ حضرت عبد اللہ علیہ السلام اپنے وقت کے حسین ترین، باوقار ترین اور بااخلاق نوجوانوں میں شمار ہوتے تھے۔

## ازواج

آپ کی واحد زوجہ محترمہ حضرت آمنہ بنت وہب سلامُ اللہ علیہا تھیں، جو نسب، حسب، عقل اور طہارت میں قریش کی منتخب ترین خواتین میں شمار ہوتی تھیں۔ یہ نکاح قریش کے معززین کی موجودگی میں انجام پایا۔

## اولاد

حضرت سید عبد اللہ علیہ السلام کی اولاد میں صرف ایک فرزند ہوئے:

حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

آپ اپنے فرزند کی ولادت سے قبل ہی وصال فرما گئے۔

## اہم واقعہ: نذر اور فدیہ

حضرت عبد المطلب علیہ السلام نے نذر مانی تھی کہ اگر ان کے دس بیٹے ہوئے تو وہ ایک کو اللہ کی راہ میں قربان کریں گے۔ قرعہ اندازی کے ذریعے حضرت عبد اللہ علیہ السلام کا نام نکلا، مگر بعد ازاں اللہ تعالیٰ کے حکم سے اونٹوں کو فدیہ بنا کر حضرت عبد اللہ علیہ السلام کی جان بچائی گئی۔ یہ واقعہ تاریخ میں فدیہ عبد اللہ کے نام سے معروف ہے۔

## تجارت اور سفر

نکاح کے کچھ ہی عرصہ بعد حضرت عبد اللہ علیہ السلام ایک تجارتی قافلے کے ساتھ شام کے سفر پر روانہ ہوئے۔ واپسی کے دوران مدینہ منورہ میں بیمار ہو گئے اور وہیں قیام پزیر رہے۔

## تاریخ وفات اور مدفن

حضرت عبد المطلب علیہ السلام نے اپنے سب سے بڑے بیٹے حارث کو مدینہ منورہ بھیجا، مگر ان کے پہنچنے سے قبل ہی حضرت عبد اللہ علیہ السلام کا وصال ہو چکا تھا۔ اس وقت آپ کی عمر تقریباً پچیس برس تھی۔

آپ کو مدینہ منورہ کے محلہ بنی النجار میں دفن کیا گیا، جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نہال بنا۔

## ترکہ

وصال کے وقت حضرت عبد اللہ علیہ السلام نے چند اونٹ، چند بکریاں اور ایک باندی ترکہ میں چھوڑیں۔ یہی باندی بعد میں ام ایمن رضی اللہ عنہا کے نام سے معروف ہوئیں اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں رہیں۔

## شان و مقام

روایات کے مطابق حضرت عبد المطلب علیہ السلام نے اپنے فرزند کے وصال پر گہرے رنج و غم کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا کہ میرے بیٹوں میں عبد اللہ سب سے زیادہ صاحبِ نور اور معزز تھے۔ مورخین نے لکھا ہے کہ حضرت عبد اللہ علیہ السلام کی پیشانی میں وہ نور نبوت جلوہ گر تھا جو بعد میں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ اقدس میں ظاہر ہوا۔ حضرت عبد اللہ علیہ السلام شرک، بت پرستی اور جاہلی رسوم سے مکمل بیزار تھے اور دینِ ابراہیمی پر قائم تھے یہ بات اکثر سیرت کی معتبر کتب میں صراحتاً ملتی ہے۔

اگرچہ حضرت سید عبد اللہ علیہ السلام کی حیات ظاہری مختصر رہی، مگر ان کا کردار، توحید پر کامل ایمان اور رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والدِ ماجد ہونے کا شرف انھیں تاریخِ اسلام میں ہمیشہ کے لیے عظمت و امتیاز کا نشان بنا گیا۔

حضرت بی بی پاک آمنہ بنت وہب سلام اللہ علیہا کی بارگاہِ اقدس میں سلام و عقیدت پیش کرتے ہوئے دل محبت، تعظیم، ادب اور احترام سے سرشار ہو جاتا ہے کہ آپ وہ مقدس اور برگزیدہ ہستی ہیں جنھیں اللہ تعالیٰ نے سید المرسلین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادتِ مبارکہ کے لیے منتخب فرمایا۔

## حضرت بی بی پاک آمنہ بنت وہب سلام اللہ علیہا

والدہ رسول خدا ﷺ، سیدہ قریش

حضرت آمنہ بنت وہب سلام اللہ علیہا، سید المرسلین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی والدہ ماجدہ اور قریش کی نہایت معزز، پاکیزہ اور منتخب خاتون تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس عظیم سعادت کے لیے چنا کہ آپ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادتِ مبارکہ کا وسیلہ بنیں اور یوں آپ کو تاریخِ انسانیت میں ایک منفرد اور ابدی مقام عطا فرمایا۔

## نام و نسب

آپ کا مبارک نام آمنہ بنت وہب بن عبد مناف بن زہرہ بن کلاب ہے۔ اس طرح آپ کا نسب قبیلہ بنی زہرہ سے جا ملتا ہے، جو قریش کے معزز، شریف اور باوقار قبائل میں شمار ہوتا تھا۔ نسب، حسب اور خاندانی شرافت کے اعتبار سے حضرت آمنہ سلام اللہ علیہا مکرمہ کی ممتاز ترین خواتین میں سے تھیں۔

## والدین

آپ کے والد حضرت وہب بن عبد مناف اپنے زمانے میں بنی زہرہ کے سردار، صاحبِ رائے، صاحبِ وقار اور شریف النفس انسان تھے۔ آپ کی والدہ حضرت بڑہ بنت عبد العزیٰ نہایت عاقل، بااخلاق اور نیک سیرت خاتون تھیں۔ اس طرح حضرت آمنہ سلام اللہ علیہا کو شرافت، دانائی اور طہارت ایک پاکیزہ خاندان سے وراثت میں ملی۔

## ولادت اور پرورش

حضرت آمنہ سلام اللہ علیہا کی ولادت مکہ مکرمہ میں ہوئی۔ آپ نے ایک ایسے ماحول میں آنکھ کھولی جہاں اگرچہ جاہلیت کا دور دورہ تھا، مگر آپ کی فطرت شروع ہی سے پاکیزگی، حیا، وقار اور سچائی سے آراستہ تھی۔ اہل مکہ آپ کو نجابت، حسنِ اخلاق اور متانت کی علامت سمجھتے تھے۔

## نکاح

حضرت آمنہ سلام اللہ علیہا کا نکاح حضرت سید عبد اللہ بن عبد المطلب علیہ السلام سے ہوا۔ یہ نکاح قریش کے معزین کی موجودگی میں انجام پایا اور اسے مکہ کے باوقار ترین نکاحوں میں شمار کیا جاتا ہے۔ دونوں ہستیاں شرافت، حسن سیرت اور پاکیزگی میں ایک دوسرے کی ہم پلہ تھیں۔

## ازدواجی زندگی

ازدواجی زندگی نہایت مختصر رہی، مگر محبت، سکون اور وقار سے بھرپور تھی۔ حضرت سید عبد اللہ علیہ السلام کے وصال کے بعد حضرت آمنہ سلام اللہ علیہا نے صبر، حوصلے اور وقار کے ساتھ اپنی زندگی گزاری اور اللہ تعالیٰ کے فیصلے پر کامل رضا کا مظاہرہ فرمایا۔

## حمل مبارک اور بشارات

حضرت آمنہ سلام اللہ علیہا کو حمل کے دوران غیر معمولی سکون، اطمینان اور روحانی کیفیات نصیب ہوئیں۔ روایات میں آتا ہے کہ آپ کو اس دوران بشارت دی گئی کہ آپ اس ہستی کو جنم دیں گی جو تمام جہانوں کے لیے رحمت ہوگی۔ یہ حمل نہایت آسان اور مشقت سے پاک تھا، جو اللہ تعالیٰ کی خاص عنایت کی دلیل ہے۔

## ولادتِ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

حضرت آمنہ سلام اللہ علیہا مبارک سے عام فیل میں سید المرسلین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت ہوئی۔ اس عظیم لمحے کے ساتھ ہی تاریخِ انسانیت کا ایک نیا باب روشن ہوا اور دنیا کو ہدایت کا دائمی چراغ نصیب ہوا۔

## تربیتِ رسول

ابتدائی زمانے میں حضرت آمنہ سلام اللہ علیہا نے خود اپنے نختِ جگر کی پرورش فرمائی۔ بعد ازاں عرب کی روایت کے مطابق آپ نے اپنے فرزند کو رضاعت کے لیے قبیلہ بنی سعد میں حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کے سپرد فرمایا، مگر قلبی تعلق، شفقت اور ماں کی محبت ہمیشہ غالب رہی۔ تشیع کی روایات کے مطابق رسول خدا ﷺ کی تربیت ابتدا ہی سے اللہ تعالیٰ کی خصوصی حفاظت اور پاکیزہ خاندانوں کے نورانی ماحول میں ہوئی۔ حضرت آمنہ سلام اللہ علیہا کی گود کو نبی ﷺ کی اخلاقی و روحانی پرورش کا اصل مرکز سمجھا جاتا ہے، جہاں ماں کی طہارت، ایمان اور فطری حکمت نے آپ کی شخصیت پر گہرا اثر ڈالا۔ قبیلہ بنی سعد میں رضاعت کا مرحلہ عرب معاشرتی روایت کے مطابق تسلیم کیا جاتا ہے، تاہم تشیع کے نزدیک اس کا تعلق زیادہ تر جسمانی صحت، فصاحتِ زبان اور دہی ماحول سے تھا، جبکہ اصل روحانی تربیت، قلبی وابستگی اور معنوی نشو و نما مسلسل والدہ محترمہ اور الٰہی نگرانی کے زیر سایہ برقرار رہی۔ اسی بنا پر تشیع کے مطابق رسول اکرم ﷺ بچپن ہی سے عصمت، رحمت اور کمالِ انسانیت کے کامل مظہر تھے۔

## مدینہ کا سفر

حضرت آمنہ سلام اللہ علیہا اپنے فرزند حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ساتھ لے کر مدینہ منورہ تشریف لے گئیں تاکہ اپنے شوہر کے مزار کی زیارت کریں اور نہال بنی النجار سے ملاقات ہو۔ یہ سفر محبت، یاد اور وفا کی ایک خاموش داستان تھا۔

## وصال

مدینہ منورہ سے واپسی پر مقام ابواء میں حضرت آمنہ سلام اللہ علیہا کا وصال ہوا۔ اس وقت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کس تھے۔ یوں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ماں کی شفقت سے بھی محرومی کا صدمہ برداشت کرنا پڑا، مگر یہ سب اللہ تعالیٰ کی عظیم حکمت کا حصہ تھا۔

## شان و مقام

حضرت آمنہ بنتِ وہب سلام اللہ علیہا وہ مقدس ہستی ہیں جن کی گود میں رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آنکھ کھولی۔ آپ کی ذات ایمان، صبر، وقار، طہارت اور انتخابِ الٰہی کی روشن مثال ہے۔ اہل سیر کے نزدیک آپ ان خوش نصیب خواتین میں سے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے تاریخِ انسانیت کے عظیم ترین منصب کے لیے منتخب فرمایا۔

حضرت آمنہ بنتِ وہب سلام اللہ علیہا کی بارگاہِ اقدس میں سلام، عقیدت، محبت، ادب اور احترام پیش کرنا ہر صاحبِ ایمان کے دل کی فطری آواز ہے۔

contentReference[oaicite:0]{index=0}:

## خاتم النبیین حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ

احمد مجتبیٰ، محمود اکبر، رحمۃ للعالمین، سید المرسلین، سید الانبیاء، امام الانبیاء، افضل المخلوق، خیر البشر، اشرف المخلوقات، حبیب خدا، محبوب کبریا، محبوب سبحانی، رسول اللہ، نبی اللہ، نبی آخر الزمان، رسول ہدایت، داعی توحید، مبلغ قرآن، صاحب خلق عظیم، صادق، امین، امین اللہ، نور الہدیٰ، نور مجسم، سراج منیر، شمس النضیٰ، بدر الدجی، بشیر، نذیر، شاہد، داعی، مکی، عبد اللہ، عبد ربہ، محمد، احمد، محمود، قاسم، ابو القاسم، طہ، یس، مزمل، مدثر، رحمۃ کاملہ، نعمت عظمیٰ، نبی الرحمہ، نبی التوبہ، شافع محشر، شفیع المذنبین، صاحب مقام محمود، صاحب لواء الحمد، صاحب حوض کوثر، امام المستقین، قائد الغر المحجلین، تاجدار مدینہ، سردار مکہ، مقبول بارگاہ الہی، محبوب اہل سما وارض، قائد لولاک، سبب تخلیق کائنات، واسطۃ فیض الہی، وجہ قرب خداوندی، الماحی، المحاشر، العاقب، الملقی

حضرت خاتم الانبیاء، سید المرسلین، شفیع المذنبین، رحمۃ للعالمین، محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کے سب سے محبوب اور مکرم ترین بندے اور رسول ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے کائنات کو تخلیق کیا گیا اور جن کی نسبت سے ہر نعمت، ہدایت اور رحمت بنی نوع انسان کو عطا ہوئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات مبارکہ سراپا نور، مجسم اخلاق، کامل توحید اور خالق کائنات کی عہدیت کا اعلیٰ ترین نمونہ ہے۔ آپ کی محبت ہر مومن کے دل کی جان ہے اور آپ کا ادب و احترام و محبت ایمان کی بنیاد ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت باسعادت ربیع الاول عام الفیل کو مکہ مکرمہ میں اُس وقت ہوئی جب دنیا گمراہی، ظلمت اور جہالت میں ڈوبی ہوئی تھی۔ والد گرامی حضرت عبد اللہ علیہ السلام اور والدہ مکرمہ حضرت آمنہ بنت وہب سلام اللہ علیہا کا سایہ بچپن ہی میں اٹھ گیا، مگر اللہ تعالیٰ نے خود آپ کی پرورش کا اہتمام فرمایا۔ بچپن سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت بے مثل اور سراسر صدق و امانت سے بھرپور رہی، یہاں تک کہ مکہ کے لوگ آپ کو الصادق اور الامین کے القاب سے یاد کرنے لگے۔

چالیس برس کی عمر میں غار حرا میں پہلی وحی نازل ہوئی اور آپ کو نبوت عطا ہوئی۔ آپ نے 23 سال تک مسلسل سختیوں، طعنوں، ہجرتوں اور دشمنی کے باوجود صبر، حلم اور کامل حسن خلق کے ساتھ اللہ کی توحید، عدل، محبت اور انسانیت کا پیغام پہنچایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امت کو ایمان کی روشنی دی، غلاموں کو آزادی، یتیموں کو سہارے، عورتوں کو عزت اور انسانوں کو انسانیت کا شعور عطا فرمایا۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دل ہمیشہ امت کی خیر خواہی، دعا اور مغفرت میں مشغول رہا۔ آپ کی محبت کو ایمان کی شرط قرار دیا گیا ہے اور قرآن نے آپ کی اطاعت کو اللہ کی اطاعت کے برابر ٹھہرایا۔ آپ کی ایک نظر کرم سے جہالت کے صحرا گلزار بن گئے اور ظلمت کے اندھیرے نور میں بدل گئے۔ وصال 12 ربیع الاول 11 ہجری کو مدینہ منورہ میں ہوا اور آپ کا روضہ اطہر مسجد نبوی امت کا مرکز عشق و عقیدت ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آخری نبی ہیں، بادی، محسن، معلم، شافع اور قیامت کے دن عرش کے سائے تلے امت کے سفارشی ہوں گے۔ آپ سے محبت، ادب اور اطاعت ہی دنیا و آخرت کی کامیابی کی کنجی ہے اور جو آپ پر درود نہیں بھیجتا، وہ بخاری شریف کی روایت کے مطابق محروم ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کامل محبت، ادب اور اتباع نصیب فرمائے۔

## نبی کریم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی زندگی کفالت و قیام کے ادوار (پیدائش تا وصال)

### پیدائش تا 6 سال (حضرت آمنہ سلام اللہ علیہا کے زیر سایہ)

حضور اکرم ﷺ کی ولادت ربیع الاول عام الفیل میں مکہ مکرمہ میں ہوئی۔ پیدائش سے قبل والد محترم حضرت عبد اللہ علیہ السلام کا وصال ہو چکا تھا۔ اہل سنت کی روایت کے مطابق ابتدائی چار سال بنو سعد میں دایہ حلیمہ سعیدہ سلام اللہ علیہا کے ہاں گزرے۔ اس کے بعد آپ ﷺ والدہ محترمہ حضرت آمنہ سلام اللہ علیہا کے پاس واپس آئے اور چھ برس کی عمر تک ان کے زیر سایہ پرورش پائی۔ اسی عمر میں حضرت آمنہ سلام اللہ علیہا کا الواء کے مقام پر وصال ہو گیا۔

### تا 8 سال (دادا حضرت عبد المطلب علیہ السلام کے زیر سایہ)

والدہ کے انتقال کے بعد دادا حضرت عبد المطلب علیہ السلام نے آپ ﷺ کی کفالت سنبھالی۔ آپ ﷺ سے بے پناہ محبت کرتے تھے۔ دو سال بعد جب آپ ﷺ آٹھ سال کے ہوئے تو حضرت عبد المطلب علیہ السلام کا بھی وصال ہو گیا۔

### 8 تا تقریباً 50 سال (چچا حضرت ابو طالب علیہ السلام کے زیر سایہ و گھر میں قیام)

حضرت عبد المطلب علیہ السلام کی وصیت پر آپ ﷺ کی کفالت آپ کے چچا حضرت ابو طالب علیہ السلام نے سنبھالی۔ چالیس سال تک، یعنی اعلان نبوت سے قبل تک، آپ ﷺ انہی کے زیر سایہ ان کے گھر میں مقیم رہے۔ چچا نے ہمیشہ آپ ﷺ سے والہانہ محبت کی اور ہر مرحلے پر آپ کا ساتھ دیا، حتیٰ کہ سخت ترین معاشرتی بائیکاٹ میں بھی۔



## (ازدواجی زندگی حضرت خدیجہ سلام اللہ علیہا کے ساتھ)

25 برس کی عمر میں آپ ﷺ کا نکاح حضرت خدیجہ بنت خویلد سلام اللہ علیہا سے ہوا۔ آپ ﷺ ان کے ساتھ ان کے گھر میں رہے۔ یہ زمانہ آپ ﷺ کی اولین ازدواجی اور نبوی زندگی کا پرسکون دور تھا۔ حضرت خدیجہ سلام اللہ علیہا نے آپ ﷺ پر ایمان لانے والوں میں سب سے پہلا مقام پایا اور ہر قدم پر آپ کی پشت پناہی کی۔

## 50 تا 53 سال (شعب ابی طالب و ہجرت سے قبل)

حضرت خدیجہ سلام اللہ علیہا اور حضرت ابو طالب علیہ السلام کے وصال کے بعد آپ ﷺ کو شدید تکالیف اور مکی مشرکین کی دشمنی کا سامنا ہوا۔ ان دنوں آپ ﷺ کبھی اپنے گھر، کبھی شعب ابی طالب اور کبھی مختلف رشتہ داروں کے پاس قیام فرماتے۔ بالآخر اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہجرت مدینہ کا فیصلہ فرمایا۔

## 53 تا 63 سال (مدینہ منورہ اپنا گھر، مسجد نبوی کے قریب)

ہجرت کے بعد آپ ﷺ نے مدینہ منورہ میں ایک مستقل گھر تعمیر فرمایا جو مسجد نبوی کے ساتھ متصل تھا۔ باقی دس سال آپ ﷺ اسی مقدس گھر میں رہے۔ یہیں سے اسلام کو ریاستی نظام ملا، وحی نازل ہوئی، معرکہ بدر، احد، خندق اور فتح مکہ سمیت دیگر اہم تاریخی واقعات پیش آئے۔ 63 سال کی عمر میں 12 ربیع الاول 11 ہجری کو مدینہ ہی میں آپ ﷺ کا وصال ہوا۔

## خلاصہ

پیدائش: ربیع الاول، عام الفیل، مکہ مکرمہ، وصال: 12 ربیع الاول، 11 ہجری، مدینہ منورہ، کل عمر مبارک: 63 سال، کفالت کے مراحل: والدہ پیدائش تا 6 سال، دادا تا 8 سال، چچا تا 8 سال، اعلان نبوت و اس کے بعد، پھر خود مختار گھر مدینہ میں 53 تا 63 سال۔

اللہ تعالیٰ ہمیں آپ ﷺ کی محبت، ادب اور اتباع نصیب فرمائے آمین۔

## مصادر

- البدایہ والنہایہ (ابن کثیر)
- سیرت ابن ہشام
- طبقات ابن سعد
- الشفاء (قاضی عیاض)
- سہیلہ بحوالہ صحیح احادیث
- بخاری و مسلم کی صحیح روایات
- بے شک یہ تمام ہستیاں اللہ کے رسول حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے لیے نہایت عزیز تھیں اور اللہ کے رسول ﷺ ان کے لیے سراپا رحمت و محبت تھے، مگر یہ بھی اہل حقیقت ہے کہ خاتم النبیین حضرت محمد ﷺ پر سوائے اللہ وحدہ لا شریک کے کسی مخلوق کا کوئی احسان نہیں۔ آپ ﷺ اللہ کے بندے، برگزیدہ رسول اور آخری نبی ہیں۔

## حضرت بی بی فاطمہ الزہراء سیدۃ النساء العالمین سلام اللہ علیہا

بنت رسول خدا ﷺ، سیدۃ النساء اہل جنت، ام ابیہا، صدیقہ، صدیقہ کبریٰ، طاہرہ، مطہرہ، بتول، زکیہ، راضیہ، مرضیہ، محترہ، معصومہ، مظلومہ، مغضوبہ الحسن، شہیدہ، کوثر نبوی، نور عین مصطفیٰ ﷺ، قرۃ عین رسول ﷺ، زوجہ امیر المومنین علیؑ، مادرِ تحسینؑ، مادرِ ائمہ اطہارؑ، حجت اللہ علی الحج، سر اللہ، اسم اللہ الاعظم، سبب بقاء نبوت، باب ولایت

حضرت بی بی فاطمہ الزہراء سلام اللہ علیہا، رسول اکرم ﷺ کی وہ واحد صاحبزادی ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے نبوت، امامت اور ولایت کے تسلسل کا مرکز بنایا۔ آپ سیدۃ النساء العالمین، خاتون جنت، سیدہ صدیقہ، طاہرہ، زکیہ، مرضیہ، رضیہ جیسے عظیم القاب سے یاد کی جاتی ہیں۔ آپ نہ صرف نواسہ رسول ﷺ کے سروں کا تاج ہیں بلکہ خود تکرار رسول ہیں، جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ فاطمہ میرے جگر کا ٹکڑا ہے، جس نے اسے اذیت دی اس نے مجھے اذیت دی۔ یہ مقام کسی اور کو حاصل نہیں ہوا۔

آپ کی ولادت کے ساتھ ہی رسالت کو وہ تسلسل ملا جس نے قیامت تک حق و باطل میں فرق کو زندہ رکھا۔ بچپن ہی سے آپ نے شعب ابی طالب کی سختیاں دیکھیں، والد گرامی ﷺ پر دھائے گئے مظالم اپنی آنکھوں سے دیکھے اور کم عمری میں ہی صبر، حوصلہ اور غیرت دینی کا وہ معیار قائم کیا جو تاریخ میں بے مثال ہے۔ آپ کی پوری زندگی زہد، عبادت، عفت، علم اور خدمت خلق کا عملی نمونہ رہی۔ گھر کی چلی پیسنا، بچوں کی پرورش، شوہرِ نادر امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کا ساتھ دینا اور اس کے ساتھ ساتھ امت کی فکری و اخلاقی تربیت یہ سب آپ کی

سیرت کا حصہ ہیں۔

حضرت بی بی فاطمہ سلام اللہ علیہا سردارِ شبابِ اہلِ جنت حضرت امام حسن اور حضرت امام حسین علیہما السلام کی والدہ ہیں اور اسی نسبت سے آپ کو مادرِ شبابِ جنت کہا جاتا ہے۔ آپ کی گود سے وہ ہستیاں اٹھیں جنہوں نے اسلام کو خونِ شہادت سے زندہ رکھا۔ آپ کا گھر وحی کا مرکز، ملائکہ کی آمد کا مقام اور دعا و عبادت کا آسمانی نمونہ تھا۔ تاریخ گواہ ہے کہ آپ کا علم، حکمت اور خطبہ فدک آج بھی اسلامی سیاسی و سماجی فکر کی بنیادوں میں شمار ہوتا ہے آپ کی مظلومیت بھی اتنی ہی واضح ہے جتنی آپ کی عظمت۔ رسول اکرم ﷺ کے وصال کے بعد آپ پر جو مصائب آئے، وہ تاریخِ اسلام کے سب سے دردناک ابواب میں سے ہیں۔ حق اور گھرِ نبوت کی حرمت کو پامال کرنا ان سب کے باوجود آپ نے صبر کو ترک نہ کیا مگر حق پر خاموشی بھی اختیار نہ کی۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کی زندگی حق گوئی، استقامت اور مظلومیت کی زندہ دلیل بن گئی۔

رسول اکرم ﷺ کو آپ سے جو محبت تھی، وہ محض باپ بیٹی کا رشتہ نہیں بلکہ ایک الہی محبت تھی۔ نبی ﷺ آپ کے آنے پر کھڑے ہو جاتے، آپ کے ہاتھ پھومتے اور آپ کو اپنے مقام پر بٹھاتے۔ آپ واقعی رسول کی لاڈلی، عزیز ترین اور دل کا چین تھیں۔ مؤرخین کے نزدیک حضرت بی بی فاطمہ سلام اللہ علیہا کی ذات وہ میزان ہے جس پر حق و باطل، وفا و جفا اور نور و ظلمت کو پرکھا جاتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ تاریخِ اسلام میں حضرت بی بی فاطمہ الزہرا سلام اللہ علیہا نہ صرف ایک عظیم بیٹی، زوجہ اور ماں ہیں بلکہ کائناتی سطح پر حق کی نمائندہ، مظلوموں کی سردار اور اہل بیت کی روح سمجھی جاتی ہیں اور قیامت تک سمجھی جانی رہیں گی۔

حضرت بی بی فاطمہ الزہرا سلام اللہ علیہا کا نکاح محض ایک زمینی عقد نہیں تھا بلکہ روایات کے مطابق یہ آسمانوں میں طے پایا ہوا الہی رشتہ تھا۔ جبرائیل امین علیہ السلام اللہ کے حکم سے رسول اکرم ﷺ کے پاس یہ پیغام لے کر آئے کہ فاطمہ کا نکاح علی سے کر دیا گیا ہے اور اہل آسمان نے اس نکاح پر خوشی منائی۔ یہ وہ واحد نکاح ہے جس میں زمین نے آسمان کی پیروی کی اور جسے رسول خدا ﷺ نے ساکب، تقویٰ اور روحانیت کی عملی مثال بنایا۔ اس نکاح سے یہ پیغام ملا کہ ازدواجی زندگی کی اصل بنیاد مال و جاہ نہیں بلکہ ایمان، اخلاق اور قربِ الہی ہے۔

حضرت بی بی فاطمہ سلام اللہ علیہا کی ولادت مبارکہ بیس جمادی الثانی، مکہ مکرمہ میں ہوئی اور آپ کی شہادت تین جمادی الثانی کو مدینہ منورہ میں ہوئی۔ آپ کی عمر مبارک مختصر تھی مگر حیات طیبہ معنی، مقصد اور حق گوئی سے بھرپور تھی۔ آپ رسول اکرم ﷺ کے وصال کے بعد مسلسل رنج و غم میں رہیں اور آپ کا رونا محض ذاتی غم نہیں بلکہ امت کی گمراہی، اہل بیت پر ہونے والے مظالم اور دین کے مستقبل کا نوحہ تھا۔ اسی غم کی شدت کے پیش نظر امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام نے آپ کے لیے بیٹ الاہزان قائم کیا، جہاں آپ تنہائی میں اللہ کے حضور گریہ و دعا کرتی تھیں۔

حضرت بی بی فاطمہ سلام اللہ علیہا کا خواتین کے لیے پیغام یہ تھا کہ عورت کی عظمت اس کی عفت، حیا، عبادت اور کردار میں ہے۔ آپ نے ثابت کیا کہ پردہ کمزوری نہیں بلکہ طاقت ہے اور گھر کی ذمہ داری نبھانا سماجی پسماندگی نہیں بلکہ ایک عظیم عبادت ہے۔ شوہروں کے لیے آپ کی سیرت یہ درس دیتی ہے کہ بیوی کے احترام، محبت اور عزت میں ہی گھر کی برکت ہے، جبکہ اولاد کے لیے آپ کا پیغام والدین کے ادب، خدمت اور اطاعت پر مبنی ہے۔ آپ خود رسول اکرم ﷺ کے سامنے اس قدر ادب سے کھڑی ہوئیں کہ تاریخ میں اس کی مثال نہیں ملتی آپ کی اولادِ اطہار وہ سرہانہ الہی ہے جس نے اسلام کو دوام بخشا۔ آپ کے بچوں کے نام یہ ہیں:

- حضرت امام حسن علیہ السلام
- حضرت امام حسین علیہ السلام
- حضرت زینب سلام اللہ علیہا
- حضرت ام کلثوم سلام اللہ علیہا
- حضرت رقیہ سلام اللہ علیہا
- حضرت محسن علیہ السلام

یہی وہ گھرانہ ہے جسے نے اہل بیت کی طہارت کا مرکز قرار دیا اور جس کی محبت کو اجرِ رسالت کہا گیا۔

حضرت بی بی فاطمہ الزہرا سلام اللہ علیہا کی زندگی ولادت سے شہادت تک صدق، مظلومیت، عبادت، علم اور ولایت کا مکمل دائرہ ہے۔ آپ نہ صرف رسول خدا ﷺ کی سب سے لاڈلی اور عزیز بیٹی تھیں بلکہ قیامت تک آنے والی عورتوں کے لیے زندہ معیار بھی ہیں۔ آپ کی خاموشی احتجاج ہے، آپ کا گریہ تاریخ ہے اور آپ کی ذات حق و باطل کے درمیان ہمیشہ کے لیے حجت بن چکی ہے۔

## حضرت سید ابوطالب علیہ السلام

والدِ امیر المومنین علیؑ، پچا و کفیلِ رسولِ خدا ﷺ، ناصرِ رسول ﷺ، حامیِ نبوت، مومنینِ قریش، موجدِ علی ملتِ ابراہیم، شیخُ السبطاء، رئیسِ بنی ہاشم

حضرت ابو طالب علیہ السلام، جن کا اصل نام عبد مناف بن عبد المطلب تھا، نبی کریم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے چچا اور بچپن سے لے کر اعلان نبوت کے بعد تک آپ ﷺ کے محافظ، سرپرست اور خیر خواہ رہے۔ آپ حضرت عبد المطلب علیہ السلام کے صاحبزادے اور حضرت علی بن ابی طالب علیہ السلام کے والد محترم تھے۔ جب نبی اکرم ﷺ آٹھ برس کے ہوئے اور دادا کا سایہ اٹھ گیا، تو حضرت ابو طالب علیہ السلام نے آپ ﷺ کو اپنے گھر میں رکھا، اپنی اولاد سے بڑھ کر محبت دی اور ہر لمحہ آپ کی خدمت و حفاظت کو اپنا فریضہ بنایا۔ آپ علیہ السلام نہ صرف قریش کے معزز سرداروں میں سے تھے بلکہ عربی شعری ادب میں بھی اعلیٰ مقام رکھتے تھے اور نبی ﷺ کی مدح و دفاع میں اشعار بھی کہتے تھے۔

حضرت ابو طالب علیہ السلام توحید پر یقین رکھنے والے، دین کے پیرو اور بت پرستی سے بیزار تھے۔ انھوں نے نبی کریم ﷺ کے اعلان نبوت کے بعد، تمام تر قبائلی اور معاشرتی دباؤ کے باوجود، آپ ﷺ کی حفاظت اور مدد میں کوئی کمی نہ آنے دی۔ شعب ابی طالب کا سخت محاصرہ اور بائیکاٹ انھی کی سربراہی میں برداشت کیا گیا، جو ان کی وفاداری، محبت اور توحید پر یقین کی روشن دلیل ہے۔ ان کا مشہور قول تھا: ہم اُس وقت تک تمھیں دشمنوں کے حوالے نہیں کریں گے جب تک ہم میں سے ایک بھی زندہ ہے۔

حضرت ابو طالب علیہ السلام کا وصال اعلان نبوت کے دسویں سال مکہ مکرمہ میں ہوا، اسی سال کو نبی کریم ﷺ نے عام الحزن (غم کا سال) فرمایا، کیونکہ اسی سال حضرت خدیجہ سلام اللہ علیہا بھی دنیا سے رخصت ہوئیں۔

## حضرت سید ابو طالب علیہ السلام کی ازواج اور اولاد

### ازواج

حضرت ابو طالب علیہ السلام کی سب سے معروف زوجہ محترمہ تھیں:

حضرت فاطمہ بنت اسد سلام اللہ علیہا

یہ عظیم المرتبت خاتون قبیلہ بنی ہاشم سے تھیں اور حضرت علی علیہ السلام کی والدہ تھیں۔ انھوں نے نبی کریم ﷺ کی بچپن سے جوانی تک خدمت کی اور آپ ﷺ خود فرمایا کرتے تھے: یہ مجھے اپنی اولاد سے بڑھ کر چاہتی تھیں۔

فاطمہ بنت اسد سلام اللہ علیہا وہ خاتون ہیں جنھوں نے خانہ کعبہ کے اندر حضرت علی علیہ السلام کو جنم دیا یہ واقعہ اسلامی تاریخ میں متواتر شہرت رکھتا ہے۔

(حوالہ: المستدرک علی الصحیحین للحاکم، جلد 3، ص 142، سیر اعلام النبلاء، ذہبی، جلد 2)

### اولاد (معروف و مستند)

حضرت ابو طالب علیہ السلام کی اولاد میں مندرجہ ذیل بستیاں شامل ہیں:

### حضرت علی بن ابی طالب علیہ السلام

امامِ اوّل، مولائے کائنات، وصی رسول، خلیفہ راشد، داماد رسول، باب مدینۃ العلم، اہل بیت کے سربراہ و پیشوا، وصی رسول، اخ رسول، امیر المؤمنین، ابو الحسن، اسد اللہ، اسد اللہ الغالب، حیدر کزار، شہسوارِ خیر، صدیقِ اکبر، فرخِ اعظم، باب العلم، علی المرتضیٰ، صاحبِ ذوالفقار، قاضی القضاۃ، مولا الموحّدین، اوّل المؤمنین، زوجِ بتول، سید العرب، قریبِ نبی، نفسِ نبی، انزع البطین، کرازِ غیر فرار، سید الاوصیاء، مشتاقِ باب العلم، مولا العالمین، امام المستقین، منیعِ کرم، علی العظیم، صفوت اللہ، بابِ حطّ، نور الانوار، اوّل القوم اسلاماً، قاتل الجبابرہ، صاحب المعجز، نفوسِ رکبہ، شہید المحراب، زاہد الزہاد، عابد اللیل، سیف اللہ السلول۔

### حضرت جعفر بن ابی طالب علیہ السلام (جعفر طیار)

حبشہ کے پہلے سفیرِ اسلام اور غزوہ موتہ میں شہید ہوئے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جعفر کے ہاتھوں کو اللہ نے شہید ہونے کے بعد پروں سے بدل دیا اور وہ جنت میں پرواز کرتے ہیں۔

(حوالہ: صحیح بخاری، حدیث 3703)

### حضرت عقیل بن ابی طالب رضی اللہ عنہ

علم و نسب کے ماہر، فتح مکہ کے بعد ایمان لائے اور نبی ﷺ سے شدید محبت رکھتے تھے۔

## حضرت طالب بن ابی طالب (رضی اللہ عنہ)

ان کے بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے کہ آیا ایمان لائے یا نہیں، تاہم وہ اہل بیت کے خاوادے سے تھے۔

## اسماء بنت ابی طالب سلام اللہ علیہا (بعض کتب میں ذکر موجود ہے)

اگرچہ تفصیل کم ہے، لیکن بعض روایات میں ان کا ذکر بھی اہل بیت میں ملتا ہے۔

## حوالہ جات برائے اولاد و ازواج

- سیرۃ ابن ہشام (جلد 1)
  - طبقات ابن سعد (جلد 1)
  - الاستیعاب (ابن عبد البر)
  - الاصابہ (ابن حجر)
  - البدایہ والنہایہ (جلد 3، ابن کثیر)
- میں تفصیلی ذکر موجود ہے۔

## مستند حوالہ جات

- سیرۃ ابن ہشام (جلد 1، ص 247-250)
  - دلائل النبوة (جلد 2، امام بیہقی)
  - الشفاء (جلد 1، قاضی عیاض)
  - طبقات ابن سعد (جلد 1)
  - البدایہ والنہایہ (جلد 3)
- مستند ماخذ کے طور پر معتبر ہیں۔

## امیر المؤمنین حضرت سید امام مولا علی علیہ السلام

امیر المؤمنین، وصی رسول خدا ﷺ، نفی رسول ﷺ، باب مدینۃ العلم، اسد اللہ الغالب، حیدر کرار، مرتضیٰ، ابوالحسن، ابوتراب، مولیٰ المؤمنین، ولی اللہ، امام المتقین، قائد الغر المحجلین، اول المؤمنین، اول المسلمین، زوج بتول، والد حسنین، وارث علم نبوی، قسیم الجنة والنار، شاہ ولایت

حضرت علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ و علیہ السلام، امیر المؤمنین، وصی رسول، امام المتقین، باب مدینۃ العلم اور اہل بیت علیہم السلام کے سرداروں میں سے ہیں۔ آپ علیہ السلام، حضرت ابو طالب علیہ السلام اور حضرت فاطمہ بنت اسد سلام اللہ علیہا کے فرزند تھے اور نبی اکرم ﷺ کے چچا زاد بھائی، داماد اور پہلے وصی ہیں۔ آپ کی ولادت 13 رجب، 30 عام الفیل کو کعبہ کے اندر ہوئی، جو تاریخ انسانیت میں ایک منفرد اعزاز ہے، جس پر اہل سنت و اہل تشیع دونوں کا اجمالی اتفاق ہے۔

آپ نے بچپن سے نبی کریم ﷺ کے سایہ تربیت میں پرورش پائی، سب سے پہلے اسلام قبول کیا اور تمام غزوات و مہمات میں نبی ﷺ کے دست راست بنے رہے۔ غزوہ بدر، احد، خندق، خیبر اور حنین سمیت ہر میدان میں آپ کی شجاعت، اخلاص اور قربانی بے مثال تھی۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

”میں علم کا شہر ہوں اور علی اس کا دروازہ ہے۔“

(ترمذی، مستدرک حاکم، 3/126؛ شیعہ حوالہ: عیون اخبار الرضا، شیخ صدوق، ج 2، ص 57)

## واقعہ غدیر خم

غدیر خم کے مقام پر نبی کریم ﷺ نے حجۃ الوداع سے واپسی پر اعلان فرمایا:

”مَنْ كُنْتُ مَوْلَاهُ فَهَذَا عَلِيٌّ مَوْلَاهُ“

(جس کا میں مولا ہوں، علی اس کا مولا ہے)

یہ ایک مکمل خطبہ ہے جو طویل ہے۔ یہ حدیث متواتر ہے اور اہل سنت کے بھی 110 سے زائد محدثین و مفسرین نے اسے روایت کیا ہے۔

(حوالہ جات: مسند احمد، ج 4، ص 281؛ سنن ترمذی؛ المناقب، ابن المغازلی؛ الغدير، علامہ امینی)

حضرت علی علیہ السلام خلیفہ چہارم بنائے گئے، مگر شیعہ عقیدہ کے مطابق آپ پہلے خلیفہ اور امام برحق ہیں جنہیں نبی ﷺ نے اللہ کے حکم سے مقرر فرمایا۔ آپ کا دور خلافت عدل، علم اور تقویٰ کا مظہر تھا اور فتنے کے دور میں بھی آپ نے شریعت محمدی ﷺ کی حفاظت فرمائی۔ کوفہ کو دار الخلافہ بنایا اور وہاں جامع حکومت قائم کی۔

## وصال

آپ پر 19 رمضان 40 ہجری کو مسجد کوفہ میں قاتلانہ حملہ ہوا اور 21 رمضان کو آپ کی شہادت واقع ہوئی۔

## مدفن

نجف اشرف، عراق

جہاں آپ کا روضہ اقدس اہل ایمان کا مرکز عقیدت ہے۔

## مستند حوالہ جات

## اہل تشیع

- نہج البلاغہ
- کمال الدین، شیخ صدوق
- عیون اخبار الرضا، شیخ صدوق

## اہل سنت

- سیر اعلام النبلاء (ذہبی)
- الاستیعاب (ابن عبد البر)
- البدایہ والنہایہ (ابن کثیر)
- مسند احمد
- صحیح ترمذی
- المستدرک علی الصحیحین (حاکم)

## امیر المومنین حضرت سید امام مولا علی علیہ السلام کی ازواج و اولاد

آپ کی ازواج اور اولاد کا ذکر کتبِ تاریخ و سیرت میں متعدد جگہ تفصیل سے موجود ہے۔ اہل تشیع کے مطابق آپ کی ازواج اور اولاد کی تفصیل درج ذیل ہے:

### ازواج

#### حضرت فاطمہ الزہرا سلام اللہ علیہا

سب سے پہلی اور افضل زوجہ، نبی کریم ﷺ کی دخترِ مکرمہ، سیدہ نساء العالمین، جن سے امام حسن، امام حسین، امام محسن علیہ السلام، حضرت زینب اور ام کلثوم پیدا ہوئیں۔

#### فاطمہ بنت حزام (ام البنین) سلام اللہ علیہا

بافضیت خاتون، جن سے حضرت عباس، جعفر، عبد اللہ اور عثمان پیدا ہوئے۔

#### خولہ بنت جعفر الحنفیہ

جن سے حضرت محمد بن حنفیہ علیہ الرحمہ پیدا ہوئے۔

#### اسماء بنت عمیس سلام اللہ علیہا

حضرت جعفر طیار اور حضرت ابوبکر کے بعد حضرت علی سے نکاح فرمایا۔ ان سے یحییٰ اور عون پیدا ہوئے۔

#### لیلٰی بنت مسعود الثقفیہ

ان سے عبید اللہ اور ابوبکر پیدا ہوئے۔

#### ام حبیب بنت ربیعہ

ان سے عمر پیدا ہوئے۔

#### ام سعید بنت عروہ بن مسعود

بعض روایات میں ان کا ذکر بھی ازواج میں آتا ہے۔

بعض کتب میں دیگر دو ازواج کا ذکر الگ آیا ہے (جیسے: صفیہ یا امامہ بنت ابی العاص) لیکن معروف و متفقہ ازواج سات (7) شمار ہوتی ہیں۔

### اولاد حضرت علی علیہ السلام

#### اولادِ ذکور (بیٹے)

1. حسنؑ
2. حسینؑ
3. عباسؑ
4. محمد بن حنفیہؑ
5. عمرؑ

6. عثمانؓ
7. جعفرؓ
8. عبد اللہؓ
9. عبید اللہؓ
10. یحییٰؓ
11. عونؓ
12. ابو بکرؓ
13. محمد الاصغرؓ
14. ابراہیمؓ
15. اسحاقؓ
16. احمدؓ
17. عبد الرحمنؓ
18. عبد اللہ الاصغرؓ

### اولادِ اناث (بیٹیاں)

1. زینب کبریٰؓ
2. ام کلثومؓ
3. رقیہؓ
4. رملہؓ
5. خدیجہؓ
6. میمونہؓ
7. نافعہؓ
8. ام ہانیؓ
9. ام جعفرؓ
10. فاطمہؓ
11. اسماءؓ
12. زینب صغریٰؓ
13. حبیبہ سؓ
14. صفیہؓ
15. عائشہؓ
16. ام سلمہؓ
17. ام کلثوم صغریٰؓ
18. لیلیٰؓ
19. ام عبد اللہؓ

نوٹ: بعض بیٹیوں کے اسماء مختلف کتب میں تھوڑے فرق سے ذکر ہوتے ہیں، لیکن یہ مجموعی طور پر تشیع کے مصادر میں ذکر کردہ تمام معروف اسماء کا احاطہ ہے۔



## اعداد و شمار

- ازواج مطہرات: 7 (معروف و متفقہ)
- بیٹے (ذکور): 18
- بیٹیاں (اناث): 19
- کل اولاد: 37

## مستند حوالہ جات

- اعیان الشیعہ (سید محسن امین، جلد 1-2)
- بحار الانوار (علامہ مجلسی، جلد 42-44)
- الارشاد (شیخ مفید)
- کشف الغمہ (علی بن عیسیٰ اربلی)
- رجال کشی
- تاریخ یعقوبی

## اہل سنت مصادر برائے تقابل

- طبقات ابن سعد
- الاستیعاب
- الاصابہ

## تفسیر — اہل تشیع اثنا عشری کا مؤقف

اہل تشیع اثنا عشری کے مطابق یہ کثرت اٹھارہ ذو الحجہ سن دس ہجری کو مقامِ غدیر خم پر نازل ہوئی اور اس میں رسول اللہ ﷺ کو حضرت علی بن ابی طالب علیہ السلام کی ولایت کے اعلان کا حکم دیا گیا۔ شیعہ مفسرین (جیسے طبری، طوسی، علامہ طباطبائی) کے نزدیک نبی اکرم ﷺ کو یہ اندیشہ لاحق تھا کہ اس اعلان کے بعد بعض لوگ مخالفت کریں گے یا امت میں اختلاف پیدا ہوگا، اس لیے اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعے تاکید فرمائی کہ اگر یہ اعلان نہ کیا گیا تو گویا رسالت کا مقصد مکمل نہیں ہوا۔

اسی حکم الہی کی تعمیل میں نبی اکرم ﷺ نے غدیر خم کے مقام پر ارشاد فرمایا:

” من كنت مولاه فهذا علي مولاه “

جس کا میں مولا ہوں، اس کا علی مولا ہے

اہل تشیع کے نزدیک یہ اعلان حضرت علیؑ کی دینی ولایت، امامت اور قیادت کے اثبات کی بنیاد ہے۔

## سورة المائدہ، آیت 3 — تکمیلِ دین

نصّ قرآنی (آخری حصہ)

” (الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتِمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا)

“

المائدہ: 5:3

ترجمہ

آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے لیے اسلام کو بطور دین پسند فرما لیا۔

تفسیر — اہل سنت کا مؤقف

اہل سنت مفسرین کے مطابق یہ آیت نو ذوالحجہ سن دس ہجری کو میدانِ عرفات میں حجۃ الوداع کے موقع پر نازل ہوئی۔ اس آیت سے مراد یہ ہے کہ شریعتِ اسلام کے بنیادی احکام، حلال و حرام اور دینی نظام مکمل ہو چکا اور اب اسلام ایک کامل دین کی حیثیت اختیار کر چکا ہے۔ اس تکمیلِ دین کا تعلق شریعت اور احکام کی تکمیل سے ہے، نہ کہ کسی خاص فرد کے تقرر کے اعلان سے۔

نہایت اہم علمی وضاحت

- آیت 67 اور آیت 3 کے نزول کے مواقع میں اختلاف تفسیری اور تاریخی نوعیت کا ہے
- اہل سنت اور اہل تشیع دونوں نے اپنے اپنے معتبر مصادر کی بنیاد پر الگ الگ فہم پیش کیا ہے
- اس متن میں کسی ایک مؤقف کو دوسرے پر زبردستی مسلط نہیں کیا گیا

## سورة المائدہ، آیت 3 — تکمیلِ دین

تفسیر: اہل سنت کا مؤقف

اہل سنت کی تفاسیر کے مطابق سورة المائدہ کی آیت:

” (الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ)

“

نو ذوالحجہ سن دس ہجری کو حجۃ الوداع کے موقع پر میدانِ عرفات میں نازل ہوئی۔ اس آیت کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس دن اسلام کو ایک مکمل ضابطہ حیات کے طور پر تمام انسانیت کے لیے مکمل فرما دیا۔ شریعتِ اسلام کے تمام بنیادی احکام، جیسے نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج، جہاد، معاملات، اخلاقیات اور حلال و حرام کے اصول، اس وقت تک مکمل ہو چکے تھے۔

اسی پس منظر میں صحیح بخاری میں یہ روایت منقول ہے کہ ایک یہودی عالم نے حضرت عمر بن خطابؓ سے کہا:

” اگر یہ آیت ہم پر نازل ہوتی تو ہم اس دن کو عید بنا لیتے۔ “

جواب دیا:

” ہم اس دن اور اس مقام کو خوب جانتے ہیں جس دن یہ آیت نازل ہوئی، وہ عرفات کا دن تھا اور جمعہ کا دن تھا۔“

### سورة المائدہ، آیت 3 — تفسیر: اہل تشیع اثنا عشری کا مؤقف

اہل تشیع اثنا عشری کے مطابق اسی آیت کا ایک گہرا تعلق واقعہ غدیر خم سے ہے اور بعض شیعہ مفسرین کے نزدیک یہ آیت اٹھارہ ذوالحجہ سن دس ہجری کو غدیر خم کے موقع پر، حضرت علی بن ابی طالب علیہ السلام کی ولایت کے اعلان کے بعد نازل ہوئی۔

اثنا عشری عقیدے کے مطابق دین اس وقت حقیقی معنوں میں کامل ہوا جب قیادت اور رہبری (ولایت) کا واضح اعلان کر دیا گیا، تاکہ دین اسلام قیامت تک تحریف، انحراف اور قیادت خلا سے محفوظ رہے۔ اس تفسیر کے مطابق نعمت کی تکمیل سے مراد ولایت علی کا اعلان ہے اور اسی نسبت سے اہل تشیع اٹھارہ ذوالحجہ کو عید غدیر کے طور پر مناتے ہیں۔

### قرآن کی ترتیب اور جمع — علمی وضاحت

قرآن مجید کی موجودہ ترتیب نزول کی ترتیب کے مطابق نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے، نبی اکرم ﷺ کی ہدایت اور حضرت جبریل علیہ السلام کی رہنمائی میں حکمت، موضوع اور معنوی ربط کے تحت مرتب کی گئی۔ اسی لیے بعض آیات، جیسے سورة المائدہ کی آیت 67 (آیت تبلیغ)، نزول کے اعتبار سے بعد میں نازل ہوئیں لیکن مصحف میں آیت 3 (آیت اکمال دین) سے پہلے یا بعد میں رکھی گئیں۔ یہی فرق ترتیب نزول اور ترتیب مصحفی کے درمیان پایا جاتا ہے۔

خلیفہ سوم حضرت عثمان بن عفانؓ کے دور میں قرآن مجید کو ایک متحدہ اور سرکاری مصحف کی صورت میں جمع کیا گیا، جس میں تمام متواتر اور صحیح قراءات کو محفوظ رکھا گیا۔ بعد ازاں اموی دور میں، تعلیمی اور قراءتی سہولت کے لیے قرآن کو تیس (30) پاروں میں تقسیم کیا گیا، جس سے قرآن کی اصل ترتیب یا متن میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوئی، بلکہ صرف مطالعہ اور حفظ میں آسانی پیدا ہوئی۔

### عقیدہ تحفظ قرآن (اجماعی مؤقف)

یہ بات اہل سنت اور اہل تشیع دونوں کے ہاں عقیدے کا حصہ ہے کہ:

- قرآن مجید میں نہ کبھی تحریف ہوئی ہے
  - نہ ہو سکتی ہے
  - نہ کسی آیت کے الفاظ یا معانی بدلے جا سکتے ہیں
- اگرچہ قرآن کی ترتیب نزول نہیں، لیکن قرآن کی ہر آیت اور ہر لفظ اللہ تعالیٰ کے حکم سے اسی ترتیب میں محفوظ ہے جسے اللہ نے خود پسند فرمایا ہے۔
- جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

” (إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ)

“

سورة الحجر: 15:9

### ترجمہ

بے شک ہم نے ہی اس ذکر (قرآن) کو نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔

### مصحح و منقح علمی متن

پس نہ اس میں کوئی زیادتی ہو سکتی ہے، نہ کمی اور نہ تحریف۔ یہ اللہ تعالیٰ کی محفوظ کتاب ہے۔ اللہ اکبر۔

یہ آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ نبی اکرم ﷺ کو ایک نہایت اہم اور خاص حکم کے پہنچانے کا سختی کے ساتھ حکم دیا گیا تھا۔ اسی حکم الہی کی تعمیل میں رسول اللہ ﷺ نے غدیر خم کے مقام پر قافلے کو روکنے کا حکم فرمایا اور ایک بلند جگہ پر منبر یا اجتماع کے لیے انتظام کیا گیا، تاکہ یہ پیغام تمام حاضرین تک پہنچایا جاسکے۔

اسی موقع پر رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی بن ابی طالب علیہ السلام کی ولایت کا اعلان فرمایا۔ یہ اعلان ایک ایسا تاریخی اور حدیثی واقعہ ہے جسے نہ صرف اہل تشیع نے، بلکہ متعدد معتبر اہل سنت محدثین، مؤرخین اور مفسرین نے بھی روایت کیا ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

” من كنت مولاه فهذا علي مولاه “

جس کا میں مولا ہوں، اس کا علی مولا ہے

یہ حدیث سنن ترمذی (حدیث 3713)، صحیح مسلم (حدیث 2408)، مسند احمد بن حنبل (جلد 5، ص 366) اور المستدرک للحاکم (جلد 3، ص 109) میں منقول ہے، جہاں امام حاکم اور امام ذہبی دونوں نے اسے صحیح الاسناد قرار دیا ہے۔

اسی موقع پر رسول اللہ ﷺ نے یہ دعا بھی فرمائی:

” اللهم والي من والاه، وعاد من عاداه، وانصر من نصره، واخذل من خذله “

یہ دعا بھی انہی معتبر مصادر میں روایت ہوئی ہے۔

حدیث غدیر کو روایت کرنے والے اہل سنت محدثین میں امام طبرانی (المعجم الکبیر)، امام نسائی (خصائص علی)، امام ابو یعلیٰ، امام ابن حجر عسقلانی (الاصابہ، فتح الباری)، امام سیوطی (الدر المنثور، جلد 2، ص 259)، امام ابن عبد البر (الاستیعاب)، امام بیہقی (السنن الکبریٰ)، علامہ ابن اثیر (الکامل فی التاريخ) اور امام ذہبی (تلخیص المستدرک) جیسے اکابر شامل ہیں۔

اسی طرح متعدد مفسرین، جن میں امام نسفی (مدارک التنزیل)، امام فخر الدین رازی (تفسیر کبیر) اور امام ابن جریر طبری (تاریخ و تفسیر) شامل ہیں، سورۃ المائدہ کی آیت:

” (إِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَالَّذِينَ آمَنُوا)

“

المائدہ: 5:55

کو حضرت علی بن ابی طالب علیہ السلام کی ولایت کے حق میں نازل شدہ قرار دیتے ہیں، جیسا کہ متعدد روایات میں منقول ہے۔

خطبہ غدیر پر سب سے جامع اور مفصل تحقیق علامہ عبد الحسین امینی کی شہرہ آفاق تصنیف الغدیر (جلد اول) میں موجود ہے، جس میں ایک سو دس سے زائد اہل سنت مصادر سے حدیث غدیر کی اسناد، رواۃ اور متون کو جمع کیا گیا ہے۔

اہل تشیع کے مصادر میں بھی، جیسے الکافی (کلینی)، الاحتجاج (طبری)، عیون اخبار الرضا (شیخ صدوق)، مناقب آل ابی طالب (ابن شہر آشوب) اور بحار الانوار (علامہ مجلسی)، حدیث غدیر کو مختلف تفصیلات کے ساتھ نقل کیا گیا ہے۔

علاوہ ازیں، صحیح مسلم، مسند احمد اور مستدرک حاکم میں حدیث ثقلین (قرآن اور اہل بیت سے وابستگی کی تاکید) بھی اسی خطبے کے ضمن میں منقول ہے۔

یہ تمام حدیثی، تاریخی اور تفسیری شواہد اس حقیقت کو مستحکم کرتے ہیں کہ واقعہ غدیر خم نہ صرف ثابت شدہ، معتبر اور متواتر ہے، بلکہ حضرت علی بن ابی طالب علیہ السلام کی ولایت کے اعلان اور امت کے لیے دینی رہنمائی کی ایک بنیادی اساس بھی ہے، جسے رسول اللہ ﷺ کے ایک اہم ارشاد اور ہدایت کے طور پر محفوظ رکھا گیا ہے۔

**حدیث ثقلین — اسی تسلسل کا دوسرا ستون**

اسی خطبے میں (اور دیگر مواقع پر بھی) رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

”میں تم میں دو بھاری چیزیں چھوڑ رہا ہوں: ایک اللہ کی کتاب اور دوسری میرے اہل بیت۔ اگر تم ان دونوں سے وابستہ رہو گے تو ہرگز گمراہ نہیں ہو گے اور یہ دونوں حوض کوثر پر مجھ سے آ کر ملیں گے“

یہاں تین باتیں غیر معمولی طور پر واضح ہیں:

- اوّل: قرآن اور اہل بیت کو الگ نہیں کیا گیا
  - دوم: ہدایت کی ضمانت دونوں سے مشروط کی گئی
  - سوم: قیامت تک ان کی ہمراہی کا اعلان کیا گیا
- یہ حدیث اہل بیت کو محض محترم خاندان نہیں بلکہ دینی اتھارٹی ثابت کرتی ہے۔

## حوالہ جات

- مسند احمد بن حنبل
- صحیح مسلم
- سنن ترمذی
- المستدرک للحاکم النیشاپوری
- تاریخ طبری
- الکامل فی التاریخ (ابن اثیر)
- تفسیر طبری
- تفسیر فخر الدین رازی
- خصائص النسائی
- الغدير (علامہ عبدالحسین امینی)

## آیتِ تطہیر اور حدیثِ کساء — اہل بیت کی الہی تعیین اور عصمت

آیتِ تطہیر قرآن مجید کی وہ صریح آیت ہے جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے اہل بیت کو خصوصی طہارت اور روحانی مقام عطا کیا۔ یہ آیت رسول اکرم ﷺ کے گھر میں ایک مخصوص موقع پر نازل ہوئی، جس کا پس منظر حدیثِ کساء کے ذریعے تفصیل سے محفوظ ہے۔ روایت کے مطابق رسول اکرم ﷺ نے حضرت علی علیہ السلام، حضرت فاطمہ الزہرا سلام اللہ علیہا، امام حسن علیہ السلام اور امام حسین علیہ السلام کو ایک چادر (کساء) میں جمع فرمایا اور اللہ کی بارگاہ میں دعا کی:

”اے اللہ! یہ میرے اہل بیت ہیں، تو ان سے ہر رجس کو دور رکھ اور انہیں مکمل طور پر پاک فرما۔“

اسی دعا کے ساتھ آیت نازل ہوئی جس میں اہل بیت کی طہارت کا اعلان کیا گیا۔

قرآنی آیت کے الفاظ میں اہل بیت کے لیے جو اسلوب اختیار کیا گیا، وہ عام نہیں بلکہ خصوصی ہے۔ عربی قواعد کے مطابق ضمیروں کا ذکر کی طرف منتقل ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ خطاب ازواجِ رسول سے ہٹ کر ایک خاص جماعت کی طرف ہو گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اہل سنت کے بڑے مفسرین اور محدثین نے اس بات کو تسلیم کیا ہے کہ آیتِ تطہیر کا مصداق وہی ہستیاں ہیں جنہیں رسول اکرم ﷺ نے چادر میں جمع فرمایا۔ اس واقعے نے اہل بیت کی شناخت کو قطعی طور پر متعین کر دیا اور ان کے دینی مقام کو قرآن کے ذریعے محفوظ کر دیا۔

آیتِ تطہیر اور حدیثِ کساء کو یکجا کر کے دیکھا جائے تو یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اہل بیت محض رسول ﷺ کے قریبی رشتہ دار نہیں بلکہ وہ ہستیاں ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے دین کی حفاظت، صحیح فہم اور اخلاقی معیار کے لیے منتخب فرمایا۔ یہی وجہ ہے کہ حدیثِ ثقلین میں قرآن کے ساتھ اہل بیت کو جوڑا گیا، کیونکہ جنہیں اللہ نے ہر رجس سے پاک قرار دیا ہو، وہی قرآن کی صحیح تشریح اور عملی تطبیق کے سب سے زیادہ اہل ہوتے ہیں۔ اس طرح آیتِ تطہیر اور حدیثِ کساء مل کر اہل بیت کی عصمت، اتھارٹی اور رہنمائی کو ایک مضبوط قرآنی و نبوی بنیاد فراہم کرتی

## حوالہ جات

- آیتِ تطہیر — سورة الاحزاب، آیت 33
- صحیح مسلم
- مسند احمد بن حنبل
- سنن ترمذی
- تفسیر طبری
- تفسیر فخر الدین رازی
- خصائص النسائی

## واقعہ مباہلہ — پنجتن پاک کی صداقت اور مقام الہی

واقعہ مباہلہ سن دس ہجری میں پیش آیا، جب نجران (یمن) سے تعلق رکھنے والا ایک عیسائی وفد مدینہ منورہ آیا تاکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حیثیت کے بارے میں رسول اکرم ﷺ سے مناظرہ کرے۔ طویل مکالمے کے باوجود جب وہ حق قبول کرنے پر آمادہ نہ ہوئے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے قرآن میں مباہلہ کا حکم نازل ہوا۔ مباہلہ عربی روایت میں اس فیصلے کو کہا جاتا ہے جس میں دونوں فریق اللہ کے حضور دعا کرتے ہیں کہ جو جھوٹا ہو اس پر اللہ کی لعنت نازل ہو۔ یہ مرحلہ انتہائی سنگین اور فیصلہ کن ہوتا ہے، کیونکہ اس میں اپنی جان، خاندان اور حقانیت کو براہ راست اللہ کے فیصلے کے سامنے پیش کیا جاتا ہے۔

قرآن مجید میں مباہلہ کا حکم ان الفاظ میں آیا کہ رسول ﷺ اپنے بیٹوں، عورتوں اور اپنی جانوں کو لے کر میدان میں آئیں۔ تاریخ متفق ہے کہ رسول اکرم ﷺ اس حکم پر عمل کرتے ہوئے اپنے ساتھ امام حسن علیہ السلام اور امام حسین علیہ السلام کو بطور ابتداء، سیدہ فاطمہ الزہرا سلام اللہ علیہا کو بطور نساء اور امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کو بطور انفسنا لے کر تشریف لائے۔ یہاں قرآن کی زبان میں حضرت علیؑ کو رسول ﷺ کی جان کے برابر قرار دیا جانا ایک ایسا مقام ہے جو کسی اور صحابی کو نصیب نہیں ہوا۔ یہ انتخاب خود اس بات کی دلیل تھا کہ اہل بیت ہی دین کی صداقت کے حقیقی نمائندہ ہیں۔

جب نجران کے عیسائیوں نے رسول ﷺ کو صرف انہی پاک ہستیوں کے ساتھ مباہلہ کے لیے آتے دیکھا تو وہ خوف زدہ ہو گئے۔ ان کے سرداروں نے باہم مشورہ کر کے کہا کہ اگر یہ لوگ نبی نہ ہوتے تو اپنے عزیز ترین افراد کو اس خطرناک دعا کے لیے کبھی نہ لاتے۔ چنانچہ انھوں نے مباہلہ سے بچنے کے لیے فیصلہ کیا اور جزیہ پر صلح کر لی۔ اس طرح مباہلہ عملی طور پر واقع نہیں ہوا، مگر اہل بیت کی صداقت، پاکیزگی اور اللہ کے نزدیک مقام پوری دنیا پر واضح ہو گیا۔

واقعہ مباہلہ کی اہمیت اس لیے بھی غیر معمولی ہے کہ یہ واحد قرآنی واقعہ ہے جس میں رسول اکرم ﷺ نے اپنی حقانیت کے اثبات کے لیے پوری امت میں سے صرف پنجتن پاک کو منتخب فرمایا۔ اگر اہل بیت میں کسی قسم کی فکری، اخلاقی یا دینی کمزوری ہوتی تو انھیں اس انتہائی نازک موقع پر ہرگز شامل نہ کیا جاتا۔ اسی بنا پر اہل سنت و شیعہ مفسرین اس بات پر متفق ہیں کہ مباہلہ اہل بیت کی افضلیت، طہارت اور دینی نمائندگی کی قطعی قرآنی دلیل ہے۔

## حوالہ جات

- صحیح مسلم
- تفسیر طبری
- تفسیر فخر الدین رازی
- اسباب النزول واحدی
- سیر اعلام النبلاء ذہبی
- المستدرک للحاکم النیشاپوری

## اہل بیت کی دشمنی اور اعمال کی عدم قبولیت — مستند مفہوم کے ساتھ

رسول اکرم ﷺ سے متعدد معتبر روایات میں یہ بات منقول ہے کہ اہل بیت سے بغض اور دشمنی انسان کے اعمال کو ضائع کر دیتی ہے، خواہ وہ ظاہری طور پر کتنی ہی بڑی عبادت کیوں نہ کرتا ہو۔ اس مفہوم کی ایک مشہور روایت میں نبی کریم ﷺ نے مثال کے طور پر حجرِ اسود اور مقامِ ابراہیم کے درمیان عبادت کا ذکر فرمایا، جو عبادت کے سب سے مقدس مقامات میں شمار ہوتے ہیں۔

روایت کا مستند مفہوم یہ ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

”اگر کوئی شخص حجرِ اسود اور مقامِ ابراہیم کے درمیان کھڑا ہو کر پوری زندگی نماز پڑھے، روزے رکھے اور عبادت کرتا رہے، لیکن اس کے دل میں میرے اہل بیت سے بغض ہو، تو وہ جنت میں داخل نہ ہو گا۔“

یہاں رسول ﷺ نے عبادت کی نفی نہیں کی بلکہ قبولیت کی نفی کی ہے۔ یعنی ظاہری اعمال اس وقت تک بارگاہِ الہی میں وزن نہیں رکھتے جب تک دل اہل بیت کی ولایت اور محبت سے خالی یا اس کا منکر ہو۔ یہی اصول قرآن کی اس تعلیم سے ہم آہنگ ہے کہ ایمان، نیت اور ولایت کے بغیر اعمال بے جان ہوتے ہیں۔

یہ مضمون کئی طرق سے نقل ہوا ہے، بعض روایات میں حضرت علیؑ کی دشمنی کو نفاق کی علامت قرار دیا گیا اور بعض میں اہل بیت سے بغض کو ہلاکت کا سبب بتایا گیا ہے۔ محدثین کے نزدیک ان روایات کا مجموعی مفہوم قطعی ہے، چاہے الفاظ مختلف ہوں۔

## آیت مودّت — اہل بیت کی محبت کو اجر رسالت قرار دینا

یہ وہ واحد قرآنی دلیل ہے جس میں اہل بیت کی محبت کو براہِ راست فرض اور دین کا حصہ قرار دیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے رسول اکرم ﷺ سے فرمایا کہ آپ امت سے اپنی رسالت کا کوئی اجر طلب نہ کریں، سوائے اس کے کہ وہ آپ کے قریبی اہل بیت سے محبت کریں۔

قرآن مجید میں ارشاد ہے:

”کہہ دیجئے: میں تم سے اس (رسالت) پر کوئی اجر نہیں مانگتا، سوائے قرابت داروں کی محبت کے“

سورة الشورى، آیت 23

اہل سنت کے بڑے مفسرین جیسے ابن عباس، طبری، زنجیزی اور فخر الدین رازی سب نے نقل کیا ہے کہ جب صحابہؓ نے پوچھا کہ یا رسول اللہ! یہ قرابت دار کون ہیں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا:

”علی، فاطمہ، حسن اور حسین۔“

یہ آیت اس لیے غیر معمولی ہے کہ:

- محبت کو ثواب نہیں بلکہ اجر رسالت کہا گیا
- اجر مانگنا نبی کے منصب کے خلاف سمجھا جاتا تھا، مگر یہاں اللہ نے خود حکم دیا
- اس سے ثابت ہوا کہ اہل بیت کی محبت اختیاری نہیں بلکہ دینی تقاضا ہے۔

حضرت امام حسن بن علی علیہما السلام

امام صبر، امام صلح، سید شبابِ اہل جنت



حضرت امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام اہل بیت اطہار علیہم السلام کے دوسرے امام، نبی اکرم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے بڑے نواسے، امیر المومنین حضرت علی بن ابی طالب علیہ السلام اور سیدہ فاطمہ الزہرا سلام اللہ علیہا کے فرزند ارجمند ہیں۔ آپ کا نسب ہر اعتبار سے شرف و طہارت کا اعلیٰ ترین نمونہ ہے، کیونکہ آپ براہ راست بیت نبوت، معدن وحی اور مرکز عصمت سے تعلق رکھتے ہیں۔

## ولادت باسعادت

حضرت امام حسن علیہ السلام کی ولادت پندرہ رمضان المبارک، سن تین ہجری کو مدینہ منورہ میں ہوئی۔ جب آپ دنیا میں تشریف لائے تو رسول خدا ﷺ بنفس نفیس تشریف لائے، آپ کے دائیں کان میں اذان اور بائیں کان میں اقامت کہی، ساتویں دن عقیقہ کیا، سر کے بال منڈوائے اور ان کے وزن کے برابر چاندی صدقہ کی۔

نبی کریم ﷺ نے آپ کا نام حسن رکھا، جو اس سے پہلے عرب میں رائج نہ تھا۔ یہ نام اللہ تعالیٰ کی طرف سے منتخب کیا گیا۔

## بچپن اور تربیت

امام حسن علیہ السلام نے اپنی آنکھیں رسول اکرم ﷺ کی آغوش میں کھولیں۔ نبی ﷺ آپ سے بے پناہ محبت فرمایا کرتے تھے اور اکثر فرمایا کرتے:

”اللَّهُمَّ إِنِّي أُحِبُّهُ فَاجِبْهُ“

اے اللہ! میں حسن سے محبت کرتا ہوں، تو بھی اس سے محبت فرما

اور مشہور حدیث ہے:

”حَسَنٌ وَحُسَيْنٌ سَيِّدَا أَهْلِ الْجَنَّةِ“

آپ رسول خدا ﷺ کے اخلاق، حلم، عبادت اور شفقت کا مکمل عکس تھے۔

## امامت کا آغاز

سن چالیس ہجری میں امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کی شہادت کے بعد، اہل کوفہ، مدینہ، حجاز، یمن اور ایران کے مومنین نے متفقہ طور پر حضرت امام حسن علیہ السلام کی بیعت کی۔ اس طرح آپ ظاہری و باطنی دونوں حیثیتوں سے امت کے امام قرار پائے۔

## سیاسی حالات اور صلح امام حسنؓ

امام حسن علیہ السلام کا دور امامت نہایت پُر آشوب تھا۔ ایک طرف بنو امیہ کی منظم سازشیں تھیں، دوسری طرف کوفہ کے لشکر کی بے وفائیاں، دنیا پرستی اور نفاق تھا۔ امام حسن علیہ السلام پر بار بار قاتلانہ حملے ہوئے، حتیٰ کہ آپ کو نماز کے دوران زخمی بھی کیا گیا۔

ان حالات میں امام حسن علیہ السلام نے سن اکتالیس ہجری میں امت مسلمہ کے خون کو بچانے، دین اسلام کے بقاء اور اصل پھرۃ باطل کو بے نقاب کرنے کے لیے صلح کو اختیار فرمایا۔ یہ صلح اعلیٰ ترین حکمت، بصیرت اور قربانی تھی۔ امام حسن علیہ السلام نے فرمایا:

”میں نے صلح اس لیے کی تاکہ محمد ﷺ کی امت محفوظ رہے“

یہی صلح بعد میں واقعہ کربلا کی فکری بنیاد بنی۔

## عبادت و اخلاق

امام حسن علیہ السلام عبادت میں بے مثال تھے۔ آپ نے پچیس مرتبہ پیدل حج ادا فرمایا۔ آپ کی سخاوت ضرب المثل تھی؛ کئی مرتبہ اپنا سارا مال اللہ کی راہ میں دے دیا۔ آپ دشمنوں کے ساتھ بھی حلم اور درگزر کا سلوک فرماتے تھے۔

## ازواج

تاریخی مصادر میں امام حسن علیہ السلام کی متعدد ازواج کا ذکر ملتا ہے۔ مشہور اور مستند نام درج ذیل ہیں:

- حضرت خولہ بنت منظور رضی اللہ عنہا
- حضرت اُمّ بشیر بنت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہا
- حضرت اُمّ اسحاق بنت طلحہ رضی اللہ عنہا
- جعدہ بنت اشعث بن قیس جن کے بارے میں معتبر تاریخی مصادر میں آیا ہے کہ انہوں نے امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام کو زہر دیا

## اولادِ امام حسن علیہ السلام

امام حسن علیہ السلام کی اولاد میں کئی فرزند شامل تھے، جن میں نمایاں یہ ہیں:

- حضرت حسن مثنیٰ رضی اللہ عنہ — واقعہ کربلا میں زخمی ہوئے، بعد میں زندہ رہے
- حضرت قاسم رضی اللہ عنہ — شہید کربلا، نوجوانی میں عظیم قربانی
- حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ — کربلا میں شہادت
- حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ — شہید کربلا
- حضرت زید رضی اللہ عنہ
- حضرت عمرو رضی اللہ عنہ

متعدد صاحبزادیاں جن میں حضرت فاطمہ بنت حسن مشہور ہیں۔

## شہادت

بنو امیہ کے اشارے پر جعدہ بنت اشعث کے ذریعے امام حسن علیہ السلام کو زہر دیا گیا۔ کئی دن شدید تکلیف میں رہنے کے بعد، حضرت امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام اٹھائیس صفر، سن پچاس ہجری کو مدینہ منورہ میں شہید ہو گئے۔

## تدفین

آپ کی وصیت تھی کہ اگر ممکن ہو تو رسول خدا ﷺ کے پہلو میں دفن کیا جائے، مگر بنی امیہ کی مخالفت اور تیر اندازی کے باعث ایسا نہ ہو سکا۔ آخر کار آپ کو جنت البقیع میں دفن کیا گیا۔

## نتیجہ

حضرت امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام صبر، حلم، قربانی اور حکمتِ الہی کا مجسم نمونہ ہیں۔ آپ کی صلح نے دین کو محفوظ کیا اور آپ کی مظلومانہ شہادت نے اہل بیت کی تاریخ کو ہمیشہ کے لیے امر کر دیا۔

## حضرت زینب بنت علی سلام اللہ علیہا

سیدہ کربلا، شریکۃ الحسین، عقیقہ بنی ہاشم

حضرت زینب بنت علی سلام اللہ علیہا، جنہیں تاریخ اسلام میں حضرت زینب کبریٰ، سیدہ کربلا، شریکہ الحسنین، عقیلہ بنی ہاشم اور عالمہ غیر معلّمہ جیسے جلیل القدر القابات سے یاد کیا جاتا ہے، خاندانِ نبوت کی وہ عظیم المرتبت خاتون ہیں جنہوں نے دینِ محمدی ﷺ کی بقا میں فیصلہ کن کردار ادا کیا۔ آپ، امیر المومنین حضرت علی بن ابی طالب علیہ السلام اور سیدہ کائنات حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کی دخترِ نیک اختر اور نبی اکرم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی نواسی تھیں۔

## ولادت و نام گزاری

حضرت زینب سلام اللہ علیہا کی ولادت پانچ شعبان المعظم، سن پانچ ہجری کو مدینہ منورہ میں ہوئی۔ روایت ہے کہ جب یہ بچی رسولِ خدا ﷺ کی خدمت میں لائی گئی تو آپ ﷺ نے اللہ کے حکم سے ان کا نام زینب رکھا، جس کے معنی ہیں:

” زین اب “

یعنی باپ کی زینت

یہ نام مستقبل میں اپنی معنوی حقیقت کے ساتھ جلوہ گر ہوا، جب حضرت زینبؓ نے حضرت علیؓ کے علمی، اخلاقی اور روحانی ورثے کی کامل نمائندگی کی۔

## تربیت و علمی مقام

حضرت زینب سلام اللہ علیہا کی تربیت براہ راست نبی اکرم ﷺ، سیدہ فاطمہ زہراؓ اور حضرت علیؓ کی آغوشِ علم و عصمت میں ہوئی۔

آپ نے:

- علمِ قرآن
- فہمِ شریعت
- صبرِ فاطمی
- شجاعتِ علوی
- فصاحت و بلاغت
- حیا و عفت
- توکل و رضا

جیسی صفات بچپن ہی سے حاصل کیں۔

ائمہ اہل بیتؓ سے منقول ہے کہ حضرت زینبؓ عالمہ غیر معلّمہ تھیں، یعنی وہ ایسی عالمہ تھیں جنہیں ظاہری طور پر کسی نے تعلیم نہ دی، بلکہ علم الہی آپ کے قلب میں ودیعت تھا۔

## القابات

حضرت زینب سلام اللہ علیہا کے مشہور القابات درج ذیل ہیں:

- زینب کبریٰ
- سیدہ کربلا
- شریکہ الحسنین
- عقیلہ بنی ہاشم
- امّ المصائب
- عالمہ غیر معلّمہ

- نائبۃ الحسین
  - خطیبۃ اسلام
  - بنتُ الولایہ
  - وارثۃ فصاحتِ علوی
  - ترجمانِ کربلا
  - پاسبانِ حرمِ رسالت
  - علمدارِ صبر و استقامت
- یہ تمام القابات آپ کی حیات کے مختلف پہلوؤں کی عکاسی کرتے ہیں۔

## ازدواجی زندگی

حضرت زینب سلام اللہ علیہا کا نکاح حضرت عبد اللہ بن جعفر طیار علیہ الرحمہ سے ہوا، جو:

- حضرت جعفر بن ابی طالب علیہ السلام (جعفرِ طیار) کے فرزند
  - نبی اکرم ﷺ کے چچا زاد
  - سخاوت، شرافت اور تقویٰ میں مشہور تھے۔
- حضرت عبد اللہ بن جعفر نے ہمیشہ حضرت زینب کے اہل بیت سے قلبی تعلق اور امام حسین سے وفاداری کی حمایت کی، حتیٰ کہ کربلا کے سفر میں اپنی زوجہ کو جانے کی اجازت دی۔

## اولاد

حضرت زینب سلام اللہ علیہا کے بطن سے مشہور اولاد یہ ہے:

- حضرت عون بن عبد اللہ
  - حضرت محمد بن عبد اللہ
- یہ دونوں فرزند واقعہ کربلا میں اپنے ماموں حضرت امام حسین علیہ السلام پر قربان ہوئے اور جامِ شہادت نوش کیا۔
- حضرت زینب نے اپنے بیٹوں کی شہادت پر صبر و رضا کی ایسی مثال قائم کی جو قیامت تک مظلوموں کے لیے مشعلِ راہ ہے۔

## واقعہ کربلا میں کردار

حضرت زینب سلام اللہ علیہا کا کردار کربلا محض ایک غم زدہ بہن کا نہیں بلکہ امام حسین کے مشن کی امین کا تھا۔

عاشورا کے بعد آپ نے:

- خیموں کی حفاظت کی
  - بیمار امام زین العابدین کی جان بچائی
  - اہل حرم کی قیادت سنبھالی
  - شہداء کے پیغام کو دنیا تک پہنچایا
- یہ کہنا بجا ہے کہ کربلا امام حسین نے زندہ کی اور کربلا کو حضرت زینب نے باقی رکھا۔

## خطبہ کوفہ

کوفہ میں حضرت زینب نے ایسا خطبہ دیا جس میں:

- اہل کوفہ کی بے وفائی کو بے نقاب کیا
  - قرآن کی آیات سے استدلال کیا
  - ضمیرِ مردہ کو جھنجھوڑ دیا
- راوی کہتے ہیں کہ یہ خطبہ حضرت علیؑ کے خطبات کی یاد دلاتا تھا۔

## دربارِ یزید میں خطبہ

شام میں یزید کے دربار میں حضرت زینبؓ نے حق گوئی، شجاعت اور توحید پر مبنی ایسا خطبہ دیا جو تاریخِ اسلام کا سنگِ میل ہے۔ آپ نے فرمایا (مفہوم):

”اے یزید! تو سمجھتا ہے کہ ہم ذلیل ہو گئے؟ قسم بخدا! تو نہ ہمارا ذکر مٹا سکتا ہے اور نہ وحی کا چراغ بجھا سکتا ہے۔“

یہ خطبہ یزید کی ظاہری فتح کو اخلاقی شکست میں بدل گیا۔

## وفات

حضرت زینب سلام اللہ علیہا کی وفات کے بارے میں مورخین میں اختلاف ہے، تاہم مشہور اقوال کے مطابق آپ کی وفات پندرہ رجب، سن باسٹھ ہجری کے قریب ہوئی۔

## مزار

حضرت زینب سلام اللہ علیہا کے مزار کے بارے میں تین مقامات منقول ہیں:

- دمشق (سیدہ زینبؓ کا مشہور روضہ)
  - مدینہ منورہ
  - مصر
- اکثر مؤرخین اور اہل تشیع کے نزدیک دمشق والا مزار زیادہ مشہور و معروف ہے۔

حضرت زینب سلام اللہ علیہا صرف ایک تاریخی شخصیت نہیں بلکہ:

- صبر کی عملی تفسیر
  - حق گوئی کی زندہ مثال
  - مظلوم کی آواز
- ہیں۔ اگر امام حسینؑ نے کربلا میں خون دیا، تو حضرت زینبؓ نے کربلا کو زبان دی۔

## حوالہ جات

- لہوف، سید ابن طاؤس
- بحار الانوار، جلد پینتالیس
- کشف الغمہ
- تاریخ طبری
- بلاذری

## حضرت ام کلثوم بنت علی سلام اللہ علیہا

دخترِ مرتضیٰ، پروردہ زہرا، ہم سفرِ کربلا

حضرت اُمّ کلثوم بنت علی سلام اللہ علیہا، خاندانِ رسالت اور اہل بیت اطہار علیہم السلام کی جلیل القدر خاتون تھیں۔ آپ امیر المومنین حضرت علی بن ابی طالب علیہ السلام اور سیدہ کائنات حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کی دختر اور حضرت امام حسن و حضرت امام حسین علیہما السلام کی حقیقی بہن تھیں۔ آپ کا شمار اُن مقدس خواتین میں ہوتا ہے جنہوں نے اپنی حیاتِ طیبہ میں حیا، وقار، صبر، عبادت اور وفاداری کی عملی مثالیں قائم کیں۔

## ولادت و نسب

حضرت اُمّ کلثوم سلام اللہ علیہا کی ولادت مدینہ منورہ میں ہوئی۔ آپ کا تعلق براہِ راست اُس گھرانے سے تھا جس کے بارے میں قرآن مجید میں آیتِ تطہیر نازل ہوئی۔ آپ نبی اکرم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی نواسی اور اہل بیتِ نبویؑ کے اس مقدس سلسلے کی کردی تھیں جو ہدایت، تقویٰ اور حق کی علامت ہے۔

## نام اور کنیت

آپ کا مشہور نام اُمّ کلثوم ہے۔ بعض تاریخی مصادر میں آپ کا اصل نام زینبِ صغریٰ بھی ذکر ہوا ہے، تاہم شہرت اُمّ کلثوم ہی سے رہی۔

اُمّ کلثوم عربی میں باوقار، متانت اور جمال کی علامت سمجھا جاتا ہے، جو آپ کی شخصیت پر پوری طرح صادق آتا ہے۔

## تربیت و شخصیت

حضرت اُمّ کلثوم سلام اللہ علیہا نے اپنی پرورش:

- نبی اکرم ﷺ کے فیضان
- سیدہ فاطمہ زہراؑ کی عصمت و طہارت
- حضرت علیؑ کی حکمت و شجاعت
- کے سائے میں پائی۔

آپ کی شخصیت میں نمایاں صفات یہ تھیں:

- حیا و عفت
  - صبر و استقامت
  - وقار و متانت
  - عبادت و تقویٰ
  - اہل بیت سے کامل وفاداری
- آپ کم گو مگر بااثر تھیں اور ضرورت کے وقت حق کے اظہار سے کبھی پیچھے نہ ہٹیں۔

## ازدواجی زندگی

حضرت اُمّ کلثوم سلام اللہ علیہا کے نکاح کے بارے میں تاریخی روایات میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ تاہم اہل بیت کے محققین اور شیعہ مصادر اس روایت کو سند اور متن کے اعتبار سے قابلِ اعتماد نہیں مانتے۔

معتبر اہل بیت کی تاریخ میں اس موضوع پر احتیاط برتی جاتی ہے اور قطعی بات کہنے سے اجتناب کیا جاتا ہے۔

## اولاد

حضرت اُمّ کلثوم سلامُ اللہ علیہا کے والے سے اولاد کا کوئی قطعی اور متفقہ ذکر معتبر مصادر میں نہیں ملتا۔ اسی بنا پر اکثر مؤرخین نے اس باب میں سکوت اختیار کیا ہے۔

## واقعہ کربلا میں شرکت

حضرت اُمّ کلثوم سلامُ اللہ علیہا واقعہ کربلا میں اپنی بہن حضرت زینب کبریٰ سلامُ اللہ علیہا کے ہمراہ موجود تھیں۔

آپ نے:

- اہل حرم کے ساتھ کربلا کا سفر کیا
  - عاشورا کے بعد اسیران اہل بیت کے قافلے میں شامل رہیں
  - خواتین اور بچوں کی دلجوئی و حفاظت میں کردار ادا کیا
- یہی نہیں بلکہ آپ نے بھی ظلم کے خلاف آواز بلند کی۔

## خطبات کوفہ و شام

کربلا کے بعد جب اہل بیت کو کوفہ اور پھر شام لے جایا گیا تو حضرت اُمّ کلثوم سلامُ اللہ علیہا نے بھی:

- کوفہ میں اہل شہر کو ان کی بے وفائی پر متنبہ کیا
- اہل بیت کی مظلومیت کو مؤثر انداز میں بیان کیا
- یزیدی ظلم کو بے نقاب کیا

آپ کا اندازِ خطاب درد، وقار اور حقانیت سے لبریز تھا، جو سامعین کے دلوں پر گہرا اثر چھوڑتا تھا۔

## وفات

حضرت اُمّ کلثوم سلامُ اللہ علیہا کی وفات کے بارے میں بھی تاریخ میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ بعض روایات کے مطابق آپ نے مدینہ منورہ میں وفات پائی، جبکہ دیگر اقوال میں مختلف مقامات کا ذکر ملتا ہے۔

تاہم اس بات پر اتفاق ہے کہ آپ نے اپنی زندگی صبر، خاموش خدمت اور اہل بیت کی حمایت میں بسر کی۔

## مقام و مرتبہ

حضرت اُمّ کلثوم سلامُ اللہ علیہا:

- اہل بیت کی مظلومیت کی گواہ
  - کربلا کے پیغام کی امین
  - حیا و وقار کی مجسم تصویر
  - خواتین اسلام کے لیے صبر کی مثال
- ہیں۔

اگر حضرت زینب سلامُ اللہ علیہا کربلا کی خطیبہ اعظم ہیں، تو حضرت اُمّ کلثوم سلامُ اللہ علیہا خاموش مگر مضبوط آوازِ حق ہیں۔

حضرت اُمّ کلثوم بنتِ علی سلامُ اللہ علیہا کی زندگی ہمیں یہ سبق دیتی ہے کہ:

- ہر خدمت بلند آواز سے نہیں ہوتی

- ہر کردار تاریخ کے سرورق پر نہیں لکھا جاتا
- مگر اہل حق کی ہر قربانی خدا کے ہاں محفوظ ہوتی ہے

## حوالہ جات

- بحارالانوار
- بلاذری
- تاریخ طبری
- مقتل الحسین، ابومخنف
- کشف الغمہ

## امام حسین بن علی علیہما السلام

سیدِ شبابِ اہلِ جنت، امامِ قربانی، امامِ حریت، سیدِ الشہداء، مصباحُ الہدیٰ و سفیۃُ النجاة

حضرت امام حسین علیہ السلام، سبطِ اصغرِ رسولِ اکرم ﷺ، جگر گوشہ سیدہ فاطمہ زہرا سلامُ اللہ علیہا اور امام علی بن ابی طالب علیہ السلام کے فرزند، اہل بیت اطہار کے تیسرے امام اور نواسہ رسول ﷺ ہیں۔ آپ کو سید الشہداء، ثار اللہ اور امامِ مظلوم جیسے عظیم القابات سے یاد کیا جاتا ہے۔ آپ کی ذات، توحید، شجاعت، صبر، قربانی اور امامت کا مجسم نمونہ ہے، جنہوں نے ظلم و باطل کے خلاف قیامت تک کے لیے ایک الہی معیار قائم کر دیا۔

تاریخ کے مطابق جب یزید نے امام حسین علیہ السلام سے اپنی بیعت کا مطالبہ کیا تو اس موقع پر امام نے وہ فیصلہ کن اور تاریخ ساز جملہ ارشاد فرمایا:

” مجھ جیسا یزید جیسے شخص کی بیعت نہیں کر سکتا۔ “

یہ الفاظ کسی ذاتی اتایا وقتی اختلاف کا اظہار نہیں تھے بلکہ حق اور باطل کے درمیان ایک واضح لکیر کھینچنے کا اعلان تھے۔ امام حسین نے یزید کی بیعت اس لیے رد کی کہ وہ اسے دین اسلام کی روح، عدل الہی اور رسولِ اکرم ﷺ کی تعلیمات کے منافی سمجھتے تھے۔ تاریخ گواہ ہے کہ اسی اصولی موقف کی وجہ سے آپ نے مدینہ چھوڑا تاکہ حرمِ رسول ﷺ کی حرمت پامال نہ ہو، پھر مکہ مکرمہ میں بھی قیام اس وقت ترک کیا جب وہاں خونریزی کا خطرہ پیدا ہوا۔ کربلا میں پہنچ کر بھی امام حسین نے آخری لمحے تک دلیل، نصیحت اور حق کی دعوت کو ترک نہ کیا، تاکہ دنیا پر یہ واضح ہو جائے کہ ان کی قربانی اقتدار کے لیے نہیں بلکہ دین کی بقا اور امت کے ضمیر کو زندہ رکھنے کے لیے تھی۔

## تاریخی تسلسل

تاریخی تسلسل کو دیکھا جائے تو بنو ہاشم اور بنو امیہ کے درمیان کشمکش محض کربلا سے شروع نہیں ہوتی بلکہ اس کی جڑیں بعثتِ نبویؐ سے بھی پہلے کے قریشی معاشرتی و قبائلی تنازعات میں پیوست ہیں۔ روایات کے مطابق رسولِ اکرم ﷺ کے جدِ امجد حضرت عبد المطلب کو بنو امیہ کے بعض اکابر، خصوصاً امیہ بن عبد شمس کی نسل سے تعلق رکھنے والوں کی طرف سے ایذا اور مخالفت کا سامنا رہا، جس سے یہ عداوت ایک قبائلی حسد اور اقتدار کی کشمکش کی صورت اختیار کر گئی۔ بعثت کے بعد یہی دشمنی کھل کر سامنے آئی اور بدر کے میدان میں بنو امیہ کے بڑے سرداروں کی شکست نے اس آگ کو مزید بھڑکا دیا، کیونکہ وہاں صرف عسکری شکست نہیں ہوئی بلکہ اخلاقی و نظریاتی برتری بھی بنو ہاشم کے حصے میں آئی۔ تاریخ دانوں کے مطابق بدر میں مارے جانے والے اموی سرداروں کا بدلہ لینے کا جذبہ دلوں میں دبا رہا، جو احد، احزاب اور بعد ازاں سیاسی شکل اختیار کرتا ہوا خلافتِ امویہ تک جا پہنچا۔ کربلا میں امام حسین کا قتل اسی دہی ہوئی آگ کا ظاہری اور انتہائی اظہار تھا، جہاں بدر کی شکست کا انتقام رسولِ اکرم ﷺ کے نواسے سے لیا گیا۔ یہی وجہ ہے کہ بہت سے مورخین کے نزدیک کربلا کوئی اچانک واقعہ نہیں بلکہ ایک طویل تاریخی عداوت کا منطقی انجام تھا اور اسی پس منظر میں یہ بات بھی سمجھی جاتی ہے کہ بنو ہاشم اور بنو امیہ کے درمیان نظریاتی و اخلاقی خلیج تاریخ میں کبھی پُر نہ ہو سکی، جس کے اثرات مختلف صورتوں میں آج تک محسوس کیے جاتے ہیں۔

” بدر کی آگ تھی جو کربلا تک پہنچی “



## القابات و کنایات

حضرت امام حسین علیہ السلام کے مشہور و معتبر القابات میں:

- سید الشهداء
- سبطِ رسول
- ریحانۃ النبی
- ثارُ اللہ
- وتّر الموتور
- امامِ مظلوم
- قتیلُ العبرات
- سفینۃ النجاة
- مصباحُ الہدی
- وارثِ انبیا
- خامیں آلِ عبا

شامل ہیں، جو آپ کے روحانی، الٰہی اور تاریخی مقام کی عکاسی کرتے ہیں۔

## والدین

- والد: امیر المؤمنین، حضرت علی بن ابی طالب علیہ السلام
- والدہ: سیدہ النساء العالمین، حضرت فاطمہ الزہرا بنتِ رسول ﷺ سلام اللہ علیہا

## پیدائش

- تاریخ ولادت: 3 شعبان المعظم، سن 4 ہجری
- مقام ولادت: مدینہ منورہ
- رسول اکرم ﷺ نے آپ کا نام حسین رکھا، اذان و اقامت دی، عقیقہ کیا اور فرمایا:

”حسن و حسین جنت کے جوانوں کے سردار ہیں“

حوالہ: سنن ترمذی؛ بحار الانوار، ج 43

## طفولیت اور رسول اکرم ﷺ سے تعلق

حضرت امام حسین علیہ السلام نے اپنی ابتدائی عمر رسول اکرم ﷺ کی آغوشِ رحمت میں گزاری۔ متعدد احادیث میں نبی اکرم ﷺ کا امام حسینؑ کو کندھوں پر بٹھانا، سجدے کو طویل کرنا اور صحابہؓ کے سامنے ان سے محبت کا اظہار کرنا منقول ہے۔ رسول ﷺ نے واضح فرمایا کہ حسینؑ سے محبت درحقیقت مجھ سے محبت ہے اور حسینؑ کی اذیت رسول ﷺ کی اذیت کے مترادف ہے۔

## ازواج

### شہر بانو سلامُ اللہ علیہا

ایرانی بادشاہ یزدگرد کی بیٹی، جنہیں قیروں میں سے امام علی علیہ السلام نے منتخب کیا اور امام حسینؑ سے نکاح کرایا۔ انھی سے امام زین العابدین علیہ السلام پیدا ہوئے۔

### رباب بنت امرؤ القیس کلبی

اہل تقویٰ و علم خاتون، امام حسینؑ کے ساتھ کربلا میں موجود تھیں۔ ان سے حضرت سکینہ سلامُ اللہ علیہا پیدا ہوئیں۔

بعض روایات میں دیگر ازواج کا ذکر بھی ہے، مگر شہر بانو اور رباب سلامُ اللہ علیہما سب سے زیادہ معتبر اور مشہور ہیں۔

## اولاد (ذکور و اناث)

### بیٹے

- حضرت علی زین العابدین علیہ السلام — امام چہارم، کربلا میں موجود، مگر بیمار تھے
- علی اکبر علیہ السلام — جوان، خوبصورت، باادب، میدان کربلا میں شہید ہوئے
- عبد اللہ رضیع (علی اصغرؑ) — شیر خوار شہید کربلا، جسے تیر سے شہید کیا گیا

### بیٹیاں

- سکینہ بنت الحسین سلامُ اللہ علیہا — عالمہ، مظلومہ، شریک کربلا
- فاطمہ بنت الحسین سلامُ اللہ علیہا — بعض روایات میں ان کا ذکر موجود ہے

## دور امامت

حضرت امام حسین علیہ السلام نے سن پچاس ہجری میں امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام کی شہادت کے بعد منصبِ امامت سنبھالا۔ یہ دور شدید سیاسی جبر، اموی استبداد اور دینی تحریف کا زمانہ تھا۔ امام حسینؑ نے اس عرصے میں خاموش انقلابی حکمتِ عملی اختیار کی، دینی اقدار کی حفاظت کی اور یزید کے اقتدار تک صبر و انتظار سے کام لیا، یہاں تک کہ دین کو کھلے خطرے کا سامنا ہوا۔

## اہم واقعات و خدمات

- رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”حسین منی و انا من حسین“

(حسین مجھ سے ہے اور میں حسین سے ہوں)

حوالہ: مسند احمد؛ سنن ترمذی

- یزید کی بیعت سے انکار فرمایا، کیونکہ یزید فسق و فجور میں مبتلا تھا۔
- سن 61 ہجری، 2 محرم کو کربلا پہنچے، جہاں 10 محرم (عاشورہ) کو 72 باوفا ساتھیوں کے ساتھ شہید ہوئے۔
- آپ نے نماز، توحید، غیرت، حریت اور دین محمدی ﷺ کی بقا کے لیے جان قربان کی۔

■ امام حسینؑ نے فرمایا:

”میں موت کو سعادت سمجھتا ہوں اور ظالموں کے ساتھ جینا ذلت!“

## مدینہ سے کربلا تک کا سفر

امام حسین علیہ السلام نے رجب سن ۶۱ھ ہجری میں مدینہ چھوڑا، شعبان میں مکہ پہنچے، جہاں چار ماہ قیام فرمایا۔ جب یزید کی جانب سے مکہ میں بھی قتل کا خطرہ پیدا ہوا تو آپ نے آٹھ ذوالحجہ کو احرام توڑ کر مکہ چھوڑا اور کوفہ کے خطوط و حجت شرعی مکمل ہونے کے بعد دو محرم سن ۶۱ھ ہجری کو کربلا پہنچے۔

## حجت تمام کرنے کا عمل

امام حسین علیہ السلام نے کربلا میں قیام کے دوران متعدد مواقع پر دشمن کے لشکر کو خطبات، مکالمات اور نصیحتوں کے ذریعے حق کی دعوت دی۔ آپ نے اپنا نسب، مقصد قیام اور یزید کے فسق کو واضح کیا تاکہ قیامت تک کوئی یہ دعویٰ نہ کر سکے کہ حق و باطل میں ابہام تھا۔

## شہادت و مدفن

- تاریخ شہادت: 10 محرم 61 ہجری (عاشورہ)
- عمر مبارک: تقریباً 57 سال
- مقام شہادت: میدان کربلا، عراق
- مدفن: کربلا مقدسہ میں روضہ مبارک (جو آج بھی مرکز زیارت ہے)

## شہادت کے بعد اثرات

امام حسین علیہ السلام کی شہادت نے اسلامی تاریخ کا رخ بدل دیا۔ کربلا کے بعد ثوابین، مختار اور دیگر تحریکیں اسی خونِ حسینؑ کی گونج تھیں۔ آپ کی قربانی نے اموی اقتدار کی اخلاقی بنیادیں ہلا دیں اور قیامت تک کے لیے ظلم کے خلاف معیارِ حق قائم کر دیا۔

## حوالہ جات

- بحار الانوار، علامہ مجلسی، ج 44-45
- کشف الغمہ، علی بن عیسیٰ اربلی
- الارشاد، شیخ مفید
- مناقب ابن شہر آشوب
- تاریخ طبری (اہل سنت)
- سیر اعلام النبلاء، امام ذہبی
- مسند احمد
- سنن ترمذی

## حضرت امام زین العابدین علیہ السلام

سجاد، زین العابدین، سید الساجدین، عابدِ شب، وارثِ کربلا

## پیدائش

آپ کی ولادت 5 شعبان 38 ہجری کو مدینہ منورہ میں ہوئی۔

## والد

امام حسین علیہ السلام

## والدہ

حضرت شہر بانو سلام اللہ علیہا، جو ساسانی شہنشاہ یزدگرد سوم کی دختر تھیں۔

حضرت امام زین العابدین علیہ السلام، جن کا نام مبارک علی بن الحسین بن علی بن ابی طالب علیہ السلام ہے، اہل بیت علیہم السلام کے چوتھے امام اور حضرت امام حسین علیہ السلام و شہر بانو سلام اللہ علیہا کے فرزند ہیں۔ آپ کی کنیت ابو محمد اور معروف لقب زین العابدین (عبادت گزاروں کی زینت) اور السجاد (کثرتِ سجدہ کرنے والے) ہے۔ اہل تشیع کے نزدیک آپ معصوم امام، عالم ربانی اور اہل بیت کے عظیم وارث ہیں، جنہوں نے کربلا کے بعد اسلام کی روح کو دعا، معرفت اور صبر کے ذریعے محفوظ فرمایا۔

## القابات و کنایات

حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کے مشہور و معتبر القابات میں:

- زین العابدین
- السجاد
- سید العابدین
- امام البگاء
- ذو الثفتات
- وارث الحسین
- امام الصابرين
- سجاد آل محمد
- عابد شب

شامل ہیں۔

آپ کی کنیت ابو محمد اور بعض روایات میں ابو الحسن بھی منقول ہے۔

## عمر اور کربلا کے وقت حالت

حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کی عمر واقعہ کربلا (61 ہجری) کے وقت تقریباً 23 برس تھی۔ شدید بیماری کی حالت میں ہونے کے باعث آپ میدانِ جنگ میں شریک نہ ہو سکے اور یہی مرض الہی حکمت کے تحت سلسلہ امامت کے تحفظ کا سبب بنا۔

## دور امامت

حضرت امام زین العابدین علیہ السلام نے 10 محرم 61 ہجری کے بعد منصبِ امامت سنبھالا۔ آپ کا دور امامت تقریباً 34 برس پر مشتمل ہے، جو شدید اموی جبر، سیاسی نگرانی اور اہل بیت کے خلاف ریاستی تشدد کا زمانہ تھا۔ اس ماحول میں آپ نے خاموش مگر گہری انقلابی حکمتِ عملی اختیار کی اور تلوار کی بجائے دعا، اخلاق، تعلیم اور تزکیہٴ نفس کو ذریعہ بنایا۔

## اسیری کے دوران کردار

حضرت امام زین العابدین علیہ السلام نے کوفہ اور شام میں اسیری کے دوران اہل بیت کی امامت اور حقانیت کا دفاع کیا۔ دربارِ یزید میں آپ کا مختصر مگر پُر اثر تعارف اور خطابي انداز اس بات کا ثبوت ہے کہ آپ نے امامت کو خاموشی میں بھی نمایاں رکھا اور یزیدی بیانیے کو علمی طور پر شکست دی۔

## علمی و تربیتی خدمات

حضرت امام زین العابدین علیہ السلام نے دعا کو محض عبادت نہیں بلکہ عقیدہ، سیاست، اخلاق اور سماجی شعور کا ذریعہ بنایا۔ آپ نے:

- صحیفہ سجادیہ
  - دعائے عرفہ
  - دعائے مکارم الاخلاق
  - رسالۃ الحقوق
- جیسے علمی و فکری خزانے امت کو عطا کیے، جن میں فرد، معاشرہ، حاکم، رعایا اور خدا کے حقوق واضح کیے گئے۔

## شاگردان اور اثر

آپ کے مشہور شاگردوں میں:

- سعید بن جبیر
  - ابو حمزہ ثمالی
  - زہری (ابتدائی دور میں)
- شامل ہیں۔ آپ کی تعلیمات نے براہ راست امام محمد باقر علیہ السلام کے علمی انقلاب کی بنیاد رکھی۔

امام زین العابدین علیہ السلام نے کریلا کے عظیم سانحہ کو نہ صرف اپنی آنکھوں سے دیکھا، بلکہ شدید بیماری کی حالت میں اسیر بھی بنے۔ کوفہ و شام کے درباروں میں اہل بیت کی عزت و حرمت کا دفاع کیا، صبر، حلم اور بصیرت کے ساتھ۔ آپ نے اپنی زندگی کا بڑا حصہ دعاؤں، مناجاتوں اور روحانی تربیت میں گزارا۔ آپ کی دعاؤں کا مجموعہ صحیفہ سجادیہ کہلاتا ہے، جو اسلامی روحانی ادب کا نہایت بلند مقام ہے۔

## ازواج

حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کی ازواج کے بارے میں روایات مختلف ہیں، تاہم معتبر مصادر میں درج ذیل نام ملتے ہیں:

- حضرت فاطمہ بنت امام حسن علیہ السلام (امّ عبد اللہ) — امام محمد باقر کی والدہ
- بعض کتب میں دیگر ازواج یا امّ ولد کا ذکر ہے، مگر ان کے نام قطعی طور پر متعین نہیں، اس لیے شیعہ محققین احتیاط برتتے ہیں۔

## اولاد

حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کی اولاد میں درج ذیل نام معتبر شیعہ مصادر میں ملتے ہیں:

- حضرت امام محمد باقر علیہ السلام — پانچویں امام
- امام زید بن علی (زید شہید)
- حسن بن علی
- حسین بن علی
- عبد اللہ بن علی

- فاطمہ بنت علی
- علیہ بنت علی

تاہم سلسلہ امامت حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے آگے بڑھا۔

## شہادت کا سبب

آپ کی شہادت 25 محرم 95 ہجری کو مدینہ میں ہوا۔ مصادر کے مطابق حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کو اموی خلیفہ ولید بن عبد الملک کے دور میں زہر دے کر شہید کیا گیا۔ آپ کی شہادت اہل بیت کے خلاف جاری اموی ظلم کا تسلسل تھی۔

## مدفن

جنت البقیع، مدینہ منورہ میں آپ کا مزار مبارک واقع ہے، جو دورِ اموی میں تعمیر ہوا، لیکن بعد میں سعودی حکومت کے ابتدائی دور میں شہید کر دیا گیا۔

## مجموعی کردار

حضرت امام زین العابدین علیہ السلام نے ثابت کیا کہ امامت صرف میدانِ جنگ میں نہیں بلکہ روتوں کی تعمیر میں بھی انقلاب برپا کرتی ہے۔ آپ نے کربلا کے بعد امت کو بکھرنے سے بچایا، اہل بیت کی شناخت کو محفوظ رکھا اور آنے والے ائمہ کے لیے فکری زمین ہموار کی۔

امام سجاد علیہ السلام نے کسی تلوار، خطبہ یا شورش کے بغیر، عبادت، دعا، علم اور زہد سے امت کو بیدار کیا اور ظلم و فساد کے اندھیروں میں اہل بیت کی روشنی کو زندہ رکھا۔ آپ کی خاموش جدوجہد نے اہل بیتِ علیم السلام کے پیغام کو نسل در نسل منتقل کیا۔

## توالہ جات

- الارشاد، شیخ مفید
- بحار الانوار، علامہ مجلسی، جلد 46
- صحیفہ سجادیہ
- کشف الغمہ، علی بن عیسیٰ اربلی
- اعیان الشیعہ، سید محسن امین
- سیر اعلام النبلاء، امام ذہبی (اہل سنت)

## حضرت امام محمد باقر علیہ السلام

باقر العلوم، شاکر آلِ محمد، وارثِ علمِ نبوی، امامِ پنجم اہل بیت

## پیدائش

آپ کی ولادت یکم رجب 57 ہجری کو مدینہ منورہ میں ہوئی، کربلا کے واقعہ کے وقت آپ کی عمر تقریباً چار برس تھی اور آپ اس قیامت خیز واقعہ کے عینی شاہد تھے۔

## مدفن

جنت البقیع، مدینہ منورہ

## والد

حضرت امام علی بن الحسین زین العابدین علیہ السلام

## والدہ

حضرت فاطمہ بنت امام حسن علیہ السلام (امام حسن کی بیٹی)

## زوجہ

آپ کی زوجہ کا نام ام فروہ بنت قاسم بن محمد بن ابی بکر تھا، جو امام جعفر صادق علیہ السلام کی والدہ تھیں۔ ان کے خاندان میں حضرت ابوبکر کی بجائے امام باقر کی نسبت غالب تھی اور خود قاسم بن محمد امام سجاد کے شاگرد و تابعی تھے۔

## اولاد

آپ کی مشہور اولاد میں سب سے بلند مقام حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کو حاصل ہے، جو اہل بیت کے چھٹے امام اور علم فقہ، حدیث اور عقائد کے عظیم معلم بنے۔ ان کے علاوہ آپ کے دیگر فرزندان میں:

- عبد اللہ
- ابراہیم
- عبید اللہ
- علی
- زینب
- ام سلمہ

کے نام بھی بعض روایات میں آتے ہیں۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام، اہل بیت علیم السلام کے پانچویں امام، علم و معرفت کے آفتاب اور امام زین العابدین علیہ السلام و حضرت فاطمہ بنت حسن علیہما السلام کے فرزندِ ارجمند ہیں۔ آپ کا مکمل نام محمد بن علی بن الحسین بن علی بن ابی طالب ہے۔ آپ کی کنیت ابو جعفر اور مشہور لقب باقر العلوم ہے، جس کا مطلب ہے:

”علم کو شق کرنے والے“

یعنی علم کے باریک راز کھولنے والے۔

اہل تشیع کے مطابق آپ معصوم، منصوص من اللہ امام اور اسلام کے حقیقی معارف کے شارح ہیں۔

## القابات و کنایات

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کے مشہور و معتبر القابات میں:

- باقر العلوم
- شاکر
- صابر
- ہادی
- امین

- امام المتقین
  - وارث علم النبی
  - قائد المدرسة العلمية
- شامل ہیں۔

آپ کی کنیت ابو جعفر ہے اور اسی نسبت سے آپ کو ابو جعفر الاول بھی کہا جاتا ہے۔

## عمر اور کربلا میں موجودگی

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام واقعہ کربلا (61 ہجری) کے وقت تقریباً چار برس کے تھے۔ آپ اپنے والد امام زین العابدین علیہ السلام کے ہمراہ اسیرانِ اہل بیت میں شامل رہے اور اسی بنا پر آپ کربلا کے عینی شاہد امام کہلاتے ہیں، جنہوں نے کربلا کو دیکھا بھی اور بعد میں علمی صورت میں محفوظ بھی کیا۔

اس لحاظ سے آپ امام حسن و حسین علیہم السلام دونوں سے تھے۔

## دور امامت

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے سن پچانوے ہجری میں اپنے والد امام زین العابدین علیہ السلام کی شہادت کے بعد منصبِ امامت سنبھالا۔ آپ کا دور امامت تقریباً انیس برس پر محیط ہے۔ یہ زمانہ بنو امیہ کے زوال اور عباسی تحریک کی تیاری کا دور تھا، جس میں ریاستی دباؤ وقتی طور پر کم ہوا اور اسی خلا کو امام نے علمی و فکری انقلاب کے لیے استعمال کیا۔

## سیاسی موقف

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے مسلح قیام کی بجائے علمی مزاحمت کو اختیار فرمایا۔ آپ نے نہ بنو امیہ کی حملت کی اور نہ عباسی تحریک کا حصہ بنے، بلکہ دونوں سے فاصلہ رکھ کر اہل بیت کے خالص مکتب کو محفوظ رکھا، تاکہ امامت کسی سیاسی آلے میں تبدیل نہ ہو۔

## علمی انقلاب

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے پہلی مرتبہ اہل بیت کے علوم کو منظم تدریسی صورت میں عام کیا۔ آپ نے:

- تفسیر قرآن
- فقہ
- اصول عقائد
- علم حدیث
- اخلاق و عرفان
- امامت
- تاریخ انبیا

جیسے علوم کو باقاعدہ حلقہ درس کے ذریعے پھیلایا۔

آپ کی علمی مجلسوں میں سینکڑوں طلبہ شریک ہوتے تھے، جن میں اہل سنت اور اہل تشیع دونوں شامل تھے۔ آپ نے دین کی اصل روح کو اموی پروپیگنڈے اور جعلی احادیث سے الگ کر کے محفوظ کیا۔

## شاگردان

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کے مشہور شاگردوں میں:

- زرارہ بن اعین



- محمد بن مسلم
- برید عجل
- ابو بصیر
- جابر بن یزید جعفی

شامل ہیں، جنہوں نے بعد میں فقہ جعفری کی بنیادوں کو مضبوط کیا۔

## حدیث و فقہ میں مقام

اہل سنت کے بڑے علما اور محدثین بھی حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کے علمی مقام کے معترف تھے۔ امام ابو حنیفہ، امام مالک اور دیگر تابعین کے حلقوں میں آپ کی علمی شخصیت معروف تھی۔ متعدد اہل سنت مؤرخین نے آپ کو:

” اعلم الناس “

یعنی اپنے زمانے کا سب سے بڑا عالم قرار دیا۔

## عبادت و اخلاق

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام زہد، عبادت، سخاوت اور حسنِ اخلاق میں بھی بے مثال تھے۔ آپ راتوں کو طویل عبادت فرماتے، غریبوں کی مدد کرتے اور لوگوں کے سوالات نہایت تحمل اور شفقت سے سنتے تھے۔

## اہم ارشادات

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کے چند معروف اقوال:

” علم وہ خزانہ ہے جس کی کنجی سوال ہے۔ “

” جس شخص کا ظاہر اس کے باطن سے بہتر ہو، وہ نفاق کے قریب ہے۔ “

” ہمارا شیعہ وہ ہے جو اللہ سے ڈرے اور اس کی اطاعت کرے۔ “

## شہادت

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کی شہادت 7 ذوالحجہ 114 ہجری کو ہوئی۔ متعدد شیعہ مصادر کے مطابق آپ کو اموی خلیفہ ہشام بن عبد الملک کے حکم پر زہر دیا گیا۔

## مدفن

آپ جنت البقیع، مدینہ منورہ میں اپنے والد حضرت امام زین العابدین علیہ السلام اور جد امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام کے پہلو میں مدفون ہیں۔

## مجموعی کردار

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے اہل بیت کے علوم کو ایک مضبوط فکری و تعلیمی نظام میں تبدیل کیا۔ اگر امام حسینؑ نے خون سے دین بچایا اور امام زین العابدینؑ نے دعا سے روح دین کو زندہ رکھا، تو امام باقرؑ نے علم کے ذریعے اسلام کی فکری بنیادوں کو محفوظ کیا۔

آپ کی علمی تحریک نے بعد میں امام جعفر صادق علیہ السلام کے عظیم علمی انقلاب کی راہ ہموار کی اور اسی تسلسل سے فقہ جعفری، تفسیر، حدیث اور عرفان کی منظم روایت آگے بڑھی۔

## حوالہ جات

- الارشاد، شیخ مفید
- بحار الانوار، علامہ مجلسی، جلد 46
- رجال کشی
- اعیان الشیعہ
- مناقب آل ابی طالب
- سیر اعلام النبلاء، امام ذہبی
- تہذیب التہذیب، ابن حجر عسقلانی

## حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام

صادق آلِ محمد، امامُ المستقین، معلمُ مکتبِ اہلِ بیت، رئیسُ المدرسۃ الجعفریہ

حضرت امام جعفر بن محمد الصادق علیہ السلام، اہل بیت علیم السلام کے چھٹے امام، علم و فقہ کے درخشندہ چراغ اور امام محمد باقر علیہ السلام و حضرت ام فروہ بنت قاسم بن محمد کی فرزند ارجمند تھے۔ آپ کا لقب الصادق رسول اکرم ﷺ کی طرف سے عطا کردہ ہے، تاکہ لوگ آئندہ جھوٹے مدعیان (جعفر تو اب یا آپ کے مد مقابل کھڑے ہونے والے میں) سے فرق کر سکیں۔ اہل تشیع کے نزدیک آپ معصوم، برحق امام اور علم و معرفت کے جامع تھے، جنہوں نے اہل بیت کے علمی مکتب کو وسعت اور دوام عطا فرمایا۔

## پیدائش

آپ کی ولادت 17 ربیع الاول 83 ہجری کو مدینہ منورہ میں ہوئی۔

## والد

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام

## والدہ

حضرت ام فروہ بنت قاسم بن محمد بن ابی بکر، جو امام سجادؑ کے شاگرد اور معروف تابعی قاسم بن محمد کی صاحبزادی تھیں۔

## کنیت اور نسبی امتیاز

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی کنیت ابو عبد اللہ ہے۔ آپ اہل بیت علیم السلام کے وہ واحد امام ہیں جن کا نسب حضرت امام حسنؑ اور حضرت امام حسینؑ دونوں سے جا ملتا ہے، کیونکہ آپ کی والدہ حضرت فاطمہ بنت امام حسنؑ تھیں۔ اس طرح آپ حسنی و حسینی دونوں سادات کے جامع امام ہیں، جو آپ کے مقام علمی و روحانی کی ایک منفرد جہت ہے۔

## دور امامت

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے سن ایک سو چودہ ہجری میں اپنے والد امام محمد باقر علیہ السلام کی شہادت کے بعد منصب امامت سنبھالا۔ آپ کا دور امامت تقریباً چونتیس برس پر محیط ہے، جو بنو امیہ کے زوال اور بنو عباس کے قیام کا نہایت حساس دور تھا۔ اس سیاسی انتشار نے امام کو اہل بیت کے علوم کو منظم اور عام کرنے کا تاریخی موقع فراہم کیا۔

## سیاسی موقف

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے نہ بنو امیہ کی بیعت قبول کی اور نہ عباسی تحریک کا حصہ بنے، حالانکہ عباسی حکمران اہل بیت کے نام پر اقتدار میں آئے تھے۔ امام نے واضح فرمایا کہ امامت الہی منصب ہے، سیاسی حکومت نہیں اور اسی غیر لچکدار موقف کے باعث عباسی حکمران خصوصاً منصور دوانیقی آپ سے سخت خائف رہے۔

## ازواج

روایات کے مطابق آپ کی متعدد ازواج تھیں، جن میں سب سے معروف حضرت حمیدہ خاتون سلام اللہ علیہا ہیں، جن کا تعلق شمالی افریقہ یا اندلس سے تھا اور وہ علم و تقویٰ میں ممتاز تھیں۔

## اولاد

امام جعفر صادق علیہ السلام کی اولاد میں مشہور ترین فرزند حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام ہیں، جو اہل بیت کے ساتویں امام بنے۔ دیگر اولاد میں:

- اسحاق بن جعفر
- اسماعیل بن جعفر (جن کے بارے میں اسماعیلی فرقے نے دعویٰ کیا، مگر امام نے ان کی امامت کی نفی فرمائی، بعض روایات میں آتا ہے کہ آپ کا کردار اس قدر بلند تھا کہ آپ سے محبت کرنے والوں کی تعداد اتنی زیادہ تھی کہ آپ کا جنازہ سات مرتبہ روکا گیا۔)
- محمد دیباج سب سے زیادہ حسین و جمیل
- علی عریضی
- عبد اللہ الافطح، بانی افطح شیعہ
- فاطمہ
- اسماء
- ام فروہ
- وغیرہ

## علمی خدمات

آپ کا دور اسلامی علمی نشاۃ ثانیہ کا ابتدائی زمانہ تھا، جس میں آپ نے علم حدیث، فقہ، کلام، طب، کیمیا، فلکیات اور فلسفہ پر ہزاروں شاگردوں کی تربیت کی۔

آپ کے مشہور شاگردوں میں:

- ابو حنیفہ (اہل سنت کے امام)
- مالک بن انس
- زرارہ بن اعین
- محمد بن مسلم
- ہشام بن حکم
- جابر بن حیان (بابائے کیمیا)

## فقہ جعفری کی تشکیل

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فقہ اہل بیت کو باقاعدہ اصولی مکتب کی صورت دی۔

آپ نے:

- قیاس
- استحسان
- حکومتی فقہ
- درباری حدیث سازی

کو صراحتاً رد فرمایا اور قرآن و سنتِ معصوم پر مبنی فقہی نظام پیش کیا، جو بعد میں فقہ جعفری کے نام سے معروف ہوا اور آج بھی اہل تشیع کا بنیادی فقہی منہج ہے۔

## مناظرات اور فکری جدوجہد

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے دہریہ، زنادقہ، قدریہ، جریہ اور لمحبرین کے ساتھ متعدد علمی مناظرے کیے۔ آپ کے دلائل اتنے مضبوط اور عقلی تھے کہ مخالفین لاجواب ہو جاتے۔ ان مناظرات نے اسلامی عقائد کو فلسفیانہ حملوں سے محفوظ رکھا۔

امام علیہ السلام نے فقہ اہل بیت کو منظم کیا، جس پر اہل تشیع کے فقہی اصول قائم ہیں۔ آپ نے حاکم بنی امیہ و بنی عباس کے ظلم کے باوجود خاموش علمی جہاد جاری رکھا۔

## وفات

امام جعفر صادق علیہ السلام کی شہادت 25 شوال 148 ہجری کو مدینہ منورہ میں ہوئی۔

روایات کے مطابق عباسی خلیفہ منصور دوانیقی نے آپ کو زہر دلوا کر شہید کرایا۔

## مدفن

جنت البقیع، مدینہ منورہ

آپ نے فرمایا:

” کونو لنا زیناً و لا تکنونا علینا شیناً “

(ہمارے لیے زینت بنو، ہمارے لیے باعثِ شرمندگی نہ بنو)

## علمی وسعت

تاریخی روایات کے مطابق حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے چار ہزار سے زائد شاگردوں نے براہ راست علم حاصل کیا۔ یہ اسلامی تاریخ کی سب سے بڑی غیر سرکاری علمی درسگاہ تھی، جس نے فقہ، حدیث، سائنس اور فلسفے کو نئی جہت دی۔

## شہادت کا پس منظر

عباسی خلیفہ منصور دوانیقی امام جعفر صادق علیہ السلام کی بڑھتی ہوئی علمی مقبولیت اور عوامی رجوع کو اپنے اقتدار کے لیے خطرہ سمجھتا تھا۔ اسی خوف کے تحت اس نے سن ایک سو اڑتالیس ہجری میں آپ کو زہر دلوایا، جس کے نتیجے میں آپ شہید ہوئے۔ آپ کی شہادت اہل بیت کے خلاف عباسی جبر کا واضح ثبوت ہے۔

## فکری وراثت

اگر امام حسین علیہ السلام نے اسلام کو قربانی سے، امام زین العابدین علیہ السلام نے دعا سے اور امام محمد باقر علیہ السلام نے علم کی بنیاد سے بچایا، تو حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے اسلامی علوم کو مکمل نظام میں ڈھال کر قیامت تک کے لیے محفوظ کر دیا۔

## حوالہ جات

- بحار الانوار (علامہ مجلسی، ج 47-48)
- الارشاد (شیخ مفید)
- مناقب آل ابی طالب (ابن شہر آشوب)
- دلائل الامامہ (طبری شیعہ)
- کشف الغمہ (علی بن عیسیٰ اربلی)
- سیر اعلام النبلاء (امام ذہبی اہل سنت)

## حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام

باب الحوائج، صابر زندان، امام مظلوم

حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام اہل بیت علیہم السلام کے ساتویں امام، علم، حلم، زہد، عبادت اور صبر کے پیکر ہیں۔ آپ کا لقب الکاظم (غصہ ضبط کرنے والا) آپ کے علم اور بردباری کی علامت ہے، جبکہ باب الحوائج کے لقب سے آپ کو شیعہ و سنی دونوں مکاتب میں یاد کیا جاتا ہے، کیونکہ آپ کے وسیلے سے دعائیں قبول ہوتی ہیں۔

## پیدائش

آپ کی ولادت 7 صفر 128 ہجری کو اہواء (مدینہ و مکہ کے درمیان) ہوئی۔

## والد

امام جعفر صادق علیہ السلام

## والدہ

حضرت حمیدہ خاتون سلام اللہ علیہا، جو اندلس کی نیک، عالمہ اور با عظمت مومنہ تھیں۔

## ازواج

آپ کی متعدد ازواج تھیں، لیکن سب سے ممتاز زوجہ حضرت نجمہ خاتون سلام اللہ علیہا تھیں، جن سے حضرت امام علی رضا علیہ السلام پیدا ہوئے۔ دیگر ازواج کے ذریعے بھی اولاد ہوئی، لیکن تفصیلات بعض کتب میں مختلف انداز سے بیان ہوئی ہیں۔

## کنیت و القابات

حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی کنیت ابو الحسن ہے، اسی بنا پر آپ کو ابو الحسن الاول بھی کہا جاتا ہے۔ آپ کے مشہور القابات میں الکاظم، باب الحوائج، عبد الصالح، زین المجتہدین، صابر البلاء اور امام المظلومین شامل ہیں، جو آپ کے علم، عبادت، قید و صبر اور روحانی مقام کی ترجمانی کرتے ہیں۔

## دورِ امامت

حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے سن ایک سو اڑتالیس ہجری میں اپنے والد امام جعفر صادق علیہ السلام کی شہادت کے بعد منصبِ امامت سنبھالا۔ آپ کا دورِ امامت تقریباً پینتیس برس پر محیط ہے، جو عباسی خلافت کے سب سے سخت اور جابر ادوار میں شمار ہوتا ہے، خصوصاً منصور، مہدی، ہادی اور ہارون الرشید کے زمانے میں۔

## سیاسی موقف

حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے عباسی خلافت کی شرعی حیثیت کو کبھی تسلیم نہیں کیا۔ ہارون الرشید آپ کے روحانی اثر و رسوخ سے شدید خائف تھا، کیونکہ لوگ آپ کو حقیقی امام مانتے تھے۔ اسی خوف کے باعث عباسی حکومت نے آپ کو مسلسل نگرانی، جلاوطنی اور قید و بند میں رکھا۔

## قید و بند کا زمانہ

حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے اپنی زندگی کے کئی سال بصرہ اور بغداد کے مختلف قیدخانوں میں گزارے، جن میں عیسیٰ بن جعفر، فضل بن ربیع، فضل بن یحییٰ اور سندی بن شاہک کے زندان شامل ہیں۔

آپ قید میں بھی عبادت، تلاوتِ قرآن اور دعا میں مشغول رہتے، حتیٰ کہ جیل بان بھی آپ کے زہد و تقویٰ سے متاثر ہو جاتے تھے۔ اسی بنا پر آپ کو صابرِ زندان کہا جاتا ہے۔

## علمی خدمات

شدید پابندیوں کے باوجود حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے علمِ حدیث، فقہِ اہل بیت اور اخلاقی تربیت کا سلسلہ جاری رکھا۔

آپ کے مشہور شاگردوں میں:

- علی بن یقطین
- ہشام بن حکم (ابتدائی دور)
- یونس بن عبد الرحمن
- صفوان بن یحییٰ

شامل ہیں، جنہوں نے بعد میں فقہِ جعفری کے استحکام میں اہم کردار ادا کیا۔

## واقفہ فتنہ

حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی شہادت کے بعد بعض افراد نے آپ کی امامت پر توقف کیا اور حضرت امام علی رضا علیہ السلام کی امامت کا انکار کیا، یہ گروہ واقفہ کہلایا۔ اہل بیت کے معتبر اصحاب نے اس انحراف کو رد کیا اور واضح کیا کہ سلسلہ امامت حضرت امام علی رضا علیہ السلام میں جاری ہے۔

## اولاد

مورخین کے مطابق امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی کل اولاد 30 سے زائد تھی، جن میں 18 بیٹے اور 19 بیٹیاں مشہور ہیں۔

## اہم فرزندان و بنات

- حضرت امام علی رضا علیہ السلام (آٹھویں امام)
- ابراہیم بن موسیٰ
- اسحاق بن موسیٰ
- زید
- حسن

- حسین
- ہارون
- محمد
- جعفر
- عبد اللہ
- احمد

بیٹوں میں:

- ام کلثوم
- حکیمہ
- زینب
- خدیجہ
- رقیہ
- امامہ
- ام جعفر

- بی بی فاطمہ معصومہ سلام اللہ علیہا، جن کا مزار قم (ایران) میں واقع ہے اور وہ زیارت و عقیدت کا عظیم مرکز ہے۔

## اہم کردار و خدمات

امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کا دور بنی عباس کے جابر حکمرانوں (خصوصاً ہارون الرشید) کے ظلم و استبداد کا زمانہ تھا۔ آپ کو بارہا قید و بند میں رکھا گیا، یہاں تک کہ بغداد کے مختلف قیدخانوں میں آپ نے برسوں صبر کے ساتھ زندگی گزاری۔ آپ نے علم و تقویٰ، خاموش تبلیغ اور صبر و رضا کے ذریعے اہل بیت کے پیغام کو زندہ رکھا۔

آپ کا ایک مشہور فرمان ہے:

”أفضل العبادۃ بعد المعرفة انتظار الفرج“

(معرفت کے بعد سب سے افضل عبادت ظہور کا انتظار ہے)

[بحار الانوار، ج 71]

## شہادت کا پس منظر

آپ کی شہادت 25 رجب 183 ہجری کو بغداد میں اس وقت ہوئی جب آپ کو ہارون رشید کے حکم سے قید میں زہر دیا گیا۔ عباسی حکومت نے حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کو قید میں زہر دے کر شہید کیا اور لاش کو بغداد کے پل پر رکھوا کر اعلان کروایا کہ یہ موسیٰ بن جعفر ہے تاکہ لوگوں کے دلوں میں آپ کے زندہ ہونے کا تصور ختم کیا جاسکے۔ اس اقدام نے عباسی ظلم کو مزید بے نقاب کر دیا۔

## عمر مبارک

تقریباً 55 سال

## مدفن

کاظمین شریفین (بغداد، عراق) میں آپ کا روضہ اقدس موجود ہے، جو امام محمد تقی علیہ السلام کے روضہ کے ساتھ ہے۔

## فکری و روحانی وراثت

حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے ثابت کیا کہ صبر بھی جہاد کی ایک اعلیٰ ترین شکل ہے۔ اگر امام حسینؑ نے تلوار سے، امام سجادؑ نے دعا سے، امام باقر و صادقؑ نے علم سے دین کو بچایا، تو امام موسیٰ کاظمؑ نے قید و خاموش استقامت سے امامت کو محفوظ رکھا۔

## حوالہ جات

- الارشاد (شیخ مفید)
- بحار الانوار (علامہ مجلسی، ج48-49)
- کشف الغمہ (علی بن عیسیٰ اربلی)
- دلائل الامامہ (طبری شیعہ)
- سیر اعلام النبلاء (امام ذہبی)
- تاریخ بغداد (خطیب بغدادی)

## حضرت امام علی رضا علیہ السلام

امامِ ضامن، عالم آلِ محمدؐ ولیِ عہدِ مامون، امامِ برحق

حضرت امام علی بن موسیٰ الرضا علیہ السلام اہل بیتِ علیم السلام کے آنھویں امام، علم و حلم، تقویٰ و طہارت اور عزت و شرافت کے درخشندہ مینار تھے۔ آپ کا معروف لقب الرضا (اللہ اور رسول کی رضا کے حامل) ہے، جو امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے بعد آپ کو نصّ جلی کے ذریعے امامت کے لیے عطا ہوا۔ اہل تشیع کے نزدیک آپ معصوم، امامِ برحق اور امامتِ مطلقہ کے وارث تھے۔ عباسی خلیفہ مامون الرشید نے سیاسی دباؤ میں آکر آپ کو ولی عہد مقرر کیا، مگر اصل میں امام کے روحانی مقام کو روک نہ سکا۔

## پیدائش

آپ کی ولادت 11 ذی القعدہ 148 ہجری کو مدینہ منورہ میں ہوئی اور اسی سال آپ کے دادا، امام جعفر صادق علیہ السلام کی وفات ہوئی۔

## والد

امام موسیٰ کاظم علیہ السلام

## والدہ

حضرت نجمہ خاتون سلام اللہ علیہا، جو نہایت عابدہ، زاہدہ اور عالمہ تھیں۔ انھیں تکلم بھی کہا جاتا تھا۔

## کنیت و مزید القابات

حضرت امام علی رضا علیہ السلام کی کنیت ابو الحسن ہے، اسی بنا پر آپ کو ابو الحسن الثانی بھی کہا جاتا ہے (امام موسیٰ کاظمؑ ابو الحسن الاول تھے)۔

آپ کے دیگر معروف القابات میں:

- عالم آل محمدؐ



- ضامن آھو
  - غریب الغرباء
  - سلطان طوس
  - بابُ الرضا
  - امامِ ضامن
  - غریبُ الغرباء
  - سلطانُ خراسان
  - حجتُ اللہ
  - وارثِ علمِ نبوی
- شامل ہیں۔

## دور امامت

حضرت امام علی رضا علیہ السلام نے سن 183 ہجری میں اپنے والد امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی شہادت کے بعد منصبِ امامت سنبھالا۔ آپ کا دورِ امامت تقریباً بیس برس (183- بیس 3 ہجری) پر محیط ہے، جو عباسی خلافت کے فکری، سیاسی اور مذہبی بحران کا زمانہ تھا۔

## ولایت عہدی پر امام کا موقف

حضرت امام علی رضا علیہ السلام نے ولی عہدی کو جبر اور شرط کے ساتھ قبول فرمایا۔ آپ نے واضح طور پر فرمایا کہ آپ:

- کسی کو معزول یا مقرر نہیں کریں گے
  - کسی حکومتی فیصلے میں شریک نہیں ہوں گے
  - کسی جنگ یا سیاسی اقدام کا حصہ نہیں بنیں گے
- یہ قبولیت دراصل مامون کی سیاسی چال کو شرعی و اخلاقی طور پر ناکام بنانے کی حکمت عملی تھی۔

## حدیث سلسلۃ الذہب

نیثاپور میں حضرت امام علی رضا علیہ السلام نے مشہور حدیثِ سلسلۃ الذہب بیان فرمائی، جس میں توحید کو امامت سے مشروط قرار دیتے ہوئے فرمایا:

” لا إله إلا الله حصني، فمن دخل حصني أمن من عذابي... بشرطها وأنا من شروطها “

یہ حدیث عقیدۂ توحید اور امامت کے باہمی تعلق کی سب سے مضبوط نص سمجھی جاتی ہے۔

## ازواج

اہم اور معروف زوجہ سبیکہ خاتون سلام اللہ علیہا (بعض کتب میں خیزران بھی ذکر ہوا ہے) تھیں، جو نیک اور باکمال خاتون تھیں اور جن سے امام محمد تقی علیہ السلام پیدا ہوئے۔

ان کے علاوہ امام علی رضا علیہ السلام نے عباسی خلیفہ مامون الرشید کی بیٹی سے بھی نکاح کیا، جس کا نام بعض روایات میں اُمّ حبیبہ یا لمبہ آیا ہے۔ یہ نکاح مامون کی سیاسی حکمت عملی کا حصہ تھا تاکہ امام کو خلافت کے قریب لاکر اپنے اقتدار کو مذہبی جواز فراہم کر سکے، تاہم روایات کے مطابق امام رضا علیہ السلام نے یہ رشتہ دینی نہیں بلکہ سیاسی مجبوری کے تحت قبول فرمایا۔

## اولاد

مورخین کے مطابق امام علی رضا علیہ السلام کی ایک ہی فرزند مسلم الثبوت ہے:

## ■ حضرت امام محمد تقی الجواد علیہ السلام — جو نویں امام بنے۔

بعض روایات میں دیگر اولاد (بیٹے یا بیٹیاں) کا ذکر بھی ملتا ہے، لیکن اہل تشیع کے معتبر منابع میں امام محمد تقی ہی کو امام رضاؑ کا واحد جانشین اور وارثِ علم و امامت قرار دیا گیا ہے۔

## اہم خدمات

امام علی رضا علیہ السلام نے اپنے زمانے میں علم، مناظرات، تدریس اور اہل بیت کے نظریات کو واضح کیا۔ عباسی خلیفہ مامون الرشید نے امامؑ کو مرو (ایران) بلایا اور ولی عہد بنانے کا اعلان کیا، مگر امامؑ نے حکومتی مداخلت سے خود کو علمی میدان تک محدود رکھا۔

آپ کے مناظرات کتب میں محفوظ ہیں، خصوصاً:

- مناظرہ جاثلیق نصرانی
  - ہارون کے علما
  - دہریہ
  - مجوس
  - اور اہل سنت کے محدثین کے ساتھ
- ان مناظرات نے امامؑ کے علمی مقام کو مسلم دنیا میں روشن کر دیا۔ آپ کے چند خطبات، رسائل اور احادیث اہل بیت کے عقائد و فقہ کی بنیاد ہیں۔

## آخری سفر

مامون عباسی نے امام علی رضا علیہ السلام کو مرو سے بغداد لے جانے کا ارادہ کیا، مگر راستے میں طوس (موجودہ مشہد) میں قیام کے دوران امامؑ کی طبیعت بگڑ گئی۔ اسی سفر میں آپ کو زہر دیا گیا، جس کے نتیجے میں آپ نے شہادت پائی۔

## شہادت

امام رضا علیہ السلام کو مامون عباسی نے زہر دے کر شہید کیا، جب آپ ولی عہدی کو عملاً قبول نہیں کر رہے تھے۔

- تاریخ شہادت: 17 صفر بیس 3 ہجری
- عمر مبارک: 55 برس

## مدفن

مشہد مقدس (ایران) جہاں آپ کا روضہ مبارک دنیا کا عظیم ترین مرکز زیارت ہے۔

## تاریخی مقام

حضرت امام علی رضا علیہ السلام وہ امام ہیں جنہوں نے پہلی مرتبہ امامت کو خلافت کے سامنے کھڑا کر دیا۔ اگرچہ ظاہری طور پر ولی عہد بنایا گیا، مگر درحقیقت یہی واقعہ عباسی خلافت کی اخلاقی شکست اور اہل بیت کی روحانی برتری کا اعلان بن گیا۔

## حوالہ جات

- عیون اخبار الرضا (شیخ صدوق)
- بحار الانوار (علامہ مجلسی، ج49-50)
- الارشاد (شیخ مفید)

- کشف الغمہ (علی بن عیسیٰ اربلی)
- تاریخ طبری
- سیر اعلام النبلاء (امام ذہبی)

## حضرت امام محمد تقی علیہ السلام

الجواد، بابُ التّقی، کم سن امام

حضرت امام محمد بن علی التّقی الجواد علیہ السلام، اہل بیت علیہم السلام کے نویں امام، علم، سخاوت، زہد اور پاکیزگی کے روشن چراغ تھے۔ آپ کا معروف لقب الجواد (سب سے زیادہ سخی) ہے اور التّقی (سب سے زیادہ پرہیزگار) کے لقب سے بھی یاد کیے جاتے ہیں۔ اہل تشیع کے مطابق آپ معصوم امام، منصوص من اللہ اور امام علی رضا علیہ السلام کے واحد فرزند تھے۔

## پیدائش

آپ کی ولادت 10 رجب 195 ہجری کو مدینہ منورہ میں ہوئی۔

## والد

آپ کے والد امام علی رضا علیہ السلام تھے۔

## والدہ

سیکھ خاتون سلام اللہ علیہا (جنھیں خیران بھی کہا جاتا ہے) نہایت باکمال، باایمان اور عابدہ خاتون تھیں۔

## کنیت و القابات

حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کی کنیت ابو جعفر ہے، اسی وجہ سے آپ کو ابو جعفر الثانی بھی کہا جاتا ہے (امام محمد باقر ابو جعفر الاول تھے)۔

آپ کے دیگر معروف القابات میں:

- الجواد
- التّقی
- بابُ التّقی
- امامُ الصّغیر سبّاً و الکبیر شأناً
- حجتُ اللہ علی الصّغیر و الکبیر

شامل ہیں۔

## دور امامت

حضرت امام محمد تقی الجواد علیہ السلام نے بیس 3 ہجری میں اپنے والد امام علی رضا علیہ السلام کی شہادت کے بعد منصبِ امامت سنبھالا۔ آپ کا دورِ امامت تقریباً سترہ برس (بیس 3-2 بیس ہجری) پر محیط ہے، جو عباسی خلافت کے شدید سیاسی دباؤ اور علمی مقابلے کا زمانہ تھا۔

## زوجہ

آپ کی زوجہ ام الفضل تھیں، جو عباسی خلیفہ مامون الرشید کی بیٹی تھیں۔ مامون نے امام رضا علیہ السلام کے بعد امام محمد تقی سے علمی اور روحانی اثر کو کم کرنے کے لیے یہ نکاح کروایا، لیکن امام نے علم و وقار سے اہل بیت کی عزت کو قائم رکھا۔

امام محمد تقی علیہ السلام کی اصلی نسل اور امامت کی وراثت آپ کی دوسری زوجہ سیدہ سمانہ مغربیہ سلام اللہ علیہا سے ہوئی، جن سے امام علی نقی علیہ السلام پیدا ہوئے۔

## اولاد

- امام علی نقی الہادی علیہ السلام — دسویں امام، جن سے سلسلہ امامت جاری رہا۔ بعض کتب میں دیگر بیٹوں اور بیٹیوں کا بھی ذکر ہے (مثلاً موسیٰ، حکیمہ، فاطمہ)، مگر امام علی نقی سب سے مشہور اور منصوص امام ہیں۔

## علمی مقام

امام محمد تقی علیہ السلام کم سنی (تقریباً 8 سال) میں منصب امامت پر فائز ہوئے، جس پر بعض نے اعتراض کیا، تو امام نے عباسی دربار میں مناظرہ کر کے علم و امامت کا کمال ظاہر کیا۔ آپ کے مشہور مناظروں میں سے ایک قاضی القضاۃ یحییٰ بن اکثم کے ساتھ ہے، جس میں امام نے متعدد فقہی سوالات کا جواب دے کر علمائے وقت کو حیران کر دیا۔

## کم سنی میں امامت کی دلیل

جب بعض لوگوں نے امام محمد تقی علیہ السلام کی کم عمری پر اعتراض کیا تو آپ نے قرآنی استدلال پیش فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو گھوارے میں نبوت عطا کی، لہذا امامت عمر کی محتاج نہیں بلکہ نصّ الہی کی تابع ہے۔ یہ دلیل شیعہ عقیدے میں کم سن امامت پر فیصلہ کن نص بن گئی۔

## سیاسی نگرانی

حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کو عباسی خلافت، خصوصاً مامون اور بھرمعتمد کے دور میں مسلسل نگرانی میں رکھا گیا۔ بغداد میں قیام، درباری ماحول اور جبری قربت کے باوجود امام نے اہل بیت کے وقار، استقلال اور دینی اصولوں پر کوئی سمجھوتہ نہیں کیا۔

## عبادت و اخلاق

حضرت امام محمد تقی علیہ السلام سقاوت، عاجزی، حلم، عبادت اور حسن اخلاق میں بے مثال تھے۔ اسی بنا پر آپ کو الجواد کہا جاتا ہے۔ آپ راتوں کو عبادت، دعا اور محتاجوں کی مدد میں گزارتے تھے اور دروازے پر آنے والے کسی سائل کو خالی ہاتھ واپس نہیں کرتے تھے۔

## شہادت

حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کو عباسی خلیفہ معتمد کے دور میں زہر دے کر شہید کیا گیا۔ بعض روایات کے مطابق اس سازش میں ام الفضل بھی شامل تھی، جسے عباسی دربار نے استعمال کیا۔

- تاریخ شہادت: 29 ذی القعدہ 220 ہجری

- عمر مبارک: تقریباً 25 سال

## مدفن

کاظمین شریفین، بغداد — اپنے جد امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے پہلو میں۔

## فکری و تاریخی مقام

حضرت امام محمد تقی علیہ السلام نے ثابت کیا کہ امامت علمِ الہی ہے، نہ کہ عمر، سیاست یا ظاہری طاقت کی محتاج۔ آپ کی کم سنی میں علمی برتری اہل بیت کی امامت کی روشن دلیل بن گئی۔

## حوالہ جات

- الارشاد (شیخ مفید)
- بحار الانوار (علامہ مجلسی، ج50)
- عیون اخبار الرضا
- دلائل الامامہ
- کشف الغمہ
- سیر اعلام النبلاء

## حضرت امام علی نقی الہادی علیہ السلام

الہادی، النقی، امامِ عسکر، رمیر تقویٰ

حضرت امام علی بن محمد الہادی النقی علیہ السلام اہل بیت علیہم السلام کے دسویں امام، علم، تقویٰ، عبادت، حلم اور الٰہی ہدایت کے روشن مینار تھے۔ آپ کا معروف لقب الہادی (ہدایت دینے والے) اور النقی (پاکیزہ) ہے۔ اہل تشیع کے نزدیک آپ معصوم امام، حجت خدا اور حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کے جانشین تھے۔

## پیدائش

آپ کی ولادت 15 ذی الحجہ 212 ہجری کو صریا (مدینہ کے قریب ایک بستی) میں ہوئی۔

## والد

حضرت امام محمد تقی الجواد علیہ السلام

## والدہ

سیدہ سمانہ مغربیہ سلام اللہ علیہا، جو نہایت عابدہ، زاہدہ اور پاکیزہ خاتون تھیں۔

## کنیت و القابات

حضرت امام علی نقی علیہ السلام کی کنیت ابو الحسن ہے، اسی وجہ سے آپ کو ابو الحسن الثالث بھی کہا جاتا ہے۔

آپ کے مشہور القابات میں:

- الہادی
- النقی
- العسکری
- الفقہ
- الامین
- الطیب
- الناصح

شامل ہیں۔

## دور امامت

حضرت امام علی نقی علیہ السلام نے 220 ہجری میں اپنے والد امام محمد تقی علیہ السلام کی شہادت کے بعد منصبِ امامت سنبھالا۔ آپ کا دورِ امامت تقریباً 33 برس پر محیط ہے، جو عباسی خلفاء:

- معتصم
- واثق
- متوکل
- منتصر
- مستعین
- معتز
- کے ادوار پر مشتمل ہے۔

## سامرہ میں جبری قیام

عباسی خلیفہ متوکل امام علی نقی علیہ السلام کے بڑھتے ہوئے روحانی اثر و رسوخ سے خوفزدہ تھا۔ اسی بنا پر اس نے امام کو مدینہ سے سامرہ بلا کر فوجی نگرانی میں رکھا۔ اسی نسبت سے آپ اور آپ کے فرزند امام حسن عسکری علیہ السلام کو عسکریین کہا جاتا ہے، کیونکہ سامرہ کا فوجی علاقہ عسکر کہلاتا تھا۔

## سیاسی جبر

حضرت امام علی نقی علیہ السلام پر مسلسل نگرانی رکھی گئی، اس کے باوجود آپ نے:

- اہل بیت کے عقائد
- فقہ
- دعا
- زیارات
- وکالتی نظام
- کو منظم رکھا۔

آپ نے مختلف شہروں میں نمائندے مقرر کیے، تاکہ شیعہ معاشرہ عباسی نگرانی کے باوجود امام سے مربوط رہے۔

## زیارت جامعہ کبیرہ

حضرت امام علی نقی علیہ السلام کی عظیم علمی و روحانی یادگار زیارت جامعہ کبیرہ ہے، جسے اہل تشیع ائمہ اہل بیت کی معرفت کا جامع ترین متن سمجھتے ہیں۔ اس زیارت میں ائمہ کے روحانی مقام، عصمت، ولایت، علم اور امت پر ان کی حجیت کو نہایت فصیح انداز میں بیان کیا گیا ہے۔

## اولاد

حضرت امام علی نقی علیہ السلام کی اولاد میں سب سے معروف:

- حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام — گیارہویں امام ہیں۔

دیگر اولاد میں:

- حسین
- محمد
- جعفر

اور بعض بیٹیوں کا بھی ذکر ملتا ہے۔

## جعفر کذاب

حضرت امام علی نقی علیہ السلام کے بیٹے جعفر نے بعد میں امام حسن عسکری علیہ السلام کی شہادت کے بعد امامت کا جھوٹا دعویٰ کیا، جس کی بنا پر شیعہ تاریخ میں اسے جعفر کذاب کہا جاتا ہے۔ اہل تشیع کے نزدیک حقیقی سلسلہ امامت حضرت امام مہدی علیہ السلام میں جاری رہا۔

## علمی خدمات

حضرت امام علی نقی علیہ السلام نے سخت حکومتی نگرانی کے باوجود فقہ، عقائد، تفسیر اور اخلاقی تربیت کا سلسلہ جاری رکھا۔ آپ کے خطوط، دعائیں اور وکلا کے ذریعے بھیجے گئے علمی جوابات بعد میں شیعہ حدیث ذخیرے کا حصہ بنے۔

## عبادت و زہد

حضرت امام علی نقی علیہ السلام عبادت، تہجد، قرآن اور زہد میں بے مثال تھے۔ روایات میں ہے کہ جب متوکل نے آپ کے گھر کی تلاشی کروائی تو وہاں صرف قرآن، جائے نماز اور سادہ زندگی کے آثار پائے گئے، جس سے درباری بھی متاثر ہوئے۔

## شہادت

حضرت امام علی نقی علیہ السلام کو عباسی خلیفہ معتز کے دور میں زہر دے کر شہید کیا گیا۔

- تاریخ شہادت: 3 رجب 254 ہجری
- عمر مبارک: تقریباً 42 سال

## مدفن

سامرہ، عراق — جہاں آپ اپنے فرزند امام حسن عسکری علیہ السلام کے ساتھ مدفون ہیں۔

## فکری و روحانی مقام

حضرت امام علی نقی علیہ السلام نے شدید ترین سیاسی نگرانی میں بھی امامت کے نظام کو محفوظ رکھا، شیعہ وکالتی نظام کو مضبوط کیا اور اہل بیت کی معرفت کو علمی و روحانی شکل میں نسلوں تک منتقل کیا۔

## حوالہ جات

- الارشاد (شیخ مفید)
- بحار الانوار (علامہ مجلسی، ج50)
- دلائل الامامہ
- کشف الغمہ
- اعلام الوری

## ■ سیرِ اعلام النبلاء

## حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام

امامِ عسکر، وارثِ امامت، والدِ امامِ مہدیؑ

حضرت امام حسن بن علی العسکری علیہ السلام اہل بیتِ علیم السلام کے گیارہویں امام، علم، حلم، تقویٰ، عبادت اور صبر کے روشن مینار تھے۔ آپ کا لقب العسکری سامرہ کے فوجی علاقے عسکر کی نسبت سے ہے، جہاں آپ کو عباسی حکومت نے نظر بند رکھا۔ اہل تشیع کے نزدیک آپ معصوم امام، حجتِ خدا اور حضرت امام علی نقی علیہ السلام کے جانشین تھے۔

## پیدائش

آپ کی ولادت 8 ربیع الثانی 232 ہجری کو مدینہ منورہ میں ہوئی۔

## والد

حضرت امام علی نقی الہادی علیہ السلام

## والدہ

حضرت حدیثہ خاتون سلام اللہ علیہا (بعض روایات میں سوسن یا سلیل بھی ذکر ہوا ہے)، جو نہایت پاکیزہ، بالیاں اور با عظمت خاتون تھیں۔

## کنیت و القابات

حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کی کنیت ابو محمد ہے۔

آپ کے مشہور القابات میں:

- العسکری
- الزکی
- الصامت
- الرفیق
- النقی
- السراج
- الخالص

شامل ہیں۔

## دورِ امامت

حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام نے 254 ہجری میں اپنے والد امام علی نقی علیہ السلام کی شہادت کے بعد منصبِ امامت سنبھالا۔ آپ کا دورِ امامت تقریباً 6 برس پر محیط ہے، جو عباسی حکومت کی شدید نگرانی اور خوف کا دور تھا۔

## عباسی نگرانی

عباسی خلفاء خصوصاً:



- معتز
- مہندی
- معتمد

کو یہ علم تھا کہ اہل بیتؑ کی روایات کے مطابق آخری امام (امام مہدیؑ) حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کی نسل سے ہوں گے، جو ظلم کا خاتمہ کریں گے۔ اسی خوف کے باعث آپ کو مسلسل نظر بندی، نگرانی اور محدود ملاقاتوں میں رکھا گیا۔

## زوجہ

حضرت نرجس خاتون سلام اللہ علیہا — جو حضرت امام مہدی علیہ السلام کی والدہ ہیں۔

بعض روایات کے مطابق ان کا تعلق رومی شاہی خاندان سے تھا اور وہ نہایت باعظمت، عارفہ اور پاکیزہ خاتون تھیں۔

## اولاد

حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کے فرزند:

- حضرت امام محمد مہدی علیہ السلام — بارہویں اور آخری امام، جو غیبت میں ہیں۔
- اہل تشیع کے نزدیک آپ کے علاوہ امام حسن عسکری علیہ السلام کی کوئی اور ثابت شدہ اولاد نہیں۔

## علمی خدمات

حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام نے شدید حکومتی پابندیوں کے باوجود:

- فقہ
- عقائد
- تفسیر
- اخلاق
- توقیعات

کے ذریعے شیعہ معاشرے کی رہنمائی فرمائی۔

آپ نے وکالتی نظام کو مزید منظم کیا، تاکہ آئندہ دور غیبت کے لیے شیعہ معاشرہ تیار ہو سکے۔

## غیبت کی تیاری

حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام نے اپنے خاص اصحاب کو حضرت امام مہدی علیہ السلام کی ولادت سے آگاہ کیا اور محدود افراد کو زیارت بھی کروائی، تاکہ سلسلہ امامت پر کوئی شبہ باقی نہ رہے۔

## عبادت و اخلاق

حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام زہد، عبادت، حلم اور حسن اخلاق میں بے مثال تھے۔ حتیٰ کہ عباسی دربار کے افراد اور جیل بان بھی آپ کے کردار سے متاثر ہو جاتے تھے۔

آپ کا مشہور فرمان ہے:

” تم لوگوں کے لیے ہمارے لیے زینت بنو، باعثِ عار نہ بنو۔ “

## شہادت

حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کو عباسی خلیفہ معتمد کے حکم پر زہر دے کر شہید کیا گیا۔

- تاریخ شہادت: 8 ربیع الاول 260 ہجری
- عمر مبارک: تقریباً 28 سال

## مدفن

سامرہ، عراق — اپنے والد امام علی نقی علیہ السلام کے پہلو میں۔

## فکری و تاریخی مقام

حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام نے غیبتِ امام مہدی کے دور کی فکری و تنظیمی بنیاد رکھی اور شیعہ امت کو ایسے دور کے لیے تیار کیا جہاں امام ظاہری طور پر موجود نہ ہوں گے۔

## حوالہ جات

- الارشاد (شیخ مفید)
- بحار الانوار (علامہ مجلسی، ج 50-51)
- کمال الدین (شیخ صدوق)
- اعلام الورئ
- کشف الغمہ
- سیر اعلام النبلاء

## حضرت امام محمد مہدی علیہ السلام

القائم، الحجة، صاحب الزمان، بقیۃ اللہ، امام غائب

حضرت امام محمد بن الحسن المہدی علیہ السلام اہل بیتِ علیم السلام کے بارہویں اور آخری امام، خاتم الاوصیاء اور اللہ کی آخری حجت ہیں۔ اہل تشیع اثنا عشری کے مطابق آپ زندہ، غائب اور اللہ کے حکم سے پردۂ غیبت میں ہیں اور قیامت سے قبل ظہور فرما کر زمین کو عدل و انصاف سے بھر دیں گے۔

## پیدائش

آپ کی ولادت 15 شعبان 255 ہجری کو سامرہ، عراق میں ہوئی۔

## والد

حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام

## والدہ

حضرت نرجس خاتون سلام اللہ علیہا

## کنیت و القابات

حضرت امام مہدی علیہ السلام کی کنیت ابو القاسم ہے۔

آپ کے مشہور القابات میں:

- القائم
- الحجة
- صاحب الزمان
- بقیۃ اللہ
- المنتظر
- ولی العصر
- صاحب الامر
- امام العصر
- خاتم الاوصیاء

شامل ہیں۔

## غیبتِ صغریٰ

حضرت امام محمد مہدی علیہ السلام کے والد امام حسن عسکری علیہ السلام کی شہادت کے بعد، اللہ کے حکم سے آپ پردہ غیبت میں چلے گئے۔ ابتدائی دور کو غیبتِ صغریٰ کہا جاتا ہے، جو تقریباً 69 برس (260-329 ہجری) پر محیط تھا۔

اس دور میں امامؑ نے اپنے چار خاص نائبین (ثوابِ اربعہ) کے ذریعے شیعہ امت سے رابطہ رکھا:

- عثمان بن سعید العمری
- محمد بن عثمان
- حسین بن روح
- علی بن محمد السمری

یہ حضرات امامؑ کے خطوط (توثیقات) لوگوں تک پہنچاتے اور مسائل کے جوابات لیتے تھے۔

## غیبتِ کبریٰ

329 ہجری میں چوتھے نائب علی بن محمد السمری کی وفات کے بعد غیبتِ کبریٰ کا آغاز ہوا، جو آج تک جاری ہے۔

اس دور میں:

- کوئی خاص نائب مقرر نہیں
- فقہا و علما بطور عمومی نمائندہ دینی رہنمائی کرتے ہیں
- امامؑ اللہ کے حکم سے پردہ غیب میں رہتے ہوئے امت کی نگرانی فرماتے ہیں۔

## فلسفہ غیبت

اہل تشیع کے مطابق غیبت:

- اللہ کی حکمت
- بندگانِ خدا کا امتحان
- امام کی جان کا تحفظ
- ظہور کے عالمی وقت کی تیاری ہے۔

جیسے حضرت خضر اور حضرت عیسیٰ زندہ ہیں، اسی طرح امام مہدی بھی زندہ ہیں۔

## ظہور

اہل تشیع کے مطابق امام مہدی علیہ السلام آخری زمانے میں ظہور فرمائیں گے، جب:

- ظلم و فساد عام ہوگا
  - دنیا ناانصافی سے بھر جائے گی
  - انسانیت ہدایت کی شدید محتاج ہوگی
- تب امام:

- مکہ مکرمہ میں ظہور فرمائیں گے
- خانہ کعبہ کے پاس بیعت لیں گے
- ظلم و جبر کا خاتمہ کریں گے
- عدل الہی قائم کریں گے
- دنیا کو حقیقی اسلامی انصاف دیں گے۔

## حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول

روایات کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے نازل ہوں گے اور امام مہدی علیہ السلام کے پیچھے نماز ادا کریں گے، جو امام کی عالمی امامت کی علامت ہوگی۔

## اہم عقائد

اہل تشیع کے مطابق:

- امام مہدی زندہ ہیں
- معصوم ہیں
- حجتِ خدا ہیں
- دنیا سے غائب ہیں مگر رابطہ الہی رکھتے ہیں
- ظہور یقینی ہے

## توقعات

حضرت امام مہدی علیہ السلام کی توقعات شیعہ علمی ذخیرے کا اہم حصہ ہیں، جن میں:

- فقہی ہدایات
  - عقائدی وضاحتیں
  - غیبت کے اصول
  - علما کی ذمہ داریاں
- بیان کی گئی ہیں۔

## ظہور کی علامات

روایات میں متعدد علاماتِ ظہور بیان ہوئی ہیں، جن میں:

- سفیانی کا خروج
  - یمانی کا ظہور
  - آسمانی ندا
  - نفیس زکیہ کی شہادت
  - دنیا میں شدید ظلم
- شامل ہیں۔

## عالمی عدل

امام مہدی علیہ السلام کے ظہور کے بعد:

- زمین عدل سے بھر جائے گی
- ظلم ختم ہوگا
- حقیقی اسلامی حکومت قائم ہوگی
- علم و معرفت پھیلیں گے
- اہل بیت کی تعلیمات غالب ہوں گی

## شہادت یا وفات

اہل تشیع کے مختلف اقوال ہیں کہ ظہور کے بعد امام مہدی علیہ السلام شہید ہوں گے یا طبعی وفات پائیں گے، تاہم قطعی تفصیل اللہ کے علم میں ہے۔

## فکری و روحانی مقام

حضرت امام مہدی علیہ السلام اہل بیت کی امامت کے اختتامی اور تکمیلی امام ہیں۔ آپ امید، عدل، نجات اور الٰہی وعدے کی علامت ہیں۔ اہل تشیع کے نزدیک دنیا کبھی حجتِ خدا سے خالی نہیں رہتی اور امام مہدی اسی حجتِ الٰہی کا زندہ مظہر ہیں۔

## دعا

”اللّٰهُمَّ عَجِّلْ لَوْلِيِّكَ الْفَرَجَ“

## حوالہ جات

- کمال الدین و تمام النعمہ (شیخ صدوق)
- الغیبہ (شیخ طوسی)
- بحار الانوار (علامہ مجلسی، ج 51-53)
- اعلام الوری
- الارشاد (شیخ مفید)
- سنن ابی داؤد
- صحیح ترمذی
- مسند احمد

## اختتامی خلاصہ

ائمہ اہل بیت علیہم السلام کا سلسلہ حضرت علی علیہ السلام سے شروع ہو کر حضرت امام مہدی علیہ السلام تک پہنچتا ہے۔ اہل تشیع کے مطابق یہ بارہ ائمہ:

- معصوم
- منصوص من اللہ
- وارثِ علمِ نبوی
- اور امت کے حقیقی رہبر ہیں۔

ہر امام نے اپنے دور کے مطابق:

- قربانی
- علم
- دعا
- صبر
- حکمت
- یا خاموش مزاحمت
- کے ذریعے دین اسلام کو محفوظ رکھا۔

یہ سلسلہ امامت اہل بیت کی روحانی، علمی اور اخلاقی قیادت کی مسلسل علامت ہے، جو قیامت تک باقی رہے گی۔

## امام زادے سید جعفر ثانی بن علی النقی

الکلی، جعفر کذاب، جعفر التواب

## نام و نسب

جعفر بن علی النقی علیہ السلام، امام علی النقی علیہ السلام کے فرزند اور امام حسن عسکری علیہ السلام کے بھائی تھے۔ اہل تشیع میں انھیں زیادہ تر جعفر کذاب کے نام سے جانا جاتا ہے کیونکہ انھوں نے امام حسن عسکری علیہ السلام کی شہادت کے بعد امامت کا جھوٹا دعویٰ کیا اور اپنے بھتیجے امام مہدی علیہ السلام کی امامت و غیبت کا انکار کیا۔ بعض روایات میں انھیں جعفر التواب یعنی توبہ کرنے والا بھی کہا جاتا ہے۔

- کنیت: ابو عبد اللہ
- القاب: جعفر کذاب، الزکی، التواب، المصدق (مختلف تاریخی حوالوں میں مختلف القاب ملتے ہیں)
- پیدائش: 226 ہجری / 840ء
- وفات: 271 ہجری / 884ء
- سکونت: سامرا، مدینہ
- مدفن: حرم عسکریین، سامرا

## خاندانی پس منظر

- والد: امام علی النقی علیہ السلام
- والدہ: سمانہ خاتون
- بھائی:
- امام حسن عسکری علیہ السلام
- محمد بن علی النقی
- بعض مصادر میں کم ذکر، کم عمری میں وفات کا ذکر
- حسین بن علی النقی
- بعض نسبی کتب میں نام آیا ہے

## انکار امامت اور دعویٰ خلافت

امام حسن عسکری علیہ السلام کی شہادت کے بعد جعفر نے امامت کا جھوٹا دعویٰ کیا اور عباسی حکمرانوں کے ساتھ تعلقات بنا کر اپنے آپ کو امام ظاہر کرنے کی کوشش کی۔ انھوں نے امام مہدی علیہ السلام کی غیبت صغریٰ کے دوران ان کے نائبین کو اذیت دی اور ان کی موجودگی کو تسلیم نہیں کیا۔ جعفر کا یہ دعویٰ سخت مسترد کیا گیا۔

## توبہ اور واپس آنا

تاریخی روایات کے مطابق، جعفر نے اپنی ناکامی کے بعد زندگی کے آخری ایام میں توبہ کی اور اہل بیت علیم السلام کی حمایت کی۔ شیخ مفید اور ابن طاووس جیسے علما کے نزدیک جعفر نے اپنے بیٹے اور بیٹی کو اہل تشیع کے علما کے حوالے کر دیا تاکہ وہ اہل بیت کے اصلی عقائد کو لپٹائیں۔

## امام مہدی علیہ السلام کی جانب سے ایک توقیع میں فرمایا گیا

”اے آل محمد کے شیعوں، میرے چچا جعفر کے بارے میں بدگمانی نہ کرو، اللہ نے انھیں معاف کیا اور ان پر رحم فرمایا۔“

## نسل اور اثنا عشری تشیع میں واپسی

جعفر کی نسل نے وقت کے ساتھ اثنا عشری شیعہ عقائد کو قبول کیا اور اہل بیت کی تعلیمات کو اپنایا۔ ان میں سے کئی افراد نے صوفی سلسلوں خاص طور پر چشتیہ اور سہروردیہ میں شامل ہو کر روحانیت کے ذریعے اہل بیت کی محبت کا اظہار کیا، مگر عقیدے میں بارہ اماموں کی امامت کو تسلیم کیا۔ ان کے خاندان میں سے کئی افراد علم و فضل میں نمایاں ہوئے۔

## سیاسی دباؤ اور ہجرت

جعفر کذاب کی نسل کو عباسی دور کے سخت سیاسی دباؤ اور ظلم کا سامنا رہا، جس کی وجہ سے ان کے بعض افراد نے ایران اور افغانستان کے سرحدی علاقوں، خصوصاً چشت، ہرات، بخارا، ملتان، اتر پردیش کے علاقوں کی جانب ہجرت کی۔ وہاں وہ صوفی سلسلوں کا حصہ بن گئے، جبکہ کچھ نے تشیع کی بنیاد ہی قائم رکھی۔

## ازواج

دستاویزات میں ازواج کے نام مخصوص طور پر درج نہیں، تاہم درج ذیل باتیں اہم ہیں:

- جعفر ثانی کی کئی ازواج تھیں جن سے ان کی کثیر اولاد ہوئی۔
- ان کی بیویوں کی شناخت عمومی طور پر ان کی اولاد کے ذریعے کی جاتی ہے، کیونکہ اس دور میں بیویوں کے نام اکثر روایات میں درج نہیں کیے جاتے تھے، خاص طور پر اگر وہ غیر ہاشمی یا غیر معروف قبیلوں سے تعلق رکھتی ہوں۔

## اولاد

### معتبر ماخذ

- المعقبون من آل ابی طالب از سید مہدی رجائی
- لباب الانساب از ابن فندق بہقی

### بیٹے (18)

1. سید ابو الحسن علی الاصغر رحمۃ اللہ علیہ
2. سید عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ
3. سید یحییٰ صوفی رحمۃ اللہ علیہ
4. سید ابو القاسم طاہر رحمۃ اللہ علیہ
5. سید اسماعیل حریفا رحمۃ اللہ علیہ
6. سید ادريس رحمۃ اللہ علیہ
7. سید عیسیٰ المجد رحمۃ اللہ علیہ
8. سید ہارون رحمۃ اللہ علیہ
9. سید ابو الحسن محسن رحمۃ اللہ علیہ
10. سید عبد اللہ رحمۃ اللہ علیہ
11. سید موسیٰ رحمۃ اللہ علیہ
12. سید ابو جعفر محمد رحمۃ اللہ علیہ
13. سید عباس رحمۃ اللہ علیہ
14. سید عبید اللہ رحمۃ اللہ علیہ
15. سید ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ



16. . سید ابو محمد حسن رحمۃ اللہ علیہ
17. . سید احمد رحمۃ اللہ علیہ
18. . سید اسحاق رحمۃ اللہ علیہ۔

### ان میں سے وہ بیٹے جن کی نسل آگے چلی

1. . سید اسماعیل حریفا رحمۃ اللہ علیہ
2. . سید ابو القاسم طاہر رحمۃ اللہ علیہ
3. . سید ہارون رحمۃ اللہ علیہ
4. . سید ادريس رحمۃ اللہ علیہ
5. . سید ابو الحسن علی الاصغر رحمۃ اللہ علیہ
6. . سید یحییٰ صوفی رحمۃ اللہ علیہ۔

### بیٹیاں (27)

1. . سیدہ زینبؓ
2. . سیدہ اُم عیسیٰؓ
3. . سیدہ اُم حسنؓ
4. . سیدہ اُم حسینؓ
5. . سیدہ سکینہؓ
6. . سیدہ اسماءؓ
7. . سیدہ اُم عبد اللہؓ
8. . سیدہ اُم احمدؓ
9. . سیدہ کلثوم صغریٰؓ
10. . سیدہ اُم فروہؓ
11. . سیدہ اُم القاسمؓ
12. . سیدہ خدیجہؓ
13. . سیدہ اُم موسیٰؓ
14. . سیدہ آمنہؓ
15. . سیدہ اُم الفضلؓ
16. . سیدہ اُم محمدؓ
17. . سیدہ مریمؓ
18. . سیدہ آمنہ صغریٰؓ
19. . سیدہ کلیمؓ
20. . سیدہ حکیمہؓ
21. . سیدہ دریہؓ
22. . سیدہ اُم جعفرؓ
23. . سیدہ اُم سلمہؓ
24. . سیدہ حسنہؓ
25. . سیدہ اُمینہؓ

26. سیدہ میمونہؓ

27. سیدہ سمیہؓ

## مشہور فرزندان

- اسماعیل حریفا بن جعفر الزکی ان کی نسل مختلف علاقوں میں موجود ہے۔
  - علی الاصغر بن جعفر الزکی مشہور نسبی شخصیات انہی کی اولاد میں سے ہیں۔
  - یحییٰ صوفی بن جعفر الزکی ان کی نسل اہل تصوف میں خاص طور پر جانی جاتی ہے۔
- جعفر ثانی کی ازواج کے نام روایات میں محفوظ نہیں ہیں۔

ان کے کل 45 بچے (18 بیٹے + 27 بیٹیاں) بیان ہوئے ہیں۔

کم از کم 6 بیٹوں سے نسل کا تسلسل پایا جاتا ہے، جو سادات بخاری، سرسی، مروسی، ناصری آبادی، جلالی، مودودی اور دیگر شاخوں کی بنیاد بنے۔

جعفر کذاب نے امام مہدی علیہ السلام کی امامت کا انکار کیا، لیکن بعد میں توبہ کر کے اہل بیت کی حمایت میں آ گئے۔ ان کی نسل نے اثنا عشری میں واپس آ کر اہل بیت کے اصولوں کو اپنایا اور صوفی سلسلوں میں بھی روحانی کردار ادا کیا۔ تاریخ ہمیں یہ سبق دیتی ہے کہ جھوٹے دعوے طویل عرصے تک قائم نہیں رہ سکتے اور سچائی بالآخر غالب آتی ہے۔

## والہ جات

- کمال الدین و تمام النعمة (شیخ صدوق)
- بحار الانوار (علامہ مجلسی)
- الارشاد (شیخ مفید)
- الغیبة (شیخ طوسی)
- رجال کشی
- کشف الغمہ (علی بن عیسیٰ اربلی)
- رحلات ابن بطوطہ
- کشف المحجوب (سید علی ہجویری)
- سیر اعلام النبلاء (امام ذہبی)

## حضرت علی الاصغر بن جعفر الزکی علیہ الرحمہ

حضرت علی الاصغر علیہ الرحمہ، حضرت جعفر الزکی بن امام علی نقی علیہ السلام کے فرزند تھے۔ آپ کا شمار ان ممتاز سادات میں ہوتا ہے جن کی نسل نے مختلف ادوار میں دینی، روحانی، علمی اور صوفی خدمات انجام دیں۔

## نسبی تسلسل

علی الاصغر بن جعفر الزکی بن امام علی نقی بن امام محمد تقی بن امام علی رضا بن امام موسیٰ کاظم بن امام جعفر صادق بن امام محمد باقر بن امام زین العابدین بن امام حسین بن علی بن ابی طالب علیہم السلام

کتبِ انساب کے مطابق آپ کی کنیت ابو الحسن تھی اور آپ بغداد و مشہد مقدس رضوی کے نقباء میں شمار ہوتے تھے۔ بعض مصادر میں آپ کو نقیب مشہد رضوی قرار دیا گیا ہے، جو آپ کے علمی، نسبی اور سماجی مقام کی دلیل ہے۔

## سیرت و مقام

حضرت علی الاصغر کا ذکر علما انساب میں اُن فرزندانِ جعفر الزکی میں کیا گیا ہے جن سے نسل چلی اور جو علمی و روحانی لحاظ سے نمایاں مقام رکھتے ہیں۔ آپ اہل تقویٰ، صاحبِ علم اور صالح بزرگ تھے۔

آپ کی نسل کو تاریخ میں سادات بخاری، نقوی سادات یا العلویون من نسل جعفر الزکی کہا جاتا ہے۔

آپ کی اولاد کے بہت سے افراد ہندوستان، افغانستان، ایران اور ماوراء النہر کے علاقوں میں بچنے اور وہاں مقیم ہوئے۔

بعض سادات کی روایت کے مطابق، آپ کا مزار ماوراء النہر یا ترکستان کے کسی قدیم علاقے میں موجود ہے (تحقیق طلب)۔

## نسل و اولاد

حضرت علی الاصغر علیہ الرحمہ کی نسل سے تعلق رکھنے والے کئی معروف شخصیات پیدا ہوئیں، جن میں شامل ہیں:

- سید عبد اللہ
- سید احمد
- سید محمود
- سید محمد
- سید جعفر
- سید ابو المؤید علی بخاری

(جن کی اولاد سے حضرت سید جلال الدین سرخ پوش بخاریؒ اور حضرت مخدوم جمانیاؒ پیدا ہوئے)

یہی نسل بعد میں سادات بخاری کسلانی اور برصغیر، خصوصاً اوچ شریف، ملتان، جالندھر، بہاولپور، سندھ، حیدرآباد، اتر پردیش، دہلی اور کشمیر میں پھیل گئی۔

علما فنّ انساب نے حضرت علی الاصغر بن جعفر الزکی ثانی کی اولاد کے حوالے سے یہ بات واضح کی ہے کہ ان کی نسل چند مخصوص افراد کے ذریعے برقرار رہی، جبکہ بعض ایسے نام بھی منقول ہوئے ہیں جن کی عقب مستند طور پر ثابت نہیں ہو سکی۔ اسی بنیاد پر اہل نسب نے ان کی اولاد کو معقب اور غیر معقب کی حیثیت سے جداگانہ طور پر بیان کیا ہے۔

چند معتبر مؤرخین، جن میں ابنِ مطلقؒ اور بغدادی کے نام نمایاں ہیں، اس بات کی صراحت کرتے ہیں کہ حضرت علی الاصغر بن جعفر الزکی ثانی کی بعض اولاد کی عقب بعد کے زمانوں میں بلادِ ہند تک جا پہنچی اور اس کی تائید مختلف کتبِ انساب سے ہوتی ہے۔

## حوالہ جات

- المعقبون من آل ابی طالب — سید مہدی رجائی، جلد دوم، ص 330-332
- لباب الانساب — ابن فندق بہقی، جلد 2، ص 442
- عمدة الطالب فی انساب آل ابی طالب — ابن عنیہ الحسنی
- مدرک الطالب فی نسب آل ابی طالب الموسوم بہ معارف الأنساب — سید قمر عباس اعرجی ہمدانی
- المجدی فی انساب الطالبین — شیخ ابو الحسن عمری

## حضرت سید عبد اللہ بن علی الاصغر علیہ الرحمہ

حضرت سید عبد اللہ بن علی الاصغر بن جعفر الزکی علیہ الرحمہ کا شمار ان بزرگ ہستیوں میں ہوتا ہے جن کی نسل نے بعد کے ادوار میں عالمِ اسلام کے مختلف علاقوں میں علم، روحانیت اور تصوف کے عظیم مراکز قائم کیے۔

## نسبی تسلسل

سید عبد اللہ بن علی الاصغر بن جعفر الزکی بن امام علی نقی بن امام محمد تقی بن امام علی رضا بن امام موسیٰ کاظم علیہم السلام، علما انساب نے حضرت سید عبد اللہ بن علی الاصغر کی ذات اور نسل کے تسلسل کو معتبر قرار دیا ہے اور انھیں اُن معقب سادات میں شمار کیا ہے جن کی عقب بعد کے ادوار میں محفوظ اور معروف رہی۔

## سیرت و مقام

حضرت سید عبد اللہ ایک عالم، زاہد اور متقی شخصیت تھے۔ آپ کا تعلق سادات سے تھا اور آپ کی نسل کو بعد میں دنیا کے مختلف علاقوں میں مذہبی اور صوفی خدمات کے حوالے سے شہرت ملی۔

آپ ہی کے ذریعے سادات کی مختلف عظیم شاخیں پھیلیں، جنھوں نے اسلام کے روحانی پیغام کو عام کیا۔

کتب انساب میں حضرت سید عبد اللہ کے خاندان کو علمی، روحانی اور نسبی حوالوں سے معتبر سمجھا گیا ہے اور ان کی نسل سے وابستہ شخصیات نے مختلف ادوار میں دینی و صوفی خدمات انجام دیں۔

## اولاد و نسل

حضرت سید عبد اللہ بن علی الاصغر کی اولاد میں درج ذیل نام منقول ہیں:

- سید احمد
- سید محمد
- سید محمود
- سید جعفر

اہل علم انساب کی تصریحات کے مطابق نسلی تسلسل بالاتفاق سید احمد اور سید محمد کے ذریعے ثابت مانا گیا ہے، جبکہ دیگر بعض منقول ناموں کی عقب قطعی طور پر ثابت نہیں ہو سکی، اسی بنا پر کتب انساب میں انھیں معقب اور غیر معقب کی تقسیم کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔

انہی اولاد میں سے حضرت سید ابو المویذ علی بخاریؒ تھے، جو حضرت سید جلال الدین حیدر سرخ پوش بخاریؒ کے والد بنے اور اسی نسب سے سادات بخاریہ نقوی کا عظیم اور معروف سلسلہ شروع ہوا۔

بعض قدیم مصادر میں محمد النازک بن سید عبد اللہ کا ذکر بھی ملتا ہے، جن کی اولاد عراق اور دیگر عرب علاقوں میں پھیلی اور بنو نازک کے نام سے معروف ہوئی۔ برصغیر پاک و ہند کے کثیر بخاری نقوی سادات اپنا نسب ابو یوسف احمد بن سید عبد اللہ بن علی الاصغرؒ تک پہنچاتے ہیں، جیسا کہ المعقبون، عمدة الطالب اور دیگر معتبر کتب انساب میں تصریح موجود ہے۔

## اہم ربط: چشتی، مودودی و بخاری سادات

حضرت سید عبد اللہ کی نسل میں ایک اہم شاخ حضرت محمد ابراہیم اور ان کے فرزند حضرت محمد سامان شقلانی کے ذریعے آگے بڑھی، جن کے فرزند تھے:

- حضرت خواجہ سید قطب الدین مودود چشتیؒ

آپ کو چشتی سلسلہ تصوف کے اصل بانی مانا جاتا ہے۔

آپ کی اولاد سے سادات نقوی مودودی چلی، جنھوں نے ہندوستان، افغانستان اور ایران میں عظیم روحانی خدمات انجام دیں۔

اسی خاندان کی دوسری شاخ سے سادات بخاریہ کا سلسلہ چلا، جن کی شناخت آج بھی اوچ شریف، ملتان اور سرزمین پنجاب سے ہے۔

سادات نقوی میں سب سے بڑی تعداد بخاری نقوی سادات کی ہے۔ سادات کے سب سے قدیم، مستند شجرہ جات، تاریخی ریکارڈز اور وہ اصل تبرکات جو حضور اکرم ﷺ، اہل بیت اطہارؑ اور آئمہ طاہرینؑ سے منسوب ہیں، وہ بھی خاص طور پر بخاری نقوی سادات کے پاس محفوظ ہیں۔ پاکستان میں سادات کا روحانی و تاریخی مرکز بھی 'اوچ شریف' ہی ہے۔

## تاریخی اہمیت

اس تفصیل سے واضح ہوتا ہے کہ حضرت سید عبد اللہ بن علی الاصغر نہ صرف نسبی لحاظ سے عظیم المرتبت تھے، بلکہ ان کی نسل نے اسلامی تاریخ میں روحانیت، دعوت، تصوف، علم اور اخوت کی وہ بنیاد رکھی جو بعد کے تمام سلسلوں کے لیے مشعل راہ بنی۔

## تذکرہ اولیاء کرام و مشائخ طریقت

### سادات نقوی مودودی شاخ مشائخ چشت

#### حضرت خواجہ سید ابو یوسف ناصر الدین چشتی، حضرت خواجہ سید قطب الدین مودود چشتی

ساداتِ حسینہ کی برگزیدہ شاخ نقوی مودودی کو یہ شرف حاصل ہے کہ اس سے وابستہ مشائخ نے نہ صرف روحانیت کے میدان میں نمایاں خدمات انجام دیں بلکہ سلسلہ چشتیہ کے قیام، استحکام اور اشاعت میں بنیادی کردار ادا کیا۔ اسی سلسلے کے دو جلیل القدر بزرگ، حضرت خواجہ ابو یوسف ناصر الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے فرزند حضرت خواجہ سید قطب الدین مودود چشتی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، جن کی روحانی عظمت، نسبی شرافت اور سلسلہ چشتیہ میں مرکزی حیثیت مسلمہ ہے۔

حضرت خواجہ ابو یوسف ناصر الدین چشتی حضرت خواجہ ابو محمد چشتی کے مرید تھے اور سلسلہ چشتیہ کے ابتدائی مشائخ میں شمار ہوتے ہیں۔ آپ نہایت زاہد، عبادت گزار، پاکمال ولی اللہ اور صاحب کشف و کرامت بزرگ تھے۔ آپ کی روحانی زندگی نقوی، طہارت اور تصرفات باطنی سے لبریز تھی۔ آپ کے وصال کے وقت آپ نے اپنے صاحبزادے حضرت قطب الدین مودود چشتی کو بلایا، انھیں اپنا روحانی جانشین مقرر فرمایا اور سلسلہ چشتیہ کی ذمہ داریاں منتقل فرمائیں۔ آپ کا وصال 4 ربیع الاول 459 ہجری کو 64 سال کی عمر میں ہوا اور آپ کو چشت، ہرات (افغانستان) میں دفن کیا گیا۔

آپ کا سلسلہ نسب حضرت امام علی نقی علیہ السلام سے یوں ہے:

حضرت خواجہ ابو یوسف ناصر الدین چشتی بن سید ابو محمد سماعان شقلانی بن سید ابراہیم بن سید محمد بن سید عبد اللہ بن سید علی اصغر بن سید جعفر ثانی بن حضرت امام علی نقی علیہ السلام۔

اس طرح آپ کا تعلق سادات نقوی کی اس ممتاز شاخ سے ہے جسے بعد میں مودودی بھی کہا جاتا ہے، نسبتاً حضرت قطب الدین مودود چشتی کی طرف۔

حضرت خواجہ سید قطب الدین مودود چشتی رحمۃ اللہ علیہ نہایت ممتاز روحانی شخصیت تھے، جنھیں سلسلہ چشتیہ میں محوری مقام حاصل ہے۔ آپ حضرت خواجہ معین الدین حسن چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کے پردادا پیر و مرشد تھے۔ آپ کی سیرت پاکیزگی، عبادت، باطن نوازی اور روحانی کمالات سے مزین تھی۔ اگرچہ آپ کا تفصیلی سوانحی احوال کتب میں محدود ہے، تاہم معتبر تذکروں میں آپ کی ولایت و کمالات کا ذکر ملتا ہے۔ آپ کے وصال کا وقت ایک روحانی واردات سے وابستہ ہے: ایک نورانی شخصیت حالت نزع میں تشریف لائیں، ایک ریشمی پارچہ پیش کیا جس پر پیغام الہی درج تھا، آپ نے وہ پارچہ آنکھوں سے لگایا، تبسم فرمایا اور روح قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی۔ جنازے کے وقت غیبی ندا آئی: سب لوگ مجھے بھٹ جائیں، یہ اللہ کا ولی اور پیشوائے عالم ہے، جس کے بعد مردانِ غیب نے نمازِ جنازہ ادا کی اور آپ کا جنازہ ہوا میں بلند ہو کر جائے مدفن تک پہنچا۔ آپ کا وصال ماہ رجب 5 بیس ہجری میں ہوا اور مدفن چشت، ہرات (افغانستان) میں ہے۔

یہ دونوں مشائخ نہ صرف سلسلہ چشتیہ کی تاریخ میں نمایاں مقام رکھتے ہیں بلکہ سادات نقوی مودودی شاخ کی روحانی عظمت کا مظہر بھی ہیں، جن کا نسبی شرف اور روحانی فیضان آج تک جاری ہے۔

### بعد از حضرت خواجہ سید قطب الدین مودود چشتی

#### ائمہ تصوف کے چار عظیم سلاسل اور ان کے نمائندہ اولیاء

یہ باب مکمل طور تاریخی و تذکرہ جاتی مواد کی بنیاد پر مرتب کیا گیا ہے۔ اس میں کسی قیاسی، غیر ثابت یا مخلوط روایت کو شامل نہیں کیا گیا۔ ہر بزرگ کا تعارف، سوانح، شجرہ نسب اور شجرہ طریقت الگ، واضح اور ترتیب میں پیش کیا گیا ہے۔

## حضرت خواجہ معین الدین حسن چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ

سلطان الہند، امام سلسلہ چشتیہ فی الہند

حضرت خواجہ سید معین الدین حسن چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ برصغیر کے سب سے عظیم صوفی بزرگ، سلسلہ چشتیہ کے سب سے نمایاں امام اور روحانیت اسلام کے عالمگیر نمائندہ ہیں۔ آپ فارسی نژاد، اہل سنت، متصوف، عالم، واعظ اور زاہد تھے۔ آپ نے برصغیر میں تصوف چشتیہ کو محبت، خدمت اور رواداری کے ذریعے فروغ دیا۔

### ولادت

آپ کی ولادت پودہ رجب 536 ہجری بمطابق 1143/1141ء کے قریب سیستان خراسان، ایران میں ہوئی۔ بچپن کا نام حسن تھا۔

### والدین

- والد: سید غیاث الدین تاجر، زاہد و متقی
- والدہ: بی بی سیدہ ماہ نور صالحہ و عابدہ

### شجرۂ نسب

حضرت خواجہ سید معین الدین حسن چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ بن سید غیاث الدین بن سید سراج الدین عبد اللہ بن سید الکریم عبد الرحمن بن سید محمد اکبر بن سید علی بن سید جعفر بن سید باقر بن سید محمد بن سید علی بن سید احمد بن سید ابراہیم المرتضیٰ الاصغر بن امام موسیٰ کاظم علیہ السلام

### تعلیم و تربیت

ابتدائی تعلیم والد سے حاصل کی۔ کم عمری میں والدین کا وصال ہوا۔ وراثت میں ملنے والا باغ و چکی فروخت کر کے مال راہ خدا میں تقسیم کیا۔ علوم ظاہری کے لیے سمرقند و بخارا تشریف لے گئے جہاں قرآن، حدیث، فقہ اور تفسیر میں کمال حاصل کیا۔

### بیعت و سلوک

بعد ازاں حضرت خواجہ عثمان بارونی چشتی سے بیعت کی۔ تقریباً اڑھائی سال مرشد کی خدمت، مجاہدہ اور ریاضت میں گزارے۔ حرم نبوی ﷺ میں روحانی بشارت حاصل ہوئی:

”وعلیکم السلام یا سلطان الہند“

### اسفار

بغداد، تبریز، اصفہان، خراسان، ہرات، سبزوار، استرآباد اور دیگر علاقوں میں قیام فرمایا۔ شیخ نجم الدین کبریٰ، شیخ عبد القادر جیلانی اور دیگر اکابر سے ملاقاتیں ہوئیں۔

### ہندوستان میں آمد و دعوت

سلطان التتمش کے دور میں ہندوستان آئے اور بالآخر اجمیر کو مرکز بنایا۔ محبت، مساوات، خدمتِ خلق اور اخلاق کے ذریعے لاکھوں افراد کو اسلام سے روشناس کرایا۔

## خلفا

- قطب الدین بختیار کاکی
- بابا فرید الدین گنج شکر
- حمید الدین ناگوری
- دیگر

## تصنیفات

- انیس الارواح
- گنج اسرار
- دلیل العارفین
- بحر الحقائق
- اسرار الواصلین
- دیوانِ معین الدین چشتی (فارسی)

## وصال

اختلافِ رولیت کے ساتھ چھ رجب 627ھ تا 633ھ کے درمیان۔

## مزار

درگاہِ اجیر شریف۔

## شجرۂ طریقت (چشتیہ)

حضرت محمد ﷺ → حضرت علیؓ → حضرت حسن بصریؒ → حضرت عبد الواحد بن زیدؒ → حضرت فضیل بن عیاضؒ → حضرت ابراہیم بن ادمؒ → حضرت ابو حفص حدّاد نیشاپوریؒ → حضرت حذیفہ مرعشیؒ → حضرت ابو ہسیرہ بصریؒ → حضرت ممشاد علوی دہلویؒ → حضرت ابو اسحاق شامیؒ → حضرت ابو احمد ابدالؒ → حضرت ابو محمد عبدل چشتیؒ → حضرت ناصرالدین ابو محمد چشتیؒ → حضرت قطب الدین مودود چشتیؒ → حضرت شریف زندانیؒ → حضرت عثمان ہارونیؒ → حضرت خواجہ معین الدین حسن چشتیؒ

## حضرت شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ

غوثِ اعظم، امامِ سلسلۂ قادریہ

## ولادت

یکم رمضان 470ھ / 1078ء، گیلان (ایران)

## وصال

11 ربیع الثانی 561ھ / 1166ء، بغداد۔

## شجرۂ نسب

### پدری

حضرت سید عبد القادر جیلانی غوثِ اعظم رحمۃ اللہ علیہ بن سید ابو صالح موسیٰ جنگلی دوست بن سید عبد اللہ بن سید یحییٰ الزاہد بن سید محمد بن سید داود بن سید موسیٰ ثانی بن سید عبد اللہ ثانی بن سید موسیٰ الجون بن سید عبد اللہ الحض بن امام حسن ثانی بن امام حسن مجتبیٰ بن حضرت علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ

### مادری

حضرت سید عبد القادر جیلانی غوثِ اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی والدہ ماجدہ حضرت سیدہ اُمّ الخیر فاطمہ رحمۃ اللہ علیہا تھیں، جن کا نسب حسبِ روایت درج ذیل ہے:

سیدہ اُمّ الخیر فاطمہ بنت سید عبد اللہ سومی بن امام علی رضا بن امام موسیٰ کاظم بن امام جعفر صادق بن امام محمد باقر بن امام زین العابدین بن امام حسین بن حضرت علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ

## علمی و روحانی مقام

فقہ حنبلی، حدیث، تصوف میں امام۔ بغداد میں وعظ و اصلاح کا مرکز قائم کیا حضرت شیخ عبد القادر جیلانی غوثِ اعظم رحمۃ اللہ علیہ کو یہ لقب ان کی ہمہ گیر روحانی قیادت، اصلاحِ باطن اور اولیائے امت پر فیضِ رسانی کے باعث عطا ہوا۔ آپ کی ذات نے نہ صرف سلسلہ قادریہ کی بنیاد رکھی بلکہ بعد کے متعدد صوفی سلاسل اور اولیائے کرام، خصوصاً برصغیر کے مشائخ، آپ کے افکار سے متاثر ہوئے۔ بغداد میں آپ کی دعوت نے معاشرتی اصلاح، علمِ شریعت اور تصوف کو یکجا کیا اور آپ کی روحانی عظمت کا اظہار اس مشہور قول سے بھی ہوتا ہے:

” قدمی هذا علی رقبۃ کل ولی اللہ “

جو آپ کے مقامِ غوثیت کی علامت سمجھا جاتا ہے۔

## غوثِ اعظم کا مشہور فرمان

حضرت شیخ عبد القادر جیلانی غوثِ اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا:

” قبرِ امام حسینؑ پر اللہ تعالیٰ نے ستر ہزار فرشتے مقرر کیے ہیں، جو قیامت تک روتے رہیں گے۔ “

## تصنیفات

- غنیۃ الطالبین
- فتوح الغیب
- الفتح الربانی
- بہجۃ الاسرار
- جلاء الخاطر

## شجرۂ طریقت (قادریہ)

حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ → حضرت علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ → حضرت حسن بصریؒ → حضرت حبیبِ عجمیؒ → حضرت داود طائیؒ → حضرت معروف کرخیؒ → حضرت سری سقطیؒ → حضرت جنید بغدادیؒ → حضرت ابو سعید المبارک مخرمیؒ → حضرت شیخ عبد القادر جیلانی غوثِ اعظم رحمۃ اللہ علیہ



## حضرت سید شاہ حسین عثمان مروندی المعروف لعل شہباز قلندر رحمۃ اللہ علیہ

علمبردارِ سلسلہ قلندریہ

### ولادت

538ھ / 1177ء، مروند (آذربائیجان/افغانستان)

### وصال

21 شعبان 673ھ / 1274ء، سیون شریف۔

### شجرۂ نسب

حضرت سید شاہ حسین مروندی المعروف لعل شہباز قلندر رحمۃ اللہ علیہ بن سید کبیر بن سید شمس الدین بن سید نور شاہ بن سید محمود شاہ بن احمد شاہ بن سید ہادی بن سید مہدی بن سید منتخب بن سید غالب بن سید منصور بن سید اسماعیل بن امام جعفر صادق علیہ السلام

### مقام و دعوت

سیون شریف کو مرکز بنایا۔ مذہبی رواداری، عشق الہی اور فقر کی تعلیم دی، لعل شہباز قلندر آپ کا عرفی اور روحانی لقب ہے، جس سے آپ تاریخ اور عوام میں مشہور ہوئے کتب تذکرہ کے مطابق حضرت لعل شہباز قلندر رحمۃ اللہ علیہ سلسلہ قلندریہ سے وابستہ تھے، جبکہ بعض معتبر مصادر میں آپ کی طریقتی نسبت سلسلہ قادریہ سے بھی بیان کی گئی ہے مروند کو بعض مصادر میں مرنڈ یا مینڈ بھی کہا گیا ہے، جو تاریخی طور پر آذربائیجان کے قدیم علاقوں میں شمار ہوتا ہے، اسی نسبت سے آپ مروندی کہلاتے ہیں آپ کی سیون شریف میں اقامت نے اس خطے کو روحانی مرکز کی حیثیت دی، جہاں آپ کی دعوت کے ذریعے اصلاح معاشرہ اور باطنی تربیت کا سلسلہ قائم ہوا اگرچہ بعض کتب میں تاریخ وصال کے حوالے سے اختلاف ملتا ہے، تاہم معتبر تحقیق کے مطابق 21 شعبان 673ھ کو آپ کا وصال تسلیم کیا جاتا ہے۔

### شجرۂ طریقت (قلندریہ و قادریہ)

حکیم فتح محمد سیوہانی نے اپنی تصنیف ”قلندرنامہ“ میں حضرت لعل شہباز قلندر رحمۃ اللہ علیہ کے شجرۂ طریقت کو اس طرح بیان کیا ہے کہ حضرت قلندر مروندی سیوہانی کا سلسلہ قلندری، حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کے واسطے سے سرور کائنات حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچتا ہے۔ اس بیان کے مطابق یہ سلسلہ سید جمال کے ذریعے حضرت علی بن موسیٰ رضا، امام جعفر صادق، امام زین العابدین اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کریم سے ہوتا ہوا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک متصل ہے۔

حضرت لعل شہباز قلندر رحمۃ اللہ علیہ کے شجرۂ طریقت کے حوالے سے بعض اسماعیلی مصادر میں آپ کو اپنا صوفی بزرگ تسلیم کیا گیا اور بعض تاریخی بیانیوں میں آپ کا تعلق قرامطہ سے جوڑا گیا، بالکل اسی طرح جیسے حضرت شاہ شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں بھی تاریخ میں ایسی فکری نسبتیں ملتی ہیں۔ یہ نسبتیں دراصل ان عظیم صوفی شخصیات کی فکری وسعت، انقلابی روح اور رولیت شکن کردار کی عکاسی کرتی ہیں، نہ کہ کسی محدود مسلکی یا فقیہی وابستگی کی نشان دہی۔

حقیقت یہ ہے کہ حضرت لعل شہباز قلندر اور حضرت شاہ شمس تبریز دونوں ایسی عالمگیر روحانی ہستیاں ہیں جنہوں نے اپنے عہد کے فکری سانچوں کو توڑا اور محبت، رواداری اور انسانیت کا ایسا پیغام دیا جو ہر فرقہ، ہر مسلک اور ہر مذہب کے انسان کو اپنی طرف کھینچتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے چاہنے والے صرف کسی ایک مذہبی یا فقیہی دائرے تک محدود نہیں، بلکہ مختلف عقائد اور تہذیبوں میں ان کی عقیدت یکساں طور پر پائی جاتی ہے۔

اس کے علاوہ متعدد تذکرہ نگاروں نے حضرت لعل شہباز قلندر رحمۃ اللہ علیہ کی طریقتی نسبت سلسلہ قادریہ سے بھی بیان کی ہے۔ شہزادہ دارا شکوہ نے اپنی تصنیف ”تذکرہ الفقہ“ میں جو شجرۂ طریقت نقل کیا ہے، اس کے مطابق حضرت عثمان مروندی قلندر شہباز کا سلسلہ طریقت بالواسطہ حضرت شیخ عبد القادر جیلانی غوث اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے مل جاتا ہے۔

## ڈھائی قلندر اور مفہوم قلندری

حضرت سید شاہ حسین عثمان مروندی المعروف لعل شہباز قلندر رحمۃ اللہ علیہ مشہور ڈھائی قلندروں میں شمار ہوتے ہیں، تصوفی روایت میں ڈھائی قلندر اُن عظیم صوفی شخصیات کے مجموعے کو کہا جاتا ہے جنہوں نے فقر، تجرد اور عشقِ الہی کے ذریعے قلندرانہ طرزِ حیات کو فروغ دیا۔ اس روایت کے مطابق ڈھائی قلندر میں تین بزرگ شامل ہیں:

- حضرت لعل شہباز قلندر رحمۃ اللہ علیہ
- حضرت بو علی شاہ قلندر رحمۃ اللہ علیہ
- حضرت بی بی رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا۔

حضرت لعل شہباز قلندر اور حضرت بو علی شاہ قلندر کو دو مکمل قلندر تسلیم کیا جاتا ہے، جبکہ حضرت بی بی رابعہ بصری کو آدھی قلندر قرار دیا جاتا ہے۔ یہاں آدھی سے مراد کسی درجے یا مقام میں کمی نہیں، بلکہ اس سے حضرت رابعہ بصری کی وہ منفرد روحانی شان مراد ہے جس میں انہوں نے ظاہری قلندرانہ مظاہر کی بجائے زہد، خاموش عبادت اور خالص عشقِ الہی کے ذریعے تصوف کو ایک نئی گہرائی عطا کی۔

یوں ڈھائی قلندر کی یہ روایت اس حقیقت کی نمائندہ ہے کہ تصوف میں روحانی کمال کا تعلق ظاہر یا رسم سے نہیں، بلکہ اخلاص، فقر اور محبتِ الہی سے ہے اور یہی وجہ ہے کہ ان تینوں ہستیوں کو مختلف ادوار میں قلندرانہ روح کا نمائندہ سمجھا گیا۔

علامہ آصف علوی بیان کرتے ہیں کہ وقت کے ایک عظیم فقیر کا نام حضرت شاہ حسین تھا بعض لوگوں نے سازش کے تحت ان کا نام عثمان مروندی بتایا مگر حقیقت یہ ہے کہ ان کا اصل نام حسین تھا یہ بزرگ، حضرت ابراہیم کبیر کے فرزند تھے اور ابراہیم کبیر، حضرت ابراہیم مُجَاب کے صاحبزادے تھے حضرت ابراہیم مُجَاب وہ ہستی ہیں جو آج بھی امام حسینؑ کے پہلو میں آرام فرما ہیں انھیں مُجَاب اس لیے کہا جاتا ہے کہ انھیں جواب دیا جاتا تھا روایت ہے کہ حضرت ابراہیم مُجَاب جب امام حسینؑ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر سلام عرض کرتے تو قبرِ مبارک سے جواب آتا:

”وعلیکم السلام ابراہیم“

یہ جواب صرف حضرت ابراہیم ہی نہیں سنتے تھے بلکہ جو بھی حرم میں نماز پڑھ رہا ہوتا، وہ سب اس آواز کو سنتے تھے اسی وجہ سے عربوں نے ان کا لقب ابراہیم مُجَاب رکھا یہ وہی ابراہیم ہیں جنہیں امام حسینؑ جواب عطا فرمایا کرتے تھے ایک دن حضرت ابراہیم مُجَاب، امام حسینؑ کی قبرِ مبارک پر بیٹھے ہوئے تھے انھوں نے سلام عرض کیا، مگر سلام کے بعد ادب سے بے اختیار اسی لمحے امام حسینؑ کی آواز آئی:

”اے ابراہیم، واپس لوٹ جاؤ، میں تمہیں ایک بیٹا عطا کروں گا وہ بیٹا فرشتوں کے پروں کے صدقے پروان چڑھے گا، جنت میں پرواز کرے گا اور زمانہ اسے شہباز کہے گا۔“

یہی وہ بشارت تھی جس سے آگے چل کر شہباز قلندرؒ کی آمد ہوئی۔

یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ اولیاء کی عطا پیدا نہیں ہوتی، نازل ہوتی ہے۔ جس گھر پر عطا نازل ہو، وہاں عام حساب کتاب لاگو نہیں ہوتا۔

بعد ازاں یہ شہباز، سلطان دولت پور کے نواسے کملائے اور دولت پور سے ہجرت کر کے شاہ جمال مُجَر کی درگاہ پر پہنچے وہاں قلندری دیوانے جمع تھے اور دو عظیم فقیر بھی موجود تھے:

- حضرت جلال الدین حیدر سرخ پوشؒ، جو ساداتِ نقوی بخاری کے جدِ امجد تھے۔

اس درگاہ میں ایک دیگ مسلسل گرم رہتی تھی لوگ شتیں مان کر لکڑیاں ڈال جاتے تھے اور تیل ہمیشہ کھولتا رہتا تھا جب قلندر آئے تو انھوں نے اپنے قدم اس دیگ میں رکھ دیے۔

شاہ جمال مُجَر نے فرمایا:

”اپنے پاؤں باہر نکالو، میں تمہارے ہی انتظار میں تھا۔“

قلندر نے عرض کیا:

” میرے مرشد نے مجھے آپ کی بارگاہ میں بھیجا ہے میں فقیری لینے آیا ہوں۔ “

شاہ جمال نے فرمایا:

” فقیری لینی ہے تو اس دیگ میں اترنا ہوگا شریعت والوں سے میں معذرت چاہتا ہوں، اب عشق کی بات ہے جہاں شریعت رکتی ہے، وہاں عشق کی پرواز شروع ہوتی ہے۔ “

حضرت جلال الدین حیدر سرپوش آگے بڑھے، مگر شہباز قلندر نے ان کا ہاتھ پکڑ کر روک لیا اور فرمایا:

” آپ پیچھے رہیں، آپ کی پشت پر سوا لاکھ فقیر ہیں۔ “

قلندر وہ ہوتا ہے جس نے جس نے کبھی شادی نہ کی ہو یہ کہہ کر شہباز قلندر نے گرم تیل کی دیگ میں چھلانگ لگا دی کتابوں میں اس قیام کی مدت مختلف بیان ہوئی ہے کسی نے چند ماہ لکھے، کسی نے برس اور کسی نے طویل مدت آخر کار شاہ جمال نے فرمایا:

” باہر آ جاؤ، اب تم سرخ ہو چکے ہو اب تم لال ہو گئے ہو “

جیسے ہی قلندر باہر آئے، درختوں کے پتوں سے آوازیں آنے لگیں:

” ہاجا قلندر، ہاجا قلندر “

یوں کائنات کے فقیر جمع ہو گئے اور لال شہباز قلندر کی قلندری پہچان قائم ہوئی۔

## حضرت سید جلال الدین حسین سرخ پوش بخاری رحمۃ اللہ علیہ

امام سہروردیہ فی السند و پنجاب

حضرت سید جلال الدین حسین سرخ پوش بخاری رحمۃ اللہ علیہ تاریخ میں میر سرخ، میر بزرگ، مخدوم الاعظم، سرخ پوش، حیدر ثانی اور جلال گنج جیسے القابات سے بھی معروف ہیں، جو آپ کے روحانی جلال، شجاعتِ باطن اور فقرِ قلندرانہ کی علامت سمجھے جاتے ہیں آپ برصغیر میں نقوی بخاری سادات کے اولین بزرگ شمار ہوتے ہیں اور اسی نسبت سے آپ کو نقوی بخاری خاندان کا بانی تسلیم کیا جاتا ہے، جس کی نسل بعد میں سندھ، پنجاب اور ہندوستان کے مختلف علاقوں میں پھیلی۔

## ولادت

595ھ / 1199ء، بخارا

## شجرۂ نسب

جلال الدین حسین سرخ پوش بخاری بن سید علی الموید بن سید جعفر بن سید محمد بن محمود بن احمد بن عبد اللہ بن علی اصغر بن جعفر ثانی بن امام علی نقی الہادی علیہ السلام۔

## دعوت و مرکز

اچ شریف، سندھ و پنجاب میں اسلام کی اشاعت۔

## وصال

19 جمادی الاول 690ھ / 1291ء، اچ شریف۔

## شجرۂ طریقت (سہروردیہ جلالیہ)

محمد ﷺ → علیؑ → حسن بصری → جنید بغدادی → ابو القاسم قشیری → ابو علی فارسی → ابو نجیب سہروردی → شہاب الدین عمر سہروردی → بہاء الدین زکریا ملتانی → جلال الدین سرخ پوش بخاریؒ

## ہم عصر اولیاء کے ساتھ نسبت

آپ اُن عظیم اولیائے کرام میں شامل تھے جو ایک ہی دور میں:

- حضرت بہاؤ الدین زکریا ملتانی
- حضرت سید عثمان مروندی المعروف لعل شہباز قلندر
- حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمہم اللہ

کے ساتھ ریاضت و مجاہدات میں مشغول رہے۔

طریقت کے اعتبار سے حضرت سید جلال الدین حسین سرخ پوش بخاری رحمۃ اللہ علیہ سلسلہ سہروردیہ سے وابستہ تھے اور حضرت بہاؤ الدین زکریا ملتانی رحمۃ اللہ علیہ کے علمی و روحانی حلقہ ارادت میں تدریس اور مجاہدہ فرماتے رہے۔

حضرت سید جلال الدین حسین سرخ پوش بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد و نسل میں کثیر تعداد اُن سادات کی بھی پائی جاتی ہے جو فقہی و اعتقادی طور پر کتبِ اثنا عشری تشیع سے وابستہ ہیں۔ اس ضمن میں نقوی بخاری سادات کے ہاں آپ کی شخصیت کے بارے میں دو نمایاں نظریات ملتے ہیں۔

پہلے نظریے کے مطابق حضرت سید جلال الدین سرخ پوش بخاری رحمۃ اللہ علیہ سلسلہ سہروردیہ کے اکابر میں شمار ہوتے ہیں اور آپ کو اس سلسلے میں خلافت حاصل تھی۔ اسی نسبت سے آپ کا روحانی حلقہ حق چار یار کے عنوان سے معروف رہا۔ اس نظریے کے حاملین کے مطابق آپ کی سب سے زیادہ قربت اور روحانی رفاقت حضرت سید عثمان مروندی المعروف لعل شہباز قلندر رحمۃ اللہ علیہ سے رہی، یہاں تک کہ اولیائے کرام کے مابین باہمی محبت اور دوستی کی مثال اکثر حضرت سرخ پوش بخاریؒ اور حضرت لعل شہباز قلندرؒ کی رفاقت سے دی جاتی ہے۔

دوسرے نظریے کے مطابق حضرت سید جلال الدین حسین سرخ پوش بخاری رحمۃ اللہ علیہ بنیادی طور پر ایک عارفِ کامل تھے اور فقہی و مسلکی اعتبار سے وہ نہ سنی تھے اور نہ کسی صوفی سلسلے کی روایتی شناخت کے پابند، بلکہ وہ شیعہ امامیہ اثنا عشری عقیدہ رکھتے تھے۔ یہ نقطہ نظر نقوی بخاری سادات کے بعض مستند شجروں اور تاریخی تصانیف میں وضاحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ خصوصاً کتاب تاریخِ جلالیہ مع اضافہ نقوی بخاری سادات اولاد حضرت سید محمد شاہ بخاری المعروف موج دریا بخاری رحمۃ اللہ علیہ: شجرہ و حالات، تالیف شہید سید بشیر حسین بخاری رحمۃ اللہ علیہ، مع حاشی و اضافات حافظ سید مہدی مرتضیٰ بخاری، صفحہ 115 پر اس امر کی صراحت ملتی ہے کہ حضرت سید جلال الدین البخاری النقوی رحمۃ اللہ علیہ شیعہ امامیہ اثنا عشری تھے اسی رولیت کے مطابق آپ کو شہر بخارا میں ناصبی عناصر کی جانب سے شدید اذیتوں کا سامنا کرنا پڑا، جس کے نتیجے میں آپ نے جلاوطنی اختیار کی اور کابل تشریف لے گئے، تاہم وہاں بھی اسی نوع کی مخالفتوں کے باعث بالآخر اوج شریف کو اپنی مستقل سکونت کے لیے اختیار کیا مزید برآں اسی رولیت میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ حضرت سید مخدوم بہانیاں جہاں گشت رحمۃ اللہ علیہ بھی اعتقادی طور پر اثنا عشری تھے، نہ کہ سنی اس موقف کی تائید میں مزید تاریخی حوالہ قاضی نور اللہ شوستری رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف مجالس المؤمنین سے بھی دی جاتی ہے، جہاں اسی مکتب فکر سے وابستگی کا ذکر ملتا ہے۔ نیز کتاب براہین انصاف صفحہ 47 کو بھی بطور حوالہ پیش کیا گیا ہے، جبکہ بعض نقوی بخاری شجرے اور خاندانی تواضع اس رولیت کو مزید آگے تک نقل کرتی ہیں۔

اس بات کو بیان کرنے کا مقصد صرف یہ واضح کرنا ہے کہ یہاں زیادہ تر اختلافات پائے جاتے ہیں اور یہاں مؤلف کی جانب سے اپنا کوئی نظریہ پیش کرنے کی بجائے دوسروں کے عقائد بیان کیے گئے ہیں۔

سلسلہ جلالیہ وقت کے ساتھ اس مرحلے تک پہنچ چکا ہے کہ اس میں پیری و مریدی کا ایک باقاعدہ اور منظم تسلسل اس انداز سے قائم ہو چکا ہے کہ جو بظاہر مکمل مکتبہ تشیع کے نظام سے مشابہ دکھائی دیتا ہے۔ اس تناظر میں یہ بھی مشاہدہ کیا جاسکتا ہے کہ متعدد ایسے پیر و مریدین موجود ہیں جو فقہی اعتبار سے اثنا عشری تشیع سے وابستہ ہونے کے باوجود تصوف کے مختلف سلاسل میں خلافت اور روحانی تربیت کا منصب بھی رکھتے ہیں۔ کئی علاقوں میں یہ صورت حال واضح طور پر نظر آتی ہے کہ تصوف کو اثنا عشری شرعی دائرہ فکر کے اندر رکھ کر اختیار کیا جا رہا ہے۔ اسی طرز پر دیگر سادات خاندانوں میں بھی یہ رجحان پایا جاتا ہے کہ سلاسل تصوف اور مکتبہ اثنا عشری کو ساتھ لے کر چلنے کی روایت مضبوط ہو چکی ہے۔ اس کی ایک نمایاں مثال ساداتِ جعفری شمس ہیں، جو ان دونوں روحانی و فکری تسلسلوں کو یکجا رکھتے ہوئے آگے بڑھا رہے ہیں۔

روایات اور خاندانی تواضع کے مطابق حضرت سید جلال الدین حسین سرخ پوش بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی حیات میں متعدد اسفار اور ہجرتیں شامل رہیں۔ بخارا سے روانگی کے بعد آپ نے مختلف ادوار میں حجاز مقدس (مکہ مکرمہ و مدینہ منورہ)، ایران اور عراق کے علاقوں میں قیام فرمایا، جہاں آپ نے علمی و روحانی استفادہ بھی کیا اور دعوتِ دین کا فریضہ بھی انجام دیا۔ بعد ازاں آپ برصغیر تشریف لائے اور سندھ، پنجاب اور ہند کے متعدد علاقوں میں تبلیغ و ارشاد فرماتے ہوئے بالآخر اوج شریف کو اپنی مستقل سکونت کے لیے اختیار کیا۔ اوج شریف میں آپ کی اقامت نے اس خطے کو ایک اہم روحانی مرکز کی حیثیت عطا کی، جہاں سے آپ کی دعوت، نسبت اور نسل نے آگے چل کر وسیع دائرے میں اثرات مرتب کیے۔ ہوئی۔

## تبلیغی اثرات

آپ نے سندھ اور پنجاب کے مختلف علاقوں میں طویل تبلیغی اسفار کیے، جن کے نتیجے میں سومرو، چڑ، مزاری، وارن اور دیگر قبائل کی بڑی تعداد دائرۃ اسلام میں داخل ہوئی۔

## خلاصہ جامع

یہ چاروں عظیم اولیاء چار مختلف سلاسل کے نمائندہ ہیں، مگر ان سب کا سرچشمہ قرآن، سنت اور اہل بیت کی محبت ہے۔ یہی تصوفِ اسلامی کی وحدت اور امت کی روحانی طاقت کا اصل راز ہے۔

## حوالہ جات

- روضۃ الاقطاب (پیر ڈاکٹر سید فہیم رضا کاظمی چشتی اجمیری حفظہ اللہ)
- المعقبون من آل ابی طالب (سید مہدی رجائی، جلد دوم، صفحات 330-332)
- عمدة الطالب فی انساب آل ابی طالب (ابن عنبہ الحسنی)
- المجدی فی انساب الطالبین (ابو الحسن عمری)
- لباب الانساب (ابن فندق بہقی)
- سیر الاولیاء چشتیہ
- تذکرۃ الغوثیہ
- فتاویٰ چشتیہ
- تاریخ جلالیہ مع اضافہ نقوی بخاری سادات اولاد حضرت سید محمد شاہ بخاری المعروف موج دریا بخاری رحمۃ اللہ علیہ: شجرہ و حالات
- تالیف: شہید سید بشیر حسین بخاری رحمۃ اللہ علیہ
- حواشی و اضافات: حافظ سید مہدی مرتضیٰ بخاری
- صفحہ نمبر 115
- مجالس المؤمنین مصنف: قاضی نور اللہ شوستری رحمۃ اللہ علیہ (بحوالہ براہین انصاف، صفحہ نمبر 47)

آپ کی اولاد میں حضرت سید احمد کبیر اور حضرت سید محمد غوث جیسی شخصیات شامل ہیں، جبکہ آپ ہی کی نسل سے بعد میں حضرت سید جلال الدین جہانیاں جہاں گشت رحمۃ اللہ علیہ جیسے جلیل القدر بزرگ پیدا ہوئے۔

سادات خاندانوں کی تاریخ میں اہل تصوف اور مکتبہ اثنا عشری دونوں سے تعلق رکھنے والی شخصیات پائی جاتی ہیں اسی بنا پر اس کتاب میں دونوں مکتبہ فکر کے جلیل القدر بزرگوں کا ذکر احترام کے ساتھ اور ان کے اپنے عقائد و فکری تناظر کے مطابق کیا گیا ہے۔ یہ اسلوب کسی ایک مکتبہ کی ترویج، دوسرے کی نفی یا برتری کے اظہار کے لیے نہیں، بلکہ خالصتاً تاریخی امانت، خاندانی نسبت اور علمی دیانت کے تقاضے کے تحت اختیار کیا گیا ہے۔

## عرفان اثنا عشری اصولی

اہلِ بیت سے ماخوذ ایک مستقل باطنی و روحانی نظام

یہ باب شیعہ اثنا عشری اصولی عرفان کو بطور ایک مکمل، خود مختار اور مستقل روحانی نظام پیش کرتا ہے۔ یہاں نہ تقابلی مقصود ہے، نہ کسی مکتب فکر کی نفی، بلکہ صرف اور صرف اس عرفانی روایت کی وضاحت ہے جو براہِ راست اہلِ بیتِ رسولؐ سے اخذ ہوئی، ائمہ معصومینؑ کے ذریعے منتقل ہوئی اور غیبت کے بعد فقہ و اصول کے زیر سایہ ایک منظم علمی و عملی شکل میں باقی رہی۔

## عرفان کی تعریف

شیعہ اثنا عشری روایت میں عرفان سے مراد: معرفتِ خدا، معرفتِ نفس، تزکیہ باطن، فنا فی اللہ و بقا باللہ ہے، مگر یہ سب کچھ شریعتِ محمدی ﷺ اور ولایتِ اہلِ بیت کے دائرے کے اندر انجام پاتا ہو۔

عرفان کوئی جداگانہ دین یا آزاد طریقت نہیں بلکہ دینِ اسلام کا باطنی پہلو ہے۔

## اساس عرفان: نبوت، ولایت اور امامت

شیعہ عرفان کی اساس تین ستونوں پر قائم ہے:

1. نبوت — شریعت کی بنیاد

2. ولایت — باطنِ نبوت

3. امامت — ولایت کا مسلسل ظہور

اسی بنا پر شیعہ عرفان میں مرشدِ حقیقی ہمیشہ امامِ معصوم رہا ہے، کیونکہ وہی ظاہر و باطن دونوں کا کامل وارث ہوتا ہے۔

## ائمہ اہل بیت اور عملی عرفان

حضرت امام علیؑ: حضرت امام علیؑ شیعہ عرفان میں قطبِ ولایت اور امامِ العارفین ہیں۔ منج البلاغہ توحید، معرفتِ الہی، زہد، فقر اور سلوکِ باطن کا اعلیٰ ترین متن ہے۔

حضرت امام زین العابدینؑ: صحیفہ سجادہ عرفانِ عملی کی کتاب ہے، جہاں دعا کو معرفت، اخلاق اور سلوک کا ذریعہ بنایا گیا ہے۔

حضرت امام جعفر صادقؑ: آپ نے شریعت، عقل اور باطن کو یکجا کیا۔ شیعہ عرفان کی علمی زبان، اصطلاحات اور منہج کی بنیاد آپ کے عہد میں مستحکم ہوئی۔

## عرفانی شجرہ (سلسلہ ولایت)

شیعہ عرفان میں رسمی خانقاہی شجرہ کی بجائے سلسلہ ولایت ہے، جو یوں بیان کیا جاتا ہے:

محمد ﷺ → حضرت علیؑ → حضرت امام حسن مجتبیٰ → حضرت امام حسینؑ → حضرت امام زین العابدینؑ → حضرت امام محمد باقرؑ → حضرت امام جعفر صادقؑ → حضرت امام موسیٰ کاظمؑ → حضرت امام علی رضاؑ → حضرت امام محمد تقیؑ → حضرت امام علی نقیؑ → حضرت امام حسن عسکریؑ → حضرت امام محمد مہدیؑ

یہی شجرہ عرفان ہے، یہی شجرہ ہدایت اور یہی شجرہ سلوک۔

## غیبت کے بعد شیعہ عرفان کا تسلسل

غیبتِ کبریٰ کے بعد شیعہ عرفان منقطع نہیں ہوا بلکہ:

- مرجعیتِ فقہ کے تحت محفوظ رہا
- اہل معرفت علما کے ذریعے منتقل ہوا

## ■ کشف و حال کو شریعت کا تابع رکھا گیا

یوں عرفان کبھی فقہ سے جدا نہیں ہوا۔

## شیعہ عرفان کے بڑے علمی و عملی نمائندے

- شیخ مفیدؒ — کلام، فقہ اور باطن کے درمیان توازن قائم کیا
- سید مرتضیٰؒ اور شیخ طوسیؒ — عرفان کو نصوصِ اہل بیتؑ سے مربوط رکھا
- خواجہ نصیر الدین طوسیؒ — اخلاقِ ناصری کے ذریعے اخلاقی و عرفانی سلوک کو منظم کیا
- ملا صدرا شیرازیؒ (وفات 1050ھ) — حکمتِ متعالیہ کے ذریعے عقل، وحی اور عرفان کو ایک وحدت میں جمع کیا

## عملی عرفان (سلوکِ باطنی)

شیعہ عرفان میں سلوک کے مراحل میں شامل ہیں:

- مجاہدۂ نفس
  - مراقبہ
  - محاسبہ
  - ذکرِ قلبی
  - التزامِ شریعت
  - اطاعتِ امامِ وقت
- یہ سب کچھ کسی خانقاہی رسم کے بغیر، انجام پاتا ہے۔

## عرفان اور معاشرہ

شیعہ عرفان:

- فرارِ دنیا نہیں سکھاتا
  - سماجی ذمہ داری سے الگ نہیں کرتا
  - عدل، اخلاق اور شعور کو لازم سمجھتا ہے
- اسی لیے بہت سے عرفا مجاہد، فقیہ اور مصلح بھی رہے۔

حالانکہ یہ تمام اوصاف ہمیشہ سے اکابرِ اہل تصوف میں پائے جاتے رہے ہیں اور وہ ان سب پر نہایت حسن کے ساتھ عمل پیرا بھی رہے ہیں، مگر جہاں اس فکر و نظام کی اصل جگہ بنتی ہے، وہاں آج اس کی ایک واضح کمی محسوس ہوتی ہے۔

## عرفان اور تصوف کا بنیادی فرق

شیعہ اثنا عشری رولیت میں باطنی تزکیہ اور روحانی سلوک کو عموماً عرفان کہا جاتا ہے، نہ کہ تصوف۔

اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ شیعہ مکتب میں:

- مرشدِ مطلق — امامِ معصومؑ
- بیعت — ولایت و امامت کی اطاعت

## ■ طریقت — شریعت کے اندر باطنی سلوک

اس کے برعکس سنی تصوف میں خانقاہی و سلسلہ جاتی نظام تشکیل پایا جس میں مرشد صوفی بزرگ ہوتے ہے۔

## کلاسیکی شیعہ عرفانی مکاتب

### مدرسۂ قم و نجف

یہاں عرفان کو ہمیشہ فقہ، اصول اور حدیث کے ساتھ رکھا گیا۔ بے قید و جد، رقص یا حلول جیسے تصورات کو مسترد کیا گیا۔

### مدرسۂ حکمتِ الہیہ (ایران)

ملا صدرا شیرازی (وفات 1050ھ):

ملا صدرا نے:

#### ■ قرآن

#### ■ اہل بیت کی احادیث

#### ■ عقل

#### ■ کشف

کو جمع کر کے حکمتِ متعالیہ کی بنیاد رکھی، جو شیعہ عرفان کا سب سے منظم فلسفی اظہار ہے۔

## شیعہ عرفان کے اصولی امتیازات

#### ■ شریعت کے بغیر کوئی سلوک معتبر نہیں

#### ■ امام کے مقابل کسی شیخ کو مطلق اختیار حاصل نہیں

#### ■ ولایت مرکز ہے، خانقاہ نہیں

#### ■ کشف و کرامت دلیل نہیں، تابع شریعت ہیں

#### ■ عرفان فرد کی اصلاح ہے، عوامی تماشا نہیں

## شیعہ صوفی اور شیعہ عرفانی سلسلے

اہل بیت کی مرکزیت، اثنا عشری تشیع یا واضح شیعہ عرفانی شناخت کے حامل

### نعمتِ الہی سلسلہ

ایران کا سب سے بڑا، قدیم اور مسلسل قائم رہنے والا شیعہ عرفانی سلسلہ ہے، جس کی نسبت شاہ نعمت اللہ وئی سے کی جاتی ہے۔ یہ سلسلہ فقہی اور اعتقادی طور پر اثنا عشری تشیع سے وابستہ رہا اور آج بھی اپنی مختلف شاخوں کے ساتھ ایران اور دیگر خطوں میں موجود ہے۔

### ذہبیہ (ذہابیہ) سلسلہ

یہ سلسلہ روحانی طور پر امام جعفر صادق سے منسوب کیا جاتا ہے اور اثنا عشری شیعہ عرفان کی ایک نمایاں مثال ہے۔ ایران اور خراسان کے علاقوں میں اس سلسلے کو خاص اہمیت حاصل رہی، خصوصاً باطنی سلوک اور معرفتِ نفس کے میدان میں۔



## نوربخشیہ سلسلہ

سید محمد نور بخش سے منسوب یہ سلسلہ شیعہ مہدوی اور عرفانی افکار کا حامل ہے۔ ایران، کشمیر اور وسطی ایشیا میں اس کے اثرات پائے جاتے ہیں۔ اس سلسلے میں تشیع، عرفان اور باطنی تاویل کا گہرا امتزاج ملتا ہے۔

## صفویہ سلسلہ

صفویہ ابتدا میں ایک خالص شیعہ صوفی سلسلہ تھا، جو بعد ازاں صفوی سلطنت کی صورت میں ظہور پزیر ہوا۔ اسی سلسلے کے ذریعے ایران میں اثنا عشری تشیع کو پہلی مرتبہ ریاستی مذہب کا درجہ حاصل ہوا۔ صفویہ نے شیعہ عرفان، فقہ اور سیاست کو ایک منظم فکری ڈھانچے میں ڈھالا۔

## حروفیہ (شیعہ عرفانی تحریک)

فضل اللہ استرآبادی سے منسوب حروفیہ ایک واضح شیعہ باطنی و عرفانی تحریک تھی۔ اس تحریک میں اہل بیت کی مرکزیت، قرآن کے حروف کی باطنی تاویلات اور معرفت الہی کے رمزی پہلوؤں پر خاص زور دیا گیا۔

## نقطویہ سلسلہ

نقطویہ، حروفیہ کا عرفانی و فکری تسلسل تھا۔ یہ سلسلہ بھی واضح طور پر شیعہ عقائد، باطنی فکر اور رمزی عرفان پر قائم تھا اور صفوی دور سے قبل ایران میں اس کے اثرات نمایاں رہے۔

## شیعہ مرکز عرفانی و باطنی تحریکات

یہ کلاسیکی سنی صوفی سلسلوں کا حصہ نہیں رہیں

## اکبریہ مکتب عرفان

شیخ محی الدین ابن عربی کے نظریہ وحدت الوجود پر قائم یہ عرفانی مکتب اگرچہ ابتدا میں عمومی اسلامی عرفان کے دائرے میں تھا، تاہم ایران میں اسے شیعہ عرفان نے اپنے فکری سانچے میں جذب کیا اور اہل بیت کی تعلیمات کے ساتھ ہم آہنگ کر کے آگے بڑھایا۔

## علیانیہ

یہ ایک امام علی مرکز شیعہ عرفانی و تصوفی گروہ تھا، جسے تاریخی و تحقیقی مصادر میں واضح طور پر شیعہ شناخت کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔

## بابا سامت تحریک

اناطولیہ اور ایران کے تناظر میں سامنے آنے والی یہ ایک شیعہ باطنی و عرفانی تحریک تھی، جس میں تشیع اور عرفانی سلوک کا گہرا امتزاج موجود تھا۔

## علوی عرفانی روایت

اہل بیت کی مرکزیت، عرفان اور باطنی تعبیرات پر قائم ایک شیعہ میلان رکھنے والی عرفانی برادری ہے۔ یہ کسی صوفی طریقے کے تحت نہیں آتی، بلکہ ایک مستقل عرفانی و مذہبی شناخت رکھتی ہے۔

## قراطمہ اور دیگر متفرق شیعہ عرفانی رجحانات

قراطمہ اگرچہ اسماعیلی تشیع سے وابستہ تھے، تاہم ان کے افکار میں اہل تصوف کے اکابرین اور عقائد تشیع کے ساتھ کئی مشترکہ پہلو نمایاں طور پر پائے جاتے ہیں، خصوصاً باطنی تعبیر، روحانی مساوات اور ظاہری شریعت سے آگے بڑھ کر معنوی مفہوم پر زور۔

اس کے علاوہ مختلف ادوار میں اور مختلف خطوں میں شیعہ عرفان کی متعدد چھوٹی شاخیں اور مقامی تحریکات بھی موجود رہیں، جو کسی باقاعدہ عالمی سلسلے کی صورت اختیار نہ کر سکیں، مگر فکری و عرفانی سطح پر شیعہ روحانیت کے تسلسل کا حصہ رہیں۔

## شیخ مفیدؒ اور مکتب اہل بیتؑ شیعہ میں فکری و علمی قیادت

شیخ مفیدؒ کا شمار ان عظیم علما میں ہوتا ہے جنہوں نے دور غیبت میں مکتب اہل بیتؑ کی فکری، اعتقادی اور علمی بنیادوں کو منظم اور مستحکم کیا۔ آپ چوتھی صدی ہجری کے ممتاز فقہا اور متکلمین میں سے تھے جنہوں نے شیعہ فکر کو ایک واضح، مربوط اور استدلالی قالب عطا کیا۔

آپ کے ہاں مکتب اہل بیتؑ کی نمائندگی قرآن، سنتِ معصومینؑ اور عقلی استدلال کے ہم آہنگ امتزاج کی صورت میں سامنے آتی ہے، نہ کہ جذباتی یا غیر مستند بیانیوں کی شکل میں۔

شیخ مفیدؒ کی علمی کاوشوں کا مرکز امامت، ولایت اور دینی معرفت کا وہ تصور ہے جو مکتب اہل بیتؑ کی اساس ہے۔ ایسے دور میں جب مختلف فکری و کلامی رجحانات فعال تھے، آپ نے اس مکتب کو نہ صرف محفوظ رکھا بلکہ اسے علمی وقار اور فکری اعتماد بھی عطا کیا۔

آپ کی تحریروں میں مکتب اہل بیتؑ ایک زندہ، متحرک اور عقل و نقل سے ہم آہنگ نظامِ فکر کے طور پر جلوہ گر ہوتا ہے۔

اہم بات یہ ہے کہ شیخ مفیدؒ نے مکتب اہل بیتؑ کو محض فقہی یا کلامی دائرے تک محدود نہیں کیا، بلکہ اسے ایک ہمہ گیر دینی منہج کے طور پر پیش کیا، جس میں اخلاق، معرفتِ نفس اور خدا شناسی کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ یہی فکری اساس بعد میں شیعہ عرفانی فکر کی تشکیل میں موثر ثابت ہوئی۔

شیخ مفیدؒ کی سب سے نمایاں خدمت یہ ہے کہ انہوں نے دور غیبت میں مکتب اہل بیتؑ کو مضبوط علمی قیادت فراہم کی۔ ان کے شاگردوں میں سید شریف مرتضیٰؒ اور سید شریف رضیؒ جیسی عظیم شخصیات شامل ہیں، جن کے ذریعے یہ مکتب آئندہ صدیوں تک منتقل ہوا۔

یوں شیخ مفیدؒ نہ صرف ایک بڑے عالم تھے بلکہ مکتب اہل بیتؑ کی تسلسل پزیر علمی قیادت کی ایک مضبوط بنیاد بھی تھے۔

شیخ مفیدؒ چوتھی اور پانچویں صدی ہجری کے عالم تھے اور ان کی وفات چار سو تیرہ ہجری میں ہوئی۔ بغداد اس دور میں علمی و کلامی مباحث کا مرکز تھا، جہاں آلِ بویہ کے زمانے میں انہیں علمی آزادی اور سماجی تحفظ حاصل رہا، جو مکتب اہل بیتؑ کی خدمت کے لیے نہایت اہم ثابت ہوا۔

## سید شریف مرتضیٰؒ اور مکتب اہل بیتؑ کی علمی قیادت

سید شریف مرتضیٰؒ مکتب اہل بیتؑ کے اُن جلیل القدر سادات میں سے ہیں جنہوں نے دور غیبت میں اس مکتب کی علمی، اعتقادی اور فکری قیادت کو مضبوط بنیادوں پر استوار کیا۔ آپ کی تمام علمی کاوشوں کا مرکز مکتب اہل بیتؑ رہا اور آپ نے اسی مکتب کو دین کی صحیح تعبیر اور فہم کا اصل معیار قرار دیا۔

سید شریف مرتضیٰؒ کے ہاں اہل بیتؑ کی تعلیمات نہ صرف فقہی اور کلامی استدلال کی صورت میں ملتی ہیں بلکہ ایک ہمہ گیر فکری نظام کے طور پر نمایاں ہوتی ہیں۔

سید شریف مرتضیٰؒ نے ایسے ماحول میں مکتب اہل بیتؑ کی نمائندگی کی جہاں مختلف فکری دباؤ موجود تھے، مگر آپ نے علمی وقار، مضبوط استدلال اور فکری اعتماد کے ساتھ اس مکتب کو پیش کیا۔

آپ کی تحریروں میں امامت، ولایت اور عدلِ الہی کے مباحث مکتب اہل بیتؑ کی اصل روح کے مطابق سامنے آتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کو سادات اور اہل علم دونوں کی سطح پر غیر معمولی قبولیت حاصل رہی۔

اہم بات یہ ہے کہ سید شریف مرتضیٰؒ نے مکتب اہل بیتؑ کو کسی محدود حلقے تک مقید نہیں کیا بلکہ اسے ایک منظم، واضح اور تسلسل رکھنے والا علمی منہج بنا کر پیش کیا۔ یہی منہج بعد کے ادوار میں شیعہ فقہ، کلام اور فکری روایت کی بنیاد بنا اور مکتب اہل بیتؑ کی علمی بالادستی قائم رہی۔

سید شریف مرتضیٰؒ، جنہیں علمِ الہدیٰ کے لقب سے جانا جاتا ہے، چوتھی اور پانچویں صدی ہجری کے عظیم عالم، متکلم اور فقیہ تھے۔ آپ بغداد کے معروف سادات میں سے تھے، شیخ مفیدؒ کے ممتاز شاگرد اور سید شریف رضیؒ کے بڑے بھائی تھے۔ مکتب اہل بیتؑ کی علمی تاریخ میں آپ کا مقام ایک مستند اور فیصلہ کن رہنما کے طور پر مسلم ہے۔

## سید شریف رضیؒ اور منج البلاغہ

سید شریف رضیؒ مکتبِ اہل بیتؑ کے اُن ممتاز علما اور سادات میں شمار ہوتے ہیں جنہوں نے حضرت امام علی علیہ السلام کے خطبات، مکتوبات اور اقوال کو جمع کر کے اسلامی فکر و ادب کی ایک عظیم ترین کتاب نہج البلاغہ مرتب کی۔

یہ خدمت محض ایک ادبی یا تاریخی مجموعہ نہیں تھی بلکہ مکتبِ اہل بیتؑ کی علمی، روحانی اور فکری میراث کو محفوظ کرنے کا ایک عظیم کارنامہ تھا۔

منج البلاغہ میں توحید، عدل، ولایت، اخلاق، سیاست، زہد، معرفتِ نفس اور انسانی ذمہ داری جیسے موضوعات جس گہرائی کے ساتھ بیان ہوئے ہیں، انہوں نے اسے صرف شیعہ مکتب ہی نہیں بلکہ پوری اسلامی دنیا میں ایک منفرد مقام عطا کیا۔

سید شریف رضیؒ نے منج البلاغہ کو اس انداز میں مرتب کیا کہ حضرت امام علیؑ کی شخصیت بطور امامِ عدل، امامِ معرفت اور بابِ علمِ نبوی قوت کے ساتھ سامنے آتی ہے۔

مکتبِ اہل بیتؑ میں منج البلاغہ کو قرآن مجید اور احادیثِ معصومینؑ کے بعد فکری و روحانی رہنمائی کے اہم ترین مصادر میں شمار کیا جاتا ہے۔

اس کتاب نے بعد کے ادوار میں شیعہ عرفان، اخلاق، فقر، کلام اور سیاسی فکر پر گہرا اثر ڈالا۔

خصوصاً معرفتِ الہی، فقر، زہد اور باطنی سلوک کے ابواب نے شیعہ عرفانی روایت کی تشکیل میں بنیادی کردار ادا کیا۔

سید شریف رضیؒ خود بھی اعلیٰ درجے کے ادیب، شاعر، مفسر اور عالم تھے۔ آپ پوتھی اور پانچویں صدی ہجری میں بغداد کے علمی ماحول میں پروان چڑھے اور مکتبِ اہل بیتؑ کی علمی روایت کو ایک منظم اور باوقار صورت میں پیش کیا۔

آپ شیخ مفیدؒ کے شاگرد اور سید شریف مرتضیٰؒ کے چھوٹے بھائی تھے اور ان دونوں بھائیوں نے مل کر مکتبِ اہل بیتؑ کی علمی تاریخ میں غیر معمولی کردار ادا کیا۔

## خواجہ نصیر الدین طوسیؒ اور شیعہ علمی و عرفانی فکر

خواجہ نصیر الدین طوسیؒ کا شمار مکتبِ اہل بیتؑ کے اُن عظیم مفکرین میں ہوتا ہے جنہوں نے فلسفہ، کلام، فقر، اخلاق، منطق، ریاضیات اور عرفان کو ایک مربوط علمی نظام میں جمع کیا۔

آپ کی علمی شخصیت صرف شیعہ دنیا تک محدود نہیں رہی بلکہ پورے عالمِ اسلام میں آپ کو ایک ہمہ جہت مفکر اور حکیم کے طور پر تسلیم کیا گیا۔

خواجہ نصیر الدین طوسیؒ نے مکتبِ اہل بیتؑ کی علمی روایت کو عقلی استدلال، فلسفیانہ نظم اور اخلاقی و عرفانی فکر کے ساتھ مضبوط کیا۔ ان کی تحریروں میں دین محض فقہی احکام کا مجموعہ نہیں بلکہ عقل، معرفت، اخلاق اور روحانی ارتقا کا ایک جامع نظام نظر آتا ہے۔

خصوصاً اخلاقی ناصری نے اسلامی اخلاقیات اور عرفانی فکر پر گہرا اثر ڈالا، جہاں انسانی نفس، تہذیبِ باطن اور روحانی تکمیل کو نہایت منظم انداز میں بیان کیا گیا۔

آپ نے ایسے دور میں علمی خدمات انجام دیں جب عالمِ اسلام شدید سیاسی و فکری بحرانوں سے گزر رہا تھا۔ اس کے باوجود آپ نے علم، تحقیق اور تدریس کے ذریعے مکتبِ اہل بیتؑ کی فکری روایت کو محفوظ رکھا اور اسے نئی علمی جہات عطا کیں۔

مراغہ کی عظیم رصدگاہ کا قیام بھی آپ ہی کی کوششوں سے ممکن ہوا، جہاں مختلف علوم کے ماہرین کو جمع کیا گیا۔

عرفانی اعتبار سے خواجہ نصیر الدین طوسیؒ نے عقل اور باطن کے درمیان توازن قائم کیا۔ ان کے ہاں معرفتِ الہی، تہذیبِ نفس اور اخلاقی ارتقا شریعت اور عقل کے دائرے کے اندر رہتے ہیں اور یہی پہلو بعد کے شیعہ عرفانی مکاتب پر اثر انداز ہوا۔

خواجہ نصیر الدین طوسیؒ ساتویں صدی ہجری کے عظیم عالم تھے۔ آپ کی ولادت 597 ہجری میں طوس میں ہوئی اور وفات 672 ہجری میں بغداد میں ہوئی۔ آپ کی علمی خدمات نے مکتبِ اہل بیتؑ کو فلسفیانہ اور عقلی سطح پر غیر معمولی استحکام عطا کیا۔

## ملا صدرا شیرازی اور حکمتِ متعالیہ

ملا صدرا شیرازیؒ شیعہ اسلامی فلسفہ، عرفان اور حکمت کے سب سے موثر مفکرین میں شمار ہوتے ہیں۔ انھوں نے فلسفہ، عرفان، قرآن اور مکتبِ اہل بیتؑ کی تعلیمات کو جمع کر کے ایک ایسا فکری نظام تشکیل دیا جسے حکمتِ متعالیہ کہا جاتا ہے۔

یہ نظام صرف فلسفیانہ بحث نہیں بلکہ عقل، وحی، باطن اور روحانی تجربے کے امتزاج پر قائم ایک مکمل دینی و عرفانی منہج ہے۔

ملا صدرا کے نزدیک حقیقت وجود، معرفت نفس اور قرب الہی انسان کی روحانی تکمیل کے بنیادی مراحل ہیں۔ ان کی فکر میں انسان صرف ایک جسمانی وجود نہیں بلکہ ایک مسلسل روحانی سفر کا مسافر ہے، جو علم، تزکیہ اور معرفت کے ذریعے کمال کی طرف بڑھتا ہے۔

انھوں نے وجود، حرکت جوہری، نفس اور مراتبِ ہستی جیسے موضوعات کو نئے انداز میں پیش کیا، جس نے اسلامی فلسفے اور شیعہ عرفان دونوں پر گہرا اثر ڈالا۔

ملا صدرا کی فکر کی اہم خصوصیت یہ ہے کہ انھوں نے:

- قرآن
- احادیثِ اہل بیتؑ
- عقلی استدلال
- عرفانی مشاہدہ

کو ایک دوسرے کے مخالف نہیں بلکہ ہم آہنگ حقیقتوں کے طور پر پیش کیا۔

اسی وجہ سے ان کی حکمت کو شیعہ علمی روایت میں ایک بلند مقام حاصل ہوا۔

اگرچہ ان کی بعض آراء پر علمی مباحث بھی ہوئے، مگر مجموعی طور پر ملا صدرا شیرازیؒ کو شیعہ فلسفیانہ و عرفانی روایت کا سب سے نمایاں نمائندہ تصور کیا جاتا ہے۔

آپ گیارہویں صدی ہجری کے عالم تھے۔ ولادت تقریباً 979 ہجری میں شیراز میں ہوئی جبکہ وفات 1050 ہجری میں بصرہ کے قریب سفرِ حج سے واپسی پر ہوئی۔ آپ کی تصنیف الاسفار الاربعۃ اسلامی فلسفہ اور شیعہ عرفان کی اہم ترین کتب میں شمار ہوتی ہے۔

## حضرت سید احمد شاہ بن سید عبد اللہ علیہ الرحمہ

حضرت سید احمد شاہ علیہ الرحمہ، حضرت سید عبد اللہ بن علی الاصغر بن جعفر الزکی کی نسل سے تھے۔ آپ کا شمار ان بزرگ اور محترم سادات میں ہوتا ہے جنھوں نے نہ صرف اپنی ذاتی علمی و روحانی حیثیت کے ذریعے مقام حاصل کیا، بلکہ آپ کی نسل نے بھی وسیع علاقوں میں دین اسلام، روحانیت اور شریعت کی خدمت انجام دی۔

قدیم معتبر کتبِ انساب جیسے عمدۃ الطالب، المعقون اور المہدی کے مطابق حضرت سید احمد بن عبد اللہ نے انفرادی ہجرت کے ذریعے ماوراء النہر کا رخ کیا اور بخارا کو اپنا مرکز بنایا۔ ان مصادر میں والد، بھائی یا کسی بڑے خاندانی قافلے کے ہمراہ بخارا آنے کی کوئی صریح روایت موجود نہیں۔

یہ ہجرت بنیادی طور پر علمی و دعوتی مقاصد، نسبی تحفظ (خصوصاً عباسی دور کے بعد کے حالات) اور سیاسی دباؤ سے دوری کے تناظر میں تھی۔ اس عہد میں اس نوعیت کی ہجرتیں عموماً فرداً فرداً وقوع پزیر ہوتی تھیں، نہ کہ پورے قبیلے یا خاندان کی اجتماعی نقل مکانی کی صورت میں۔

## نسبی تسلسل

سید احمد شاہ بن سید عبد اللہ بن علی الاصغر بن جعفر الزکی بن امام علی نقی بن امام محمد تقی بن امام علی رضا بن امام موسیٰ کاظم بن امام جعفر صادق بن امام محمد باقر بن امام زین العابدین بن امام حسین بن حضرت علی بن ابی طالب علیہم السلام

## سیرت و مقام

حضرت سید احمد شاہ علیہ الرحمہ ایک صاحبِ حال، علم دوست اور متقی شخصیت کے طور پر معروف تھے۔ ان کی زندگی زہد و تقویٰ، خدمتِ خلق اور روحانی رشد و ہدایت سے معمور تھی۔

- آپ نے ابتدائی تعلیم اپنے بزرگوں سے حاصل کی اور طریقت و شریعت دونوں میں مہارت پائی۔
- آپ کو صوفیا اور علما دونوں حلقوں میں قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔

## نسل

حضرت سید احمد شاہ کی اولاد نے مختلف علاقوں میں اقامت اختیار کی، خصوصاً:

ترکستان، خراسان، ماوراء النہر، بعد ازاں پنجاب، ملتان، اوچ شریف اور ہند کے مختلف خطے

اسی نسل سے بعد کے بزرگوں میں:

- سید محمود شاہ
- سید محمد شاہ
- سید جعفر شاہ

اور آخرکار حضرت سید ابو المونید علی بخاری جیسے اکابر پیدا ہوئے، جن سے آگے حضرت سید جلال الدین سرخ پوش بخاری کی ولادت ہوئی۔

## حوالہ جات

- المعقبون من آل ابی طالب (سید مہدی رجائی، جلد دوم)
- عمدة الطالب فی انساب آل ابی طالب (ابن عنبہ الحسنى)
- المجدی فی انساب الطالبین (ابو الحسن عمری)
- تذکرۂ سادات بخاری و جلالی خانوادہ اوچ شریف
- تحقیقاتی حواشی و خاندانی شجرہ جات و مخطوطاتِ سادات بخاریہ

## حضرت سید محمود بن سید احمد شاہ علیہ الرحمہ

حضرت سید محمود بن سید احمد شاہ علیہ الرحمہ، سادات بخاریہ کے ان جلیل القدر بزرگان میں شامل ہیں جنہوں نے نسب، علم، روحانیت اور زہد میں اپنی مثال آپ چھوڑ دی۔ آپ نہ صرف اولادِ جعفر الکی بن امام علی نقی علیہ السلام سے ہیں بلکہ سادات بخاری کی مرکزی نسبی زنجیر میں ایک کلیدی مقام رکھتے ہیں۔

## نسبی تسلسل

حضرت سید محمود بن سید احمد شاہ بن سید عبد اللہ بن علی الاصغر بن جعفر الکی بن امام علی نقی علیہ السلام تھے۔

## مقام و مرتبہ

حضرت سید محمود علیہ الرحمہ کے بارے میں مخطوطات اور قدیم تذکروں میں درج ہے کہ آپ ایک بالکال، عارف اور متواضع بزرگ تھے۔

- آپ کے مزاج میں صوفیانہ سکون، درویشی اور قربِ الہی کا رجحان غالب تھا۔
- آپ کی مجالس میں ذکر، اذکار، حکمت اور اخلاقی تربیت کا ماحول ہوتا تھا۔

آپ کی روحانی تربیت نے آپ کی نسل کو بھی اثر انداز کیا، جس کے اثرات بعد میں آپ کی اولاد میں حضرت سید علی ابو المونید بخاری جیسے جلیل القدر بزرگ پیدا ہوئے، جن کے فرزند حضرت سید جلال الدین سرخ پوش بخاری سادات بخاریہ کے عظیم ترین اکابر میں شمار ہوتے ہیں۔

## وصال و مدفن

قدیم تذکروں کے مطابق حضرت سید محمود کا وصال تاریخ 19 ربیع الآخر میں ہوا۔ آپ کا مزار شریف نزدیکی شہر بخارا یا اس کے نواحی علاقے میں واقع ہے، جہاں زیارت و دعا کے لیے اہل دل آج بھی حاضر ہوتے ہیں۔

## ماخذ

- عمدة الطالب (ابن عنبہ)
- المعقبون (سید مہدی رجائی)
- لباب الانساب (ابن فندق بہقی)
- تذکرہ سادات بخاریہ
- قدیم خاندانی مشجرات اوچ و بخارا

## حضرت سید محمد بخاری علیہ الرحمہ

حضرت سید محمد بخاری، حضرت سید علی ابو المونید کے والد اور حضرت سید جلال الدین سرخ پوش بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے پردادا تھے۔ آپ کا شجرہ نسب سید محمد بن سید محمود بن سید احمد شاہ بن سید عبد اللہ بن علی اصغر بن جعفر الرکی بن امام علی نقی علیہ السلام ہے۔ آپ سادات بخاریہ کے اس شریف اور روحانی خاوند سے تعلق رکھتے تھے جنہوں نے بخارا، خراسان اور ماوراء النہر کے خطے میں تصوف، بزرگوار اور بعد از دنیا کے مختلف علاقوں میں علم اور دعوت دین کے عظیم نقوش چھوڑے۔

حضرت سید محمد بخاری کو ایک متقی، پرہیزگار اور صاحب ولایت شخصیت کے طور پر یاد کیا جاتا ہے۔ آپ کے متعلق تذکرہ جات میں آیا ہے کہ آپ کی مجالس ذکر و حکمت سے بھرپور ہوا کرتی تھیں اور آپ اپنے وقت کے اہل باطن اور صاحب دل بزرگوں میں شمار ہوتے تھے۔

آپ نے اپنی اولاد کی تربیت میں خاص توجہ دی، جس کا اثر سید علی ابو المونید بخاری اور بعد ازاں حضرت سید جلال الدین سرخ پوش بخاری جیسے اولیائے کامل کی شکل میں ظاہر ہوا۔ آپ کی نسل کو نہ صرف روحانی بلکہ نسبی برتری بھی حاصل تھی اور انہی کے ذریعے سلسلہ جلالیہ و بخاریہ کو تاریخ میں دوام حاصل ہوا۔

اہل انساب کے مطابق حضرت سید محمد بخاری کا قیام بخارا اور ماوراء النہر کے علمی و روحانی ماحول میں رہا، جہاں سادات کی نسبی و دینی روایت محفوظ رہی۔

قدیم مصادر میں حضرت سید محمد بخاری کے حالات زندگی تفصیل سے محفوظ نہیں، تاہم ان کا ذکر معتبر کتب انساب میں عقب، تسلسل اور نسبی اعتماد کے ساتھ موجود ہے، جو ان کی تاریخی حیثیت کے لیے کافی ہے۔

## حضرت سید جعفر حسینی بخاری علیہ الرحمہ

حضرت سید جعفر حسینی بخاری علیہ الرحمہ، حضرت سید علی ابو المونید بخاری کے والد تھے۔ آپ کا نسب حضرت امام علی نقی علیہ السلام تک پہنچتا ہے۔ آپ سادات بخاریہ کے اس معزز علوی خاوند سے تعلق رکھتے تھے جنہوں نے نسل در نسل علمی، روحانی اور نسبی وقار کو محفوظ رکھا۔

آپ ایک نجیب، متقی اور باوقار بزرگ تھے، جنہوں نے نہ صرف اپنے فرزند سید علی ابو المونید بخاری کی علمی و روحانی تربیت فرمائی بلکہ سادات بخاریہ کی خاندانی سیرت اور روایت کو بھی آگے منتقل کیا۔

قدیم خاندانی شجرہ جات، مقامی مخطوطات اور معتبر کتب انساب میں آپ کا ذکر ایک اہم نسبی واسطہ کے طور پر محفوظ ہے، جہاں حضرت سید جلال الدین سرخ پوش بخاری علیہ الرحمہ کا شجرہ تفصیل سے بیان ہوا ہے۔

اگرچہ آپ کے حالاتِ زندگی، مزار یا تصوف سے متعلق جزئی تفصیلات کتب میں کم ملتی ہیں، تاہم اہل نسب کے نزدیک حضرت سید جعفر حسینی بخاری، ساداتِ بخاریہ کے نسبی تسلسل میں ایک مرکزی، قطعی اور مسلم واسطہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔

## حضرت سید علی المعید بخاری علیہ الرحمہ

حضرت سید علی المعید بخاری علیہ الرحمہ ساداتِ حسینیہ کے عظیم روحانی بزرگ تھے جن کا تعلق براہِ راست خانوادہ نبوت سے تھا۔ آپ امام علی نقی علیہ السلام کے سلسلہ نسب سے تھے اور امام حسین علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے۔ آپ کا نام علی، لقب المعید اور نسبت بخاری سے تھی، جہاں آپ کی ولادت ہوئی اور ابتدائی زندگی گزری۔

آپ کو سب سے زیادہ شہرت حضرت سید جلال الدین سرخ پوش بخاری کے والد کے طور پر حاصل ہے، جنہوں نے برصغیر پاک و ہند میں دین اسلام اور سلسلہ سہروردیہ کی تبلیغ میں غیر معمولی کردار ادا کیا۔

حضرت سید علی المعید نے اپنے فرزند کو بچپن ہی سے تعلیم و تربیت دی اور انہی کی سرپرستی میں سید جلال الدین سرخ پوش بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے روحانی منازل طے کیں۔ یہ خاندانی شجرہ مختلف تذکروں میں ملتا ہے، مثلاً مرآۃ جلالی، تاریخ گلزار شمس اور ملفوظات مخدوم وغیرہ میں۔

حضرت سید علی المعید بخاری کی زندگی کا بڑا حصہ بخارا میں گزرا جہاں آپ نے تعلیم و تبلیغ کے ساتھ ساتھ علمی مجالس کا انعقاد کیا۔ آپ ایک عالم، صوفی اور شفیق باپ کے طور پر مشہور تھے۔ آج بھی محبانِ اہل بیت اور سلسلہ تصوف کے پیروکاروں کے لیے مرکزِ عقیدت ہیں۔

قدیم اور معتبر کتبِ انساب کے مطابق حضرت سید علی ابو المونیہ بخاریؒ کے آباء میں حضرت سید احمد شاہ بن سید عبد اللہ بن علی الاصغر وہ بزرگ ہیں جنہوں نے فرداً فرداً علمی و دعوتی ہجرت کے ذریعے عراق و حجاز سے ماوراء النہر کا رخ کیا اور بخارا کو اپنا مستقل مرکز بنایا۔ یہی وہ قیام ہے جس کی نسبت سے اس خاندان کو بعد ازاں "بخاری" کہا گیا۔

اس ہجرت کا مقصد نسبی تحفظ، علمی اشاعت اور سیاسی دباؤ سے دوری تھا، جیسا کہ عباسی عہد کے بعد علوی سادات کے ہاں معمول رہا۔ اسی بخارائی قیام کے نتیجے میں حضرت سید محمود، حضرت سید محمد اور پھر حضرت سید جعفر حسینی بخاریؒ جیسے اکابر پیدا ہوئے اور انہی کے بطن سے حضرت سید علی ابو المونیہ بخاریؒ کی ولادت ہوئی۔

اس طرح بخارا ساداتِ بخاریہ کا اولین علمی و روحانی مرکز قرار پایا، جہاں سے آگے چل کر یہی خانوادہ برصغیر میں حضرت سید جلال الدین حیدر سرخ پوش بخاریؒ کی صورت میں اپنے کمال کو پہنچا۔

آپ کا ذکر براہِ راست کسی علاحدہ کتاب میں نہیں ملتا، مگر آپ کی شخصیت کا تذکرہ اُن تمام کتابوں اور مخطوطات میں آتا ہے جو حضرت جلال الدین سرخ پوش بخاریؒ کی سوانح حیات، خاندانی شجرہ اور تصوف کی تاریخ پر مبنی ہیں۔

یہ گزارشات ان تمام دستیاب روایتی ذرائع، خاندانی سلاسل اور آن لائن اسلامی ویب سائٹس کے محتاط جائزے کی بنیاد پر ترتیب دی گئی ہیں۔

## قطب کمال حضرت سخی سید جلال الدین سرخ پوش بخاری رحمۃ اللہ علیہ

نام: سید جلال الدین

کنیت: ابو احمد

القاب: سرخ پوش، مخدوم اعظم، جلال گنج، میر سرخ، شیر شاہ، قطب الاقطاب، سید الاولیا، پیر جلال، جلال اکبر، شرف اللہ، معجزہ گاہ انلی

نسب: امام علی النقی علیہ السلام کی نسلِ پاک سے، نسب نامہ امام حسین علیہ السلام سے ملتا ہے۔

## نسبی سلسلہ

سید جلال الدین سرخ پوش بخاری بن سید علی المعید بن سید جعفر محمد حسین بن سید محمد بن سید محمود بن سید احمد بن سید عبد اللہ بن سید علی اصغر بن سید جعفر بن امام علی نقی بن امام محمد نقی بن امام علی رضا بن امام موسیٰ کاظم بن امام جعفر صادق بن امام محمد باقر بن امام زین العابدین بن امام حسین بن امام علی علیہ السلام

## اہل بیتِ اطہار سے روحانی نسبت

حضرت سید جلال الدین سرخ پوش بخاری رحمۃ اللہ علیہ نہ صرف نسباً امام حسین علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے بلکہ فکری، روحانی اور عملی طور پر بھی اہل بیتِ اطہار سے گہرا تعلق رکھتے تھے۔ آپ کی تعلیمات میں محبتِ اہل بیت، احترامِ شہدائے کربلا اور اخلاقی حسینی نمایاں طور پر جھلکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کی خانقاہی تربیت میں صبر، ایثار، حق گوئی اور مظلوم کی حمایت کو بنیادی مقام حاصل تھا۔

## ولادت و ابتدائی زندگی

تاریخ ولادت: 5 ذوالحجہ 595ھ (1199ء)

مقام ولادت: بخارا (موجودہ ازبکستان)

والد: سید علی المعید

دادا: سید جعفر محمد حسین

ابتدائی تعلیم اپنے والد سے حاصل کی اور سات سال کی عمر میں علوم و فنون میں کمال حاصل کر لیا۔ آپ کے روحانی کمالات بچپن ہی سے ظاہر ہونا شروع ہو گئے تھے۔

## عہدِ خلافت اور سیاسی پس منظر

حضرت سید جلال الدین سرخ پوش بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا زمانہ عباسی خلافت کے آخری عہد سے تعلق رکھتا ہے۔ آپ کی ولادت کے وقت خلافت عباسیہ علمی و روحانی اعتبار سے قائم تھی، تاہم سیاسی اقتدار بتدریج کمزور ہو چکا تھا۔ آپ کی حیات کے دوران خلیفہ الناصر لدین اللہ، خلیفہ الظاہر، خلیفہ المستنصر اور خلیفہ المستعصم باللہ جیسے خلفاء کا دور آیا۔ اسی زمانے میں تاتاری یلغار، وسط ایشیا میں بے امنی اور برصغیر میں دہلی سلطنت کا قیام عمل میں آیا۔

اس غیر یقینی سیاسی ماحول میں صوفیا کرام نے دین اسلام کی روحانی بنیادوں کو محفوظ رکھا اور عوام الناس کو ایمان، اخلاق اور معرفت سے جوڑے رکھا، جن میں حضرت سید جلال الدین سرخ پوش بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا کردار مرکزی حیثیت رکھتا ہے۔

## ہجرتیں اور روحانی سفر

پہلی ہجرت: 635ھ میں، پہلی زوجہ سیدہ فاطمہ بنت سید قاسم کی وفات کے بعد، اپنے دو بیٹوں علی اور جعفر کے ساتھ بخارا سے بھکر (پنجاب) ہجرت کی۔

دوسری ہجرت: بھکر سے کوچ کر کے اوج شریف میں سکونت اختیار کی اور دین اسلام کی اشاعت شروع کی۔

دیگر سفر: آپ نے سندھ، ملتان، لاہور، ٹھٹھہ، بنگال، دہلی، گجرات، اتر پردیش کے دیگر مشہور علاقوں میں کشمیر، حتیٰ کہ مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ اور ترکستان تک متعدد روحانی و تبلیغی سفر کیے۔

## حیاتِ مبارکہ کا زمانی خاکہ (مختصر)

- 595ھ — ولادت، بخارا
- 602ھ/6 بیسہ — تعلیم، تربیت اور روحانی کمالات
- 635ھ — پہلی ہجرت، بخارا سے بھکر
- 640ھ کے بعد — اوج شریف میں قیام، خانقاہ کا قیام
- 650ھ/680ھ — برصغیر میں وسیع تبلیغی سفر
- 690ھ — وصال، اوج شریف

## ازدواجی زندگی اور اولاد

کل ازواج: 3



1. سیدہ فاطمہ بنت سید قاسم (بخارا)  
بیٹے: سید علی، سید جعفر
2. بی بی طاہرہ (زہرا) بنت سید بدرالدین بھاکری (بھکر)  
بیٹے: سید صدرالدین محمد غوث، سید بہاؤ الدین محمد معصوم
3. سیدہ فاطمہ حبیبہ سعیدہ (دوسری بیٹی بدرالدین بھاکری)  
بیٹے: سید احمد کبیر (والد مخدوم جہانیاں جہاں گشت)

## اہم خلفاء اور اولیاء سلسلہ

- مخدوم جہانیاں جہاں گشتؒ
- ابو محمد عبد اللہ (برہان الدین قطب عالم)ؒ
- شاہ عالم گجراتیؒ
- بہاؤ الدین محمد معصومؒ
- صدرالدین محمد غوثؒ
- بابا شاہ جمال (لاہور)ؒ
- سید پلوان شاہ (کرم ایجنسی)ؒ
- غازی بابا (وڈپگہ شریف، پشاور)

## سلسلہ روحانیت

آپ سلسلہ سروردیہ کے عظیم ترین قطب تھے اور جلالیہ شاخ کے بانی تھے۔ آپ چار یار (سروردیہ اور چشتیہ کے چار بانی بزرگوں) میں سے ایک تھے:

- حضرت بابا فرید الدین گنج شکرؒ
- حضرت بہاء الدین زکریا ملتانیؒ
- حضرت لال شہباز قلندرؒ
- حضرت جلال الدین سرخ پوش بخاریؒ

یہاں چار یار سے مراد برصغیر میں سروردیہ و چشتیہ سلاسل کے وہ چار عظیم روحانی ستون ہیں جنہوں نے تیرہویں صدی میں اسلام کی اخلاقی، روحانی اور سماجی بنیادوں کو مضبوط کیا۔ اس اصطلاح کا استعمال صوفیانہ روایت میں بطور علامت کیا جاتا ہے۔

## منصبِ قطبیت کی توضیح

تصوف کی اصطلاح میں قطب اُس کامل ولی کو کہا جاتا ہے جسے اپنے زمانے میں روحانی نظامِ عالم کا مرکز سمجھا جاتا ہے۔ قطبیت کوئی رسمی عہدہ نہیں بلکہ باطنی ذمہ داری ہے، جو اللہ تعالیٰ اپنے خاص بندوں کو عطا فرماتا ہے۔ حضرت سید جلال الدین سرخ پوش بخاری رحمۃ اللہ علیہ کو اہل تصوف نے اپنے عہد کا قطبِ کمال تسلیم کیا، جس کی دلیل آپ کا ہمہ گیر روحانی اثر، وسیع تبلیغی دائرہ اور بے شمار اولیاء و خلفاء کی تربیت ہے۔

## جلالیہ شاخ کی خصوصیات

جلالیہ شاخ، سلسلہ سروردیہ کی وہ روحانی جہت ہے جس میں جلال، غیرتِ ایمانی، حق گوئی اور دعوتِ دین کو مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ اس شاخ میں سالک کو باطنی مجاہدہ کے ساتھ ساتھ سماجی اصلاح اور دعوتِ حق کی ذمہ داری بھی سونپی جاتی ہے۔ حضرت سید جلال الدین سرخ پوش بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اسی توازن کے ساتھ تصوف کو عوام الناس تک پہنچایا۔

## معجزات و ملاقاتیں

- چنگیز خان کو اسلام کی دعوت دی۔
- شاہ دولہ شہید (بنگال) کو فتح کی دعا دی، جنہوں نے بنگال میں شہادت پائی۔
- نصیر الدین محمود (سلطان دہلی) نے اُچ میں آپ کی زیارت کی۔
- لالہ/لالیشوری (کشمیر) کو آپ کے پوتے مخدوم جہانیاں کے ہاتھوں اسلام ملا۔
- مائی پیر (پیران رانجھا) کے والد سید احمد کبیر کے مرید چوچک سیال کی بیٹی تھیں۔

## معجزات، واقعات اور ائمہ اہل بیتؑ سے منسوب ولائی آثار

اہل بیتؑ کی پیروی اور حسینی نسبت کے تناظر میں ذیل میں بیان کیے گئے واقعات اور کرامات حضرت سید جلال الدین سرخ پوش بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی نسلی، فکری اور اعتقادی وابستگی کو واضح کرتے ہیں۔ یہ واقعات اہل بیت اطہار علیہم السلام کی ولایت، ائمہ بارہ گانہ کی پیروی اور اولادِ علیؑ کو عطا ہونے والی نصرتِ الہی کے تناظر میں بیان کیے جاتے ہیں۔ ان کا مقصد کسی صوفیانہ رنگ کو اجاگر کرنا نہیں بلکہ حسینی سادات کی ولائی شان، شجاعتِ ایمانی اور استقامتِ علوی کو نمایاں کرنا ہے۔

### بلاکو خان /تاتاری حکم رانوں کو دعوتِ اسلام

تاریخی و روایتی بیانات کے تناظر میں ذیل میں بیان کیے گئے واقعات اور کرامات حضرت سید جلال الدین سرخ پوش بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے تاتاری یلغار کے دور میں تاتاری حکم رانوں، بالخصوص بلاکو خان کے عہد میں، اہل اقتدار کے سامنے دعوتِ اسلام اور حقِ اہل بیتؑ کا پیغام پیش کیا۔ آپ نے ظلم، قتل عام اور بے گناہوں کے خون ریزی کو واقعہ کر لیا اور شہادتِ امام حسین علیہ السلام کے تناظر میں واضح کرتے ہوئے عدلِ علوی اور معیارِ حق و باطل کو اہل بیت اطہارؑ کی تعلیمات کی روشنی میں بیان فرمایا۔ اگرچہ تاتاری حکم ران اسلام قبول نہ کر سکے، تاہم آپ کی حسینی جرأت، علوی استقامت اور اولادِ رسول ﷺ سے منسوب روحانی وقار کے سبب آپ کو کسی قسم کا نقصان نہ پہنچایا گیا۔ اہل تشیع اور سادات کی روایات میں اس واقعے کو اہل بیتؑ سے وابستہ نفوسِ قدسیہ کو حاصلِ خدائی تحفظ، حق گوئی اور بے خوف دعوتِ دین کی روشن مثال کے طور پر بیان کیا جاتا ہے۔

بلاکو خان، منگول حکم ران اور چنگیز خان کا پوتا تھا، جس کا زمانہ تیرہویں صدی عیسوی اور ساتویں صدی ہجری سے تعلق رکھتا ہے۔ اسی کے عہد میں 656ھ (1258ء) میں بغداد پر تباہ کن حملہ ہوا، جس کے نتیجے میں خلیفہ المستعصم باللہ کی موت اور عباسی خلافت کا عملی خاتمہ واقع ہوا، امام جعفر صادق علیہ السلام کے عہد سے جو عباسی حکمران سادات اہل بیتؑ، ان کی تعلیمات اور سنتِ اہل بیتؑ کے دشمن بنے رہے تھے، اس عہدِ تاتار میں بالآخر ان کے ظلم و استبداد کا خاتمہ ہو گیا۔ اسی مقام سے اہل بیت اطہارؑ اور ساداتِ کرام پر ایک نئے ظالمانہ دور کا آغاز ہوا۔ اگرچہ عباسی حکومت کا خاتمہ ہو چکا تھا، مگر عباسیوں کے زیرِ تربیت ترک غلاموں اور عسکری طبقات نے عالمِ اسلام پر غلبہ حاصل کر لیا۔ یہ وہ عناصر تھے جن کی فکری و سیاسی تربیت اہل بیتؑ کے احکام، تعلیمات اور سنت سے مخالفت کی بنیاد پر کی گئی تھی۔ اس دور میں بظاہر اہل بیتؑ سے محبت کے دعوے عام نظر آتے ہیں، مگر عملی طور پر اہل بیتؑ کے احکام و سنت کا مکمل انکار، انھیں جھٹلانا اور ان پر عمل کرنے والوں کو معاشرے میں موردِ الزام ٹھہرانا ایک منظم روش بن گئی۔ سنتِ اہل بیتؑ پر کاربند افراد کے خلاف علمی دائرہ تنگ کیا گیا، ان سے دشمنی کو فروغ دیا گیا، حتیٰ کہ بعض ادوار میں تکفیر کے نعروں تک کا آغاز اسی ماحول میں شدت اختیار کرتا گیا یوں اگرچہ عباسی سلطنت ختم ہو گئی، مگر اہل بیتؑ سے عداوت اور ظلم کی وہی روش ایک فکری و سیاسی وراثت کی صورت میں باقی رہی، جس کے اثرات آج بھی تکفیری سوچ اور سنتِ اہل بیتؑ سے انحراف کرنے والے گروہوں کے طرزِ عمل میں واضح طور پر دیکھے جاسکتے ہیں۔

حضرت سید جلال الدین سرخ پوش بخاری رحمۃ اللہ علیہ اس پورے دور میں بقیہ حیات تھے اور شیعہ و سادات کی روایات میں یہ ذکر ملتا ہے کہ آپ نے تاتاری دور کے اہل اقتدار، بالخصوص بلاکو خان کے عہد میں، حقِ اہل بیتؑ اور عدلِ علوی کا پیغام پیش کیا۔ انھی روایات کے مطابق بلاکو خان اگرچہ اسلام میں داخل نہ ہوا، تاہم اس کے طرزِ عمل میں اہل بیت اطہارؑ سے منسوب شخصیات کے لیے بعض مواقع پر نرمی اور احترام کا عنصر پایا جاتا تھا، جس پر خواجہ نصیر الدین طوسیؒ جیسے شیعہ علما و مفکرین کے فکری و اخلاقی اثرات کو بھی سبب قرار دیا جاتا ہے اہل تشیع کے نزدیک یہ نرمی اعتقادی ہم آہنگی نہیں بلکہ اہل بیتؑ کے علمی وزن اور طوسیؒ کے فکری اثر کا نتیجہ تھی۔ یہ تمام بیانات شیعہ تذکروں اور سادات کی منقول روایات میں محفوظ ہیں، جن کا مقصد اس عہدِ فتن میں اولادِ رسول ﷺ کی جرأتِ ایمانی، حق گوئی اور اہل بیتؑ سے وابستگی کو نمایاں کرنا ہے۔

### آگ کا امتحان اور سیادت کا اثبات حضرت لال شہباز قلندرؒ کے ساتھ واقعہ

روایات میں مذکور ہے کہ بعض اوقات حکمرانوں یا مخالفین کی جانب سے آپ کی سیادت اور فاطمی نسبت کو آزمانے کے لیے آگ میں داخل ہونے کی شرط رکھی گئی۔ حضرت سید جلال الدین سرخ پوش بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ امتحان اللہ، رسول ﷺ اور اہل بیتؑ پر کامل یقین کے ساتھ قبول کیا۔ رولیت کے مطابق آگ نے آپ کو نقصان نہ پہنچایا، جو اولادِ فاطمہؑ کے لیے عطا کی گئی حفاظتِ ربانی کی علامت سمجھا جاتا ہے۔

روایت ہے کہ حضرت لعل شہباز قلندر رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت سید جلال الدین سرخ بخاری رحمۃ اللہ علیہ ایک مرتبہ حج بیت اللہ کی سعادت حاصل کرنے کے بعد تین ماہ تک حرم مکہ میں قیام پزیر رہے۔ اس کے بعد دونوں بزرگ دین اسلام کی تبلیغ، حصولِ علم اور اولیائے کرام کی زیارت کی نیت سے دنیا کے مختلف علاقوں کی طرف سفر پر روانہ ہوئے اسی سفر کے دوران وہ عراق پہنچے وہاں سے آگے روانہ ہوتے وقت دونوں بزرگ سرخ رنگ کا لباس زیب تن کیے ہوئے تھے، سرخ ٹوپیاں پہنے ہوئے تھے اور ان کے ہاتھوں میں سرخ چمکدار پتھروں سے بنی ہوئی طویل تسبیحیں تھیں، جن پر وہ مسلسل ذکر الہی میں مشغول تھے جب وہ بخارا کی سرحد پر پہنچے تو سرحدی محافظوں نے انھیں دیکھا سرخ لباس اور غیر معمولی شان و وقار کی وجہ سے وہ انھیں مشکوک سمجھ بیٹھے چنانچہ انھیں روک لیا گیا اور پوچھا گیا: تم کون ہو اور یہاں کس مقصد سے آئے ہو؟

حضرت لعل شہباز قلندر رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا: ”ہم سادات میں، اولادِ رسول ﷺ میں سے ہیں اور تبلیغِ دین و زیارتِ اولیاء کے سفر پر ہیں۔“

محافظوں نے ان کی بات ماننے سے انکار کر دیا اور کہا: ”اگر تم واقعی سادات ہو تو آگ تمھیں نقصان نہیں پہنچائے گی، کیونکہ ہم نے سنا ہے کہ اولادِ رسول ﷺ پر آگ اثر نہیں کرتی۔“

روایت کے مطابق ایک بہت بڑی آگ جلائی گئی۔ حضرت سید جلال الدین سرخ پوش بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت لعل شہباز قلندر رحمۃ اللہ علیہ دونوں اس آگ میں داخل ہو گئے۔ حاضرین حیرت زدہ رہ گئے کہ آگ ان دونوں بزرگوں پر ٹھنڈی ہو گئی اور وہ بحفاظت باہر نکل آئے۔ اس واقعے کے بعد لوگوں نے ان کی سیادت، ولایت اور روحانی مقام کو تسلیم کیا۔

اسی روایت کی بنا پر حضرت سید جلال الدین بخاری رحمۃ اللہ علیہ کو ”سرخ پوش“ کہا جانے لگا، کیونکہ آپ ہمیشہ سرخ لباس زیب تن فرماتے تھے، جبکہ حضرت عثمان مروندی کو ”لال شہباز“ کے لقب سے شہرت حاصل ہوئی۔

اہلِ روایت کے نزدیک یہ واقعہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے واقعہ نار کی یاد تازہ کرتا ہے اور اسے اولادِ فاطمہؑ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی خاص نصرت اور حفاظت کی علامت سمجھا جاتا ہے۔

## حضرت بابا فرید گنج شکرؒ سے ملاقات

روایات کے مطابق حضرت سید جلال الدین سرخ پوش بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی ملاقات حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ سے بھی ہوئی۔ یہ ملاقات برصغیر کے اُن عظیم روحانی ادوار میں شمار کی جاتی ہے جب مختلف سلاسل اور اولیائے کرام کے درمیان باہمی احترام، علم و معرفت کا تبادلہ اور دعوتِ دین میں تعاون پایا جاتا تھا۔

تذکروں میں مذکور ہے کہ دونوں بزرگوں نے ایک دوسرے کے روحانی مقام کا اعتراف کیا اور عوام الناس کی اصلاح، اخلاقی تربیت اور دین اسلام کی تبلیغ کے موضوعات پر گفتگو فرمائی۔ ان روایات میں حضرت سید جلال الدین سرخ پوش بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت کو ایک صاحبِ جلال حسین بزرگ اور حضرت بابا فریدؒ کو صاحبِ جمال و فقر ولی کے طور پر پیش کیا جاتا ہے۔

## حضرت بہاؤ الدین زکریا ملتانیؒ سے تعلق

حضرت سید جلال الدین سرخ پوش بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا حضرت بہاؤ الدین زکریا ملتانی رحمۃ اللہ علیہ سے بھی گہرا روحانی اور علمی تعلق بیان کیا جاتا ہے۔ دونوں بزرگ برصغیر میں تصوف، تبلیغِ اسلام اور اصلاحِ معاشرہ کے اہم ترین ستونوں میں شمار ہوتے ہیں۔

روایات میں مذکور ہے کہ حضرت بہاؤ الدین زکریا ملتانیؒ نے حضرت سید جلال الدین سرخ پوش بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے علم، تقویٰ، سیادت اور روحانی مقام کا اعتراف کیا، جبکہ حضرت سرخ پوش بخاریؒ بھی ان کی دینی خدمات اور اصلاحی کردار کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔

اہلِ روایت کے مطابق ان بزرگوں کے درمیان تعلق محض خانقاہی نسبت تک محدود نہیں تھا بلکہ دونوں نے اپنے اپنے علاقوں میں اہلِ بیت کی محبت، اخلاقی اسلامی اور روحانی تربیت کو فروغ دینے میں اہم کردار ادا کیا۔

## اُچ شریف کو روحانی مرکز بنانا

حضرت سید جلال الدین سرخ پوش بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے بالآخر اُچ شریف کو اپنا مستقل مرکز بنایا۔ اس دور میں اُچ شریف علم، تصوف اور دعوتِ اسلام کا اہم مرکز بنتا جا رہا تھا، مگر آپ کی آمد کے بعد اس شہر کو غیر معمولی روحانی شہرت حاصل ہوئی۔

آپ نے یہاں خانقاہ، درس و تدریس، تبلیغِ دین اور تربیتِ مریدین کا سلسلہ قائم کیا۔ آپ کی مجلس میں علما، صوفیا، سادات، فقرا اور عوام الناس یکساں طور پر شریک ہوتے تھے۔

روایات کے مطابق آپ کی شخصیت نے اُچ شریف کو ایسا روحانی مرکز بنا دیا جہاں سے بعد میں ساداتِ بخاریہ، جلالیہ سلسلہ اور متعدد روحانی خانوادوں نے برصغیر کے مختلف علاقوں میں اثرات مرتب کیے۔

## تبلیغی اثرات اور قبولِ اسلام

حضرت سید جلال الدین سرخ پوش بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے سندھ، پنجاب، ملتان، اُچ شریف اور اطراف کے علاقوں میں وسیع تبلیغی خدمات انجام دیں۔ روایات اور مقامی تواریخ کے مطابق آپ کی دعوت، حسنِ اخلاق، روحانی تاثیر اور عدل و مساوات کے پیغام سے متاثر ہو کر مختلف قبائل اور خاندان اسلام میں داخل ہوئے۔

ان قبائل میں سومرو، چدر، مزاری، وارن اور دیگر قبائل کے نام بھی ذکر کیے جاتے ہیں۔ اہلِ روایت کے مطابق آپ کی تبلیغ کا انداز جر یا سیاسی طاقت پر مبنی نہیں تھا بلکہ اخلاق، روحانی اثر اور خدمتِ خلق پر قائم تھا۔

## وصال

حضرت سید جلال الدین سرخ پوش بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا وصال 19 جمادی الاول 690ھ / 1291ء میں اُچ شریف میں ہوا۔

آپ کا مزار شریف آج بھی اُچ شریف، ضلع بہاولپور میں مرجعِ خلافت ہے، جہاں مختلف علاقوں سے زائرین حاضر ہوتے ہیں۔

## مزار اور روحانی مرکز

اُچ شریف میں واقع آپ کا روضہ جنوبی ایشیا کے اہم ترین روحانی و تاریخی مزارات میں شمار ہوتا ہے۔ یہ مقام نہ صرف ساداتِ بخاریہ بلکہ اہلِ تصوف، اہلِ محبت اہلِ بیت اور تاریخِ اسلام سے دلچسپی رکھنے والوں کے لیے خاص اہمیت رکھتا ہے۔

مزار کے گرد بعد میں ایک وسیع روحانی و علمی مرکز قائم ہوا، جس نے برصغیر میں تصوف، تعلیم، خطاطی، فنِ تعمیر اور روحانی ثقافت پر گہرے اثرات مرتب کیے۔

## حوالہ جات

- مرآۃ الجلالی
- تاریخِ جلالیہ
- تذکرہ اولیائے اُچ شریف
- سیر الاولیاء
- اخبار الاخیار
- المعقبون من آل ابی طالب
- عمدة الطالب
- لباب الانساب
- مقامی روایات و مخطوطاتِ ساداتِ بخاریہ

## حضرت سید سلطان احمد کبیر رحمۃ اللہ علیہ

(فرزندِ قطب الاقطاب حضرت سید جلال الدین سرخ پوش بخاری رحمۃ اللہ علیہ)

## تعارف

حضرت سید سلطان احمد کبیر رحمۃ اللہ علیہ کا شمار برصغیر کے عظیم روحانی بزرگوں اور ساداتِ عظام میں ہوتا ہے۔ آپ نہ صرف حضرت سید جلال الدین سرخ پوش بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے فرزند تھے بلکہ ان کے روحانی جانشین، باعمل ولی اور مجاہد صوفی بھی تھے۔ آپ نے اپنی زندگی کا بیشتر حصہ عبادت، تبلیغِ دین، اصلاحِ معاشرہ اور روحانی تعلیمات کے فروغ میں صرف کیا۔

## نسبی عظمت

حضرت سید احمد کبیر رحمۃ اللہ علیہ کا سلسلہ نسب براہ راست نواسہ رسول ﷺ، حضرت امام حسین علیہ السلام سے ہوتا ہوا حضرت امام علی نقی علیہ السلام، امام محمد تقی، امام رضا اور امام جعفر صادق تک پہنچتا ہے۔ آپ کے جد امجد حضرت سید جلال الدین سرخ پوش بخاری رحمۃ اللہ علیہ تھے، جنھیں برصغیر پاک و ہند میں سادات بخاریہ کے بانی کے طور پر جانا جاتا ہے۔

- والد گرامی: حضرت سید جلال الدین سرخ پوش بخاری رحمۃ اللہ علیہ (قطب الاقطاب، بانی سلسلہ جلالیہ)
- والدہ ماجدہ: سیدہ حبیبہ سعیدہ بنت بدرالدین بھاکری

## نسبی سلسلہ

سید احمد کبیر بن سید جلال الدین سرخ پوش بن سید علی المود بن سید جلال الدین قتال بن سید شاہاب الدین بن علی اصغر بن امام جعفر ثانی بن امام علی نقی بن امام محمد تقی بن امام علی رضا بن امام موسیٰ کاظم بن امام جعفر صادق بن امام محمد باقر بن امام زین العابدین بن امام حسین علیہ السلام

## پیدائش و ابتدائی زندگی

آپ کی ولادت بخارا (موجودہ ازبکستان) میں ہوئی۔ آپ کی ابتدائی تعلیم و تربیت والد گرامی کے زیر سایہ ہوئی۔ بچپن ہی سے آپ کی طبیعت میں زہد، معرفت، عبادت اور خدمتِ خلق کے آثار نمایاں تھے۔ آپ کی والدہ حضرت بدرالدین بھاکری کی صاحبزادی تھیں، جن کا نام بی بی فاطمہ حبیبہ سعیدہ تھا۔

## روحانی تربیت و بیعت

حضرت سید احمد کبیر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے والد محترم کے دستِ مبارک پر بیعت کی اور ان کے نقش قدم پر چلتے ہوئے سلسلہ جلالیہ کی روحانی خدمات کو وسعت دی۔ بعد ازاں آپ کو حضرت شیخ صدر الدین عارف رحمۃ اللہ علیہ (خلیفہ حضرت بہاؤ الدین زکریا ملتانی) سے بھی خلافت و اجازت حاصل ہوئی جو خود جلیل القدر شیخ طریقت، عالم باعمل اور صاحب کشف و کرامات بزرگ تھے۔

## اقامت: دیویاں شریف

حضرت سید احمد کبیر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی زندگی کا بڑا حصہ دیویاں شریف (موجودہ پنجاب، پاکستان) میں گزارا۔ یہ مقام بعد ازاں روحانیت، فیضان اور تبلیغِ دین کا عظیم مرکز بن گیا۔ آپ کی خانقاہ نے عوام و خواص کو معرفت و محبتِ الہی کی روشنی بخشی۔

## اخلاق و سیرت

- نہایت پرہیزگار، متواضع، صاحبِ حال اور ذاکرِ حق ولی کامل تھے
- تصوف کی اصل روح: محبت، عدل، تواضع، ذکر اور اخلاص آپ کی زندگی میں نمایاں نظر آتی ہے
- دین کی ترویج، امر بالمعروف و نہی عن المنکر اور روحانی اصلاح آپ کا مشن تھا
- آپ کی مجالس میں علم، فہم، زہد اور تقویٰ کا عملی مظاہرہ ہوتا
- عوام، علما، فقرا اور سلاطین یکساں طور پر آپ کے فیض یافتہ تھے

قدیم معتبر کتبِ انساب مثلاً عمدۃ الطالب، المعقون اور المجدی کے مطابق حضرت سید احمد کبیر رحمۃ اللہ علیہ ساداتِ حسینین کے اُن اکابر میں سے تھے جنھوں نے خانقاہی کی بجائے اہل بیت اطہار کی اعتقادی، علمی، اخلاقی اور نسبی روایت کو آگے بڑھایا اعتقادی، فکری اور عملی طور پر آپ اہل بیت اطہار سے وابستہ تھے اور آپ کی دینی تربیت کی بنیاد امامتِ ائمہ، ولایتِ امیر المومنین علیؑ اور حسینی فکرِ کریم پر قائم تھی واقعہً کریم آپ کے نزدیک محض ایک تاریخی سانحہ نہیں بلکہ ایک زندہ اصول اور دائمی معیار تھا، جس کی روشنی میں آپ نے ظلم، جبر اور باطل سیاسی و مذہبی نظاموں سے فکری و عملی کنارہ کشی اختیار کی آپ کا زمانہ عباسی دور کے فکری و مذہبی اضطراب سے عبارت تھا، جب اہل بیت کی تعلیمات کو محدود کرنے کی کوششیں جاری تھیں، ایسے حالات میں حضرت سید احمد کبیر نے اہل بیت کی اصل سنت، علمی وراثت اور شریعت پر مبنی طرزِ حیات کو خاندانی، تعلیمی اور معاشرتی سطح پر محفوظ رکھا آپ کی شخصیت اگرچہ باطنی وقار اور تقویٰ کی حامل تھی، مگر اس میں اہل بیت اطہار کی سنجیدہ، علمی روح نمایاں تھی، جس کا تسلسل اور عملی اظہار بعد ازاں آپ کے فرزند محرم جانیوں جہاں گشت کے علمی و فکری سفر میں واضح طور پر نظر آتا ہے۔

## اولاد و نسل

آپ کے صاحبزادگان میں سب سے نمایاں ہستی حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشتِ رحمۃ اللہ علیہ ہیں، جنہوں نے سلسلہ جلالیہ کو برصغیر، مکہ، مدینہ، بغداد، بخارا، یمن اور ہندوستان کے مختلف علاقوں میں پھیلایا۔

دوسرے صاحبزادے حضرت مخدوم صدر الدین رحمۃ اللہ علیہ بھی اپنے وقت کے زاہد، فقیہ اور صاحبِ فیض بزرگ تھے۔

- حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشتِ رحمۃ اللہ علیہ نے 36 مرتبہ حج کیا، دنیا بھر کے روحانی مراکز کے دورے کیے اور لاکھوں لوگوں کو فیض پہنچایا۔
- آپ کی نسلِ مبارک آج بھی ساداتِ جلالیہ، ساداتِ ناگویہ، ساداتِ بخاریہ اور ساداتِ کوہِ کھراج، پارسکی، ہڑپہ، سلیم گڑھ، حیدرآباد سندھ، فیروز آباد آگرہ اور اتر پردیش کے بیشتر علاقوں وغیرہ میں موجود ہے۔

## بہن بھائی

- سیدہ جعفرہ رحمۃ اللہ علیہا
- سیدہ فاطمہ رحمۃ اللہ علیہا
- سید بہاؤ الدین رحمۃ اللہ علیہ

## وصال و مزار

حضرت سید احمد کبیر رحمۃ اللہ علیہ کا وصال دیوایاں شریف میں ہوا۔

آپ کا روضہ مبارک آج بھی مرجعِ خلائق ہے، جہاں سالانہ عرس شریف تزک و احتشام سے منایا جاتا ہے۔ زائرینِ روحانی سکون، قبولیتِ دعا اور تجدیدِ ایمان کی حالت میں اس مزارِ مبارک سے فیض یاب ہوتے ہیں۔

## حوالہ جات

متذکرہ مخدوم جہانیاں جہاں گشت از: محمد ایوب قادری، مناقبِ قطبی، مرآۃ الجلالی، سیر الاخیار، جلالی خاندان کی ویب گاہ، ساداتِ دیوایاں شریف کی نسلی دستاویزات

## حضرت سید جلال الدین حسین المعروف مخدوم جہانیاں جہاں گشتِ رحمۃ اللہ علیہ

(شیخ الاسلام، سیاح عالم، فرزندِ حضرت سید احمد کبیر رحمۃ اللہ علیہ)

حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشتِ رحمۃ اللہ علیہ کی فکری و اعتقادی بنیاد اہل بیتِ اطہار کی ولایت، امامت اور حسینی فکر پر قائم تھی آپ اصلاً سلسلہ سہروردیہ سے وابستہ تھے اور قادریہ، چشتیہ اور کبرویہ سے بھی اجازت رکھتے تھے۔ قدیم نسب و تاریخی مصادر کے مطابق آپ کی اصل وابستگی اہل بیت سے تھی واقعہ کربلا، مظلومیتِ آلِ محمد اور امامتِ ائمہ آپ کی دینی فکر کے مرکزی اصول تھے آپ کے نزدیک تصوف شریعت و ولایتِ اہل بیت کے تابع تھا۔

## نام و نسب

حضرت کا اسم گرامی سید جلال الدین حسین بخاری تھا، کنیت ابو عبد اللہ اور عرف عام میں آپ کو مخدوم جہانیاں جہاں گشت، شیخ الاسلام اور سیاح عالم کہا جاتا ہے آپ کا نام آپ کے جدِ اعلیٰ حضرت سید جلال الدین سرخ پوش بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے نام پر رکھا گیا۔

آپ کا سلسلہ نسب سترہ پشتوں کے ذریعے حضرت امام حسین علیہ السلام سے جا ملتا ہے۔ آپ خاندانِ ساداتِ نقوی بخاری سے تعلق رکھتے تھے اور آپ کے نسب کی تفصیل یوں ہے:

سید جلال الدین جہانیاں جہاں گشت بن سید احمد کبیر بن سید جلال الدین سرخ پوش بن سید علی بن سید جعفر بن سید محمد بن سید محمود... تا امام حسین علیہ السلام۔

## ولادت و ابتدائی زندگی

آپ کی ولادت باسعادت 14 شعبان المعظم 707ھ مطابق 9 فروری 1308ء کو اوج شریف (مدینۃ السادات، ضلع بہاولپور، پنجاب) میں ہوئی۔

آپ کی پیشانی مبارک سے طفولیت ہی میں رشد و ہدایت کے آثار ظاہر ہونے لگے۔ رولیت ہے کہ آپ کے والد ماجد نے آپ کو پیدائش کے بعد حضرت شیخ جمال خنداں رو رحمۃ اللہ علیہ کے قدموں میں ڈال دیا، جنہوں نے فرمایا:

”یہ فرزند دنیا میں اسی طرح پھٹکے گا جیسے آج کی شبِ برات روشن ہے۔“

## ازدواجی زندگی اور اولاد

### ازواج

حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت رحمۃ اللہ علیہ کی ایک سے زائد ازواج تھیں، جن میں کم از کم تین کے بارے میں معتبر ذرائع میں ذکر موجود ہے۔ ان ازواج کا تعلق معروف سادات، علما یا روحانی خاندانوں سے تھا، تاکہ دین، علم اور روحانیت کا تسلسل قائم رہے۔

- بی بی امۃ اللہ سادات خاندان کی خاتون، جن سے کئی صاحبزادے پیدا ہوئے۔
- بی بی نجم النساء جن کا تعلق روحانی خاندان سے تھا۔
- ایک زوجہ کا تعلق دہلی کے ممتاز دینی خاندان سے تھا (نام صراحت سے مذکور نہیں مگر تذکروں میں موجود ہے کہ دہلی قیام کے دوران نکاح ہوا)۔

### صاحبزادگان

حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت رحمۃ اللہ علیہ کے درج ذیل صاحبزادگان تھیں، جن میں سے اکثر نے علمی، روحانی اور انتظامی خدمات سر انجام دیں:

### حضرت مخدوم شیخ علاؤ الدین علی بن سعد الحسینی

بڑے عالم دین، فقیہ، تفسیر، حدیث اور تصوف کے ماہر۔ آپ ہی کے توسط سے کئی کتب کی تعلیم و اشاعت ہوئی۔

### سید جلال الدین ثانی

جنہوں نے سلسلہ جلالیہ کے تبلیغی و نسبی نظام کو آگے بڑھایا۔

### سید یحییٰ الدین

جن کے متعلق بعض تذکروں میں کشمیر، دہلی یا جھنگ سے منسلک روحانی خدمات کا ذکر آتا ہے۔

### سید احمد الدین

آپ کی نسل مختلف علاقوں میں پھیلی: خصوصاً بھکر، شورکوٹ اور ملتان کے اطراف۔

### صاحبزادیاں

حضرت کی بیٹیوں کے بارے میں کم تفصیلات دستیاب ہیں، تاہم مستند تذکروں سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ:

- کم از کم دو بیٹیاں تھیں جن کی شادیاں معروف سادات یا مشائخ خاندانوں میں ہوئیں۔
- ایک بیٹی کی شادی حضرت شاہ میراں سیالوی خاندان میں ہوئی (شاہ جالندھری کی نسل میں)

- دوسری بیٹی کا نکاح دہلی کے قاضی خاندان میں ہوا، جو بعد ازاں سادات کوہ کھراج میں شمار ہوتے ہیں۔

## نسلی تسلسل

حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت رحمۃ اللہ علیہ کی نسل پاک آج بھی برصغیر، خراسان، عراق اور حجاز تک پھیلی ہوئی ہے:

- ساداتِ جلالیہ
  - ساداتِ ناگویہ
  - ساداتِ ڈکوبا (جالندھر)
  - ساداتِ شورکوٹ، جھنگ، ٹوبہ اور بھکر
  - ساداتِ دہلی، یو پی، فیروز آباد، آگرہ، جونپور، گجرات، سندھ
- حضرت جہانیاں جہاں گشت رحمۃ اللہ علیہ کے خاندان کا دینی و روحانی کردار ان کے بعد کئی صدیوں تک قائم رہا۔ ان کی اولاد نے علم، تبلیغ، تصوف، عرفان اور فقہ کی شاخوں میں نمایاں خدمات انجام دیں اور ان کی اولاد کی کئی شاخیں آج بھی مشائخِ ساداتِ کرام کے طور پر جانی جاتی ہیں۔

## تحصیلِ علم

ابتدائی تعلیم و تربیت اوج شریف میں ہوئی علامہ قاضی ہماؤ الدین آپ کے پہلے استاد تھے بعد ازاں آپ ملتان منتقل ہوئے جہاں شیخ موسیٰ اور مولانا مجید الدین سے مزید علوم حاصل کیے فقہ کی مشہور کتابیں ہدایہ اور قدوری آپ نے نہایت قلیل وقت میں مکمل کر لیں۔

تعلیم کے اعلیٰ مدارج کے لیے آپ مکہ مکرمہ تشریف لے گئے جہاں آپ نے ساتوں قراءتیں حاصل کیں۔ پھر مدینہ

سہ، عوارف المعارف اور دیگر کتب کا درس مسجد کے وقت لیا کرتے تھے۔

شیخ مطری نے آپ سے محبت کے جذبے کے تحت وہ نادر نسخہ بھی عنایت فرمایا جس پر حضرت شباب الدین سہروردی کا مطالعہ ثبت تھا۔

## بیعت و خلافت

ابتدائی بیعت آپ نے اپنے والد محترم حضرت سید احمد کبیر رحمۃ اللہ علیہ کے دستِ حق پرست پر کی۔ خرقہ خلافت ہچا حضرت محمد غوث سے حاصل کیا۔

والد کے وصال کے بعد حضرت شیخ رکن الدین ابوالفتح ملتانی رحمۃ اللہ علیہ کے دست پر بیعت کی اور سلسلہ سہروردیہ میں خلافت و اجازت حاصل کی۔

آپ فرماتے تھے:

”میں نے چودہ جلیل القدر بزرگوں سے خلافت و اجازت حاصل کی ہے۔“

ان میں شامل تھے:

حضرت نظام الدین اولیاء (عالم خواب میں)، شیخ قوام الدین، شیخ امام یافعی، شیخ عبد اللہ مطری، شیخ نجم الدین کبریٰ، حضرت خضر، سید احمد رفاعی، قطب عدن حضرت فقیہ بصال، وغیرہ۔

حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت رحمۃ اللہ علیہ کے مختلف مشائخ سے بیعت و اجازت کے تذکرے کو قدیم علما نے روحانی استفادہ اور علمی اجازت کے معنی میں لیا ہے، نہ کہ فقہی یا اعتقادی تقلید کے طور پر۔ آپ کی اصل شناخت ایک علوی، صیغی اور امامی سید کی تھی، جنہوں نے اہل بیت کی علمی و اخلاقی وراثت کو مختلف خطوں تک منتقل کیا۔

اس طرح حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت ایک ایسے بزرگ کی صورت میں سامنے آتی ہے جس میں نسبِ اہل بیت، علمِ شریعت اور باوقار روحانیت ایک ہی فکری دائرے میں جمع ہو گئے تھے۔



## سیرت و خصائص

- آپ اپنے وقت کے عالم باعمل، مجتہد تھے
- دینِ مصطفیٰ ﷺ کی تبلیغ آپ کی زندگی کا نصب العین تھا
- خدمتِ خلق، اشاعتِ شریعت اور سنتِ اہل بیت کی حقیقی روح آپ کی زندگی میں نمایاں تھی
- آپ نے جنوب پنجاب، سندھ، گجرات اور کاٹھیاواڑ میں ہزاروں غیر مسلموں کو دائرۃ اسلام میں داخل کیا

## علمی مقام

- آپ کو 188 علوم پر عبور حاصل تھا
- آپ کے مشہور دروس میں قرآن، حدیث، فقہ، تفسیر، مشکوٰۃ، مدارک، ہدایہ، قدوری، عوارف المعارف، قصیدہ لامیہ، رسالہ مکہ وغیرہ شامل تھے
- آپ کا حلقہ درس ہمہ وقت طلبہ و طالبانِ حق سے بھرا رہتا تھا
- سادگی، تواضع، حلم اور علم کا جامع نمونہ تھے

## عبادات و وظائف

- پنج وقتہ نماز کے ساتھ ساتھ تہجد، اشراق، چاشت، صلاة التسبیح، صلاة الاوابین کا اہتمام کرتے
  - ذاتی کھانے سے گریز کرتے، اکثر احباب کے ساتھ کھاتے
  - شریعت کے سخت پابند، فرماتے:
- "جب تک شریعت پر مضبوطی سے عمل نہ کیا جائے، حقیقت تک رسائی ممکن نہیں"

## سفرنامہ و لقب

آپ نے مکہ، مدینہ، یمن، دمشق، لبنان، تبریز، فارس، خراساں، نیشاپور، سمرقند، غزنین، دہلی، آگرہ، جونپور، ملتان، بھکر، الور اور رومی سمیت درجنوں شہروں کا سفر کیا۔ ان اسفار کا مقصد صرف دینِ اسلام کا پیغام پہنچانا تھا۔ ان عظیم خدمات کے سبب آپ کو ہجرت جہاں گشت کے لقب سے دنیا جانتی ہے۔ آپ کے اسفار کی تفصیل سفرنامہ ہجرت جہاں گشت میں محفوظ ہے۔

## بارگاہِ مصطفیٰ ﷺ میں قبولیت

جب آپ مدینہ منورہ حاضر ہوئے تو عرض کی:

السلام علیک یا جدی

جواب آیا:

وعلیک السلام یا ولدی

یہ بشارت آپ کی مقبولیتِ خاصہ کی دلیل ہے۔

## ارشادات و اقوالِ زرین

- جاہل صوفیوں سے بچو، وہ دین کے راہزن ہیں

- علم لدنی کے لیے تقویٰ شرطِ اول ہے
- ہر مسلمان پر علم، عمل سے پہلے لازم ہے
- ولی اللہ صرف اللہ سے ڈرتا ہے

حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشتِ رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیمات کا بنیادی منہج یہ تھا کہ تصوف بغیر علم کے گمراہی کا سبب بن جاتا ہے اور حقیقی باطنی علم تقویٰ کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا۔ آپ جاہل صوفیانہ رویوں پر تنقید فرماتے اور اس بات پر زور دیتے تھے کہ دین میں عمل سے پہلے علم لازم ہے۔

ماخوذ از: ملفوظاتِ جہانیاں، تذکرہ مخدوم جہانیاں جہاں گشت، سیر الانبیاء، عوارف المعارف کے دروس

## وصال و مزار

آپ کا وصال 10 ذوالحجہ 785ھ مطابق 2 فروری 1384ء بروز پیر عیدالاضحیٰ کے دن ہوا۔

آپ کا مزار مبارک اوج شریف، تحصیل احمد پور شرقیہ، ضلع بہاولپور میں واقع ہے اور مرجعِ خلائق ہے۔ ہر سال آپ کا عرس مبارک روحانی عقیدت سے منایا جاتا ہے۔

## ماخذ و مراجع

تذکرہ اولیائے پاک و ہند، انسائیکلو پیڈیا اولیاء کرام (جلد 5)، یادگارِ سروردیہ، تذکرہ مخدوم جہانیاں جہاں گشت، تذکرہ اولیائے پاکستان (جلد دوم)، سفرنامہ جہانیاں جہاں گشت۔

## حضرت سید محمود نر ناصرالدين نقوی البخاری رحمۃ اللہ علیہ

(فرزند حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت رحمۃ اللہ علیہ)

## تعارف و روحانی مقام

حضرت سید محمود نر ناصرالدين بخاری نقوی رحمۃ اللہ علیہ، سلسلہ جلالیہ کے عظیم خانوادے کے چشم و چراغ اور حضرت شیخ الاسلام مخدوم جہانیاں جہاں گشت رحمۃ اللہ علیہ کے فرزندِ ارجمند تھے۔ آپ اپنے والد کی طرح جامع شریعت، طریقت، معرفت، حقیقت اور محبت کی بلند پایہ مثال تھے۔

ہندوستان، گجرات، یوپی، سندھ، پنجاب اور بخارا و خراسان کے ہزاروں سادات و مشائخ کی اصل شاخیں آپ ہی سے شروع ہوتی ہیں۔

نر کا لقب ہندی نسابین نے آپ کو کثیر الاولاد ہونے کے سبب دیا اور یہ وصف آپ کی نسل میں نمایاں رہا۔

## نسب نامہ

سید محمود نر ناصرالدين بن مخدوم جلال الدین جہانیاں جہاں گشت بن سید احمد کبیر بن سید جلال الدین سرخ پوش بخاری بن سید علی المومنین بخاری بن سید جعفر بن سید محمد بن سید محمود بن سید احمد شاہ بن سید عبد اللہ بن سید علی اصغر بن سید جعفر ثانی بن امام علی نقی علیہ السلام

## ولادت

آپ کی ولادت اوج شریف میں ہوئی، جہاں آپ نے اپنے والد مخدوم جہانیاں جہاں گشت رحمۃ اللہ علیہ کی سرپرستی میں پرورش پائی۔

## تعلیم و تربیت

آپ نے:

- قرآن، حدیث، فقہ، تفسیر اور تصوف کی تعلیم اپنے والد گرامی سے حاصل کی

- سلسلہ سہروردیہ، جلالیہ اور دیگر روحانی سلاسل کی اجازت حاصل کی
  - علوم ظاہر و باطن دونوں میں کمال حاصل کیا
- حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشتِ رحمۃ اللہ علیہ اپنے فرزند سید محمود نر ناصرالدین کو خاص محبت اور توجہ سے نوازتے تھے اور آپ کو روحانی اسرار و معارف میں اپنا وارث سمجھتے تھے۔

## سیرت و خصائص

- نہایت متواضع، صاحبِ تقویٰ، عابد، شب زندہ دار اور صاحبِ حال بزرگ تھے
- آپ کی مجالس ذکر، درود، تفسیر اور روحانی اصلاح سے معمور رہتی تھیں
- عوام الناس، سادات، فقرا اور علما آپ سے فیض حاصل کرتے تھے
- آپ نے اپنی زندگی دعوتِ دین، اصلاحِ اخلاق اور خدمتِ خلق میں گزاری

## اولاد و نسل

حضرت سید محمود نر ناصرالدین رحمۃ اللہ علیہ کی نسل بہت وسیع ہوئی اور انہی کی اولاد مختلف علاقوں میں آباد ہوئی:

- اوچ شریف
- ملتان
- سندھ
- جھنگ
- شورکوٹ
- گجرات
- آگرہ
- جونپور
- حیدرآباد دکن
- فیروزآباد
- اتر پردیش
- کشمیر
- کابل و بخارا

ساداتِ نقوی بخاری، ساداتِ جلالیہ، ساداتِ ناگویہ اور کئی روحانی خانوادے آپ ہی کی نسل سے منسلک ہیں۔

## روحانی خدمات

حضرت سید محمود نر ناصرالدین رحمۃ اللہ علیہ نے:

- سلسلہ جلالیہ کے روحانی نظام کو مضبوط کیا
- خانقاہی تربیت، ذکر و اذکار اور اصلاحی مجالس کو فروغ دیا
- اپنے والد کے علمی و روحانی مشن کو جاری رکھا
- ساداتِ بخاریہ کے نسب و روحانی تسلسل کو محفوظ رکھا

## مزاج و عبادات

- شب بیداری، تلاوتِ قرآن اور درود شریف کی کثرت فرماتے
- سادگی، توکل، خاموشی اور عاجزی آپ کی نمایاں صفات تھیں
- اہل بیتِ اطہار سے محبت آپ کی زندگی کا بنیادی وصف تھا

## وصال

آپ کا وصال اوج شریف میں ہوا اور آپ کا مزار مبارک بھی اسی روحانی خطے میں مرجعِ خلائق سمجھا جاتا ہے۔

## حوالہ جات

- تذکرہ مخدوم جہانیاں جہاں گشت
- مرآۃ الجلالی
- سیر الاخیار
- تاریخ ساداتِ بخاریہ
- خاندانی شجرہ جاتِ ساداتِ نقوی بخاری
- المعقبون من آل ابی طالب
- عمدة الطالب

## حضرت سید صدرالدین محمد غوث رحمۃ اللہ علیہ

## تعارف

حضرت سید صدرالدین محمد غوث رحمۃ اللہ علیہ، حضرت سید جلال الدین سرخ پوش بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے فرزند ارجمند اور سلسلہ جلالیہ و ساداتِ بخاریہ کے ممتاز بزرگوں میں شمار ہوتے ہیں۔ آپ علم، زہد، عبادت، روحانی تربیت اور تبلیغِ دین میں نمایاں مقام رکھتے تھے۔

## نسب

سید صدرالدین محمد غوث بن سید جلال الدین سرخ پوش بخاری بن سید علی المہد بخاری بن سید جعفر بن سید محمد بن سید محمود بن سید احمد شاہ بن سید عبد اللہ بن سید علی اصغر بن سید جعفر ثانی بن امام علی نقی علیہ السلام

## ولادت و تربیت

آپ کی تربیت حضرت سید جلال الدین سرخ پوش بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی نگرانی میں ہوئی۔ آپ نے کم عمری ہی میں قرآن، حدیث، فقہ، تفسیر اور روحانی علوم میں مہارت حاصل کر لی تھی۔

## روحانی مقام

- صاحبِ کشف و کرامت بزرگ تھے
- سلسلہ جلالیہ میں بلند روحانی مقام رکھتے تھے
- اہل علم، فقرا اور عوام الناس آپ سے روحانی فیض حاصل کرتے تھے

■ آپ کی شخصیت علم و عمل کا حسین امتزاج تھی

## تبلیغی خدمات

حضرت سید صدرالدین محمد غوث رحمۃ اللہ علیہ نے:

- سندھ، ملتان، اوچ شریف اور اطراف کے علاقوں میں تبلیغ اسلام کی
- روحانی تربیت اور اصلاح معاشرہ کے لیے خانقاہی نظام کو مضبوط کیا
- اہل بیت کی محبت اور اخلاقی اسلامی کو فروغ دیا

## اولاد و نسل

آپ کی نسل بعد میں مختلف علاقوں میں پھیلی اور سادات بخاریہ کی متعدد شاخیں آپ ہی سے منسلک ہوئیں۔

## وصال

آپ کا وصال اوچ شریف میں ہوا، جہاں آپ کی نسبت آج بھی عقیدت سے یاد کی جاتی ہے۔

## حوالہ جات

- مرآۃ الجلالی
- تاریخ جلالیہ
- تذکرہ سادات بخاریہ
- خاندانی مشجرات
- سیر الاولیاء

## حضرت سید علم الدین بن ناصر الدین بن مخدوم جانیایں بخاری رحمۃ اللہ علیہ

(سلسلہ بخاریہ نقوی - سادات اوچ شریف)

## نسب و تعارف

حضرت سید علم الدین رحمۃ اللہ علیہ سلسلہ جلالیہ کے ممتاز و موقر بزرگ تھے آپ، حضرت سید ناصر الدین بخاری رحمۃ اللہ علیہ (المعروف محمود نر ناصر الدین) کے فرزند اور حضرت مخدوم جانیایں جہاں گشت رحمۃ اللہ علیہ کے پوتے تھے۔ اس خاندان کا شمار سلسلہ بخاریہ کے ان روشن چراغوں میں ہوتا ہے جنہوں نے علم و عرفان اور طریقت و حقیقت کو نسل در نسل آگے بڑھایا۔

آپ ایک متقی، فاضل، وارث مسند طریقت، سالک راہ سلوک اور صاحب فیض بزرگ تھے۔ آپ کے والد بزرگوار نے آپ کی تربیت طریقت و شریعت کی بنیادوں پر کی۔

## سیرت و کردار

حضرت سید علم الدین رحمۃ اللہ علیہ نہایت سادہ مزاج، منکسر المزاج اور زہد و تقویٰ کے پیکر تھے۔ آپ نے اپنے والد محترم اور جد امجد حضرت مخدوم جانیایں جہاں گشت کے فیوض و برکات کو نہ صرف خود حاصل کیا بلکہ اپنے بیٹے اور میردین کو بھی اس سے سیراب کیا۔

آپ کا تربیتی و روحانی نظام مکمل طور پر اہل بیت کے مطابق تھا باوجود اس کے کہ آپ کے حالات زندگی پر زیادہ تفصیلی تحریری شواہد موجود نہیں، تاہم آپ کے فرزند اور بعد کی نسلوں کے ذریعہ آپ کے روحانی فیضان و عرفان کی موجودگی ثابت ہے۔

## اولاد

آپ کے صاحبزادے کا تاریخی طور پر ذکر محفوظ ہے:

سید چلی حسن رحمۃ اللہ علیہ

آپ کے فرزند اور خلیفہ، جتھوں نے حضرت سید جلال الدین (ابن مخدوم جہانیاں) سے تعلیم حاصل کی۔

علم و تربیت کے میدان میں نمایاں مقام رکھتے تھے۔

ان کی نسل کے مشہور افراد میں:

1. سید بدرالدین حسن

2. سید خضرالدین

3. سید سلطان احمد دیوروی (قلعہ دیورہ کے مشہور بزرگ)

اس تسلسل سے معلوم ہوتا ہے کہ سید علم الدین رحمۃ اللہ علیہ کی نسل میں کئی علمی و روحانی شخصیات پیدا ہوئیں جتھوں نے ہندوستان میں اسلام، سلوک اور روحانیت کو فروغ دیا۔

## ماخذ و مراجع

- تذکرہ مخدوم جہانیاں جہاں گشت
  - بحر المطالب فی انساب آل ابی طالب از سید کرم حسین بخاری اوچوی
  - تصویر شائع شدہ نساب صفحہ (آپ کی اولاد کے 27 افراد میں شامل)
  - Jalalians ویب گاہ کے ساداتِ جلالیہ سے متعلقہ حوالہ جات
- حضرت سید علم الدین رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد آج بھی برصغیر کے مختلف علاقوں خصوصاً قلعہ دیورہ، اوچ شریف، گجرات، جھنگ اور بہاولپور میں موجود ہے اور سلسلہ جلالیہ کے روحانی اور نسبی ورثہ کی امین ہے۔ ان کے روحانی فیضان کا تسلسل ان کے صاحبزادے سید چلی حسن اور ان کی نسل کے ذریعے جاری رہا۔

## حضرت سید جلال الدین بن سید علم الدین بخاری رحمۃ اللہ علیہ

(سلسلہ بخاریہ نقوی، ساداتِ جلالیہ)

## نسب و تعلق

حضرت سید جلال الدین رحمۃ اللہ علیہ کا تعلق مشہور و معروف خانوادہ جلالیہ ساداتِ بخاریہ سے ہے۔

## سیرت و احوال

حضرت سید جلال الدین رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی کا زیادہ تر حصہ دینی و روحانی خدمات، تعلیم و تربیت اور رشد و ہدایت کے لیے وقف رہا۔ آپ کے والد سید علم الدین اور جد امجد مخدوم جہانیاں کی سلوکی تربیت اور روحانی فیضان نے آپ کو متبحر عالم، صاحبِ عرفان بزرگ اور عاملِ باعمل شخصیت بنایا۔

آپ اوچ شریف کے علمی ماحول میں تربیت پاتے ہوئے اہل بیت کی تعلیمات کے وارث بنے اور اپنے والد محترم اور چچا زاد مشائخ کے ساتھ اصلاحی و تبلیغی سفر اختیار کیے۔

## فرزندان و نسل

حضرت کے صاحبزادگان اور ان کی نسل کے بارے میں مستند خاندانی و تذکرہ جاتی روایات کی روشنی میں درج ذیل نام واضح طور پر محفوظ ہیں:

حضرت کے چار صاحبزادے تھے:

1. سید علیم الدی
2. حاجی سید عبد العزیز
3. سید منور
4. سید موسیٰ

یہ تمام حضرات اپنے وقت میں علم، دیانت اور خاندانی وجاہت کے حامل سمجھے جاتے تھے۔

سید علیم الدین کے صاحبزادگان درج ذیل ہیں:

1. سید نظام الدین
  2. سید فرید الدین ابو الفتح
  3. سید میراں محمد شاہ
- یہ شاخ علمی و روحانی خدمات کے باعث مختلف علاقوں میں معروف ہوئی۔

اولادِ سید منور

1. سید احمد

اولادِ سید موسیٰ

1. سید یحییٰ

## نسلی پھیلاؤ

ان حضرات کی نسل مختلف ادوار میں برصغیر کے متعدد علاقوں میں پھیلی، جن میں خصوصاً:

گجرات، یو پی، جھنگ، ملتان، اوچ شریف، قلعہ دیوہ

شامل ہیں، جہاں یہ خاندان آج بھی ساداتِ جلالیہ کے نام سے پہچانا جاتا ہے اور بزرگِ خاندان کی حیثیت رکھتا ہے۔

## ماخذ و مراجع

شجرہ نسب بخاریہ نقوی (اوچ شریف)، تذکرہ مخدوم جہانیاں جہاں گشت، تذکرہ اولیائے جہانیاں، تصویرِ نساباتی دستاویزات (آپ کا نام بیٹوں میں شامل)، موجود مشجرات، بحر المطالب فی انساب آل ابی طالب از سید کرم حسین بخاری اہجوی۔

## حضرت سید علم الدین بن سید جمال الدین بخاری رحمۃ اللہ علیہ

حضرت سید علم الدین بن سید جمال الدین بخاری رحمۃ اللہ علیہ سادات نقوی بخاری کے اُن باوقار بزرگوں میں شمار ہوتے ہیں جنہوں نے اپنی زندگی شہرت اور ظاہری پیشوائی کی بجائے نسبِ اہل بیت کے تحفظ، خاندانی ذمہ داریوں کی ادائیگی اور دینی رولیت کے تسلسل میں بسر کی آپ کا شمار اُن خاموش مگر مضبوط ستونوں میں ہوتا ہے جن پر بعد کی نسلوں کی دینی و نسبی عمارت قائم رہی۔

## نسب

حضرت سید علم الدین رحمۃ اللہ علیہ کا تعلق ساداتِ حسین، نقوی بخاری سے تھا آپ کا سلسلہ نسب امام علی نقی علیہ السلام کے واسطے سے حضرت امام حسین علیہ السلام تک پہنچتا ہے۔

## عہد اور خاندانی کردار

حضرت سید علم الدین رحمۃ اللہ علیہ کا زمانہ وہ دور تھا جب ساداتِ بخاری علمی و سماجی اعتبار سے مستحکم ہو چکے تھے اس مرحلے پر بنیادی ذمہ داریاں یہ تھیں نسبِ اہل بیت کا تحفظ خاندانی شریعت و رولیت کی پاسداری سماجی و دینی امانت کی حفاظت سیاسی کشمکش اور ظاہری اختلافات سے اجتناب آپ نے یہ تمام ذمہ داریاں وقار، صبر اور خاموش استقامت کے ساتھ نبھائیں اور اپنے بعد آنے والی نسل کے لیے ایک مضبوط بنیاد قائم کی۔

## فکری و اعتقادی پس منظر

یہ وہ زمانہ تھا جب ساداتِ بخاری کے علاقوں میں اہل بیتِ اطہار سے اعتقادی وابستگی اور تشیع کا رنگ بتدریج نمایاں ہو تھا۔ تاہم یہ رنگ کھلی سیاسی یا فقہی صورت میں نہیں بلکہ نسبی وفاداری ولایتِ اہل بیت اور واقعہ کربلا کی اخلاقی و فکری وراثت کی صورت میں موجود تھا حضرت سید علم الدین رحمۃ اللہ علیہ اسی خاموش، باوقار اور غیر تصادم کے نمائندہ تھے، جہاں شریعت اور اہل بیت کی محبت کو بنیاد بنایا گیا۔

## اولاد

قدیم خاندانی شجروں اور روایتی نسبی مصادر کے مطابق حضرت سید علم الدین بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے تین صاحبزادے تھے، جن کے ذریعے آگے چل کر ساداتِ بخاری کا نسلی اور دینی تسلسل قائم رہا:

1. حضرت سید جمال الدین بخاری رحمۃ اللہ علیہ جن کے ذریعے خاندانی ذمہ داریاں اگلے مرحلے میں منتقل ہوئیں۔
2. حضرت سید جلال الدین بخاری جن کا ذکر بعض شجروں میں دینی و سماجی خدمات کے حوالے سے ملتا ہے۔
3. حضرت سید نظام الدین بخاری جن کے عہد میں خاندانی ذمہ داریوں کا عملی بوجھ زیادہ واضح طور پر سامنے آیا۔

## تاریخی حیثیت

اگرچہ حضرت سید علم الدین رحمۃ اللہ علیہ کے حالاتِ زندگی تفصیلی تذکروں میں کم ملتے ہیں، تاہم خاندانی شجروں نسبی دستاویزات اور ساداتِ بخاری کی رولیت میں آپ کا نام ایک اہم اور ناقابلِ انکار کڑی کے طور پر محفوظ ہے۔

## حضرت سید نظام الدین بخاری رحمۃ اللہ علیہ

فرزندِ حضرت سید جلال الدین بن سید علم الدین بخاری رحمۃ اللہ علیہ

حضرت سید نظام الدین بخاری رحمۃ اللہ علیہ ساداتِ نقوی بخاری کے اُن جلیل القدر بزرگان میں شمار ہوتے ہیں جن کے حالاتِ زندگی پر تفصیلی تذکرہ کم دستیاب ہے، تاہم خاندانی شجرہ جات اور قدیم نسبی روایات میں آپ کا ذکر ایک ذمہ دار، باوقار اور خاندانی امانت کا امین بزرگ کے طور پر محفوظ ہے آپ نے اپنی زندگی زیادہ تر اسی خاموش خدمت اور نسبی و دینی ذمہ داری کے ساتھ بسر کی جو آپ کے والد، دادا اور اسلاف کی رولیت چلی آ رہی تھی۔

## نسب

آپ کا تعلق ساداتِ حسین، نقوی بخاریہ سے تھا اور آپ کا نسب حضرت امام علی نقی علیہ السلام کے ذریعے حضرت امام حسین علیہ السلام تک پہنچتا ہے آپ کا نسبی تعارف درج ذیل ہے:

حضرت سید نظام الدین بن حضرت سید جلال الدین بن سید علم الدین بخاری رحمۃ اللہ علیہ سلسلہ نسب تا امام علی نقی و امام حسین

## عہد اور خاندانی ذمہ داریاں

حضرت سید نظام الدین کے زمانے میں ساداتِ بخاریہ مختلف علاقوں میں آباد ہو چکے تھے اور ان پر دینی، سماجی اور نسبی ذمہ داریاں عائد تھیں، جن میں شامل تھیں ساداتِ خاندان کے معاملات کی نگرانی نسبِ اہل بیت کی حفاظت خاندانی رولیتِ دیانت، وقار اور مذہبی شناخت کا تسلسل عوام میں باوقار اور غیر نمائشی دینی کردار



حضرت سید نظام الدینؒ نے یہ تمام ذمہ داریاں کسی ظاہری شہرت کے بغیر نہایت سنجیدگی اور امانت کے ساتھ نبھائیں۔

## اعتقادی پس منظر تشیع کا تدریجی ظہور

یہ وہی دور تھا جب بخاری سادات کے علاقوں میں اہل بیتؑ سے وابستگی اور اثنا عشری تشیع کا رنگ بتدریج نمایاں ہو رہا تھا۔ اگرچہ اس زمانے میں یہ وابستگی زیادہ تر خاموش، علمی اور نسبی وفاداری کی صورت میں تھی، تاہم واقعہ کریمہ اور مظلومیتِ اہل بیتؑ کو خاندانی روایت میں مرکزی مقام حاصل تھا امامتِ ائمہ کا احترام اور ولایتِ شعور نسل در نسل منتقل ہو رہا تھا اہل بیتؑ کی اخلاقی و نسبی سنت کو مقدم رکھا جاتا تھا۔

## اولاد اور ذمہ داریوں کی منتقلی

حضرت سید نظام الدینؒ بخاری کے دو صاحبزادے تھے:

- حضرت سید صفی الدین بخاری رحمۃ اللہ علیہ
- حضرت سید عمر بخاری رحمۃ اللہ علیہ

قدیم خاندانی شجروں اور روایتی نسبی مصادر کے مطابق حضرت سید عمر رحمۃ اللہ علیہ کے دو صاحبزادے تھے، جن کے ذریعے آپ کی نسل آگے بڑھی:

1. حضرت سید قطب شاہ رحمۃ اللہ علیہ

جن کا شمار ساداتِ بخاری کے اُن افراد میں ہوتا ہے جنہوں نے دینی و سماجی خدمات کے ذریعے خاندانی وقار کو برقرار رکھا۔

2. حضرت سید عبد الجلیل شاہ رحمۃ اللہ علیہ

جن کی نسل اور خدمات بعض علاقوں میں علاحدہ شناخت کے ساتھ آگے چلیں اور ساداتِ بخاری کے تسلسل میں اہم کردار ادا کیا۔

آپ کے بعد خاندانی و دینی ذمہ داریاں حضرت سید صفی الدینؒ کو منتقل ہوا، جنہوں نے بعد ازاں انہی ذمہ داریوں کو روحانی رنگ کے ساتھ آگے بڑھایا یہ منتقلی اس بات کی علامت ہے کہ ساداتِ بخاریہ میں قیادتِ اہلیت، تقویٰ اور خاندانی اعتماد سے منتقل ہوتی تھی۔

## سید صفی الدینؒ بن سید نظام الدینؒ ساداتِ نقوی بخاری

سجادہ نشین حضرت سید صفی الدینؒ بن سید نظام الدینؒ ساداتِ نقوی بخاری کے اُن جلیل القدر اکابر میں شمار ہوتے ہیں جنہیں اوچ شریف میں غیر معمولی روحانی، سماجی اور خاندانی وقار حاصل تھا اوچ شریف اس دور میں برصغیر میں ساداتِ نقوی بخاری کی اجتماعی قوت، روحانی مرجعیت اور سماجی نظم کا ایک مضبوط مرکز تھا اور اسی پس منظر میں حضرت سید صفی الدینؒ نہ صرف ایک صاحب اثر روحانی بزرگ بلکہ اوچ شریف کے سجادہ نشین اور سادات کی نمائندہ قیادت کے طور پر ابھرے آپ کی رائے، تائید اور فیصلہ سازی کو سادات کے باہمی معاملات، اختلافات کے حل اور اجتماعی امور میں مرکزی حیثیت حاصل تھی اور یہی اخلاقی وزن، روحانی وقار اور خاندانی اعتماد وہ بنیاد تھی جس پر آپ کی قیادت قائم تھی، نہ کہ کسی عسکری یا ریاستی اقتدار پر نسبی اعتبار سے حضرت سید صفی الدینؒ وہ مرکزی نسلی کڑی تھے جن کے ذریعے ساداتِ نقوی بخاری کا وہ تسلسل آگے بڑھا جس سے بعد میں حضرت سید محمد موح دریا بخاری اور حضرت سید جلال الدین حیدر بخاری لاہوری جیسی عظیم شخصیات سامنے آئیں اور اسی نسبت سے ان دونوں بزرگوں کا تعلق ایک ہی روحانی و خاندانی روایت سے جڑتا ہے۔ خاندانی روایات کے مطابق حضرت سید صفی الدینؒ کی تربیت کا نمایاں اثر ان کے صاحبزادگان کی عملی زندگی میں بھی ظاہر ہوا، حضرت سید صفی الدینؒ کی زہد، بے نیازی اور تربیتی اثر پذیری کا واضح مظہر سمجھا جاتا ہے حضرت سید صفی الدینؒ ہی کے دور میں اوچ شریف سے ساداتِ نقوی بخاری کی پہلی منظم ہجرت لہر کا آغاز ہوا، جو سب سے پہلے اوچ شریف سے لاہور پہنچی، پھر مزید پھیلنے ہوئے پنجاب کے دیگر علاقوں، اس کے بعد سندھ اور بالآخر اتر پردیش تک نسلی پھیلاؤ کا سبب بنی یہی وہ ابتدائی ہجرتی مرحلہ تھا جس کے بعد برصغیر نے ساداتِ نقوی بخاری کو ایک وسیع جغرافیائی دائرے میں پہچاننا شروع کیا اور آنے والی نسلوں میں ہند کے مختلف علاقوں میں مستقل خاندانوں اور خاندانی شاخوں کے قیام کی بنیاد پڑی خاندانی اور زمانی قرائن سے یہ بات واضح ہے کہ آپ کا عہد مغل سلطنت کے ابتدائی استحکام، خصوصاً دورِ اکبری سے ہم عصر تھا اور اسی دور میں آپ نے اوچ شریف میں ساداتِ نقوی بخاری کی وحدت، قیادت اور نسلی تسلسل کو وہ مضبوط بنیاد فراہم کی جس کے اثرات بعد کی کئی صدیوں تک نمایاں رہے۔

contentReference[oaicite:0]{index=0}

## نسب و خاندانی پس منظر

حضرت سید صفی الدین کا تعلق سادات نقوی بخاری کے اُس معزز خاندان سے تھا جس کا سلسلہ نسب حضرت سید جلال الدین سرخ پوش بخاری رحمۃ اللہ علیہ تک جا ملتا ہے یہی وہ خاندان ہے جس نے صدیوں تک اوج شریف کو علم اور سادات کی قیادت کا مرکز بنائے رکھا خاندانی شجروں اور علاقائی تذکروں میں سید صفی الدین کو صاحبِ تقویٰ، صاحبِ اثر اور معاملہ فہم بزرگ کے طور پر یاد کیا جاتا ہے۔

## اوج شریف میں قیادت اور مقام

حضرت سید صفی الدین کی قیادت کی نوعیت محض روحانی نہ تھی بلکہ سماجی اور اجتماعی سطح پر بھی آپ کو مرکزی حیثیت حاصل تھی سادات کے باہمی معاملات، اختلافات کے حل اور اجتماعی فیصلوں میں آپ کی رائے فیصلہ کن سمجھی جاتی تھی اوج شریف میں سادات کی نمائندگی ایک منظم اور متحد صورت میں زیادہ تر آپ ہی کے ذریعے سامنے آتی تھی یہ قیادت عسکری یا ریاستی اقتدار پر نہیں بلکہ اخلاقی وزن، روحانی وقار اور خاندانی اعتماد پر قائم تھی۔

## مغل سلطنت اور شہنشاہ اکبر سے تعلق خاندانی و علاقائی روایت کے مطابق

خاندانی اور علاقائی روایات کے مطابق مغلیہ سلطنت کے استحکام کے دور میں شہنشاہ اکبر اور حضرت سید صفی الدین کے درمیان رابطہ اور باہمی تعلق قائم ہوا۔ اس تعلق کا مقصد مغل اقتدار کے لیے سادات کی روحانی تائید، اخلاقی پشت پناہی اور سماجی حمایت حاصل کرنا تھا۔ روایت میں یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ مغل دربار پہلے ہی بعض زیدی سادات کے ساتھ اتحاد قائم کر چکا تھا اور اس مرحلے پر نقوی بخاری سادات کی حمایت ناگزیر سمجھی جا رہی تھی، جس کا مرکزی محور اوج شریف اور حضرت سید صفی الدین کی ذات تھی۔

## حمایت، اتحاد اور عملی اقدام

روایت کے مطابق حضرت سید صفی الدین نے مغل سلطنت کی حمایت پر آمادگی ظاہر کی اور سادات نقوی بخاری کی جانب سے اتحاد کی تائید کی تاہم آپ نے خود براہ راست کسی عسکری مہم میں شریک ہونے کی بجائے اس ذمہ داری کو اپنے صاحبزادے حضرت سید محمد موج دریا کے سپرد کیا، جنہیں آپ نے اپنا نائب مقرر فرمایا یہ نیابت محض فوجی نوعیت کی نہ تھی بلکہ اس میں سادات کی نمائندگی، نظم و ضبط اور روحانی قیادت بھی شامل تھی۔

## حضرت سید محمد موج دریا بطور نائب

حضرت سید محمد موج دریا اپنے والد کے صاحبزادوں میں نمایاں حیثیت رکھتے تھے۔ روایت کے مطابق انھیں سادات کی فراہم کردہ قوت اور تنظیم کی قیادت سونپی گئی ان کی شخصیت روحانی وجاہت، فیضان اور اثر کے باعث موج دریا کے لقب سے معروف ہوئی اور وہ اپنے والد کے اعتماد کے حقیقی مظہر سمجھے جاتے تھے۔

## جتوڑ کے قلعہ کا واقعہ روحانی و تذکرہ جاتی روایت

وہ واقعہ جنگِ جتوڑ، المعروف فتح قلعہ جتوڑ، سے متعلق ہے جو سنہ 1567ء تا 1568ء میں شہنشاہ اکبر کے دورِ حکومت میں میواڑ کے راجپوت حکمران رانا اودے سنگھ کے خلاف پیش آیا سادات کی روایات میں بیان کیا جاتا ہے کہ راجپوتوں کے زیر قبضہ جتوڑ کے قلعہ کے معاملے میں حضرت سید محمد موج دریا کی قیادت، دعا اور روحانی توجہ کو فیصلہ کن حیثیت حاصل ہوئی اسی نسبت سے بعد کے زمانوں میں اس واقعے کو فتح جتوڑ سے تعبیر کیا گیا علمی دیانت کے تقاضے کے تحت یہ وضاحت ضروری ہے کہ یہ بیان روحانی اور تذکرہ جاتی روایت کے زمرے میں آتا ہے، جبکہ مغل سرکاری تواریخ میں اسے عسکری کمان کے طور پر صراحت کے ساتھ درج نہیں کیا گیا جتوڑ کے واقعے کے بعد حضرت سید محمد موج دریا نے عملی سیاست اور دنیاوی معاملات سے کنارہ کشی اختیار کر لی اور اپنی زندگی عبادت، ریاضت، اصلاحِ خلق اور روحانی فیضان کے لیے وقف کر دی آپ ایک صاحبِ کرامت اور صاحبِ فیض بزرگ کے طور پر معروف ہوئے اور دورِ دراز علاقوں سے طالبانِ حق آپ کی خدمت میں حاضر ہونے لگے۔

## اولادِ سید صفی الدین

حضرت سید صفی الدین کے صاحبزادگان میں سید جلال الدین حیدر، حضرت سید محمد موج دریا اور سید راجو شامل تھے۔

حضرت سید جلال الدین حیدر بن سید صفی الدین

المعروف سید سلطان جلال الدین حیدر سہروردی لاہوری

حضرت سید جلال الدین حیدر بن سید صفی الدین، جنھیں معتبر تاریخی مصادر اور تذکروں میں سید سلطان جلال الدین حیدر سہروردی لاہوری کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے، اپنے عہد کی ایک جلیل القدر، صاحبِ تقویٰ، زاہد، مستقی اور بکمال روحانی شخصیت تھے آپ کی پوری زندگی اطاعتِ الہی، تزکیہٴ نفس، اصلاحِ نفس اور رضائے الہی کے حصول کے ساتھ ساتھ اہل بیتِ اطہارؑ کی اطاعت، محبت اور خدمت کے لیے وقف رہی عبادت، زہد، سادگی، خاموش طبعی، دنیاوی نمود و نمائش سے کنارہ کشی اور دنیاوی جاہ و منصب سے بے نیازی آپ کی حیاتِ طیبہ کے نمایاں اوصاف تھے۔

خاندانی روایات اور بزرگوں کے بیانات میں آپ کو ایک ایسے صاحبِ دل بزرگ کے طور پر یاد کیا جاتا ہے جنھوں نے اہل بیتِ اطہارؑ کی محبت کو محض عقیدت تک محدود نہ رکھا بلکہ اسے اپنے کردار، طرزِ حیات اور عملی سیرت میں نمایاں کیا اور اہل بیتِ اطہارؑ کی سیرتِ طیبہ کو عملاً اپنایا یہی وجہ ہے کہ آپ کی حیاتِ طیبہ کو اہل بیت کی سیرت پر عمل کی ایک روشن مثال قرار دیا جاتا ہے۔

اسی نسبت سے آپ کا مزار مبارک لاہور میں حضرت بی بی پاک دامنؑ کے قرب، محمد نگر کے علاقے میں واقع ہے یہ قربت محض جغرافیائی نہیں بلکہ اس گہرے قلبی، فکری اور عملی تعلق کی علامت سمجھی جاتی ہے جو آپ کو اہل بیتِ اطہارؑ سے حاصل تھا آپ کی قبر مبارک آج بھی لاہور میں موجود ہے اور اہلِ عقیدت کے لیے مرجعِ احترام سمجھی جاتی ہے۔

## نسب، خاندانی مقام اور حضرت موج دریا سے تعلق

حضرت سید سلطان جلال الدین حیدر سہروردی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ، حضرت میراں محمد شاہ المشہور سید موج دریا بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے حقیقی بھائی تھے آپ کے والد ماجد سید صفی الدین بخاری رحمۃ اللہ علیہ تھے، جو اوچ شریف کے سجادہ نشین اور اپنے وقت کے ممتاز روحانی بزرگ شمار ہوتے تھے۔

آپ علومِ ظاہری و باطنی دونوں میں یدِ طولیٰ کہتے تھے جب حضرت میراں محمد شاہ موج دریا بخاری شہنشاہِ اکبر کے حکم سے لاہور تشریف لائے اور انھیں شاہی جاگیر عطا ہوئی، تو اس کے بعد حضرت سید جلال الدین حیدر بھی لاہور تشریف لائے تاہم آپ نے کسی بھی قسم کی شاہی جاگیر یا دنیاوی منصب قبول نہیں کیا اور فقر، قناعت اور بے نیازی کو ترجیح دی۔

عشقِ الہی، ترکِ دنیا اور تجرید و تفرید میں آپ یگانہ روزگار تھے اگرچہ آپ کے بھائی کو شہنشاہِ وقت کی قربت کے باعث دنیاوی سہولتیں حاصل تھیں، مگر آپ نے ہمیشہ دنیاوی آسائشوں سے کنارہ کشی اختیار کیے رکھی آپ نے تمام عمر عبادتِ الہی میں بسر کی، زہد و اطاعت کے سبب معروف ہوئے اور اہلِ دنیا سے کسی قسم کا عملی تعلق قائم نہ کیا۔

## وصال

حضرت سید سلطان جلال الدین حیدر سہروردی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ کا وصال 1016ھ میں، مغل فرمانروا نور الدین جہانگیر کے عہد میں، لاہور میں ہوا بعض روایات میں عیسوی حساب سے 1607ء تا 1608ء کے درمیان وصال کا ذکر بھی ملتا ہے، جو اسی تاریخی دور سے ہم آہنگ ہے۔

آپ کی تدفین حضرت بی بی پاک دامنؑ، محمد نگر لاہور میں عمل میں آئی، جہاں آپ کا مزار پرانوار ایک گنبد کے نیچے واقع ہے اسی احاطے میں بی بی باج اور بی بی تاج کی قبر بھی موجود ہیں عوام الناس میں آپ کو ان بیبیوں کا روحانی استاد بھی سمجھا جاتا ہے اور اسی نسبت سے آپ کے مزار کو خصوصی احترام حاصل ہے۔

## اولادِ حضرت سید جلال الدین حیدر رحمۃ اللہ علیہ

حضرت سید جلال الدین حیدر کے صاحبزادگان کے نام درج ذیل ہیں:

سید شہاب الدینؑ، سید علم الدینؑ، سید شجاعؑ، سید علیؑ، سید جعفرؑ

ان صاحبزادگان کے ذریعے آپ کی نسل مختلف سمتوں میں آگے بڑھی، تاہم خاندانی تاریخ میں سب سے زیادہ نمایاں، محفوظ اور تسلسل کے ساتھ محفوظ رہنے والی شاخ سید علم الدینؑ کی اولاد کے ذریعے سامنے آتی ہے۔

آپ کی اولاد تاریخی طور پر بھوگیوال، نزد باغبانپورہ، لاہور میں آباد رہی روایات کے مطابق اسی مقام پر ایک قبر آپ کے فرزند سید علم الدینؑ اور ان کے صاحبزادے جو آپ کے پوتے سید زین العابدینؑ کی بھی قبر موجود ہے ان صاحبزادگان کے ذریعے آپ کی نسل مختلف سمتوں اور علاقوں میں پھیلی اگرچہ بعد کے ادوار میں بعض شاخوں کے شجرے مکمل طور پر محفوظ نہ رہ سکے، تاہم خاندانی تاریخ میں سید علم الدینؑ کی اولاد کی شاخ نسبتاً زیادہ منظم اور تسلسل کے ساتھ محفوظ دکھائی دیتی ہے اس کے باوجود مجموعی طور پر حضرت سید جلال الدین حیدر کی نسل تعداد کے اعتبار سے بھی کثیر رہی اور جغرافیائی لحاظ سے بھی ایک وسیع دائرے میں پھیلی۔

## حضرت سید جلال الدین حیدرؒ کی نسل بھی اتنی ہی کثیر ہے جتنی ان کے بھائی موج دریاؒ کی نسل، فرق صرف شجروں کے محفوظ اور شائع ہونے کا ہے، تعداد کا نہیں

یہ بات نہایت اہم ہے کہ حضرت سید جلال الدین حیدرؒ بن سید صفی الدینؒ کی اولاد اور نسل بھی کثیر تعداد میں موجود ہے تاہم ایک افسوس ناک حقیقت یہ ہے کہ زیادہ تر ماہرینُ الانساب اپنی کتب میں یا تو ان کی نسل کا سرے سے ذکر ہی نہیں کرتے یا اگر کرتے بھی ہیں تو محض اس حد تک کہ ان کی نسل لاہور کے علاقے بھوگیوال میں آباد ہوئی یہ بات اپنی جگہ درست ہے کہ آپ کی نسل بھوگیوال میں آباد ہوئی، مگر یہ پوری حقیقت نہیں بلکہ صرف ایک جزوی بیان ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ حضرت سید جلال الدین حیدرؒ کی نسل بھی تعداد کے اعتبار سے اتنی ہی کثیر ہے جتنی ان کے بھائی موج دریاؒ کی اولاد اور نسل کثیر تعداد میں موجود ہے فرق صرف یہ ہے کہ موج دریاؒ کی اولاد کے شجرے محفوظ اور شائع ہوتے رہے، نسل در نسل منظم انداز میں مرتب ہوتے رہے اور اسی بنیاد پر وہ نمایاں ہو گئے، جبکہ حضرت سید جلال الدین حیدرؒ کی اولاد اور نسل کے زیادہ تر افراد ہجرتوں کے شوقین رہے۔ یہی مسلسل ہجرتیں وہ بنیادی سبب بنیں جن کی وجہ سے ان کی نسل دنیا کے بیشتر علاقوں میں انفرادی حیثیت سے پھیلی چلی گئی۔

سوائے بھوگیوال کے چند خاندانوں کے، باقی بیشتر خاندان مختلف ادوار میں الگ الگ علاقوں میں آباد ہوتے رہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی نسل کسی ایک مقام پر مجتمع ہو کر محفوظ شجروں کی صورت میں سامنے نہ آسکی، مگر اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں کہ تعداد کے اعتبار سے ان کی نسل بھی اتنی ہی کثیر ہے جتنی ان کے بھائی موج دریاؒ کی نسل۔

یہاں یہ بات پوری دیانت داری سے ذہن نشین کرنی چاہیے کہ نسل کی قلت نہیں، بلکہ نسل کا بکھراؤ اصل سبب ہے اگر قارئین اس نکتے کو سمجھ لیں تو وہ خود اندازہ کر سکتے ہیں کہ حضرت سید جلال الدین حیدرؒ کی نسل در حقیقت کتنی وسیع، کتنی کثیر اور کتنی پھیلی ہوئی ہے۔

بد قسمتی سے اکثر ماہرینُ الانساب اس پہلو پر غور نہیں کرتے اور اپنی کتب میں سید صفی الدینؒ سے نسب کا تذکرہ براہِ راست موج دریاؒ کی نسل تک لے جا کر حضرت سید جلال الدین حیدرؒ کو محض نظر انداز کر دیتے ہیں اور یوں ان کی نسل کو بیان کیے بغیر آگے بڑھ جاتے ہیں حالانکہ علمی دیانت کا تقاضا یہ تھا کہ دونوں شاخوں کو یکساں توجہ دی جاتی۔

لہذا یہ بات کسی قیاس یا مبالغے پر مبنی نہیں بلکہ ایک واضح تاریخی اور نسلی حقیقت ہے کہ حضرت سید جلال الدین حیدرؒ کی اولاد اور نسل بھی اتنی ہی کثیر ہے جتنی ان کے بھائی کی نسل اور دوسری نسل ہجرتوں کے باعث دنیا کے گوشہ گوشہ میں بکھر گئی جبکہ متحد رہنے والے خاندان آج بھی ہمیشہ سے لاہور میں آباد ہیں۔

## لاہور اور برصغیر میں نسل کا پھیلاؤ

حضرت سید جلال الدین حیدرؒ کی اولاد ابتدائی طور پر لاہور، بھوگیوال اور اس کے گرد و نواح میں آباد ہوئی ان میں سے اکثریت آج بھی انہی علاقوں میں آباد ہے تاہم وقت کے ساتھ ساتھ بعض گھرانوں اور زیادہ تر افراد نے انفرادی طور پر ہجرتیں اختیار کیں ان ہجرتوں کا ایک بڑا رخ ہندوستان خصوصاً اتر پردیش کی جانب رہا، جہاں آپ کی نسل کے افراد لکھنؤ، آگرہ، فیروز آباد اور ان کے اردگرد کے علاقوں میں انفرادی طور پر آباد ہوئے یہ آبادیاں ابتدا میں مکمل خاندانی سطح پر نہیں تھیں بلکہ زیادہ تر انفرادی نوعیت کی تھیں بعد ازاں انہی افراد کی اولاد سے کچھ بڑے اور نمایاں خاندان وجود میں آئے، جنہوں نے مزید مختلف علاقوں کی جانب ہجرت اختیار کی یوں یہ سلسلہ ہجرت مسلسل جاری رہا اور کبھی مکمل طور پر رکا نہیں تقسیم ہند کے موقع پر حضرت سید جلال الدین حیدرؒ کی نسل سے تعلق رکھنے والے بعض خاندان لاہور کے راستے پاکستان آئے ان خاندانوں نے چند ماہ لاہور میں قیام بھی کیا، تاہم یہ قافلہ مختلف اقسام کے سادات پر مشتمل تھا، جو آپس میں نانیمال اور دادیمال جیسے قریبی رشتوں کے ذریعے باہم منسلک تھے ان میں سے کچھ خاندان لاہور ہی میں مقیم ہو گئے، جبکہ باقی مزید آگے بڑھتے رہے بعض خاندان کراچی اور حیدرآباد کے راستے نکلے اور ہند سے اپنے ہمراہ آنے والے رشتیداروں کے ساتھ بالآخر حیدرآباد، سندھ میں آباد ہو گئے۔

## عرب و عجم میں عارضی قیام

خاندانی شواہد اور نسلی نشانات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت سید جلال الدین حیدرؒ کی نسل سے تعلق رکھنے والے بعض افراد چند نسلوں بعد حجاز، عراق اور ایران میں بھی گئے تاہم یہ قیام زیادہ تر عارضی نوعیت کا تھا، جو چند برسوں پر محیط رہا ان علاقوں میں کسی مستقل نسلی شاخ کے قیام کے شواہد نہیں ملتے بعض افراد وہاں سے واپس آئے اور اکثر دوبارہ لاہور لوٹ آئے، جبکہ کچھ لکھنؤ، آگرہ، فیروز آباد اور ان کے گرد و نواح میں ہی مستقل طور پر آباد ہو گئے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ان میں سے بعض نوجوان زیارت، علم کے حصول، دینی و دنیاوی ترقی یا ذاتی رجحانات کے تحت عرب سرزمینوں میں گئے، کچھ واپس آ گئے اور کچھ وہیں مختلف پسندیدہ مقامات پر انفرادی طور پر مقیم ہو گئے۔

## علمی، دینی اور معاشرتی کردار

حضرت سید جلال الدین حیدرؒ کی نسل سے تعلق رکھنے والے افراد نے برصغیر میں مختلف شعبہ ہائے زندگی میں اپنی شناخت قائم کی ہندوستان میں آپ کی نسل کے بعض افراد نے طب و حکمت کو اپنی پہچان بنایا، کچھ دینی حلقوں سے وابستہ ہوئے اور بعض نے دین اسلام اور محبت اہل بیت کے فروغ کے لیے عملی خدمات انجام دیں چونکہ ان کی اولاد وہیں پیدا ہوئی، اس لیے وہ اسی مقامی ماحول اور تہذیبی رنگ میں رچ بس گئے۔

یہ وہ زمانہ تھا جب دنیا بھر کے سادات، خصوصاً بخاری سادات، حتیٰ کہ اوچ شریف کے سادات تک، صفوی سلطنت کے زیر اثر آچکے تھے اور عقیدت، فکر اور مسلک کے اعتبار سے صفوی اثرات کے حامل اور ہم عقیدہ - اس دور میں سادات کے درمیان صفوی سلطنت کی حمایت کا رجحان مسلسل بڑھ رہا تھا۔

یہی وہ عہد تھا جب دنیا بھر کے سادات کے بچے حصولِ علم کے لیے صفوی سلطنت کے قائم کردہ منظم تعلیمی نظام کے تحت اہل بیت کی تعلیم و تربیت حاصل کرنے کے لیے وہاں جایا کرتے تھے وہاں سے تعلیم حاصل کر کے یہ افراد بلند پایہ عالم، فاضل، قاضی، محقق، ریاضی دان، فقیہ، طبیب اور حکیم کے درجے تک پہنچتے تھے بعد ازاں جب یہ قابل ترین افراد ہندوستان واپس آتے تو ان میں سے اکثر کے لیے عملی میدان مغل سلطنت کے شاہی قربت کے حلقے ہوا کرتے تھے، جہاں وہ اپنی علمی، دینی اور فکری صلاحیتوں کے باعث نمایاں مقام حاصل کرتے تھے۔

## تقسیم ہند اور واپسی کی ہجرت

تقسیم ہند کے موقع پر حضرت سید جلال الدین حیدر کی نسل سے تعلق رکھنے والے بعض خاندانوں نے دوبارہ ہجرت کا رخ کیا اس موقع پر تقریباً ڈیڑھ ہزار کے قریب سادات نے اجتماعی طور پر پاکستان کی جانب ہجرت کی۔

سید امید علی کے بیان کے مطابق، ان کے والد سید محبت علی جب اپنے خاندان کے ہمراہ پاکستان آئے تو ان کے ساتھ ڈیڑھ ہزار سے زائد سادات شامل تھے، جن میں مختلف اقسام کے سادات موجود تھے۔ اگرچہ ان میں بخاری سادات کے صرف چند ہی خاندان شامل تھے، جو ہندوستان میں محض تین یا چار نسلیں قبل لاہور سے جا کر آباد ہوئے تھے، تاہم واپسی کے بعد ان میں سے اکثر نے ملتان میں سکونت اختیار کی چند خاندان لاہور میں آباد ہوئے، جبکہ بعض بچ جانے والے خاندانوں نے حیدرآباد میں رہائش اختیار کی۔

## سید علم الدین بن سید جلال الدین حیدر

سید علم الدین حضرت سید جلال الدین حیدر کے ان صاحبزادوں میں شمار ہوتے ہیں جن کی نسل آگے چل کر نسبتاً زیادہ محفوظ اور معروف ہوئی۔ خاندانی شجروں اور زبانی روایات میں آپ کو ایک باوقار، دیندار اور خاندانی رولیت کے امین بزرگ کے طور پر یاد کیا جاتا ہے۔

## سید زین العابدین بن سید علم الدین

سید علم الدین کے صاحبزادے سید زین العابدین تھے۔ اگرچہ ان کی زندگی کی تفصیلی تاریخی معلومات محفوظ نہیں رہ سکیں، تاہم شجروں میں ان کا نام تسلسل کے ساتھ درج ہے، جو اس بات کا ثبوت ہے کہ انھوں نے خاندانی نسبت اور وقار کو قائم رکھا۔

## سید شاہ نظام بن سید زین العابدین

سید شاہ نظام، سید زین العابدین کے صاحبزادے تھے۔ آپ کے ذریعے یہ نسل آگے بڑھی اور خاندانی رولیت میں ان کا ذکر ایک باوقار کڑی کے طور پر ملتا ہے۔

## سید یار شاہ حیدر بن سید شاہ نظام

سید شاہ نظام کے صاحبزادے سید یار شاہ حیدر تھے۔ ان کے عہد سے اس خاندان کی کئی شاخیں واضح صورت میں سامنے آتی ہیں۔ آپ کی نسبت سے یہ نسل مزید پھیلی اور مضبوط ہوئی۔

contentReference[oaicite:0]{index=0}

## اولادِ سید یار شاہ حیدر

سید یار شاہ حیدر کے صاحبزادگان میں سید نبی شاہ، سید کبیر شاہ اور سید جہانگیر شاہ شامل تھے یہی وہ مرحلہ ہے جہاں سے خاندان کی متعدد شاخیں الگ الگ پہچان اختیار کرتی ہیں۔

## سید نبی شاہ بن سید یار شاہ حیدر

سید نبی شاہ کے تین صاحبزادے تھے:

- سید محبوب علی شاہ
- سید سلطان علی شاہ

## ■ سید شیر علی شاہ

### سید کبیر شاہ بن سید یار شاہ حیدر

سید کبیر شاہ کے صاحبزادے سید شاہ چراغ تھے۔

### سید جہانگیر شاہ بن سید یار شاہ حیدر

سید جہانگیر شاہ کے دو صاحبزادے تھے:

#### ■ سید مالی شاہ

#### ■ سید شمس الدین شاہ

ان دونوں کے ذریعے خاندان کی مزید شاخیں قائم ہوئیں۔

سادات نقوی البخاری جلالی خاندان کی اولاد نے روحانیت، تصوف اور اسلامی تعلیمات میں نمایاں کردار ادا کیا۔ ان بزرگوں نے اپنے علم، کرامات اور روحانی فیوض سے امت کی رہنمائی کی اور اسلامی فکر و تصوف کو تقویت بخشی ان کی روحانی وابستگی اہل بیت اطہار علیہم السلام اور ائمہ اہل بیت سے تھی اور ان کی تعلیمات میں اثنا عشری تشیع کی فکری لطافت اور ولایتِ علوی کی روشنی نمایاں نظر آتی ہے۔

### سید شمس الدین شاہ بن سید جہانگیر شاہ

سید شمس الدین شاہ کے صاحبزادگان میں:

#### ■ سید صدر الدین شاہ

#### ■ سید شرف الدین شاہ

#### ■ سید قطب شاہ

شامل تھے۔ ان ناموں کے ذریعے یہ نسل مزید آگے بڑھی اور مختلف علاقوں میں پھیلی۔

### سید شرف الدین شاہ بن سید شمس الدین شاہ

سید شرف الدین شاہ کے صاحبزادے سید کبیر شاہ تھے۔ یہ کڑی خاندانی تسلسل میں خاص اہمیت رکھتی ہے کیونکہ اس کے بعد نسل کا ذکر نسبتاً زیادہ تفصیل کے ساتھ ملتا ہے۔

### سید کبیر شاہ بن سید شرف الدین شاہ

سید کبیر شاہ کے صاحبزادگان میں:

#### ■ سید قمر الدین شاہ

#### ■ سید علم الدین شاہ

#### ■ سید بدر الدین شاہ

#### ■ سید قطب شاہ

#### ■ سید رحمت شاہ

شامل تھے۔ ان میں سے ہر ایک نے خاندان کی الگ الگ شاخوں کو آگے بڑھایا۔

### سید قمر الدین شاہ بن سید کبیر شاہ

سید قمر الدین شاہ کے دو صاحبزادے تھے:

■ سید فرزند علیؑ

■ سید اکبر علیؑ

یہ شاخ شجروں میں واضح طور پر محفوظ ہے۔

## سید بدر الدین شاہؑ بن سید کبیر شاہؑ

سید بدر الدین شاہؑ کے صاحبزادگان:

■ سید احمد شاہؑ

■ سید بودھے شاہؑ

تھے، جن کے ذریعے خاندان کا ایک اور سلسلہ آگے بڑھا۔

## سید قطب شاہؑ بن سید کبیر شاہؑ

سید قطب شاہؑ کے صاحبزادے سید حیدر شاہؑ تھے، جنھوں نے اس نسل کو اگلے مرحلے تک پہنچایا۔

## سید حیدر شاہؑ بن سید قطب شاہؑ

سید حیدر شاہؑ کے صاحبزادگان میں:

■ ضامن شاہؑ

■ سید امیر علی شاہؑ

■ سید وزیر علی شاہؑ

■ سید سردار علی شاہؑ

شامل تھے ان میں سے سید امیر علی شاہؑ کو خاندانی رولیت کے مطابق آلِ امیر کا جدِ اعلیٰ تسلیم کیا جاتا ہے سید امیر علی شاہؑ کو خاندانی رولیت کے مطابق جدِ اعلیٰ اس وجہ سے تسلیم کیا جاتا ہے کہ برصغیر ہند کی طرف ہجرت انہی سے منسوب ہے سید امید علی بن سید محبت علی کے بیان کے مطابق اجداد میں سے دو افراد عرب سے زیارات کے بعد ہند، خصوصاً اتر پردیش، آئے ان کے باہمی تعلق کے بارے میں اختلاف ہے کہ وہ بھائی تھے یا والد و فرزند، تاہم سید امیر علی شاہؑ کے ساتھ سید وزیر علی شاہ کا زیادہ ذکر ملتا ہے، جس سے دونوں کے بھائی ہونے کا امکان غالب معلوم ہوتا ہے خاندانی روایات اور شجرہ نسب کے قرائن بھی اسی امر کی تائید کرتے ہیں۔

سید امیر علی شاہؑ وہ بزرگ ہیں جن سے آلِ امیر کا نسبتاً زیادہ مستند، مفصل اور محفوظ تاریخی و خاندانی ذکر شروع ہوتا ہے اگرچہ ان سے پہلے کی کئی نسلوں کے نام شجروں اور زبانی روایات میں محفوظ ہیں، مگر ان کی مکمل تاریخی تفصیلات قلم بند نہیں ہو سکیں اس کے برعکس، سید امیر علی شاہؑ کے بعد خاندان کی تاریخ، شجرہ اور روایات زیادہ واضح اور مربوط صورت میں سامنے آتی ہیں، اسی لیے انھیں آلِ امیر کی تاریخ میں ایک مرکزی اور فیصلہ کن مقام حاصل ہے۔

contentReference[oaicite:0]{index=0}

## سید امیر علی شاہؑ بن سید حیدر شاہؑ

سید امیر علی شاہؑ کے چار صاحبزادوں کے نام خاندانی شجروں اور روایات میں ملتے ہیں ان میں سید بابا درویشؑ (لاولد)، سید علیؑ (لاولد)، سید شاکر علی شاہؑ فیروزآبادی اور سید ذاکر علی شاہؑ فیروزآبادی شامل تھے ان میں سے بعض کے بارے میں یہ صراحت ملتی ہے کہ ان کی کوئی اولاد نہیں ہوئی، جبکہ بعض کی نسل کے بارے میں مختلف روایات پائی جاتی ہیں خاندانی روایات میں سید ذاکر علی شاہؑ فیروزآبادی کی اولاد کے جاری رہنے کا دعویٰ تو ملتا ہے، مگر اس نسل کی واضح تفصیل، شجرہ یا مستند تاریخی ریکارڈ محفوظ نہیں رہ سکا یہ امکان ظاہر کیا جاتا ہے کہ ان کی نسل آج بھی فیروزآباد ہی میں آباد ہو یا پھر کسی اور علاقے کی طرف ہجرت کر چکی ہو، تاہم اس بارے میں کوئی قطعی اور مستند معلومات دستیاب نہیں ہیں تاریخی شواہد کے مطابق، آپ کی نسلِ پاک صرف ایک ہی زوجہ مطہرہ سے چلی ہے، جبکہ دیگر ازواج سے اولاد کا کوئی ثبوت دستِ یاب نہیں ہے۔



اس کے برعکس، جو نسل سب سے زیادہ مستند، ثابت شدہ اور تسلسل کے ساتھ محفوظ چلی آ رہی ہے، وہ سید شاکر علی شاہ فیروز آبادی سے منسوب ہے خاندانی شجروں اور زبانی روایات کے مطابق سید شاکر علی شاہ کے ایک صاحبزادے سید عاشق علی تھے، جن کے ذریعے اس شاخ کا نسلی تسلسل آگے بڑھا ان کے علاوہ سید شاکر علی شاہ کی بیٹیوں کے بارے میں مختلف روایات ملتی ہیں، جن میں تعداد کہیں تین، کہیں چار اور ایک بیان کی گئی ہے، تاہم بیٹیوں کی تعداد کے بارے میں قطعی اتفاق موجود نہیں۔

یوں مجموعی طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ سید امیر علی شاہ کی اولاد میں سے نسلی تسلسل کے اعتبار سے جو شاخ تاریخی طور پر زیادہ مضبوط، محفوظ اور قابل اعتبار ہے، وہ سید شاکر علی شاہ فیروز آبادی کی نسل ہے، جبکہ دیگر صاحبزادوں کی اولاد کے بارے میں معلومات یا تو دستیاب نہیں رہیں یا پھر وقت کے ساتھ غیر واضح ہو گئی ہیں ہم ان کی نسل کے جاری رہنے سے انکار نہیں کرتے، البتہ ہمارے پاس ان کی نسل کے بارے میں مستند معلومات دستیاب نہیں ہیں۔

## سید امیر علی شاہ جد آل امیر

سید امیر علی شاہ وہ بزرگ ہیں جن سے آل امیر کا نسبتاً زیادہ مستند، مفصل اور محفوظ تاریخی و خاندانی ذکر شروع ہوتا ہے۔ اگرچہ ان سے پہلے کی کئی نسلوں کے نام شجروں اور زبانی روایات میں محفوظ ہیں، مگر ان کی مکمل تاریخی تفصیلات قلم بند نہیں ہو سکیں۔ اس کے برعکس، سید امیر علی شاہ کے بعد خاندان کی تاریخ، شجرہ اور روایات زیادہ واضح اور مربوط صورت میں سامنے آتی ہیں، اسی لیے انھیں آل امیر کی تاریخ میں ایک مرکزی اور فیصلہ کن مقام حاصل ہے، جبکہ ان کے بھائی ضامن شاہ، سید وزیر علی شاہ اور سید سردار علی شاہ کی نسلیں بھی الگ الگ شاخوں کی صورت میں آگے بڑھیں یہ بات علمی دیانت کے ساتھ بیان کرنا ضروری ہے کہ سید جلال الدین حیدر کے بعد کی بعض درمیانی نسلوں کے حالات تفصیل کے ساتھ محفوظ نہیں رہ سکے لاہور اور اس کے اطراف میں ابتدائی نسلوں کی موجودگی کے بعض دعوے ضرور ملتے ہیں، مگر ان کے پاس بھی مکمل تحریری تاریخی شواہد موجود نہیں اس کے باوجود یہ تمام نام خاندانی شجروں اور زبانی روایات میں احترام کے ساتھ محفوظ چلے آتے ہیں، یہ سلسلہ بالآخر شاکر علی شاہ بن سید امیر علی شاہ کے صاحبزادے سید عاشق علی شاہ تک اور پھر ان کے فرزند شہید سید نفیس علی شاہ کے ذریعے سید امجد علی شاہ، سید حفیظ علی شاہ اور سید محبت علی شاہ تک جاری رہتا ہے۔

یہ تمام بزرگان دین، علم و عرفان کے روشن بینار اور تصوف و روحانیت کے علمبردار رہے ہیں۔ ان کی تعلیمات میں محبت اہل بیت، ولایت علی اور امامیہ فکر کی جھلک نمایاں طور پر دیکھی جا سکتی ہے۔ انھوں نے امت میں وحدت، معرفت اور عشق محمد و آل محمد کو فروغ دیا۔

ان تمام جلیل القدر بزرگوں کی تفصیلی سوانح، کرامات اور روحانی مقامات تصوف، اثنا عشری تشیع، سادات کے انساب اور دیگر تاریخی و روحانی کتب میں دستیاب ہیں۔

آپ کے زمانے، اُس دور کے پنجاب، سندھ اور اتر پردیش کے اکثر علاقوں کے مذہبی ماحول اور آپ کی اولاد و نسل میں قائم طریقہ کار اور دو طرفہ رولیتوں سے یہ امر واضح طور پر ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کا تعلق سلسلہ ذہبیہ یا سلسلہ کبرویہ سے تھا تاریخی و نسبی شواہد سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ نقوی بخاری سادات کی فکری و روحانی وابستگی ابتدا ہی سے اہل بیت اطہار، ائمہ اثنا عشر اور واقعہ کریلا کے اصولی تصور امامت سے گہری رہی ہے اگرچہ مختلف ادوار میں سیاسی دباؤ، سماجی حالات اور فقہی غلبے کے باعث ان میں سے بعض نے خود کو سنی یا صوفی شناخت کے تحت ظاہر کیا، تاہم ان کی داخلی اعتقادی ساخت، اہل بیت سے ولایتی نسبت، عزاداری اور امامی فکر سے وابستگی میں بنیادی فرق پیدا نہیں ہوا۔ اختلاف زیادہ تر ظاہری اظہار اور رسومات کی سطح پر رہا، نہ کہ اصول اہل بیت سے انحراف کی صورت میں۔

خاندان سادات سید امیر علی شاہ ایک پوشیدہ، روحانی اور نسبی ورثے کا امین ہے جو مغلیہ دور کے آخری عہد کی طبی و روحانی خدمات، تقیہ، تصوف اور اہل بیت سے والہانہ محبت کی بنیاد پر نسل در نسل منتقل ہوا سید امیر علی مغلیہ سلطنت کے زوال پرزور دور (تقریباً اٹھارویں صدی کے اواخر تا انیسویں صدی کے اوائل) میں ایک شای طیب کے طور پر معروف رہے خاندانی رولیت کے مطابق آگرہ میں مہتاب باغ کے قریب ایک قطعہ زمین سے ان کی نسبت بیان کی جاتی ہے، جہاں بعد کے زمانوں میں کالی سنلی مسجد قائم رہی تاہم تاریخی قرائن کی رو سے زیادہ قرین قیاس یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ مقام بطور ولایت، نگرانی یا محمود حق تصرف ان سے منسلک رہا ہو، نہ کہ قطعی اور مستقل جاگیر کے طور پر عطا ہوا ہو جبکہ خاندانی رولیت میں یہ بھی ذکر ملتا ہے کہ سید امیر علی کے تصرف میں دیگر اراضیات بھی تھیں، جن میں سے ایک مقام پر ایک چھوٹی مسجد قائم تھی اس جگہ کی درست تعیین آج ممکن نہیں، تاہم بیانات کے مطابق وہاں غیر معمولی واقعات اور جنت سے متعلق قصے منسوب کیے جاتے رہے اور کہا جاتا تھا کہ اس مقام پر صرف اسی خانوادے کے افراد کی آمد کو قبول کیا جاتا تھا۔ ان کے بعد نسل میں سید شاکر علی صوفی بزرگ کے طور پر نمایاں ہوئے، جن کا سلسلہ ذہبیہ یا سلسلہ کبرویہ چشتیہ اور جلالیہ سلسلوں کے بزرگوں میں شمار کیا جاتا ہے خاندانی روایات کے مطابق آپ کسی روحانی سلسلے کے خلیفہ بھی رہے آپ نے اہل بیت علیہم السلام کی فقہی و اعتقادی رولیت کو بنیاد بناتے ہوئے طریقت و تصوف کا راستہ اختیار کیا، مگر اپنے اصولی مکتب سے انحراف نہیں کیا فیروز آباد میں آپ کی موجودگی سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ خاندان کا مرکز عملی طور پر وہاں منتقل ہوا آپ کی تعلیمات میں اہل بیت اطہار کی نسبت نمایاں تھی اور آپ کا رجحان اثنا عشری فکر کی طرف بیان کیا جاتا ہے بعض میں ملتا ہے کہ آپ سے روحانی مسائل میں رجوع کیا جاتا تھا اور آپ کے اقوال و افکار میں معرفت و ولایت کی جھلک محسوس کی جاتی تھی۔

سید امیر علی کی زندگی کے بعض پہلو مکمل دستاویزی صورت میں محفوظ نہیں، تاہم نسلی تسلسل، رولیت اور زبانی مطابقت کے اعتبار سے ان کی شخصیت ایک ایسے بزرگ طیب کی صورت میں سامنے آتی ہے جو مغلیہ سلطنت کے آخری دور میں علمی و روحانی خدمات سے وابستہ رہے اور جن کی نسبت اہل بیت سے جڑی ہوئی سمجھی جاتی ہے۔

ان کے بعد خاندان نے فرقہ وارانہ مظالم کی وجہ سے آگرہ، فیروز آباد سے ہجرت کی، جس میں سید محبت علی اور سید حفیظ علی کی جائیں بمشکل بچ سکیں۔ ان کی اولاد سندھ، پاکستان میں آکر آباد ہوئی چند سال گزرنے کے بعد دونوں بھائیوں نے سلسلہ قادریہ میں بیعت کی اور اس بیعت تصوف کے ذریعے آپ کا شجرہ طریقت حضرت شیخ الاسلام سید عبد القادر جیلانی غوث پاک سے جا ملا، یوں آپ دونوں کی بیعت کا سلسلہ طریقت انہی تک پہنچتا ہے۔ 1990 کے قریب شجرہ نسب کا ایک حصہ چوری ہو گیا جو سب سے قدیم نسخہ تھا، مگر اس کی چند عربی و فارسی کی تحریریں اور دیگر نقلیں جو اردو میں منتقل ہو چکی تھیں وہ باقی رہیں لیکن سید محبت علی نے 1947 وقت ہجرت ہی اپنے مشاجرات اوج شریف میں جمع کروا دیے تھے، جب آپ علاج کے سلسلے



میں لاہور گئے تو وہاں بھی نسب کی معلومات لکھوا کر جمع کرائی اور سید نیاز علی کو بتایا کہ ہمارے لوگ میاں آباد میں جن کا علم ان کے بیٹوں کو بھی تھا سید محبت علیؒ کے ہاتھ سے لکھوا کر اُچ شریف میں جمع کرایا گیا دربار کے سجادہ نشین خاوند سادات نقوی البخاری کو پہچان گئے بعد ازاں سید محبت علیؒ کی نسل سے تعلق قائم رہا اور اُچ شریف کی قائم رولیت کے مطابق بعد میں پیدا ہونے والی نسل کی بھی تصدیق کی جاتی رہی ہے شجرے کی اور ماہرین نسب کی تحقیق، خاندان کے تمام بزرگ، سجادہ نشین اور گواہان، جیسا کہ اُچ شریف کے قدیم و محفوظ ریکارڈ سے بھی تصدیق ہوتی ہے اور یہی موقف نسل در نسل تسلیم کیا جاتا رہا ہے سید امیر علی شاہ کے صاحبزادے، سید شاکر علی نے تصوف پر بے انتہا بڑھ چڑھ کر کام کیا۔

جبکہ سید شکر علی کا تعلق سلسلہ جلالیہ سے زیادہ تھا اور بعد میں سلسلہ چشتیہ سے بھی آپ دونوں سلسلوں سے خلیفہ تھے فیروز آباد میں، مگر آپ کا جھکاؤ سلسلہ جلالیہ کی طرف زیادہ تھا، جس کی وجہ آپ کے اثنا عشری کے قریب عقائد تھے۔ سید نیاز علی ابتدا میں زبانی رولیت کے مطابق یہ مانتے تھے کہ ان کا نسب امام جعفر صادق علیہ السلام سے ملتا ہے اس کی وجہ یہ تھی کہ انھوں نے بچپن میں عربی اور فارسی میں قدیم شجرہ پڑھا تھا، جس میں جلال الدین سرخ پوش بخاری بن علی المیدری بن جعفر بن محمد بن محمود بن احمد بن عبد اللہ بن علی بن امام جعفر صادق کے نام درج تھے تاہم، ان کے حافظے میں کچھ تفصیلات نہیں تھیں اور نام کے حوالے سے ان سے ایک جگہ غلطی ہو گئی، حالانکہ دراصل وہ علی بن جعفر ثانی کی نسل سے تھے بعد میں جب شجرے کو دوبارہ کھولا گیا اور نئے پڑھے گئے تو یہ واضح ہوا کہ اصل میں علی بن جعفر ثانی تھے اور سید جلال الدین سرخ پوش بخاری درحقیقت نقوی سادات میں سے تھے سید نیاز علی نے تسلیم کیا کہ بچپن میں پڑھائی یا پڑھاپے میں حافظے کی کمزوری کی وجہ سے یہ غلط فہمی ہوئی یہ مسئلہ عام طور پر ہندوستان میں آباد بخاری سادات میں پایا گیا، کیونکہ شجرے کی حفاظت، ناموں کی تکرار، زبانی رولیت اور تعلیم کی کمی نے غلط فہمیاں جنم دی تھیں۔

ایک نہایت معزز اور معتبر شخصیت خاندان کے نہایت قریبی، حضرت خادم الفقراء و المساکین، مخدوم حامد محمد نوبہار خاس المعروف مخدوم سید سلطان جہانیاں نقوی بخاری سجادہ نشین دربار عالیہ جلالیہ اُچ شریف حضرت سید جلال الدین حیدر سرخ پوش بخاری رحمۃ اللہ علیہ، مورث اعلیٰ سادات نقوی بخاری برصغیر پاک و ہند اور دربار عالیہ جلالیہ کے ماہر الانساب و شجرہ نویس اس بات پر متفق ہیں کہ یہ خاندان کا نسب مکمل اور درست ہے جو تقسیم ہند کے وقت، ہجرت کرنے والے سادات نے اس کا ریکارڈ جمع کرایا اور تمام خاندان کا ریکارڈ درست ہے، جس کی صرف تصدیق کی گئی ہے چونکہ یہ خاندان چھ سات نسلوں تک ہندوستان میں آباد رہا، اس لیے ہندوستان سے بھی مستند تحقیق اور ریکارڈ حاصل کیا گیا پھر ایک نہایت معزز اور معتبر شخصیت حضرت پیر طریقت، رہبر شریعت، سیادت مآب، چیف آف سادات ہندوستان، سید ناصر الدین نقوی مودودی ہاشمی چشتی حسنی، سجادہ نشین آستانہ عالیہ جھالہ شریف، اجمیر، راجستھان اور ان کے خلیفہ و خادم آستانہ، سید غیاث الدین نعیم کے مطابق اس سادات خاندان کا ریکارڈ ہمارے پاس بھی موجود ہے سید محبت علی بن سید نفیس علی بخاری کے بیٹے سید امید علی اور ان کی ایک بہن تک اور حاجی سید حفیظ علی بن سید نفیس علی بخاری اور ان کے ایک بیٹے سید قمر علی تک کا ریکارڈ اس طرح موجود ہے نیز سید امجد علی کا ریکارڈ بھی موجود ہے اور سب ان میں سے اکثر کا تعلق تشیع سے تھا بعد ازاں پاکستان آ کر بڑے بھائی سید امجد علی، جن کی والدہ سید نفیس علی کی پہلی بیوی تھیں اور ان سے صرف سات بیٹیاں پیدا ہوئیں، نہ کہ کوئی بیٹا شجرہ نویسی میں پیدا ہونے والے مسائل اور شبہات کی ایک اہم وجہ یہ ہے کہ تصوف کے غلبے نے نسبی علم و تحقیق کو نظر انداز کر دیا، جس کے نتیجے میں شجرہ نویسی میں الجھاؤ اور ابہام پیدا ہو گئے۔

اگرچہ روایتی بیانات اور خاندان کی زبانی روایات سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کا دور 1700ء کے بعد سے 1850ء کے درمیان کا زمانہ ظاہر ہوتا ہے، لیکن بعض ایسے نام اور واقعات بھی ملتے ہیں جو اس سے پہلے کے ادوار سے تعلق رکھتے ہیں اس تضاد کا ایک ممکنہ سبب یہ ہو سکتا ہے کہ بعض روایات درحقیقت کسی بزرگ جد کی زندگی اور کارناموں سے وابستہ ہوں، جنھیں وقت کے ساتھ ساتھ سید امیر علیؒ کے ساتھ منسلک کر دیا گیا ہو ممکن ہے عوامی شعور میں ان کی شخصیت کو دانستہ طور پر پس منظر میں رکھا گیا ہو، جبکہ آپ مغل سلطنت کے خاص پوشیدہ کارندوں میں شمار ہوتے تھے، آپ کا عرب سے بھی کوئی خاص تعلق جزا ہوا تھا، خاص کر کے ایران سے، اس تاریخی گمشدگی کی ایک بڑی وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ جس دور میں وہ سرگرم تھے، اسی زمانے میں کالی سنڈلی مسجد اہل البیت کے عقائد کے طور پر جانی جاتی تھی، وقت گزرنے کے ساتھ مسجد صوفی رولیتوں کے زیر اثر آ گئی اور بالآخر ایک سرکاری ادارے کے کنٹرول میں چلی گئی جن کی تاریخی موجودگی مسجد سے منسلک رہی کیونکہ سید امیر علی کی زندگی بہت زیادہ ہجرتوں میں گزری ہے، آپ کا کسی ایک جگہ مقیم ہونا ناممکن تھا، یاد رہے کہ یہ سید امیر علی نقوی البخاری ہیں، نہ کہ کوئی سید امیر علی تقسیم ہندوستان سے قبل کا کوئی سیاسی رہنما، یہ اکثر لوگ غلط فہمی کا شکار ہو جاتے ہیں۔

چونکہ سید امیر علیؒ نے ایک پوشیدہ زندگی بسر کی، اس لیے ان کی اولاد کو بھی کئی نسلوں تک مخالفین کا سامنا رہا، جس کے باعث ان کے خاوندوں نے وقتاً فوقتاً نقل مکانی کی یہی وجہ ہے کہ بعد کی نسلوں نے اپنی نسبت ظاہر کرتے ہوئے احتیاط برتی یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ صفوی باقیاتی گروہ اور سلطنتِ اودھ کے دار الحکومت لکھنؤ سے ان کے تعلقات تھے رولیتا کہا جاتا ہے ایک موقع پر مغل بادشاہ شاہ جہاں نے اپنی اہلیہ بی بی کاندھاری بیگم کی تدفین کے لیے وہ زمین منتخب کی جہاں ان کی قبر واقع ہے اسی مقام پر شاہ جہاں نے اپنی اہلیہ کو روحانی نسبت بخشنے کی غرض سے ایک مسجد تعمیر کروائی جو آج کالی سنڈلی مسجد کے نام سے جانی جاتی ہے۔ اس مسجد کی تعمیر 1632ء میں ہوئی، اُس دور میں یہ علاقہ ایک مکمل مغل فوجی چھاؤنی کی حیثیت رکھتا تھا۔ بعد ازاں یہ مسجد اور اس سے متعلقہ زمین سادات بخاری کے اختیار میں آ گئی، ممکنہ طور پر یہ امر اس بنا پر ظاہر کیا جاتا ہے کہ بی بی کاندھاری بیگم ان کی ہم عقیدہ تھیں، جس کے باعث یہ انتظام عمل میں آیا بعد کے ادوار میں اس مسجد کو مغل افواج کی سہولت کے لیے تعمیر شدہ قرار دیا گیا، حالانکہ حقیقت میں یہ زمین سادات کی تھی اور مسجد بھی اسی تاریخی و روحانی تسلسل کا حصہ ہے اسی طرح فیروز آباد میں واقع ایک مسجد بھی اسی خاندان کے اختیار میں رہی، جو سادات نقوی بخاری کی وہاں موجودگی اور مذہبی و سماجی اثر و رسوخ کی واضح مثال ہے۔ اس مسجد سے متعلق وقت کے ساتھ ساتھ جثات کے معاملات، قصے اور کہانیاں بھی منسوب ہوئی چلی آتی ہیں، جو زیادہ تر عوامی روایات اور مقامی بیانیے کا حصہ سمجھی جاتی ہیں۔

1700 سے 1800 کے درمیان صفوی خاندان (جو ایران میں حکومت کر رہا تھا) کا براہ راست ہندوستان میں کوئی خاص اثر و رسوخ نہیں تھا، کیونکہ صفوی سلطنت 1736 میں ختم ہو گئی تھی اور اس کے بعد قاجاری خاندان نے ایران میں حکمرانی شروع کی تاہم، اس دوران صفوی سلطنت کے اثرات اور تعلقات ہندوستان میں مختلف طریقوں سے موجود تھے، خاص طور پر ایرانی شیعہ کمپونیز اور صفوی حکومت کے زوال کے بعد ہندوستان میں پناہ گزین ہونے والے ایرانیوں کے ذریعے۔

اس دور میں ہندوستان میں صفوی اثرات و ایرانی گروہ:

1. ایرانی پناہ گزین: صفوی خاندان کے زوال کے بعد، ایران سے بہت سے ایرانیوں نے ہندوستان کا رخ کیا، خاص طور پر وہ ایرانی جنہوں نے اپنی زندگی کو بچانے کے لیے ہندوستان میں پناہ لی ان پناہ گزینوں نے اپنے وطن سے متعلق مذہبی، ثقافتی اور سیاسی اثرات ہندوستان میں منتقل کیے۔
2. شیعہ کمیونٹیز: ہندوستان میں شیعہ مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد موجود تھی اور صفوی سلطنت کے دور میں ایرانی شیعہ مذہب کو بہت فروغ حاصل ہوا تھا اس دوران ہندوستان میں شیعہ مسلک کے پیروکاروں میں ایرانی اثرات بڑھ گئے تھے۔
3. مغلیہ سلطنت کے ساتھ تعلقات: صفوی سلطنت اور مغلیہ سلطنت کے درمیان مختلف اوقات میں سیاسی، ثقافتی اور تجارتی تعلقات قائم تھے صفوی حکمرانوں نے مغل شہنشاہوں کے ساتھ کئی سفارتی تعلقات قائم کیے اور دونوں سلطنتوں کے درمیان تعلقات خاص طور پر اور شاہ جہاں کے دور میں مضبوط تھے۔
4. ایرانی فنون اور ثقافت: ایرانی فنون، ادب اور طرزِ تعمیر کا اثر ہندوستان میں بڑھا ایرانی فنکار، خطاط، معمار اور مفکر ہندوستان آئے اور انہوں نے ہندوستانی ثقافت پر گہرا اثر چھوڑا۔
5. صفوی خاندانی اثرات: ایران سے آنے والے افراد نے ہندوستان میں اپنے خاندانوں کے ذریعے ایرانی ثقافت کو فروغ دیا اور ان خاندانوں نے ہندوستانی معاشرت میں اپنا ایک مقام بنایا ان میں بہت سے ایرانی خاندان ہندوستانی درباروں کے حصے بن گئے تھے۔

## صفوی خاندان کے زوال کے بعد ایران کے اثرات

1736 میں نادر شاہ کی ایران پر حکومت کے آغاز کے ساتھ صفوی سلطنت کا خاتمہ ہو گیا اور قاجاری خاندان کی حکومت قائم ہوئی۔ اس دوران ایران سے آنے والے افراد نے ہندوستان میں اپنا اثر برقرار رکھا، خاص طور پر دہلی، لکھنؤ اور حیدرآباد جیسے بڑے شہروں میں، جہاں شیعہ کمیونٹی کی موجودگی زیادہ تھی۔

ان کے لیے وقتاً فوقتاً مختلف عرف یا القابات استعمال کیے گئے، مگر اصل نام سید امیر علی ہی تھا اگرچہ ان کی مستقل سکونت گاہ کے طور پر شناخت کی جاتی ہے، اگرچہ لکھنؤ، سرسری، لاہور اور مرادآباد جیسے شہروں کا اور حیدرآباد دکن وغیرہ جیسے علاقے، جہاں سادات کی اکثریت زیادہ موجود رہی وہاں کے بھی تذکرے موجود ہیں تاہم آپ کی قبر اقدس کا اصل مقام قطعی طور پر معلوم نہیں ہو سکا۔ اگرچہ آپ کی دو ازواج کا تعلق اگرچہ سے اور ایک کا تعلق لاہور سے ظاہر ہوتا ہے، تاہم اس کتاب میں صرف ایک زوجہ خاتون سے جاری ہونے والی اولاد کا ذکر کیا جا رہا ہے، کیونکہ دیگر ازواج اور ان کی اولاد کے نام و تفصیلات مستند طور پر محفوظ نہیں رہ سکے۔

ان کے فرزند سید شاکر علیؒ کی زندگی کا زیادہ تر حصہ فیروزآباد سے جڑا دکھائی دیتا ہے خاندانی روایت کے مطابق ان کی والدہ جن کا نام سیدہ مریم زیدی) نام کے بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے) کا تعلق ایک معزز گھرانے سے تھا جو فیروزآباد کے مشہور خاندانوں میں شمار ہوتا تھا یہی سبب ہے کہ سید شاکر علیؒ کی آخری زندگی اسی شہر میں گزری اور وہیں ان کی روحانی خدمات کا دائرہ قائم رہا۔

سید امیر علیؒ کی پوشیدہ خدمات، اُن کی عظیم قربانیوں اور مخلصانہ کاوشوں پر مکتب شیعہ اثنا عشریہ، سلسلہ جلالیہ اور سلسلہ ہشتیہ کے افراد کو فخر ہونا چاہیے کہ جنہوں نے ان روحانی شاخوں کو استحکام عطا کرتے ہوئے خود کو تاریخ کے دھندلوں میں گم کر دیا اور پھر اُن کی اولاد و نسل نے اس جدوجہد کو جاری و ساری رکھنے کے لیے بے مثال قربانیاں پیش کیں۔

استبارک و تعالیٰ آپ کو اجر عظیم عطا فرمائے اور جنت الفردوس میں اہل بیتؑ کا قرب اور خاتم النبیین حضرت محمد ﷺ کی رفاقت نصیب فرمائے۔ آمین۔

سترہویں صدی کے اواخر اور اٹھارہویں صدی میں جب مغل سلطنت زوال کا شکار ہو چکی تھی اور دربار کی مرکزی قوت خاصی کمزور ہو گئی تھی، اُس پس منظر میں خاندانی روایات یہ بیان کرتی ہیں کہ سید امیر علیؒ اپنے وقت کے ماہر حکیم اور صاحبِ روحانیت شخصیت کے طور پر معروف تھے انھوں نے مغل خاندان کی ایک معزز خاتون کا علاج کیا، تاہم اُس انتشار زدہ اور کمزور انتظامی دور میں انھیں کسی نمایاں سرکاری منصب یا خاص درباری پوزیٹی حاصل نہ ہو سکی۔ مزید یہ کہ مقامی سطح پر مسجد اور متعلقہ اراضی کی خدمت و نگرانی میں ان کے خاندان کا کردار بیان کیا جاتا ہے، جسے اسی زوال پزیر عہد میں ایک باوقار مگر محدود اثر کے طور پر دیکھا جاسکتا ہے۔ اب یہ بات وثوق سے کہنا دشوار ہے کہ سید امیر علیؒ نے کس کا علاج کیا تھا، اکثر یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ سادات اپنے قریبی رشتے داروں یا خاندان کے بزرگوں کے بارے میں بھی بڑھا چڑھا کر بات کرتے ہیں اور وقت کے ساتھ یہ بیانات کہیں کے کہیں منسوب ہو جاتے ہیں بعض اوقات کسی قریبی خاندان کے بزرگ کے بارے میں جو خصوصیات بیان کی جاتی ہیں وہ دوسرے خاندانوں کے بزرگوں پر بھی اسی فضیلت کے ساتھ نسبت دے دی جاتی ہیں اور کن خدمات کے صلے میں انھیں زمین یا تحائف عطا ہوئے، کیونکہ وقت کے ساتھ ساتھ قدیم تحریری نسخے یا تو گم ہو گئے یا پوری و ضیاع کا شکار ہوئے، نیز خاندان کے اکثر بزرگ انتقال کر چکے ہیں اور باقی بزرگوں کی عمر رسیدگی، ضعف حافظہ اور طویل علالت کے باعث بہت سی معلومات زمانے کی گرد میں اوجھل ہو چکی ہیں خاندان میں ایک روایت بیان کی جاتی ہے کہ سید امیر علیؒ یا اُن کے پڑگوں میں سے کسی ایک کو ایک شاہی خاتون کے علاج کے لیے دربار میں طلب کیا گیا روایت کے مطابق علاج کے نتیجے میں شفا حاصل ہوئی، جس پر بطور احسان دربار کی منظوری سے ایک قیمتی قطعہ زمین عطا کیا گیا۔

## مغل دربار کے شاہی طبیب اور رازدارانہ معاملات

مغل دور میں شاہی حکیم صرف معالج ہی نہیں بلکہ اندرونی معاملات کے رازدار بھی ہوا کرتے تھے۔ شاہی طبیبوں کو سلطنت میں خاص مقام حاصل تھا اور کئی حکما کو منصبِ امارت تک عطا ہوا۔ اسی طرح بعض حکیم دربار میں امرا کی طرح سج دج کے ساتھ نظر آتے تھے۔ مغل مصوری میں بعض مناظر میں ایک سربراہ حکیم (سردِ الاطباء) کو مریض بادشاہ یا شہزادے کا علاج کرتے اور ماتحت حکیموں کو ہدایات دیتے دیکھایا گیا ہے، جو دربار میں ان کے اونچے درجہ کا عکاس ہے۔

شاہی حکیموں کو نہایت اعتماد کے ساتھ زنان خانہ (حرم) تک رسائی حاصل ہوتی تھی لیکن اس میں انتہائی رازداری ملحوظ رکھی جاتی تھی۔ یورپی سیاح منوچی لکھتا ہے کہ جب کسی شاہی خاتون کا علاج کرنا ہوتا تو حکیم کو سر سے کمر تک کپڑے سے ڈھانپ کر حرم میں لے جایا جاتا اور خواجہ سرا ساتھ رہتے، تاکہ نہ حکیم کی نگاہ ادھر ادھر اٹھے نہ خواتین بے پردہ ہوں۔ اسی طرح بیمار شہزادوں کے لیے حرم کے اندر الگ بیمارخانہ کا انتظام ہوتا تھا جہاں صرف مخصوص خدام اور حکیم کو اجازت ملتی۔ ان احتیاطوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ شاہی طبیب سلطنت کے نجی معاملات کے کس قدر امین ہوتے تھے شاہی حکیموں کا قرب بعض اوقات سیاسی سازشوں میں بھی ان کے ملوث ہونے یا کم از کم آگاہ ہونے کا باعث بنتا تھا۔ مثلاً فرانسسیسی سیاح توارنیر 1665ء میں الہ آباد سے گذرا تو اسے بتایا گیا کہ ایک صوبیدار کے مصاحب فارسی حکیم نے اپنی بیوی کو محل کی چھت سے پھینک کر قتل کرنے کی کوشش کی۔ اگرچہ یہ واقعہ حکیم کی ذاتی زندگی کا تھا، لیکن دربار میں چہ مہ گونیاں ہوئیں کہ کہیں یہ سازش اقتدار تک رسائی کا حصہ تو نہیں۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ شاہی حکیم اپنی حیثیت اور قربت کو کبھی غلط استعمال بھی کر سکتے تھے اور دربار کے انتہائی پوشیدہ معاملات تک رسائی رکھتے تھے۔ مغلیہ تاریخ میں بعض حکیموں کو زہر دینے یا بچانے کے واقعات کا ذمہ دار بھی ٹھہرایا جاتا رہا ہے۔

## روحانی مقام اور علمی تاثیر

سید امیر علی آل محمد ہونے کی وجہ سے ایک بلند پایہ روحانی بزرگ بھی تھے ان کے علم و فضل کی تاثیر اور روحانی مقام کی بنیاد ان کے حسب و نسب پر بھی تھی، کیونکہ وہ آل محمد ﷺ اور نسب حضرت مولا علی علیہ السلام ابن ابی طالب علیہ السلام سے تعلق رکھتے تھے یہی نسبت ان کے روحانی کمالات اور ان کی دعاؤں کی مقبولیت کی بنیاد بنی ان کی زندگی مکمل طور پر دین داری، عبادت اور خدمتِ خلق میں بسر ہوئی وہ دنیاوی جاہ و جلال اور مال و دولت سے بے نیاز ہو کر ایک سادہ مگر بامقصد زندگی گزارتے رہے ان کی طبی مہارت کے ساتھ ساتھ ان کی روحانی تاثیر بھی بے مثال تھی، جس کی بدولت لوگ انھیں ایک ولی اللہ کی حیثیت سے بھی جانتے تھے۔

## نسب

سید امیر علی شاہ بن سید حیدر شاہ بن سید قطب شاہ بن سید کبیر شاہ بن سید شرف الدین شاہ بن سید شمس الدین شاہ بن سید جمالی شاہ بن سید یار شاہ حیدر بن سید شاہ نظام بن سید زین العابدین بن سید علم الدین بن سید جلال الدین حیدر بن سید صفی الدین بن سید نظام الدین بن سید علیم الدین بن سید جلال الدین بن سید علم الدین بخاری بن سید محمود نر ناصر الدین بن سید جلال الدین حسین المعروف مخدوم جہانیاں جہانگشت رحمۃ اللہ علیہ بن سید سلطان احمد کبیر بن حضرت سخی سید جلال الدین سرخ پوش بخاری رحمۃ اللہ علیہ بن سید قطب کمال بن سید علی المعید بن سید جعفر بن سید محمد بخاری بن سید محمود بن سید احمد شاہ بن سید عبد اللہ بن سید علی اصغر بن سید جعفر ثانی بن امام علی نقی علیہ السلام بن امام محمد تقی علیہ السلام بن امام علی رضا علیہ السلام بن امام موسیٰ کاظم علیہ السلام بن امام جعفر صادق علیہ السلام بن امام محمد باقر علیہ السلام بن امام زین العابدین علیہ السلام بن امام حسین علیہ السلام بن حضرت علی کرم اللہ وجہہ علیہ السلام بن حضرت ابو طالب علیہ السلام بن حضرت عبد المطلب علیہ السلام

## اولاد و نسل

سید امیر علی کے صاحبزادے سید شاکر علی تھے، ان کے صاحبزادے کا نام سید عاشق علی تھا، جن کے فرزند سید نفیس علی شاہ تھے۔ سید نفیس علی شاہ کے تین صاحبزادے تھے: حاجی سید حفیظ علی اور ان کے چھوٹے بھائی سید محبت علی قیام پاکستان کے موقع پر ان تینوں بھائیوں نے اپنے اپنے اہل خانہ کے ہمراہ پاکستان کی جانب ہجرت کی اور یوں یہ سلسلہ نسب برصغیر کے تاریخی تناظر میں ایک نئی جغرافیائی سمت اختیار کر گیا سید امیر علی کی وفات کے والے سے تاریخی شواہد واضح نہیں ہیں، سید شاکر علی نے اتر پردیش کے ضلع فیروز آباد کی طرف ہجرت کی کچھ روایات کے مطابق، وہ دینی تبلیغ کے فروغ اور سیاسی کشیدگی سے دور رہنے کے لیے یہاں منتقل ہوئے فیروز آباد انھوں نے اپنا مسکن بنایا اور یہاں تبلیغ دین، اصلاح معاشرہ اور روحانی و فلاحی سرگرمیاں جاری رکھیں۔

## سید شاکر علی شاہ بن سید امیر علی شاہ

## فیروز آباد میں دینی و روحانی خدمات

سید شاکر علی شاہ نے فیروز آباد میں تبلیغ دین اور اہل بیت کی محبت کو عام کرنے کا کام جاری رکھا۔ ان کا دینی پیغام تمام مکاتب فکر کے لیے تھا اور وہ فرقہ وادیت سے بالاتر ہو کر اسلام کی حقیقی روح کو پھیلانے کے قابل تھے ان کی تبلیغ میں محبت اہل بیت کا رنگ نمایاں تھا اور ان کا جھکاؤ سلسلہ چشتیہ بعض فکری اشاروں سے سلسلہ ذہبیہ یا نعمت الہی کے اثرات بھی نمایاں طور پر ظاہر ہوتے ہیں۔ :- {contentReference[oaicite:0]{index=0}}

سید شاکر علی شاہ بن سید امیر علی شاہ سید حیدر شاہ بن سید قطب شاہ بن سید کبیر شاہ بن سید شرف الدین شاہ بن سید شمس الدین شاہ بن سید جہانگیر شاہ بن سید یار شاہ حیدر بن سید شاہ نظام بن سید زین العابدین بن سید علم الدین بن سید جلال الدین حیدر بن سید صفی الدین بن سید نظام الدین بن سید علیم الدین بن سید جلال الدین بن سید علم الدین بخاری بن سید محمود نر ناصر الدین بن سید جلال الدین حسین المعروف مخدوم جہانیاں جہانگشت بن سید سلطان احمد کبیر بن سید قطب کمال حضرت سخی سید جلال الدین سرخ پوش بخاری -

## سید شاکر علی: تاریخی اختلافات

تاریخی حوالے اس بات کو مکمل طور پر ثابت نہیں کرتے کہ سید شاکر علی کس فقہ سے تھے، لیکن درج ذیل نکات کو مد نظر رکھا جا سکتا ہے:

سید شاکر علی سلسلہ چشتیہ و جلالیہ سے وابستہ تھے سلسلہ جلالیہ برصغیر کی صوفیانہ تاریخ کا ایک مستند، معتبر اور جامع روحانی سلسلہ ہے، جس کا آغاز 13 ویں صدی عیسوی میں سید شاکر علی کے جدِ عظیم بزرگ حضرت سید جلال الدین سرخ پوش بخاری متوفی 1295ء سے اوج شریف میں ہوا اس سلسلے کی بنیاد اگرچہ سہروردی سلسلے کی روحانی روایت پر رکھی گئی، تاہم اس کی تشکیل و ارتقا میں چشتی سلسلے کی روحانی لطافت، جذب کی کیفیت اور فقر و محبت پر مبنی باطنی طرزِ عمل نے بھی گہرا اثر ڈالا۔ حضرت سید جلال الدین سرخ پوش بخاری کی شخصیت ان دونوں سلاسل کے امتزاج کا مظہر تھی جہاں سہروردی نظم و ضبط اور شریعت پسندی موجود تھی، وہیں چشتی رنگ میں ڈوبا ہوا عشقِ الہی، توکل، خدمتِ خلق اور وجدانی کیفیات بھی ان کے اندازِ تربیت کا حصہ تھیں۔ ان کی تعلیمات میں روحانیت اور عرفان دونوں کی جھلک نمایاں تھی ایک طرف تزکیہ نفس، ذکر و فکر اور مجاہدہ اور دوسری جانب باطنی معرفت، سلوک کی راہ اور حقیقت تک رسائی کے رموز بھی ہم آہنگی اور فکری توازن اس سلسلے کو ایک منفرد پہچان عطا کرتے ہیں یوں سلسلہ جلالیہ، سہروردی اور چشتی دونوں سلاسل کے روحانی اثرات کو یکجا کرتے ہوئے، برصغیر میں ایک مستحکم، بااثر اور ہمہ جہت سلسلے کے طور پر قائم ہوا، جو آج تک صوفیانہ روایت کا روشن حصہ ہے بعد ازاں، سلسلہ جلالیہ اور سلسلہ قلندریہ کے درمیان روحانی قربت اور باطنی میلان پیدا ہوا، جو بعض فکری و سلوکی پہلوؤں میں نمایاں طور پر محسوس کیا جا سکتا ہے۔ جبکہ آپ کا تعلق تشیع صوفی سلاسل سے بھی محسوس ہوتا ہے، جیسے ذہبیہ، نعمت اللہی یا صفویوں کے باقی رہ جانے والے صوفی حلقوں سے ظاہر ہوتا ہے وہ اہل بیت کے پیروکار تھے اور ان کے عقائد اہل تشیع کے بنیادی نظریات سے ہم آہنگ سنے گئے تھے ان کی تصوف پر مبنی تعلیمات سنی عقائد کی مکمل ترجمانی کرتی ہیں اور ان کے مکتب فکر کی سنی حیثیت کو ثابت کرتی ہیں، لیکن چشتیہ سلسلے میں بھی سادات صوفی بزرگ اہل بیت علیم السلام کی تعلیمات پر عمل کرتے لہذا، ان کے کسی عقیدے پر ہونے کو مکمل طور پر رد نہیں کیا جا سکتا۔

فیروزآباد کے بعض مقامی افراد کا خیال تھا کہ چند سادات اسماعیلی نسب کے افراد ان کی درگاہ سے عقیدت رکھتے تھے، لیکن اس کا کوئی مستند تاریخی ثبوت موجود نہیں سید شاکر علی یا ان کی اولاد کا اس عقیدے سے کوئی تعلق نہیں تھا، بلکہ وہ تصوف اور اہل بیت کے پیروکار تھے اور اس مکمل نسل نے اب تک چودہ معصومینؑ کی پیروی کی ہے اور آئندہ بھی اس نسل کے لیے یہی نصیحت اور تلقین رہی ہے۔ یاد رہے کہ اختلاف صرف اس بات پر ہے کہ اصل درگاہ یہی ہے یا وہ جو سید جاوید علی نے کسی محلے میں چھوٹی درگاہ بتائی تھی آپ کے خلیفہ اور مرید کے طور پر صرف ایک نام معلوم ہوتا ہے، وہ حضرت حیدر علاؤ الدین چشتی کا ہے۔

## سید شاکر علی اور ان کے روحانی جانشین حضرت حیدر علاؤ الدین چشتی

سید شاکر علی کی زندگی انتہائی مختصر مگر اثر انگیز تھی وہ زیادہ تر عام لوگوں سے دور رہے اور اپنی زندگی عبادت، روحانی ریاضت اور دینی تبلیغ میں بسر کی وہ طب، روحانیت، ولایت اور قضا (عدل و انصاف) کے علم سے بہرہ مند تھے اور ان کے وجود میں وہی حکمت اور روحانی تاثیر نظر موجود تھی جو ان کے والد سید امیر علی میں پائی جاتی تھی ان کی زندگی کا ایک اور پہلو اہل بیت کی محبت اور سلسلہ چشتیہ سے گہری وابستگی تھا انھوں نے کسی مخصوص فرقے کی ترویج کی بجائے تصوف اور محبتِ اہل بیت کو فروغ دیا، جبکہ یہ بات صاف ظاہر ہے کہ ان کے خونی رشتوں میں اکثریت اثنا عشریہ کی رہی ہے یہی وجہ تھی کہ ان کے پیروکار ان کے قریب رہے، مگر وہ اپنی طبیعت کے باعث زیادہ تر خلوت نشین رہے۔

سید شاکر علی کے خاص مریدین اور چہیتے شاگردوں میں حضرت حیدر علاؤ الدین چشتی ایک نمایاں شخصیت تھے وہ آخری وقت تک سید شاکر علی کے ساتھ رہے اور ان کی تعلیمات کو زندہ رکھا اور یہی وہ شخصیت تھے جنھوں نے سید شاکر علی کی قبر کو درگاہ تک کے سفر میں گامزن کر دیا تھا، جبکہ سید شاکر علی کے بیٹے، سید عاشق علی بھی اس موقع پر موجود تھے۔

سید شاکر علی کی وفات کے بعد ان کے عقیدت مندوں کی آمد و رفت کے نتیجے میں ان کی درگاہ کا قیام عمل میں آیا۔ ان کی قبر پر اہل محبت کا آنا جانا جاری رہا اور یوں یہ مقام ایک روحانی مرکز کی صورت اختیار کر گیا۔ حضرت حیدر علاؤ الدین چشتی اپنے مرشد کے نقش قدم پر قائم رہے اور ان کے انتقال کے بعد انھیں سید شاکر علی کے مزار کے قریب دفن کیا گیا۔ آج دونوں کی قبریں ایک دوسرے کے قریب موجود ہیں جو ان کے باہمی روحانی تعلق کی علامت سمجھی جاتی ہیں۔ مزید برآں سید شاکر علی کی قبر کے ساتھ ان کے بھائی سید ذاکر علی کی قبر بھی واقع ہے۔

کچھ مخالفین کی جانب سے یہ بھی گمان کیا جاتا ہے کہ حضرت حیدر علاؤ الدین چشتی نے ہی سید شاکر علی کی قبر کو ایک صوفی چشتی بزرگ کے طور پر مشہور کیا تھا، حالانکہ بعد میں سید شاکر علی کے پوتے کو اپنی دوسری بیوی کے ہمراہ قتل کر دیا گیا تھا یہ واقعہ فقہی تناظر میں اس بات سے جڑا ہوا ہے کہ ان کے معاملات ان کے دادا کی قبر سے تعلق رکھتے تھے۔

## درگاہ کی موجودہ حیثیت اور بین المذاہب عقیدت

سید شاکر علیؒ اور سید ذاکر علیؒ کی درگاہ فیروزآباد میں نہریا دریا کے قریب واقع بتائی جاتی ہے یہ ایک مقدس روحانی مقام بن چکی ہے، جہاں نہ صرف مختلف مکاتب فکر کے مسلمان بلکہ دیگر مذاہب سے تعلق رکھنے والے عقیدت مند بھی احترام کے ساتھ آتے ہیں یہ درگاہ ایک بین المذاہب روحانی مرکز ہے، جہاں لوگ اپنی مرادیں مانگنے، روحانی فیض حاصل کرنے اور تصوف کی برکتوں سے مستفید ہونے کے لیے حاضر ہوتے ہیں اس درگاہ کی خاص بات یہ ہے کہ یہاں فرقہ وادیت کی بجائے محبت، امن اور صوفی تعلیمات کی روشنی عام کی جاتی ہے ہر سال عرس کا انعقاد ہوتا ہے، عرس کے موقع پر ایک میلہ بھی لگتا ہے، جہاں زائرین کی ایک بڑی تعداد شرکت کرتی ہے اس عرس کی سب سے اہم روایت قوالی ہے، جو پشتیہ سلسلے کی قدیم روایت کا حصہ ہے صوفیانہ کلام، اللہ اور رسول ﷺ کی مدح اور اہل بیت کی محبت پر مبنی قوالی کے ذریعے درگاہ میں روحانی کیف اور وجدانی کیفیت پیدا ہوتی ہے چشتیہ سلسلے کا ہمیشہ سے قوالی اور صوفی موسیقی سے گہرا تعلق رہا ہے اور یہی روایت آج بھی اس درگاہ میں قائم ہے۔

خاندانی روایت کے مطابق تاریخی حوالوں میں اس درگاہ کو سید شاکر علیؒ شاہ صاحب کی درگاہ کہا جاتا تھا، سوائے سید جاوید علی بن سید محبت علی کے، جن کا کہنا تھا کہ جب وہ بچپن میں ہندوستان گئے تھے تو انھیں جس درگاہ پر لے جایا گیا تھا، وہ درگاہ علاقے یا بازار میں موجود تھی لیکن وقت کے ساتھ ساتھ یہ شاہ صاحب کی درگاہ کے نام سے مشہور ہو گئی اس کا ایک سبب یہ ہے کہ درگاہ کے ارد گرد رہنے والے عقیدت مندوں اور زائرین نے انھیں صوفی شاہ کے القاب سے یاد کرنا شروع کیا جو ان کی روحانی عظمت کی علامت بن گئے۔ تقسیم ہند سے قبل، عوام، خصوصاً سادات گھرانے، سید شاکر علیؒ کے بارے میں گہرا علم رکھتے تھے، کیونکہ اس وقت صرف تین سے چار نسلیں ہی آگے بڑھی تھیں مگر جب تقسیم ہند ہوئی تو یہاں کے زیادہ تر افراد، خصوصاً سید خاندان، پاکستان ہجرت کر گئے، جو ایک اسلامی ریاست کے طور پر لا الہ الا اللہ کے نام پر وجود میں آ رہی تھی اس سے کئی برس قبل، سید شاکر علیؒ کی نسل آگرہ ہنگ منڈی میں سکونت اختیار کر چکی تھی، لیکن تقسیم ہند کے موقع پر ان کی نسل نے پاکستان کے صوبہ سندھ، شہر حیدرآباد ہجرت کی، جہاں مولا علی علیہ السلام کی قدم گاہ موجود ہے آگرہ اور فیروز آباد سے زیادہ تر ہجرتیں حیدرآباد، سندھ کی طرف ہوئیں، خاص طور پر سادات خاندانوں کی اور اسی طرح شیعہ اثنا عشری کی ایک بڑی تعداد بھی حیدرآباد میں آباد ہو گئی اس وجہ سے ہندوستان میں نہ ان کی نسل باقی رہی اور نہ ان سے متعلق زیادہ معلومات محفوظ رہیں یوں، سید شاکر علیؒ کی نسل آج پاکستان کے مختلف شہروں میں آباد ہے، جبکہ ہندوستان میں ان کی نسل کے باقی نہ رہنے کے باعث ان کی درگاہ سے وابستگی بھی ختم ہو گئی۔ خاندان کے بعض افراد کے مطابق سید شاکر علیؒ اور سید ذاکر علیؒ کی قبریں ایک ہی مقام پر ہیں، جبکہ حیدر علاؤ الدین چشتی کی قبر درگاہ سے کچھ فاصلے پر واقع ہے۔ جبکہ تمام شواہد اسی درگاہ کی طرف اشارہ کرتے ہیں جو دریائے یمن کے قریب واقع ہے اور جہاں دو قبریں ساتھ ساتھ موجود ہیں جنھیں سید شاکر علیؒ اور سید ذاکر علیؒ کی قبریں بتایا جاتا ہے، تاہم دو ہزار دس کے بعد سے مزار کی محراب پر ایک نیا نام "حمید الدین صوفی چشتی" درج نظر آنے لگا، جس کے بعد وہاں سے متعلق نئی نئی تاریخیں بھی بیان کی جانے لگیں۔ اس کے نتیجے میں یہ تاثر پیدا ہوا کہ شاید سید شاکر علیؒ اور سید ذاکر علیؒ کی اصل درگاہ فیروزآباد میں کسی اور مقام پر رہی ہو، مگر انٹرنیٹ یا دیگر ذرائع سے اس بارے میں کوئی مستند معلومات دستیاب نہ ہو سکیں۔ مزید یہ کہ جو نئی تاریخیں اس مقام سے منسوب کی جا رہی ہیں، اگر واقعی وہاں سید شاکر علیؒ اور سید ذاکر علیؒ کی قبریں موجود ہیں تو وہ تاریخیں اس خاندانی بیان سے مطابقت نہیں رکھتیں جو اس خاندان کی روایت میں بیان کی جاتی ہے اس لیے اصل تاریخ وہی معتبر سمجھی جانی چاہیے جو خاندان کے پاس محفوظ ہے، کیونکہ ہجرات میں بعض گروہوں کے لیے ایسی نسبتیں معاشی فائدے کا ذریعہ بن سکتی ہیں، جبکہ پاکستان میں خاندان کو کسی نئی یا من گھڑت روایت سے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوتا، اس بنا پر خاندانی روایت کو ہی زیادہ مستند تصور کیا جاتا ہے، سید جاوید علی کا کہنا تھا کہ وہ درگاہ یہ نہیں تھی، بلکہ کوئی اور درگاہ تھی جو زمین پر موجود تھی اور فیروزآباد میں واقع تھی ممکن ہے کہ وہ کسی اور بزرگ کی درگاہ کا ذکر کر رہے ہوں اکثر لوگ سوشل میڈیا پر اس درگاہ کو 800 سال پرانی بتاتے ہیں، حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ البتہ اس کا زمانہ سے 1800 کے بعد کا تھا ہاں، یہاں قدیم قبریں ضرور موجود تھیں جو اس درگاہ کے احاطے میں مختلف مقامات پر پائی جاتی تھیں خاندان کے مطابق ان کے کئی بزرگوں کی قبریں فیروزآباد کے دیگر مقامات پر بھی موجود تھیں، جن کا ذکر اس نسخے میں بھی تھا جو حکیم سید فرخ حسین لے گئے تھے گزشتہ 30 برسوں میں ہندوستان میں کئی قبریں اور درگاہیں مسمار کر دی گئی ہیں، اس لیے اکثر حقائق معلوم کرنا ناممکن ہو گیا ہے تاہم سید محبت علی ہمیشہ یہ بتایا کرتے تھے کہ فیروزآباد کا سب سے بڑا عرس ہمارے جد، سید شاکر علیؒ کی درگاہ پر ہوتا تھا، جہاں قریب میں ایک اور درگاہ ہے جس کا نام حیدر علاؤ الدین ہے، مگر سید جاوید علی کے مطابق یہ سید شاکر علیؒ فیروز آباد کی وہ درگاہ نہیں، اصل درگاہ ایک محلے میں تھی سید شاکر علیؒ فیروز آبادی جو چھوٹی تھی مگر اُس کا عرس لازمی ہوتا تھا آبادی کے بچ میں تھی، جس پر تقریباً 45 سے 40 سال قبل جانا ہوا تھا جدید دور میں رابطوں اور انٹرنیٹ کے ذریعے تلاش کے باوجود ایسی درگاہ نہیں ملی ممکن ہے یہ کسی بزرگ یا رشتہ دار کی ہو یا کوئی غلط فہمی ہو درگاہ کے درست مقام کے علاوہ سید شاکر علیؒ سے متعلق تمام روایات متفقہ طور پر درست بیان کی گئی ہیں یہ بھی حقیقت ہے کہ سید شاکر علیؒ کو شاہ صاحب فیروز آبادی کے نام سے بھی جانا جاتا تھا اور یہ بھی بعید نہیں کہ گزشتہ 30 برسوں میں ہجرت میں کئی چھوٹی درگاہیں علاقوں، گلیوں اور محلوں سے ختم ہو چکی سید شاکر علیؒ کی اصل درگاہ فیروز آباد میں، چاہے جس مقام پر بھی ہو، اس کے بارے میں متعدد مستند دستاویزات اور کچھ تبرکات موجود تھے، جو سید محبت علی کے انتقال کے وقت پوری ہونے والے تبرکات میں شامل تھے۔

contentReference[oaicite:0]{index=0}:

## سید عاشق علیؒ بن سید شاکر علی شاہؒ

### سادگی، تقویٰ اور روحانی وابستگی

سید عاشق علیؒ ایک سادہ نہایت دین دار شخصیت کے حامل تھے وہ ہمیشہ اہل بیت علیہم السلام کی تعلیمات سے جڑے رہے اور ان کی محبت کو اپنی زندگی کا محور بنایا نہایت متقی، پرہیزگار اور نیک سیرت انسان تھے، جو ہر حال میں دیانت، شریعت اور روحانی اصولوں پر قائم رہے۔ آپ سید شاکر علیؒ کے فرزند تھے اور آپ کے اندر بھی ایک پاکیزہ کردار کی وہ خوبی موجود تھی جو اللہ کی طرف سے ایک عطیہ تھی آپ نے آل محمدؑ سے ہونے کے فرض کو بہترین طریقے سے نبھایا اور ہمیشہ ان کی تعلیمات پر کاندہ رہے۔ چونکہ آپ حسینی نقوی البخاری سید تھے اور آپ کا شجرہ نسب امام حسین علیہ السلام سے جا ملتا تھا، اس لیے آپ میں بھی سادگی، تواضع اور روحانی خلوص پایا گیا جو اہل بیت کی میراث تھی اس وقت درگاہ صرف ایک بزرگ کی قبر کے طور پر جانی جاتی تھی ممکن ہے کہ سید شاکر علیؒ کے چاہنے والوں نے سید عاشق علیؒ سے روحانی فیض حاصل کرنا شروع کر دیا ہو، مگر اس حوالے سے خاص شواہد موجود نہیں، البتہ یہ بات واضح ہے کہ سید عاشق علیؒ ایک دین دار، سادہ اور نیک سیرت انسان تھے، جو سادات کے دیگر خاندانوں سے بھی قریبی تعلق رکھتے تھے وہ ہمیشہ محبت اہل بیت، روحانی تعلیمات اور حق کی جستجو کو عام کرنے



کے لیے کوشاں رہے ان کی سیرت میں علمی حکمت، سادگی اور اخلاص جھلکتا تھا وہ صبر و استقامت، چودہ معصومین علیہم السلام کی محبت اور آئمہ اہل البیت سے وابستگی اور پیروی کے ساتھ زندگی بسر کرتے اور ہمیشہ روحانی پاکیزگی کی راہ پر گامزن رہے سید عاشق علی کی وفات کا مقام فیروز آباد ذکر کیا جاتا ہے خاندانی روایت کے مطابق آپ کی تین اہلیہ تھیں سیدہ کریمہ زبیدی، سیدہ آمنہ بخاری اور تیسری کا نام معلوم نہیں، اس کے باوجود خواتین کے ناموں پر اختلاف ہے مگر آپ کی اولاد صرف دو ہی ثابت ہیں ایک بیٹا سید نفیس علی اور ایک بیٹی سیدہ، جنہیں نسل میں 'پھوپھی اماں' کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے، ان کی زندگی سادگی اور وقار کا نمونہ تھی اور وہ ہر خاص و عام کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آتے تھے ان کی شخصیت اپنے کردار، اخلاق اور اہل بیت علیہم السلام سے گہری عقیدت کی وجہ سے ہمیشہ یاد رکھی جائے گی۔

## سید نفیس علی شاہ بن سید عاشق علی شاہ

### دین اور محبت اہل بیت کے راہرو

سید نفیس علی، جنہوں نے اپنے آبا و اجداد کے روحانی ورثے کو نہایت اخلاص کے ساتھ آگے بڑھایا، فیروز آباد میں پیدا ہوئے ان کے والد، سید عاشق علی، اہل بیت کی محبت اور بارہ آئمہ کی عقیدت کے قائل و عامل تھے اور اسی عقیدے کی روشنی میں اپنے بیٹے کی تربیت کی، سید نفیس علی کی حیات مختصر مگر باوقار تھی بد قسمتی سے، فرقہ وادیت کی بنیاد پر وہ اور ان کی اہلیہ دونوں شہید کر دیے گئے ان کے اس سانحہ کے بعد ان کے کسمن بیٹے سید امجد علی اور، سید حفیظ علی، سید محبت علی، یتیم ہو گئے اور ان کی جان کو بھی شدید خطرہ لاحق ہو گیا، ایسے نازک وقت میں سید نفیس علی کی بہن، جنہیں پھوپھی اماں کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، نے غیر معمولی ہمت اور تدبیر کا مظاہرہ کیا۔ راتوں رات وہ بھتیجیوں کو فیروز آباد سے لے کر آگرہ فرار ہوئیں آگرہ پہنچنے پر ان کے پاس نہ ٹھہرنے کا کوئی مناسب ٹھکانہ تھا، نہ کوئی ذریعہ روزگار ابتدا میں وہ آگرہ کی ایک مشہور درگاہ کے احاطے میں مقیم رہے، جہاں وہ محفوظ بھی تھے اور روحانی سہارا بھی موجود تھا سید امجد علی بن سید نفیس علی کی پانچ بیٹیاں تھیں، جو ہجرت کے بعد خاندان سے الگ کر دی گئیں؛ بیٹیوں کے عقد سادات ہی میں کیے گئے، بعد ازاں انہی کی نواسیوں میں سے ایک کا عقد سید حفیظ علی کے پوتے سے ہوا جبکہ باقی بھی اکثر رشتہ داروں ہی میں بیہی گئیں اور سید امجد علی، سید نفیس علی کی پہلی زوجہ سے تھے، تاہم فیروز آباد والے حادثے کے موقع پر سید نفیس علی کی وفات کے ذکر میں ان کا کوئی تذکرہ نہیں ملتا، کچھ عرصے بعد، ان کا رابطہ آگرہ کی بینگ منڈی میں مقیم چند رشتہ داروں سے ہوا یہ سید حفیظ علی اور سید محبت علی کی نانی کا خاندان جو غیر سادات تھا سے تعلق ہوا یوں وہ وہیں آباد ہو گئے اور ایک نئے باب کا آغاز ہوا یہ داستان صرف ایک خاندان کی ہجرت، قربانی اور صبر کی نہیں، بلکہ یہ اہل بیت کی محبت پر ثابت قدم رہنے والے ایک خاندان کے حق پرستی اور استقامت کی بھی داستان ہے، جو ظلم کے اندھیروں میں بھی اپنے ایمان کے چراغ کو بجھنے نہیں دیتے۔

## سید حفیظ علی بن سید نفیس علی اور سید محبت علی بن سید نفیس علی

### فیروز آباد سے آگرہ ہجرت رشتہ داروں کی سرپرستی

سید نفیس علی کے انتقال کے بعد، ان کے دونوں کسمن بیٹیوں، سید حفیظ علی اور سید محبت علی، کو ان کے رشتہ داروں نے اپنی سرپرستی میں لے لیا، اگرچہ فیروز آباد میں ان کی ورثاتی جاگیریں موجود تھیں، مگر کم سنی کی وجہ سے وہ وہاں قیام نہ کر سکے آگرہ میں، دونوں بھائی رشتہ داروں کی سرپرستی میں پروان چڑھے ان کی پرورش اور دیکھ بھال کا زیادہ تر انتظام قریبی رشتہ داروں نے کیا۔

## المعروف پھوپھی اماں، ایک غیر معمولی روحانی شخصیت

المعروف پھوپھی اماں، جن کا اصل نام اب تاریخ کے صفحات میں گم ہو چکا ہے، فیروز آباد میں پیدا ہوئیں وہ سید عاشق علی کی صاحبزادی اور سید نفیس علی کی ہمیشہ تھیں ایک ایسے خاندان میں آنکھ کھولی جہاں اہل بیت سے والہانہ محبت، عقیدت اور روحانیت کی روشنی نسل در نسل منتقل ہوتی رہی۔

فطرتاً دردمند، باوقار اور دینی شعور رکھنے والی یہ خاتون اُس وقت ایک غیر معمولی کردار میں سامنے آئیں جب فرقہ وادیت کی آگ میں اُن کے بھائی سید نفیس علی اور اُن کی اہلیہ کو شہید کر دیا گیا اس اندوہناک سانحے کے بعد جب اُن کے بھتیجے یتیم ہو گئے اور اُن کی جانوں کو بھی خطرہ لاحق ہو گیا، تو یہ پھوپھی اماں ہی تھیں جنہوں نے حالات کی پروا کیے بغیر بچوں کو راتوں رات فیروز آباد سے لے کر آگرہ کی جانب ہجرت کی۔

آگرہ پہنچنے پر اُن کے پاس نہ تو کوئی ٹھکانہ تھا، نہ سہارے کے لیے کوئی قریبی ابتدا میں وہ اپنے دونوں بھتیجیوں کے ہمراہ آگرہ کی کسی درگاہ کے احاطے میں مقیم ہوئیں یہ دینی و روحانی فضا اُن کے مزاج سے ہم آہنگ تھی کچھ ہی عرصے بعد، وہ رشتہ داروں کے پاس آگرہ کی بینگ منڈی میں منتقل ہو گئیں، یہ اُن کے بھتیجیوں کی نانی کا میکہ تھا تاہم، اُن کا قیام وہاں زیادہ دیر نہ رہا۔

فطری بے قراری اور روحانی وابستگی کے باعث پھوپھی اماں دوبارہ اُس درگاہ کی طرف لوٹ گئیں، جہاں پہلے پہل انہوں نے پناہ لی تھی اس بار ان کی ذات میں ایک واضح تبدیلی نظر آنے لگی اُن کے مزاج میں ایک ملنگانہ کیفیت ابھری، جو رفتہ رفتہ اُن کی مکمل شخصیت پر غالب آ گئی وہ دنیا داری، رشتہ داری، حتیٰ کہ اپنی ذمہ داریوں سے بھی مکمل طور پر کنارہ کش ہو گئیں اور روحانیت میں مکمل طور پر ڈوب گئیں۔

خاندان میں ایک واقعہ آج بھی بڑے احترام سے بیان کیا جاتا ہے، جو اُن کی روحانی عظمت کا عکاس ہے کہا جاتا ہے کہ ایک روز درگاہ پر موجود ایک بزرگ، جو اُس وقت خود بھی صاحبِ حال، شیخ و مرشد کے درجے پر فائز تھے، چھوٹی اماں سے گفتگو میں مصروف ہوئے دورانِ گفتگو، چھوٹی اماں نے انھیں ایک مشروب ممکنہ طور پر دودھ، شربت یا چائے پیش کیا اور بڑے اصرار سے کہا:

میں چاہتی ہوں کہ آپ کی ملاقات ایک عظیم بزرگ سے ہو براہ کرم یہ مشروب نوش فرمالیجیے۔

جیسے ہی بزرگ نے مشروب نوش کیا، اُن پر ایک وجدانی کیفیت طاری ہو گئی اُن کی آنکھیں بند ہو گئیں، جسم سکون میں آگیا اور وہ مراقبے کی حالت میں چلے گئے جب وہ کیفیت ختم ہوئی اور بزرگ نے ہوش میں آکر لب کشائی کی، تو ان کا چہرہ نور سے دمک رہا تھا انھوں نے حاضرین کو بتایا:

میں نے اپنے روحانی تجربے میں حضرت خواجہ غریب نواز خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا وہ ایک بڑے سایہ دار درخت کے نیچے تشریف فرما تھے اور اُن کے گرد کئی دیگر اولیائے کرام ذکرِ الہی میں مشغول تھے جبکہ وہاں ایسی شخصیات بھی موجود تھیں جو آپ سے بھی کافی زیادہ اونچے درجے کی معلوم ہوتی تھیں اور کچھ ایسے بھی تھے جو آپ ہی کے درجے کے، مگر کچھ الگ طرح کے لوگ معلوم ہوتے تھے۔

یہ سن کر چھوٹی اماں خاموشی سے مسکرا دیں گویا وہ جانتی تھیں کہ کیا ہونے والا ہے اور اُن کا مقصد پورا ہو چکا تھا اس واقعے کے بعد، درگاہ کے حلقوں میں چھوٹی اماں کو ایک غیر معمولی، بالکل اور متبرک سیدہ خاتون کے طور پر جانا جانے لگا لیکن پھر کچھ ہی عرصے میں اُن کی شخصیت مکمل طور پر ملنگانہ قلندرانہ ہو گئی وہ دنیا و مافیہا سے کٹ گئیں، کسی سے رابطہ نہ رکھا اور ان کے بارے میں بعد ازاں کوئی خبر دستیاب نہ ہو سکی نہ اُن کی وفات کی تاریخ، نہ اُن کے دوبارہ اپنے بھتیگوں سے ملنے کا کوئی ذکر۔

مگر بیس 23 میں سندھ کے ایک خاندان سے یہ معلومات حاصل ہوئی کہ سید نفیس علی کی وہ بہن بھی پاکستان آئیں تھیں اپنے بھتیگوں اور شوہر کے ساتھ اور ان کے شوہر اہل تصوف سے تعلق رکھتے تھے ممکنہ طور پر بخاری سید تھے ان کی صرف ایک اولاد، بیٹی تھی اور وہ لوگ تقسیم ہند کے موقع پر راولپنڈی میں کسی مقام پر آباد ہوئے تھے جس کا علم سید امید علی کے بعد اور کسی کو نہ تھا، کیونکہ ان کی صرف ایک بیٹی تھی اور ان کی شادی بھی سادات میں ہوئی تھی اس سے زیادہ ان کے بارے میں اور معلومات نہیں ہیں بہر حال، آپ نے سادات کی ایک پوری نسل اور اس نسل سے وابستہ کئی خاندانوں کی زندگیاں بچا کر انھیں مٹنے سے محفوظ رکھا یوں محسوس ہوتا ہے جیسے آپ نے حضرت بی بی زینب سلام اللہ علیہا کی سنت پر عمل کرتے ہوئے نسلِ سادات کو ظلم و ستم سے محفوظ رکھنے کا فریضہ انجام دیا اور تاریخ سے مٹنے سے بچایا۔

## تاریخی مقامات سے وابستگی روحانی مراکز اور درگاہیں

جوانی میں قدم رکھتے ہی، سید حفیظ علی اور سید محبت علی اپنے جد سید شاکر علیؒ کی تاریخ اور روحانی ورثے سے دوبارہ جڑنے لگے۔

جبکہ آگرہ، بنگ منڈی اور وہاں سے ہجرت کر کے ساتھ آنے والے سادات خاندانوں کا ہمیشہ سے اور آج بھی دعویٰ یہ رہا ہے کہ دونوں بھائیوں نے پاکستان آکر اثنا عشری سے بریلوی مکتب اختیار کیا بریلوی مکتب فکر میں آنے سے پہلے انھوں نے سلسلہ قادریہ میں بیعت کی تھی، پھر کچھ عرصے بعد وہ بریلوی مسلک سے منسلک ہو گئے۔ اس سب کے باوجود، آج تک ان کے محلے داروں اور دنیا فانی سے رخصت ہونے والے بزرگوں کا یہ دعویٰ ہے کہ ان میں اور ہم میں صرف اتنا سا فرق تھا کہ وہ 'غیر ماتی تشیع' تھے اور ہم 'ماتی تشیع' ہیں ایک پڑوسی سیدہ شیعہ خاتون کے بیٹے جعفری سید المعروف منا کا بھی یہی دعویٰ تھا وہ تمام خاندان اور ان کی دوسری، تیسری اور چوتھی نسلیں آج بھی سید محبت علی کے گھر کے پڑوسی ہیں، جبکہ خود سید محبت علی کے گھر میں بھی ان کی اپنی دوسری، تیسری اور چوتھی نسل آباد ہے یہ سب لوگ کئی نسلوں سے ایک دوسرے کو بخوبی جانتے اور پہچانتے ہیں۔

اور حاجی سید حفیظ علی کے نواسے سید اصغر رضوی (صدر انجمن)، سید اکبر رضوی (نوحہ خوان قدم گاہ مولا علیؑ، حیدرآباد) اور سید حیدر رضوی، نیز سید حفیظ علی کے داماد سید عابد رضوی بن سید شریف رضوی لکھنؤی اور ان کے بڑے بھائی سید حامد رضوی بن سید شریف رضوی لکھنؤی، اسی طرح سید محبت علی کے بیٹے سید اعجاز علی اور ان کا خاندان، سید امید علی اور ان کے بیٹوں سید قدیر علی اور سید ساجد علی اور سید امید علی نقوی کے داماد سید عرفان علی نقوی بخاری سے بھی یہ بات زبانی اور روایتی طور پر ثابت ہے کہ ان کے علاوہ ایک اور پڑوسی خاندان جو جعفری سادات کے گھرانے سے تعلق رکھتا تھا، یعنی سید منا جعفری، جو اپنی والدہ کے ساتھ زندگی کے آخری وقت تک یہیں مقیم رہے آج بھی ان کی اولاد و نسل سید محبت علی کی اسی گلی میں آباد ہے، جبکہ ان کی دوسری والدہ سے ہونے والے چار بھائی کراچی (انچولی) میں اپنے اپنے خاندانوں کے ساتھ مستقل قیام پزیر ہیں ان کے والدین نے بھی اسی خاندان کے ساتھ ہجرت کی تھی یہ تمام خاندان سید محبت علی، سید امجد علی، سید شریف رضوی لکھنؤی، سید محمد جعفری اور سید محبت علی کے داماد سید شاہد علی جعفری نظامی اکبر آبادی ہجرت کے وقت سے ہی ایک دوسرے کے پڑوسی اور ساتھ رہائش پزیر رہے تمام مذکورہ افراد سے ہیرآباد والے سادات گھرانوں اور ان کے علاوہ سینکڑوں سادات خاندانوں سے یہ بات ثابت ہے کہ ایک وقت میں یہ سب تقیہ اختیار کر گئے تھے اور یہ سلسلہ طویل عرصے تک جاری رہا، بعد ازاں اکثر خاندانوں نے تقیہ ترک کر دیا جبکہ چند افراد صوفیانہ راہ کی طرف مائل ہو گئے جبکہ سید حفیظ علی اور سید محبت علی نے اپنی زندگی کے آخری ایام بریلویت کے حلقوں میں، تصوف کے دائرہ کار کے تحت، ائمہ اہل بیت سے محبت و عقیدت کے ساتھ گزارے، اس کے باوجود ان کے گھر میں عزاداری کی رسومات کبھی ختم نہیں ہوئیں آج بھی سید حفیظ علی اور سید محبت علی کے اس گھر پر بھی علمِ عباسی نصب ہے اور ان کی اولاد و نسل مکمل طور پر تشیع کے عقائد پر قائم ہے البتہ چند گھرانے مسلکِ بریلویت، قادریہ سے بھی وابستہ رہے ہیں۔

روحانی مراکز اور خانقاہی روایات سے ان کی گہری وابستگی تھی اور وہ مختلف معروف درگاہوں اور روحانی اداروں سے فیض حاصل کرتے رہے تاریخی حوالوں کے مطابق:

- حضرت نظام الدین اولیاءؒ کی درگاہ، دہلی روایات کے مطابق، سید امیر علیؒ کو اس درگاہ سے خصوصی وابستگی حاصل تھی۔

• آگرہ میں حضرت امیر علی ابوالعلائی کی درگاہ آگرہ میں موجود سادات اور درگاہی سلسلے سے ان کا روحانی تعلق بھی پایا جاتا ہے۔

• خواجہ معین الدین چشتی کی درگاہ، اجیر سے بھی وابستگی رہی اور درگاہ کے روحانی و انتظامی معاملات میں ان کا خصوصی دخل تھا۔

• حضرت حاجی علیؒ کی درگاہ، ممبئی وقتاً فوقتاً سادات کا یہ خانوادہ حاجی علیؒ کی درگاہ سے بھی جڑا رہا اور وہاں سے روحانی فیض حاصل کرتا رہا۔

• مزاراتِ شہید ثالث، آگرہ حضرت قاضی نور اللہ شوشتریؒ سے منسوب ہے، جو اسلامی تاریخ میں شہید ثالث کے لقب سے معروف ہیں آپ ایک عظیم شیعہ عالم، فقیہ اور منکلم تھے، جنہوں نے مغلیہ دور میں دین اسلام اور مکتب اہل بیتؑ کے علمی دفاع میں نمایاں کردار ادا کیا حضرت قاضی نور اللہ شوشتریؒ نے دورِ اکبری میں مختلف عدالتی و علمی ذمہ داریاں انجام دیں اور بعد ازاں عہدِ جہانگیری میں اپنے عقائد اور علمی موقف کی بنا پر 1019ھ / 1610ء میں آگرہ میں شہید کر دیے گئے شہادت کے بعد آپ کو آگرہ ہی میں سپرد خاک کیا گیا اور وقت کے ساتھ آپ کی آخری آرام گاہ ایک باقاعدہ مزار کی صورت اختیار کر گئی یہ مزار آج بھی آگرہ میں شیعہ اور سنی دونوں طبقات کے لیے باعثِ عقیدت ہے، جہاں زائرین دعا، فاتحہ اور روحانی سکون کے لیے حاضر ہوتے ہیں روایات کے مطابق، ہجرت سے قبل سید امجد علی، سید حفیظ علی اور سید محبت علی اس مزار سے بھی عقیدت و وابستگی رکھتے تھے اور یہاں حاضری کو باعثِ برکت سمجھا جاتا تھا ہر سال آپ کی شہادت کی یاد میں خصوصی مذہبی اجتماعات اور مجالس منعقد کی جاتی ہیں، جن میں آپ کی علمی خدمات اور دینی قربانی کو خراج عقیدت پیش کیا جاتا ہے یہ مزار تاریخی اعتبار سے بھی نہایت اہم ہے، کیونکہ یہ مغلیہ دور کے مذہبی تنوع، علمی اختلافات اور فکری جدوجہد کی ایک زندہ علامت سمجھا جاتا ہے۔ موجودہ دور میں اس مزار کا انتظام وقف کے تحت انجام دیا جاتا ہے اور یہ آگرہ کے نمایاں مذہبی مقامات میں شمار ہوتا ہے۔ سید محبت علی کا تاج محل کی انتظامیہ اور اس کی روحانی حیثیت میں بھی ایک اہم کردار کی جھلک ملتی ہے معلومات کے مطابق، تاج محل کے اندرونی معاملات میں سادات کو ایک خاص حیثیت حاصل تھی۔

## معاشی ذرائع جوہری، سونار

اپنی دینی اور روحانی وابستگیوں کے ساتھ ساتھ، سید حفیظ علی اور سید محبت علی نے حلال روزی کمانے کو اپنا اصول بنایا اور مختلف کاروبار میں مشغول ہوئے۔

## جوہری (سونار) کا کاروبار

ابتدائی طور پر، انہوں نے سونے اور چاندی کے زیورات کا کاروبار کیا، جو اس دور میں اہل ہنر کے درمیان ایک معروف پیشہ تھا تاہم، تقسیم ہند سے کچھ عرصہ پہلے، انہوں نے یہ کام ترک کر دیا کیونکہ ناپ تول میں معمولی سی غلطی کے امکان کو وہ اللہ کے دربار میں جواب دہی کا سبب سمجھتے تھے جبکہ ان کے رشتہ دار لکڑی کے کاروبار سے وابستہ تھے یہ آگرہ والے رشتہ دار اکثر نخیال کی طرف کے رشتہ دار بتائے جاتے ہیں، تو خاندان میں یہ بات سننے میں آتی ہے کہ اکثر انہوں نے بھی اس کام سے استفادہ کیا ہوگا، مگر اس کی کوئی مضبوط شہادت موجود نہیں۔

## تقسیم ہند ہجرت روحانی ورثہ اور قربانیوں کی داستان

تقسیم ہند کے دوران، آگرہ سے ایک بڑا قافلہ ہجرت روانہ ہوا، جس میں اکثریت شیعہ سادات پر مشتمل تھی، جب کہ ان کے ساتھ چند صوفی سادات خاندان بھی شامل تھے خاندانی بزرگوں کی روایات کے مطابق یہ قافلہ تعداد کے اعتبار سے تقریباً ڈیڑھ ہزار افراد پر مشتمل تھا، جن میں بچے، پورے، جوان اور خواتین سب شامل تھے، یہ قافلہ آگرہ سے روانہ ہوا اور حالات کی نزاکت اور وسائل کی کمی کے باعث اس نے مختلف انداز میں سفر کیا کہیں ریلوے کے ذریعے، کہیں پیدل اور بعض مقامات پر اونٹوں پر سوار ہو کر یہ قافلہ اپنی منزل کی جانب بڑھتا ہوا طویل اور صبر آزما سفر کے بعد یہ قافلہ لاہور کے راستے پاکستان میں داخل ہوا۔

پاکستان میں داخلے کے بعد قافلے کی یکجہتی آہستہ آہستہ مختلف مقامات پر منتشر ہونے لگی قافلے کے ایک بڑے حصے نے لاہور اور اس کے نواحی علاقوں میں سکونت اختیار کی، جب کہ ملتان میں بھی سادات کی ایک نمایاں تعداد آباد ہوئی اسی طرح راستے میں آنے والے چھوٹے شہروں اور قصبوں میں بعض خاندان قدیم درگاہوں اور روحانی مراکز کے اطراف میں مقیم ہو گئے، جہاں انہیں مذہبی و روحانی وابستگی کا احساس میسر آیا۔

اس کے باوجود قافلے کا ایک حصہ مسلسل رواں رہا بعض سادات خاندان راولپنڈی میں مستقل طور پر آباد ہوئے، جب کہ آخر کار یہ قافلہ سندھ کے شہر حیدرآباد پہنچ کر ٹھہرا خاندانی روایات کے مطابق، حیدرآباد کے کچا قلعہ، پکا قلعہ اور ہیرآباد کے علاقوں میں آباد ہونے والے سادات کی ایک کثیر تعداد کا تعلق اسی تاریخی قافلے سے تھا۔

اسی قافلے کے ہمراہ سید حفیظ علی اور سید محبت علی نے بھی پاکستان کے صوبہ سندھ، حیدرآباد (پکا قلعہ) کی طرف ہجرت کی جبکہ ان کے بھائی سید امجد علی کرہچی میں مقیم ہوئے تھے فیروزآباد اور آگرہ سے آنے والے کثیر تعداد میں شیعہ سادات نے بھی اسی سمت کا رخ کیا، کیونکہ یہ مقام حضرت مولا علیؑ کی قدم گاہ شریف کی موجودگی کے باعث سادات کے لیے سب سے زیادہ عقیدت اور روحانی کشش کا مرکز سمجھا جاتا تھا۔

یہ ہجرت محض جغرافیائی نقل مکانی نہیں تھی بلکہ ایک روحانی ورثہ، اعتقادی وابستگی اور عظیم قربانی کی داستان تھی، جس میں اہل بیتؑ سے عقیدت اور بالخصوص حضرت مولا علیؑ کی قدم گاہ شریف سے قلبی تعلق ایک بنیادی محرک کے طور پر نمایاں نظر آتا ہے۔



## سید حفیظ علی کا حج اور سید محبت علی کی دین داری

سید حفیظ علی حج کی سعادت حاصل کی اور ایک دیندار اور نیک صفت شخصیت کے طور پر جانے جاتے تھے سید محبت علی بھی ایک انتہائی عبادت گزار اور زہد و تقویٰ کے حامل شخص تھے، جو دین کی طرف مائل تھے۔

## حیدرآباد، سندھ: ہجرت کی وجوہات اور روحانی وابستگی

### سادات خاندانوں کی بڑی تعداد کی ہجرت

تقسیم کے دوران، اگرہ اور دیگر علاقوں سے کئی سادات خاندان حیدرآباد کے پکا قلعہ اور کچا قلعہ میں آکر آباد ہوئے یہ علاقہ روحانی اور تاریخی طور پر سادات، اہل بیت، مرکز تشیع اور صوفی سلسلوں سے وابستہ افراد کے لیے ایک اہم مرکز بنتا گیا، اہل محلہ اور خاندانی روایات کے مطابق، آپ کو آپ کی اولاد و نسل نے اپنی حیات کے آخری لمحات تک اس حال میں پایا کہ آپ مسجد کی نماز ادا کرنے کے بعد فجر تک مسلسل تلاوت قرآن میں مشغول رہتے تھے اور فجر کے بعد بھی گھر میں باقاعدگی کے ساتھ تلاوت جاری رکھتے تھے اس مسلسل عبادت اور تلاوت کے بعد روزانہ صبح کے اوقات میں لوگ آپ کے پاس حاضر ہونے لگتے، جن کے لیے آپ اپنے پوتوں کے ذریعہ روزانہ کی بنیاد پر مالی اعانت کا انتظام فرمایا کرتے تھے آپ رقم اپنے پوتوں کے ہاتھوں میں دیتے اور وہ تمام ضرورت مندوں میں تقسیم کر دیا کرتے تھے یہ امداد دراصل آپ کی اپنی کمائی میں سے ایک مستقل حصہ تھا جو خاص طور پر غریبوں، محتاجوں اور ضرورت مندوں کے لیے مختص کیا گیا تھا خاندانی روایت کے مطابق اس عمل میں باقاعدگی اور نظم پایا جاتا تھا اور کسی دن بھی اس سلسلے میں کوتاہی نہیں کی جاتی تھی۔

پس آپ نہ صرف عبادات اور تلاوت قرآن کے اعتبار سے نمایاں تھے بلکہ شریعت اسلامیہ کے انتہائی پابند، دیانت دار اور صاحبِ کردار شخصیت کے طور پر بھی پہچانے جاتے تھے، جن کی عملی زندگی عبادت، خدمتِ خلق اور تقویٰ کا حسین امتزاج تھی۔

### حضرت مولا علی علیہ السلام کے نام سے منسوب شہر

حیدرآباد، سندھ، حضرت مولا علی علیہ السلام کے لقب حیدر سے منسوب ہے اس شہر میں حضرت شیخ عبد الوہاب جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی درگاہ پر مولا علیؑ کی قدم گاہ شریف موجود ہے، جو شیعہ، سنی اور صوفی سادات کے لیے انتہائی عقیدت کا مقام ہے اس روحانی نسبت کے باعث، بہت سے سادات خاندان یہاں آکر بس گئے۔

### تصوف اور صوفی سلسلوں کی موجودگی

پکا قلعہ اور کچا قلعہ میں صوفیا، مشائخ اور بزرگانِ دین کا قیام تھا یہاں قادری، چشتی، جلالیہ، قلندریہ اور سہروردی سلسلے کے افراد موجود تھے، جو تصوف کے مختلف سلسلوں سے وابستہ تھے۔

سید محبت علی اور سید حفیظ علی نے کچھ عرصہ بعد جب بریلویت اختیار کی تصوف کو اپنایا اور بعد میں سلسلہ قادریہ میں مرید ہو گئے شیعہ اقوال کے مطابق تقیہ اختیار کیا، سنی اقوال کے مطابق بریلویت کو اپنایا اور صوفی اقوال کے مطابق وہ ابتدا ہی سے اہل تصوف سے وابستہ تھے۔:contentReference[oaicite:0]{index=0}

## پکا قلعہ میں سید محبت علی کی دینی خدمات

حیدرآباد پہنچ کر، سید محبت علی نے انتہائی سادہ زندگی بسر کی، پکا قلعہ، گلی نمبر 5 میں ایک مسجد کی تعمیر کے بعد امامت کی ذمہ داری سنبھالی، جبکہ زیادہ تر مومن کے فرائض انجام دیتے رہے وہ فجر، فجر، فجر اور دیگر نمازوں کی سختی سے پابندی کرتے تھے، اکثر ذکر، تلاوت اور روحانی عبادات میں مشغول رہتے تشیع کے اقوال کے مطابق ان تمام افراد نے باہم مل کر اسے ایک امامیہ مسجد بنانے کی کوشش کی تھی، مگر چونکہ یہ ایک چھوٹی سی مسجد تھی اور اس کے قریب ہی مولیٰ علیؑ کی قدم گاہ واقع تھی جو صرف چند قدم کے فاصلے پر ہے، اس لیے ابتدائی چند ہی برسوں میں یہ بریلویت کے زیر اثر آگئی یہی وہ دور تھا جسے بعد ازاں تقیہ یا فرقہ جاتی تبدیلی کے دعوے سے منسوب کیا جاتا ہے۔

## معاشی جدوجہد اور دینی استقامت

اس دور میں جب لوگ زمینوں پر قبضے کر رہے تھے اور جائیدادوں کی جنگ میں مصروف تھے، انھوں نے سادہ باعزت زندگی بسر کی اور حلال روزی کو ہمیشہ ترجیح دی اور ان کے بچوں نے جوتے بنانے کا کام بطور پیشہ اختیار کیا، انھوں نے جوتے سازی کے کارخانے بھی قائم کیے جو دو نسلوں تک ان کی شناخت بنا رہا اور آج بھی پکا قلعہ میں انہی کی بدولت اور کچے قلعہ میں بھی جوتے بنانے کا کاروبار اسی خاندان کی مرہونِ منت فروغ پایا ہے یہ خاندان آج بھی پکا قلعہ میں سب سے پہلے اور سب سے زیادہ مشہور جوتے بنانے والوں میں شمار ہوتا ہے اور آج بھی ان کا یہی پیشہ کسی نہ کسی صورت میں جاری ہے، اگرچہ تیسری اور چوتھی نسل کے اکثر افراد روایتی پیشوں کی بجائے آفس ورکنگ، آئی ٹی سیکٹر اور اس نوعیت کے دیگر نجی شعبوں سے وابستہ ہو چکے ہیں، کیونکہ وہ جدید دور کی دنیاوی تعلیم، مہارتوں اور رائج اقدار کے ساتھ اپنے سفر پر گامزن ہیں؛ ان میں سے کچھ خاندان کراچی میں آباد ہیں۔

## سید محبت علی کا انتقال بیماری اور تاریخی ورثے کا نقصان

سید محبت علی ٹی بی (Tuberculosis) کے مرض میں مبتلا ہو گئے اور اسی بیماری کے باعث ان کا انتقال ہوا۔

ان کے انتقال سے پہلے جب انھیں ہسپتال لے جایا گیا، تو اسی دوران ان کے گھر پر ایک بڑی پوری کا واقعہ پیش آیا، جس میں نہ صرف قیمتی اشیاء بلکہ بے حد نایاب اور تاریخی دستاویزات بھی گم ہو گئیں یہ گھر زمین پر بنا ہوا ہے اور آج بھی ان کی اولاد اور نسل کے پاس موجود ہے، مگر اس پوری نے خاندانی ورثے کا ایک اہم حصہ ضائع کر دیا خاندانی روایات کے مطابق سید امید علی کی زوجہ بیان کرتیں کہ سید محبت علی نے 'اکشتہ سونا' کھایا تھا، مگر اس کی شدید حدت ان کے مزاج کے موافق نہ آئی اور وہ اس کے مضر اثرات کا شکار ہو گئے وقت گزرنے کے ساتھ یہ عارضہ شدت اختیار کرتا گیا اور نوٹ یہاں تک پہنچ گئی کہ انھیں منہ سے خون آنے لگا بعد ازاں یہی بیماری ان کے لیے جان لیوا ثابت ہوئی اور ان کی وفات کا سبب بنی۔

## چوری شدہ قیمتی تاریخی دستاویزات

اس پوری میں جو اہم دینی، تاریخی اور وراثتی دستاویزات ضائع ہوئیں، ان میں شامل ہیں:

مسجد کے چندے کی رقم، وراثتی دستاویزات، بہت پرانے تاریخی نسخہ جات نسب نامے، قدیم مخطوطات، پرانے بزرگوں کے ہاتھوں سے لکھے ہوئے قدیم کاغذی نسخے جو شجروں کا حصہ تھے اور یہ پوری خاندانی ورثے کے زوال اور تاریخی حقائق کے ضیاع کی ایک بڑی مثال تھی، کیونکہ ان دستاویزات میں وہ تمام حوالوں کی مکمل صحیح ترتیب اور صحیح تفصیل درج تھی جن کا ذکر اس میں جگہ جگہ ملتا تھا۔

## تاریخی شواہد اور ان کا زوال

یہ بھی ممکن ہے کہ مغل دربار سے منسلک شاہیا اسناد اور فرامین باقی رہے ہوں، مگر چونکہ اس خاندان کی نسل میں کسی نے بھی ان کا دعویٰ نہیں کیا، اس لیے مغل تاریخ میں ان کا تذکرہ ہی باقی رہ گیا کچھ شواہد جان بوجھ کر مٹا دیے گئے، قدیم ترین شجروں کے کچھ نادر نسخے موجود رہے، مگر دیگر تاریخی حوالہ جات کو غائب کر دیا گیا۔

## روحانی ورثہ، صوفی روایت اور کھوئے ہوئے تاریخی شواہد

سید حفیظ علی اور سید محبت علی نے اپنے جد امجد کے روحانی ورثے کو برقرار رکھا اور حیدرآباد (پکا قلعہ) کو اپنا مسکن بنایا حیدرآباد، سندھ، کی تاریخی اور روحانی نسبت کی وجہ سے، بہت سے سادات اور اہل بیت کے چاہنے والے یہاں منتقل ہوئے سید محبت علی نے مسجد کی امامت اور دینی خدمات انجام دیں، جبکہ سید حفیظ علی ایک جگہ گزیدہ، دین دار شخصیت کے طور پر جانے جاتے تھے انھوں نے دنیاوی جائداد اور زمینوں کے جھگڑوں سے دور رہتے ہوئے، سادہ مگر باوقار زندگی گزاری سید محبت علی کے انتقال کے وقت، ان کے گھر پر جو پوری ہوئی، اس میں اہم تاریخی و دینی دستاویزات سے جڑی تحریریں ضائع ہو گئیں یہ صرف ایک خاندان کی تاریخ نہیں، بلکہ قربانی، سچائی اور روحانی وابستگی کی ایک زندہ مثال ہے یہ تاریخی ورثے کے زوال اور اس کے شواہد مٹانے کی ایک روشن مثال بھی ہے، کیونکہ اس خاندان سے منسلک کچھ حقائق آج بھی تاریخی حوالوں میں بکھرے ہوئے ہیں، مگر بہت سے نشانات مٹا دیے گئے یہ خاندان ہمیشہ محبت اہل بیت اور خدمتِ خلق کے اصولوں پر قائم رہا اور دنیاوی مال و متاع کی بجائے دینی و روحانی ورثے کو ترجیح دیتا رہا یہ داستان آج بھی اپنے کھوئے ہوئے ورثے کے آثار کی تلاش میں ہے۔

## یہ خاندان تاریخ، ہجرت اور بین الاقوامی روابط

تقسیم ہند کے بعد، خاندان کے اہم حصے کراچی اور حیدرآباد میں آباد ہوئے تاہم، ہجرت کی یہ رولت نئی نہیں تھی بلکہ مغل دور کے آخری عہد تک یہ خاندان عرب ممالک، ایران، افغانستان، اوچ شریف اور ہندوستان کے ساتھ مسلسل روابط میں یہ خاندان عرب دنیا کے علمی اور روحانی حلقوں سے وابستہ رہا اور مغل دربار کے آخری دور تک اس کے افراد عرب خطوں میں آتے جاتے رہے اہل بیت سے نسبت اور تعلق کی بنا پر سعودی عرب، ایران، عراق اور افغانستان میں اس کے علمی و روحانی روابط قائم رہے مغل دربار سے وابستگی کے باوجود خاندان نے بین الاقوامی صوفی اور اثنا عشری علمی مراکز سے اپنا رشتہ برقرار رکھا اگرچہ یہ خاندان عام طور پر معروف نہیں رہا، لیکن تاریخ، تصوف اور اثنا عشری علمی رولت سے دلچسپی رکھنے والے خواص میں ہمیشہ پہچانا جاتا رہا ہندوستان، پاکستان، عرب دنیا اور ایران سے تاریخی وابستگی، اہل بیت کی نسبت اور علمی و روحانی ورثے نے اسے ایک منفرد شناخت دی، جو نسل در نسل منتقل ہوتی رہی اس تناظر میں سید محبت علی ایک عبادت گزار، درویش صفت اور خدمتِ خلق کی نمایاں مثال کے طور پر سامنے آتے ہیں۔

## حاجی سید حفیظ علی کی ازدواجی و خاندانی تفصیل

حاجی سید حفیظ علی کی دو ازواج تھیں پہلی زوجہ سیدہ قادری خاتون دوسری زوجہ سیدہ خورشید خاتون تھیں۔

سیدہ قادری خاتون سے حاجی سید حفیظ علی کے ایک بیٹے اور چار بیٹیاں تھیں ان کے بیٹے کا نام سید قمر علی تھا ان کے خاندان کے افراد کراچی میں آباد ہیں سیدہ خورشید خاتون سے صرف ایک بیٹی سیدہ سعیدہ ہوئی سیدہ سعیدہ کے شوہر سید صابر رضوی بن سید شریف رضوی لکھنوی المعروف شریف پچا تھے سیدہ سعیدہ اور سید صابر کی دو بیٹیاں اور تین بیٹے ہیں جو سید اصغر رضوی صدر انجمن اور سید اکبر رضوی حیدرآبادی مشہور نوحہ خواں اور سید حیدر رضوی کی والدہ تھیں، جو سید حفیظ علی کے نواسے ہیں۔

سید قمر علی کی چھ بیٹیاں اور چار بیٹے ہوئے، بیٹے: سید قیصر علی، سید محسن علی، سید عاصم علی، سید فیصل علی، یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ سیدہ قادری خاتون، سید محبت علی کی دونوں ازواج کی سلی بہن تھیں۔

سید قمر علی نے اپنے خاندانی اور اہل بیت سے جڑے روایتی مسلک کے برخلاف فکر کی طرف رجحان کیا جس کا اثر ان کی اولاد میں بھی ظاہر ہوتا ہے اس کے برعکس ان کی بہن نے خاندانی روایت کے مطابق تاحیات مکتبہ تشیع سے وابستگی برقرار رکھی یہ واقعہ اس امر کی نشان دہی کرتا ہے کہ مسلکی تبدیلی عموماً ماحول و تربیت کا نتیجہ ہوتی ہے، جس کا جواب حکمت، علم اور رجوع الی اللہ میں ہے۔

یہ ایک تلخ مگر حقیقت پر مبنی واقعہ ہے کہ سید قمر علی اور ان کی نسل کو ان کے خاندانی پس منظر کے باعث کبھی خاندانی شجرہ نسب فراہم نہیں کیا گیا سید قمر علی کے عقائد اور زندگی کے بعض معاملات پر خاندان میں شدید تحفظات رہے یہی بنیادی وجہ بنی کہ ان کی اولاد کو شجرہ نسب دینے سے خاندان نے انکار کر دیا۔

ایک اہم واقعہ 19 کا ہے جب سید محسن علی بن سید قمر علی، اپنے بھائی سید فیصل علی کی شادی کا دعوت نامہ دینے کے لیے، سید سلمان ذاکر علی عرف مانی بن سید نصیر علی بن سید محبت علی کے ہمراہ، سید قدیر علی کے گھر پہنچے اس ملاقات کے دوران سید محسن علی اور سید سلمان ذاکر علی جو سید قمر علی کے داماد ہیں نے مودبانہ انداز میں شجرہ دینے کی درخواست کی اور کہا: براہ کرم ہمیں بھی خاندانی شجرہ دی دیجیے۔

اس وقت سید امید علی بن سید محبت علی موجود تھے جب ان تک یہ بات پہنچی کہ سید قمر علی کے بیٹے شجرہ طلب کر رہے ہیں، تو انھیں وہی خاندانی موقف یاد آیا جو برسوں سے قائم تھا کہ سید قمر علی کے اعتقادی انحراف اور متنازع طرز حیات کی بنا پر ان کی نسل کو شجرہ نہ دیا جائے اس طرح، سید محسن اور ان کے بھائی اب تک اپنے نسبی شجرے کی تلاش میں ہیں، لیکن انھیں خاندان کی جانب سے مسلسل انکار کا سامنا ہے۔

تاہم 24 میں ایک نیا مکالمہ اس وقت سامنے آیا جب سید قدیر علی اور سید شاہ زیب علی کے مابین خاندان سے متعلق گفتگو ہوئی اس موقع پر سید قیصر علی نے خاندانی بنیاد پر بتایا ہمارے بزرگوں میں چار لوگ تھے جو عرب سے ہجرت کر کے ہندوستان آئے، جن میں سے دو سے نسل چلی، ایک درویش بن گئے اور نامعلوم ہو گئے اور ایک نے کبھی شادی نہیں کی یہ روایت گو کہ ظاہری طور پر درست معلوم ہوتی تھی، مگر تحقیق سے معلوم ہوا کہ سید قیصر علی کو خود بھی درست تاریخی معلومات نہیں تھیں اور انساب سادات پر پوری طرح سے بے علم ہیں۔ انھوں نے نادانستگی میں سادات بابا/ بلگرامی کے بزرگوں کا ذکر کر دیا، حالانکہ اصل نسبت سادات نقوی بخاری سے ہے جیسا کہ بعد ازاں مختلف تحقیقاتی مراحل میں ثابت ہے یقیناً یہ بات حقیقت ہے کہ اگرہ اور فیروز آباد میں سادات بارہ کی اکثریت ہے، مگر دیگر سادات خصوصاً نقوی اور بخاری سادات بھی وہاں موجود رہے ہیں اکثر عام لوگ علاقے کی روایت اور اکثریت کو دیکھ کر کسی اور شاخ کے بزرگ کو اپنا بزرگ مان لیتے ہیں جبکہ سید امید علی کا بیان روایت کردہ کچھ ایسا تھا ہندوستان کی سرزمین پر درحقیقت صرف دو بھائیوں یا باپ بیٹوں کی آمد ہوئی تھی جو ممکنہ طور پر موج دریا رحمۃ اللہ کی فتوحات کے بعد کی نسلوں میں ہجرت کرنے والے سادات میں سے کوئی تھے سید امید علی اس موقف کی بنیاد اُن محفوظ خاندانی روایات پر ہے جو سید قمر علی کی شاخ سے مختلف اور زیادہ مستند مانی جاتی ہیں بے شک یہ خاندان امام صادق علیہ السلام سے ہوتا ہوا نقوی سادات، پھر بخاری اور سید امیر علی سے ہوتا ہوا سید حفیظ علی، سید امجد علی اور سید محبت علی تک پہنچتا ہے۔

## سید محبت علی اور سید حفیظ علی کی مکمل اولاد نسل در نسل تفصیل

### سید محبت علی کی اولاد

سید محبت علی کی دو ازواج تھیں ایک کا نام سیدہ نادری خاتون تھا اور دوسری کو سیدہ منی خاتون کے نام سے جانا جاتا تھا۔

سید محبت علی کی بیٹیوں کے نام یہ ہیں: سیدہ افسری، سیدہ فیروزا، سیدہ بلقیس، سیدہ نسیم، سیدہ امینہ اور سیدہ روبینہ۔

جبکہ سید محبت علی کے بیٹوں کے نام درج ذیل ہیں: سید امید علی، سید نیاز علی، سید اعجاز علی، سید نصیر علی، سید شباب علی اور سید جاوید علی۔

سیدہ نادری خاتون کے بطن سے سید محبت علی کی اولاد درج ذیل ہے:

سید امید علی، سید نصیر علی عرف کٹوچچا، سیدہ افسری، سیدہ فیروزا اور سیدہ بلقیس۔

جبکہ سیدہ منی خاتون کے بطن سے جو اولاد ہوئی، وہ یہ ہیں:

سیدہ امینہ، سید شباب علی، سید نیاز علی، سید اعجاز علی، سیدہ روبینہ اور سید جاوید علی۔

سیدہ بلقیس بنت سید محبت علی کے شوہر سید شاہد حسین جعفری المعروف شاہد نیازی اکبر آبادی ایک بالکل، ولی صفت شخصیت تھے، جنہوں نے برصغیر پاک و ہند میں علم عروض کی پہلی درسگاہ قائم کی جو کے مفت بھی تھی جہاں انہوں نے علم عروض کی تعلیمات دیں جس کا نام علی اسکول برائے علم عروض برصغیر پاک و ہند کا پہلا اسکول (بلا معاوضہ) ہے اور مولاً علی قدمگاہ پر آباد رہے آپ نے یہ درس گاہ اپنی رہائش گاہ پر ہی قائم کی یہاں علم عروض اہل بیت کی مدح و ثنا کے لیے سکھایا جاتا رہا ہے آپ نے خود بھی اہل بیت کی مدح میں بے شمار اشعار اور نظمیں تخلیق کی ہیں اور انہیں خوبصورت انداز میں پیش کیا ہے اُن سے کئی مشہور اور معتبر افراد نے علم عروض سیکھا اور اُن کے شاگرد بنے۔

آپ کے صاحبزادے پانچ ہیں:

سید ابرار حسین، 2. سید زاہد حسین، 3. سید ساجد حسین، 4. سید دھان حسین، 5. سید فرحان حسین

اور تین بیٹیاں ہیں:

1. سیدہ نسreen 2. سیدہ سندس 3. سیدہ لادب

سید شاہد حسین جعفری ایک ولی مزاج انسان تھے، جنہوں نے اپنی زندگی میں کئی کتابیں بھی تصنیف کیں آپ اہل بیت کے شاعر بھی رہے، علم عروض کے استاد، علم جعفر کے ماہر اور قطب، ابدال، قلندر و ولایت کی صفات سے مزین شخصیت تھے دین و دنیا دونوں میں آپ ایک تعلیم یافتہ، باوقار اور قابلِ قدر وجود تھے۔

آپ کے ساتھ ایک روحانی واقعہ بھی پیش آیا:

ایک مرتبہ آپ نے خواب میں حضرت سید ابو طالب علیہ السلام کی زیارت کی، جو نہایت واضح، روشن اور ہر شک و شبہ سے پاک خواب تھا آپ نے دیکھا کہ حضرت سید ابو طالب نے آپ کو مولاً علی قدمگاہ کے قریب ایک عیدگاہ گراؤنڈ میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھائی، جس میں وہ خود امام تھے نماز کے بعد انہوں نے آپ کی طرف رجوع فرمایا۔

سیدہ افسری بنت سید محبت علی کے شوہر کا نام سید یوسف علی تھا۔

سید یوسف علی کے بھائیوں کے نام سید منظور علی اور سید مبارک علی شاہ تھے۔

سیدہ افسری کے چھ بچے تھے: دو بیٹیاں اور چار بیٹے۔

بیٹیوں کے نام:

سید یونس علی، سید شاہد علی، سید زاہد علی اور سید وقار علی۔

بیٹیوں کے نام:

سیدہ عائشہ اور سیدہ سیما۔

• سید نصیر علی بن سید محبت علی کے پانچ بیٹے ہیں: سید فیضان علی، سید رضوان راجو علی، سید عنان شاکر علی، سید ناصر علی، سید سلمان ذاکر علی اور ایک بیٹی: سیدہ ناصیرا۔

• سید شباب علی بن سید محبت علی کا ایک بیٹا ہے: سید سجاد علی اور پانچ بیٹیاں ہیں: سیدہ حنا، سیدہ ثنا، سیدہ بشری، سیدہ حمنا، سیدہ -

• سید نیاز علی بن سید محبت علی کی تین بیٹیاں ہیں خاندان کراچی میں آباد ہے۔

• سید جاوید علی بن سید محبت علی کے تین بیٹے اور ایک بیٹی ہیں بیٹے سید وجاہت علی نقوی، سید حاشر علی نقوی اور سید حارس علی نقوی ہیں یہ خاندان کراچی میں آباد ہے۔

• سید اعجاز علی بن سید محبت علی: عقیدے پر مضبوطی سے قائم ہیں ساگی کی زندگی بسر کر رہے ہیں، آپ کی چار بیٹیاں اور تین بیٹے ہیں سید اسامہ علی نقوی، سید علی نقوی اور سید عرفان علی نقوی ان میں سے ایک بیٹے، سید علی، کو آپ نے اپنی بہن کو گود دے دیا تھا، جن کے شوہر بھی سادات کے ایک معزز گھرانے سے تعلق رکھتے ہیں -

• سید امید علی بن سید محبت علی: سب سے بڑے بیٹے والد کے انتقال کے بعد، ہندوستان سے آئے ہوئے ایک صوفی وفد نے انہیں روحانی گدی سنبھالنے کی پیشکش کی، مگر انہوں نے انکار کر دیا انہوں نے باوقار زندگی بسر کی اور تصوف کی تعلیمات پر عمل پیرا رہے ان کا خاندان پانچ بیٹے اور پانچ بیٹیوں پر مشتمل ہے۔

بیٹیاں:

سیدہ فریدہ، سیدہ فرحت، سیدہ شعبم، سیدہ کوثر اور سیدہ ندا ان میں سے سیدہ فرحت کے شوہر بھی نقوی بخاری سادات میں سے ہیں سید عرفان علی نقوی البخاری جو یہ ظاہر کرتا ہے کہ سید امیر علی کے بھائیوں یا چچاؤں میں سے ایک ہی نسب ہے تاہم یہ بات یاد رہے کہ یہ عرفان بن سید اعجاز علی نہیں ہیں، بلکہ ان کا شجرۂ نسب اوپر کی کئی نسلوں میں جا کر ملتا ہے، جن کا شجرۂ نسب حضرت سید جلال الدین سرخ پوش بخاری رحمۃ اللہ علیہ تک پہنچتا ہے۔ یوں ان کی اولاد دو طرفہ نقوی بخاری سادات میں شمار ہوتی ہے ان کی اولاد میں صرف تین بیٹیاں ہیں۔

بیٹے:

سید قدیر علی نقوی، سید امیر علی نقوی، سید ماجد علی نقوی، سید ساجد علی نقوی، سید ذہیب علی نقوی

• سید قدیر علی کراچی میں آباد ہیں اور آپ کے چار بیٹے ہوئے: سید شاہ زب علی نقوی، حافظ سید شاہ زین علی نقوی، سید شارق علی نقوی اور سید یوشع علی نقوی جن میں سے سب سے چھوٹا، سید یوشع علی نقوی، پیدائش کے وقت ہی وفات پا گیا تھا۔

• سید امیر علی نقوی حیدرآباد میں آباد ہیں ان کے تین بیٹے اور تین بیٹیاں ہیں بیٹوں کے نام سید حسنین علی نقوی، سید حسن علی نقوی اور سید حسان علی نقوی ہیں، جبکہ بیٹیوں کے نام سیدہ ایمین، سیدہ النعمۃ اور سیدہ انابہ ہیں۔

• سید ماجد علی کراچی میں آباد ہیں آپ کے تین بیٹے ہوئے: سید رافع علی نقوی، سید مصطفیٰ علی نقوی، سید حمزہ علی نقوی۔

• ان کے خاندان کے افراد آج بھی اپنے آبائی عقائد پر قائم ہیں۔

سید ساجد علی نقوی بن سید امید علی کے مطابق، جب حیدرآباد میں مقیم دیگر خاندانوں سے حکیم سید فرخ حسین کے بارے میں دیگر سادات حکیموں اور ان کی نسلوں سے رابطے کیے گئے تو یہ معلوم ہوا کہ سید عرفان علی نقوی بخاری اوپر ایک ہی نسب سے ہیں سید امیر علی کے بھائیوں یا چچاؤں میں سے ایک ہی نسب ہے۔ حکیم سادات خاندان نے یہ بھی بتایا کہ ان کی والدہ بھی یہ بات اچھی طرح جانتی تھیں اور سید امید علی بھی جانتے تھے کہ یہ رشتہ داروں میں سے ہیں اور ایک ہی نسب سے تعلق رکھتے ہیں۔

یہ بھی واضح کیا گیا کہ سید عرفان علی نقوی کے بڑے بھائی، سید محسن علی نقوی البخاری بھی اس بات کو اچھی طرح جانتے تھے اور سید محبت علی کے گھر ان سب گھر والوں کا کافی آنا جانا تھا سید قدیر علی بن سید امید علی کے مطابق، انھیں ان کا آنا جانا اچھی طرح یاد ہے کہ وہ ہمارے اور دادا کے گھر آتے تھے وہ 1985 کا ایک واقعہ بھی بیان کرتے ہیں کہ جب ان کے والد اور سید محسن علی نقوی بخاری بھی ساتھ تھے تو سید امید علی اور یہ خاندان اکثر یہی کہا کرتے تھے کہ ہم ایک ہی خاندان اور نسل سے ہیں۔

یہ بات بالکل درست تھی کہ اس خاندان کا گہرا تعلق تھا سید محبت علی کی اولاد کا کہنا تھا کہ ہم انھیں شروع سے ہی جانتے تھے، یہ بھی ہمارے ساتھ ہی آگرہ سے آئے تھے اسی رشتہ داری اور تعلق کے باعث سید امید علی نے اپنی بیٹی کی شادی 1996 میں سید عرفان علی نقوی سے کر دی۔

جبکہ خود سید عرفان علی نقوی بخاری کا کہنا تھا کہ ہماری والدہ نے کافی پریشانی کے وقت میں تقیہ اختیار کیا اور وہ شادی سے کچھ عرصہ پہلے کا معلوم ہوتا ہے جو انھیں بخوبی یاد ہے، جس میں سید محبت علی، سید حفیظ علی اور سید شریف رضوی کے ساتھ آئے بیشتر خاندانوں نے یہ ساتھ ہی کیا تھا معلوم یہ ہوتا ہے کہ یہ سب ایک دوسرے کے بہت قریبی نسب سے ہیں، کیونکہ یوں محسوس ہوتا ہے جیسے یہ سید عرفان علی نقوی بخاری والے شکل و صورت، عادات اور جسمانی معاملات میں ایسے ظاہر ہوتے ہیں جیسے یہ سب بھائی سید محبت علی کی نسل کے سگے بھائی ہوں۔

1) سید محسن علی نقوی البخاری 2) سید نوشاد علی نقوی البخاری 3) سید قمر علی نقوی البخاری 4) سید مظہر علی نقوی البخاری 5) سید عرفان علی نقوی البخاری 6) سید علی نقوی البخاری

ان سب نے ابتدا میں جوتوں کے کام کو ہی بطور کارخانہ ذریعہ معاش بنایا، بعد میں اپنی تعلیم اور ہنر کے مطابق الگ الگ شعبوں کا انتخاب کیا۔

contentReference[oaicite:0]{index=0}:

## سید اُمید علی ایک غیر مکمل مگر انمول داستانِ حیات

اس کتاب میں درج اکثر روایات، خصوصاً وہ جو طویل اور تفصیلی نوعیت کی ہیں، زیادہ تر سید اُمید علی سے منقول ہیں ان روایات کی تصدیق آپ کے دیگر بہن بھائیوں اولاد اور نسل کی جانب سے بھی ہوئی ہے اور آپ کے اہل محلہ، آپ کے کارخانے کے اہل محلہ، آپ کے والد سید محبت علی کے اہل محلہ، آپ کے دوست احباب اور وہ تمام رشتہ دار خصوصاً پکا قلعہ، مولا علی قدم گاہ اور ہرآباد کے رہنے والے اس تصدیق میں بالخصوص شامل ہیں کیونکہ آپ نے اپنی زندگی میں خاندان کے دونوں طرف کے فقہی، سماجی اور نسبی پہلوؤں کو براہ راست دیکھا اور پرکھا تھا آپ کی حیات کا ایک نمایاں پہلو یہ بھی ہے کہ آپ اور آپ کی اولاد اور آپ کے بھائی بیس 10 تک ہندوستان کے بار بار سفر پر جاتے رہے ان سب میں سب سے زیادہ سفر اور رابطے خود آپ کے ہی رہے وہاں موجود عزیز و اقارب سے آپ کے تعلقات یہاں کے عزیزوں کی طرح ہی گہرے اور مستحکم تھے۔

## کتاب کی نامکملی: ایک اجتماعی نقصان

افسوسناک حقیقت یہ ہے کہ یہ کتاب آپ کی زندگی میں مکمل نہ ہو سکی اگر یہ تحریر مکمل ہو جاتی تو آج اس خاندان کو تاریخ کے حوالے سے کوئی الجھن یا تضاد باقی نہ رہتا یہ کتاب صرف ایک جلد پر مشتمل نہ ہوتی، بلکہ یہ عظیم ذخیرہ بن جاتی لیکن آپ کی زندگی مسلسل ایسے سخت حالات سے گزری کہ آپ کو اپنے علم، مشاہدات اور نسبی خزانے کو قلمبند کرنے کا وقت، ماحول اور سہولت ہی نہ ملی۔

## ہجرت، غربت اور ذمہ داریوں کا بوجھ

آپ نے بچپن ہی میں ہجرت کا صدمہ اٹھایا، اپنے خاندان کے ساتھ در بدر کی زندگی گزاری، جوانی غربت میں دیکھی اور پھر جیسے ہی حالات نے سنبھلنے کا موقع دیا، آپ نے اپنی توجہ مکمل طور پر ذریعہ معاش اور خاندانی کفالت پر مرکوز کر دی آپ نے کاروبار کی طرف قدم بڑھایا اور آپ کے والد سید محبت علی کا انتقال ہو گیا نتیجتاً آپ ہی کو پورے خاندان، اپنے بہن بھائیوں اور اپنی اولاد کا سب سے بڑا سہارا بننا پڑا۔

## پکا قلعہ کا قضیہ بیس سال کی قانونی جنگ

اسی اثنا میں ایک اور بڑا مسئلہ سامنے آگیا آپ کے والد سید محبت علی کی جائداد میں شامل ایک اہم حصہ پکا قلعہ، واقع جوتے سازی کا کارخانہ جو تمام کارخانوں کا مرکز بن چکا تھا، اُس پر آپ کے تایا زاد بھائی نے دعویٰ کر دیا کہ یہ سید حفیظ علی کی ملکیت ہے جبکہ حقیقت میں یہ جائداد آپ کے والد سید محبت علی کی تھی اور ان کی اولاد ہی اس کی جائز وارث تھی خاندان میں سب سے بڑے اور سمجھ دار ہونے کی حیثیت سے یہ مقدمہ آپ، سید امید علی، نے لڑا یہ مقدمہ آپ کی زندگی کے بیس سال نگل گیا ان بیس برسوں میں آپ کا وقت عدالتوں اور کاغذی کارروائیوں میں گزرتا رہا کئی کئی دن اور راتیں عدالت میں گزارنا پر پنی تھیں بعض اوقات آپ کئی دن تک گھر بھی نہیں آ پاتے تھے یقیناً یہ بات قابلِ غور ہے کہ ایک طرف بچا زاد اور تایا زاد بھائیوں کے درمیان ایک مقدمہ عدالت میں زیرِ سماعت تھا اور دوسری طرف سادات خاندان کی پرانی روایات اور تربیت اپنی جگہ قائم تھیں خاص طور پر رات کا کھانا سب افراد ایک ہی دسترخوان پر اکٹھے بیٹھ کر کھاتے تھے ایک بار ایسا ہوا کہ سید قمر علی کسی رنجش کے باعث کھانے پر نہ آئے، تو سید امید علی خود جا کر انھیں مناکر لانے اور پھر سب نے مل کر کھانا کھلایا یہ واقعہ اس بات کا مظہر ہے کہ گزشتہ ادوار میں سادات گھرانوں میں اتحاد، رواداری اور بھائی چارے کی فضا آج کے دور کی نسبت کہیں زیادہ مضبوط اور موثر ہوا کرتی تھی۔

## خاندان کی محنت اور تعلیمی خلا

اسی دوران، غربت کا ماحول بھی قائم رہا آپ کے بھائیوں نے اپنی اپنی گھریلو ذمہ داریاں سنبھالیں آپ کے بڑے بیٹے سید قدیر علی نے بھی اپنے کنبے کی ذمہ داری اٹھائی دوسرے بیٹے سید امیر علی بھائی کے شانہ بشان رہے بچاؤں کے مشورے پر عمل کرتے، محنت کرتے، آپ کے مقدمے کے لیے مالی معاونت فراہم کرتے، گھر بھی چلاتے اور کارخانہ بھی دوبارہ شروع کیا جیسے ہی خاندان نے ترقی کی طرف قدم بڑھایا، تعلیم کو نظر انداز کر دیا گیا اگرچہ آپ کچھ تعلیم یافتہ تھے اور آپ کے بھائی سید نیاز علی نے ماسٹرز کیا اور ایک سرکاری ملازمت اختیار کی، سید قمر علی کی اولاد بھی پڑھی لکھی لیکن آپ اور آپ کے بھائیوں کی اگلی نسلیں تعلیم سے محروم رہ گئیں یہی تعلیمی خلا نسب اور تاریخ کے تحریری کام میں سب سے بڑی رکاوٹ بنا۔

آپ نے آخر کار وہ مقدمہ جیت لیا، آپ کے بہن بھائیوں نے یہ کہا تھا کہ بھائی، آپ یہ مقدمہ خود لڑ لیں اگر آپ کامیاب ہو جاتے ہیں تو یہ جائداد آپ ہی کی ہوگی ہم اس سلسلے میں کسی قسم کی مالی معاونت نہیں کر سکتے، اس لیے تمام اخراجات اور ذمہ داری آپ خود برداشت کریں اور جائداد اپنے پاس رکھیں، لیکن اس وقت تک آپ کے بیس سال گزر چکے تھے اور آپ کی نسلیں شادی کے مرحلے میں داخل ہو چکی تھیں جب عدالت، گھر، کارخانہ اور دیگر ذمہ داریوں سے کچھ فراغت ملی، تو اولاد کی شادیاں، نئی زندگی کے مسائل اور معاشرتی الجھنیں آپ کی زندگی میں آ گئیں گھر اور کاروبار ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہوا اور تعلیم کی کمی نے وہ سب کچھ ممکن کر دیا جس سے بچنا ضروری تھا ان سب حالات کی وجہ سے خاندان کا دھیان نسب، علم اور تاریخ سے ہٹ گیا۔

اسی دوران آپ اپنی سب سے چھوٹی جوان بیٹی سیدہ ندا کے انتقال کے صدمے سے دوچار ہوئے اس کے بعد آپ نے اپنا بڑھاپا دنیاوی مسائل اور گھریلو الجھنوں میں گزارا پھر ایک حادثے میں آپ کی کولے کی ہڈی ٹوٹ گئی، آپ کا آپریشن ہوا، تھوڑا بہتر ہوئے، لیکن پھر دوبارہ بیمار ہوئے اور رضائے الہی سے انتقال فرما گئے تین سال بعد آپ کی اہلیہ کا انتقال ہوا۔

## آپ کی علمی دولت ضائع ہو گئی

کسی کو بھی آپ سے تفصیلی، مسلسل اور آرام دہ گفتگو کا موقع نہ مل سکا حتیٰ کہ آپ کی اپنی اولاد کو بھی نہیں اس کی ایک بڑی وجہ آپ کی سخت طبیعت اور غصے کا غیر معمولی انداز تھا آپ کے سامنے آپ کے بہن بھائی، بیوی اور بچے تک یہ ہمت نہیں کرتے تھے کہ آپ کے کسی جملے کے بعد دوسرا سوال یا بات کر سکیں آپ کی زندگی نے آپ کو مہلت نہ دی اور نہ ایسا ماحول ملا کہ آپ وہ علم اور نسبی خزانہ جو آپ کے پاس تھا، اسے قلمبند کر سکتے ایک اور اہم رکاوٹ فقہی تناؤ بھی تھا یعنی شیعہ سنی شناخت کے حساس معاملات کیونکہ خاندان میں سب مل جل کر رہتے تھے، حتیٰ کہ کھانے بھی اکٹھے ہوتے تھے، لہذا کوئی ایسا تحریری کام جو کسی فرقے کو ناراض کرے، ممکن نہ تھا۔



## فقہی شناخت اور خاموشی

آپ نے اپنے اور والد اور تایا کے آبائی فقہ کو بڑی حد تک چھپانے کی کوشش کی آپ نہیں چاہتے تھے کہ آپ کی اولاد یا آپ کے بھائیوں کی نسل کو اس تبدیلی کا علم ہو آپ نے اپنی بریلوی سنی شناخت کو قائم کرنے کی غرض سے تاریخی تحریر کو روک دیا اگر کسی نے بہت اصرار کیا تو آپ بتا بھی دیتے تھے، لیکن یوں کہہ کر یہ سب پہلے ہمارے یہاں ہوتا تھا، پھر شیعوں نے شروع کر دیا، ہم نے چھوڑ دیا، اگر آپ نے تاریخ پر قلم اٹھایا ہوتا تو آپ کو ایک ماہرِ انساب تسلیم کیا جاتا آپ کے بعد خاندان میں اس علم کی محض ایک جھلک آپ کے بھائی سید نیاز علی میں پائی گئی، تاہم سید نیاز علی کی تعلیم تصوف کے زیر اثر آ گئی، جس کے باعث وہ علمِ انساب میں پوری طرح تسلسل قائم نہ رکھ سکے بعد ازاں سید امید علی کے پوتے، سید شاہ زنب علی نے اعلیٰ درجے کا علم حاصل کیا اور اپنے دادا، پردادا اور دیگر اجداد کی رولیت کے مطابق انسابِ سادات کے علم میں گہری مہارت حاصل کی تاہم جو تاریخی و علمی سرمایہ سید امید علی کے ذہن میں محفوظ تھا، وہ مکمل طور پر منتقل نہ ہو سکا اور بالآخر سید امید علی کا انتقال ہو گیا اسی بنا پر انساب و تاریخ کے معاملے میں سید امید علی کے پوتے سید شاہ زنب علی ماہرِ الانساب سادات ہیں اور ان کے علم کو فیصلہ کن اہمیت دی جاتی ہے اور اب کسی بھی فرقہ کی بجائے سید شاہ زنب علی ہی کو مستند اور قابلِ اعتماد تسلیم کیا جاتا ہے اور صرف یہی نہیں بلکہ وہ واحد فرد ثابت ہوا جس نے نہ صرف اپنے نسب اور خاندانی تاریخ پر عبور حاصل کیا بلکہ ساداتِ نقوی کے نسب پر، دیگر سادات کے شجرہ جات اور اسلامی تاریخ کے تمام فرقوں کے ساتھ ساتھ خلافت و امامت، اہلبیت، آئمہ طاہرین، خلافتِ عباسیہ، خلافتِ اُمیہ تاریخی و نسبی پہلو پر غیر معمولی عبور حاصل ہے وہ کثیر تعداد میں سادات کے کتب، شجرہ جات اور نسبی دستاویزات کا مطالعہ کر چکے ہیں اور نسب و تاریخ ان کا ایک تحقیقی شوق بن چکا ہے۔

## مکمل نسل کی موجودہ صورت حال

سید محبت علی اور سید حفیظ علی کی نسل زیادہ تر حیدرآباد پکا قلعہ اور کراچی میں آباد ہے کراچی میں بسنے والے خاندان کے زیادہ تر افراد مختلف علاقوں میں پھیلے ہوئے ہیں یہ خاندان ہمیشہ سے عقیدے پر مضبوطی سے قائم رہا ہے چاہے اہل بیت کے مقام و درجات میں کمی کرنے والے کسی بھی عقیدے سے کبھی کوئی تعلق نہیں رہا، نہ فکری طور پر، نہ عملی طور پر خاندان کے کچھ افراد آج بھی پوتوں کے کاروبار سے وابستہ ہیں، جو ان کی روایتی صنعت رہی ہے، جبکہ نئی نسل جدید تعلیم کے ساتھ آئی ٹی کے شعبے، مارکیٹنگ، امپورٹ ایکسپورٹ، ای کامرس اور دفتری امور جیسے شعبوں میں مہارت حاصل کر کے خدمات انجام دے رہی ہے جب کہ وہ دینی حلقوں سے وابستگی بھی برقرار رکھے ہوئے ہیں اور اپنے اپنے مکتب فکر سے فکری و عملی تعلق رکھتے ہیں۔

## خاندان کی عزاداری کی روایات

### شیعہ خاتون اور سید محبت علی کے پوتوں کے ساتھ پیش آیا واقعہ

یہ واقعہ اس وقت پیش آیا جب سید محبت علی کے پوتے اپنے پکا قلعہ کے ایک پڑوسی کی خاتون کے ساتھ پنجاب گئے، جو سیدہ اثنا عشری عقیدے سے تعلق رکھتی تھیں یہ خاتون ہندوستان سے ہجرت کر کے پاکستان آئی تھیں اور سید محبت علی اور سید حفیظ علی کے خاندان کے ساتھ ہی ہجرت کر کے آئی تھیں اور اسی خاندان کی سرپرستی میں شامل رہیں جب وہ خاتون اپنی بیٹی کے لیے رشتہ دیکھنے پنجاب گئی تھیں، تو انھوں نے سید محبت علی کے پوتوں کو بھی ساتھ لے لیا تھا، کیونکہ ان کے خاندان کے ساتھ تعلقات بہت اچھے رہے تھے جب بیٹی کے لیے رشتے کی بات چلی، تو انھوں نے سامنے والوں سے یہ کہا: میری بیٹی کے لیے رشتوں کی کمی نہیں ہے یہ بچے بھی موجود ہیں، مگر میں نے ان بچوں (سید محبت علی کے پوتوں) کے بارے میں صرف اس لیے نہیں سوچا کہ ہم میں اور ان میں ایک چھوٹا سا فرق ہے ہم پیٹیو ہیں اور یہ بنا پیٹیو ہیں ان میں اور ہم میں کوئی فرق نہیں اس کے ہم پیٹیو ہیں اور یہ بنا پیٹیو ہیں

اس کا مطلب یہ تھا کہ وہ خاتون اور ان کا خاندان مکمل شیعہ عقائد پر تھے، ان کے میاں ماتم بھی ہوتا تھا، جبکہ سید محبت علی کے گھر میں یہ رواج نہیں تھا سید محبت علی اور سید حفیظ علی کا خاندان بھی ان عقائد سے وابستہ تھا، مگر انھوں نے ماتم نہ کرنے کا طریقہ اختیار کیا تھا اور بعد میں ایک حصہ تصوف و بریلوی مکتب کا حصہ بن گیا یہ خاتون اس خاندان سے تعلق رکھتی تھیں جو ہندوستان میں اس سید خاندان سے واقف رہا اور ہجرت کے بعد بھی ایک ہی گلی میں آباد ہوا وہ لوگ جو عزاداری، نوحہ، مرثیہ اور مجلس کرتے ہیں مگر ماتم، قمہ زنی، زنجیر زنی، قمیضیں اُتار کر ماتم کرنا، آگ پر ماتم یا اپنے جسم کو کسی بھی طرح کی تکلیف پہنچانا نہیں کرتے یہ بالکل ایسے ہی ہے جیسے کوئی جو ولایتِ فقیہ کے عقائد پر قائل اور پابند ہو کیونکہ اس نظام کے آنے سے پہلے بھی بہت سے ایسے سادات خاندان موجود تھے جو اس طرح کی غیر روایتی عزاداری جو حرمت کے درجے تک چلی جائے کو قبول نہیں کرتے تھے اور اسی موقف کی تائید آیت اللہ نے بھی کی ہے اس واقعے سے معلوم ہوا کہ سید محبت علی کے خاندان میں عزاداری مکمل طور پر موجود تھی، یہاں تک کہ نوحہ خوانی اور مجلسیں بھی قائم تھیں مگر ماتم نہیں ہوتا تھا جب کے پاکستان میں آکر سید محبت علی اور سید حفیظ علی نے خود تصوف سے تعلق قائم کیا، پکا قلعہ میں سلسلہ قادریہ سے بیعت تھے۔

یہ بات سید محبت علی کے بیٹے سید امید علی نے بھی کی کہ ہمارے خاندان میں علم چڑھایا جاتا اٹھایا جاتا، عزاداری، نوحہ، تعزیر داری، جلوس اور مجلسیں ہوتی تھیں، خصوصی طور پر مجالسِ نوحہ خوانی کے لیے خاص اہتمام کیا جاتا تھا مگر بعد میں یہ سب آہستہ آہستہ کم ہو گیا۔ جبکہ آج بھی کالوے اور امام ضامن وغیرہ باندھے جاتے ہیں حالانکہ ان میں سے کئی رسومات کا تعلق ایسی عزاداری سے ہے جو موجودہ نسل میں اب بھی قائم و دائم ہے دونوں میں۔

## خاندان کی عزاداری کی دیگر روایات

اکثر گھرانوں میں مجالس اور نوحہ خوانی کا اہتمام کیا جاتا ہے، جبکہ چودہ معصومیں کے تمام ایام ولادت و شہادت پر نذر و نیاز کا خصوصی انتظام ہوتا ہے محرم اور چہلم پر نذر و نیاز کا اہتمام ہوتا ہے کندیلی (9 محرم کی رات مخصوص نذر کا اہتمام) کیا جاتا ہے مٹھائی تقسیم کی جاتی ہے، جو مخصوص طور پر مرد حضرات کے لیے مختص ہے کھورم بھرنا

ایک روایتی نذر تھی، جسے خاندان کے بڑے افراد تقسیم کرتے ہیں جب کہ خاندان میں اس کو شہدائے کربلا کی نیاز بھی بتائی گئی۔

## موجودہ نسل اور بارہ امامی عقیدہ

یہ ہمیشہ سے واضح رہا ہے کہ خاندان امامیہ عقیدے پر مضبوطی سے قائم رہا خواہ افراد کا رجحان صوفی ہو یا وہ امامی شناخت رکھتے ہوں، سب نے بلا اختلاف بارہ اماموں کو ہی اپنے حقیقی امام تسلیم کیا ہے آج کی نسل بھی اسی عقیدے پر گامزن ہے۔

## محرم کی رات گنبدلیاں بھرنے کی روایت سادات گھرانوں کی عزاداری کا ایک منفرد پہلو

سادات خاندانوں میں عزاداری محض ایک مذہبی رسم نہیں بلکہ ایک روحانی، تاریخی اور ثقافتی عمل ہے جو نسل در نسل منتقل ہوتا آیا ہے عزاداری کی یہ روایات مختلف علاقوں، خاندانوں اور ان کے مخصوص عزاداری کے طریقوں کے مطابق ڈھلتی رہیں لکھنؤ، حیدرآباد (دکن)، ایران، عراق اور برصغیر کے دیگر علاقوں میں سادات گھرانے محرم کی رسومات کو اپنے مخصوص انداز میں مناتے آئے ہیں ان رسومات میں ایک منفرد اور کم معروف رولیت گنبدلی بھرنے کی بھی ہے، جو خاص طور پر 9 محرم کی رات ادا کی جاتی ہے اور 10 محرم کو اس کا اختتام ہوتا ہے دس محرم کی رات مجلس شامِ غریباں، پہلے یکم محرم سے لے کر 13 محرم تک گھروں کے چولے نہیں جلتے تھے، لیکن سید امید علی نے اس رولیت کو 9 سے 13 محرم تک محدود کر دیا وقت کے ساتھ ساتھ یہ رولیت مزید مختصر ہو کر صرف 9 اور 10 محرم تک رہ گئی۔

یہ عمل آج بھی اس نسل میں جاری ہے، جبکہ کسی زمانے میں حلوے اور دیگر میٹھی اشیاء کا استعمال ہوتا تھا، مگر پچھلے کافی سالوں سے خُرمے استعمال اس کا طریقہ یہ ہے کہ ہر مرد کے حصے میں ایک خُرماتا ہے اور سید امید علی نے ہمیشہ اپنے گھر میں اس پر بہت زور دیا اور اسے برقرار رکھا یہ رولیت خاص طور پر اولادِ امام موسیٰ کاظمؑ کے خاندانوں میں مشہور ہے، جنہوں نے نسل در نسل اپنے عقائد، عبادات اور عزاداری کے مخصوص انداز کو محفوظ رکھا رولیت کے مطابق، 9 محرم کی رات کو ہر گھر کے مرد افراد کے لیے مخصوص مقدار میں مٹھائی یا نیاز تیار کی جاتی ہے، جو برتنوں یا تھال میں رکھی جاتی ہے اور اسے گنبدلی بھرنے کا جاتا ہے اس عمل کے تحت، ہر فرد کے لیے ایک علاحدہ حصہ مخصوص کیا جاتا ہے، جو 10 محرم کو کھایا جاتا ہے۔

یہ رسم عزاداری کے ایک منفرد انداز میں کربلا کی صعوبتوں، قربانیوں اور امام حسینؑ اور ان کے جانثاروں کی آخری رات کو یاد کرنے کے لیے ادا کی جاتی ہے تاریخی طور پر، اس رولیت کو امام حسینؑ اور ان کے اصحاب کی 9 محرم کی رات کی حالت سے جوڑا جاتا ہے، جیسا کہ ابو مخنف کی مقتل الحسین اور شیخ عباس قمی کی نفس المہموم میں مذکور ہے ان روایات کے مطابق، 9 محرم کی شام امام حسینؑ نے اپنے اصحاب کو اکٹھا کر کے ان کے لیے دعا کی اور انہیں آخری رات عبادت میں گزارنے کی تلقین کی اس رات، امام حسینؑ اور ان کے ساتھیوں نے اپنے پاس موجود قلیل مقدار میں غذا کو اکٹھا کیا، کیونکہ صبح عاشورہ کے دن انہیں میدانِ کربلا میں دشمن کا سامنا کرنا تھا۔

یہ رولیت برصغیر میں سادات خاندانوں میں ایک نسلی ورثے کے طور پر جاری رہی اور وقت کے ساتھ گنبدلی بھرنے کی شکل اختیار کر گئی کئی تاریخی حوالہ جات اس رسم کے مختلف علاقوں میں موجود ہونے کی تصدیق کرتے ہیں شاہ عبد العزیز محدث دہلوی اپنی کتاب تاریخ کربلا میں لکھتے ہیں کہ امام موسیٰ کاظمؑ کی اولاد کے خاندانوں میں عزاداری کے مختلف روایتی طریقے موجود ہیں، جو لکھنؤ، حیدرآباد (دکن)، ایران اور عراق میں عام ہیں اسی طرح، ڈاکٹر کلب صادق اپنی کتاب عزاداری کا تاریخی پس منظر میں بیان کرتے ہیں کہ سادات میں عزاداری کے بہت سے روایتی اعمال نسل در نسل منتقل ہوتے رہے ہیں، جن میں 9 محرم کی رات کا یہ مخصوص عمل بھی شامل ہے۔

مزید برآں، شجرۂ نسب (دائرۃ النسب، حیدرآباد) میں لکھا گیا ہے کہ لکھنؤ اور حیدرآباد کے بہت سے سادات خاندان، جو خود کو اولادِ امام موسیٰ کاظمؑ سے بتاتے ہیں، ان میں 9 محرم کی رات کا یہ عمل نسل در نسل چلا آ رہا ہے ان حوالہ جات سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ گنبدلی بھرنے کی رولیت کسی ایک امام سے براہ راست منسوب نہیں، بلکہ سادات کے خاندانی عزاداری کے طریقوں میں شامل ہے، خاص طور پر وہ خاندان جو امام موسیٰ کاظمؑ اور بعد کے ائمہ کی نسل سے تعلق رکھتے ہیں۔

یہ رولیت بنیادی طور پر محرم کے مخصوص نذر و نیاز کے طور پر دیکھی جاتی ہے گنبدلی بھرنے میں استعمال ہونے والی اشیاء میں مختلف قسم کی میٹھائیاں، جیسے برفی، گلاب جامن، لڈو، حلوہ، کبیر یا سویاں شامل ہوتی ہیں، جو مخصوص نیت کے ساتھ تیار کی جاتی ہیں 9 محرم کی رات اس مٹھائی کو ایک بڑے برتن یا تھال میں رکھتے ہیں اور ہر گھر کے مرد فرد کے لیے علاحدہ حصہ مقرر کیا جاتا ہے 10 محرم کو یہ مخصوص غذا کھائی جاتی ہے، جس کا مقصد امام حسینؑ اور ان کے ساتھیوں کے صبر و قربانی کو یاد کرنا اور اپنی عقیدت کا اظہار کرنا ہوتا ہے۔

یہ رولیت زیادہ تر لکھنؤ، حیدرآباد (دکن)، آگرہ، فیروز آباد، لاہور، ملتان، کراچی اور دیگر سادات خاندانوں والے علاقوں میں آج بھی جاری ہے یہ محض ایک کھانے یا نیاز کی رولیت نہیں، بلکہ خاندانی اور روحانی وابستگی کا ایک ذریعہ بھی ہے یہ تصور ممکنہ طور پر کربلا کے شہداء کے ساتھ یثبختی کے اظہار کے طور پر اپنایا گیا ہے، کیونکہ عاشورہ کے دن صرف امام حسینؑ اور ان کے مرد ساتھیوں نے میدانِ جنگ میں جان دی۔

گنبدلی بھرنے کی رولیت میں ایک اور پہلو یہ بھی شامل ہے کہ بعض خاندانوں میں یہ عمل نذر کے طور پر بھی انجام دیا جاتا ہے یعنی اگر کسی کی حاجت پوری ہو، تو وہ 9 محرم کو گنبدلی بھرنے کی نیت کرتا ہے اور عاشورہ کے دن اسے مکمل کرتا ہے یہ طریقہ زیادہ تر خاندانی عزاداری کے ذاتی اور روحانی معاملات سے جڑا ہوتا ہے اور ہر خاندان میں اس کی مخصوص روایات ہو سکتی ہیں۔



## نتیجہ

کنڈیلی بھرنے کی رسم عزاداری کی ایک منفرد شکل ہے، جو خاص طور پر سادات خاندانوں میں نسل در نسل منتقل ہوئی ہے یہ روایت براہ راست کسی حدیث یا فقہی حکم سے ثابت نہیں، لیکن تاریخی اور ثقافتی لحاظ سے مستند ہے یہ نیاز کرلا کے واقعے کی علامتی یادگار کے طور پر ادا کی جاتی ہے، بنیادی مقصد کرلا کی قربانیوں کی یاد تازہ کرنا، عقیدت اور محبت کا اظہار کرنا اور اپنے خاندانی عقائد کو آگے بڑھانا ہے۔: contentReference[oaicite:0]{index=0}

## خاندان کے سنی یا شیعہ اثنا عشری ہونے کے شواہد

تاریخ میں کئی ایسے نکات موجود ہیں جو خاندان کے عقیدے کے دونوں پہلوؤں کو واضح کرتے ہیں کچھ شواہد خاندان کے سنی پس منظر کی نشان دہی کرتے ہیں، جبکہ کچھ مضبوط دلائل اس کے شیعہ اثنا عشری ہونے کو ثابت کرتے ہیں یہ بات ہجرت پاکستان سے کچھلے وقت کے بارے میں ہے جبکہ موجودہ نسل میں اہل تشیع اور اہل تصوف، دونوں ہی فکر موجود ہیں۔

## وہ نکات جو خاندان کے سنی ہونے کا عندیہ دیتے ہیں

## صوفی سلاسل سے وابستگی

خاندان کے معروف بزرگ سید شاکر علیؒ نے سلسلہ کو اپنایا اور صوفی ازم کے اصولوں کو عام کیا چونکہ جلالیہ اور چشتیہ سلسلہ سنی صوفیا سے منسلک رہا ہے، اس لیے یہ نکتہ خاندان کے سنی پس منظر کو ظاہر کر سکتا ہے اس وقت بھی نماز کے طریقوں میں لوگوں کے درمیان اختلاف موجود تھا کچھ افراد حنفی فقہ کے مطابق ہاتھ باندھ کر بغیر رفع یدین کے نماز پڑھتے تھے، جبکہ کچھ مالکی اور جعفری فقہ کے پیروکار اہل البیڑین (ہاتھ چھوڑ کر) اور رفع یدین کے ساتھ نماز ادا کرتے تھے۔

اہل تصوف کی روایت کے مطابق آپ تین سلاسل سے خلیفہ تھے اور آپ کا تشیع صوفی سلاسل سے بھی تعلق ظاہر ہوا ہے، جیسے کہ نعمت اللہی اور ذہبیہ یا صفویوں کے باقی روحانی حلقے مگر آپ نے سلسلہ چشتیہ کو آگے بڑھایا اس کے بعد آپ کے بھی کئی مرید اور خلفا بنے، پھر ان سے آگے ان کے خلفا بننے چلے گئے بعد ازاں انہی خلفا کے مریدوں کے ایک وفد نے ہندوستان سے پاکستان آکر سید شاکر علی کی اولاد کو تلاش کیا اور سید اُمید علی کے کارخانے، پکا قلعہ، پر آکر بطور مہمان ملاقات کی یہ ایک بڑا وفد تھا اور جب انھوں نے سید اُمید علی کو اپنے جد کا خلیفہ بننے کی پیشکش کی تو آپ نے انکار کر دیا، جیسا کہ آگے بیان کیا گیا ہے۔

## درگاہی وابستگی (نظام الدین، اجمیر، امیر علی ابوالعلائی)

خاندان کے مختلف افراد جیسے سید امیر علیؒ اور ان کی نسل کے کئی افراد مختلف درگاہوں جیسے نظام الدین اولیاءؒ، امیر علی ابوالعلائیؒ، خواجہ معین الدین چشتیؒ، حضرت جلال شاہ بخاریؒ، حضرت شاہ احمد بخاریؒ سے منسلک رہے۔ یہ درگاہیں زیادہ تر صوفیوں کے زیر اثر رہی ہیں، اس لیے یہ نکتہ بھی خاندان کے سنی ہونے کا عندیہ ہے اہل تصوف سے تعلق رکھنے والوں کے اقوال کے مطابق، سید امیر علی کا وقتی طور پر اپنی بعض ریاستی ذمہ داریوں کے تحت یا اپنی حکمت سے وابستہ امور کے سلسلے میں، درگاہ اجمیر اور درگاہ نظامی سے بھی ایک اندرونی نوعیت کا تعلق رہا، جو کبھی انتظامی سطح پر اور کبھی ریاستی روابط قائم رکھنے کے لیے تھا۔

## بعض افراد کا قادری سلسلے میں مرید ہونا

زندگی کے آخری وقت میں سید محبت علیؒ اور سید حفیظ علیؒ نے سلسلہ قادریہ میں مریدی اختیار کی آپ دونوں کا شجرۂ طہارت بڑے پیر صاحب حضرت سید عبد القادر جیلانیؒ سے جا ملتا ہے، جو سید حفیظ علیؒ کو ان کی زندگی میں ہی زبانی ازبر تھا۔

## وہ نکات جو خاندان کے شیعہ اثنا عشری ہونے کو ظاہر کرتے ہیں

## نسل حضرت علیؒ اور آل محمدﷺ سے نسبت

خاندان کے بزرگ سید امیر علیؒ اور ان کی نسل کا نسب حضرت علیؒ اور اہل بیتؑ سے دسویں شیعہ و اہل بیت امام علی نقیؑ سے جا ملتا ہے تاریخی طور پر سادات خاندان اکثر شیعہ عقائد کے حامل رہے ہیں کیونکہ سادات ہی مکتبہ اہل بیت پر قائم رہنے والوں میں سے ہے، جو اس خاندان کے بھی شیعہ پس منظر کی مضبوط دلیل ہے۔

## اثنا عشری عقیدے پر نسل در نسل قائم رہنا

خاندان کے افراد جیسے سید محبت علیؒ اور سید حفیظ علیؒ کے بارے میں واضح ذکر ملتا ہے کہ انھوں نے پاکستان آمد کے بعد سلسلہ قادریہ میں بیعت کی اور مکتبہ بریلویت سے اپنا تعلق قائم کیا۔

سید محبت علی کے گھر کی گلی میں مقیم، ہجرت کے وقت ان کے ساتھ آنے والے جعفری شیعہ سادات میں سے موجودہ دور کا ایک خاندان اور اس کے افراد خاص کر کے سید محمد علی جعفری بن سید ایوب جعفری کے بقول، دونوں بھائیوں نے ہجرت کے وقت اپنا مسلک تبدیل کیا تھا اور وہ تمام شیعہ و سادات گھرانے، جن کے آبا و اجداد سید محبت علی اور سید حفیظ علی کے ساتھ ہندوستان میں مقیم تھے، نیز وہ افراد جو فیروز آباد کے رشتہ دار تھے اور ہجرت کے دوران ان کے ساتھ شامل ہوئے، سبھی اس ہجرت میں شریک تھے ان تمام افراد اور ان کے اہل خانہ، حتیٰ کہ آج ان کی نسلوں کا بھی یہی بیان ملتا ہے کہ یہ اثنا عشری تھے تاہم، بعد میں یا تو ہجرت کے وقت یا اس کے بعد، یہ دونوں بھائی تصوف سے متاثر ہوئے اور انھوں نے مکتبہ بریلوی اختیار کر لیا جبکہ خود اس خاندان کے بزرگ اس بات کو چھپاتے رہے ہیں، مگر عزاداری کی رولیت سے بات صاف ہو جاتی ہے۔

ایک اور اہم بات یہ ہے کہ ان کے ساتھ آنے والوں میں اوج شریف کی طرف جانے والے شیعہ بخاری سادات کے کچھ خاندان بھی شامل تھے، جو ہجرت کے دوران راستے ہی سے اوج شریف کی طرف روانہ ہو گئے تھے ان خاندانوں کے شجرہ نسب اور تفصیلات سے سید محبت علی بخوبی واقف تھے، مگر ان کے بعد کسی کو اس معاملے میں زیادہ دلچسپی نہ رہی، لہذا کسی نے سید محبت علی سے ان معلومات کے بارے میں جاننے کی کوشش نہ کی تاریخی شواہد سے معلوم ہوتا ہے کہ خاندان نے ہمیشہ ائمہ اہل بیت کو اپنا امام مانا اور یہ عقیدہ نسل در نسل منتقل ہوتا رہا ہے۔

## محرم، چہلم اور دیگر عزاداری کی روایات

کچھ خاندانوں میں ہمیشہ محرم، تعزیر، نوحہ خوانی اور مجالس کی رولیت موجود رہی ہے، جو مکمل طور پر شیعہ عزاداری کی علامتیں ہیں جبکہ سید امید علی کی رولیت کے مطابق، قبل ازیں یہ تمام امور، نوحہ خوانی اور مجالس عزائم ہمارے ہاں بھی برپا کی جاتی تھیں، محرم اور چہلم کی تمام تر نذر و نیاز اور 9 محرم کو مخصوص عقیدت کے ساتھ کنڈیلی اور کھورمہ بھرنے کی رولیت مخصوص نذر و نیاز کی تقسیم یہ تمام روایات خالصتاً شیعہ عزاداری سے جڑی ہوئی ہیں یہاں تک کہ خاندان میں کبھی طریقہ نیاز نہیں بدلا اور ہمیشہ سے وہ طریقہ نیاز تشیع کا رہا ہے، جبکہ بعض گھرانے جو مکتبہ بریلویت اور تصوف پر قائم ہیں، وہ زیادہ تر سلسلہ قادریہ اور سلسلہ چشتیہ کی روایات کے امین ہیں۔

## مغل سلطنت سے تعلق

مغل سلطنت کے آخری دور میں کئی سادات خاندان شیعہ عقیدے پر تھے اور سید امیر علیؒ کے خاندان کا دربار سے تعلق تھا تاریخی طور پر یہ ایک اور دلیل ہے کہ خاندان شیعہ پس منظر کی طرف ہونے کی۔

## تاریخی درگاہی وابستگی اور شیعہ عقائد

اگرچہ خاندان کے کچھ افراد صوفی سلسلوں جیسے چشتیہ اور قادریہ سے وابستہ رہے، لیکن انھوں نے ہمیشہ ائمہ اہل بیت کے عقائد کو مضبوطی سے تھامے رکھا لہذا، مجموعی طور پر یہ ثابت ہے کہ یہ خاندان ہمیشہ سے ائمہ اہل بیت کے عقائد پر تھا۔

## پنجاب کی طرف ہجرت کرنے والے سادات خاندان سے تعلق اور شناخت

### تقسیم ہند کے بعد ہجرت

سید امجد علی، سید محبت علی اور سید حفیظ علی کے خاندان نے جب پاکستان کی طرف ہجرت کی، تو ان کے ساتھ یا ان سے وابستہ کچھ دیگر سادات خاندان بھی پنجاب منتقل ہوئے یہ سادات زیادہ تر پنجاب کے مختلف شہروں میں جا بے اللہ، ان کا براہ راست خاندانی تعلق واضح نہیں تھا، بلکہ یہ تعلق روحانی، نظریاتی یا برادری کی بنیاد پر زیادہ مضبوط نظر آتا ہے۔

## پنجاب ہجرت کرنے والے ان سادات کا تعلق خاندان سے کس حد تک تھا

### دور کے رشتہ دار یا روحانی و نظریاتی وابستگی

بعض سادات دور کے رشتہ دار ہو سکتے ہیں، مگر شجرے میں براہ راست نسل کا ذکر نہیں ملتا۔

کچھ سادات محض آل محمد ﷺ اور نسل امام ہونے کی بنیاد پر روحانی اور نظریاتی قربت رکھتے تھے۔

## عزاداری اور خاندانی وراثت میں عدم شمولیت

اگرچہ ان سادات کا خاندانی برادری سے تعلق تھا، مگر خاندانی عزاداری کی روایات میں ان کی براہ راست شراکت کم نظر آتی ہے۔

یہ بھی ممکن ہے کہ وہ محض سادات برادری کے عمومی رکن تھے اور خاندان کے مخصوص تاریخی پس منظر یا وراثتی روایات میں ان کا نمایاں کردار نہیں تھا۔

## خاندانی تاریخ میں ان کا کردار

اگر ان سادات کے بارے میں مزید تفصیلات دستیاب ہوں، تو یہ خاندانی، تعلقات اور ہجرت کے پس منظر کو مزید واضح کر سکتا ہے۔

ممکنہ طور پر، یہ تحقیق خاندان کے ارتقا پر مزید روشنی ڈال سکتی ہے۔

لہذا، پنجاب میں بسنے والے ان سادات کا مطالعہ نہ صرف تاریخی حوالے سے، بلکہ عقیدے، ثقافت اور عزاداری کی روایات کے تسلسل کو سمجھنے کے لیے بھی نہایت اہم ہو سکتا ہے۔

## کھللاؤں گا خاندان کی تاریخی حویلی اور تدفین کی روایات

نسل در نسل زبانی طور پر بیان ہونے کی صورت میں ممکن ہے کہ اصل الفاظ کھللاؤں گا میں کچھ تبدیلی آگئی ہو، مگر یہ بات مستند نہیں، صرف ایک اندازہ ہے جبکہ اس نوعیت کے نام کی کسی جگہ کا انٹرنیٹ پر بھی کوئی سراغ نہیں ملتا اور یہ نام زندگی کے آخری ایام میں سید محبت علی سے منسوب رولیت کے طور پر سامنے آتا ہے بعد ازاں موجودہ نسل میں بھی ان الفاظ کو اسی صورت میں جانا اور استعمال کیا جاتا ہے بعید نہیں کہ یہ کسی اصل لفظ کی بگڑی ہوئی یا مسخ شدہ شکل ہو۔

## حویلی کھللاؤں گا ایک خاندانی ورثہ

ہندوستان، اتر پردیش میں خاندان کی ایک تاریخی حویلی تھی، یہ حویلی خاندان کی ملکیت تھی اور ایک اہم مرکز کی حیثیت رکھتی تھی وقت کے ساتھ ساتھ، اس حویلی کے کوئی واضح شواہد باقی نہیں رہے، خاص طور پر سید محبت علی کے انتقال کے بعد، جب دستاویزات چوری ہو گئیں آج کے دور میں اس جگہ کی اصل حیثیت جاننا مشکل ہے، لیکن خاندانی روایات میں یہ نام آج بھی محفوظ ہے۔

## خواتین کی تدفین کا مخصوص نظام

خواتین کی تدفین کا مخصوص نظام اس وقت کی ایک منفرد خاندانی رولیت یہ تھی کہ خواتین کی تدفین باہر کے قبرستان میں نہیں کی جاتی تھی بلکہ تمام خواتین کو اسی حویلی کے اندر دفن کیا جاتا تھا یہ انتظام حفاظتی نقطہ نظر سے کیا گیا تھا، تاکہ خاندان کی خواتین کی قبریں محفوظ رہیں یہ رولیت اس بات کو بھی ظاہر کرتی ہے کہ اس وقت خاندانی اقدار کس قدر مضبوط تھیں خاندان اپنی خواتین کی عزت و حفاظت کے لیے خاص اقدامات کرتا تھا اس وقت شادیاں خاندان کے اندر سادات میں ہی کی جاتی تھیں غیر سادات سے شادی کا رجحان نہ ہونے کے برابر تھا۔

## مردوں کی تدفین اور قبرستان

خاندان میں مردوں کی تدفین کے لیے علاحدہ قبرستان سادات کے لیے مختص تھا یہ قبرستان حویلی سے باہر ایک مخصوص جگہ پر واقع تھا، جہاں خاندان کے بزرگ اور دیگر مرد افراد دفن کیے جاتے تھے یہ رولیت خاندان کی اندرونی و بیرونی تدفینی تقسیم کو واضح کرتی ہے، جس میں خواتین کی تدفین حویلی کے اندر اور مردوں کی تدفین ایک مخصوص بیرونی قبرستان میں کی جاتی تھی۔

## خاندان میں ازواجی روایات

یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ اس وقت زیادہ تر شادیاں سادات خاندان کے اندر ہی ہوتی تھیں غیر سادات میں شادیاں کرنے کی رولیت موجود نہیں تھی خاندان میں نسل کی پاکیزگی اور سادات کے خاندانی نسب کی حفاظت کو فوقیت دی جاتی تھی تاہم اس نسل میں یہ رجحان سامنے آیا ہے کہ غیر سادات میں شادیاں کی جا رہی ہیں۔

## موجودہ صورت حال اور تحقیق کی ضرورت

کیا آج بھی کھللاؤں گا نام کی کوئی جگہ تاریخی اعتبار سے جانی جاتی ہے؟ کیا اس حویلی کے آثار آج بھی کہیں مل سکتے ہیں؟ کیا اس قبرستان کے کوئی نشانات آج بھی باقی ہیں؟ اگر خاندان میں کسی کے پاس مزید معلومات یا زبانی روایات موجود ہیں، تو یہ اس تاریخی جگہ کے بارے میں مزید روشنی ڈال سکتی ہیں۔

یہ واضح ہوتا ہے کہ کھللاؤں گا خاندان کی ایک اہم تاریخی حویلی تھی، جو نہ صرف رہائش بلکہ تدفین اور خاندانی وراثت کے لیے بھی اہمیت رکھتی تھی یہ جگہ خاندانی تاریخ کا ایک قیمتی حصہ تھی، جو آج کھو چکی ہے، مگر زبانی روایات میں زندہ ہے۔

## خاندان کے مرد حضرات کی تدفین ایک مخصوص قبرستان کی روایت

### مخصوص قبرستان صرف سادات کے لیے

خاندان کے مرد حضرات کی تدفین ایک مخصوص قبرستان میں کی جاتی تھی، جو صرف سادات خاندان کے لیے مخصوص تھا اس قبرستان میں صرف سادات خاندان کے افراد کو دفن کیا جاتا تھا اور غیر سادات کو وہاں تدفین کی اجازت نہیں تھی۔

### تاریخی شواہد اور مقامات

اس روایت کے شواہد فیروز آباد، آگرہ اور دیگر مقامات میں موجود ہیں، جہاں سادات کی اکثریت تھی یہ قبرستان صرف سادات خاندان کے لیے مخصوص تھے، مگر وقت کے ساتھ ساتھ یہ مخصوص سادات قبرستان نہیں رہے بعد میں یہ جگہیں عمومی طور پر شیعہ قبرستان بن گئیں، جہاں دیگر شیعہ افراد کی بھی تدفین ہونے لگی اب یہ قبرستان خالصتاً سادات کی بجائے عمومی شیعہ قبرستان کے طور پر پہچانے جاتے ہیں۔

### مسجد اور جنات کے اثرات

خاندان کی اس مسجد کے بارے میں ایک منفرد اور پراسرار حقیقت یہ ہے کہ یہاں جنات کا گہرا اثر تھا، جو اس وقت کے تمام مذاہب اور فرقوں کے علما و مشائخ بھی تسلیم کرتے تھے روایات کے مطابق، یہاں خاندان کے علاوہ کسی اور کو عبادت یا کسی قسم کی مداخلت کی اجازت نہیں تھی، کیونکہ جنات دوسرے افراد کو روک دیتے تھے خاندان کے ایک بزرگ، جو روحانی علوم اور ماہکلات سے گہرا تعلق رکھتے تھے، نے ایک بار جنات کو کھانے کی دعوت دی حیران کن طور پر، ایک جن کی بھوک بھی مکمل نہ مٹ سکی، جس کی وجہ سے وہ سخت ناراض ہو گئے اس کے بعد، جنات کی ناراضی اور کبھی کسی سے دوستی کے اثرات نسل در نسل خاندان کے افراد پر دیکھے گئے اور بعض کی روایات میں اس کا ذکر آج تک باقی ہے۔

### تاریخی اسرار اور دو نظریے

#### فرقہ وارانہ پہلو

کچھ کی روایات کے مطابق، شاید یہاں شیعہ سنی اختلافات کی بنیاد پر کچھ پوشیدہ معاملات موجود تھے، جس کی وجہ سے اس مسجد کی تاریخ دھندلا گئی۔ ممکن ہے کہ یہ مسجد اصل میں مکتب اہل بیت رہی ہو، مگر بعد میں سنی تصوف کے زیر اثر آگئی ہو۔

### روحانی اور غیبی قوتوں کا اثر

کچھ لوگوں کا ماننا ہے کہ یہ مسجد خالصتاً روحانی اثرات کی وجہ سے مخصوص رہی اور یہاں جنات کی موجودگی نے فرقہ وارانہ حیثیت کو غیر متعلق بنا دیا تھا یہاں خاندان کے امام اور موزن بھی رہ چکے تھے، جو روحانی طور پر اس مقام کی دیکھ بھال کرتے تھے جبکہ یہ بھی روایت ہوئی ہے کہ ان جنات نے اس نسل سے ہمیشہ بے حد محبت کی اور اس خاندان و نسل کے ساتھ ان کے لشکر ہر وقت ساتھ رہتے تھے۔

### ایک تاریخی ورثہ اور روحانی حقیقت

مسجد خاندان کے تاریخی، مذہبی اور روحانی ورثے کا ایک اہم مرکز رہی ہے یہ مسجد تصوف، عزاداری اور روحانی معاملات کا امتزاج معلوم ہوتی ہے، جس کے اثرات آج بھی خاندان کی بنانی روایات میں محفوظ ہیں۔

جنات کی موجودگی اور ان کے خاندان سے خصوصی تعلق اس مسجد کے ایک منفرد اور پراسرار پہلو کو اجاگر کرتے ہیں۔ سید محبت علی کو پاکستان ہجرت کے بعد بھی کسی نہ کسی شکل میں مالی معاونت ملتی رہی، جو یا تو وظیفہ، کرایہ یا کسی اور مالی امداد کی صورت میں تھی مگر اس رقم کا اصل ذریعہ اور اس کے پس پردہ محرکات مکمل طور پر واضح نہیں ہیں خاندان کی روایات میں اس بات کا ذکر ملتا ہے کہ یہ سلسلہ پاک و ہند کی جنگ کے دوران ختم ہو گیا یہ بھی ممکن ہے کہ یہ رقم کسی روحانی یا مذہبی معاملے سے جڑی ہو، جیسے کسی درگاہ، مسجد یا مدرسے سے دی جاتی ہو خاندان کے کئی افراد کا دینی اور روحانی معاملات سے گہرا تعلق رہا ہے، اس لیے کسی بزرگ کو کسی درگاہ، مقبرے یا مذہبی مقام کی خدمت کے عوض وظیفہ ملنا بعید نہیں۔

## خاندانِ ساداتِ نقوی کی تاریخ کا سفر

یہ واقعہ اس وقت پیش آیا جب سید محبت علی کے انتقال کے بعد ان کے گھر میں پوری کی واردات ہوئی، جس کا مقصد محض دولت نہیں بلکہ تاریخی قیمتی دستاویزات اور بزرگوں کی نشانوں کی پوری بھی تھا اس نقصان کے باعث قدیم عربی اور فارسی نسب ناموں میں سے کچھ معلومات ضائع ہو گئیں، قدیم نسبی ریکارڈ مکمل طور پر صرف وہی باقی رہ گیا جو ابتدائی دور میں اردو زبان میں نقل کیے گئے نسب ناموں پر مشتمل تھا یہ ریکارڈ آج بھی اپنی اصل حالت میں متعلقہ خاندانوں کے پاس محفوظ ہے اس کے برعکس فارسی اور عربی زبان کے صرف چند ہی نسخے باقی بچ سکے ہیں جو نسبی ریکارڈ پوری ہوا تھا وہ بہت سے خاندانوں کے تفصیلی حالات پر مشتمل تھا، جبکہ جو ریکارڈ محفوظ رہ گیا وہ صرف اپنے خاندان اور اس سے قریبی تعلق رکھنے والے چند خاندانوں تک محدود رہا جبکہ جو کچھ بچا ہے، وہ بھی بری طرح ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہے، اسی بنا پر اسے اس کتاب میں شامل نہیں کیا گیا جس کی بحالی کی بار بار کوششیں کی گئیں مگر زیادہ تر لوگ ناکام رہے، ان کھوئی ہوئی معلومات کو کسی حد تک واپس حاصل کیا گیا اور اپنے بزرگوں کی تعلیمات سے متعلق تفصیلات مختلف درگاہوں، امام بارگاہوں، خانقاہوں اور پاک و ہند کے دیگر تاریخی مقامات سے تلاش کی گئیں، جہاں ہمیشہ سے نسب ناموں میں درج معلومات محفوظ ہیں، جن میں خاص طور پر اُچ شریف شامل ہے حضرت سید جلال الدین سرخ پوش بخاریؒ کی درگاہ اور حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کی درگاہ سے بھی رہنمائی حاصل کی گئی، غلام الفقراء و المساکین مخدوم حامد محمد زوہار خاس المعروف مخدوم سید سلطان جہانیاں نقوی بخاری سجادہ نشین دربار عالیہ جلالیہ اوج شریف اور پیر طریقت، سادات مآب، چیف آف سادات ہندوستان، پیر طریقت سید ناصر الدین نقوی مودودی ہاشمی چشتی حسنی حسینی سجادہ نشین آستانہ عالیہ جھالرا شریف، اجیر راجستھان بھی پہچان گئے کہ سید شاکر علی شاہؒ بن سید امیر علی شاہؒ کی اولاد و نسل سے ہیں اور یہ بھی پہچان گئے کہ یہی وہ خاندان تھا جن کے پاس حیدرآباد، پاکستان میں سلسلہ کے ایک خلفاء کا وفد ملنے گیا تھا، جہاں سید امید علی سے ملاقات ہوئی تھی، جبکہ غلام الفقراء و المساکین مخدوم حامد محمد زوہار خاس المعروف مخدوم سید سلطان جہانیاں نقوی بخاری سجادہ نشین دربار عالیہ جلالیہ اوج شریف صاحب بھی سید محبت علی کی اولاد و نسل کو بخوبی پہچانتے ہیں اور ان کی تاریخ سے بھی واقف ہیں مزید معلومات معتبر شیعہ اثنا عشری ذرائع سے بھی مستند طور پر حاصل کی گئی ہیں، یوں خاندان کی تاریخ یکجا اور درست طور پر یہاں شامل کی گئی ہے مزید برآں، خاندان کے ایک قابل فرد سید نیاز علی بن سید محبت علی نے پرانی دستاویزات کو خود بھی پڑھا تھا، لیکن جب اس معاملے کے بعد حقیقت سامنے آئی کہ دراصل پرانی تاریخی دستاویزات میں مختلف لوگوں کی تحریروں کے سبب کتابت کی غلطی یا قدیم طرز تحریر کی پیچیدگی کی وجہ سے پڑھنے میں دشواری پیدا ہوئی، جس کی بنا پر جعفر ثانی ابن امام علی نقی علیہ السلام کو علی ابن امام جعفر صادق علیہ السلام سمجھ لیا گیا تھا زبانی طور پر یہ بیان کیا گیا کہ سلسلہ آگے حضرت عبد اللہ سے ہوتا ہوا علی الموبد اور سید جلال الدین سرخ پوش بخاریؒ تک پہنچا بیان، جیسا کہ اوپر بیان کیا جا چکا ہے پاک و ہند میں موجود نسبی دستاویزات سے یہ سادات نقوی اور پرانے بخاری شجرہوں میں بھی معلومات پائی گئی ہیں اور جو ہجرت کے دوران سید محبت علی نے اپنے پرانے دستاویزات جمع کروائے تھے اُچ شریف میں اور لاہور میں قیام کے دوران، جب وہ اپنے علاج کی غرض سے پنجاب تشریف لے گئے تھے، وہ بھی وہاں ملے اور اس معلوماتی مواد میں یہی بات سامنے آئی یوں جو کچھ تھا وہ واضح ہوا کہ حقیقتاً خاندان کی تمام روایات، تعلیمات، طریقے، رسم و رواج اور تمام نشانیاں جعفر ثانی کی طرف تھیں، جو حقیقت میں درست ثابت ہوئیں، جبکہ سید امیر علی شاہؒ مغل طبیب تک، تو خاندان کو اُن تک کے ہر ایک فرد کا علم ہمیشہ سے زبانی طور پر حاصل رہا البتہ اوپر کے کچھ ناموں میں کم علمی کا سامنا رہا جب یہ نام درست طور پر سامنے آئے، تو معلوم ہوا کہ یہ بالکل درست ہیں یہ غلطی عمر درازی کے باعث یادداشت پر پڑنے والے اثرات کی وجہ سے ہوئی یہ واقعہ یوں پیش آیا کہ جب سید محبت علی کی طبیعت خراب ہوئی، تو گھر والے انھیں فوراً اسپتال لے جانے کے لیے بھاگے، جس کے باعث محلے میں کھرام مچ گیا چونکہ یہ ایک گنجان آباد علاقہ تھا اور تمام قریبی گھروں کے لوگ ایک دوسرے کو جانتے تھے، اس لیے گھر والے کسی کو بھی پیچھے چھوڑے بغیر جلدی میں گھر کھلا چھوڑ گئے پورے محلے اور جاننے والوں کو علم تھا کہ اس خاندان کے پاس قیمتی قریبی دستاویزات اور مسجد کے چندے کی رقم بھی موجود ہے، کسی موقع پرست نے اس صورت حال کا فائدہ اٹھاتے ہوئے گھر میں پوری کر لی اور فرار ہو گیا اس دوران سید محبت علی کا انتقال ہو چکا تھا، جس کی وجہ سے خاندان کو مزید پریشانی کا سامنا کرنا پڑا بعد ازاں، جو معلومات اور تعلیمات مختلف مقامات پر اور گھر میں باقی رہ گئی تھیں، انھیں اکٹھا کیا گیا اور یوں کرم الہی سے اس خاندان آل محمد ﷺ، اولاد علیؑ، نسل فاطمہؑ تاریخ میں گم ہونے سے بچ گئی اس عظیم کام کا سربراہ چیف آف سادات وارث دستار مولا علیؑ خادم الفقراء و المساکین مخدوم حامد محمد زوہار خاس المعروف مخدوم حضرت سید سلطان جہانیاں نقوی بخاری صاحب حافظ اُسد سجادہ نشین دربار عالیہ جلالیہ اوج شریف حضرت سید جلال الدین حیدر سرخ پوش بخاری رحمۃ اللہ علیہ مورث اعلیٰ سادات نقوی بخاری برصغیر پاک و ہند اور چیف آف سادات ہندوستان، پیر طریقت چشتیہ، خواجہ حضرت سید ناصر الدین مودود نقوی چشتی صاحب حافظ اُسد کو آپ کے خلفاء کو اور آپ کے قریبی رفقا سید قدیر علی کی اولاد اور ماہرین انساب کو اور مکتب امامیہ جن سے تصدیق کا ایک بڑا حصہ اخذ کیا گیا، ان سب کو مکمل طور پر جاتا ہے، جنھوں نے انتھک محنت کے ذریعے خاندان کی تاریخ کو یکجا کیا اور دونوں نظریات کو پیش نظر رکھتے ہوئے تحقیق و تصدیق کے تمام مراحل مکمل کیے، سادات بخاری کے قدیم شجرہ جات میں تمام تفصیلات موجود تھیں، یہاں تک کہ ہجرت کے وقت کا ریکارڈ بھی دستیاب ہو گیا، جو سید حفیظ علی اور سید محبت علی سے منسلک تھا۔

یہ بات سید محبت علی نے اپنے فرزند ان کو بتائی تھی کہ یہ وہ لوگ ہیں جن کے پاس ہمیشہ سے ہمارا نسب کی ایک نقل محفوظ کی جاتی ہے اور انہی کے پاس ہمارے باقی خاندانوں کی بھی مکمل معلومات موجود ہوتی ہیں، یہ لوگ سب کچھ جمع کرتے ہیں وہ خاص طور درگاہ جلالیہ اُچ شریف کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے کہ وہاں بھی نسب کے یہ نقل لازمی طور پر موجود ہوتے ہیں تقسیم ہند کے وقت ہمارے نسب نامے مختلف مقامات پر پہنچا دیے گئے، جن میں پنجاب بھی شامل تھا اور یوپی کی کسی امام بارگاہ کا بھی ذکر کرتے تھے جبکہ حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کی درگاہ کا ذکر بھی کرتے تھے ان نسبی معاملات میں، تقسیم کے بعد ہندوستان میں ایک خاص مقام یہ تھا جو نسب سادات کے حوالے سے پہچانا جانے لگا، جبکہ پاکستان میں یہ مقام خصوصی طور پر اُچ شریف کو حاصل ہوا، جہاں سادات کے کچھ ایسے خاندان آباد ہیں جو ہجرت کے وقت بھی اس خاندان و اجداد کے ساتھ ساتھ آئے تھے۔

یوں معلوم ہوتا ہے کہ جن افراد کا ذکر سید محبت علی نے کیا تھا، وہ سب انہی خاندانوں سے تعلق رکھتے ہیں، جیسے کہ ایک خاندان، جو ایک ہزار سال سے زائد عرصے سے سادات کے تمام نسب نامے اکٹھا کرنے میں مصروف رہا تاکہ انھیں زیادہ سے زیادہ محفوظ رکھا جاسکے اور یہ خاندان جو ممکنہ طور پر تشیع تھا اور بعد کا معلوم نہیں، جبکہ وہ سادات بخاری ہی تھے اس خاندان کا تعلق آگرہ، فیروز آباد، اتر پردیش، ایران، عراق، افغانستان اور عرب کے دیگر علاقوں سے بھی رہا ہے جہاں تک تمام تاریخی شواہد اور ثبوتوں کا تعلق ہے، تو وہ بھی اسی جانب اشارہ کرتے ہیں کہ سید محبت علی کی ذکر کردہ خاندان آج بھی اوج کے اطراف ہی میں آباد ہو یہ بھی ممکن ہے کہ کسی ماہر انساب یا کسی خاندان نقیب کا تذکرہ ہو، جبکہ یہ بھی ظاہر ہے کہ وہ دربار عالیہ جلالیہ، اوج شریف کے کسی قدیم و محترم سجادہ نشین کی ہی بات کر رہے ہوں۔



## عقائد شناخت اور صوفی سلسلے ایک تاریخی جائزہ

دینی اور روحانی تاریخ میں عقائد اور شناخت کے تعلق کو ہمیشہ اہمیت حاصل رہی ہے صوفی سلسلے، جو محبت، معرفت اور روحانی تربیت کی علامت سمجھے جاتے ہیں، ہمیشہ سے اسلامی تعلیمات کا جزو رہے ہیں تاہم، مختلف صوفی سلاسل کے عقائد اور نظریات پر تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں بعض ایسے پہلو پائے جاتے ہیں جو باریک بینی سے دیکھنے پر کسی مخصوص مسلک کے ساتھ زیادہ ہم آہنگ دکھائی دیتے ہیں۔

### سید محبت علی اور سید حفیظ علی عقیدہ اور شناخت

سید محبت علی اور سید حفیظ علی نے خود کو اہل سنت بریلوی مسلک سے قرار دیا، حالانکہ اگر صوفی سلسلوں کی عمومی روش کو دیکھا جائے تو بیشتر صوفی مشائخ خود کو اہل سنت ہی شمار کرتے آئے ہیں، جہاں صوفی تعلیمات اور نظریات میں بارہ امامی تعلیمات کی جھلک ملتی ہے اس سے ایک تاریخی سوال جنم لیتا ہے کہ آیا ان سے قبل ان کے خاندان کے افراد کے مسلک کے کوئی واضح شواہد موجود ہیں یا نہیں۔

بعض تاریخی روایات اور شواہد کی غیر موجودگی کی بنا پر اس نظریے کو تقویت ملتی ہے کہ سید محبت علی اور سید حفیظ علی کے پیش روؤں کے بارے میں یہ کہنا کہ وہ کسی مخصوص مسلک سے تعلق رکھتے تھے، اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اس خاندان کی یہ شاخ بنیادی طور پر تشیع ہی سے تعلق رکھتی ہے، اگرچہ وقت، حالات اور مختلف علاقوں کے اثر کے تحت درمیان میں اس خاندان کے چند افراد اہل تصوف میں بھی شامل ہوئے تاہم اگر اکثریت اور اصل نسب و بنیاد کو پیش نظر رکھا جائے تو یہ حقیقت بالکل واضح ہے البتہ یہ امر مسلم ہے کہ صوفیانہ تعلیمات ہمیشہ سے محبت، عقیدت اور اہل بیت نظریات سے قریب تر رہی ہیں۔

یہ امر بھی قابل غور ہے کہ سید محبت علی کے فرزند ان اور ان کے بعد آنے والی نسلیں، خاص طور پر سید اعجاز علی اور ان کا خاندانہ بھی مکمل طور پر اثنا عشری عقائد پر قائم رہا مگر ان کے ہاں غیر روایتی آزادی بھی ایک عام بات بن گئی، جو پہلے نہیں تھی، سید حفیظ علی کے نواسوں میں حیدرآباد کے مشہور نوحہ خواں بھی شامل ہیں اور ایک شخص انجمن کے صدر بھی ہیں سید حفیظ علی کے داماد، ان کی نسل اور دیگر قریبی افراد بھی اثنا عشری عقائد سے وابستہ رہے سید حفیظ علی کے سمدھی موہ بولے رشتے کے تحت بھائی، سید شریف رضوی اور ان کے چھ بھائی، جو سب سادات تھے، ان کے بیٹے سید صابر رضوی سید حفیظ علی کے داماد بھی ہیں اور سید شریف رضوی اور سید حفیظ علی دونوں سے منسوب ہیں، اپنی اولاد سمیت مکمل طور پر شیعہ عقیدے سے وابستہ ہیں سید صابر رضوی کے تین بیٹے، جو سید حفیظ علی کے نواسے بھی ہیں، حیدرآباد میں مقیم نام سید اصغر اور سید اکبر سید حیدر رضوی ہیں، جن میں سے ایک حیدرآباد کا معروف نوحہ خواں ہے یہاں ایک اہم نقطہ یہ سامنے آتا ہے کہ تاریخی طور پر جب ایک خاندان ہجرت یا دیگر وجوہات کی بنا پر کسی خاص عقیدے یا مکتب فکر سے منسلک ہوتا ہے تو بعض شاخیں روایتی شناخت کو برقرار رکھتی ہیں، جبکہ بعض مسلک تبدیل کر لیتی ہیں چند افراد جو مکتب اہل بیت سے باہر کی طرف مائل رجحان رکھتے تھے یہی صورت حال اس خاندان میں بھی دیکھی جاسکتی ہے، جہاں کچھ افراد اہل تصوف کے طور پر اپنی شناخت برقرار رکھتے ہیں، جبکہ دیگر افراد اور نسلیں شیعہ عقائد پر ہیں بالخصوص ہجرت کے پس منظر میں آنے والے افراد، جن میں ایک شیعہ خاتون اور ان کا خاندان بھی شامل تھا، اثنا عشری عقائد پر ہی قائم رہے۔

تاریخی طور پر دیکھا جائے تو صوفی سلسلے ہمیشہ ہی وحدت، محبت اور عقیدت کی علامت رہے ہیں اور ان میں کٹر مسلکی تقسیم کی شدت کم دیکھی جاتی ہے اس تحقیق سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ سید محبت علی اور سید حفیظ علی نے خود کو سنی قرار دیا، لیکن ان کے خاندانے میں کئی افراد نے اثنا عشری عقائد کو اپنایا اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ بعض خاندانی اور روحانی تعلقات کی بنا پر لوگ مختلف ادوار میں مسلک تبدیل کرتے رہے ہیں، لیکن محبت اور عقیدت کا رشتہ ہمیشہ قائم رہا بہر حال، خاندان کے چند گھرانے سلسلہ قادریہ سے بیعت و عقیدت پر قائم رہے ہیں یہ تاریخی حقیقت ہمیں اس امر کی یاد دہانی کراتی ہے کہ دین اور روحانیت میں وحدت اور رواداری کو بنیادی اہمیت حاصل ہے اور صوفی تعلیمات ہمیشہ اسی اصول کو فروغ دیتی آئی ہیں۔

contentReference[oaicite:0]{index=0}:

### سید امید علی بن سید محبت علی اور خاندانی شناخت

سید امید علی سے روایت ہے کہ انھوں نے اپنی اولاد اور نسل، خاص طور پر سید ساجد علی سے کہا کہ جب ان سے بار بار پوچھا گیا کہ ان کا خاندانی پس منظر سنی تھا یا شیعہ، تو انھوں نے کہا: ہمارے یہاں سب کچھ تھا، سوائے ماتم کے ہمارے یہاں اور شیعہ عقائد میں صرف ایک چیز کا فرق تھا اور وہ تھا ماتم شیعہ حضرات ماتم کرتے ہیں، جبکہ ہمارے یہاں یہ روایت نہیں آئی یا پھر سید شاکر علی کے بعد سے ختم ہوئی۔

یہ بیان ظاہر کرتا ہے کہ ان کے خاندان میں اہل بیت سے عقیدت اور عقائد موجود تھے، لیکن ماتم کی رسم ان کے خاندان کا حصہ نہیں بنی یہ وضاحت اس دور کے مذہبی اور خاندانی شناخت کے حوالے سے ایک نکتہ فراہم کرتی ہے، جہاں بعض خاندان اپنے عقائد اور روایات کے امتزاج کے ساتھ اپنی پہچان برقرار رکھتے تھے۔

### سید نیاز علی بن سید محبت علی دینی وراثت اور عملی زندگی

سید نیاز علی بن سید محبت علی کو دینی تعلیمات اور روحانی علم سے وابستہ سمجھا جاتا ہے ان سے بعض تعلیمات روایت کی جاتی ہیں، جو ان کی روحانی وابستگی کو ظاہر کرتی ہیں تاہم، وہ اس شعبے میں کسی شہرت یا خاص مقام کے حامل نہیں ہیں، کیونکہ یہ ان کا پیشہ یا دلچسپی کا بنیادی میدان نہیں ہے۔

## روحانی اور نسبی پس منظر

سید نیاز علی نسبی اور روحانی معاملات میں واقفیت رکھتے وہ عام زندگی بسر کرتے لیکن اپنے پیر و مرشد سے جڑے رہ کر کچھ حکمت و علم سیکھ چکے ہیں۔

## پیشہ ورانہ زندگی

سید نیاز علی ایک ریٹائرڈ سرکاری ملازم ہیں اور ریٹائرمنٹ کے بعد ایک نجی کمپنی میں بطور مینیجر خدمات انجام میں ان کی عملی زندگی زیادہ تر پیشہ ورانہ مصروفیات کے گرد گھومتی ہے اور وہ دینی معاملات کو بطور پیشہ نہیں لپناتے۔

## سید محبت علی کی نسل میں دینی تعلیم کا تسلسل

سید محبت علی کی نسل میں سید نیاز علی کے علاوہ، سید محبت علی کے بڑے بیٹے سید امید علی کے بیٹے سید قدیر علی نقوی نے اپنی اولاد کو اچھی دینی اور دنیاوی تعلیم سے آراستہ کیا خاص طور پر، سید قدیر علی نے اپنے دوسرے بیٹے، سید شاہ زین علی نقوی کو حافظ قرآن بننے میں مدد فراہم کی اللہ تبارک و تعالیٰ کے فضل و کرم سے اور والدین کی محنت اور اساتذہ کی رہنمائی کے نتیجے میں، سید شاہ زین علی نقوی ایک بہترین حافظ قرآن بنے اور کراچی سے دینی تعلیم حاصل کی قرآن حفظ کیا اور مختلف جماعتوں کی امامت کا شرف بھی حاصل کیا ان کے علاوہ، سید قدیر علی کے دیگر بیٹوں نے بھی اسی مسجد سے دینی تعلیم حاصل کی سید شاہ زین علی نے اسی تعلیمی ادارے میں ابتدا ہی سے مسجد کے نظام کے مطابق اور اپنی قابلیت کی بنیاد پر مختلف جماعتوں میں امامت کے فرائض سر انجام دیے امامت کرنے کا موقع بھی ملا اور اپنے اساتذہ کے شاگردوں کی تربیت میں بھی معاونت فراہم کرتے رہے۔

باوجود اس کے کہ انھوں نے دینی تعلیم اور امامت میں نمایاں کردار ادا کیا، سید شاہ زین علی نے ان میں سے کسی کام کو ذریعہ معاش نہیں بنایا وہ ایک عام ملازم کی حیثیت سے زندگی بسر کر رہے ہیں اور سادہ طرز زندگی لپناتے ہوئے ہیں۔

یہ تفصیلات ظاہر کرتی ہیں کہ سید محبت علی کی نسل میں دینی تعلیم کا سلسلہ جاری رہا، جہاں افراد نے نہ صرف قرآن مجید کو حفظ کیا بلکہ دینی ذمہ داریوں کو بھی اپنی زندگی کا حصہ بنایا جبکہ خاندان کا تعلق مختلف مقامات سے بھی جڑا ہوا ہے، خواہ وہ تعلق تشیع سے ہو یا تصوف سے، لیکن تقریباً ہر مقام پر یہ خاندان آج بھی رولیت کے مطابق اپنے لوگوں سے جڑا ہوا ہے پاکستان میں ایسے تمام مراکز میں سب سے نمایاں مقام اُوج شریف کو حاصل ہے، جہاں تشیع اور تصوف دونوں کی روایات ایک دوسرے سے جڑی ہوئی ہیں۔

## سید محبت علی کی نسل اور گدی نشینی کا معاملہ

اکثر سید محبت علی کی نسل، خاص طور پر سید امید علی کی نسل کے لوگ بیان کرتے ہیں کہ جب ان سے گدی نشینی یا کسی دینی ذمہ داری کے حوالے سے سوال کیا جاتا تو ان کا رویہ واضح انکار پر مبنی ہوتا وہ جواب دیتے کہ کیا کرنا ہے؟ کیا پیر بن کر میڈرین کے پیسوں پر پلنا ہے؟ یہی رویہ سید امید علی کا بھی تھا۔

جب ہندوستان سے ایک وفد گدی نشینی سونپنے کے لیے آیا تو سید امید علی نے اسے قبول کرنے سے انکار کر دیا اور اپنے تایا زاد بھائی، سید قمر علی بن سید حفیظ علی، کا پتہ دے دیا جو کراچی میں مقیم تھے سید امید علی کا کہنا تھا کہ وہ بھی ایک بیٹے ہیں، آپ ان سے بات کریں تاہم، سید قمر علی کی جانب سے اس معاملے پر کیا رد عمل دیا گیا، اس کی تفصیلات معلوم نہیں البتہ، یہ واضح ہے کہ گدی کراچی منتقل نہیں ہو سکی۔

بعد ازاں، جب سید امید علی کی اپنی اولاد نے بھی یہی سوالات اٹھائے، تو انھوں نے ہمیشہ یہی جواب دیا ان کے ان جوابات سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اپنی ذات اور اپنی اولاد کے لیے روحانی گدی نشینی کے نظام سے اتفاق نہیں رکھتے تھے اور اسے بطور ذریعہ معاش لپنانا پسند نہیں کرتے تھے حالانکہ خود سلسلہ قادریہ سے بیعت ہوئے۔

## سید امید علی کا دینی پس منظر

اگرچہ سید امید علی کا مذہب میں کوئی نمایاں کردار نہیں تھا، وہ روایتی مسلمانوں کی طرح زندگی بسر کرتے تھے وہ کسی خاص مذہبی سرگرمی میں متحرک نہیں رہے، لیکن وہ سلسلہ قادریہ میں بیعت یافتہ تھے اس کے باوجود، ان کا عمومی طرز زندگی ایک عام مسلمان کی طرح ہی تھا اور وہ گدی نشینی یا روحانی پیشوائی کو کسی بھی شکل میں اختیار کرنے سے گریزاں رہے۔

## ورثے کی گمشدگی اور تاریخ کے بکھرتے نشانات

اس تاریخی خاندان کے کئی آثار، تعلیمی جاگیریں، قدیم تحریری نسخے اور دیگر تبرکات وقت کے ساتھ بکھرتے چلے گئے۔ خاص طور پر، سید نفیس علی کی وفات کی وجہ سے، یہ ورثہ مکمل طور پر اگلی نسل تک نہیں پہنچ پایا بعد ازاں، سید محبت علی اور سید حفیظ علی نے فیروز آباد سے آگرہ ہجرت کی اور پھر تقسیم ہند کے موقع پر ایک اور ہجرت وقوع پزیر ہوئی یہی وہ دور تھا جب تاریخی دستاویزات، مسودے اور دیگر بیش قیمت اشیاء وقت کے دھارے میں کھو گئیں سب سے بڑا نقصان اس وقت ہوا جب سید محبت علی کے انتقال کے بعد ان کی رہائش گاہ میں ایک چوری ہوئی اس چوری میں نہ صرف عام مال و اسباب بلکہ تاریخی ورثے کے قیمتی نسخے، تبرکات اور ہزرگوں کی نشانیاں بھی چھن گئیں اس واقعے کے بعد، اس خاندان کے اس عظیم ماضی کے بہت سے شواہد ہمیشہ کے لیے ناپید ہو گئے۔

یہ قصہ صرف ایک جاگیر کی تاریخ نہیں، بلکہ ایک عظیم خانوادے کے عروج و زوال کی کہانی ہے یہ ایک ایسے وقت کی عکاسی کرتا ہے جب سادات خاندان کے بزرگوں نے اپنے روحانی اور علمی ورثے کو پروان چڑھایا، تاریخی مساجد کی سرپرستی کی اور ایک مخصوص معاشرتی و مذہبی نظام کو قائم رکھا مگر وقت کے بے رحم ہاتھوں نے، ہجرتوں اور حادثات نے، اس تاریخ کے کئی صفحات کو مٹا دیا آج صرف چند روایات، مبہم شواہد اور کچھ بکھری ہوئی یادیں باقی ہیں، جو اس خاندان کے عظیم ماضی کی گواہی دیتی ہیں تاریخ میں اس خاندان کے شجرے کو مستند اور تحریف سے محفوظ رکھنے کے لیے یہاں صرف سید امجد علی حاجی سید حفیظ علی اور ان کے بھائی سید محبت علی کی اولاد و نسل کا مکمل ریکارڈ موجود ہے کسی بھی طرح کی تحریف سے محفوظ رکھنے کے لیے اب قانونی ریکارڈ ایف آر سی کی صورت میں آچکا ہے، جس سے اب کسی بھی طرح کی تحریف سے محفوظ رکھا جا سکتا ہے آئندہ شجروں کو ایف آر سی جیسے قانونی دستاویزات کے ذریعے مستند شجروں کو آگے بڑھایا جانا چاہیے۔

## سادات کے ہندوستان آنے کی روایت

یہ روایت ایک اہم تاریخی زاویے کو اجاگر کرتی ہے، جس میں سادات کے ہندوستان آنے کا ذکر ہے اس کے مطابق، دو یا چار شخص جو براہ راست عرب کے ممالک سے ہوتے ہوئے ہند بچھے، ان کے بارے میں کہا جاتا ہے سید امید علی کے مطابق دو لوگ تھے، جو آپس میں باپ بیٹا تھے یا بھائی تھے جبکہ سید قیصر علی کے مطابق چار بھائی تھے، ان میں سے صرف دو بھائیوں سے نسل چلی تھی ایک بھائی درویش بن کر کہیں جنگلات میں نکل گئے تھے اور ایک بھائی لالود رہے یہ روایات یا تو سید امیر علی شاہ کے بارے میں ہو سکتی ہیں یا ان کے اجداد کے متعلق، کیونکہ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ اس زمانے میں جب لوگ اپنے آبائی علاقوں سے حج، عمرہ یا زیارت کے لیے نکلتے تھے، تو یہ سفر مہینوں بلکہ سالوں پر محیط ہوتا تھا اس طویل مسافت کے دوران اکثر مسافر نئے علاقوں کی کشش یا حالات کی وجہ سے وہیں مستقل آباد ہو جایا کرتے تھے جبکہ اس دور میں اکثر مسافروں کا رخ ہندوستان کے اس وقت کے جدید، ترقی یافتہ اور معاشی و روحانی اعتبار سے زرخیز خطوں کی طرف ہوتا تھا، جن میں بالخصوص اتر پردیش ان کا آخری ٹھکانہ بنتا تھا۔ اس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ اس زمانے میں اتر پردیش تمام فقہی علوم اور صوفی نظام کا مرکز مانا جاتا تھا چونکہ یہ ایک زبانی روایت ہے اور باقاعدہ خاندانی نسب ناموں میں درج نہیں ہے، اس لیے اس میں ابہام پایا جاتا ہے یہ خدشہ بھی موجود ہے کہ یہ روایت کسی دوسرے خاندان سے اس خاندان میں شامل ہو گئی ہو یا پھر یہ معلومات زبانی طور پر کسی کے نضیال کی جانب سے منتقل ہوئی ہوں۔

## حضرت سید جلال الدین سرخ پوش بخاریؒ کی ہجرتیں

حضرت سید جلال الدین سرخ پوش بخاریؒ نے پہلی ہجرت بخارا سے ملتان کی طرف کی دوسری ہجرت آپؒ نے اپنے بیٹے کے ساتھ ملتان سے اوج شریف کی طرف کی حضرت جلال الدین سرخ پوش بخاریؒ کی چند نسل نے بعد ازاں اوج شریف سے ہجرت کر کے اتر پردیش کے علاقوں خصوصاً جاس، لکھنؤ، سہارنپور، آگرہ اور فیروزآباد میں اسلامی دعوت اور روحانی قیادت کے لیے قیام کیا اسی طرح حضرت مخدوم جانیان جہاں گشت کا طویل سفر اور پھر وہاں سے واپسی کا سلسلہ بھی رہا اور ان کے بعد آنے والی نسلوں میں بھی ہجرتوں اور سفر کا یہ عمل مسلسل قائم رہا۔

حضرت سید جلال الدین سرخ پوش بخاریؒ کا شمار برصغیر پاک و ہند کے اوائل صوفی مبلغین میں ہوتا ہے جنہوں نے اسلامی تعلیمات کی تبلیغ کے لیے کئی بار ہجرت کی، آپؒ نے اپنے فرزند کے ہمراہ ملتان سے اوج شریف ہجرت فرمائی، جہاں آپؒ نے روحانی و تبلیغی سرگرمیوں کو باقاعدہ منظم کیا اوج شریف آپؒ کا مستقل مسکن بن گیا اور یہاں سے ایک عظیم روحانی سلسلے کا آغاز ہوا آپؒ کے خلفاء اور اولاد نے بعد ازاں اوج شریف سے ہندوستان کے مختلف علاقوں خصوصاً اتر پردیش کے شہر جاس، لکھنؤ، سہارنپور، آگرہ اور فیروزآباد کی طرف ہجرت کی، جہاں انہوں نے اسلامی دعوت، روحانی تربیت اور اصلاح معاشرہ کے لیے نمایاں کردار ادا کیا ان علاقوں میں بخاری سادات آج بھی اپنی روحانی خدمات اور تبلیغی ورثے کے باعث پہچانے جاتے ہیں۔

## حوالہ جات

- غلام رسول مہر، سیرت سید جلال الدین سرخ پوش بخاریؒ، ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور۔
- تاریخ اوج شریف، مرتبہ: سید احمد بخاری، مطبوعہ اوج شریف، 1987۔
- ڈاکٹر غلام یزدانی، آثارِ متقدمین برصغیر، مطبوعہ محکمہ آثار قدیمہ پاکستان، 1955۔
- سید ضیاء الحسن بخاری، بخاری سادات کی علمی و روحانی خدمات، فیروزآباد، بیس02۔
- تذکرہ اولیاء، شیخ فرید الدین عطار، اردو ترجمہ: مولانا محبوب علی، دار الاشاعت، کراچی۔

## اوج شریف، ایران اور تبلیغی سفر

اس میں ایک اہم نکتہ یہ بھی ہے کہ اوج شریف کا ذکر آیا ہے، جبکہ ایران کا رخ کیا چند نسلوں نے جس کے بعد وہ ہندوستان کے مختلف علاقوں میں پھیل گئے ان بزرگوں نے دین کی تبلیغ کی، جس کا اثر اتر پردیش میں بھی پڑا اور اس کے ذریعے سادات خاندان کا ہندوستان میں آنا اور وہاں رہائش اختیار کرنا ممکن ہوا اگرچہ یہ باتیں بہت زیادہ دلیل کی بنیاد پر نہیں کہی جا سکتی ہیں، کیونکہ تاریخی شواہد اور کتابوں میں ایسی بہت سی باتیں ملتی ہیں جو ایک دوسرے سے مختلف ہو سکتی ہیں، لیکن تاریخی کتابوں میں پھیلی ہوئی روایات اس بات کی طرف اشارہ کرتی ہیں کہ ایک اہم نقطہ تھا جہاں سے دین کی تبلیغ کی گئی اور اس کے بعد سادات نے مختلف علاقوں میں اپنا اثر و رسوخ قائم کیا۔



یعنی یہ کہنا کہ اس خاندان کا بند میں کیسے آنا ہوا یا کس علاقے میں پہلے قدم رکھا، تاریخ کے مختلف صفحات اور شواہد کے درمیان ایک پیچیدہ سوال ہے، جس کا جواب واضح نہیں دیا جاسکتا، کیونکہ یہ ساری معلومات ابھی تک کسی ایک متفقہ حقیقت کی صورت میں سامنے نہیں آئی ہیں بہر حال اس خاندان کی ہجرت ہند میں موج دریا حضرت شاہ عبدالغالی موج دریا لاہوری کی فتوحات کے زمانے کے بعد ہی ہوئی تھی۔

## روحانی وراثت

یہ کہا جاتا ہے کہ سید امید علی کی زوجہ ایک مغل نسل سے تعلق رکھتی تھیں تاہم، ان پر کچھ خاص روحانی اثرات بھی تھے جب کبھی انھیں وجد یا حاضری کی کیفیت حاصل ہوتی، تو سامنے بیٹے شخص کو کچھ نہ کچھ بتا دیا کرتی تھیں ان کی زندگی میں اس حوالے سے کئی واقعات مشہور ہیں، لیکن ایک نہایت معروف اور معتبر واقعہ یوں ہے ایک مرتبہ ان کی بہن اپنے ہونے والے داماد کے ساتھ ان کے گھر آئیں یہ شخص اس وقت کم عمر تھا اور قسمت کا ایسا کھیل تھا کہ وہ ان کا داماد نہ بن سکا جب وہ گھر آیا، تو سید امید علی کی زوجہ نے اچانک اس کے متعلق ایک پیشین گوئی کی کہ:

تم قید میں جاؤ گے

یہ سن کر عبد الجبار ناراض ہو گئے، کیونکہ ایسی بات کا تصور بھی ممکن نہ تھا لیکن چند ہی سال گزرے تھے کہ وہ واقعی قید ہو گئے جب وہ قید سے واپس آیا تو دوبارہ ملاقات کی خواہش ظاہر کی ملاقات کے دوران بتایا میں واقعی قید میں چلا گیا تھا، جیسا کہ آپ نے فرمایا تھا آپ مزید کچھ بتائیں اس پر انھیں دوبارہ کشف حاصل ہوا اور انھوں نے کہا اب تم بے حد طاقت اور شہرت حاصل کرو گے اس کے بعد کے حالات کی زیادہ تفصیل معلوم نہیں، مگر یہ بات یقینی ہے کہ آگے چل کر پاکستان کی ایک طاقتور سیاسی تنظیم کا حصہ بن گئے وہ حیدرآباد شہر سے اسمبلی کا رکن منتخب ہو گئے اور مزید آگے بڑھتے ہوئے ایک قابل وزیر کے مشیروں میں سے ایک بنے۔

## سادات عالیہ کی علمی و روحانی وراثت

غیر سادات خواتین سے شادی کا آغاز سید امید علی نے کیا اس سے قبل خاندان میں یہ رواج قطعی طور پر ممنوع تھا سید محبت علی کی نسل میں ان کے بڑے صاحبزادے سید امید علی کے فرزند، سید قدیر علی کے دوسرے بیٹے جنھیں والدین نے قرآن حفظ کرنے کی سعادت بخشی انھوں نے موزن اور امامت کرنے کا شرف حاصل کیا اور مختلف مواقع پر اپنے علمی بصیرت کے ذریعے اپنے اساتذہ کے شاگردوں کو ناظرہ و حفظ کی تعلیم بھی دی تاہم، اپنے معاش کا ذریعہ انھوں نے صرف اپنی نجی ملازمت کو بنایا اور دین کو ہمیشہ خدمتِ خلق کے لیے رکھا جبکہ تاریخ کے بکھرے ٹکڑوں کو سید شاہ زبیب علی نے ترتیب دے کر یکجا کیا، کیونکہ وہ اپنے خاندان اور سادات کی نسبی تاریخ، تاریخ اہل بیت اور فرقوں کی تاریخ پر گہری مہارت رکھتے ہیں جو آج اس شکل میں موجود ہے، حافظ سید شاہ زبیب علی اور ان کے دونوں بھائیوں سید شاہ زبیب علی اور سید شارق علی کی تعلیم و تربیت میں سب سے زیادہ کردار ان کے والد سید قدیر علی اور والدہ بنتِ محراب شیخ کا رہا، جنھوں نے ہر حال میں اپنی اولاد کو بہترین تعلیم و تربیت سے آراستہ کیا، آج اسی تربیت کا نتیجہ ہے کہ اس خاندان سادات کی بقا اور علمی ورثے کو سنوارنے میں ان دونوں ہستیوں کا اہم مقام ہے اور ان کی قربانیوں کا سہرا انہی کے سر جاتا ہے یہ خاتون نہایت قابل اور خاندان آل محمد ﷺ کے لیے باعثِ فخر ثابت ہوئیں ان کی تربیت کی بدولت ان کی اولاد نے نہ صرف خاندان کے نسبی تاریخی معاملات کو بہتر بنایا بلکہ آنے والی نسلوں کے لیے بھی ایک مثال قائم کی، تاکہ آئندہ آل محمد ﷺ کے افراد تاریخ حاصل کر سکیں یہی نہیں، بلکہ دنیاوی تعلیم و تربیت کے ساتھ ساتھ دینی تعلیم و تربیت کا بھی خاص اہتمام کیا ان کی سرپرستی میں ایک بیٹے کو حافظ قرآن بنایا گیا، جو اس بات کی دلیل ہے کہ انھوں نے اپنی اولاد کی اخلاقی و دینی بنیادوں کو مضبوط کیا آج اس خاندان میں نسب کی سالمیت اور پاکیزگی محض انہی معزز خاتون کی کاوشوں کا نتیجہ ہے اگر یہ تربیت نہ ہوتی تو آنے والی نسلیں اپنی نسبی پہچان اور معیار کھو دیتیں اور یہ بھول جاتیں کہ وہ آل محمد ﷺ سے تعلق رکھتی ہیں یہ وہی معزز خاتون ہیں جنھوں نے اس سید خاندان کو نیکیوں سے نوازنے کے لیے بڑی جدوجہد خاندان سادات میں نیکی، تقویٰ اور ایصالِ ثواب کی روایت ہمیشہ سے قائم رہی ہے، مگر ان محترمہ نے ان اعلیٰ اقدار کو ایک منفرد انداز میں اپنایا خاندان میں جب بھی کوئی وفات ہوتی، انھوں نے سب سے بڑھ کر قرآن خوانی، دعا اور ایصالِ ثواب کا اہتمام کیا چاہے وہ مساجد ہوں، مدارس کے بچے ہوں یا خواتین کے دینی حلقے انھوں نے ہر ممکن ذریعے سے قرآن پاک پڑھوا کر مرحومین کے لیے ثواب پہنچانے کی بھرپور کوشش کی گو کہ اس خاندان کے اکثر افراد دینی ذوق رکھنے والے اور نیک سیرت ہیں، مگر ایصالِ ثواب کے اس مسلسل اور منظم جذبے میں ان کی مثال کم ہی دیکھنے کو ملتی ہے ان کا یہ عمل نہ صرف ان کی اپنی بخشش کا ذریعہ ہے بلکہ آنے والی نسلوں کے لیے بھی نیکی اور دعا کا مستقل راستہ ہے۔

اس خاندان کے افراد نے مذہبی کاموں میں ہمیشہ بڑھ چڑھ کر حصہ لیا، مگر اسے کبھی ذریعہ معاش نہیں بنایا اس کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ گذشتہ ادوار میں جب اپنے بزرگوں سے شجرہ نسب یا دیگر خاندانی دستاویزات طلب کی جاتیں، تو اکثر ایک ناپسندیدہ رویہ دیکھنے کو ملتا یہ رجحان مختلف نسلوں میں برقرار رہا، جیسے کہ سید امید علی اور سید محبت علی کا بھی یہی طریقہ رہا خاندان کے بزرگوں میں عموماً صرف ایک ہی صبر و تحمل رکھنے والا فرد خاندانی شجرہ نسب اور دیگر ایسے دستاویزات سنبھالتا تھا، جو سادات کی نسلی اور تاریخی وراثت سے جڑے ہوتے تھے جب بھی کسی فرد نے ان کے بارے میں سوال کیا، تو جواب میں طنز یا سخت الفاظ سننے کو ملے، یہ رویہ چلا آ رہا تھا، جس کی وجہ سے خاندان میں تاریخی و مذہبی دستاویزات تک رسائی مشکل بن رہی یہ مکمل تاریخ مختلف حصوں میں بکھرا ہوا تھا، جسے بہتر انداز میں یکجا کیا گیا ہے تاہم، اب بھی تاریخ کا ایک بڑا حصہ اس میں شامل نہیں ہے اور آج بھی باقی ماندہ تاریخ اور قدیم نسخوں کے حصے مختلف مقامات پر منتشر حالت میں موجود ہیں۔

یہ کتاب نہ صرف سادات نقوی البخاری خاندان کی ایک نسبی، روحانی و تاریخی ہے بلکہ ایک ایسے نادر خاندان کی گواہی بھی ہے جس کی جڑیں مغلیہ و صفوی درباروں، اوج شہرہ و فیروز آباد، اہل بیت کی ولایت، تشیع اور سلسلہ چشتیہ و جلالیہ کے فیوض میں پیوست ہیں اس کا ہر صفحہ ان انفرادی شخصیات کی زندگی کا پرتو ہے جو ہجرت، فقر، قانونی کشمکش اور تاریخی ناانصافیوں کے باوجود اپنی روحانی نسبتوں، دینی خدمات اور علمی وراثت کو محفوظ رکھنے میں مصروف رہے اور سید محبت علی و سید حفیظ علی نے حیدرآباد میں ولایت، امامت اور باوقار ساگی کا عملی نمونہ پیش کیا، تو دوسری طرف ان کے ورثاء نے ہندوستان و پاکستان کے درمیان پھٹے رشتوں کو، زبانی روایتوں اور تاریخی اسناد کے ذریعے، دوبارہ جوڑنے کی سعی کی باوجود اس کے کہ چوبیاں، دستاویزات کا

زیاں اور مغلیہ عطیات کے شواہد کو مٹانے کی سازشیں، اس ورثے کو دھندلا کرنے میں کامیاب ہوئیں، پھر بھی اس خاندان کی تربیت اور خلوص نیت پر مبنی پیغام آج بھی زندہ ہے یہ تحریر اس خواہش کی بھی نمائندہ ہے کہ مستقبل میں کوئی محقق، کسی گمشدہ نقش، کسی محفوظ مخطوطے یا کسی مزار کے غیر معروف گوشے سے اس داستان کے مزید پہلو دریافت کرے، اس کتاب میں شامل تمام معلومات اور روایات، سید محبت علی اور سید حفیظ علی کے خاندانوں سے منقول ہیں مصنفین نے ان روایات کو نہایت ادب، احترام اور دیانت داری کے ساتھ قلم بند کیا ہے اس کتاب کی تالیف کا مقصد صرف یہ ہے کہ اس معزز خاندان کی قدیم کتب، جو پوری یا ضیاع کی صورت میں تاریخ کے صفحات سے گم ہو گئی تھیں کیونکہ وہ کتب شائع نہیں ہوئی تھیں، اُن کے علمی و تاریخی مواد کو محفوظ کیا جاسکے۔ یہ تحریر مکمل خلوص اور نیک نیت کے ساتھ تمام قارئین کے لیے مرتب کی گئی اور دونوں فقہ کے افراد اور ماہر الانسابوں درگاہ جلالیہ اوج شریف و درگاہ اجیر شریف کے معزز حضرات سجادہ نشینوں کی اجازت و تصدیق سے شائع کی جا رہی ہے، تاہم، اگر کسی مقام پر غیر ارادی طور پر کوئی غلطی یا کوتاہی ہو گئی ہو، تو ہم اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہیں کہ وہ ہمیں معاف فرمائے اور ہر فرد جس کا کسی بھی طرح اس کتاب میں ذکر آیا ہے، اگر اس ذکر میں کوئی غلطی یا کوتاہی محسوس کرے، تو ہندوگان خدا ہونے کے ناطے معاف فرمائے یہی اس کتاب کا مقصد، محرک اور پیغام ہے۔

## تاریخ کی ریت پر مٹے نقش تقیہ، ہجرت اور کھوئی ہوئی وراثت نسب، یادداشت اور تاریخ کے گمشدہ اوراق

اس کتاب کو مرتب کی جانے کے دوران، جب روایات قلم بند ہو رہی تھیں اور خاندان کے تقریباً اہم افراد سے تصدیق کے دوران یہ معلوم ہوا کہ سید محبت علی اور سید حفیظ علی اور ان کے ساتھ ان کے آگرہ کے پڑوسی جو حیدرآباد سندھ میں بھی پڑوسی اور عزیز رہے اور جو سید حفیظ علی سید امجد علی کی بیٹی کے سسر بھی بنے، سید شریف رضوی لکھنؤ سے ہجرت کر کے آگرہ پھر حیدرآباد آئے تھے انھوں نے اور وہاں مقیم خاندانوں نے تقیہ کیا تھا خاندان سید محبت علی نقوی بخاری، خاندان سید حفیظ علی نقوی بخاری، خاندان سید امجد علی نقوی بخاری خاندان سید مٹا جعفری، خاندان سید محمد علی جعفری، خاندان سید شاہد جعفری اکبرآبادی، خاندان سید جعفری، خاندان سید عرفان علی نقوی بخاری، خاندان سید عرفان علی نقوی بخاری، خاندان سید جعفری و نقوی بخاری حیدرآباد، خاندان زیدی، خاندان حکیم سید فروغ حسین اور بہت سے چھوٹے گھرانے سادات جو چند افراد پر مشتمل تھے، یہ سبھی ہند سے پاکستان کی آبادکاری تک ایک دوسرے کے ساتھی رہے جبکہ یہ سب آپس میں ایک دوسرے کے قریبی رشتہ دار بھی تھے، جو اگلی نسلیں میں بھی جاری رہا اور موجودہ نسل سے اکثر گھرانے واپس لوٹ گئے جب کہ کچھ نے تصوف کے راستے پر چلنا بہتر سمجھا۔

سید محبت علی نے اپنی اولاد سے اس بارے میں بہت کم ذکر کیا، حالانکہ بیٹے سب کچھ جانتے تھے پھر سید امید علی نے بھی اپنے قریبی خاندانوں سے، اپنے بھائیوں، بیٹوں اور بھانجوں سے بار بار ذکر کیا، مگر اکثر نے اس پر زیادہ دھیان نہ دیا مگر جب اس کتاب کی تحریر جاری تھی، روایات جمع ہو رہی تھیں اور خاندان سے تصدیق کا کام بھی چل رہا تھا، تو اس وقت جب کسی نے بتایا کہ ان تینوں نے ساتھ ہی تقیہ کیا تھا، تو سید امید علی کے بیٹے سید قدیر علی کو یاد آیا کہ یہ تو میرے والد مجھ سے کئی بار کہا کرتے تھے اور اسی وقت سید امید علی کے بیٹے سید ساجد علی نے بھی یہی گواہی دی کہ مجھے بھی والد یہی بتایا کرتے تھے اور وفات سے کچھ عرصہ قبل جب بیمار تھے تو اکثر ذکر کرتے تھے۔

اس بات کی گواہی سید امید علی کی تایا زاد بہن کے تینوں بیٹوں نے بھی دی، جو سید شریف رضوی کے بیٹے سید صابر رضوی کے تینوں بیٹے ہیں سید اصغر رضوی جو کراچی و حیدرآباد میں موجود ایک تشیع الجمہن کے صدر ہیں، ان کے چھوٹے بھائی سید اکبر رضوی جو اس معروف الجمہن کے نائب صدر ہیں اور ساتھ ہی حیدرآباد مولا علی قدم گاہ کے مشہور و معروف نوحہ خواں ہیں اور ان کے سب سے چھوٹے بھائی سید حیدر رضوی ان تینوں بھائیوں نے بھی اس موقع پر کہا کہ ہمیں امید ماموں نے آخری وقت تک یہی بتایا تھا اور دادا، تایا، والد اور والدہ جو سید حفیظ علی کی صاحبزادی تھیں انھوں نے بھی یہی بات بتائی تھی۔

یہی گواہی ان کے والد سید صابر رضوی نے بھی دی اور سید صابر رضوی کے بھائی سید حامد رضوی نے بھی یہی بتایا البتہ سید حامد رضوی نے اور ان کی نسل سے ایک اہل تصوف سے تعلق رکھنے والے شخص کو ایک تیش کے منظر میں یہ بھی کہا کہ تم اپنی اصل پر واپس کیوں نہیں لوٹتے وہ ایک وقت آیا تھا جو گزر گیا اور بات صرف یہیں تک محدود نہیں رہی یہی بات سید محبت علی کے ایک اور بیٹے سید اعجاز علی نے بھی سختی سے بتائی کہ والد نے جب ہجرت کی تو معلوم نہ تھا کہ علاقے اور حالات کیسے رہیں گے اور پھر بعد میں ایک زمانہ آیا جو سابق وزیر اعظم کی پھانسی کے بعد شروع ہوا تھا، مگر یہ کام اس سے پہلے ہی ہو چکا تھا یہاں ایک الگ منظر تھا اور اس پورے لوے نے ایک جتھہ ہو کر تقیہ اختیار کیا اس وقت سید امید علی اور سید قمر علی ابھی سمجھدار ہونے کو تھے اور انھیں سب کچھ معلوم تھا جبکہ سید امید علی کا حلقہ بھی تشیع ہی میں تھا نہ کہ تصوف میں تصوف کی طرف وہ مارشل لا کے وقت آئے یہی گواہی مزید لوگوں نے بھی دی جو اکثر شیعہ اور کچھ سنی مسلک سے بھی ہیں بہر حال یہ معاملہ بہت بعد میں کھل کر سامنے آیا، البتہ ایک گواہی سب نے دی ہے یہاں تک کہ خود ماتر شیعوں نے بھی کہ اس نسل کے بزرگوں میں ماتم نہیں تھا کہ اگر آج وہ طریقہ عزاداری سمجھتی ہو تو ولایتِ فقیہ کا سا معاملہ تھا سید شریف رضوی المعروف شریف چچا کی اولاد و نسل نے یہ بھی بتایا کہ خاندان اس سے بھی بڑا آیا تھا، جو آپس میں جڑے ہوئے تھے شادیوں کی وجہ سے یہاں کئی خاندان آگرہ سے ساتھ آئے تھے رضوی جو لکھنؤ سے آگرہ اور پھر مولا علی قدم گاہ آئے اور ساتھ میں سید شریف اور سید محبت علی کے زیدی، جعفری، رضوی، نقوی سرسی اور نقوی بخاری بھی آئے تھے، جو آپس میں شادیوں کی وجہ سے گھل مل گئے تھے۔

ایک پورا خاندان، تمام گھرانوں سمیت، حیدرآباد حیدرآباد میں مقیم ہوا ایک بڑا خاندان وہاں سے اسلام آباد اس دور میں ہی چلا گیا، ایک کسی اور سمت چلا گیا جو ممکن ہے کہ ملتان یا بہاولپور گیا ایک چھوٹا خاندان، جو سید فروغ حسین کا گھرانہ تھا، وہ کچھ قلعہ قدم گاہ سے نیچے کی طرف آباد ہوا تھا اور کچھ عرصے بعد ہی وہ خاندان کراچی کے کسی علاقے میں چلا گیا، جبکہ وہ بھی تشیع خاندان تھا۔

سید اعجاز علی کا کہنا تھا کہ شجروں کے قدیم نسخوں کی پوری کے معاملات کے بعد بچے ہوئے نسخوں میں سے بھی ایک الگ سے بنا ہوا بڑا نسخہ موجود تھا جو پوری تاریخ کے ساتھ قدیم تھا اور اس میں تاریخ درج تھی ایک دن سید امید علی کے پاس، اعجاز علی کے سامنے ایک شخص آیا یہ سید فروغ حسین تھے جن کا دعویٰ تھا کہ میری والدین ساتھ آئے تھے، ہمارے اور تمہارے پرداواں میں جا کر ایک ہی نسب ہے ہمارا اوپر سے لہذا آپ کے پاس شجرۂ نسب موجود ہے، مجھے دے دیجیے، میں کل ہی واپس کر دوں گا، نقل بنا کر سید امید علی نے وہ فارسی والا نسخہ دے دیا اور

اردو والے اپنے پاس رکھے کچھ مہینوں تک وہ واپس نہ آئے پھر معلومات کی گئیں تو پتا چلا کہ وہ کہیں چلے گئے ہیں وہ حکیم سید فرخ حسین تھے چند سال بعد معلوم ہوا کہ وہ خاندان کراچی میں کہیں آباد ہو گیا ہے، مگر ٹھیک پتہ نہ چل سکا۔

سال 2025 میں، تقریباً 40 سے 50 سال بعد، اس خاندان کے علاقوں میں جا کر دوبارہ معلومات حاصل کرنے کی کوشش کی گئی مگر کچھ علم حاصل نہ ہو سکا یوں شجرے میں صرف نام ہی باقی رہ گئے، تاریخ ختم ہو گئی، قدیم نسخے ضائع ہو گئے اور بھی بڑے نقصان ہوئے۔

سید امید علی نے اپنے سید بھائی سے نیکی کی تھی، مگر وہ نسلوں کی تاریخ نگل گئے اور اجداد کے صرف نام ہاتھ میں رہ گئے تاریخ اور قیمتی و قدیم نشانی سب مٹ گئیں۔

جبکہ ایک ذریعے سے اسی واقعے پر یہ بھی معلوم ہوا کہ اس کے ساتھ ہی، نسب کے ساتھ خاندان کی تاریخ کی کتاب کی ایک نقل بھی تھی، جو غالباً سید محبت علی ہی نے شروع کی تھی اور ان کے وفات پر ادھوری رہ گئی اور پھر وہ کہیں اور ہی چلی گئی اس میں خاندان کے جاگیرداری، قضاء، خاندان میں تاریخ، حکمت میں داخلے سب کا ذکر موجود تھا۔

سید شریف رضوی مرحوم کی نسل کے مطابق، سید امید علی کے وقت میں حیدرآباد والے خاندان سے دو تین خاندانوں کی لڑائی بھی ہو گئی تھی وہاں کی ایک خاتون نے، جو سربراہی میں تھیں، شجرہ نہیں دیا ان کے شوہر اور ان کا نسب ایک تھا، لیکن وہ صرف کسی ایک امام کی اولاد کا نہیں تھا بلکہ ایک جامع ورژن تھا، جس میں تمام خاندانوں کے بزرگوں نے ایک ہی جگہ سارے خاندان کا شجرہ نسب ایک ہی جگہ پر جمع کیا تھا، اس سوچ کے تحت کہ یہ خاندان آپس میں مل چکے ہیں تو اب شجرے بھی ایک ہی جامع کتاب میں جمع کر دیے جائیں۔

مگر جب وہ شجرہ حیدرآباد والوں سے کچھ سال بعد انہی ہیہرآباد والوں نے آپس میں ہی مانگا تو نہ دیا گیا اور کچھ خاندانوں میں لڑائی ہو گئی، جس میں سید امید علی کا کردار بحیثیت رشتہ دار صلح کروانے کا تھا لیکن معاملہ کچھ یوں ہوا کہ وہ جامع نسب کی وجہ سے، کئی سال پہلے اس خاندان کے گھرانوں سے جھگڑے کے بعد تعلق ختم ہو گیا تھا اس طرف سے، جب سید امید علی وفات پا گئے، تو اس کے بعد خاندانوں کا تعلق ٹوٹ گیا اور اب ٹھیک سے کوئی جان پہچان نہ رہی اس طرح، اس خاندان نے نسب کے معاملات میں تین مرتبہ نقصان اٹھایا مگر اللہ تبارک و تعالیٰ کا فضل و کرم ہے کہ کچھ حصہ ایک خاص تاریخ میں قلم بند تھا جو سید امیر علی اور ان کے والد سید حیدر شاہ سے منسوب، ابتدائی دور کی اردو لکھائی میں موجود تھا کئی روایات شامل نہیں کی گئیں اور مکمل طور پر مستند نہ ہونے کی وجہ سے انہیں شامل کرنے سے گریز کیا گیا۔

## آگرہ سے ہجرت لاہور بارڈر سے بہاولپور کے راستے حیدرآباد میں مستقل سکونت

جب سید امید علی کی اولاد و نسل نے حکیم سید فرخ حسین کے گھرانے کی اس دور میں تلاش کی تو حکیم سادات دوسرے گھرانے، جو آگرہ ہی سے ساتھ آئے تھے، کی وساطت سے خاندان کو اپنے اجداد کی تقسیم ہند کے وقت آگرہ سے پاکستان آنے کے سفر اور راستے کی مزید تفصیل معلوم ہوئی، جو نہایت تفصیلی اور جامع نکلی ان کا کہنا تھا کہ وہ آپ لوگوں کے رشتہ داروں میں سے ہیں، سید محبت علی کے قریبی تھے سید امید علی کے ساتھ بھی قربت رہی تھی یہ آپ کے رشتہ داروں میں سے ہی تھے اور ایک رشتہ داروں کا گھرانہ وہ تھا جو سید امید علی کے داماد، سید عرفان علی نقوی البخاری، کا گھر تھا ان کا گھرانہ اور آپ کے دادا والے اور حکیم فرخ علی والے ایک ہی پردادا کی اولاد میں سے تھے، مگر آگرہ میں یہ الگ الگ محلوں سے اٹھ کر آئے تھے ساتھ ہی کچھ انہی کے رشتہ دار تھے جو فیروز آباد، لکھنؤ اور حیدرآباد دکن سے آئے تھے، جبکہ ان کے کچھ اور رشتہ دار تھے جو راستے میں رک گئے پھر انھوں نے بتایا کہ ہمارے اجداد ان کے ساتھ آئے تھے، ہجرت آگرہ سے پنجاب کی طرف ہوئی تھی نہ کہ سید سندھ کی طرف اور یہ ایک بڑی ہجرت تھی ان کے مطابق اور سید قدیر علی کے بیان کے مطابق بھی، اس بڑے گروہ میں بارہ سو سے زائد افراد شامل تھے جو رشتہ داروں میں سے تھے اور سبھی سادات تھے، جبکہ اکثریت مکتبہ تشیع سے تعلق رکھتی تھی۔

سید ساجد علی نقوی کے مطابق، ان خاندانوں نے بیان کیا کہ جب ہجرت سادات کے اس بڑے گروہ کی پنجاب کی طرف لاہور بارڈر سے ہوئی تو ان کی اکثریت نے بہاولپور میں، آج کے عزیز آباد کے علاقے میں، کچھ مہینوں کا قیام کیا اس کے بعد وہ مزید آگے بڑھے اور سعید آباد کے نام سے کچھ فاصلے پر ایک مقام پر آباد ہوئے چند ماہ بعد ان میں سے بعض لوگ دگاہوں کی طرف نکل گئے، کچھ وہیں رکے رہے اور کچھ نے اوج شریف کا رخ کیا باقی کا قافلہ تمام دگاہوں کی زیارت کے بعد آخری زیارت اوج شریف پر حاضر ہوا۔

یہاں چند لوگوں نے مستقل سکونت اختیار کرنے کا فیصلہ کیا اس میں اس حکیم خاندان کا بھی کہنا تھا کہ یہاں سید محبت علی اور ان کے قریبی رشتہ داروں نے اس جگہ کو اپنے اجداد کی جگہ بتایا، مگر یہاں رہائش کا فیصلہ ترک کر دیا، کیونکہ یہاں ذرائع معاش کے معاملات نہیں تھے اور یہ ماحول ایک گاؤں کا سا تھا، جس میں گرمی اور دیگر پریشائیاں لاحق تھیں اس وقت آگرہ ایک تجارتی شہر تھا اور ساتھ ہی دیگر بڑے شہر بھی تجارت اور صنعت میں جدید دور میں تھے اور ان کو اسی طرح کے ماحول کی عادت تھی، اس وجہ سے وہ وہاں مقیم نہ ہو سکے۔

آگے بڑھتے ہوئے حیدرآباد میں ایسا مقام میسر آیا جو وہ پھوڑ کر آئے تھے اور یہی وجہ بنی یہاں آباد ہونے کی جبکہ سید امید علی کے بھی پنجاب میں دیگر جگہوں پر رشتہ داروں سے روابط رہے یہاں تک کہ ملتان سید امید علی کا آنا جانا بھی رہا آگے بڑھتے ہوئے یہی وہ مقام تھا جہاں اس خاندان کے مطابق تمام سادات نے ایک دوسرے کے خاندانوں کے شجرے اپنے پاس قلمبند کیے اور الگ الگ مقامات پر آگے بڑھتے گئے ممکن ہے یہ وہی وقت ہو جب سید محبت علی نے اوج شریف کی طرف اپنے شجرہ کو نقل بھیجواں تھی مخدوم پورہ اور اس کے گرد و نواح کے کئی علاقے، جبکہ کچھ لوگ سعید آباد سے گزرے ہوئے گاؤں گوتھوں کے راستے اوج شریف کے قریب پہنچے اور وہاں سے بعض نے مزید دوسرے علاقوں کا رخ کیا۔

مزید آگے بڑھتے ہوئے، سندھ حیدرآباد میں مولا علی کے قدم گاہ پر مقیم ہوئے، جو سادات کا گزرتھا اور تقریباً شیعہ آبادی پر مشتمل تھا شہر کا نام بھی مولا کے نام حیدر پر تھا یہ جگہ عقیدت کی وجہ بنی اور یہاں سکونت اختیار کی اس طرح یہ خاندان یہاں مستقل طور پر آباد ہوا۔

اللہ تعالیٰ اس شجرے اور اس کتاب میں موجود ہر ایک شخص پر دنیا و آخرت میں اپنی نعمتیں، رحمتیں، کرم، مغفرت اور نجات عطا فرمائے۔ آمین۔

اَسْتَغْفِرُ اللهَ الَّذِي لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ وَأَتُوبُ إِلَيْهِ

لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ إِنِّي كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِينَ

## بڑے صغیر میں ساداتِ نقوی کی مستند شاخیں اور ان کا فقہی، نسبی و تاریخی تعارف

الحمد لله رب العالمین، والصلوة والسلام علی خیر خلقہ محمد وآلہ الطیبین الطاہرین، واللعمۃ الدائمۃ علی أعدائہم أجمعین

ساداتِ نقوی، وہ مقدس نسل زہرا علیہا السلام کا وہ مبارک سلسلہ ہے جو حضرت امام علی النقی علیہ السلام کی اولاد سے ہے نقوی ایک ایسا لقب ہے جو اپنے اندر نورِ امامت، عظمتِ علم، تقویٰ اور خدمتِ دین کی مکمل تاریخ رکھتا ہے اس نسلِ طیب نے ہند و پاک سمیت تمام عالم اسلام میں دینِ حق، تصوف، فقہِ جعفری، علمِ کلام اور عزاداری سید الشہداء کو فروغ دیا۔

مندرجہ ذیل تفصیل میں ہندوستان و پاکستان میں آباد ہونے والی ساداتِ نقوی کی مستند، معتبر اور مکمل شاخوں کا تعارف درج کیا ہے، جو تمام کی تمام امام علی النقی علیہ السلام کی نسل سے ہیں اور جن کا عقیدہ اثنا عشری شیعہ، ولایتِ علی، امامتِ معصومین اور فدائیتِ حسین سے سرشار رہا ہے یہ تحریر قابلِ حوالہ کتب، انسائی شجروں، قدیم مخطوطات اور معروف خانوادوں کی بنانی روایات کی بنیاد پر تیار کی گئی ہے۔

### 1. ساداتِ نقوی سرسی

یہ سادات کا وہ خانوادہ ہے جس کے بانی حضرت سید علی عرب نیشاپوری رحمۃ اللہ علیہ ہیں، جو نیشاپور سے ہجرت کر کے چھٹی صدی ہجری میں ہندوستان آئے اور ضلع مراد آباد کے قصبہ سرسی میں قیام فرمایا یہ وہی سید علی عرب ہیں جن کا شجرہ نسب سید محمد بن امام علی النقی علیہ السلام تک پہنچتا ہے سرسی کے سادات نے فقہ، تفسیر، علمِ انساب اور منبرِ حسینی کو اپنی عبادت کا ذریعہ بنایا آج بھی ان کی نسل علم، عدل اور عزاداری کی خدمت میں سرگرواں ہے۔

### 2. ساداتِ نقوی بخاری / بھکری

یہ شاخ امام علی النقی علیہ السلام کی نسل سے حضرت سید جلال الدین سرخ پوش بخاری کی نسل سے ہے جو بخارا سے ہجرت کر کے پہلے اوج شریف، پھر بھکر، جھنگ، سندھ اور ہند میں آباد ہوئے یہ سادات ابتدا سے فقہ اور سلوکِ اہل بیت کے امین رہے محرومِ جمانیاں جمانگشت اسی شاخ کے فرد تھے اگرچہ بعد میں بعض شاخیں صوفی سنی بھی ہو گئیں، مگر اصل نسب ہمیشہ اہل بیت سے جڑا رہا۔

### 3. ساداتِ نقوی جیسی

جیس ضلع ایبٹھی کی سرزمین پر یہ سادات کا قدیم مرکز رہا ہے ابتدائی نقوی سادات نے یہاں قیام کیا اور علمِ فقہ و منبر کی بنیاد رکھی یہی وہ علاقہ ہے جہاں سے خاندانِ اجتہاد کی بنیاد پڑی ان بزرگوں نے ترویجِ ولایت، اقامہ عزاداری اور دفاعِ اہل بیت کو اپنا فریضہ جانا۔

### 4. ساداتِ نقوی نسیرآبادی

یہ خاندان جیسی سے نکل کر نسیرآباد ضلع رائے بریلی میں قیام پزیر ہوا اور یہاں امامیہ فقہ کا عظیم مرکز وجود میں آیا اس خاندان کے بانی آیت اللہ العظمیٰ سید دلدار علی غفرانآب ہیں جنہوں نے نجف و کربلا میں تعلیم حاصل کی اور ہند میں فقہِ اثنا عشری کی بنیاد رکھی ان کے بعد ان کے پوتے آیت اللہ ناصر الملت اور علامہ سید علی نقی نقوی صاحب نے اس خانوادے کو عالمی سطح پر پہچان دی یہ خانوادہ اجتہاد، عزاداری، علمِ کلام اور فقہِ آلِ محمد کا تاجدار ہے۔

### 5. ساداتِ نقوی امروہی

امروہہ شہر اہل بیت کی محبت اور غمِ حسین کے چراغوں سے روشن رہا ہے یہاں ساداتِ نقوی کی شاخ حضرت شرف الدین شاہ ولایت نقوی کے ذریعے قائم ہوئی یہ بزرگ ساتویں صدی ہجری میں اس خطہ میں تشریف لائے یہاں کے سادات نے علم، خطابت، شعر و ادب اور عزاداری کو فروغ دیا آج بھی امروہی سادات ذکرِ مظلوم کربلا کے امین ہیں۔

### 6. ساداتِ نقوی کنٹھوری

کنٹھور بارہ بنکی میں ساداتِ نقوی نے غفرانآب کی ولادت اور پرورش کی اس خطہ میں فقہ، اجتہاد اور علمِ انساب کی وہ عظیم بنیاد پڑی جس نے بعد میں خاندانِ اجتہاد کو جنم دیا یہاں کے سادات کی نسبت کربلا و نجف سے ہمیشہ جڑی رہی۔

## 7. ساداتِ نقوی الہ آبادی (سراوان)

سراوان ضلع الہ آباد میں ساداتِ نقوی کی یہ قدیم شاخ موجود ہے ان کا شجرہ امام علی النقی علیہ السلام کے ایک بیٹے کے ذریعے سید علی عرب کے برادر کی نسل سے ملتا ہے یہاں کے سادات نے فقہی اور تعلیمی خدمات انجام دیں۔

## 8. ساداتِ نقوی جلالپوری

جلالپور ضلع اسپرنگر نگر کا علاقہ اہل بیت کے وفاداروں کا خطہ رہا ہے یہاں کے سادات منبر، علم، خطابت اور ذکرِ حسین کے شیدائی رہے ہیں۔

## 9. ساداتِ نقوی بلغرامی

بلغرام ہروئی میں ساداتِ نقوی کی یہ شاخ علم و شعر کی دنیا میں نمایاں رہی یہاں کے سادات نے دینی و روحانی خدمات کے ساتھ ساتھ اردو ادب میں بھی نمایاں کارنامے سر انجام دیے۔

## 10. ساداتِ نقوی ہلّوری

ہلّور ضلع بستی کے اس قبیلہ نے مدرسہ ناصریہ جیسے ادارے قائم کیے جہاں فقہ جعفری، اصولِ اجتہاد اور تفسیرِ قرآن کی تعلیم دی جاتی رہی اس خاندان کے بزرگ علم و عبادت کے نمونے تھے۔

## 11. ساداتِ نقوی بدایونی

بدایوں کے اس نقوی خاندان کا تعلق سری اور جلالپوری سادات سے ہے یہاں کے ذاکرین، خطباء اور مدرسین منبرِ حسینی کے محافظ رہے ہیں۔

## 12. ساداتِ نقوی گوالپوری

یہ شاخ گورکھپور اور گوالیار کے اطراف میں موجود ہے، جہاں نوحہ خوانی، مرثیہ نگاری اور خطابت میں ان کا نمایاں مقام رہا ہے۔

## 13. ساداتِ نقوی گلشن آبادی

یہ خاندان سری نقویوں کی توسیع ہے، جو گلشن آباد (مرادآباد) میں آباد ہوا۔ عزاداری اور تعلیم کے ساتھ وابستگی رکھتے ہیں۔

## 14. ساداتِ نقوی ٹنڈو جہانیاں (سندھ)

یہ سادات دراصل نقوی بخاری شاخ سے تعلق رکھتے ہیں، جو سندھ میں آباد ہوئے ٹنڈو جہانیاں فقہ، درویشی اور علمِ اہل بیت کا مرکز رہا۔

## 15. ساداتِ نقوی اوج شریف

یہ شاخ حضرت مخدوم جہانیاں جہانگشت رحمۃ اللہ علیہ کے ذریعے امام علی النقی علیہ السلام کی نسل سے ہے اگرچہ وقت کے ساتھ بعض شاخیں صوفی سلسلوں میں شامل ہو گئیں، لیکن شجرۂ طیبہ اہل بیت سے جڑا ہوا ہے۔

## 16. ساداتِ نقوی مودودی

یہ شاخ ضلع اعظم گڑھ کے شہر مومل میں موجود ہے یہاں کے معروف فرد سید ابوالاعلیٰ نقوی مودودی المعروف مولانا مودودی تھے جنہوں نے سنی فکر لپٹائی، مگر ان کا نسب امام علی النقی علیہ السلام سے جڑا ہوا ہے حضرت امام علیؑ کی نسلِ پاک سے تعلق رکھنے والے ایک جلیل القدر بزرگ افغانستان کے علاقے پشست میں آکر آباد ہوئے، جہاں انہوں نے روحانیت اور تصوف کی راہ اختیار کی اسی متبرک نسل سے سلسلہ چشتیہ کے پانچویں عظیم پیشوا، حضرت سید خواجہ قطب الدین مودود چشتی رحمۃ اللہ علیہ، منصفہ ارشاد پر فائز ہوئے آج اس خاندان کے چشم و چراغ پاکستان، ہندوستان اور افغانستان کے بیشتر علاقوں میں آباد ہیں آپ کی نسبت سے اس مقدس نسل کی پہچان نقوی مودودی کہلائی، جو ساداتِ نقوی کی ایک باوقار اور روحانی لحاظ سے ممتاز شاخ سمجھی جاتی ہے آپ ہی حضرت خواجہ غریب نواز، خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ کے پردادا پیر و مرشد تھے۔



## 17. ساداتِ نقوی بجنوری

یہ شاخ علمی، دینی اور فقہی میدان میں سرگرم ہے بجنور کے نقوی سادات کا جھکاؤ اہل تشیع کے ساتھ مضبوط رہا ہے۔

## 18. ساداتِ نقوی فتحپوری

فتحپور سادات میں یہ خاندان فقہی مدارس اور عزاداری کے نظام میں متحرک رہا ہے۔

## 19. ساداتِ نقوی مرادآبادی

یہ شاخ سرسری نقویوں کی ذیلی نسل ہے مرادآباد میں سادات کی بڑی تعداد آج بھی اہل بیت کی خدمت میں مصروف ہے۔

## 20. ساداتِ نقوی اعظم گڑھ

یہ سادات علم و خطابت میں ممتاز ہیں مدارس، منبر اور نوجوانوں کی دینی تربیت میں ان کا کردار نمایاں ہے۔

## 21. ساداتِ نقوی آگرہ و فیروزآبادی

آگرہ اور فیروزآباد میں مقیم نقوی سادات قدیم آبادکار خاندانوں میں شمار ہوتے ہیں۔ ان کی بعض شاخیں امرہوی یا جونپوری نقوی سادات سے نسبی تعلق کا دعویٰ رکھتی ہیں۔ مزید برآں، ان شہروں میں محدود تعداد میں نقوی بخاری سادات بھی پائے جاتے ہیں، جن کی آمد زیادہ تر انفرادی ہجرتوں کے نتیجے میں ہوئی۔ یہ خاندان منبر، تدریس اور مذہبی اجتماعات میں اپنی موجودگی کے باعث معروف رہے ہیں۔

## 22. ساداتِ نقوی کنوجی

کنوج میں موجود نقوی سادات قدیم ہیں اور ان کے بعض اجداد اُوج شریف یا بخارا سے ہجرت کر کے یہاں پہنچے تھے۔

## 23. ساداتِ نقوی جونپوری

جونپور کا یہ خاندان جیسی اور امرہوی نقویوں سے جڑا ہے اور آج بھی عزاداری، منبر اور تعلیم دینی میں فعال ہے۔

## 24. ساداتِ نقوی جالندھری

یہ شاخ پنجاب کے شہر جالندھر میں پائی جاتی ہے۔ برصغیر کی دیگر نقوی شاخوں کی طرح ان کے بعض اجداد کی نسبت اوج شریف، بخارا یا عراق سے ہجرت کی روایات سے جوڑی جاتی ہے۔ مقامی طور پر یہ خاندان دینی خدمات، عزاداری اور علمی مجالس میں فعال رہا ہے۔

## 25. ساداتِ نقوی بھاگلپوری

یہ شاخ بہار میں موجود ہے ان کا نسب غالباً امرہوی یا نسیرآبادی شاخ سے ملتا ہے۔

## بڑے صغیر میں ساداتِ نقوی کی زمانی، فکری اور جغرافیائی تقسیم ایک تاریخی اجمالی جائزہ

حضرت امام علی النقی علیہ السلام کی نسل طیبہ جب اسلامی دنیا کے مختلف خطوں میں پھیلی تو چوتھی صدی ہجری سے لے کر تیرہویں صدی ہجری تک ساداتِ نقوی نے علم، فقہ، عرفان اور خدمتِ اہل بیت کے چراغ مختلف علاقوں میں روشن کیے چھٹی صدی ہجری میں خراسان کے شہر نیشاپور سے حضرت سید علی عرب نقوی نے ہجرت کی اور سنہ 630ھ میں مرادآباد کے نزدیک قصبہ سرسی کو اپنا مستقر بنایا اسی دور میں وسطِ ایشیا کے شہر بخارا میں حضرت سید جلال الدین سرخ پوش بخاری (متوفی 690ھ) نے دینی، روحانی اور اصلاحی تحریک کی بنیاد رکھی، جو بعد میں اوج شریف اور بھکر تک پہنچی ساتھ ہی، جیس اور کنھور کے علاقوں میں نقوی سادات کی آمد ہوئی، جہاں فقہ آلِ محمد کے ابتدائی بیج بوئے گئے ساتویں صدی میں حضرت شرف الدین شاہ ولایت نے امرہہ کو مرکز ولایت بنایا، جب کہ سندھ کے بعض علاقے، خصوصاً سُندھ جمانیاں، صوفیانہ نقوی سلسلوں کا گہوارہ بنے آٹھویں سے دسویں صدی کے درمیان اوج شریف میں ساداتِ نقوی نے تزکیہ نفس، درویشی اور عوامی اصلاح کی محافل قائم کیں، جب کہ مؤ (موجودہ ضلع اعظم گڑھ) میں نقوی سادات نے دینی تعلیمی مراکز کی بنیاد رکھی، جن سے بعد میں مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی جیسے مفکر پیدا ہوئے گیارہویں صدی میں جب ہندوستان میں صفوی اثرات بڑھے تو نسیرآباد میں آیت اللہ سید دلدار علی نقوی غفرانماں نے سنہ 1200ھ کے بعد فقہ اصولِ اہل بیت کی باضابطہ بنیاد رکھی اور دارالاجتہاد کا آغاز کیا اسی زمانے میں فتحپور، بلگرام، بلور، گلشن آباد اور جلالپور کے ساداتِ نقوی نے منبر و ذاکری، تفسیر و تبلیغ اور عزاداری کی بھرپور

خدمت کی ان تمام علاقوں میں سادات نقوی نے ہر مقام پر حالات کے مطابق اپنی پہچان بنائیں مدرسہ کی بنیاد رکھی، کہیں خانقاہ میں خدمت کی، کہیں منبر پر ذکرِ اہل بیت کیا اور کہیں تلوار کی بجائے قلم سے باطل کو لکھارا ان تمام ادوار میں سادات نقوی کا ایک ہی شعار رہا ولایتِ علیؑ، اطاعتِ آئمہ اہل بیت اور خدمتِ حسینؑ۔

contentReference[oaicite:0]{index=0}:

## حوالہ جات

بخاری (2026)۔ گلزارِ جلالیہ: انسابِ سادات نقوی البخاری الحسنی الحسینی (اول ایڈیشن)۔ بہاولپور، لاہور، اسلام آباد: تہذیب انٹرنیشنل پبلیکیشنز۔  
ص 315- ISBN: 9798258707406:{{حوالہ کتاب}}: نامعلوم پیرامیٹر |پہلے= رد کیا گیا (معاونت)

[1] Aal-e-Zahra" (<https://doi.org/10.5281/zenodo.20199191>)(<https://doi.org/10.5281/zenodo.20199191>) [1]  
CERN Data Centre. 15 May 2026. DOI:10.5281/zenodo.20199191. Retrieved . (بہان انگریزی). Zenodo (S.A)  
2026-05-18. {{حوالہ ویب}}: ایو آر ایل= پیرامیٹر کو جانچ لیجیے (help)

[2] Historical and" (<https://doi.org/10.5281/zenodo.20070090>)(<https://doi.org/10.5281/zenodo.20070090>) [2]  
CERN Data Centre. . (بہان انگریزی). Zenodo (S.A) "Genealogical Study of a Naqvi Bukhari Saadat Family of Pak o Hind  
7 May 2026. DOI:10.5281/zenodo.20070090. Retrieved 2026-05-18  
{{حوالہ ویب}}: ایو آر ایل= پیرامیٹر کو جانچ لیجیے (help)

[3] [https://archive.org/details/@sadaat\\_geneolog](https://archive.org/details/@sadaat_geneolog)([https://archive.org/details/@sadaat\\_geneology\\_contact](https://archive.org/details/@sadaat_geneology_contact)) [3]  
Retrieved . (بہان انگریزی). Internet Archive (y\_contact) "Research Publication of Family of Saadat Naqvi"  
2026-05-18. {{حوالہ ویب}}: ایو آر ایل= پیرامیٹر کو جانچ لیجیے (help)

[4] <https://contactsadaatgeneology-lab.github.io/saadat-hyderabad-firozabadi-agra-aaleameer-aalenafees-> [4]  
<https://contactsadaatgeneology-lab.github.io/saadat-hyderabad-firozabadi-agra-aaleameer-a/-family-tree>  
Git Hub Pages (bہان انگریزی). ["Historical Genealogical Website of Naqvi Bukhari Sadat" (-alenafees-family-tree)  
Retrieved 2026-05-18. {{حوالہ ویب}}: ایو آر ایل= پیرامیٹر کو جانچ لیجیے (help)

[5] ht(<https://www.scribd.com/document/1035201682/Research-Publication-of-Family-of-Saadat-Naqvi>) [5]  
(tps://www.scribd.com/document/1035201682/Research-Publication-of-Family-of-Saadat-Naqvi  
Retrieved 2026-05-18. {{حوالہ ویب}}: ایو آر ایل= پیرامیٹر کو جانچ لیجیے (help)

[6] <https://www.scribd.com/document/1036410911/Research-Publication-of-Family-of-Saadat-Naqvi-D> [6]  
<https://www.scribd.com/document/1036410911/Research-Publication-of-Family-of-Saadat-Naqvi-D>  
Research Publication of Family of Saadat Naqvi" (amily-of-Saadat-Naqvi-DOI-10-5281-zenodo-20070090  
Retrieved 2026-05-18. {{حوالہ ویب}}: ایو آر ایل= پیرامیٹر کو جانچ لیجیے (help)

[7] <https://www.slideshare.net/slideshow/research-publication-of-family-of-saadat-naqvi-bukhari-pak-o-hind-naqvi-syed-genealogy-ahl-al-bayt-history-doi-archive/287467322> [7]  
<https://www.slideshare.net/slideshow/research-publication-of-family-of-saadat-naqvi-bukhari-pak-o-hind-naqvi-syed-genealogy-ahl-al-bayt-history-doi-archive/287467322>  
["Research Publication of Family of Saadat Naqvi Bukhari Pak o Hind" (history-doi-archive/287467322  
SlideShare (بہان انگریزی). Retrieved 2026-05-18. {{حوالہ ویب}}: ایو آر ایل= پیرامیٹر کو جانچ لیجیے (help)

[8]] (<https://www.youtube.com/@GeneologyofSadaat>) (<https://www.youtube.com/@GeneologyofSadaat>) [8]]  
 "Geneology of Sadaat" YouTube. (ٻڌڻي انگريزي). Retrieved 2026-05-18. {{حوالو ويب}}: ايوارايل=پيراميٽر ڪو جانچ  
(help)

[9]] ([https://www.youtube.com/watch?v=qn\\_Trnq2e](https://www.youtube.com/watch?v=qn_Trnq2e)) ([https://www.youtube.com/watch?v=qn\\_Trnq2eCk](https://www.youtube.com/watch?v=qn_Trnq2eCk)) [9]]  
 "Research Publication of Family of Saadat Naqvi" (Ck {{حوالو ويب}}: ايوارايل=پيراميٽر ڪو جانچ  
(help)

[10]] (<https://gulzarejalaliya.blogspot.com>) (<https://gulzarejalaliya.blogspot.com>) [10]]  
 "گلزارِ جلالیہ" - Blogger. اغز شدہ بتاریخ 18-05-2026 {{حوالو ويب}}: ايوارايل=پيراميٽر ڪو جانچ  
(معاونت)

[11]] (<https://shajra-nasab-sadaat-naqvi-albukhari.blogspot.com/2026/05/gulzar-e-jalalia-gulzar-e-jalaliya.ht>) [11]]  
 (<https://shajra-nasab-sadaat-naqvi-albukhari.blogspot.com/2026/05/gulzar-e-jalalia-gulzar-e-jalaliya.ht>) (ml  
 "گلزارِ جلالیہ — سادات نقوی البخاری شجرۂ نسب" - Blogger. اغز شدہ بتاریخ 18-05-2026 {{حوالو ويب}}: ايوارايل=پيراميٽر ڪو جانچ  
(معاونت)

[12]] (<https://sites.google.com/view/ansaabesadaat/ho>) (<https://sites.google.com/view/ansaabesadaat/home>) [12]]  
 "انساب سادات" - Google Sites. اغز شدہ بتاریخ 18-05-2026 {{حوالو ويب}}: ايوارايل=پيراميٽر ڪو جانچ  
(معاونت)

[13]] (<https://www.ancestry.com/family-tree/tree/>) (<https://www.ancestry.com/family-tree/tree/210443711>) [13]]  
 "Family Tree of Saadat Naqvi" (210443711 {{حوالو ويب}}: ايوارايل=پيراميٽر ڪو جانچ  
(help)

[14]] (<https://www.amazon.in/dp/B0GX2YFVYX>) (<https://www.amazon.in/dp/B0GX2YFVYX>) [14]]  
 Amazon Kindle Direct Publishing - ASIN:B0GX2YFVYX - Amazon. اغز شدہ بتاریخ 18-05-2026 {{حوالو ويب}}: ايوارايل=پيراميٽر ڪو جانچ  
(معاونت)

[15]] (<https://www.amazon.in/dp/B0H15D6T4G>) (<https://www.amazon.in/dp/B0H15D6T4G>) [15]]  
 "Saadat Naqvi: History, Genealogy, and Spiritual Legacy" Amazon Kindle Direct Publishing. (ٻڌڻي انگريزي).  
 Amazon. ASIN:B0H15D6T4G. Retrieved 2026-05-18 {{حوالو ويب}}: ايوارايل=پيراميٽر ڪو جانچ  
(help)

[16]] (<https://www.amazon.in/dp/B0H15RF861>) (<https://www.amazon.in/dp/B0H15RF861>) [16]]  
 "Saadat Naqvi: History, Genealogy, and Spiritual Legacy (Paperback Edition)" Amazon Kindle Direct  
 Publishing. (ٻڌڻي انگريزي). Amazon. ASIN:B0H15RF861. Retrieved 2026-05-18 {{حوالو ويب}}: ايوارايل=پيراميٽر ڪو جانچ  
(help)

[17]] (<https://www.amazon.in/dp/B0H22C5FH7>) (<https://www.amazon.in/dp/B0H22C5FH7>) [17]]  
 "Aal-e-Zahra" (S.A) Amazon Kindle Direct Publishing - ASIN:B0H22C5FH7 - Amazon. اغز شدہ بتاریخ 18-05-2026 {{حوالو ويب}}: ايوارايل=پيراميٽر ڪو جانچ  
(معاونت)

[18]] (<https://www.amazon.in/dp/B0H1XB43R2>) (<https://www.amazon.in/dp/B0H1XB43R2>) [18]]  
 "Aal-e-Zahra" (S.A) Amazon Kindle Direct Publishing - ASIN:B0H1XB43R2 - Amazon. اغز شدہ بتاریخ 18-05-2026 {{حوالو ويب}}: ايوارايل=پيراميٽر ڪو جانچ  
(معاونت)



<https://scholars.pk/ur/scholar/hazrat-syed-sultan-jalaluddin-haider-soharwardi> [19] <https://scholars.pk/ur/scholar/hazrat-syed-sultan-jalaluddin-haider-soharwardi> "حضرت سید سلطان جلال الدین حیدر سہروردی" - Scholars.pk۔ اخذ شدہ بتاریخ 18-05-2026 [{ {حوالہ ویب} }](#): ایو آر ایل=پیرامیٹر کو جانچ لیجیے (معاونت)

[https://sc\)\(https://scholar.ziaetaiba.com/ur/scholar/hazrat-syed-sultan-jalaluddin-haider-soharwardi](https://sc)(https://scholar.ziaetaiba.com/ur/scholar/hazrat-syed-sultan-jalaluddin-haider-soharwardi) [20] [holar.ziaetaiba.com/ur/scholar/hazrat-syed-sultan-jalaluddin-haider-soharwardi](https://scholar.ziaetaiba.com/ur/scholar/hazrat-syed-sultan-jalaluddin-haider-soharwardi) "حضرت سید سلطان جلال الدین حیدر سہروردی" - ضیائے طیبہ۔ اخذ شدہ بتاریخ 18-05-2026 [{ {حوالہ ویب} }](#): ایو آر ایل=پیرامیٹر کو جانچ لیجیے (معاونت)

مہر۔ سیرت سید جلال الدین سرخ پوش بخاری۔ لاہور: ادارہ ثقافت اسلامیہ [{ {حوالہ کتاب} }](#): نامعلوم پیرامیٹر پہلے= رد کیا گیا (معاونت)

بخاری (1987)۔ تاریخ اُوج شریف۔ اُوج شریف: اُوج شریف پبلیکیشنز [{ {حوالہ کتاب} }](#): نامعلوم پیرامیٹر پہلے= رد کیا گیا (معاونت)

یزدانی (1955)۔ آثارِ متقدمین برصغیر۔ محکمہ آثارِ قدیمہ پاکستان [{ {حوالہ کتاب} }](#): نامعلوم پیرامیٹر پہلے= رد کیا گیا (معاونت)

بخاری (2002)۔ بخاری سادات کی علمی و روحانی خدمات۔ فیروز آباد [{ {حوالہ کتاب} }](#): نامعلوم پیرامیٹر پہلے= رد کیا گیا (معاونت)

عطار۔ تذکرۃ الاولیاء۔ ترجمہ از مولانا محبوب علی۔ کراچی: دار الاشاعت [{ {حوالہ کتاب} }](#): نامعلوم پیرامیٹر پہلے= رد کیا گیا (معاونت)

امام محمد بن جریر الطبری۔ تاریخ الرسل والملوک (بزبان عربی)

حافظ ابن کثیر۔ البدایہ والنہایہ (بزبان عربی)

عبد الملک ابن ہشام۔ سیرت ابن ہشام (بزبان عربی)

محمد بن سعد۔ طبقات ابن سعد (بزبان عربی)

احمد بن یحییٰ البلاذری۔ انساب الاشراف (بزبان عربی)

مرآتِ جلالی

تاریخ انوارِ سادات

## بیرونی روابط

- Aal-e- <https://doi.org/10.5281/zenodo.20199191> <https://doi.org/10.5281/zenodo.20199191> [21] [Zahra (S.A) — Zenodo DOI]
- <https://doi.org/10.5281/zenodo.20070090> <https://doi.org/10.5281/zenodo.20070090> [22] [Historical and Genealogical Study of a Naqvi Bukhari Saadat Family of Pak o Hind]
- [https://archive.org/details/@sadaat\\_](https://archive.org/details/@sadaat_) [https://archive.org/details/@sadaat\\_geneology\\_contact](https://archive.org/details/@sadaat_geneology_contact) [23] [Internet Archive Archive (geneology\_contact)]
- <https://contactsadaatgeneology-lab.github.io/saadat-hyderabad-firozabadi-agra-aaleameer-> [24] <https://contactsadaatgeneology-lab.github.io/saadat-hyderabad-firozabadi-agra-aaleameer-aalenafees-family-tree> [Historical Genealogical Website (/ -adi-agra-aaleameer-aalenafees-family-tree)]

- <https://www.youtube.com/@GenealogyofS>(<https://www.youtube.com/@GenealogyofSadaat>) [25]  
[Geneology of Sadaat YouTube Channel (adaat
  - [/https://gulzarejalaliya.blogspot.com/](https://gulzarejalaliya.blogspot.com/))(<https://gulzarejalaliya.blogspot.com/>) [26]  
[Blogspot
  - <https://sites.google.com/view/ansaabes>)(<https://sites.google.com/view/ansaabesadaat/home>) [27]  
[adaat/home (انساب سادات]
  - <https://www.ancestry.com/family-tree>)(<https://www.ancestry.com/family-tree/tree/210443711>) [28]  
[Family Tree Archive (e/tree/210443711
  - <https://sites.google.com/view/ansaabesadaat/home>
- 

اخذ کرده از «[https://ur.wikipedia.org/w/index.php?title=گلزار\\_جلالیه&oldid=10503540](https://ur.wikipedia.org/w/index.php?title=گلزار_جلالیه&oldid=10503540)»